تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّہ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلٰی حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

فہرست جلد دوم

ابواب و مسائل

فہرست ضمنی مسائل

مسائل وضو

نواقضِ وضو

مسائلِ غُسل

کنویں کے مسائل

مسائلِ تیمم

مسح خفین

حیض

انجاس

ناج کے ڈھیر میں ناپاکی ہوگئی اور جگہ معلوم نہ رہی اور ناج بٹ گیا یا کسی کو اُس میں سے کچھ ہبہ یا صدقہ کردیا ہر ایک کو اُس کا استعمال جائز ہوگیا۔ — ۵۳۷

کپڑا ناپاک ہوگیا اور جگہ یاد نہ رہی تو کیا حکم ہے۔ — ۵۲۸

جانوروں کے بدن کو جو نجاست لگتی ہے سوکھ کر صاف ہوکر پاک ہوجاتی ہے۔ — ۵۶۴

جانور کا منہ ناپاک ہوگیا اُس نے چار برتنوں میں منہ ڈالا تین پہلے ناپاک ہوگئے چوتھا پاک رہا۔ — ۵۶۵

گوشت کا خون پاک ہے اور جانور حلال ہو تو حلال بھی۔ — ۵۶۵

استنجا

پانی میں پیشاب کرنا مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ دریا میں ہو۔ — ۱۵۸

استنجے کے لیے پانی شرط نہیں ہر پاک چیز کہ نجاست کا ازالہ کرے کافی ہے۔ — ۲۷۳

ڈھیلے سے استنجا پوری طہارت ہے جبکہ نجاست روپے بھر سے زیادہ نہ پھیلی ہو۔ — ۴۵۳

مسائل نماز

ناپاک زمین پر جوتا پہنے کھڑا ہوا نماز نہ ہوگی اور جوتوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا ہوجائیگی — ۹۶

دوسرے کے پیچھے عاقل بالغ کی نماز نہیں ہوسکتی۔ — ۵۲۹

احکام مسجد

وضو یا غسل کا پانی مسجد میں ڈالنا چھڑکنا حرام ہے اور گلاب سے وضو کیا تو وضو نہ ہوا اور وہ گلاب مسجد میں چھڑک سکتے ہیں۔ — ۴۷

جب تک بدن یا کپڑے میں بدبو ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شرکت منع۔ — ۳۲۰

جنائز

ہر نیکی سے گناہ دُھلتے ہیں مگر ان کی نجاست صرف اس چیز کی طرف منتقل ہوتی ہے جسے شرع نے بالخصوص اُس قربت کی اقامت کو معین فرمایا ہو، نیازِ اولیاء کا کھانا متبرک ہے صدقہ کے سبب اس میں خباثت ماننا وہابیہ کی خباثت ہے۔ — ۶۲

مردہ ڈوب کر اُتر آیا اُس کا غسل ہوگیا مگر زندوں پر جو غسل دینا فرض ہے ادا نہ ہوا۔ لہٰذا لازم کہ نہلانے کی نیت سے اُسے پانی میں جنبش دے لیں۔ — ۱۱۴

مُردے کو بے نیت غسل دیا فرض اُتر گیا ثواب نہ ملے گا۔ — ۱۱۶

میّت کے سر و ریش کو خطمی سے دھوئیں ورنہ پاک صابون سے۔ — ۵۷۰

مسائل روزہ

روزہ میں اپنی عورت کا بوسہ لینا جوان کو مکروہ ہے بُوڑھے کو نہیں۔ — ۶۹۲ (حاشیہ)

مسائل حج

مسائل نکاح

مسائل قسم

مسائل سیر

مسائل شرکت

مسائل وقف

مسائل وکالت

مسائل ہبہ

مسائل اجارہ

مسائل حجر

مسائل غصب

مسائل قسمت

مسائل شکار و ذبیحہ و قربانی

مسائل حظر و اباحت

مسائل احیائے موات

مسائل شرب

رسم المفتی

مسائل کلامیہ

فوائد حدیثیہ

اسماء الرجال

فضائل ومناقب

فوائد اصولیہ

ہندسہ وریاضی

متفرقات

مجمل فہرست مضامین رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب المیاہ

(پانیوں کا بیان)

مسئلہ ۲۳ ۲۷ صفر ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بقیہ آبِ وضو سے کہ برتن میں رہ جائے وضو جائز ہے یا نہیں اور اگر پہلا وضو کرنے میں کچھ پانی ہاتھ سے اُس میں گر پڑا تو کیا حکم ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بقیہ آبِ وضو کہ برتن میں رہ جاتا ہے مائے مستعمل نہیں بلکہ وہ پانی ہے جو استعمال سے بچ رہا اُس سے وضو میں کوئی حرج نہیں اور مائے مستعمل اگر غیر مستعمل میں مل جائے تو مذہب صحیح میں اُس سے وضو جائز ہے جب تک مائے مستعمل غیر مستعمل سے زاید نہ ہوجائے اگرچہ مستعمل پانی دھار بندھ کر گرا ہو، اور بعض نے کہا اس صورت میں بھی مستعمل فاسد کردے گا اور وضو جائز نہ ہوگا اگرچہ غیر مستعمل زائد ہو مگر ترجیح مذہب اول کو ہے۔

فی فتاوی الخلاصۃ جنب اغتسل فانتضح من غسلہ شیئ فی اناثہ لم یفسد علیہ الماء اما اذا کان یسیل منہ سیلا فاسدہ وکذا حوض الحمام علی ھذا وعلی قول محمد لایفسدہ مالم یغلب علیہ یعنی لایخرجہ من الطھوریۃ[1] وفی الدرالمختار یرفع الحدث بماء مطلق لابماء مغلوب بمستعمل بالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطہیر بالکل والالا وعلی ما حققہ فی البحر والنھر والمنح[2] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

فتاوٰی خلاصہ میں ہے اگر جُنبی شخص کے جسم سے بوقتِ غسل کچھ چھینٹے برتن میں گر گئے تو پانی ناپاک نہ ہوگا، ہاں اگر باقاعدہ بہ کر پانی گرا تو ناپاک ہوگا اور حمام کے حوض کا بھی یہی حکم ہے اور امام محمد کا قول ہے کہ صرف اُسی وقت ناپاک ہوگا جب وہ پاک پانی پر غالب ہوجائے اور دُرِّمختار میں ہے کہ مطلق پانی سے حدث کو زائل کرے نہ کہ اُس پانی سے جس پر مستعمل پانی غالب ہو اگر مطلق پانی آدھے سے زائد ہو تو کل سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، بحر، نہر اور منح میں یہی تحقیق ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارۃ ۱/۸

[2] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

مسئلہ ۲۴ از غازی آباد ضلع میرٹھ محلہ باغ۔ مرسلہ حامد حسن صاحب ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ
استنجا[1] یعنی پیشاب پاخانے کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں اور وضو کی حرمت میں اس وجہ سے کچھ فرق تو نہیں آتا یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے اور اس میں حرمتِ وضو کا کچھ خلاف نہیں کہ یہ پانی استعمال میں نہ آیا کما لایخفی واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۲۵ ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پانی بارش کا جو خاص شہر میں برستا ہے اور نالی وغیرہ دھو کر باہر چلا جاتا ہے پاک ہے یا نہیں، اُس سے وضو درست ہے یا نہیں، اُس پانی کو جاری کہیں گے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

جس[2] وقت بارش ہو رہی ہے اور وہ پانی بہ رہا ہے ضرور جاری ہے اور وہ ہرگز ناپاک نہیں ہو سکتا جب تک نجاست کی کوئی صفت مثلاً بُو یا رنگ اُس میں ظاہر نہ ہو صرف نجاستوں پر اس کا گزرتا ہُوا جانا اُس کی نجاست کا موجب نہیں فان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا (جاری پانی کا ایک حصہ دوسرے کو پاک کر دیتا ہے۔ ت) رہا اُس سے وضو، اگر کسی نجاست مرئیہ کے اجزاء اُس میں ایسے بہتے جا رہے ہیں کہ جو حصہ پانی کا اُس سے لیا جائے ایک آدھ ذرہ اس میں بھی آئے گا جب تو یقیناً حرام و ناجائز ہے وضو نہ ہوگا اور بدن ناپاک ہو جائے گا کہ حکم طہارت بوجہ جریان تھا جب پانی برتن یا چُلو میں لیا جریان منقطع ہوا اور نجاست کا ذرہ موجود ہے اب پانی نجس ہو گیا اور اگر ایسا نہیں جب بھی بلا ضرورت اُس سے احتراز چاہئے کہ نالیوں کا پانی غالباً اجزائے نجاست سے خالی نہیں ہوتا اور عام طبائع میں اُس کا استقذار یعنی اُس سے تنفر اُس سے گھن کرنا اُسے ناپسند رکھنا ہے اور ایسے امر سے شرعاً احتراز مطلوب، احادیث میں ہے،

ایاک ومایسوء الاذن[1] ایاک ومایعتذر منہ[2] بشروا ولا تنفروا[3]۔ (بُری بات سننے سے بچو اور اس بات سے کہ بعد میں عذر کی ضرورت ہو تو خوشخبری سناؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔ ت)

اور اگر بارش ہو چکی اور پانی ٹھہر گیا اور اب اُس میں بعض اجزائے نجاست ظاہر ہیں یا نالی کے پیٹ میں نجاست کی

---

[1] مسند امام احمد عن ابی الغادیۃ مطبوعہ بیروت ۴/۷۶
[2] جامع الصغیر مع فیض القدیر " ۳/۱۱۷
[3] جامع للبخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

رنگت یا بُو تھی اور بارش اتنی نہ ہُوئی کہ اُسے بالکل صاف کر دیتی انقطاع کے بعد وُہ رنگ یا بُو ہنوز باقی ہے تو اب یہ پانی ناپاک ہے اور اگر نالی صاف تھی یا مینہ نے بالکل صاف کر دی اور پانی میں بھی کوئی جزء نجاست محسوس نہیں تو پاک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۶

۱۱ صفر ۱۳۰۹ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ! ایک حوض ساڑھے سات گز لمبا اور ساڑھے سات گز چوڑا اور ڈیڑھ گز گہرا اگر اُس میں چار برس کا بچہ موت دے تو ناپاک ہوگیا یا پاک رہا۔ خاکسار عزیز اللہ

الجواب

پاک رہا کہ اس کی مساحت (قطر) دہ در دہ یعنی سَو ہاتھ کے دونے سے بھی بچپّیں ہاتھ زائد ہے والعبرۃ بذراع الکرباس تیسیرا والسلام واللہ تعالٰی اعلم (اور اعتبار عام استعمال ہونے والے گز کا ہے لوگوں کی آسانی کے لیے۔ ت)

مسئلہ ۲۷

۲۹ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک حوض دُہ در دُہ ہے سنّیوں میں یا شیعوں میں اور اُس میں کُتّا یا سُوٗر پانی پی گیا ہو یا اس سے وضو یا پینا چاہئے یا نہیں یا مہتاب یا پاخانہ پھر گیا ہو، پاک رہا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

امرِ آب میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب تمام مذاہب سے زیادہ احتیاط کا ہے آب جاری تو بالاجماع نجس نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اُس کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بدلے یا ایک قول پر اُس کا نصف یا اکثر نجاست مرئیہ پر ہو کر گزرے اور غیر جاری میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ظاہر الروایۃ کا محصل یہ ہے کہ اگر یہاں نجاست پڑی ہے اور ظن غالب ہو کہ اِس جگہ وضو کیجئے تو اُتنی دور کا پانی فوراً زیر وزبر ہونے لگے گا تو وہاں کا پانی ناپاک ہوا اُس سے وضو وغیرہ سب جائز ہے۔

فی رد المحتار قال فی البدائع والمحیط اتفقت الروایۃ عن اصحابنا المتقدمین انہ یعتبر بالتحریك وھو ان یرتفع وینخفض من ساعتہ لابعد المکث ولا یعتبر اصل الحرکۃ وفی التاترخانیۃ انہ المروی عن ائمتنا الثلثۃ فی الکتب المشہورۃ اھ وھل المعتبر حرکۃ الغسل

ردالمحتار میں ہے کہ بدائع اور محیط میں فرمایا کہ ہمارے اصحاب متقدمین سے یہ روایت متفق ہے کہ ہلانے کا اعتبار ہوگا، یعنی اُسی وقت پانی میں نشیب وفراز پیدا ہو نہ یہ کہ تھوڑی دیر بعد، اور اصل حرکت کا اعتبار نہ ہوگا تاتارخانیہ میں ہے کہ یہی ہمارے ائمہ ثلثہ سے کتب مشہورہ میں منقول ہے اھ اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا

او الوضوء او الید روایات ثانیها اصح لانه الوسط
کما فی المحیط والحاوی القدسی وتمامه فی الحلیة
وغیرها[1] الخ وفی الدر المختار والمعتبر اکبر
رأی المبتلی به فان غلب علی ظنه عدم خلوص
النجاسة الی الجانب الاخر جاز والا لا هذه
ظاهر الروایة وهو الاصح کما فی الخانیة
وغیرها وحقق فی البحر انه المذهب[2] اھ ملخصا

غسل کی حرکت مراد ہے یا وضوء کی یا ہاتھ کی۔ دوسری
روایت اصح ہے کیونکہ وہ درمیانی ہے، جیسا کہ المحیط
والحاوی القدسی میں ہے اور مکمل بحث حلیہ وغیرہ میں ہے الخ
اور دُرِّ مختار میں ہے کہ جو پانی استعمال کر رہا ہے اسی کا
ظن غالب معتبر ہے، اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہے
کہ پانی کے دوسرے حصے تک نجاست نہیں پہنچی ہے
تو جائز ہے ورنہ نہیں، یہی ظاہر روایت ہے اور یہی
اصح ہے کما فی الخانیۃ وغیرہا اور بحر میں تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہی مذہب ہے اھ ملخصا

پھر ائمہ متاخرین نے اُسے دہ در دہ سے اندازہ فرمایا اور تیسیراً آب جاری کے حکم میں قرار دیا کہ جمیع جوانب سے وضوء وغیرہ روا جب تک پانی نجاست کا اثر نہ لے لے۔

فی الدر المختار لکن فی النهر وانت خبیر بان
اعتبار العشر اضبط ولا سیما فی حق من لا رأی
له من العوام فلذا افتی به المتاخرون الاعلام
الخ[3] وفی رد المحتار ذکر بعض المحشین عن
شیخ الاسلام العلامة سعد الدین الدیری
فی رسالة القول الراقی انه حقق فیها ما اختاره
اصحاب المتون من اعتبار العشر ورد فیها علی
من قال بخلافه رداً بلیغا واورد نحو مائة
نقل ناطقة بالصواب ولا یخفی ان المتاخرین
الذین افتوا بالعشر کصاحب الهدایة و
قاضی خان وغیرهما من اهل الترجیح

اور دُرِّ مختار میں یہ ہے کہ "لیکن نہر میں ہے کہ دس ہاتھ کا
اعتبار مسئلہ کو زیادہ منضبط کر دیتا ہے، خاص طور پر
عوام کے لیے جو ذاتی رائے نہیں رکھتے ہیں اس لئے
متاخرین علماء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، اور رد المحتار
میں بعض حاشیہ نگاروں نے شیخ الاسلام علامہ
سعد الدین الدیری سے انکے رسالہ "القول الراقی" سے
نقل کیا ہے کہ ان کی تحقیق وہی ہے جو اصحاب متون
نے لکھا ہے یعنی دس ہاتھ کا اعتبار کیا جائے گا، اور
جن حضرات نے اس کے برعکس لکھا ہے ان پر آپ نے
ردِّ بلیغ کیا ہے، اس پر انہوں نے ایک سو نقول صحیحہ
پیش کی ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ وہ متاخرین جنہوں نے

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۱
[2] الدر المختار " مجتبائی دہلی ۱/۳۶
[3] ایضاً

ھم اعلم بالمذھب منا فعلینا اتباعھم ویؤیدہ ماقدمہ الشارح فی رسم المفتی واما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کما لوافتونا فی حیاتھم[1] اھ وفیہ قال فی الفتح وعن ابی یوسف انہ کالجاری لایتنجس الا بالتغیر وھو الذی ینبغی تصحیحہ فینبغی عدم الفرق بین المرئیۃ وغیرھا لان الدلیل انما یقتضی عند الکثرۃ عدم التنجس الا بالتغیر من غیرفصل[2] اھ وفی مراقی الفلاح بہ اخذ مشایخ بلخ توسعۃ علی الناس والتقدیر بعشرھو المفتی بہ[3] اھ وفی حاشیتہ للعلامۃ الطحطاوی لافرق بین موضع الوقوع وغیرہ وبین نجاسۃ ونجاسۃ وینبغی تصحیحہ کما فی الفتح وھو المختار کما قالہ العلامۃ قاسم وعلیہ الفتوی کما فی النصاب[4] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

دس ہاتھ پر فتوٰی دیا ہے، جیسے صاحبِ ہدایہ اور قاضی خان وغیرہما اہلِ ترجیح سے ہیں' وہ ہم سے زائد مذہب کے جاننے والے ہیں، لہذا ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی پیروی کریں، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو شارح نے رسم المفتی میں کہا ہے کہ "ہم لوگوں پر اس کی اتباع لازم ہے جس کو انہوں نے راجح اور صحیح قرار دیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح وہ اپنی زندگی میں فتوٰی دیتے تو ہم پر اتباع لازم تھا' اور اسی میں ہے کہ فتح میں فرمایا" اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ جاری پانی کی طرح ہے، بغیر تغیّر کے ناپاک نہ ہوگا اور اس کی تصحیح کی جانی چاہیے تو نجاست مرئیہ اور غیر مرئیہ کے درمیان فرق نہ ہونا چاہیے کیونکہ دلیل کا تقاضا ہے کہ کثیر پانی سوائے تغیر کے ناپاک نہ ہو اھ اور مراقی الفلاح میں ہے کہ اسی پر ہمارے مشایخ بلخ نے لوگوں پر فراخی کے لیے فتوٰی دیا ہے اور دس ہاتھ کا قول ہی مفتٰی بہ ہے، اور اس کے حاشیہ میں علامہ طحطاوی نے لکھا کہ نجاست کے گرنے کی جگہ اور دوسری جگہ میں فرق نہیں، اسی طرح ایک نجاست اور دوسری نجاست میں فرق نہیں، اور اس کی تصحیح کی جانی چاہیے کما فی الفتح، اور یہی مختار ہے، جیسا کہ علامہ قاسم نے فرمایا وعلیہ الفتوٰی کما فی النصاب (اسی پر فتوی ہے جیسا کہ نصاب میں ہے) اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ ت

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۱

[2] ایضاً ۱/۱۴۰

[3] مراقی الفلاح الطہارۃ نور محمد کراچی ص ۱۶

[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح الطہارۃ نور محمد کراچی ص ۱۶

۱۳

فتوٰی مسمّٰی بہ

اَلطِّرس المعدّل فی حدّ الماء المستعمل

استعمال شدہ پانی کی تعریف میں منصف صحیفہ (رسالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۲۸ ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مستعمل کی کیا تعریف ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدًا لمن جعل الطهور غاسل اٰثامنا فطهرا وراحنا باسالة الماء علی اجسامنا فیاله من منة وافضل الصلاة واذکی السلام علی من طهرنا من الانجاس وادام دیم نعمه علینا حتی نقانا من الادناس وعلی اٰله وصحبه واهل السنة اٰمین۔

اقول وباللہ التوفیق ماۓ مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امرِ ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یُوں اسقاط واجب تطہیر یا اقامت قربت کرکے عضو سے جُدا ہوا اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے اور بعض نے زوالِ حرکت وحصول استقرار کی بھی شرط لگائی۔ یہ بعونہٖ تعالٰی دونوں مذہب پر حدِ جامع مانع ہے کہ ان سطروں کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ اب فوائد قیود سُنیے:

(۱) آبِ کثیر یعنی دَہ در دَہ یا جاری پانی میں محدث وضو یا جنب غسل کرے یا کوئی نجاست ہی دھوئی جائے تو پانی نہ نجس ہوگا نہ مستعمل لہٰذا قلیل کی قید ضرور ہے۔

(۲) محدث نے تمام یا بعض اعضائے وضو دھوئے اگرچہ بے نیت وضو محض ٹھنڈ یا میل وغیرہ جُدا کرنے کے لیے یا اُس نے اصلاً کوئی فعل نہ کیا نہ اُس کا قصد تھا بلکہ کسی دوسرے نے اُس پر پانی ڈال دیا جو اُس کے کسی ایسے عضو پر گزرا جس کا وضو یا غسل میں پاک کرنا ہنوز اُس پر فرض تھا مثلاً محدث کے ہاتھ یا جُنب کی پیٹھ پر تو ان سب صورتوں میں شکلِ اول کے سبب پانی مستعمل ہوگیا کہ اس نے محلِ نجاست حکمیہ سے مس کرکے اُتنے ٹکڑے کی تطہیر واجب کو ذمہ

مکلف سے ساقط کر دیا اگرچہ پچھلی صورتوں میں ہنوز حکم تطہیر دیگر اعضا میں باقی ہے اور پہلی میں تو یعنی جبکہ تمام اعضا دھو لیے فرض تطہیر پورا ہی ذمہ سے اُتر گیا۔

تنبیہ پانی کوئی یا بڑے مٹکے کے سوا کہیں نہیں وہ برتن جھکانے کے قابل نہیں چھوٹا برتن مثلاً کٹورا ایک ہی پاس تھا وہ اسی برتن میں گر کر ڈوب گیا کوئی بچہ یا باوضو آدمی ایسا نہیں جس سے کہہ کر نکلوائے اب بمجبوری محدث خود ہی ہاتھ ڈال کر نکالے گا یا چھوٹا برتن سرے سے ہے ہی نہیں تو ناچار چُلّو لے کر یا ہاتھ دھوئے گا ان دونوں صورتوں میں بھی اگرچہ شکل اول اعنی اسقاط واجب تطہیر پائی گئی مگر یہ ضرورۃً معاف رکھی گئی ہیں بے ضرورت ایسا کرے گا تو پانی کل یا بعض بالاتفاق مستعمل ہو جائے گا اگرچہ ایک قول پر قابل وضو رہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ محدث یعنی بے وضو یا حاجت غسل والے کا وہ عضو جس پر سے ہنوز حکم تطہیر ساقط نہ ہوا اگرچہ کتنا ہی کم ہو مثلاً پورا یا ناخن اگر قلیل پانی سے مس کرے تو ہمارے علما کو اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ سارا پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور قابل وضو و غسل نہیں رہتا اور بعض کے نزدیک صرف اتنا مستعمل ہوا جس قدر اُس پارۂ بدن سے ملا باقی آس پاس کا پانی جو اُس عضو کی محاذات میں ہے اور اُس سے مس نہ ہوا مستعمل نہ ہوا یوں ہی وہ تمام پانی کہ اُس عضو کے پہنچنے کی جگہ سے نیچے ہے اُس پر بھی حکم استعمال نہ آیا۔ اس قول پر مٹکے یا کوئی میں کہنی تک ہاتھ ڈالنے سے بھی پانی قابلِ طہارت رہے گا کہ ظاہر ہے جو پانی ہاتھ کے آس پاس اور اُس سے نیچے رہا وہ اس حصے سے بہت زاید ہے جس نے ہاتھ سے مس کیا اور جب غیر مستعمل پانی مستعمل سے زاید ہو تو پانی قابلِ وضو و غسل رہتا ہے مثلاً لگن میں وضو کیا اور وہ پانی ایک گھڑے بھر آب غیر مستعمل میں ڈال دیا تو یہ مجموع قابلِ وضو ہے کہ مستعمل نامستعمل سے کم ہے اسی پر قیاس کرکے ان بعض نے ہاتھ ڈالنے کا حکم رکھا کہ مستعمل تو اُتنا ہی ہوا جتنا ہاتھ کو لگا باقی کہ الگ رہا اُس پر غالب ہے اور فریقِ اول نے فرمایا کہ پانی ایک متصل جسم ہے اس کے بعض سے ملنا کُل سے ملنا ہے لہذا ناخن کی نوک یا پورے کا کنارہ لگ جانے سے بھی کُل مٹکا مستعمل ہو جائے گا۔ یہ دو قول ہیں اور فریقِ اول ہی کا قول احتیاط ہے بہر حال اتنے میں فریقین متفق ہیں کہ بے ضرورت چُلّو لینے یا ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا اگرچہ بعض تو ہماری تعریف اس قول پر بھی ہر طرح جامع مانع ہے۔

(۳) باوضو آدمی نے بہ نیت ثواب دوبارہ وضو کیا۔

(۴) سمجھ دار نابالغ نے وضو بقصدِ وضو کیا۔

(۵) حائض و نفسا کو جب تک حیض و نفاس باقی ہے وضو و غسل کا حکم نہیں مگر انھیں مستحب ہے کہ نماز پنجگانہ کے وقت اور اشراق و چاشت و تہجد کی عادت رکھتی ہو تو ان وقتوں میں بھی وضو کرکے کچھ دیر یادِ الٰہی کر لیا کرے کہ عبادت کی عادت باقی رہے۔ انھوں نے یہ وضو کیا۔

(۶) پاک آدمی نے ادائے سنّت کو جمعے یا عیدین یا عرفے یا احرام یا اور اوقات مسنونہ کا غسل یا میت کو غسل دینے کا وضو یا غسل کیا۔

(۷) باوضو نے کھانا کھانے کو یا کھانا کھا کر بہ نیت ادائے سنّت ہاتھ دھوئے یا کُلّی کی۔

(۸) وضوئے فرض یا نفل میں جو پانی کُلّی یا ناک میں پہنچانے میں صرف ہوا۔

(۹) کچھ اعضاء دھولیے تھے خشک ہو گئے سنّت موالات کی نیت سے انھیں پھر دھویا ان سب صورتوں میں شکل دوم کے سبب مستعمل ہو جائے گا اگرچہ اسقاط واجب نہ کیا اقامت قربت کی میت کو نہلا کر غسل کرنا بھی مستحب ہے کما فی الدر وغیرہ۔

(۱۰) میت کے بارے میں علماء مختلف ہیں جمہور کے نزدیک موت نجاست حقیقیہ ہے اس تقدیر پر تو وہ پانی کہ غسل میت میں صرف ہوا مائے مستعمل نہیں بلکہ ناپاک ہے اور بعض کے نزدیک نجاست حکمیہ ہے بحرالرائق وغیرہ میں اسی کو اصح کہا اس تقدیر پر وہ پانی بھی مائے مستعمل ہے اور ہماری تعریف کی شق اول میں داخل کہ اُس نے بھی اسقاط واجب کیا۔

اقول ولہٰذا ہم نے انسان کا پارۂ جسم کہا نہ مکلف کا کہ میت مکلف نہیں۔ اور تطہیر لازم تھی کہا نہ یہ کہ اس کے ذمے پر لازم تھی کہ یہ تطہیر میت کے ذمّے نہیں احیاء پر لازم ہے۔

(۱۱) یوں ہی غسل میت کا دوسرا اور تیسرا پانی بھی اب مستعمل ہو گا کہ اگرچہ پہلے پانی سے اسقاط واجب ہو گیا مگر غسل میت میں تثلیث بھی قربت مطلوبہ فی الشرع ہے۔

اقول ولہٰذا ہم نے شق دوم میں بھی بدن انسان مطلق رکھا۔

(۱۲) وضو علی الوضو کی نیت سے دوسرے کو کہا مجھے وضو کرادے اُس نے بے نیت ثواب اُس کے اعضائے وضو دھو دیے پانی مستعمل ہو گیا کہ جب اس کے امر سے ہے اور اس کی نیت قربت کی ہے تو وہ اسی کا استعمال قرار پائے گا الاترٰی انہ لوفعل ذلک محدث ولوی فقد اتی بالمامور بہ مع ان امر فاغسلوا وامسحوا انما کان علیہ (جیسا کہ اگر بے وضو ایسا کرے اور نیت کرے تو مامور بہ کو بجالانے والا ہو گا جو فاغسلوا وامسحوا سے اس پر لازم تھا۔ ت)

(۱۳) باوضو آدمی نے اعضاء ٹھنڈے کرنے یا میل دھونے کو وضو بے نیت وضو علی الوضو کیا پانی مستعمل نہ ہو گا کہ اب نہ اسقاط واجب ہے نہ اقامت قربت۔

(۱۴) معلوم تھا کہ عضو تینؔ بار دھو چکا ہوں اور ہنوز پانی خشک بھی نہ ہوا تھا بلاوجہ چوتھی بار اور ڈالا یہ بھی قربت نہیں بلکہ خلافِ ادب ہے۔

(۱۵) ہاں اگر شک ہو کہ دوبار دھویا یا تینؔ بار یوں تیقن تثلیث کے لیے پانی پھر ڈالا تو مستعمل ہو جائیگا

اگرچہ واقع میں چوتھی بار ہو۔

(۱۶) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوا مثلاً پیٹھ یا ران دھوئی۔

(۱۷) باوضو نے کھانا کھانے کو یا کھانے سے بعد یا ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلّی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ تھی مستعمل نہ ہوگا کہ حدث و قربت نہیں۔

(۱۸) باوضو نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا مستعمل نہ ہوا کہ تعلیم وضو اگرچہ قربت ہے مگر وضو سکھانے کو وضو کرنا فی نفسہٖ قربت نہیں سکھانا قربت ہے اور وہ زبان سے بھی ممکن ولہذا ہم نے قید لگائی کہ وہ استعمال خود کارِ ثواب فعل فی نفسہ مطلوب فی الشرع ولو مقصود الغیرہ کالوضوء (فعل فی نفسہ مطلوب فی الشرع ہے اگرچہ مقصود لغیرہ ہو جیسے وضو ہے۔ ت)

(۱۹) کوئی پاک کپڑا وغیرہ دھویا۔

(۲۰ و ۲۱) کسی جانور یا نابالغ بچّے کو نہلایا اور ان کے بدن پر نجاست نہ تھی اگرچہ وُہ جانور غیر ماکول اللحم ہو جیسے بلّی یا چوہا حتی کہ مذہب راجح میں کُتّا بھی جبکہ پانی اُن کے لعاب سے جُدا رہا ــــــــــــــــ اگرچہ یہ نہلانا اُن کے دفع مرض یا شدت گرما میں ٹھنڈ پہنچانے کو بہ نیت ثواب ہو مستعمل نہ ہوگا۔

اقول کپڑا برتن جانور اور ان کے امثال تو بدن انسان کی قید سے خارج ہوئے اور نابالغ کو نہلانا مثل وضوئے تعلیم خود قربت نہیں کہ بچوں کے نہلانے کا کوئی خاص حکم شرع میں آیا ہاں انھیں بلکہ ہر مسلمان و جاندار کو نفع و آرام پہنچانے کی ترغیب ہے یہ امور عادیہ اُس عمل کی نیت سے کیے جائیں تو وہ بھی اگر قربت ہو سکتے ہیں مگر موجب استعمال وہی فعل ہے جو بذاتِ خود قربت و مطلوب شرع ہو۔

(۲۲) حائض و نُفَسا نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا پانی مستعمل نہ ہوگا کہ اس نے اگرچہ انسان کے جسم کو مس کیا جس کی تطہیر غسل سے واجب ہوگی مگر ابھی لازم نہیں بعد انقطاع لزوم ہوگا۔

اقول ولہذا ہم نے بالفعل کی قید لگائی۔

(۲۳) ناسمجھ بچّے نے وضو کیا جس طرح دو تین سال کے اطفال ماں باپ کو دیکھ کر بطور نقل و حکایت افعال وضو نماز کرنے لگتے ہیں پانی مستعمل نہ ہوگا کہ نہ قربت نہ حدث۔

(۲۴) وضو کرنے میں پانی کو جب تک اُسی عضو پر بہ رہا ہے حکم استعمال نہ دیا جائے گا ورنہ وضو محال ہوجائے بلکہ جب اُس عضو سے جُدا ہوگا اس وقت مستعمل کہا جائے گا اگرچہ ہنوز کہیں مستقر نہ ہوا ہو مثلاً منہ دھونے میں کلائی پر پانی لیا اور وہی پانی کہ منہ سے جُدا ہو کر آیا کلائی پر بہالیا جمہور کے نزدیک کافی نہ ہوگا کہ منہ سے منفصل ہوتے ہی حکم استعمال ہوگیا ہاں جن بعض کے یہاں استقرار شرط ہے اُن کے نزدیک کافی ہے کہ ابھی مستعمل نہ ہوا اور غسل میں سارا بدن عضو واحد ہے تو سر کا پانی کہ پاؤں تک بہتا جائے جس جس جگہ گزرا سب کو پاک کرتا جائے گا۔

(۲۵) اقول نجاست میں حکمیہ کی تقیید کا فائدہ ظاہر ہے کہ جو پانی نجاست حقیقیہ کے ازالہ میں صرف ہو ہمارے نزدیک مطلقاً ناپاک ہو جائے گا نہ کہ مستعمل۔

(۲۶) اقول ہم نے پانی کو مطلق رکھا اور خود رفع نجاست حکمیہ واقامت قربت ہائے مذکورہ سے واضح کہ پانی سے مائے مطلق مراد ہے تو شوربے یا دودھ کی لسّی یا نبیذ تمر سے اگر وضو کرے وہ مستعمل نہ ہونگے کہ ان سے وضو ہی نہ ہوگا تو مستعمل کیا ہوں۔

(۲۷) خود نفس جنس یعنی پانی نے دودھ سرکہ گلاب کیوڑے وغیرہا کو خارج کر دیا کہ اُن سے وضو کرے تو مستعمل نہ ہوں گے اگرچہ بے وضو ہو اگرچہ جُنب ہو اگرچہ نیت قربت کرے کہ غیر آب نجاست حکمیہ سے اصلا تطہیر نہیں کر سکتا۔

تنبیہ اگر کہیے ۲۶ و ۲۷ کا ثمرہ کیا ہے کہ مستعمل ہونے سے ہمارے نزدیک شے نجس نہیں ہو جاتی صرف نجاست حکمیہ دُور کرنے کے قابل نہیں رہتی یہ قابلیت ان اشیا میں پہلے بھی نہ تھی تو اُن کو مستعمل نہ ماننے کا فائدہ کیا ہوا۔

اقول اول تو یہی فائدہ بہت تھا کہ مستعمل نہ ہونے سے ان کی طہارت متفق علیہ رہے گی کہ مستعمل کی طہارت میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے اگرچہ صحیح طہارت ہے۔

ثانیاً مستعمل اگرچہ طاہر ہے مگر قذر ہے مسجد میں اُس کا ڈالنا ناجائز ہے ان اشیاء کو مستعمل نہ بتانے سے یہ معلوم ہوا کہ مثلاً جس گلاب سے کسی نے وضو کیا اُسے مسجد میں چھڑک سکتے ہیں کہ وہ مستعمل نہ ہوا۔

بالجملہ یہ وہ نفیس وجلیل جامع ومانع وشافی ونافع تعریف مائے مستعمل ہے کہ بفضلِ الٰہی خدمت کلمات علمائے کرام سے اس فقیر پر القا ہوئی وللہ الحمد سہولت حفظ کے لیے فقیر اسے نظم کرتا اور برادران دینی سے دعائے عفو وعافیت کی طمع رکھتا ہے ؎

مائے[1] مستعمل کہ طاہر نا مطہر وصف اوست	جامع ومانع حدِ اُو ز رضا دو حرف شد
مطلقے کو واجبے یا سنتے زحدثے کاست یا	بر لشہود قربت مطلوبہ عیناً صرف شد
راکدے[2] کا نفصال جدا شد از بدن مستعمل ست	لیک نزد بعض چوں قائم بجایا ظرف شد

دو شعر اخیر میں وہ تمام تفاصیل آگئیں جو یہاں تک مذکور ہوئیں اور یہ بھی کہ راجح قول اول ہے یعنی بدن سے جدا ہوتے ہی مستعمل کا حکم دیا جائے گا کسی جگہ مستقر ہونا شرط نہیں۔ اب عبارات علماء اور بعض مسائل مذکورہ میں اپنی تحقیق مفردذکر کریں وباللہ التوفیق۔ تنویر الابصار و دُرمختار و ردالمحتار میں ہے:

لایجوز بماء استعمل لاجل قربۃ ای ثواب ولو | وضو اُس پانی سے جائز نہیں جس کو بطور ثواب استعمال کیا گیا ہو

---

[1] ترجمہ: مستعمل پانی جو کہ خود پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کرتا رضا سے اس کی جامع مانع تعریف دو باتوں میں ہوئی: جس سے مطلقاً حدث زائل ہوا ہو یا قربت مقصودہ کی نیت سے بدن پر استعمال ہوا ہو: قلیل پانی جب بدن سے جُدا ہوا تو مستعمل ہو جائیگا لیکن بعض کے نزدیک بدن سے جُدا ہو کر کسی جگہ یا ظرف میں اس کا قرار ضروری ہے۔

[2] راکد یعنے غیر جاری یعنی آب قلیل کہ دہ در دہ نباشد ۱۲ (م)

من ممیّز (اذا توضأ یرید به التطهیر کما فی الخانیة وظاهرہ انه لو لم یرد به ذلك لم یصر مستعملا)[1] اوحائض لعادة عبادة[2] (قال فی النهر قالوا وضوء الحائض یصیر مستعملا لانه یستحب لها الوضوء لکل فریضة وان تجلس فی مصلاها قدرها کیلا تنسی عادتها وینبغی ان لو توضأت لتهجد عادی اوصلاة ضحی ان یصیر مستعملا اھ واقرہ الرملی وغیرہ ووجهه ظاهر فلذا جزم به الشارح فاطلق العبادة تبعا لجامع الفتاوی)[3] اوغسل میت[4] (وکون غسالته مستعملة هو الاصح بحر اقول قول العامة واعتمده البدائع ان نجاسة المیت نجاسة خبث لانه حیوان دموی ویجوز عطفه علی ممیز ای ولو من اجل غسل میت لانه یندب الوضوء من غسل المیت)[5] اوید لاکل او منه بنیة السنة[6] (قید به فی البحر اخذا من قول المحیط لانه اقام به قربة لانه سنة اھ فی النهر وعلیه ینبغی اشتراطه فی کل

اگرچہ اس بچّہ نے استعمال کیا ہے جس میں شعور پیدا ہوچکا ہو (جبکہ وضو کیا کہ اس سے اس کا ارادہ پاکی حاصل کرنے کا تھا کما فی الخانیہ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر اس سے طہارت کا ارادہ نہ کیا تو مستعمل نہ ہوگا) یا حائض عبادۃ کی عادت کی وجہ سے (نہر میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا حائض کے وضو سے مستعمل ہوجائے گا کہ اس کے لیے ہر فرض کے لیے وضو مستحب ہے اور یہ کہ نماز کی مقدار میں اپنے مصلّٰی پر بیٹھے تاکہ نماز کی عادت نہ ختم ہوجائے، اور اگر تہجد یا نمازِ چاشت کے لیے اُس نے وضو کیا تو چاہیے کہ وہ پانی مستعمل ہوجائے اھ رملی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا، اور اس کی وجہ ظاہر ہے، اس لیے اس پر شارح نے جزم کیا اور عبادۃ کو مطلق رکھا جامع الفتاوٰی کی متابعت میں) یا میّت کو غسل دیا (اور اس غسل کے مستعمل پانی کا مستعمل ہونا ہی اصح ہے بحر، میں کہتا ہوں عام فقہاء کا قول یہی ہے، اس پر بدائع نے اعتماد کیا کہ میّت کی نجاست خُبث کی نجاست ہے، کیونکہ میت خون والا جانور ہے، اور اس کا

۱؎ الدرالمختار	باب المیاہ	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۱/۳۷
۲؎ ردالمحتار	باب المیاہ	مطبوعہ مصطفی البابی مصر	۱/۱۴۵
۳؎ الدرالمختار	باب المیاہ	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۱/۳۷
۴؎ ردالمحتار	باب المیاہ	مطبوعہ مصطفی البابی مصر	۱/۱۴۵
۵؎ الدرالمختار	باب المیاہ	مطبوعہ مجتبائی دہلی	۱/۳۷
۶؎ ردالمحتار	باب المیاہ	مصر	۱/۱۴۵
۷؎ درمختار	باب المیاہ	مجتبائی دہلی	۱/۳۷

سنة[1] كغسل فم وانف اھ قال الرملي ولا تردد فيه حتى لو لم يكن جنبا وقصد بغسل الفم والانف مجرد التنظيف لا اقامة القربة لا يصير مستعملا[2]) او لرفع حدث كوضوء محدث ولو للتبرد فلو توضأ متوضئ لتبرد او تعليم او لطين بيده لم يصر مستعملا اتفاقا[3]) اورد ان تعليم الوضوء قربة واجاب البحر وتبعه النهر وغيره ان التوضئ نفسه ليس قربة بل التعليم وهو خارج عنه ولذا يحصل بالقول[4]) كزيادة على الثلث بلا نية قربة[5] (ان اراد الزيادة على الوضوء الاول وفيه اختلاف المشايخ اما لو اراد بها ابتداء الوضوء صار مستعملا بدائع اي اذا كان بعد الفراغ من الوضوء الاول والا لكان بدعة كما هو فلا يصير مستعملا وهذا ايضا اذا اختلف المجلس والا فلا لانه مكروه بحر لكن قدمنا ان المكروه تكراره في مجلس مرارا[عه]) وكغسل نحو فخذ[6] (مما ليس من اعضاء الوضوء وهو

عطف ممیز پر جائز ہے یعنی "اگرچہ میّت کے غسل کی وجہ سے ہو کیونکہ میّت کو نہلانے کے بعد وضو کرلینا مندوب ہے) یا ہاتھ دھونا کھانے کیلئے یا اس سے بہ نیت سنّت (بحر میں یہ قید محیط کے قول سے لے کر لگائی ہے کیونکہ اُس نے اس سے عبادت ادا کی ہے اس لیے کہ وہ سنّت ہے اھ اور نہر میں ہے کہ اس بنا پر یہ شرط لگانی چاہیے ہر سنّت میں جیسے منہ کا دھونا یا ناک میں پانی ڈالنا' اھ رملی نے کہا کہ اس میں کوئی تردد نہیں حتی کہ اگر وہ جُنب نہ ہو اور منہ اور ناک کے دھونے سے محض صفائی کا ارادہ کرے نہ کہ قربت کی ادائیگی کا تو پانی مستعمل نہ ہوگی) یا حدث کو رفع کرنے کے لیے جیسے بے وضو کا وضو کرنا خواہ ٹھنڈک کے حصول کے لیے ہو، تو اگر کسی باوضو شخص نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، سکھانے کے لیے، یا ہاتھوں کی مٹی چھڑانے کے لیے وضو کیا تو یہ پانی مستعمل نہ ہوگا' بالاتفاق (اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ وضو کرنے کی تعلیم دینا بجائے خود عبادت ہے؟ بحر نے اس کا جواب دیا جس کو نہر وغیرہ نے بھی پسند

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶
[2] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[3] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶
[4] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

عه قد قدمنا التحقيق في كل ذلك في بارق النور فتذكره اھ منه قدس سره۔

ہم نے اس کی تحقیق بارق النور میں پہلے بیان کردی ہے اس کو یاد کرے اھ (ت)

[5] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶ [6] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

محدث لاجنب[1]) اوثوب طاھر[2] (ونحوہ من الجامدات کقدور وثمار قھستانی[3]) اودابۃ تؤکل[4]) بحرعن المبتغی قال سیدی عبدالغنی وغیرھا کذلك لاتنجس الماء ولا تسلب طھوریتہ کحمار وفارۃ وسباع بھائم لم یصل الماء الی فمہا اھ وذکرالرحمتی نحوہ[5]) اولاسقاط فرض بان یغسل بعض اعضائہ[6] (التی یجب غسلھا احترازا عن غسل المحدث نحو الفخذ[7]) اویدخل یدہ اورجلہ فی حب لغیر اغتراف ونحوہ[8] (بل لتبرد اوغسل ید من طین او عجین فلو قصد الاغتراف ونحوہ کاستخراج کوز لم یصر مستعملا للضرورۃ[9]) فانہ یصیر مستعملا اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر فی شیئ علی المذھب وقیل اذا استقر[10] (فی مکان من ارض اوکف اوثوب ویسکن عن التحرك وھذا قول طائفۃ من مشایخ بلخ واختارہ فخر الاسلام وغیرہ وفی الخلاصۃ وغیرھا انہ المختار الا ان العامۃ علی الاول وھو الاصح واثر الخلاف یظھر

کیاکہ وضوء خود قربت نہیں ہے، ہاں تعلیم قربت ہے اور تعلیم وضوسے الگ شے ہے اس لیے تعلیم صرف قول سے بھی ہوجاتی ہے) جیسے تین مرتبہ سے زاید اعضاءِ وضو کا بلانیت قربت دھونا (یہ اُس وقت ہے جب اُس کاارادہ یہ ہو کہ پہلے وضو پر زیادتی کی جائے اور اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، اور اگر اس سے وضو کی ابتداء مراد ہو تو اس طرح پانی مستعمل ہوجائے گا، بدائع، یعنی جبکہ پہلے وضو سے فراغت کے بعد ہو ورنہ بدعت ہوگا جیسا کہ گزرا تو مستعمل نہ ہوگا، اور یہ بھی اس وقت ہے جبکہ مجلس مختلف ہو ورنہ نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے، بحر۔ لیکن ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ مکروہ اس کا ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ تکرار ہے) اور جیسے ران کا دھونا (جو اعضاءِ وضو سے نہیں ہے حالانکہ وہ بے وضو ہو نہ کہ جُنب ہو) یا پاک کپڑا (اور اسی کی مثل خشک اشیاء جیسے ہانڈیاں اور پھل، قہستانی) یا وہ چوپایہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہو (بحر نے اس کو مبتغی سے روایت کیا، سیدی عبدالغنی وغیرہ نے کہا اور اسکے علاوہ بھی پانی ناپاک نہیں کرتے ہیں اور اُس کے پاک کرنے کی صفت کو اس سے

---

[1] ردالمحتار، باب المیاہ، مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶
[2] درمختار، باب المیاہ، مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[3] ردالمحتار " " "
[4] درمختار " " "
[5] ردالمحتار " " "
[6] درمختار " " "
[7] ردالمحتار " " ۱/۱۴۷
[8] درمختار " " "
[9] ردالمحتار " " "
[10] درمختار " " "

فیما لو انفصل فسقط علی انسان فاجراہ علیہ صح علی الثانی لا الاول نھر وقد مران اعضاء الغسل کعضو واحد فلو انفصل منہ فسقط علی عضو اٰخر من اعضاء الغسل فاجراہ علیہ صح علی القولین[1] اھ ملتقطا و فی الھندیۃ عن التاتارخانیۃ لو توضأ بالخل او ماء الورد لا یصیر مستعملا عند الکل[2] اھ

سلب نہیں کرتے ہیں' جیسا گدھا، چوپا، اور چوپایوں میں سے درندے جبکہ پانی ان کے منہ تک نہ پہنچے اھ اور رحمتی نے ایسا ہی ذکر کیا) یا کسی فرض کو ساقط کرنے کے لیے مثلاً یہ کہ کسی عضو کو دھوئے) اُن اعضا میں سے جن کا دھونا لازم ہے، یہ بے وضو شخص کے اپنی ران وغیرہ کو دھونے سے احتراز ہے) یا اپنا ہاتھ یا پیر کسی گڑھے میں ڈالے، اُس سے چُلو وغیرہ نہ بھرے (بلکہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا ہاتھوں کو مٹی سے یا آٹے سے صاف کرنا مقصود، تو اگر چلو بھرنے کا ارادہ کیا جیسے پانی سے لوٹا نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورتاً ہے) کیونکہ پانی مستعمل اُس وقت ہوگا جبکہ عضو سے جُدا ہو، اگرچہ کسی چیز پر نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جبکہ کسی جگہ پر ٹھہرے، (زمین پر یا ہاتھ پر یا کپڑے پر، اور حرکت کے بعد اس میں سکون پیدا ہو چکا ہو، یہ بلخ کے مشایخ میں سے بعض کا قول ہے اس کو فخر الاسلام وغیرہ نے پسند کیا ہے اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، مگر عام علماء پہلے قول پر ہی ہیں اور وہی اصح ہے، اس اختلاف کا اثر اس صورت میں ہوگا جبکہ پانی جدا ہو کر کسی انسان پر گرے اور وہ اس کو اپنے اوپر جاری کرے تو دوسرے قول پر صحیح ہے نہ کہ پہلے پر، نہر۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ اعضاءِ غسل ایک عضو کی طرح ہیں، تو اگر اُس سے پانی جُدا ہو کر اعضاءِ غسل پر گرا اور اُس نے وہ اُن پر جاری کر لیا تو دونوں اقوال کے مطابق صحیح ہوگا اھ ملتقطا، اور ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر سرکہ سے یا گلاب کے عرق سے وضو کیا تو سب کے نزدیک مستعمل نہ ہوگا اھ۔ ت

تنبیہ قال فی المنیۃ بعد ما عرف المستعمل بماء ازیل بہ حدث او استعمل فی البدن علی وجہ القربۃ ما نصہ امرأۃ غسلت القدر او القصاع لا یصیر الماء مستعملا[3] اھ

"تنبیہ منیہ میں ماءِ مستعمل کی تعریف میں کہا کہ "وہ پانی جس سے کوئی حدث زائل کیا گیا ہو یا بدن پر قربۃ کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، پھر فرمایا کہ اگر کسی عورت نے ہانڈی یا بڑا پیالہ دھویا تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ ت۔

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۷

[2] ہندیۃ فیما لا یجوز بہ الوضو نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳

[3] غنیۃ المستملی فی النجاسۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۰۸

اقول وھو کما تری مطلق یشمل ما اذا نوت بہ اقامۃ سنۃ لاجرم ان قال فی الغنیۃ قولہ فی البدن احتراز عما اذا استعمل فی غیرہ من ثوب ونحوہ بنیۃ القربۃ فانہ لایصیر مستعملا ویتفرع علی ما ذکرنا امرأۃ غسلت القدر او القصاع[1] الخ لکن قال فی الحلیۃ اما القدر و القصاع ونحوھما من الاعیان الطاھرات کالبقول والثمار والثیاب والاحجار فلان الجمادات لایلحقھا حکم العبادۃ اما لو نوت بذلک قربۃ بان غسلتھما من الطعام بقصد اقامۃ السنۃ کان ذلک الماء مستعملا[2] اھ

میں کہتا ہوں یہ مطلق ہے اس میں یہ صورت بھی شامل ہے جبکہ اُس عورت نے اس دھونے سے سنّت کی ادائیگی کا ارادہ کیا ہو، غنیہ میں کہا کہ اُن کا قول "فی البدن" اس صورت سے احتراز ہے جب کپڑے وغیرہ میں استعمال کیا ہو بہ نیت "قربۃ" تو وہ مستعمل نہ ہوگا، اور جو ہم نے ذکر کیا اُس پر یہ تفریع ہوگی کہ کسی عورت نے ہانڈی یا پیالے دھوئے الخ مگر حلیہ میں فرمایا "بہرحال ہانڈی پیالے وغیرہ یعنی پاک اشیاء جیسے سبزیاں پھل کپڑے، پتھر تو اس لیے کہ جمادات پر عبادات کا حکم جاری نہیں ہوتا ہے، اگر ان کے ساتھ قربت کا ارادہ کیا یعنی کھانا لگ جانے کے بعد ان کو بطور سنّت دھویا تو یہ پانی مستعمل ہوجائے گا اھ (ت)

اقول اولا فیہ بعد ولو لحریۃ لاحد وقد قید فی مختصر القدوری والھدایۃ والمنیۃ وغیرھا الاستعمال لقربۃ بکونہ فی البدن واقر علیہ ھذا المحقق ومفاھیم الکتب حجۃ ولذا جعلہ فی الغنیۃ احترازا ومثلہ فی الجوھرۃ النیرۃ حیث قال قولہ فی البدن قید بہ لانہ ماکان من غسالۃ الجمادات کالقدور والقصاع والحجارۃ لایکون مستعملا[3] الخ وثانیا تراھم عن اخرھم یرسلون مسائل الاستعمال فی غیر

میں کہتا ہوں اوّلاً اس میں بُعد ہے، اس کو اُنہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا ہے ہدایہ، مختصر قدوری اور منیہ وغیرہ میں قربت کے استعمال کو بدن میں ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، اور اس محقق نے اسے برقرار رکھا ہے اور کتب کے مفاہیم ہمارے لیے حجت ہیں، اور اس لیے غنیہ میں اس کو قید احترازی قرار دیا ہے، اسی کی مثل جوہرہ نیرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ان کا قول "فی البدن" کیونکہ جمادات کا دھوون جیسے ہانڈیاں، پیالے، پتھر کا دھوون، مستعمل نہ ہوگا الخ

---

[1] غنیۃ المستملی فی النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۳ [2] حلیہ
[3] الجوہرۃ النیرۃ الطہارت امدادیہ ملتان ۱/۱۶

بدن الانسان ارسالا تاما غیر جانحین الی تقییدها
بعدم نیة القربة کمسألة غسل الدابة المذکورة
فی المبتغی والفتح والبحر والدر والتاتارخانیة
وغیرها ومسألة الثوب ومسألة الاحجار
ومسألة الثمار ومسألة القدور والقصاع هذه
وغیرها فاطباقهم علی اطلاقها یؤذن باتفاقهم
علی تقییدها ببدن الانسان فان کل
ذلك یحتمل نیة القربة کغسل ثوب ابویه من
الوسخ والثمار من الغبار لاکلهما واحجار
فرش المسجد للتنظیف الی غیر ذلك فما من
مباح الا ویمکن جعله قربة بنیة محمودة کما
لایخفی علی عالم علم النیات وثالثا هذا
التقیید هو القضیة للدلیل الذی جعل به
اقامة القربة مغیرا للماء عن وصف الطهوریة
اعنی حمله الاثام من البدن المستعمل فیه
فی الهدایة قال محمد رحمه الله تعالی لایصیر
مستعملا الا باقامة القربة لان الاستعمال
بانتقال نجاسة الاثام الیه وانها تزول
بالقرب وابویوسف رحمه الله تعالی یقول
اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین[1]
اھ وفی العنایة التغیر عندهما ای تغیر الماء
وتدنسه عند الشیخین رضی الله تعالی عنهما
انما یکون بزوال نجاسة حکمیة عن المحل

ثانیاً فقہاء سب کے سب غیر انسان کے بدن میں
استعمال کے مسائل کو مطلق رکھتے ہیں عدمِ نیتِ قربت
کی قید نہیں لگاتے ہیں، جیسے گھوڑے کو غسل دینے کا
مسئلہ جس کا ذکر مبتغی، فتح، بحر، دُرر اور تتارخانیہ وغیرہ
میں ہے اور کپڑے اور پتھروں کا مسئلہ ——
پھلوں کا مسئلہ، ہانڈیوں اور پیالوں کا مسئلہ وغیرہا
تو ان تمام فقہا کا ان کو مطلق رکھنے پر اتفاق کرلینا اس
امر کی علامت ہے کہ وہ سب کے سب اس کو بدنِ انسانی
کے ساتھ مقید کرنے پر متفق ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک
نیتِ قربت کا احتمال رکھتا ہے، جیسے اپنے والدین کے
میلے کپڑوں کا دھونا، اور والدین کے کھلانے کیلئے پھلوں
کا دھونا، اور مسجد کے فرش کی صفائی کے لیے دھونا وغیرہ
تو ہر مباح کا نیت محمودہ سے قربت کرلینا ممکن ہے،
اور نیتوں کا جاننے والا اسے خوب جانتا ہے۔

ثالثاً یہ قید لگانا ہی دلیل کا تقاضا ہے جس کی
وجہ سے قربت کی ادائیگی کو پانی کے وصف کو طہوریت سے
متغیر کردینے والا قرار دیا تھا، یعنی اُس کا بدن سے
گناہوں کا دُور کردینا۔

ہدایہ میں ہے کہ امام محمد نے فرمایا پانی قربت کی
ادائیگی سے ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ استعمال کی وجہ
گناہوں کا اُس کی طرف منتقل ہونا ہے، اور یہ چیز
قربت کی ادائیگی سے ہی ہوتی ہے، اور امام ابو یوسف
فرماتے ہیں کہ اسقاطِ فرض بھی اس میں مؤثر ہے تو

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۲۲

وانتقالها الی الماء وقد انتقلت الی الماء فی الحالین (ای حال اقامۃ القربۃ وحال اسقاط الواجب) کما تقدم من اعتبارها بالنجاسۃ الحقیقیۃ فیثبت فساد الماء بالامرین جمیعا اھ[1] موضحا ومثلہ فی البحر عن المحیط حیث قال تغیر الماء عند محمد باعتبار اقامۃ القربۃ بہ و عندھما باعتبار انہ تحول الیہ نجاسۃ حکمیۃ وفی الحالین تحول الی الماء نجاسۃ حکمیۃ فاوجب تغیرہ[2] اھ وفی التبیین سببہ اقامۃ القربۃ او ازالۃ الحدث بہ عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف وعند محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم اقامۃ القربۃ لاغیر والاول اصح لان الاستعمال بانتقال نجاسۃ الحدث او نجاسۃ الاٰثام الیہ[3] اھ وقال فی الکافی سؤر الکلب نجس لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغسل الاناء من ولوغ الکلب ثلثا لایقال جاز ان یؤمر بالغسل تعبدا کما امر المحدث بالوضوء لان الغسل تعبدا لم یشرع الا فی طہارۃ الصلاۃ فانہ یقع للہ تعالٰی عبادۃ والجمادات لا یلحقہا حکم العبادات لانہا باعتبار نجاسۃ الاٰثام والجمادات لیست باھل لہا لا یقال المجبر

دونوں صورتوں میں فساد ثابت ہوجائے گا اھ اور عنایہ میں ہے کہ تغیر اُن دونوں کے نزدیک (یعنی پانی کا بدلنا اور اُس کا میلا ہونا شیخین رضی اللہ عنہما کے نزدیک) نجاست حکمیہ کا محل سے زائل ہوکر پانی کی طرف منتقل ہونے کے باعث ہوگا، اور یہ نجاست دونوں صورتوں میں ہی پانی کی طرف منتقل ہوتی ہے (قربۃ کی ادائیگی اور اسقاط فرض دونوں صورتوں میں) جیسا کہ گزرا کہ اِس کو نجاست حقیقیہ پر قیاس کیا گیا ہے، تو پانی کا فساد دونوں صورتوں میں ثابت ہوجائے گا اھ اسی قسم کی بات بحر میں محیط سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں پانی کا تغیر امام محمد کے نزدیک اِس پر مبنی ہے کہ قُربت اُس سے ادا کی گئی ہے، اور شیخین کے نزدیک اس لیے ہے کہ پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوتی ہے اور دونوں حالتوں ہی میں پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوتی ہے اس لیے پانی متغیر ہوجائے گا اھ اور تبیین میں ہے اس کا سبب قُربۃ کا قائم کرنا ہے اور اُس سے حدث کا زائل کرنا ہے یہ شیخین کے نزدیک ہے، اور امام محمد کے نزدیک صرف قُربت کا ادا کرنا ہے، اور اول اصح ہے کیونکہ استعمال کا باعث یہ ہے کہ حدث کی نجاست اُس کی طرف منتقل ہوتی ہے یا گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہوتی ہے اھ

اور کافی میں ہے کہ کُتّے کا جھوٹا نجس ہے کیونکہ

---

[1] العنایۃ علی حاشیۃ فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۸

[2] بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۱

[3] تبیین الحقائق الماء المستعمل بولاق مصر ۱/ ۲۴

الذی استعمل فی رمی الجمار یغسل ویرمی ثانیا لاقامة القربة به لان الحجر آلة الرمی وقد تتغیر الالة بنقل نجاسة الاثام الیها کمال الزکوٰة والماء المستعمل اھ[1] باختصار۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس برتن کو کُتّا چاٹ لے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے۔"

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بھی تو جائز ہے کہ غسل کا حکم تعبّداً دیا جائے جیسے بے وضو کو وضو کا حکم دیا گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ غسل تعبّداً صرف نماز کی طہارت کے لیے مشروع ہوا ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت ہے، اور جمادات کو عبادات کا حکم نہیں ہے، کیونکہ وُہ گناہوں کی نجاست کی وجہ سے ہے، اور جمادات گناہوں کے اہل نہیں ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ پتھر جو رمی جمرات میں استعمال ہوا ہو اس کو دھو کر دوبارہ اُسی سے قربت کی ادائیگی کیلئے رمی کی جائے تو کیا حکم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پتھر آلۂ رمی ہے اور آلہ اس کی طرف گناہوں کے منتقل ہونے کی وجہ سے متغیر ہوجاتا ہے جیسے زکوٰۃ کا مال اور مستعمل پانی اھ باختصار۔

اقول وبمباحثنا ھذہ ظھر وللہ الحمد ان مطلق الوقایة والنقایة والکنز والغرر والاصلاح والملتقی والتنویر محمول علی مقید الکتاب والھدایة والغنیة وممّا یؤیدہ اطباقھم علی اشتراط الانفصال عن العضو للحکم بالاستعمال وانما وقع المقال فی اشتراط القرار بعد الانفصال فشرطه بعض المشائخ وبه جزم فی الکنز مخالفا لکافیه واختارہ الامام فخر الاسلام وغیرہ فی شروح الجامع الصغیر وھو مذھب الامام ابی حفص الکبیر والامام ظھیر الدین المرغینانی وقال فی الخلاصة ھو المختار ورجحه الاتقانی فی غایة البیان زاعما ان فی عدم اشتراطه حرجا کما بینه مع جوابه فی البحر والمذھب

الحمدللہ ہماری ان بحثوں سے معلوم ہوا کہ وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، اصلاح، ملتقی اور تنویر کا اطلاق کتاب (قدوری) ہدایہ اور غنیہ کے مقید پر محمول ہے، اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ان کا اتفاق ہے کہ پانی کا عضو سے جُدا ہونا اس کے مستعمل ہونے کیلیے شرط ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ انفصال کے بعد قرار کی شرط ہے یا نہیں؟ تو بعض مشایخ نے اس کی شرط رکھی ہے اور اسی پر کنز میں جزم کیا ہے جو اسکی اپنی کافی کے خلاف ہے، اور اس کو امام فخر الاسلام نے جامع صغیر کی شروح میں مختار قرار دیا ہے اور یہی ابو حفص کبیر اور امام ظہیر الدین مرغینانی کا مذہب ہے، اور خلاصہ میں اسی کو مختار قرار دیا ہے، اور غایۃ البیان میں علامہ اتقانی نے اس کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کو شرط نہ کرنے میں حرج ہے

---

[1] کافی

عندنا هو حكم الاستعمال بمجرد الانفصال و صححه فی الهداية وكثير من الكتب و اعتمده فی الكافی وضعف خلافه وعليه المحققون كما فی الفتح والعامة كما فی البحر بل فی المحيط ان القائل باشتراط الاستقرار الامام سفين الثوری رحمه الله تعالٰی دون اهل المذهب وقد تكفل فی الفتح والبحر برد ما تعلقوا به واشار اليه فی الدرر وبالجملة المذكور فی كلام الفريقين هو الانفصال عن العضو المؤذن بان المراد استعماله فی البدن لا غير والله تعالٰی اعلم ورابعا محل نظر كون غسل الاوانی بالماء لمجرد اثر الطعام قربة مطلوبة بعينها بل المطلوب هو التنظيف وربما يحصل بلحس و بخرقة و بغيرهما مطلق والاول اقرب الی التواضع والتأدب بآداب السنة فاخرج الامام[عہ] مسلم فی صحيحه عن جابر رضی الله تعالٰی عنه

جیسا کہ انہوں نے اس کو بیان کیا اور اس کا جواب بھی بحر میں دیا، اور ہمارے نزدیک پانی عضو سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہو جاتا ہے، اسی کو ہدایہ میں صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح بہت سی کتب میں اس کو صحیح کہا ہے، اور کافی میں اس پر اعتماد کیا ہے اور اس کے خلاف کو ضعیف قرار دیا ہے اور اسی پر محققین ہیں جیسا کہ فتح میں اور عام کتب میں ہے کما فی البحر، بلکہ محیط میں ہے کہ استقرار کی شرط کے قائل امام سفیان ثوری ہیں، اہلِ مذہب نہیں ہیں اور فتح اور بحر میں ان کے دلائل کا رد کیا ہے اور دُرر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فریقین کے کلام میں مذکور عضو سے منفصل ہونا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مراد اس کا بدن ہی میں استعمال ہے فقط نہ کہ اس کے غیر میں، واللہ تعالٰی اعلم۔

رابعاً محلِ نظر یہ امر ہے کہ برتنوں کو محض اس لیے دھونا کہ اُن پر کھانے کا اثر ہے یہی قُربت مطلوبہ ہے بلکہ مطلوب صفائی ہے جو کبھی چاٹ کر کبھی کپڑے سے

[عہ] ترجمۂ احادیث (۱) صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُنگلیاں اور رکابی چاٹنے کا حکم فرماتے اور ارشاد کرتے تمہیں کیا معلوم کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے یعنی شاید اسی حصے میں ہو جو انگلیوں یا برتن میں لگا رہ گیا ہے۔

(۲) مسلم و احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کھانا کھا کر پیالہ خوب صاف کر دینے کا حکم فرمایا کہ تم کیا جانو کہ تمہارے کون سے کھانے میں برکت ہے۔

(۳) احمد و ترمذی و ابن ماجہ نبیشۃ الخیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی پیالے میں کھانا کھا کر زبان سے اُسے صاف کر دے وہ پیالہ اُس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

(۴) امام حکیم ترمذی اسی مضمون میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرمایا اور وہ برتن اس پر درود

(باقی اگلے صفحہ پر)

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر بلعق الاصابع والصحفۃ وقال انکم لا تدرون فی ایہ البرکۃ[1]
ولہ کاحمد وابی داود والترمذی والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرنا ان نسلت القصعۃ قال فانکم لا تدرون فی ای طعامکم البرکۃ[2] وللامام احمد والترمذی وابن ماجۃ عن نبیشۃ الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل فی قصعۃ ثم لحسھا استغفرت لہ

اور کبھی مار مطلق کے غیر سے حاصل ہو جاتی ہے اور پہلا اقرب الی التواضع ہے اور اس میں اتباعِ سنت بھی ہے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹنے اور برتن چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ کس چیز میں برکت ہوگی! امام مسلم، احمد، ابو داود، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس سے مرفوعا روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں برتن صاف کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا تم کو پتا نہیں کہ تمہارے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔ امام احمد، ترمذی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بھیجے۔ دیلمی کی روایت میں ہے کہ فرمایا وہ پیالہ یوں کہے، الٰہی! اسے آتشِ دوزخ سے بچا جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے بچایا یعنی جو برتن سنا ہوا چھوڑ دیں تو شیطان اسے چاٹتا ہے۔

(۵) حاکم و ابن حبان و بیہقی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کا برتن نہ اٹھائے جب تک اُسے خود نہ چاٹ لے یا (مثلاً کسی بچے یا خادم کو) چٹادے کہ کھانے کے پچھلے حصہ میں برکت ہے۔

(۶) مسند حسن بن سفیان میں والد را لکظ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پیالہ چاٹ لینا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اُس پیالے بھر کھانا تصدق کروں یعنی چاٹنے میں جو تواضع ہے اُس کا ثواب اُس تصدق کے ثواب سے زیادہ ہے۔

(۷) معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو رکابی اور اپنی انگلیاں چاٹے اللہ تعالٰی دنیا اور آخرت میں اُس کا پیٹ بھرے یعنی دنیا میں فقر و فاقہ سے بچے قیامت کی بھوک سے محفوظ رہے دوزخ سے پناہ دیا جائے کہ دوزخ میں کسی کا پیٹ نہ بھرے گا اُس میں وہ کھانا ہے کہ لا یسمن ولا یغنی من جوع نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے والعیاذ باللہ۔

---

[1] صحیح لمسلم استحباب لعق الاصابع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۷۵

[2] ایضاً ۲/۱۷۶

القصعۃ[1] زاد الامام الحکیم الترمذی عن انس
رضی اللہ تعالٰی عنہ وصلت علیہ[2] وزاد الدیلمی
عنہ فتقول اللھم اعتقہ من النار کما اعتقنی
من الشیطان[3] والحاکم وابن حبان فی صحیحیھما
والبیھقی فی الشعب عن جابر بن عبد اللہ رضی
اللہ تعالٰی عنھما فی حدیث یرفعہ الی رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یرفع القصعۃ حتی
یلعقھا او یُلعقھا فان فی اٰخر الطعام البرکۃ[4] و
للحسن بن سفیٰن عن رائطۃ عن ابیھا رضی اللہ
تعالٰی عنھا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم لان العق القصعۃ احب الی من ان
اتصدق بمثلھا طعاما[5] وللطبرانی فی الکبیر عن
العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ
عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لعق
الصحفۃ ولعق اصابعہ اشبعہ اللہ تعالٰی
فی الدنیا والاٰخرۃ[6] وخصوص الغسل بالماء من
الامور العادیۃ الشائعۃ بین المؤمنین والکفار
فاذا نوی[خط ۱۲] سنۃ التنظیف[ع] ای التنظیف لانہ سنۃ

ابن ماجہ نے نبیشۃ الخیر الھذلی سے روایت کی کہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی پیالہ میں
کھایا پھر اس کو چاٹا تو وہ پیالہ اس کے لیے استغفار
کرے گا۔ امام حکیم ترمذی نے حضرت انس سے یہ لفظ
نقل کئے "اور وہ برتن اس کے لیے دعا کرے گا" اور
دیلمی نے اُن سے روایت کی کہ وہ پیالہ کہے گا یا اللہ اس کو
نارِ جہنم سے آزاد فرما جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے
چھٹکارا دلایا ہے، حاکم اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں
اور بیہقی نے شعب میں جابر بن عبد اللہ سے مرفوعاً
روایت کیا' آپ نے فرمایا کہ پیالہ کو نہ اٹھائے تاوقتیکہ
اس کو خود چاٹ لے یا دوسرے کو چاٹنے دے' کیونکہ کھانے
کے آخر میں برکت ہے۔ اور حسن بن سفیان رائطہ سے
وہ اپنے باپ سے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتے ہیں کہ میرے نزدیک پیالہ کا چاٹ لینا
اس کی مقدار میں کھانے کے صدقہ کرنے سے افضل ہے'
اور طبرانی نے کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ جس نے پلیٹ کو چاٹا اور انگلیوں کو چاٹا اللہ
اس کو دُنیا اور آخرت میں شکم سیر فرمائے گا۔ اور پانی کے

[ع] یرید ان الاضافۃ بیانیۃ لا لامیۃ لیصیر
الغسل سنۃ فی ھذا التنظیف بل المعنی نوی سنۃ
ھو التنظیف ای نوی التنظیف لکونہ سنۃ اھ منہ (م)

اضافت بیانیہ مراد ہے لامیہ نہیں تاکہ اس تنظیف میں دھونا
سنّت بن جائے بلکہ معنی یہ ہے کہ سنّت کی نیت کی اور وہ
تنظیف ہے یعنی تنظیف کی نیت کی کیونکہ وہ سنّت ہے اھ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن نبیشۃ، بیروت ۵/۷۶
[2] کنز العمال، اداب الاکل، مکتبۃ التراث حلب ۱۵/۲۵۳
[3] کنز العمال، اداب الاکل، مکتبۃ التراث حلب ۱۵/۲۵۳
[4] صحیح ابن حبان، " اثریہ سانگلہ ہل ۸/۳۳۵
[5] کنز العمال، " " " ۵/۲۷
[6] مجمع الزوائد، باب لعق الصحفۃ والاصابع، بیروت ۵/۲۷

ادخلہ بنیتہ تحت عام محمود فکان کمتوضئ توضأ للتعلیم۔

ساتھ دھونے کی خصوصیت ایک عادی امر ہے، اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں، اب اگر اس نے تنظیف سے سنت کی نیت کی تو اس نے اس کو اپنی نیت سے ایک محمود عام کے تحت داخل کیا تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے تعلیم کے لیے وضو کیا۔

ثم **اقول** تحقیق المقام علی ما علمنی الملك العلام ان لیس کل ما جعل قربۃ مغیرا للماء عن الطھوریۃ بل یجب ان یکون الفعل المخصوص الذی یحصل بالماء اولا و بالذات قربۃ مطلوبۃ فی الشرع بخصوصہ ومرجعہ الی ان تکون القربۃ المطلوبۃ عینا لاتقوم الا بالماء اذ لوجاز ان تحصل بدونہ لکان لتحققھا موارد منھا مایحصل بالماء ومنھا غیرہ فما یحصل بالماء اولا وبالذات لایکون مطلوبا بعینہ بل محصلا لمطلوب بعینہ فیتحصل ان یکون نفس انفاق الماء فی ذلك الفعل مطلوبا فی الشرع عینا اذ المطلوب عینا لما لم یحصل الا بہ کان ایضا مطلوبا عینا کالمضمضۃ والاستنشاق فی الوضوء والتثلیث فیہ وفی الغسل ولو لمیت ولعلك تظن ان ھذہ فائدۃ لم تعرف الا من قبل العلامۃ صاحب البحر وتبعہ علیہ اخوہ فی النھر۔

اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے اس مقام کی جو تحقیق میری سمجھ میں آئی ہے وُہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قُربۃ ہے وُہ پانی کو طہوریۃ سے بدلنے والی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ مخصوص فعل جو پانی سے ادا کیا جا رہا ہے وُہ اوّلا و بالذات شریعت کی نگاہ میں قُربۃ مطلوبہ ہو، اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ قربۃ مطلوبہ ایک ایسا عین ہو جو پانی کے ساتھ ہی قایم ہو کیونکہ اگر اُس کے بغیر وُہ قربۃ حاصل ہو جائے تو اُس کے وجود کے کئی موارد ہوں گے کچھ تو پانی سے حاصل ہوں گے اور کچھ بغیر پانی کے حاصل ہوں گے تو جو چیز پانی سے اولاً و بالذات حاصل ہو تو وہ بعینہٖ مطلوب نہ ہوگی بلکہ بعینہ مطلوب کو حاصل کرنے والی ہوگی اس کا حاصل یہ ہوگا کہ محض پانی کا اس فعل میں صرف کرنا شرعاً مطلوب بعینہٖ ہو کیونکہ مطلوب بعینہٖ جب اس پر موقوف ہے تو یہ بھی مطلوب بعینہٖ ہو جائیگا جیسے کُلّی، ناک میں پانی کا ڈالنا وضوء میں اور تثلیث وضوء و غسل میں اگرچہ میّت کے غسل میں ہو، اور شاید ہمارے قارئین کو یہ خیال گزرے کہ یہ فائدہ تو صاحبِ بحر اور ان کے بھائی صاحبِ نہر کے کلام ہی سے معلوم ہُوا ہے تو میں کہتا ہوں یہ بات نہیں ہے

اقول کلا بل المسألۃ اعنی وضوء المتوضئ للتعلیم منصوص علیھا فی المبتغی والفتح وغیرھما من کتب المذھب وقد نص فی الدر انھا متفق علیھا ولا شك انھا صریحۃ

بلکہ تعلیم کے لیے وضو کرنے کا مسئلہ مبتغی اور فتح وغیرہ کتب مذہب میں منصوص ہے اور دُر میں تصریح

في تلك الافادة فان التعليم قربة مطلوبة قطعا وقد نواه بهذا التوضي وهو في هذا الخصوص ايضا متبع للسنة الماضية ان البيان بالفعل اقوى من البيان بالقول ومع ذلك اجمعوا انه لا يصير مستعملا فكان اجماعا ان ليس كل قربة تغير الماء بل التي لا تقوم الا بالماء اذ لا فارق في التوضي بنية التعليم وبنية الوضوء على الوضوء الا هذا ثم لا بد ان تكون التي تتوقف على الماء قربة مطلوبة بعينها والا لعاد الفرق ضائعا اذ لا شك ان الوضوء للتعليم محصل لقربة مطلوبة شرعا فيكون قربة وهو لا يقوم الا بالماء لكن الشرع لم يطلبه عينا انما طلب التعليم وهو لا يتوقف على انفاق الماء فاستقر تحرير التحقيق على ما افاد البحر وظهر ان الصواب في فرع القدور والقصاع مع الغنية فلذا عولنا عليه۔

کی ہے کہ یہ متفق علیہا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ اِس فائدہ میں صریح ہے، کیونکہ تعلیم قطعی طور پر قُربۃ ہے اور اس وضو سے اُس نے اُسی کی نیت کی ہے اور وُہ اِس خصوص میں گزشتہ سنت کی پیروی کرنے والا ہے کہ فعل کے ذریعہ بیان قول کے ذریعہ بیان سے اقوٰی ہوتا ہے، باوجود اس کے اُن کا اس امر پر اتفاق ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا، تو یہ اجماع ہوگیا اس امر پر کہ ہر قربۃ پانی کو متغیر نہیں کرتی ہے بلکہ صرف وُہ قربت کرتی ہے جو پانی کے ساتھ ہی قایم ہو کیونکہ بہ نیت تعلیم وضو کرنے اور وضو بر وضو کی نیت میں فرق کرنے والی یہی چیز ہے۔ پھر جس قربت کا پانی پر موقوف ہونا لازم ہے وہ بعینہا مطلوب ہو ورنہ فرق ضائع ہو جائے گا کیونکہ تعلیم کے لیے کیا جانے والا وضو شرعی قربت کو حاصل کرنے والا ہے تو یہ قربت ہوگا، اور وضو صرف پانی سے ہی ہوتا ہے لیکن شریعت میں وہ بعینہٖ مطلوب نہیں ہے، وہ تعلیم کے لیے مطلوب ہے اور تعلیم پانی خرچ کرنے پر موقوف نہیں ہے تو تحقیق وہی درست ہے جو بحر میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہانڈیوں اور پیالوں کے مسائل متفرعہ میں حق وُہ ہے جو غنیہ میں ہے لہذا ہم نے اسی پر اعتماد کیا۔ (ت)

اقول ومما يؤيده اطلاقهم قاطبة مسألة (ف۱) التوضي والاغتسال للتبرد مع ان (ف۲) التبرد ربما يكون لجمع الخاطر للعبادة والتقوي على مطالعة كتب العلم وهو لا شك اذن من القرب فكل مباح فعله العبد المؤمن بنية خير خير غير انه لم يطلب عينا في الشرع

پھر اس کی تائید تمام فقہاء کے اِس اطلاق سے ملتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کرنا، حالانکہ ٹھنڈک حاصل کرنا کبھی اس غرض سے بھی ہوتا ہے کہ انسان عبادت میں پرسکون رہے یا مطالعہ اطمینان سے کر سکے اور بلاشبہ اس صورت میں یہ عبادت ہوگا کیونکہ

وان ساغ ان يصير وسيلة الى مطلوب واعظم
منه مسألة الاغتسال لازالة الدرن فهو
مطلوب عينا فی الشرع فانما بنى الدين على
النظافة وقد كانت هذه حكمة الامر بالاغتسال
يوم الجمعة كما افصحت به الاحاديث بيد ان
ازالة الوسخ لا يتوقف على الماء فلم يكن مما
طلب فيه الشرع انفاق الماء عينا بخلاف
غسل الجمعة والعيدين وعرفة والاحرام
فان من اغتسل فيها بماء ثمر او نبيذ تمر مثلا لم
يكن آتيا بالسنة قطعا وان ازال به الوسخ
والدرن وذلك ان الحكم يكون لحكمة ولكن
العباد مامورون باتباع الحكم دون الحكمة
كما قد عرف فی موضعه وهنالك تم الرد
على مسألة القصعة والقدر وتبين ولله
الحمد ان المراد بالقربة ههنا هي المتعلقة
بظاهر بدن الانسان مما ادار الشرع فيه
اقامة نفس القربة المطلوبة ولو ندبا على
امساس الماء عينا ولو مسحا ببشرة بشر ولو
ميتا فزال الابهام واتضح المرام وظهرت
فی الفروع كلها الاحكام والحمد لله ولی
الانعام والآن عسى ان تقوم تقول آل
الامر الى ان الماء انما يصير مستعملا اذا انفق
فيما كان انفاقه فيه مطلوبا فی الشرع عينا
فما الفارق فيه وفيما اذا انفق فی قربة مطلوبة
شرعا من دون توقف على الماء خصوصا كيف

ہر مباح جو انسان خیر کی نیت سے کرے خیر ہے، البتہ وہ
بعینہٖ مطلوب شرع نہیں، اگرچہ مطلوب کا وسیلہ
بن سکتا ہے اس سے۔ بڑی بات غسل کا
مسئلہ ہے میل دور کرنے کیلئے یہ بعینہٖ مطلوب شرع ہے دین کی
بنیاد ہی نظافت پر ہے اور جمعہ کے دن غسل کے حکم کی
حکمت یہی ہے، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ البتہ
میل کا زائل کرنا پانی پر ہی موقوف نہیں، لہذا پانی کا
خرچ کرنا بعینہٖ مطلوب شرع نہ ہُوا، اور جمعہ، عیدین،
وقوفِ عرفہ، اور احرام کا غسل شرعاً مطلوب ہے،
ان غسلوں کو اگر کسی نے پھلوں کے عرق یا شیرۂ کھجور
سے کیا تو قطعی طور پر سنّت کی اتباع نہ ہوگی، خواہ اس
سے میل کچیل زائل ہوجائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے، لیکن بندوں پر
حکم کی پابندی ہے نہ کہ حکمت کی۔ یہ بات اپنے مقام
پر مذکور ہے یہاں تک پیالہ اور ہانڈی کے مسئلہ پر
رد مکمل ہُوا، اور الحمدللہ یہ بات واضح ہوگئی کہ قربت سے
مراد اس مقام پر وُہ قربت ہے جس کا تعلق ظاہر بدن
سے ہو جس میں شریعت نے قربت مطلوب، خواہ
ندبا ہی ہو، کا دار و مدار اس پر کیا ہے کہ انسان،
خواہ مردہ ہی ہو، کی جلد پر بعینہٖ پانی لگے،
خواہ بطور مسح ہی ہو، اس سے
ہمارا مقصود واضح ہوا اور مسئلہ کے فروع و احکام
ظاہر ہوئے الحمدللہ ولی الانعام۔
اب اس مقام پر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے
کہ مستعمل پانی وُہ ہوتا ہے جو کسی ایسے عمل میں خرچ

وانما المغير تحول نجاسة حكمية ومنها نجاسة الأثام وهي تزول كلا او بعضا بكل قربة لعموم قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيأت ذلك ذكرى للذاكرين[1]

ہوا ہو کہ جس میں اس کا خرچ کیا جانا بعینہٖ مطلوب شرع ہو تو اس صورت میں اور جب پانی ایسی قربۃ میں خرچ کیا گیا ہو جو شرعاً مطلوب تو ہو مگر پانی پر موقوف نہ ہو کیا فرق ہوگا؟ جبکہ پانی میں تغیّر پیدا کرنے والی چیز اس کی طرف نجاست حکمیہ کا آنا ہے اور گناہوں کی نجاست بھی نجاست حکمیہ ہی ہے، جو کُلاًّ یا بعضاً ہر قربت سے دُھل جاتی ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی "ان الحسنت یذھبن السیّات" (نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہے یہ ذاکرین کے لیے نصیحت ہے) کے عموم کا تقاضا ہے۔ (ت)

اقول نعم ولوجه الله الحمد ابدا تزول الأثام باذن الله بكل قربة رحمة منه جلت آلاؤه بهذه الامة المباركة المرحومة دنيا واخرى بنبيها الكريم الرؤف الرحيم المرسل رحمة والمبعوث نعمة افضل صلوات ربه واجمل تسليماته وازكى بركاته وادوم تحياته عليه وعلى اٰله وصحبه وامته ابدا ولكن الزوال بقربة لايوجب التحول الى الٰة التي اقيمت بها وما علمنا ذلك الا في اٰلة عينها الشرع كالمال في الزكوة والماء في الطهر لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم في الصدقات انما هي اوساخ الناس[2] رواه احمد ومسلم عن عبد المطلب بن ربيعة رضى الله تعالى عنه وقوله صلى الله تعالى عليه وسلم من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطاياه من جسده حتى تخرج من تحت اظفاره[3] رواه الشيخان

میں کہتا ہوں ہاں یہ درست ہے گناہ ہر عبادت سے اللہ کی رحمت سے زائل ہوجاتے ہیں..... مگر گناہوں کا کسی قربت کی وجہ سے زائل ہونا اس امر کا متقاضی نہیں کہ وہ آلہ تطہیر کی طرف منتقل ہوجائیں، یہ بات صرف اسی آلہ میں ہے جس کو شریعت نے متعین کیا ہو جیسے زکوٰۃ میں مال اور طہارت میں پانی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ لوگوں کا میل کچیل ہے' اس کو احمد و مسلم نے عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا تو گناہ اُس کے جسم سے نکلیں گے یہاں تک کہ اُس کے ناخنوں کے نیچے سے نکلیں گے، اس کو شیخین نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مسلم یا مومن بندہ وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اُس کے چہرہ سے ہر گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس نے اپنی دونوں

---

[1] القرآن ۱۱/ ۱۱۴

[2] صحیح مسلم تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۵

[3] صحیح مسلم خروج الخطایا مع ماء الوضوء " ۱/ ۱۲۵

عن امیر المومنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ و
قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ العبد المسلم
او المؤمن فغسل وجھہ خرج من وجھہ کل خطیئۃ
نظر الیھا بعینیہ مع الماء او مع اٰخر قطر الماء
فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئۃ
کان بطشتھا یداہ مع الماء او مع اٰخر قطر الماء
فاذا غسل رجلیہ خرج کل خطیئۃ مشتھا رجلاہ
مع الماء او مع اٰخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من
الذنوب[1] رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ والاحادیث کثیر شھیر فی ھذا المعنی
و اصحاب المشاھدۃ الحقۃ اعاد اللہ علینا
من برکاتھم فی الدنیا والاٰخرۃ یشاھدون
ماء الوضوء یخرج من اعضاء الناس متلوثا
بالاٰثام متلونا بالوانھا البشعۃ وعن ھذا
حکم امام اھل الشھود ابو حنیفۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ ان الماء المستعمل نجاسۃ مغلظۃ
لانہ کان یراہ متلطخا بتلک القاذورات فما
کان یسعہ الا الحکم بھذا وکیف یرد الانسان
امرا یراہ بالعیان قال الامام العارف باللہ سیدی
عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی و
کان من کبار العلماء الشافعیۃ فی میزان
الشریعۃ الکبرٰی سمعت سیدی علیا الخواص
رضی اللہ تعالٰی عنہ (وکان ایضا شافعیا کما
سیاْتی) یقول مدارک الامام ابی حنیفۃ رضی
اللہ تعالٰی عنہ دقیقۃ لا یکاد یطلع علیھا الا

آنکھوں سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا آخری قطرہ کے ساتھ،
جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو جو گناہ اس نے
اپنے ہاتھوں سے کئے وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری
قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور جب وہ اپنے
پیر دھوتا ہے تو اُس کے پیروں کے گناہ پانی کے ساتھ یا پانی
کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ
گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اس کو مسلم نے
ابوہریرہ سے روایت کیا، اور اس مفہوم کی احادیث
بکثرت مشہور و معروف ہیں، اور اصحابِ مشاہدہ اپنی
آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو دھلتا
ہوا دیکھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ شہود کے امام
ابوحنیفہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاستِ مغلظہ ہے
کیونکہ وہ اس پانی کو گندگیوں میں ملوث دیکھتے تھے،
تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اس کے علاوہ اور کیا
حکم لگا سکتے تھے۔

امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرمایا
کہ میں نے سیدی علی الخواص (جو بڑے شافعی عالم تھے) کو فرماتے
سُنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں
جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف اولیاء اللہ ہی مطلع ہو سکتے
ہیں، فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ جب وضو میں استعمال شدہ
پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر و کبائر و مکروہات ہوتے
ان کو پہچان لیتے تھے، اس لیے جس پانی کو مکلف نے
استعمال کیا ہو اس کے تین درجات آپ نے مقرر فرمائے،
اوّل: وہ نجاست مغلظہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال
ہے کہ مکلف نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

---

[1] صحیح لمسلم خروج الخطاء مع ماء الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ١/١٢٥

اهل الکشف من اکابر الاولیاء قال وکان الامام
ابو حنیفة اذا رأی ماء المیضأة یعرف سائر
الذنوب التی خرت فیه من کبائر وصغائر ومکروهات
فلهذا اجعل ماء الطهارة اذا تطهر به المکلف
له ثلثة احوال احدها انه کالنجاسة المغلظة
لاحتمال ان یکون المکلف ارتکب کبیرة الثانی
کالنجاسة المتوسطة لاحتمال ان یکون ارتکب
صغیرة الثالث طاهر غیر مطهر لاحتمال ان
یکون ارتکب مکروها وفهم جماعة من مقلدیه
ان هذه الثلثة اقوال فی حال واحد والحال
انها فی احوال بحسب حصر الذنوب فی ثلثة
اقسام کما ذکرنا اه[1] وفیه ایضا رضی الله عن
الامام ابی حنیفة ورحم اصحابه حیث قسموا النجاسة
الی مغلظة ومخففة لان المعاصی لا تخرج عن
کونها کبائر او صغائر[2] وسمعت سیدی علیا الخواص
رحمه الله تعالٰی لو کشف للعبد لرأی الماء الذی
یتطهر منه الناس فی غایة القذارة والنتن
فکانت نفسه لا تطیب باستعماله کما لا تطیب
باستعمال ماء قلیل مات فیه کلب او هرة قلت
له فاذن کان الامام ابو حنیفة وابو یوسف
من اهل الکشف حیث قالا بنجاسة الماء
المستعمل قال نعم کان ابو حنیفة وصاحبه

دوم: نجاست متوسطہ، اس لیے کہ احتمال
ہے کہ مکلف نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔
سوم: طاہر غیر مطہر، کیونکہ احتمال ہے کہ اس
نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو،
ان کے بعض مقلدین سمجھ بیٹھے کہ یہ ابوحنیفہ کے تین
اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے
کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا[1]
اور اسی کتاب میں ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب
نے نجاست کو مغلظہ اور مخففہ میں تقسیم کیا ہے، کیونکہ
معاصی، کبائر ہوں گے یا صغائر۔
اور میں نے سیدی علی الخواص کو فرماتے سنا
کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے وہ طہارت میں استعمال
کیے جانے والے پانی کو انتہائی گندہ اور بدبودار دیکھے گا
اور وہ اس پانی کو اسی طرح استعمال نہ کر سکے گا جیسے
اس پانی کو استعمال نہیں کرتا ہے جس میں کتا یا بلی مرگئی ہو
میں نے ان سے کہا اس سے معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ اور
ابویوسف اہل کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست
کے قائل تھے، تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ ابوحنیفہ اور
ان کے صاحب بڑے اہل کشف تھے، جب وہ اس پانی
کو دیکھتے جس کو لوگوں نے وضو میں استعمال کیا ہوتا تو
وہ پانی میں گرتے ہوئے گناہوں کو پہچان لیتے تھے
اور کبائر کے دھوون کو صغائر کے دھوون سے الگ

[1] المیزان الکبریٰ کتاب الطہارۃ مصطفےٰ البابی مصر ۱/۱۰۹
[2] ایضاً ۱/۱۰۸

من اعظم اهل الكشف فكان اذا رأى الماء الذى يتوضأ منه الناس يعرف اعيان تلك الخطايا التى خرت فى الماء ويميز غسالة الكبائر عن الصغائر والصغائر عن المكروهات والمكروهات عن خلاف الاولى كالامور المجسدة حسا على حد سواء قال وقد بلغنا انه دخل مطهرة جامع الكوفة فرأى شابا يتوضأ فنظر فى الماء المتقاطر منه فقال يا ولدى تب عن عقوق الوالدين فقال تبت الى الله عن ذلك ورأى غسالة شخص اخر فقال له يا اخى تب من الزنا فقال تبت ورأى غسالة اخر فقال تب من شرب الخمر وسماع آلات اللهو فقال تبت اھ وفيه ايضا رحم الله تعالى مقلدى الامام ابى حنيفة رضى الله تعالى عنه حيث منعوا الطهارة من ماء المطاهر التى لم تستبحر لما يجرى فيها من خطايا المتوضئين وامروا اتباعهم بالوضوء من الانهار او الآبار او البرك الكبيرة وكان سيدى على الخواص رحمه الله تعالى مع كونه شافعيا لا يتوضأ من مطاهر المساجد فى اكثر اوقاته ويقول ان ماء هذه المطاهر لا ينعش جسد امثالنا لتقذرها بالخطايا التى خرت فيها وكان يميز بين غسالات الذنوب ويعرف غسالة الحرام من المكروه من خلاف الاولى

ممتاز کر سکتے تھے، اور صغائر کے دھوون کو مکروہات سے اور مکروہات کے دھوون کو خلافِ اولیٰ سے ممتاز کر سکتے تھے اسی طرح جیسے محسوس اشیا ایک دوسرے سے الگ ممتاز ہوا کرتی ہیں، فرمایا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ آپ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے، اور پانی کے قطرات اُس سے ٹپک رہے ہیں تو فرمایا اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا میں نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا اے میرے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی۔ ایک اور شخص کے وضو کا پانی گرتا ہوا دیکھا تو اُس سے فرمایا شراب نوشی اور فحش گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی اھ اسی میں حضرت امام ابو حنیفہ کے بعض مقلدین سے مروی ہے کہ اُنھوں نے اُن وضو خانوں کے پانی سے وضو کو منع کیا ہے جن میں پانی جاری نہ ہو کیونکہ اُس میں وضو کرنے والوں کے گناہ بہتے ہیں، اور اُنھوں نے حکم دیا کہ وہ نہروں کنوؤں اور بڑے حوضوں کے پانی سے وضو کریں۔ اور سیدی علی الخواص باوجود شافعی المذہب ہونے کے مساجد کے طہارت خانوں میں اکثر اوقات وضو نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ پانی ہم جیسے لوگوں کے جسموں کو صاف نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ اُن گناہوں سے آلودہ ہے جو اس میں مل گئے ہیں، اور وہ گناہوں کے دھوون میں

[1] المیزان الکبریٰ الطہارۃ مصطفےٰ البابی مصر ۱/۱۰۹

5/5

ودخلت معه مرة ميضأة المدرسة الازهرية فاراد ان يستنجي من المغطس فنظر ورجع فقلت لم قال رأيت فيه غسالة ذنب كبير غيرته في هذا الوقت وكنت انا رأيت الذي دخل قبل الشيخ وخرج فتبعته واخبرته الخبر فقال صدق الشيخ قد وقعت في زنا ثم جاء الى الشيخ وتاب هذا امر شاهدته من الشيخ اھ كله ملتقطا و سقته هٰهنا لجميل فائدته وجليل عائدته وليس ما عينته انت آلة لقربة في معنى ما عينه الشارع فلا يلتحق۔

یہ فرق بھی کرلیتے تھے کہ یہ حرام کا ہے یا مکروہ کا یا خلافِ اولٰی کا، اور ایک دن میں ان کے ساتھ مدرسۃ الازہر کے وضوخانہ میں داخل ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ حوض سے استنجا کریں، تو اس کو دیکھ کر لوٹ آئے میں نے دریافت کیا کیوں؟ تو فرمایا کہ میں نے اس میں ایک گناہِ کبیرہ کا دھوون دیکھا ہے جس نے اس کو متغیر کردیا ہے، اور میں نے اُس شخص کو بھی دیکھا تھا جو حضرت شیخ سے قبل وضوخانہ میں داخل ہُوا تھا، پھر میں اُس کے پیچھے پیچھے گیا اور اُس کو حضرت شیخ نے جو کہا تھا اس کی خبر دی، اُس نے تصدیق کی اور کہا کہ مجھ سے زنا واقع ہوا، اور حضرت شیخ کے ہاتھ پر آکر تائب ہُوا۔ یہ میرا اپنا مشاہدہ ہے اھ یہ سب ماخوذ ہے اس کے عظیم فائدہ کے لیے میں نے اس کو ذکر کیا ہے، اور جس کو آپ نے قربت کا آلہ قرار دیا ہے وہ اُس معنی میں نہیں ہے جس کو شارع نے معین کیا ہے تو یہ اس کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے۔ ت

اقول بل الدليل ناهض على عدم الالتحاق الاترى ان ارواء الظمأن قربة مطلوبة قطعا وقد ورد فيه خصوصا انه محاء للذنوب اخرج الخطيب عن انس بن مالك رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبي صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذا كثرت ذنوبك فاسق الماء على الماء تتناثر كما يتناثر الورق من الشجر في الريح العاصف[2] اھ فاذا استقيت له الماء من بئر او سكبت من اناء واعطيته اياه فقد اقمت به قربة

میں کہتا ہُوں بلکہ دلیل عدمِ التحاق پر قائم ہے کیا یہ نہیں کہ پیاسے کو سیراب کرنا قربتِ مطلوبہ ہے، اور اِس بارے میں بطور خاص وارد ہوا کہ یہ گناہوں کا مٹانے والا ہے۔

خطیب انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تیرے گناہ زیادہ ہوجائیں تو تُو پانی پر پانی پلا تو تیرے گناہ اس طرح جھڑجائیں گے جس طرح تیز ہوا سے پیڑ کے پتّے جھڑجاتے ہیں اھ تو جب تُو نے اس کو

---

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰
[2] تاریخ بغداد عن انس بیروت ۶/۳۰۳

فلو تحولت نجاسة الأثام اليه لصار نجسا حراما شربه عند الامام وقذرا بالاجماع مكروه الشرب فيعود الاحسان اساءة والقربة على نفسها بالنقض وهو باطل اجماعا فما ذلك الالان الشرع انما طلب منك ان تهيئ له مايرويه ولم يعين له الماء بخصوصه بحيث لايجزئ غيره بل لو سقيته لبنا خالصا او ممزوجا بماء او ماء الورد او جلابا بثلج ولوز وماء الكاذى و امثال ذلك لكان اجد واجود واقمت القربة و ازيد [1] والله يحب المحسنين وقد اشتد تشييد بهذا الركان مانحونا اليه فى مسألة القدور والقصاع هذا كله ماظهر لى وارجوان قدرهل الامروزال القناع والحمد لله رب العلمين۔

کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا یا کسی برتن سے انڈیلا اور اسکو دیا تو تو نے اس کے ساتھ قربت کو قائم کیا، تو اگر گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہوجائے تو وہ نجس ہوگا اور امام کے نزدیک اس کا پینا حرام ہوگا اور بالاجماع گندا ہوگا او اس کا پینا مکروہ ہوگا تو احسان گناہ ہوجائے گا اور قربت اپنے نفس پر نقض ہوگی یہ بالاجماع باطل ہے، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ شریعت نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تم اُس کے لیے وہ تیار کرو جو اس کو سیراب کرے، اور اس کے لیے کسی پانی کو مخصوص نہیں کیا ہے کہ اُس کے بغیر کفایت نہ ہو، بلکہ اگر تم اسکو خالص دُودھ، پانی ملا دودھ، عرق گلاب یا برف والا شربت خواہ وہ کیوڑے والا ہو تو زیادہ بہتر ہوگا تمھاری قربت ادا ہوگی اور کچھ زیادہ بھی اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے، اور ہماری اس تقریر سے ہانڈیوں اور پیالوں والے مسئلہ کی مزید تائید ہوتی ہے۔ یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس سے معاملہ واضح ہوگیا ہے والحمدللہ رب العالمین۔ ت

تنبیہ [2] عامة الکتب فی بیان الشق الاول من الماء المستعمل علی التعبیر بماء استعمل فی رفع حدث وعلیہ المتون کالقدوری و الہدایة والوقایة والنقایة والاصلاح و الکنز والغرر والملتقی واعترضہم المحقق علی الاطلاق فی الفتح بان الحدث لایتجزء ثبوتا [3] اھ ای علی القول الصحیح المعتمد فما

تنبیہ مستعمل پانی کی پہلی شق کے بیان میں عام کتب میں یہی ہے کہ یہ وہ پانی ہے جو حَدث دُور کرنے میں مستعمل ہوا ہو، متونِ کُتب میں یہی ہے، مثلاً قدوری، ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غرر اور ملتقی وغیرہ، اور محقق علی الاطلاق نے فتح میں ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حَدث کے ثبوت میں تجزّی نہیں ہوتی ہے اھ یعنی قول صحیح معتمد پر، تو جب تک بدن کا

---

[1] فتح القدیر ماء مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹

بقیت ذرۃ مما لحقہ حکم الحدث بقی الحدث فی کل ما کان لحقہ حتی لو ان محدثا او جنبا تطہر و بقیت لمعۃ خفیفۃ فی رجلہ مثلا لم یحل لہ مس المصحف بیدہ ولا بکمہ ولا للجنب التلاوۃ کل ذلک علی ما ھو المختار للفتوی فھذا الماء لم یرفع الحدث ولو لم ینو لم تکن قربۃ ایضا مع انہ مستعمل قطعا بفروع کثیرۃ منصوصۃ عن صاحب المذھب رضی اللہ تعالی عنہ فی ادخال المحدث بعض اعضائہ فی الماء لغیر ضرورۃ الاغتراف علی ما فصلت فی الفتح والحلیۃ والبحر وغیرھا وللتفصی عن ھذا قرر المحقق ان صیرورۃ الماء مستعملا باحدی ثلث رفع الحدث والتقرب وسقوط الفرض عن العضو قال وعلیہ تجری فروع ادخال الید والرجل الماء القلیل لا لحاجۃ ولا تلازم بین سقوط الفرض وارتفاع الحدث فسقوط الفرض عن الید مثلا یقتضی ان لا یجب اعادۃ غسلہا مع بقیۃ الاعضاء ویکون ارتفاع الحدث موقوفا علی غسل الباقی وسقوط الفرض ھو الاصل فی الاستعمال لما عرف ان اصلہ مال الزکوۃ والثابت فیہ لیس الا سقوط الفرض حیث جعل بہ دنسا شرعا علی ما ذکرناہ[1] و تبعہ تلمیذہ المحقق فی الحلیۃ ثم البحر فی

کوئی ذرہ جس سے حکم تطہیر لاحق ہوتا ہے باقی بچا رہے گا حدث بھی اُس حصہ میں باقی رہے گا، یہاں تک کہ کوئی بے وضو یا ناپاک شخص غسل کرتا ہے اور مثلاً اُس کے پیر میں خشکی کی معمولی سی چمک باقی رہ جاتی ہے تو وہ مصحف کو اپنے ہاتھ سے یا اپنی آستین سے نہیں چھُو سکتا ہے اور جُنب ہونے کی صورت میں تلاوت نہیں کرسکتا ہے یہ سب فتوٰی کے لیے مختار ہے، تو اس پانی نے حدث کو رفع نہیں کیا، اور اگر اُس نے نیت نہ کی تو قربت بھی نہ ہوگی حالانکہ وہ قطعاً مستعمل ہے، اس میں بہت سی فروع ہیں جو صاحبِ مذہب سے منقول ہیں، ان کا تعلق اِس امر سے ہے کہ بے وضو اپنے کسی عضو کو بلا ضرورت چُلّو بھرنے کے لیے پانی میں ڈالے، جیسا کہ فتح، حلیہ اور بحر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اِس اعتراض سے رہائی حاصل کرنے کے لیے محقق نے یہ تقریر کی ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کی تین صورتیں ہیں رفعِ حدث، تقرب اور فرض کا عضو سے ساقط ہونا، فرمایا کہ اسی پر یہ فروع متفرع ہوں گی کہ ہاتھ یا پیر تھوڑے پانی میں بلا ضرورت ڈالا، اور سقوطِ فرض اور ارتفاعِ حدث میں کوئی تلازم نہیں ہے اب ہاتھ سے سقوطِ فرض مثلاً چاہتا ہے کہ ہاتھ کے دھونے کا بقیہ اعضاء کے ساتھ اعادہ نہ ہو، اور حدث کا مرتفع ہونا باقی اعضاء کے دھونے پر موقوف ہو اور پانی کے استعمال میں سقوطِ فرض ہی اصل ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ اس کی اصل مالِ زکوٰۃ ہے اور

---

[1] فتح القدیر ماء مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹

البحر وتلمیذہ العلامۃ الغزی حتی جعلہ متنا واقرہ علیہ المدقق فی الدر واعتمدہ العارف باللّٰہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرح ھدیۃ ابن العماد وزعم العلامۃ ش ان ھذا السبب الثالث زادہ فی الفتح[1]۔

اس میں بھی ثابت ہے کہ سقوطِ فرض ہو، کیونکہ اس میں شرعاً میل کچیل ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ اور ان کے محقق شاگرد نے ان کی پیروی کی حلیہ میں، پھر صاحبِ بحر نے بحر میں۔ پھر ان کے شاگرد علامہ غزی نے، یہاں تک کہ اس کو متن قرار دیا، اور دُر میں اس کو مدقق نے برقرار رکھا، اور عبدالغنی نابلسی نے شرح ہدیۃ ابن العماد میں اس پر اعتماد کیا، اور علامہ ش نے فرمایا کہ اس تیسرے سبب کو فتح میں زیادہ کیا گیا۔ ت

اقول ولیس کذا بل ھو منصوص علیہ من صاحب المذھب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ففی الفتح عن کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان غمس جنب او غیر متوضئ یدیہ الی المرفقین او احدی رجلیہ فی اجانۃ لم یجز الوضوء منہ لانہ سقط فرضہ عنہ[2] اھ ومثلہ عن الھدایۃ فی تعلیل قول ابی یوسف اھ والامام رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما ان اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین[3] اھ نعم المزید من المحقق ھو تثلیث السبب ولیس بذلک فان سقوط الفرض اعم مطلقا من رفع الحدث ففیہ غنیۃ عنہ اما ما فی منحۃ الخالق انہ قد یرتفع الحدث ولا یسقط الفرض کوضوء الصبی العاقل لما مر من صیرورتہ ما

میں کہتا ہوں یہ بات درست نہیں ہے بلکہ یہ صاحبِ مذہب رحمہ اللہ سے ہی منصوص ہے، فتح میں حسن کی کتاب سے ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اگر ناپاک شخص یا بے وضو شخص نے اپنے دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں تک پانی میں ڈبوئے یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈبویا تو اُس سے وضو جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کا فرض اُس سے ساقط ہوچکا ہے اھ اور ہم نے ہدایہ سے ابویوسف کے قول یعنی امام کے قول کی بھی علت بیان کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا ہے کہ اسقاطِ فرض بھی موثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ثابت ہوگا اھ ہاں محقق نے جو اضافہ کیا ہے وہ سبب کی تثلیث ہے، اور وہ درست نہیں کیونکہ سقوطِ فرض اعم مطلق ہے رفعِ حدث سے، لہٰذا یہ اس سے بے نیاز کرنے والا ہے، اور منحۃ الخالق میں ہے کہ کبھی حدث

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶
[2] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
[3] ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء العربیہ کراچی ۱/۲۲

مستعملا مع انہ لا فرض علیہ[1] اھ

کیونکہ ابھی گزرا ہے کہ اُس کا پانی مستعمل ہوجاتا ہے حالانکہ وضو اُس پر فرض نہیں۔ ت ختم ہوجاتا ہے اور فرض ساقط نہیں ہوتا جیسے عاقل بچے کا وضو،

فاقول[ف1] لیس بشیئ[ف2] فان حکم الحدث انما یلحق المکلف وقد نصوا ان مراھقا جامع اومراھقۃ جومعت انما یؤمران بالغسل تخلقا واعتیادا[2] کما فی الخانیۃ والغنیۃ وغیرھما وفی الدر یؤمربہ ابن عشر تادیبا[3] فحیث لم یسقط الفرض لانعدام الافتراض لم یرتفع الحدث ایضا لانعدام الحکم بہ اما صیرورتہ مستعملا فلیس لرفعہ حدثا والا صار مستعملا من کل صبی ولو لم یعقل وھو خلاف المنصوص بل لکونہ قربۃ معتبرۃ اذا نواھا ولذا قیدہ بالعاقل لان غیرہ لا نیۃ لہ والذی مر[ف3] ان اراد بہ مامر فی البحر فھو قولہ فی الخلاصۃ اذا توضأ الصبی فی طست ھل یصیر الماء مستعملا المختار انہ یصیر اذا کان عاقلا اھ[4] فھذا التقیید یفید ما قلنا و قد[ف4] قال فی الغنیۃ ان ادخل الصبی یدہ فی الماء وعلم ان لیس بہا نجس یجوز التوضؤ بہ وان شك فی طہارتہا یستحب ان لا یتوضأ بہ وان توضأ جاز ھذا اذا لم یتوضأ الصبی بہ فان

میں کہتا ہوں یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حدث کا حکم مکلف کو لاحق ہوتا ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی مراہق نے جماع کیا یا کسی مراہقہ سے جماع کیا گیا تو ان کو اخلاق و آداب سکھانے کی غرض سے غسل کا حکم دیا جائے گا، خانیہ اور غنیہ وغیرہ میں یہی ہے اور دُر میں یہ ہے کہ دس سالہ لڑکے کو تادیباً غسل کا حکم دیا جائیگا جب فرض ساقط نہ ہوگا کیونکہ فرضیت منعدم ہے تو حدث بھی مرتفع نہ ہوگا کیونکہ اس کا حکم منعدم ہے، اور رہا اس کا مستعمل ہونا تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے حدث کو رفع کیا ہے ورنہ تو ہر بچہ کا مستعمل پانی مستعمل ہوجاتا اگرچہ وہ عاقل نہ ہو، اور یہ خلاف منصوص ہے بلکہ یہ اس لیے ہے کہ یہ قربت اُسی وقت معتبر ہو گی جبکہ وہ اُس کی نیت کرے، اور اسی لیے انہوں نے بچہ کو عاقل سے مقید کیا ہے کیونکہ غیر عاقل کی نیت نہیں ہوتی ہے، اور جو گزرا اگر اُس سے ان کا ارادہ وہ ہے جو گزرا بحر میں تو ان کا وہ قول خلاصہ میں ہے کہ جب بچہ طشت میں وضو کرے تو آیا پانی مستعمل ہوگا؟ تو مختار یہ ہے کہ اس وقت مستعمل ہوگا جب بچہ عاقل ہو اھ تو یہ تقیید اُسی چیز کا فائدہ دے رہی ہے

[1] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] قاضی خان فیما یوجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱
[3] درمختار موجبات الغسل مجتبائی دہلی ۱/۳۱
[4] خلاصۃ الفتاوٰی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

توضأ به ناویا اختلف فیه المتأخرون و المختار انه یصیر مستعملا اذا کان عاقلا لانه نوی قربة معتبرة[1] اھ وان اراد به ما مر فی نفس المنحة قبیل ھذا بسطور فهو اصرح و ابین حیث قال نقلا عن الخانیة الصبی العاقل اذا توضأ یرید به التطهیر ینبغی ان یصیر الماء مستعملا لانه نوی قربة معتبرة[2] ثم افاد بنفسد ان قوله یرید به التطهیر یشیر الی انه ان لم یرد به التطهیر لا یصیر مستعملا[3] اھ ولکن سبحن من لا ینسی **ثم قال فی المنحة** بقی ھل بین سقوط الفرض و القربة تلازم ام لا[4] الخ

جو ہم نے کہی ہے، اور غنیہ میں فرمایا کہ اگر بچہ نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور یہ علم تھا کہ اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست موجود نہیں ہے تو اُس پانی سے وضو جائز ہے، اور اس کی طہارت میں شک ہے تو مستحب یہ ہے کہ اُس پانی سے وضو نہ کرے اور اگر وضو کیا تو جائز ہے، یہ اُس صورت میں ہے جب کہ بچہ نے اُس سے وضو نہ کیا ہو اور اگر نیت کے ساتھ وضو کیا ہو تو متاخرین کا اس میں اختلاف ہے، اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر وہ عاقل ہو تو مستعمل قرار پائے گا کیونکہ اُس نے معتبر قربت کی نیت کی ہے اھ اور اگر وہ ارادہ کیا جو نفسِ منحہ میں گزرا ہے اس سے چند سطور قبل تو وہ اور زیادہ واضح اور روشن ہے وہ خانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عاقل بچہ جب وضو کرے اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ پانی مستعمل ہو جائے، کیونکہ اُس نے معتبر قربہ کی نیت کی اھ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کا قول "یرید به التطهیر" اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اس نے نیتِ تطہیر کی تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ لیکن بے عیب ہے وُہ خدا جو بھُولتا نہیں۔ پھر منحہ میں فرمایا اب یہ امر باقی رہ گیا ہے کہ آیا سقوطِ فرض اور قربۃ میں تلازم ہے یا نہیں الخ۔ ت

اقول مرادہ ھل القربة تلزم سقوط الفرض ام لا فان التلازم یکون من الجانبین ولا یتوھم عاقل ان سقوط الفرض یلزم القربة فان الاستنشاق فی الوضوء و المضمضة فیه و للطعام و منه و الوضوء علی الوضوء و امثالها

اقول اُن کی مراد ہے کیا قربت، سقوطِ فرض کو مستلزم ہے یا نہیں؛ کہ تلازم جانبین سے ہی ہوتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی یہ سوچ بھی نہیں سکتا ہے کہ سقوطِ فرض مستلزم قربت ہے، کیونکہ وضو میں ناک میں پانی ڈالنا اور کُلی کرنا اور کھانے کے لیے کُلی کرنا اور اس کے

---

[1] غنیۃ المستملی الماء المستعمل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۳/۱
[2] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۹۱/۱
[3] و [4] ایضاً ۹۲/۱

کل ذلک قرب ولا سقوط لفرض ولکن تسامح فی العبارۃ وظن انہ تبع فیہ الفتح والبحر حیث قالا لا تلازم بین سقوط الفرض وارتفاع الحدث قال فی المنحۃ المراد نفی التلازم من احد الجانبین وھو جانب سقوط الفرض؎ الخ

بعد کُلی کرنا اور وضو پر وضو اور اسی جیسی دوسری چیزیں سب کی سب عبادتیں ہیں لیکن ان سے کوئی فرض ساقط نہیں ہوتا ہے، لیکن انہوں نے عبارت میں تسامح سے کام لیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ اس میں انھوں نے فتح اور بحر کی متابعت کی ہے وہ دونوں فرماتے ہیں سقوطِ فرض اور ارتفاعِ حدث میں تلازم نہیں۔ منحہ میں فرمایا ایک جانب سے تلازم کی نفی ہے اور وہ سقوطِ فرض کی جانب ہے الخ (ت)

اقول لیس کذلک بل التلازم ھو اللزوم من الجانبین فسلبہ یصدق بانتفاء اللزوم من احد الجانبین وھو المراد للفاضلین العلامتین وتفسیرہ باللزوم من احد الجانبین مفسد للمعنی اذ بورود السلب علیہ یکون الحاصل نفی اللزوم من کلا الجانبین ولیس صحیحا ولا مرادا وعلی کل فھذا السؤال مما یھمنا النظر فیہ اذ لو ظھر لزوم القربۃ لسقوط الفرض سقط سقوط الفرض ایضا کما ارتفع رفع الحدث ودار حکم الاستعمال علی القربۃ وحدھا کما نسبوہ الی الامام محمد وان کان التحقیق انہ لم یخالف شیخیہ فی ذلک کما بینہ فی الفتح والبحر فرأینا العلامۃ صاحب المنحۃ فاذا ھو اجاب عما سأل فقال ان قلنا ان اسقاط الفرض لا ثواب فیہ فلا وان قلنا فیہ ثواب فنعم قال العلامۃ المحقق نوح افندی والذی یقتضیہ النظر الصحیح

میں کہتا ہوں بات یہ نہیں ہے بلکہ تلازم کا مطلب یہ ہے کہ لزوم دونوں جانب سے ہو، تو اس کا سلب احد الجانبین سے لزوم کے انتفاء کی صورت میں صادق آئے گا اور یہی مراد ہے دونوں فاضل علماء کی اور اس کی تفسیر احد الجانبین کے لزوم کے ساتھ معنی کو فاسد کرنے والی ہے کیونکہ جب اس پر سلب وارد ہوگا تو حاصل نفیِ لزوم ہوگا دونوں جانبوں سے اور یہ نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی مراد ہے، اور بہرنوع ہمیں اسی سوال پر غور کرنا ہے کیونکہ اگر قربت اور سقوطِ فرض کا لزوم ظاہر ہوجائے تو سقوطِ فرض بھی ساقط ہوجائے گا جیسے کہ رفعِ حدث مرتفع ہوا اور حکمِ استعمال کا دارومدار محض قربۃ پر ہوجائیگا جیسا کہ فقہا نے اُس کو امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ تحقیق یہی ہے کہ انہوں نے شیخین کی مخالفت نہیں کی جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے، علامہ صاحب منحہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں کہ اگر اسقاطِ فرض میں کوئی ثواب نہ مانا جائے تو یہ درست

؎ منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

ان الراجح ھو الاول لان الثواب فی الوضوء المقصود وھو شرعا عبارۃ عن غسل الاعضاء الثلثۃ ومسح الراس فغسل عضو منہا لیس بوضوء شرعی فکیف یثاب علیہ اللھم الا ان یقال انہ یثاب علی غسل کل عضو منہا ثوابا موقوفا علی الاتمام فان اتمہ اثیب علی غسل کل عضو منہا والافلا ویدل علیہ ما اخرجہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن الی اٰخر الحدیث الذی قدمناہ[1]۔

نہیں، اور اگر کہیں کہ اس میں ثواب ہے تو یہ درست ہے۔ علامہ نوح آفندی فرماتے ہیں نظر صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ راجح پہلا قول ہی ہے کیونکہ ثواب مقصود وضو میں ہے اور وہ شرعاً اعضائے ثلثہ کے دھونے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں، تو ایک عضو کا دھونا شرعی وضو نہیں ہے تو اس پر ثواب کیسے ہوگا! ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ثواب کسی ایک عضو کے دھونے کا ثواب موقوف رہے گا مکمل وضو کرنے پر اب اگر مکمل کرلے گا تو ہر ہر عضو کے دھونے پر ثواب پائے گا ورنہ نہیں۔ اس کی دلیل مسلم کی روایت ابوہریرہ سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان یا مومن وضو کرتا ہے الحدیث الذی قدمناہ اھ (جو حدیث ہم پہلے بیان کرچکے) ت

اقول اولا لا معنی للزوم القربۃ سقوط الفرض وان قلنا بثبوت الثواب فی اسقاط الفرض اذ لا ثواب الا بالنیۃ وسقوط الفرض لا یتوقف علیہا فالحق ان بینہما عموما من وجہ مطلقا ولو نظر رحمہ اللہ تعالٰی الی فرق ما بین تعبیریہ بالسقوط والاسقاط لتنبہ لان الثواب ان کان لم یکن الا بالقصد المدلول علیہ بالاسقاط والسقوط لا یتوقف علیہ **وثانیا** للعبد الضعیف کلام فی توقف الثواب فی الطہارۃ علی الاتمام بل الثواب منوط بنیۃ الامتثال کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات

میں کہتا ہوں اوّلاً قربۃ کے سقوطِ فرض کو لازم ہونے کے کوئی معنی نہیں، خواہ ہم یہ کہیں کہ ثواب ثابت ہوگا اسقاطِ فرض میں، کیونکہ ثواب بلانیت کے نہیں ہوتا اور فرض کا سقوط نیت پر موقوف نہیں ہے تو حق یہ ہے کہ ان دونوں میں عموم من وجہ مطلقاً ہے، اور اگر وہ رحمہ اللہ دونوں تعبیروں کے فرق کو دیکھتے، یعنی سقوط اور اسقاط تو ان کو معلوم ہوتا کہ ثواب نیت سے ہوتا ہے جو اسقاط سے مفہوم ہوتی ہے اور سقوط اس پر موقوف نہیں۔

ثانیاً عبد ضعیف کو اس امر میں کلام ہے کہ ثواب موقوف ہے طہارت کے مکمل ہونے پر بلکہ ثواب موقوف ہے حکم ماننے کی نیت پر جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۲

وانما لکل امرئ ما نوی[1] فمن جلس یتوضأ ممتثلا لامر ربه ثم عرض له فی اثنائه ما منعه عن اتمامه فکیف یقال لایثاب علی ما فعل واللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین[2] نعم من نوی من بدء الامر انه لایأتی الا بالبعض فھذا الذی یرد علیه انه لم یقصد الوضوء الشرعی بل ھو عابث بقصد مالا یعتبر شرعا والعابث لایثاب بخلاف من قدمنا وصفه ویترای لی ان مثل ذلك العابث من قصد الوضوء الشرعی واتی ببعض الاعمال ثم قطع من دون عذر فان اللّٰہ تعالٰی سمی القطع ابطالا اذ یقول عزمن قائل ولا تبطلوا اعمالکم[3] والباطل لاحکم له واللّٰہ تعالٰی اعلم **وثالثا** محو الخطایا ان لم یکن ثوابا فلا ذکر له فی الحدیث اصلا وان کان فالحدیث حاکم بترتب ثواب کل فعل فعل عند وقوعه ولا دلالة فیه علی توقف الاثابة الی ان یتم وبالجملة فلا اغناء لاحد من القربة والسقوط عن الاخر بخلاف الرفع والسقوط فلا وجه للتثلیث ثم رأیت العلامة ش اشار الی ھذا فی ردالمحتار حیث قال رفع الحدث لایتحقق الا فی ضمن القربة او اسقاط الفرض او فی ضمنھما فیستغنی بھما عنه[4] اھ

نے فرمایا "بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے، تو جو شخص اپنے رب کے حکم کو ماننے کے لیے وضو کرنے بیٹھا پھر درمیان میں کوئی ایسا امر لاحق ہوا کہ وہ وضو مکمل نہ کرسکا تو اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کرچکا ہے اُس پر اس کو ثواب نہیں ملے گا، اللہ اچھے کاموں کا اجر برباد نہیں کرتا، ہاں اگر کسی نے شروع سے ہی یہ نیت کی کہ وہ بعض اعضاء کو دھوئے گا، تو یہ ہے جس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ اُس نے وضوِ شرعی کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ وہ ایک ایسا کام کرکے جو شرعاً غیر معتبر ہے عبث کررہا ہے اور جو عبث کرتا ہو اس کو ثواب نہیں ملے گا" بخلاف اس کے جس کا وصف ہم نے پہلے بیان کیا" اور مجھے لگتا ہے کہ اسی عبث کرنے والے کی طرح ہے وہ شخص جس نے شرعی وضو کا ارادہ کیا اور بعض اعمال کئے پھر وضو کو بلا عذر نامکمل چھوڑ دیا کیونکہ اللہ نے قطع کو ابطال قرار دیا ہے، اللہ فرماتا ہے "تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو" اور باطل کا کوئی حکم نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

ثالثاً یہ کہ خطاؤں کا مٹ جانا اگر ثواب نہیں ہے تو اس کا ذکر حدیث میں بالکل نہیں ہے اور اگر ثواب ہے تو حدیث کا حکم یہ ہے کہ ہر فعل کا ثواب اس فعل کے واقع ہوجانے کے وقت مرتب ہوگا، اور اس میں اس

---

[1] جامع للبخاری باب کیف بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[2] القرآن ۹/۱۲۰ [3] القرآن ۴۷/۳۳

[4] ردالمحتار الماء المستعمل مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶

امر پر دلیل نہیں کہ ثواب تمام پر موقوف ہوگا، اور خلاصہ یہ کہ قربت اور سقوط میں سے کسی ایک کو دوسرے سے بے نیازی نہیں بخلاف رفع اور سقوط کے، تو تثلیث کی کوئی وجہ نہیں، پھر میں نے علامہ ش کو دیکھا کہ انھوں نے ردالمحتار میں اس طرف اشارہ کیا' فرمایا: رفع حدث قربۃ کے ضمن ہی میں متحقق ہوتا ہے یا اسقاط فرض کے یا دونوں کے ضمن میں متحقق ہوتا ہے، تو ان دونوں سے اس میں بے نیازی حاصل کی جائے گی اھ (ت)

اقول لم یظهر لی کیف یتحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط الفرض حتی یصح هذا التثلیث الاٰخر الذی ذکرهذا العلامۃ بل کلما رفع الحدث لزم منہ سقوط الفرض کما اعترف بہ فی المنحۃ فاٰن جنح الی ما قدمنا عنہ من مسألۃ وضوء الصبی العاقل ای اذا توضأ ناویا فقد تحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط فرض۔

میں کہتا ہوں مجھ پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ رفع حدث قربۃ کے ضمن میں کیسے متحقق ہوگا بغیر فرض کے سقوط کے یہاں تک کہ یہ دُوسری تثلیث جس کی طرف اس علامہ نے اشارہ کیا ہے صحیح قرار پائے، بلکہ جب بھی حدث مرتفع ہوگا اس سے فرض ساقط ہوگا، جیسا کہ منحہ میں اس کا اعتراف کیا ہے، تو اگر اس کی طرف مائل ہوں جو ہم نے پہلے ان سے نقل کیا ہے یعنی عاقل بچّہ کا وضو، جب عاقل بچہ نیّت کے ساتھ وضو کرے تو حدث قربت کے ضمن میں مرتفع ہو جائے گا مگر فرض ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

فاقول اوّلا قد علمت بطلانہ **وثانیا** ان سلم هذا یلزم ان یتحقق رفع الحدث من دون قربۃ ولا سقوط فرض اذا توضأ الصبی غیرنا ولان رفع الحدث لایفتقر الی النیۃ والقربۃ لا توجد بدونها فحینئذ ینهدم اصل المرام ویعود التثلیث الذی ذکرالمحقق فالصواب ما ذکرت ان رفع الحدث یلزمہ سقوط الفرض ففیہ غنیۃ عنہ۔

میں کہتا ہوں اولاً تم اس کا بطلان جان چکے ہو۔

ثانیاً اگر یہ مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ رفع حدث متحقق ہو بلا قربت کے، اور نہ فرض کا سقوط ہو جب بچہ بلا نیت وضو کرے، کیونکہ رفع حَدَث محتاج نیت نہیں ہوتا جبکہ قربت بلا نیت نہیں پائی جاتی ہے، اس صورت میں اصلِ مقصود ہی ختم ہو جائے گا اور وہ تثلیث عَود کر آئے گی جس کو محقق نے ذکر کیا ہے، تو صحیح وہی ہے جس کو میں نے ذکر کیا کہ رفع حَدَث کو سقوطِ فرض لازم ہے، پس یہ اُس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ (ت)

ثم اقول لو ان المحقق علی الاطلاق حانت منہ التفاتۃ هنا الی کلام مشروحہ الهدایۃ لما جنح الی تثلیث السبب ولظهر

پھر میں کہتا ہوں اگر محقق علی الاطلاق صاحبِ ہدایہ کے کلام پر توجہ دیتے تو تثلیث سبب کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور رجوعِ عام کتب اور متون سے

له الجواب ایضا عما اعترض به کلام العامة و المتون و ذلك ان الامام صاحب الهدایة قدس سره عبر فی المسألة بما ازیل به حدث او استعمل قربة وقال فی الدلیل اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین فافاد ان المراد بزوال الحدث هو سقوط الفرض و ان مؤداهما ههنا واحد و لا شك ان سقوط الفرض عن عضو دون عضو بل عن بعض عضو دون بعضه الاخر ثابت متحقق وان لم یترتب علیه احکام ارتفاع الحدث وهو کما قدمت الاشارة الیه فی بیان الفروع لیشمل ما اذا طهر کاملا او غسل شیئا من اعضائه بل عضوه فلا تثلیث ولا اعتراض بعدم التجزی و تحقیقه ما افاده فی المنحة نقلا عن العلامة نوح افندی فی حواشی الدرر ناقلا عن الشیخ قاسم فی حواشی المجمع ان الحدث یقال بمعنیین المانعیة الشرعیة عما لا یحل بدون الطهارة وهذا لا یتجزی بلا خلاف عند ابی حنیفة و صاحبیه وبمعنی النجاسة الحکمیة وهذا یتجزء ثبوتا و ارتفاعا بلا خلاف عند ابی حنیفة و اصحابه عه

اعتراض ہوتا تھا اُس کا جواب بھی ظاہر ہوجاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے مسئلہ میں یہ تعبیر کی ہے کہ وُہ پانی جس سے حدث زائل کیا گیا ہو یا بطورِ قربت استعمال کیا گیا ہو، اور دلیل میں فرمایا کہ اسقاط فرض بھی مؤثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ظاہر ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ زوالِ حدث سے مراد سقوطِ فرض ہے اور دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ فرض کا سقوط ایک عضو سے نہ کہ دوسرے عضو سے، بلکہ بعض عضو سے نہ کہ دوسرے بعض سے ثابت متحقق ہے اگرچہ اس پر ارتفاعِ حدث کے احکام مترتب نہیں ہوتے ہیں اور جیسا کہ میں اشارہ کرچکا ہوں بیان فروع میں اُس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ پوری طرح طہارت کی یا کچھ اعضاء دھوتے بلکہ اپنے ایک عضو کا حصہ دھویا تو نہ تثلیث ہوگی اور نہ عدم تجزی کا اعتراض ہوگا، اس کی تحقیق منحہ میں علامہ نوح آفندی کی اُس تحقیق سے منقول ہے جو درر کے حواشی میں منقول ہے اور جو حواشی مجمع میں شیخ قاسم سے منقول ہے کہ حدث کا اطلاق دو معنی میں ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ جو چیز بلا طہارت جائز نہ ہو اُس کی شرعی ممانعت، اور یہ چیز ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کے درمیان بالاتفاق

عه اقول قال فی الاول عند ابی حنیفة و صاحبیه لان من المشائخ من قال بتجزیه

اقول پہلے کے متعلق امام ابوحنیفہ کے ساتھ صاحبیہ تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ بعض مشایخ نے کہا جنبی کو قرأت کے لیے کُلّی

(باقی اگلے صفحہ پر)

له الہدایۃ باب الماء الذی لا یجوز بہ الوضوء المکتبۃ العربیۃ ۱/۲۲

وصیرورۃ الماء مستعملا بازالۃ الثانیۃ ففی مسألۃ البئر سقط الفرض عن الرجلین بلا خلاف والماء الذی اسقط الفرض صار مستعملا بلا خلاف علی الصحیح اھ قال العلامۃ نوح ھذا ھو التحقیق فخذہ فانہ بالاخذ حقیق[1] اھ

غیر متجزی ہے، اور دُوسرا بمعنی نجاست حکمیہ، اور یہ چیز ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان بالاتفاق متجزی ہے ثبوتاً بھی اور ارتفاعاً بھی، اور پانی جو مستعمل ہوتا ہے تو دوسرے معنی کے ازالہ سے ہوتا ہے، تو کنوئیں کے مسئلہ میں دونوں پیروں کا فرض ساقط ہوگیا اور وہ پانی جو اسقاط فرض میں استعمال ہوا مستعمل ہوگیا، صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں، اھ علامہ نوح آفندی نے فرمایا تحقیق یہی ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے اھ۔ (ت)

اقول بل اختار فی غایۃ البیان ثم النھر ثم الدر ان حقیقۃ الحدث ھو المعنی الثانی قال فی البحر تبعا للفتح الحدث مانعیۃ شرعیۃ قائمۃ بالاعضاء الی غایۃ استعمال المزیل[2] اھ قال فی النھر وتبعہ الدر ھذا تعریف بالحکم وعرفہ فی غایۃ البیان بانہ وصف شرعی یحل فی الاعضاء یزیل الطہارۃ[3] قال وحکمہ المانعیۃ لما جعلت الطہارۃ شرطالہ الخ ونظر فیہ ش نقلا عن حاشیۃ الشیخ خلیل الفتال عازیا لبعض الفضلاء بان حکم الشیئ ماکان اثرالہ خارجا

میں کہتا ہُوں غایۃ البیان، نہر اور دُر نے دوسرے معنی کو مختار قرار دیا ہے، بحر میں فتح کی متابعت کرتے ہوئے فرمایا حدث شرعی مانعیت ہے جو اعضاء کے ساتھ اس وقت تک قایم رہتی ہے یہاں تک کہ زائل کرنے والی چیز استعمال کی جائے، نہر اور دُر میں ہے کہ یہ حکم کے ساتھ تعریف ہے، اور غایۃ البیان میں اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا وصف ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور طہارت کو زائل کرتا ہے فرمایا کہ اس کا حکم مانعیت ہے اس چیز کی جس کے لیے طہارت شرط ہے الخ اور "ش" نے اس میں حاشیہ شیخ خلیل فتال سے نقل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حتی اجاز للجنب القراءۃ بعد المضمضۃ وللمحدث المس بعد غسل الید وقال ھھنا واصحابہ لان تجزی ھذا الا خلاف فیہ عند مشایخنا اھ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کافی ہے اور محدث کو مسِ مصحف کے لیے ہاتھ دھونا کافی ہے اور یہاں دوسرے معنی میں اصحاب جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ اس کو سب نے کافی کہا ہمارے مشایخ کا اس میں اختلاف نہیں اھ (ت)

---

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحرالرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] بحرالرائق باب شروط الصلٰوۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۷
[3] درمختار کتاب الطہارۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۶

عنه مترتبا عليه والمانعية المذكورة ليست كذلك وانما حكم الحدث عدم صحة الصلاة معه وحرمة مس المصحف ونحو ذلك فالتعريف بالحكم كأن يقال الحدث ما لا تصح الصلاة معه تأمل[1] اھ قال ش على ان التعريف بالحكم مستعمل عند الفقهاء لان الاحكام محل مواقع انظارهم[2] اھ وقد اشار اليه ط وقال على قوله مانعية اى كونه مانعا من الصلاة ومس المصحف والاظهر ان يقال مانع شرعی[3] اھ

کرتے ہوئے نظر کی ہے، اور اس کو بعض فضلاء کی طرف منسوب کیا ہے کہ ہر چیز کا حکم اس کے اثر کو کہتے ہیں جو اس سے خارج ہو اور اس پر مرتب ہو اور مذکورہ مانعیت اس قسم کی نہیں ہے، اور حدث کا حکم تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوتی اور مصحف کو نہیں چھوا جاسکتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے احکام، تو تعریف بالحکم اس طرح ہوسکتی ہے کہ حدث وُہ چیز ہے جس کے ساتھ نماز درست نہ ہو، تأمل اھ ش نے فرمایا کہ علاوہ ازیں تعریف بالحکم فقہاء کے نزدیک مستعمل ہے کیونکہ احکام ہی سے وہ بحث کرتے ہیں اھ اور ط نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور "مانعیت" پر فرمایا کہ اس کا نماز سے مانع ہونا اور مصحف کے چھونے سے مانع ہونا ہے اور اظہر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ مانع شرعی ہے اھ ت

اقول وباللہ التوفیق کلام المعترضین على البحر کله بمعزل عن غوص القعر فان مبناه طرا على ان تعریف البحر غیر تعریف الغایة ولا دلیل علیه فان المانعیة بمعنی الحال فضلا عن کونه مما لا قیام له بموضوع لعدم کونه من الصفات المنضمة لا قیام لها بالاعضاء اصلا فانها غیر مانعة حتی تکون لها مانعیة وبمعنی النسبة ای شئ له انتساب الی مانع شرعی صادق قطعا علی ذلك الوصف

میں بتوفیقِ الٰہی کہتا ہُوں معترضین کے بحر پر اعتراضات گہرائی سے خالی ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد اس پر ہے کہ بحر کی تعریف غایہ کی تعریف سے مختلف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ مانعیت بمعنی حال ہے اس سے قطع نظر کہ وہ صفات منضمہ میں سے نہ ہونے کی بنا پر اپنے موضوع کے ساتھ قائم نہیں ہوتی، اس کا اعضاء کے ساتھ قیام بالکل ہوتا ہی نہیں کیونکہ اعضاء مانع نہیں تاکہ انکے ساتھ مانعیت قائم ہو اور بمعنی نسبت کے یعنی وُہ شے جس کا کسی مانع شرعی کی طرف انتساب ہو

---

[1] ردالمحتار كتاب الطہارت مصطفى البابی مصر ۱/ ۶۳
[2] ردالمحتار " " "
[3] طحاوی علی الدر " بیروت ۱/ ۵۶

الشرعی الذی یحل بالاعضاء فیزیل طہرھا لان المانع ھو الخطاب الشرعی و المنتسب الیہ ما لاجلہ ورد الخطاب وھی النجاسۃ الحکمیۃ وھی بعینہا ذلك الوصف القائم بالاعضاء فرجع التعریف الی تعریف الغایۃ فلا خلاف ولا خلف الا تری ان تلمیذ المحقق علی الاطلاق اعنی المحقق الحلبی عرف الحدث فی الحلیۃ بانہ الوصف الحکمی الذی اعتبر الشارع قیامہ بالاعضاء مسببا عن الجنابۃ و الحیض والنفاس والبول و الغائط وغیرھما من نواقض الوضوء ومنع من قربان الصلاۃ وما فی معناھا معہ حال قیامہ بمن قام بہ الی غایۃ استعمال ما یعتبر بہ مزیلا لہ[1] وھو کما تری لیس الا بسطا لما اجملہ شیخہ المحقق وما ھو الا عین ما عرف بہ فی الغایۃ ولو قال مانع شرعی کما استظہرہ العلامۃ ط لکان ایضا مرجعہ الی ذلك لان ذلك الوصف الشرعی وھی النجاسۃ مانع شرعی بمعنی ما لاجلہ المنع واستعمال المانع بھذا المعنی شائع ذائع غیر ان المحقق ابقاہ علی حقیقتہ فاق بالنسبۃ فلا وجہ وجیہا للاستظہار ثم من اوضح دلیل علیہ ان البحر مغترف فی ھذا الحد من مناھل فتح القدیر کما ذکرہ فی رد المحتار وقد قال المحقق فی

یہ قطعاً اس وصف شرعی پر صادق آتی ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور ان کی طہارت کو زائل کرتا ہے اس لیے کہ مانع وہ خطاب شرعی ہے، اور اس کی طرف منسوب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خطاب وارد ہوا، اور وہ ہی نجاستِ حکمیہ ہے، اور وہ بعینہا وہ وصف ہے جو اعضاء کے ساتھ قائم ہے تو تعریف، غایہ والی تعریف کی طرف لوٹ آئی تو کوئی خلاف نہیں اور نہ خلف ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ محقق علی الاطلاق کے شاگرد محقق حلبی نے حلیہ میں حدث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ ایک وصف حکمی ہے کہ شارع نے اعضاء کے ساتھ اس کے قیام کا اعتبار کیا ہے، اور یہ جنابۃ، حیض، نفاس، پیشاب اور پاخانہ وغیرہما نواقض وضوء کے باعث ہوتا ہے، اور یہ چیز نماز کے قریب جانے سے مانع ہوتی ہے، یا جو چیز نماز کے حکم میں ہو، یہ مانعیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک یہ وصف اُس شخص کے ساتھ قائم رہے، یہاں تک کہ وہ اس چیز کو استعمال کرے جو اس کو زائل کرنے والی ہے اھ یہ تعریف جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اُسی چیز کا بسط ہے جس کا اجمال ان کے شیخ محقق نے کیا ہے اور یہ بعینہٖ وہی تعریف ہے جو غایہ میں ہے، اور اگر مانع شرعی کہتے جیسا کہ علامہ ط نے فرمایا اس کا بھی ماحصل یہی ہے کیونکہ وہ وصف شرعی، جو نجاست ہے مانع شرعی ہے اس معنی کے اعتبار سے کہ یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے منع ہے، اور

---

[1] حلیہ

الفتح مستند الی روایۃ الحسن و ابی یوسف عن الامام الاعظم ان الماء المستعمل نجسا مغلظا او مخففا ما نصہ[1] وجہ روایۃ النجاسۃ قیاس اصلُہ الماء المستعمل فی النجاسۃ الحقیقیۃ و الفرع المستعمل فی الحکمیۃ بجامع الاستعمال فی النجاسۃ بناء علی الغاء وصف الحقیقی فی ثبوت النجاسۃ و ذلک لان معنی الحقیقی لیس الا کون النجاسۃ موصوفا بھا جسم مستقل بنفسہ عن المکلف لا ان وصف النجاسۃ حقیقۃ لا تقوم الا بجسم کذلک و فی غیرہ مجاز بل معناہ الحقیقی واحد فی ذلک الجسم و فی الحدث لانہ لیس المتحقق لنا من معناھا سوی انھا اعتبار شرعی منع الشارع من قربان الصلاۃ و السجود حال قیامہ لمن قام بہ الی غایۃ استعمال الماء فیہ فاذا استعملہ قطع ذلک الاعتبار کل ذلک ابتلاء للطاعۃ فاما ان ھناک وصفا حقیقیا عقلیا او محسوسا فلا و من ادعاہ لایقدر فی اثباتہ علی غیر الدعوی و یدل علی انہ اعتبار اختلافہ باختلاف الشرائع الا تری ان الخمر محکوم بنجاسۃ فی شریعتنا و بطھارتہ فی غیرھا فعلم انھا لیست سوی اعتبار شرعی الزم معہ کذا الی غایۃ کذا ابتلاء و فی ھذا لا تفاوت بین الدم

مانع کا استعمال اس معنی میں شائع و ذائع ہے، البتہ محقق نے اس کو اس کی حقیقت پر باقی رکھا ہے، تو نسبت کو لائے ہیں تو استظہار کی کوئی معقول وجہ نہیں، پھر اُس پر واضح ترین دلیل یہ ہے کہ بحر نے بھی اس تعریف میں فتح القدیر سے استفادہ کیا ہے، جیسا کہ اس کو رد المحتار میں ذکر کیا ہے اور محقق نے فتح میں ابو یوسف اور حسن کی ابو حنیفہ سے روایت پر استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی نجاست غلیظہ ہے یا نجاست خفیفہ ہے، جس روایت میں اس کو نجاست قرار دیا گیا ہے وہ قیاس کی بنیاد پر ہے اس قیاس کی اصل وہ پانی ہے جو نجاست حقیقیہ میں مستعمل ہو، اور اس کی فرع وہ پانی ہے جو نجاست حکمیہ میں مستعمل ہو، اور علّتِ جامعہ نجاست میں استعمال ہے بناء کرتے ہوئے کہ وصف حقیقی ثبوت نجاست میں لغو ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حقیقی کا مفہوم یہ ہے کہ اس نجاست سے ایسا جسم متصف ہو جو بنفسہٖ مکلف سے مستقل ہو یہ نہیں کہ وصف نجاست حقیقۃً ایسے ہی جسم کے ساتھ قایم ہوتی ہے اور اس کے غیر میں مجاز ہے، بلکہ اس کے حقیقی معنی ایک ہیں اس جسم میں اور حَدَث میں، اس لیے کہ ہمیں تحقیقی طور پر جو معنی معلوم ہیں وُہ یہ ہیں کہ وہ ایک شرعی اعتبار ہے کہ جب تک وہ موجود ہو تو شارع نے اس کو جو اس کے ساتھ متصف ہو نماز و غیرہ کے قریب جانے سے منع کیا ہے تاوقتیکہ وہ اس میں پانی کو استعمال

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۴

والحدث فانہ ایضا لیس الانفس ذلک الاعتبار[1] اھ فھذا نص صریح فی ان تلک المانعیۃ الشرعیۃ المغیاۃ الی استعمال المزیل لیست الا النجاسۃ الحکمیۃ فاتحد التعریفان۔

نہ کرے، جب وہ پانی استعمال کرے گا تو وہ اعتبار ختم ہوجائے گا، یہ سب طاعت کی ابتلا ہے، رہی یہ بات کہ یہاں کوئی وصف عقلی حقیقی یا محسوس ہے، تو ایسی کوئی بات نہیں، اور جو اس کا دعوی کرتا ہے تو محض دعوی ہی ہے، اور اس کے اعتباری ہونے کی دلیل ہے کہ یہ شریعتوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے، مثلاً شراب ہماری شریعت میں ناپاک ہے اور دوسری شریعتوں میں پاک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نجاست محض شرعی اعتبار ہے یا اتنی مدت تک کے لیے لازم کیا گیا ہے ابتلاءً اور اس میں خون اور حدث میں کوئی تفاوت نہیں کیونکہ یہ بھی ویسا ہی اعتبار ہے اھ تو یہ اس امر میں نص صریح ہے کہ یہ مانعیت شرعیہ جس کی انتہا مزیل کا استعمال ہے، نجاستِ حکمیہ ہی ہے تو دونوں تعریفیں متحد ہوگئیں۔ ت

ثم اقول التعریف بالحکم ان ارید بہ ان یجعل الحکم نفس المعرّف بحیث یحمل ھو علی المعرّف فنعم یسقط ایراد النھر والدرفان المانعیۃ بالمعنی المذکور وھی النجاسۃ الحکمیۃ لیست اثرا مترتبا علی الحدث بمعنی الوصف الشرعی بل ھی ھو کما عرفت وح لایستقیم ایضا قول المجیب ان التعریف بالحکم کان یقال ھو مالا تصح الصلاۃ معہ فان مالا تصح لیس حکما بل الحکم کما اعترف عدم الصحۃ ولم یعرف بہ وانما یکون تعریفا بالحکم لو قیل الحدث عدم صحۃ الصلاۃ ویتکدر ایضا جواب ط وش بانہ مستعمل عند الفقہاء فان المستعمل عندھم ذکر الحکم فی التعریف لاحمل الاثر علی المؤثر وان ارید بہ ان

پھر میں کہتا ہوں تعریف بالحکم سے مراد اگر یہ ہے کہ حکم کو معرَّف بنا دیا جائے کہ وہ معرَّف پر محمول ہو تو نہر اور دُر کا اعتراض رفع ہوجائے گا، کیونکہ مانعیت بالمعنی المذکور یعنی نجاست حکمیہ کے معنی میں، حَدَث پر مترتب ہونے والا اثر نہیں ہے، یعنی وصف شرعی کے معنی میں بلکہ یہ وہی ہے جیسا کہ تم نے پہچانا۔ اور اس صورت میں مجیب کا یہ قول درست نہ ہوگا کہ تعریف بالحکم مثلاً یہ کہا جائے کہ حَدَث وہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے نماز درست نہ ہو کیونکہ "وہ جس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہ ہو" یہ جملہ حکم نہیں ہے بلکہ حکم جیسا کہ انہوں نے اعتراف کیا 'عدم صحت ہے' اور اس سے انہوں نے تعریف نہیں کی ہے، اور تعریف بالحکم اس صورت میں ہوتی جب یہ کہا جاتا کہ حَدَث نماز کا صحیح نہ ہونا ہے، اور ط وش کا جواب بھی اس صورت میں مکدّر ہوجائے گا کہ اس قسم کی تعریف فقہاء کے

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۷۵/۱

یمیز المحدود بذریعة الحکم بان یعطی انه الذی یؤثر ھذا الاثر فنعم یستقیم تمثیل المجیب التعریف بالحکم بما ذکر لکن یسقط اصل جوابه بان المانعیة لیست حکما فان التعریف بالحکم لیس اذن ان یکون المحمول عین الحکم بل ما ذکر فیه الحکم وھو حاصل فی التعریف المذکور قطعا لاشتماله علی منع المکلف من اشیاء مخصوصة مادام ذلك الوصف قائما به اٰتینا علی الایراد وھو علی ھذا اشد سقوطا وابین غلطا فان الذی اختارہ المورد ون لا یخلو ایضا عن التعریف بالحکم لذکرھم فیه زوال الطھارۃ وما ھو الا الاثر المترتب علی ذلك الوصف الشرعی واذن یکفی جوابا عن کلا الحدین ما ذکر ط و ش وبالجملة فایقاع التغایر بین الحدین لا داعی له وایراد النھر والدر لا صحة له وجواب القتال عن بعض الفضلاء لا یخلو عن خلط وغلط بقی الکلام علی المعنی الاول الذی ذکرہ العلامة قاسم وکیف تباینه للمعنی الثانی۔

یہاں مستعمل ہے، کیونکہ ان کے یہاں مستعمل تعریف میں حکم کا تذکرہ ہے نہ یہ کہ اثر کو مؤثر پر محمول کرلیا جائے، اور اگر اس سے یہ ارادہ کیا جائے کہ محدود کو بذریعہ حکم ممیز کیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ یہی ہے جو یہ اثر کر رہا ہے تو اس صورت میں مجیب کی یہ مثال جو انہوں نے تعریف بالحکم کے لیے پیش کی ہے درست قرار پائے گی، مگر اس وقت ان کا اصل جواب ختم ہوجائے گا، یعنی یہ کہ مانعیت حکم نہیں ہے کیونکہ تعریف بالحکم اس صورت میں یہ نہیں ہے کہ محمول عین حکم ہو، بلکہ یہ ہے کہ جس میں حکم مذکور ہو، اور یہ تعریف مذکور میں قطعاً موجود ہے، کیونکہ یہ تعریف اس پر مشتمل ہے کہ مکلّف کو مخصوص اشیاء سے روکنا جب تک کہ یہ وصف اس کے ساتھ قائم رہے۔ اب ہم اعتراض کی طرف آتے ہیں، اس کی صورت اور بھی زیادہ غلط اور ساقط ہے کیونکہ معترضین نے جو تعریف اختیار کی ہے وہ تعریف بھی تعریف بالحکم سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی اس میں زوالِ طہارت کا استعمال کرتے ہیں، اور وہ اُس وصفِ شرعی پر مرتب ہونے والا اثر ہے، ایسی صورت میں دونوں تعریفوں پر جو اعتراض ہے اُس کے جواب میں 'ط' اور 'ش' نے جو تقریر کی ہے وہ کافی ہے، اور خلاصہ یہ کہ دونوں تعریفوں میں تغایر کا قول کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، اور نہر اور دُر کا اعتراض درست نہیں ہے اور قتال نے جو جواب بعض فضلاء کی طرف سے دیا ہے وہ غلط اور خلط سے خالی نہیں ہے۔ اب اُس پہلے معنی پر گفتگو باقی رہ گئی جو علامہ قاسم نے ذکر کئے ہیں، اور یہ معنی دوسرے معنی سے کس طرح مختلف ہے۔ (ت)

اقول المانع الشرعی ای ما لاجله المنع ھی النجاسة الحکمیة والمنتسب الیھا تلبس المکلف بھا والفرق بینھما ان النجاسة

میں کہتا ہوں مانع شرعی یعنی جس کی وجہ سے منع ہے وہ نجاست حکمیہ ہے، اور جو اس کی طرف منسوب ہے وہ مکلّف کا اُس کے ساتھ ملتبس ہونا ہے، اور

وصف شرعی یحل بسطوح الاعضاء الظاهرۃ حلول سریان والسطح ممتد منقسم فتنقسم النجاسۃ بانقسامھا فتقبل التجزی ثبوتا ورفعا اما رفعا فظاھر فانہ اذا غسل الید مثلا زالت النجاسۃ عنھا ولذا اسقط عنھا فرض التطھیر مع بقاء النجاسۃ فی سائر الاعضاء التی حلتھا واما ثبوتا فلان الحدث الاصغر انما یجس اربعۃ اعضاء والاکبر البدن کلہ وسنعود الی الکلام فی ھذا عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی اما تلبس المکلف بھا ای اصطحابہ لھا فوصف للمکلف یحدث بحلول النجاسۃ فی ای جزء من اجزاء بدنہ ویبقی ببقائھا فی شیئ منھا فان زادت النجاسۃ لم یزد وان نقصت لم ینتقص بل اذا حدثت حدث ومھما بقیت ولو اقل قلیل بقی کملا واذا زالت بالکلیۃ زال وکان نظیرھما الحرکۃ بمعنی القطع وبمعنی التوسط فالاول متجزئۃ لانطباقھا علی المسافۃ المتجزئۃ والثانیۃ لاجزء لھا بل تحدث بحدوث اول جزء من اجزاء الاولی وتبقی بحالھا مادام المتحرک بین الغایتین فاذا سکن زالت دفعا **فانقلت** لم لایحمل کلام البحر علی ھذا کی یثبت التغایر بین الحدثین کما فھم النھر والدر ویوافق لما اعترض بہ تبعا للفتح کلام العامۃ والمتون ان الحدث لایتجزی۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ نجاست شرعی وصف ہے جو اعضاءٔ ظاہرہ کی سطحوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے ، اور یہ حلول سریانی ہوتا ہے اور سطح ممتد اور منقسم ہے تو اس کی تقسیم کی وجہ سے نجاست بھی منقسم ہو جائے گی، تو یہ رفعاً اور ثبوتاً تجزی کو قبول کرے گا ، رفعاً تو ظاہر ہے ، کیونکہ مثلاً اس نے ہاتھ تین بار دھویا تو اس سے نجاست زائل ہو جائے گی ، اور اسی لیے اس سے فرض تطہیر ساقط ہوگیا جبکہ باقی اعضاء میں نجاست باقی ہے اور ثبوتاً اس طرح کہ حدثِ اصغر چار اعضاء کو ناپاک کرتا ہے اور اکبر تمام بدن کو ، ہم عنقریب اس پر کلام کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

رہا نجاست کے ساتھ مکلف کا متلبس ہونا، تو یہ مکلف کا وصف ہے جو نجاست کے حلول سے پیدا ہوتا ہے، خواہ اس کے بدن کے کسی جزء میں بھی ہو ، اور حدث اس وقت تک باقی رہے گا جب تک نجاست کسی بھی عضو میں باقی رہے ، تو اگر نجاست زیادہ ہوجائے تو حدث زیادہ نہ ہوگا ، اور نجاست اگر کم ہو تو حدث کم نہ ہوگا ، بلکہ جب بھی نجاست وجود میں آئے گی حدث وجود میں آئے گا اور جب تک باقی رہے گی خواہ کم سے کم ہو تو حدث بھی کُل طور پر باقی رہے گا اور جب نجاست بالکلیہ زائل ہوجائے گی تو حدث بھی زائل ہو جائے گا، ان دونوں کی نظیر حرکت بمعنے قطع ہے اور حرکت بمعنے توسط کے ہے ، تو پہلی منقسم ہے کیونکہ وہ مسافت منقسمہ پر منطبق ہوتی ہے اور دوسری کا کوئی جزء نہیں بلکہ پہلی حرکت کے پہلے جزء کے پیدا ہونے پر پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح باقی رہتی ہے جب تک دونوں غایتوں کے درمیان

متحرک رہے اور جب پُرسکون ہوگا تو حرکت یک دم ختم ہوجائے گی۔ اگر تو کہے کہ بحر کے کلام کو اس پر کیوں محمول نہ کرلیا جائے تاکہ دونوں تعریفوں میں تغایر ظاہر ہوجائے جیسا کہ نہر اور دُرر نے سمجھا ہے اور موافق ہوجائے اس اعتراض کے ساتھ جو انہوں نے فتح کی متابعت میں عام کتب اور متون پر کیا ہے کہ حدث منقسم نہیں ہوتا۔ (ت)

قلت یاباہ قولہ قائمۃ بالاعضاء فان التلبس الذی لاتجزی لہ انما یقوم بالمکلف نفسہ لابالاعضاء والذی یقوم بھا یتجزی بتجزیھا کما عرفت اما مخالفتہ لما ذکر من عدم التجزی فاقول لاغرو فھو القائل فی باب شروط الصلاۃ متصلا بھذا التعریف بلافصل مانصہ والخبث عین مستقذرۃ شرعا وقدم الحدث لقوتہ لان قلیلہ مانع بخلاف قلیل الخبث[1] اھ فقد افصح بتجزی الحدث وقال متبوعہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح کلمتھم متفقۃ علی ان الخف اعتبر شرعا مانعا سرایۃ الحدث الی القدم فتبقی القدم علی طھارتھا ویحل الحدث بالخف فیزال بالمسح[2] اھ فھذا نص صریح علی تجزی الحدث و اعتراف باطباق کلمتھم علیہ وھو کذلک فمن نظر کلامھم فی مسائل مسح الخفین وغیرھا ایقن بانھم جمیعا قائلون بتجزیہ وانما الذی لایتجزی ھو تلبس المکلف بالمنع الشرعی فظھر ظھور النھار ان لایراد علی

میں کہتا ہوں اس تاویل سے ان کا قول "قائمۃ بالاعضاء" انکار کرتا ہے، کیونکہ تلبس جو ایک غیر متجزی شَے ہے، وہ بذاتِ خود مکلّف کے ساتھ قائم ہوتا ہے نہ کہ اُس کے اعضا کے ساتھ، اور جو چیز اعضا کے ساتھ قائم ہے وہ اعضاء کی تجزی کے باعث متجزی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے پہچانا اور اس کی مخالفت عدمِ تجزی سے، تو میں کہتا ہوں کہ اس پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے کیونکہ وُہ خود ہی اس تعریف کے متصلاً بعد "باب شروط الصلوٰۃ" میں فرماتے ہیں "اور خُبث وُہ چیز ہے جو شرعاً گندی ہو اور حدث کو اس کی قوت کے باعث مقدم کیا کیونکہ اس کا قلیل بھی مانع ہے بخلاف قلیل خبث کے" اھ یہاں انھوں نے بوضاحت حدث کے منقسم ہونے کا قول کیا ہے، اور اُن کے مقتدا محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ موزہ شرعاً قدم کی طرف حدث کی سرایت کو قدم تک روکنے والا ہے" تو قدم بدستور پاک رہے گا اور حدث موزہ میں داخل ہوجائے گا، لہٰذا مسح سے اس کو زائل کردیا جائے گا اھ یہ نص صریح ہے حدث کے متجزی ہونے پر اور اس امر کا اعتراف ہے کہ فقہاء اس پر متفق ہیں، اور بات

---

[1] بحر الرائق شروط الصلوٰۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۶
[2] فتح القدیر مسح الخفین سکھر ۱/۱۲۸

المتون والعامة وتثليث السبب کلا کان فی غیر محلہ ولاحاجة الی ما تجشم البحر جوابا عن المتون بقولہ الا ان یقال ان الحدث زال عن العضو زوالا موقوفا ثم ضعفہ بقولہ لکن المعلل بہ فی کتاب الحسن عن ابی حنیفة اسقاط الفرض لا ازالة الحدث[1]۔

ایسی ہے کیونکہ جو بھی مسح علی الخفین کی بابت فقہاء کے کلام کو دیکھے گا اس کو یقین آجائے گا کہ سب فقہاء حدث کے متجزی ہونے کے قائل ہیں، اور جو چیز متجزی نہیں ہوتی ہے وہ مکلف کا منع شرعی سے متصف ہونا ہے، تو روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ متون اور عام کتب پر اعتراض اور سبب کی تثلیث سب بے محل ہیں اور جو تکلف بحر نے متون کے جواب میں کیا ہے اس کی چنداں حاجت نہیں، جواب یہ ہے کہ "مگر یہ کہ کہا جائے کہ حدث عضو سے زوالِ موقوف کے طور پر زائل ہوا ہے، پھر خود ہی اس کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ حسن کی کتاب میں ابوحنیفہ سے اسقاط فرض کو علت بنانا مروی ہے نہ کہ ازالہ حدث کو۔ (ت)

اقول بل لاوجہ لہ لان الحدث بالمعنی الذی لا یتجزی اعنی تلبس المکلف بالمانع الشرعی لاقیام لہ بعضو حتی یزول عنہ منجزا اوموقوفا ثم تعلیل الامام فی ھذا الکلام باسقاط الفرض لاینافی تعلیلہ فی کلام اخر برفع الحدث علی ما قررنا لک بارشاد الھدایة ان مؤداھما واحد وقد قال فی الخلاصة[2] والتبیین والفتح وغیرھا الماء بماذا یصیر مستعملا قال ابوحنیفة وابویوسف اذا ازیل بہ حدث او تقرب بہ الخ وباللہ التوفیق ثم جنوح المحقق فی آخر کلامہ الذی اثرنا عنہ الی ان سقوط الفرض ھو الاصل فی الاستعمال اعتمدہ فی البحر ثم الدر وآشار الی الرد علیہ

میں کہتا ہوں دراصل اس کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے، کیونکہ حدث اُس معنی کے اعتبار سے جس میں وہ منقسم نہیں ہوتا ہے یعنی مکلف کا مانع شرعی کے ساتھ متلبس ہونا، اس کا قیام کسی عضو کے ساتھ نہیں، تاکہ وہ اس سے فوری طور پر یا موقوفاً زائل ہوجائے، پھر امام کا اس کلام میں اسقاط فرض کے ساتھ تعلیل کرنا، ان کے دوسرے کلام میں رفع حدث کی علت بنانے سے متضاد نہیں، جیسا کہ ہم نے ہدایہ کی عبارت سے واضح کر دیا ہے کہ دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے، اور خلاصہ، تبیین، فتح وغیرہا میں ہے کہ پانی کا مستعمل ہونا ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک اس وقت ہوگا جب اس سے کوئی حدث زائل کیا جائے یا کوئی تقرب کیا جائے الخ وباللہ التوفیق پھر محقق کا جو کلام ہم نے نقل کیا ہے

---

[1] بحرالرائق بحث الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

[2] خلاصة الفتاوٰی " نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷

العلامة ش بان نقل اولا عن الفتح نفسه ان المعلوم من جهة الشارع ان الآلة التي تسقط الفرض وتقام بها القربة تتدنس الخ و ايضا عنه ما نصه والذي نعقله ان كلا من التقرب والاسقاط مؤثر في التغير الا ترى انه انفرد وصف التقرب في صدقة التطوع واثر التغير حتى حرمت على النبي صلی الله تعالی علیه وسلم فعرفنا ان كلا اثر تغيرا شرعيا اھ ثم قال بعد نقلهما مقتضاه ان القربة اصل ايضا فالمؤثر في الاستعمال[1] اصلان اھ۔

اس میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ پانی کے استعمال سے سقوطِ فرض ہی اصل ہے بحر اور دُرر نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور علامہ ش نے اس پر رد کی طرف اشارہ کیا ہے، پہلے تو انہوں نے خود ہی فتح سے نقل کیا کہ شارع سے معلوم ہے کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہوا اور قربۃ ادا ہو میلا ہوجاتا ہے الخ انھوں نے مزید فرمایا کہ جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقرب اور اسقاطِ فرض دونوں ہی تغیر میں مؤثر ہیں، مثلاً وصف تقرب صدقہ تطوع میں منفرد ہے اور تغیر نے اثر کیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ہوگیا، تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہر ایک نے شرعی تغیر کا اثر چھوڑا ہے اھ پھر دونوں کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ قربۃ بھی اصل ہے تو استعمال میں مؤثر دو اصلیں ہیں اھ ت

اقول کلام المحقق من اوله الی اخره طافح باثبات الاصالة بهذا المعنى ای ما يبتنى عليه الحكم بتدنس الماء للقربة والاسقاط جميعا بل هو الذي ثلث واقام اصولا ثلثة وما كان ليقرر هذا كله ثم في طي نفس الكلام يحصر الاصالة في شیٔ واحد وانما منشؤ كلامه انه رحمه الله تعالى نقل عنهم ان الاستعمال عند الشيخين باحد شيئين رفع الحدث و التقرب وعند محمد بالتقرب وحده وحمل رفع الحدث على المعنى الذي لا يتجزى فتطرق

میں کہتا ہوں محقق کا کلام از اول تا آخر سطحی ہے کہ اس میں اصالت اس معنی کے اعتبار سے ثابت کی ہے، یعنی وہ چیز جس پر حکم کی بنا ہو پانی کے ادائے قربت کی وجہ سے میلا ہوجانے کے باعث اور اسقاطِ فرض کے باعث، بلکہ وہی ہیں جنہوں نے تثلیث کی اور تین اصول مقرر کئے، اور وہ یہ تقریر کرکے پھر ان میں سے ایک چیز پر اصالت کو منحصر نہیں کر رہے، اُن کے کلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اُن (رحمہم اللہ) سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ شیخین کے نزدیک استعمال دو چیزوں میں سے ایک کی وجہ سے

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶
فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

الایراد بالفروع التی حکم فیها باستعمال الماء مع
بقاء الحدث فقرر ان اسقاط الفرض ایضا
مؤثر واستدل علیه بکلام الامام فی کتاب
الحسن وبان الاصل الذی عرفنا به هذا
الحکم هو مال الزکٰوۃ والثابت فیه لیس الا سقوط
الفرض ای وان اثبتناه ایضا بالتقرب بدلیل
آخر فالاصل الذی ارشدنا اولا الی هذا الحکم
هو سقوط الفرض فکیف یعزل النظر عنه بل
یجب القول به وھذا لاینافی ان الاصول
اثنان بل ثلثۃ ینقدح هذا المعنی فی ذهن
من جمع اول کلامه بآخره حیث یقول
المعلوم من جهۃ الشارع انه تسقط الفرض
وتقام بها القربۃ تتدنس اصله مال الزکٰوۃ
تدنس باسقاط الفرض حتی جعل من الاوساخ
فی لفظه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم[1] اھ فافصح
ان کلا الامرین مغیر واقتصر فی الزکٰوۃ علی
الاسقاط ثم قال فی بیان سبب ثبوت الاستعمال
انه عند ابی حنیفۃ وابی یوسف کل من رفع
الحدث والتقرب وعند محمد التقرب وعند
زفر الرفع لایقال ما ذکر لاینتهض علی زفر
اذ یقول مجرد القربۃ لایدنس بل الاسقاط
فان المال لم یتدنس بمجرد التقرب به ولذا
جاز للهاشمی صدقۃ التطوع بل مقتضاه ان لا

ہوتا ہے ، رفعِ حدث اور تقرب ، اور محمد کے نزدیک صرف
تقرب سے اور رفعِ حدث کو اس معنی پر محمول کیا کہ اس
میں تجزّی نہیں ہوتی ، اس بنا پر اُن فروع کی وجہ سے
اعتراض وارد ہوا جن میں پانی کے استعمال کا حکم ہوا
حدث کے باقی ہوتے ہوئے ، انہوں نے اس امر کو ثابت
کیا اسقاطِ فرض بھی مؤثر ہے ، اور اس پر انہوں نے
امام کے کلام سے استدلال کیا ہے جو کتاب حسن میں مذکور ہے اور یہ
استدلال بھی کیا ہے کہ وہ اصل جس کی وجہ سے ہم نے یہ حکم جانا ہے وہ زکوٰۃ
کا مال ہے اور اس میں صرف فرض کا سقوط ہے ، یعنی
اگرچہ ہم اس کو کسی اور دلیل کی وجہ سے تقرب سے ثابت
کریں تو وہ اصل جو ہم نے پہلے سے بتائی ہے اور جس
سے یہ حکم ثابت ہوا ہے وہ سقوطِ فرض ہے تو اُس سے
صرفِ نظر کیونکر ممکن ہے بلکہ اس کو ماننا لازم ہے' اور
یہ اس امر کے منافی نہیں کہ اصول دو ہیں بلکہ تین ہیں
یہ معنی اس کے دل میں ضرور خلجان پیدا کریں گے جو اُن کے
اول کلام اور آخر کلام کو یکجا کرکے پڑھے گا ' وہ کہتے ہیں
کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہوتا ہے اور قربت
ادا ہوتی ہے میلا ہوجاتا ہے اس کی اصل مال
زکوٰۃ ہے کہ وہ اسقاطِ فرض سے میلا ہوجاتا ہے اسی لئے
اس کو حدیث میں "اوساخ" قرار دیا گیا ہے الخ اس
سے واضح ہوا کہ دونوں امور تبدیلی کرنے والے ہیں '
اور زکوٰۃ میں اسقاط پر اکتفاء کیا گیا ہے ، پھر ثبوت
استعمال کے سبب کے بیان میں فرمایا کہ ابو حنیفہ اور
ابو یوسف کے نزدیک سبب رفعِ حدث اور تقرب ہے

---

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

یصیر مستعملا الا بالاسقاط مع التقرب فان الاصل اعنی مال الزکاۃ لاینفرد فیہ الاسقاط عنہ اذ لاتجوز الزکاۃ الا بنیۃ ولیس ھو قول واحد من الثلثۃ (یرید اصحاب الاقوال الثلثۃ الشیخین ومحمد او زفر) لانا نقول غایۃ الامر ثبوت الحکم فی الاصل مع المجموع وھو لایستلزم ان المؤثر المجموع بل ذلک دائر مع عقلیۃ المناسب للحکم فان عقل استقلال کل حکم بہ او المجموع حکم بہ والذی نعقلہ ان کلا مؤثر الٰی اٰخر ما تقدم ثم قال قال فی الخلاصۃ ان الماء بماذا یصیر مستعملا (فذکر المذھبین کما نقلنا ثم قال) ھذا یشکل علی قول المشایخ ان الحدث لایتجزأ والمخلص ان صیرورۃ الماء مستعملا باحد ثلثۃ رفع الحدث والتقرب وسقوط الفرض وھو الاصل لما عرف ان اصلہ مال الزکاۃ والثابت فیہ لیس الا سقوط الفرض۔

اور محمد کے نزدیک وہ تقرب ہے اور زفر کے نزدیک رفع ہے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ دلیل زفر کے خلاف نہیں چل سکتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف قُربت پانی کو مستعمل نہیں کرتی ہے بلکہ اسقاط بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ مال زکوٰۃ محض تقرب کی وجہ سے میلا نہیں ہوا ہے، اور اسی لیے ہاشمی نفل صدقہ لے سکتا ہے بلکہ اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اسقاط مع تقرب کی وجہ سے مستعمل ہو کیونکہ اصل یعنی مال زکوٰۃ میں اس کی طرف سے اسقاط منفرد نہیں، کیونکہ زکوٰۃ بلانیت جائز نہیں اور یہ تینوں میں سے کسی ایک کا قول نہیں (اس سے ان کی مراد تینوں اقوال کے قائلین یعنی ابو حنیفہ و ابو یوسف، محمد یا زفر رحمہم اللہ ہیں) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حکم کا اصل مجموع کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور یہ اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ موثر مجموع ہے بلکہ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ مناسب حکم کو سمجھا جائے، اگر ہر حکم کا استقلال اس کے ساتھ سمجھا جائے یا مجموع کا تو اس کے ساتھ حکم کیا جائے گا اور جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر ایک موثر ہے الٰی آخر ما تقدم، پھر کہا کہ انہوں نے خلاصہ میں فرمایا کہ پانی کس چیز کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے (تو انھوں نے دونوں مذاہب کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم نے نقل کیا پھر فرمایا) یہ مشایخ کے قول کی روشنی میں مشکل ہے کہ حدث متجزی نہیں ہوتا، اور اس اشکال سے نجات کی صورت تین امور میں سے ایک امر ہے رفع حدث، تقرب اور سقوط فرض ہی اصل ہے، کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی اصل مال زکوٰۃ ہے اور اس میں جو ثابت ہے وہ سقوط فرض ہے۔ ت

اقول ای وان کان الموجود فیہ الامران لکن ھذا اقوی وفیہ المقنع فلا یثبت بہ الا

میں کہتا ہوں اگرچہ اس میں موجود دونوں امر ہیں لیکن یہ اقوی ہے اور اس میں کفایت ہے، تو

؎ فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

سببية هذا وان استفيد سببية الاخر بدليل حرمة صدقة التطوع عليه صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم كما قدم فتأثير اسقاط الفرض هو اول ما ثبت بالاصل الاعظم فلا مساغ لاسقاطه قال والمفيد لاعتبار الاسقاط مؤثرا صريح تعليل ابي حنيفة انه سقط فرضه عنه[1] اه ملتقطا وعليك بتلطيف القريحة هذا وقرره العلامة ط تبعا للبحر بوجه اخر حيث قال تحت قول الدر اسقاط فرض هو الاصل في الاستعمال كما نبه عليه الكمال ما نصه وهو موجود في رفع الحدث حقيقة وفي القربة حكما لكونها بمنزلة الاسقاط ثانيا وقد مر[2] اه وما مر هو قوله انما استعمل الماء بالقربة كالوضوء على الوضوء لانه لما نوى القربة فقد ازداد طهارة على طهارة فلا تكون طهارة جديدة الا بازالة النجاسة الحكمية حكما فصارت الطهارة على الطهارة وعلى الحدث سواء[3] افاده صاحب البحر اه۔

اس سے اس کی سببیت ثابت ہو گی، اگرچہ دوسرے کی سببیت بھی ثابت ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نفل صدقہ حرام ہے جیسا کہ گزرا، تو اسقاط فرض کی تاثیر پہلی چیز ہے جو اصل اعظم سے ثابت ہے تو اس کے ساقط کرنے کا کوئی جواز نہیں فرمایا) اور اسقاط کو مؤثر اعتبار کرنے کے لیے مفید امام ابو حنیفہ کی صریح تعلیل ہے کہ اسکا فرض اس سے ساقط ہوگیا اھ ملتقطا، اور تم اپنی طبیعت کو خوشگوار کرو، ہذا، اور علامہ ط نے بحر کی متابعت کرتے ہوئے اس کی تقریر دوسرے انداز میں کی ہے، انہوں نے "در" کے قول اسقاط فرض ہی استعمال میں اصل ہے کے تحت فرمایا، جیسا کہ کمال نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ حدث کو رفع کرنے میں حقیقۃً موجود ہے اور قربت میں حکماً ہے، کیونکہ یہ بمنزلہ اسقاط ثانیا ہے اور یہ گزرا اھ اور جو گزرا وہ ان کا قول ہے، بیشک پانی قربت کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے، جیسے وضو پر وضو کرنا اس لیے جب قربت کا ارادہ کیا تو وہ طہارت کے اعتبار سے زیادہ ہوگیا، تو نئی طہارت نجاست حکمیہ کے ازالہ سے ہی ہوگی حکماً، تو طہارت پر طہارت، اور حدث پر طہارت برابر ہوگئی، اس کا افادہ صاحب بحر نے کیا اھ ت

اقول نقله عن معراج الدراية واقره وفيه بعد لا يخفى فما النجاسة لاسيما الحكمية

میں کہتا ہوں اس کو معراج الدرایہ سے نقل کیا اور برقرار رکھا، اس میں بُعد ہے جو مخفی نہیں ہے کیونکہ

---

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹-۸۰
[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۱۰
[3] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

الا اعتبار شرعی والاعتبار الصحیح لا یکون الا عن منشأ صحیح وبدونه اختراع یجل شان الشرع عنه وقد زال ذلک بالطھر فلا یعود الا بحدث جدید وبعبارۃ اخری ھل اعتبر الشرع ھنا شیئا ینافی الطھر یزول بالماء الثانی فیحصل طھر جدید ام لا علی الثانی عاد السؤال اذ لا نجاسۃ حقیقۃ ولا اعتبار او علی الاول ما حقیقۃ النجاسۃ الحکمیۃ الا ذلک الاعتبار الشرعی فلا معنی لتحقق الحکمیۃ حکما لا حقیقۃ وبعبارۃ اخصر ما الحکمیۃ الا اعتبار الشرع فالحکمیۃ حکما اعتبار الشرع انہ اعتبر وما اعتبر اذ لو اعتبر لتحققت وبالجملۃ ما اٰل الجواب الا فرضا ھنا لك فرضا باطلا ولا مساغ لہ وانا انبئك ان ما افادہ انما ھو تجشم مستغنی عنہ وذلک لان المعراج انما احتاج الیہ جوابا عن سؤال نصبہ بقولہ فان قیل المتوضئ لیس علی اعضائہ نجاسۃ لا حقیقۃ ولا حکمیۃ فکیف یصیر الماء مستعملا بنیۃ القربۃ فاجاب بقولہ لما نوی القربۃ فقد ازداد الخ[1]

نجاست، خاص طور پر حکمیہ اعتبار شرعی ہے اور اعتبار صحیح اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا منشا صحیح ہو، اور اس کے بغیر اختراع ہے، شریعت کی شان اس سے بڑی ہے، اور یہ طُہر سے زائل ہوگیا تو صرف نئے حدث سے ہی یہ عود کرے گا، بالفاظِ دگر کیا یہاں شریعت نے کوئی ایسی چیز معتبر مانی ہے جو منافی طہر ہو اور دوسرے پانی سے زائل ہوجائے، تو نئی پاکی حاصل ہو یا معتبر نہیں مانی ہے؛ دوسری تقدیر پر سوال لوٹ آئیگا کیونکہ کوئی حقیقی نجاست نہیں اور نہ ہی اعتباری ہے اور پہلی تقدیر پر نجاست حکمیہ کی حقیقت شرعی اعتبار کے علاوہ اور کیا ہے تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ نجاست حکمیہ حقیقۃً نہیں حکماً پائی جاتی ہے اور مختصر عبارت میں یُوں کہا جاسکتا ہے کہ نجاست حکمیہ صرف شرعی اعتبار سے عبارت ہے تو حکمیہ حکما شرع کا یہ اعتبار ہے کہ اِس کا اعتبار کیا گیا ہے اور اعتبار کیا نہیں گیا کیونکہ اگر اعتبار کیا جاتا تو وہ متحقق ہوجاتی۔ خلاصہ یہ کہ جواب کا مآل یہ ہے کہ حکمیہ کو وہاں اعتبار کیا جائے بعرض باطل جس کی گنجائش نہیں، اور میں تجھ کو خبردار کرتا ہُوں کہ جس کا اِفادہ انہوں نے کیا ہے وہ محض تکلّف ہے جس کی ضرورت نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معراج کو اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ انہیں اس سوال کا جواب دینا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ وضو کرنے والے کے اعضا پر نہ حقیقی نجاست ہے اور نہ حکمی ہے تو پانی بہ نیت تقرب کیسے مستعمل ہوجائے گا، تو انہوں نے جواب دیا کہ جب اس نے نیت کی تو زیادتی کی الخ۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۲

اقول اولا یعود السائل یمنع ازدیاد الطھارۃ وانما ازداد نظافۃ لانھا تقبل التشکیک دون الطھارۃ ولذا اقلنا بعدم تجزی الحدث والی ازدیاد النظافۃ یشیر الحدیث المشھور الوضوء علی الوضوء نور علی نور اخرجہ رزین ان قال العراقی والمنذری لم نقف علیہ کما فی التیسیر **وثانیا** ۱ لامساغ للسؤال راسا فان مبناہ علی حصر النجاسۃ الحکمیۃ فی الحدث ولیس کذا بل منھا المعاصی کما تقدمت النصوص علیہ والماء الاول وان کان کما یزیل الحدث یغسل من اثر المعاصی ایضا بشرط النیۃ ولکن لا یجب ان یزیلھا کلا والا لکفی الوضوء عن التوبۃ وصار کل من توضأ مرۃ ولو بعد الف کبیرۃ کمن لا ذنب لہ وھو باطل قطعا فھذہ نجاسۃ حکمیۃ باقیۃ بعد التطھر فی عامۃ المکلفین فاین مثار السؤال بل ۲ قدمنا ان المکروھات ایضا تغیر الماء فھذا اطم واعم اما المعصومون صلوات اللہ تعالی وسلامہ علیھم ۳ **فاقول** لا نسلم فی مائھم الاول ایضا انہ مستعمل فی حقنا بل طاھر وطھور مطھر لنا فضلا عن الثانی واذا اعتقدنا الطھارۃ فی فضلاتہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فما ظنک بوضوئہ ۴ فالاستدلال علی طھارۃ الماء المستعمل بان اصحابہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بادروا الی وضوئہ فمسحوا بہ وجوھھم

میں کہتا ہوں اولاً کہ سائل کہہ سکتا ہے کہ ہم طہارت کی زیادتی کو تسلیم نہیں کرتے اس میں نظافت کا اضافہ تو اس لیے ہے کہ نظافت کمی بیشی کو قبول کرتی ہے، مگر طہارت ایسی نہیں اور اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ حدث میں تجزّی نہیں ہے، اور نظافت میں اضافہ کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وضو پر وضو نورٌ علی نور ہے، اس کی تخریج رزین نے کی ہے اگرچہ عراقی اور منذری نے کہا ہے کہ ہم اس پر مطلع نہیں ہوئے ہیں کما فی التیسیر۔

ثانیاً سوال کی گنجائش ہی نہیں، کیونکہ اس سوال کا دارومدار اس پر ہے کہ نجاستِ حکمیہ کو حدث میں منحصر کر دیا گیا ہے اور حالانکہ بات یہ نہیں ہے، بلکہ نجاستِ حکمیہ میں معاصی بھی شامل ہیں، اس پر نصوص گزر چکے ہیں، اور پہلا پانی جس طرح حدث کو زائل کرتا ہے بشرطِ نیت گناہوں کو بھی دھو ڈالتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ گناہوں کو کلیۃً دھو ڈالے ورنہ تو وضو ہی کافی ہو جاتا توبہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور ہزار ہا گناہوں کے بعد ایک ہی مرتبہ وضو کر لیتا تو تمام گناہ معاف ہو جاتے، اور وہ اس طرح ہو جاتا گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں ہے اور یہ چیز قطعاً باطل ہے تو یہ وہ نجاستِ حکمیہ ہے جو مکلفین میں طہارت حاصل کرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تو اب سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے، بلکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکروہات بھی پانی کو متغیر کر دیتے ہیں تو یہ بلند اور اعم ہے۔ رہے انبیاء علیہم السلام جو معصوم ہیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے

كما فى العناية[1] وغيرها مع ضعفه بوجوه ذكرها فى البحر عن العلامة الهندى ليس فى محله عندى نعم يعتبر مستعملا فى حقهم شرعا فلا يرد على الحد نقضا كما اعتبرت فضلاتهم نواقض لعظم رفعة شانهم ونزاهة مكانهم صلوات الله تعالى وسلامه عليهم۔

کہ ان کا پہلا پانی ہمارے حق میں مائے مستعمل ہے، بلکہ وہ ہمارے حق میں پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اور جب پہلے پانی کا یہ حال ہے تو دوسرے پانی کا بطریق اولیٰ یہ حال ہوگا، اور ہم تو انبیاء علیہم السلام کے فضلات کی طہارت کے قائل، تو وضو کے پانی کا کیا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مستعمل پانی کی طہارت پر اس امر سے استدلال کیا ہے کہ آپ کے اصحاب نے اُس پانی کی طرف سبقت کی اور اس کو اپنے چہروں پر ملا، جیسا کہ عنایہ وغیرہ میں ہے، بوجوہ ضعیف ہے، یہ وجوہ بحر میں علامہ ہندی سے نقل کی گئی ہیں، میرے نزدیک وہ برمحل نہیں، ہاں ان کے حق میں شرعًا مستعمل ہوگا، تو اس سے ماء مستعمل کی حد پر نقض وارد نہ ہوگا، اسی طرح ان کے فضلات کو نواقضِ وضو میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ ان کی شان بہت عظیم ہے اور ان کا مقام بہت ستھرا ہے صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم۔ (ت)

تنبيه اختلفوا فى الحدث الاصغر هل يحل كالاكبر بظاهر البدن كله وانما جعل الشرع الوضوء رافعاله تخفيفا ام لا الا بالاعضاء الاربعة ويبتنى عليه الخلاف فيما اذا غسل المحدث نحو فخذه فيصير الماء مستعملا على الاول دون الثانى وبالعدم جزم فى كثير من المتداولات ونص فى الخلاصة انه الاصح فكان ترجيحا للقول الثانى ولذا عولنا عليه وفى المنحة عن النهر وكان الراجح هو الثانى ولذا لم يصر الماء مستعملا بخلافه على الاول[2] اه والظاهر ان كان مشددة فيعطى ترددا فى ترجيحه۔

تنبیہ حدثِ اصغر کی بابت اختلاف ہے کہ آیا وہ بھی تمام بدن میں حدثِ اکبر کی طرح حلول کرتا ہے، اور شارع نے وضو کو اس کے لیے رافع تخفیفًا قرار دیا ہے یا نہیں؟ ہاں اعضاء اربعہ میں ایسا ہے اور اسی پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ بے وضو شخص نے اگر اپنی ران کے مثل کو دھویا تو پہلے قول پر پانی مستعمل ہوجائے گا دوسرے قول پر نہ ہوگا، اور مستعمل نہ ہونے پر بہت سی متداول کتب میں اعتماد کیا گیا ہے اور خلاصہ میں تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے تو یہ قول ثانی کی ترجیح ہے، اسی لیے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور منحہ میں نہر سے ہے کہ راجح دوسرا ہے اور اسی لیے پانی مستعمل نہ ہوگا، اس کے برعکس ہے پہلی صورت میں الخ اور ظاہر یہ ہے کہ کانَ مشدّد ہے

۱؎ العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
۲؎ منحۃ الخالق مع البحر کتاب الطہارت ۱/۹۲

اقول وقد یجوز ان یقول قائل ربما یشھد للاول اولا حدیث اذا تطھر احدکم فذکر اسم اللہ علیہ فانہ یطھر جسدہ کلہ فان لو یذکر اسم اللہ تعالٰی علٰی طھورہ لم یطھر الامر علیہ الماء رواہ الدارقطنی والبیھقی فی سننہ والشیرازی فی الالقاب عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال البیھقی بعد ما ساقہ بطریق یحیی بن ھاشم السمسار ثنا الاعمش عن شقیق بن سلمۃ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فذکرہ ھذا ضعیف لا اعلم رواہ عن الاعمش غیر یحیی بن ھاشم وھو متروک الحدیث ورماہ ابن عدی بالوضع اھ وکذبہ ابن معین و صالح جزرۃ وقال النسائی متروک وبہ اعلہ المحقق فی الفتح حین کلامہ علی وجوب التسمیۃ فی الوضوء تبعا للبیھقی۔

تو اس سے اس کی ترجیح میں تردد پیدا ہوگا، میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ کوئی کہنے والا کہے کہ پہلے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی پاکی حاصل کرے اور اللہ کا نام لے تو اس کا پورا جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ کا نام نہ لے تو صرف وہی عضو پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہو روایت کیا الدارقطنی اور البیھقی نے اپنی سنن میں اور الشیرازی نے القاب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے یہ حدیث بسند یحیی بن ہاشم السمسار ذکر کی ہے، ہم سے اعمش نے شقیق بن سلمہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، پھر پوری حدیث ذکر کی یہ ضعیف ہے، میں نہیں جانتا کہ اس کو اعمش سے یحیی بن ہاشم کے غیر نے روایت کیا، اور وہ متروک الحدیث ہے، اور اس کو ابن عدی نے وضاع قرار دیا اھ ابن معین اور صالح نے اس کی تکذیب کی اور نسائی نے اس کو متروک کہا اور یہی علّت محقق نے فتح میں بیان کی، یہ اس موقعہ پر ہے جہاں انہوں نے وضو میں بسم اللہ کے وجوب کا ذکر کیا بیہقی کی متابعت میں۔ ت

اقول بل لہ طرق ترفعہ عن الوھن فقد رواہ الدارقطنی والبیھقی ایضا عن ابن عمر وھما وابو الشیخ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ولفظہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی

میں کہتا ہوں اس حدیث کے بعض طرق ایسے ہیں جو اس کی کمزوری کو رفع کرتے ہیں، دارقطنی اور بیہقی نے بھی اس کو ابن عمر سے روایت کیا، اور انھی دونوں نے اور ابوالشیخ نے ابوہریرہ سے روایت

---

[1] دارالقطنی باب التسمیۃ علی الوضوء مطبع القاہرۃ ۱/۷۳

[2] سنن الکبرٰی للبیہقی تسمیۃ علی الوضوء بیروت ۱/۴۴

عليه وسلم من توضأ و ذكر اسم الله على وضوئه
تطهر جسده كله ومن توضأ و لم يذكر اسم
الله على وضوئه لم يتطهر الا موضع الوضوء[1]
ورواه عبد الرزاق في مصنفه عن الحسن
الضبي الكوفي مرسلا ينميه الى النبي صلى الله
تعالى عليه وسلم من ذكر الله عند الوضوء
طهر جسده كله فان لم يذكر اسم الله لم
يطهر منه الا ما اصاب الماء[2] واخرج ابوبكر
بن ابي شيبة في مصنفه عن ابي بكر الصديق
رضي الله تعالى عنه انه قال اذا توضأ العبد فذكر
اسم الله تعالى طهر جسده كله وان لم يذكر
لم يطهر الا ما اصابه الماء[3] وروى سعيد بن
منصور في سننه عن مكحول قال اذا تطهر
الرجل و ذكر اسم الله طهر جسده كله واذا لم
يذكر اسم الله حين يتوضأ لم يطهر منه الا مكان
الوضوء[4] ومع هذه الطرق يستحيل الحكم
بالسقوط بل ربما يرتقي عن الضعف لاجرم
ان صرح في المرقاة لحديث الدارقطني ان
سنده حسن وثانيا نقل العلامة الزيلعي
المحدث جمال الدين عبد الله تلميذ الامام

کیا، ان کے لفظ یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
نے فرمایا جس نے بسم اللہ کرکے وضو کیا تو اس کا سارا جسم
پاک ہوگا اور جس نے وضو کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو
صرف وضو کی جگہ ہی پاک ہوگی اس کو عبدالرزاق نے
اپنی مصنف میں حسن الضبی کوفی سے مرسلاً روایت
کیا، اور وہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
منسوب کرتے ہیں، فرماتے ہیں جس نے وضو کے وقت
اللہ کا ذکر کیا اس کا تمام جسم پاک ہوجائے گا اور
اگر اللہ کا ذکر نہ کیا تو صرف وہی حصہ پاک ہوگا جس پر
پانی گزرا ہوگا، اور ابوبکر سے ابن ابی شیبہ نے
اپنی مصنف میں روایت کی کہ بندہ جب وضو کرتا ہے
اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا
ہے اور اگر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو صرف وہی حصہ
پاک ہوتا ہے جس پر پانی پہنچا ہو۔ اور سعید بن منصور نے
اپنی سنن میں مکحول سے روایت کی کہ جب کوئی شخص
پاکی حاصل کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا
سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور جب بوقت وضو اللہ
کا نام نہیں لیتا ہے تو صرف وضو کی جگہ پاک ہوتی ہے،
ان تمام طرق کی موجودگی میں سقوط کا قول کرنا محال ہے
بلکہ ان سے حدیث مرتبہ ضعف سے بلند ہوجاتی ہے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب التسمیۃ علی الوضوء مطبع بیروت ۱/۴۵
[2] کنز العمال آداب الوضوء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۲۹۳
[3] مصنف ابن ابی شیبۃ فی التسمیۃ فی الوضوء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳
[4] کنز العمال آداب الوضوء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۴۵۷

الزیلعی الفقیہ فخر الدین عثمٰن شارح الکنز فی نصب الرایۃ تحت حدیث لاوضوء لمن لم یسم اللہ تعالٰی عن الامام ابن الجوزی ابی الفرج الحنبلی انہ قال محتجا علینا فی ایجابھم التسمیۃ للوضوء ان المحدث (ای بالحدث الاصغر اذ فیہ الکلام ویکون ھو المراد عند الاطلاق کما فی الحلیۃ) لایجوزلہ مس المصحف بصدرہ[1] اھ واقرہ علیہ۔

اور مرقاۃ میں دارقطنی کی روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

ثانیاً علامہ زیلعی محدث جمال الدین عبداللہ شاگرد امام زیلعی فقیہ فخر الدین عثمان شارح کنز، نصب الرایہ میں "لاوضوء لمن لم یسم اللہ (اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہ لے) کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ امام ابن جوزی ابو الفرج الحنبلی نے ہم پر حجت قائم کرنے کے لیے وہ بسم اللہ کو وضو میں واجب قرار دیتے ہیں فرمایا کہ محدِث (جس کو حدثِ اصغر لاحق ہُوا ہو کیونکہ کلام اُسی میں ہے اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتا ہے، کما فی الحلیہ) اس کو مصحف کا چھُونا اپنے سینہ سے جائز نہیں اھ اور اس کو انہوں نے برقرار رکھا۔ ت

قلت ویؤیدہ ما فی الفتح ثم البحر[2] وحاشیۃ الشلبی علی التبیین[3] قال لی بعض الاخوان ھل یجوز مس المصحف بمندیل ھو لابسہ علی عنقہ قلت لااعلم فیہ منقولا والذی یظھر انہ ان کان بطرفہ وھو یتحرک بحرکتہ ینبغی ان لایجوز وان کان لایتحرک بحرکتہ ینبغی ان یجوز لاعتبارھم ایاہ فی الاول تابعا لہ کبدنہ دون الثانی اھ[2] فان المراد المحدث بالحدث الاصغر اذ قد نقل قبلہ باسطر عن الفتاوٰی لایجوز للجنب و الحائض ان یمسا المصحف بکمیھما او ببعض ثیابھما لان الثیاب بمنزلۃ بدنھما اھ فقولہ

میں کہتا ہُوں اس کی تائید فتح میں، پھر بحر میں اور تبیین پر شلبی کے حاشیہ میں ہے مجھ سے بعض دوستوں نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص گلے میں رومال ڈالے ہو تو وہ اُس رومال سے مصحف کو چھو سکتا ہے؟ میں نے کہا میں اس سلسلہ میں کوئی نقل تو نہیں پاتا ہوں لیکن اگر صورت یہ ہو کہ اس کے ایک کنارے سے مصحف کو پکڑے اور اس کے حرکت دینے سے دوسرا کنارہ حرکت کرے تو جائز نہ ہونا چاہئے اور اگر حرکت نہ کرے تو مس کرنا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ پہلی صورت میں وہ اس کو اس کا تابع قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس کا بدن ہے دوسری صورت میں تابع نہیں کہتے اھ کیونکہ محدث سے مراد حدثِ اصغر والا شخص ہے، کیونکہ اس سے

---

[1] نصب الرایۃ | کتاب الطہارۃ | اسلامیہ ریاض | ۱/۴

[2] بحرالرائق | باب الحیض | سعید کمپنی کراچی | ۱/۲۰۱

[3] شلبی علی التبیین | باب الحیض | بولاق مصر | ۱/۵۸

بعض ثیابھما کان یشمل منديلا ھو لابسه فلم یقول لااعلم فیه المنقول افنسی ما نقله اٰنفا وھو بمرأی منه۔

کچھ ہی پہلے فتاوٰی سے منقول ہوا کہ جنب اور حائض کو جائز نہیں کہ وہ دونوں مصحف کو اپنی آستین سے یا کپڑے کے کسی حصہ سے چھوئیں کیونکہ کپڑے منزلہ ان کے بدن کے ہیں اھ تو "بعض کپڑوں" میں وہ رومال بھی آجاتا ہے جس کو وہ پہنے ہوئے ہو تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں اس میں کوئی نقل نہیں جانتا کیا وہ دیکھتے بھالتے اُس نقل کو بھول گئے جو خود ہی انہوں نے پیش کی ہے۔ ت

اقول لکنی رأیت فی التبیین قال بعد قوله منع الحدث مس القراٰن ومنع من القراءة والمس الجنابة والنفاس کالحیض ما نصه ولا یجوز لھم مس المصحف بالثیاب التی یلبسونھا لانھا بمنزلة البدن ولھذا لو حلف لا یجلس علی الارض فجلس علیھا وثیابه حائلة بینه وبینھا وھو لابسھا یحنث ولو قام فی الصلاة علی النجاسة وفی رجلیه نعلان او جوربان لاتصح صلاته بخلاف المنفصل عنه[1] اھ فھذا ظاھر فی رجوع الضمیر الی المحدث ومن معه جمیعا فھذا النقل ولله الحمد وبالجملة المقصود انه اذا منع مسه بما علی عنقه وصدره فکیف بھما فدل علی حلول الحدث جمیع البدن ثم رأیت المسألة منصوصا علیھا فی الھندیة عن الزاھدی حیث قال اختلفوا فی مس المصحف بما عدا اعضاء الطھارة وبما غسل من الاعضاء قبل اکمال الوضوء والمنع اصح[2] اھ

میں کہتا ہوں میں نے تبیین میں دیکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں حدث کی وجہ سے قرآن کو ہاتھ لگانا منع کیا ہے، اور جنابت اور نفاس نے حیض کی طرح پڑھنے اور ہاتھ لگانے دونوں کو منع کیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے کہ ان کے لیے اُن کپڑوں کے ساتھ جو وہ پہنے ہوئے ہیں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں کیونکہ وہ کپڑے بمنزلہ بدن کے ہیں، اور اسی لیے اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ زمین پر نہیں بیٹھے گا اب وہ اس طرح بیٹھا کہ اس کے اور زمین کے درمیان پہنے ہوئے کپڑے حائل ہوں تو وہ قسم میں حانث ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص بحالتِ نماز نجاست پر کھڑا ہوا اور اس کے دونوں پیروں میں جُوتے یا جرابیں ہیں تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی، اگر یہ چیزیں جُدا ہیں تو ہو جائے گی اھ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضمیر مُحدِث کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی طرف بھی جو مُحدِث کے ساتھ ہو، یہ صریح نقل ہے والحمدللہ، اور خلاصہ یہ کہ جب قرآن کو اس کپڑے کے ساتھ چھُونا جائز نہیں جو اس کی گردن اور سینے پر ہے تو خود گردن اور سینے سے مس کرنا کیسے جائز ہوگا! پس معلوم ہوا

---

[1] تبیین الحقائق باب الحیض بولاق مصر ۱/۵۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب فی احکام الحیض والنفاس والاستحاضہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹

کہ حدث تمام بدن میں سرایت کرتا ہے، پھر میں نے اس مسئلہ کو ہندیہ میں زاہدی سے منصوص دیکھا وہ فرماتے ہیں اعضاءِ طہارۃ، اور وہ اعضا جو وضو کی تکمیل سے قبل دھوئے گئے ہوں اُن سے مَسِ مصحف میں اختلاف ہے اور منع اصح ہے اھ ت

وثالثاً تقرر عند العرفاء ان لا حدث صغيرا ولا كبيرا الا ما تولد من اكل حتى القهقهة فى الصلاة فان تلك الغفلة الشديدة فى عين الحضرة لا تكون الا من شبع اى شبع اذ الجائع ربما لا يكثر له سن فضلا عن القهقهة خلفة عن كونها فى الصلاة ولا شك ان نفع الاكل يعم البدن وكذا نفع الخارج والراحة الحاصلة به فدخول الطعام يولد الغفلة وخروج المؤذى يحققها والغفلة موت القلب والقلب رئيس فانه المضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله والماء ينعش ويذهب الغفلة كما هو مشاهد فى المغشى عليه۔

ثالثاً عرفاء کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ حدث چھوٹا ہو خواہ بڑا مطلقاً کھانا کھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ نماز میں قہقہہ بھی کہ عین دربار میں ایسی سخت غفلت اُسی سے ہو سکے گی جس کا پیٹ بھرا اور نہایت بھرا ہو کہ بھوک میں تو ہنسی سے دانت کھلنا ہی نادر ہے نہ کہ ٹھٹھا اور وہ بھی نماز میں، اور شک نہیں کہ کھانے کا نفع تمام بدن کو پہنچتا ہے یونہی فضلہ نکل جانے کی منفعت و راحت بھی سارے بدن کو ہوتی ہے تو کھانا معدہ میں جانا غفلت پیدا کرتا ہے اور موذی یعنی فضلہ کا نکلنا غفلت کو ثابت و مؤکد کرتا ہے اور غفلت سے دل کی موت ہے اور دل بدن کا بادشاہ ہے کہ وہی بوٹی درست ہو تو سارا بدن درست رہے اور بگڑے تو سارا بدن خراب ہو جائے اور پانی تازگی لاتا اور غفلت دُور کرتا ہے جیسا کہ غشی والے کے مُنہ پر چھڑکنے میں مشاہدہ ہے۔

قلت فكما ان سبب الموت عم البدن كان ينبغى ان يعمه ايضا سبب الحياة وبه اتى الشرع فى الحدث الاكبر لكن الاصغر يتكرر كثيرا فلو امروا كلما احدثوا ان يغتسلوا لوقعوا فى الحرج والحرج مدفوع فاقامت الشريعة السمحة السهلة مقام الغسل غسل الاطراف اذ من سنة كرمه تعالى ان اذا اصلح الاول والاخر تجاوز عن الاوسط وجعله معصوما

تو میں کہتا ہوں جس طرح موت کا سبب سارے بدن کو عام ہوا تھا چاہیے تھا کہ حیات کا سبب یعنی پانی بھی سب جسم پر پہنچے حدث اکبر میں تو شرع نے یہی حکم دیا مگر حدث اصغر بکثرت مکرر ہوتا ہے تو ہر حدث اصغر پر اگر نہانے کا حکم ہوتا تو لوگ حرج میں پڑتے اور اس دین میں حرج نہیں لہذا اس نرم آسان شریعت نے اطراف بدن کا دھونا قائم مقام نہانے کے فرما دیا کہ اللہ عزوجل کی سنتِ کرم ہے

فیھا ثم کان من الاطراف الراس وغسله کل یوم مرارا ایضا کان یورث البؤس والباس فابدل فیه الغسل بالمسح رحمة من الذی یقول عز من قائل یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر فقضیة ھذا ان الحدث ولو اصغر یحل البدن کله۔

کہ جب اول و آخر ٹھیک ہوتے ہیں تو بیچ میں جو نقصان ہو اُس سے درگزر فرماتا ہے اب اطراف بدن میں سر بھی تھا اور اُسے ہر روز چند بار دھونا بھی بیمار کرتا مشقت میں ڈالتا لہٰذا اس کو دھونے کے عوض مسح مقرر فرمادیا، رحمت اس کی جو فرماتا ہے کہ اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔

(اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حدث خواہ اصغر ہی ہو تمام بدن میں حلول کرتا ہے۔ ت)

اقول وبه تبین ان ماصرح به غیر واحد من مشایخنا وغیرھم ان غسل غیر المصاب فی الحدث امر تعبدی کما فی الھدایة وغیرھا وقدمناہ عن الکافی وکذلك الاقتصار علی الاربعة فی الوضوء کما فیھا وفی الحلیة وغیرھا وبه قال الامام الحرمین واختارہ الامام عزالدین بن عبدالسلام کلاھما من الشافعیة فان کل ذلك فی علم الحقایق احکام معقولة المعنی والله تعالٰی اعلم ھذا تقریر اسئلة ظھرت لی واتیت بھا کیلا تعن لقاصر مثلی ولا یتفرغ للتدبر فیحتاج لکشفھا۔

میں کہتا ہوں اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہمارے مشایخ کا یہ فرمانا کہ اُن اعضاء کو دھونا جن کو حدث نہیں پہنچا ہے محض امر تعبدی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور ہم نے کافی سے بھی نقل کیا ہے، اور اسی طرح وضو میں چار پر اقتصار جیسا کہ ہدایہ اور حلیہ وغیرہ میں ہے اور یہی امام الحرمین کا قول ہے اور امام عزالدین بن عبدالسلام نے اس کو اختیار کیا ہے یہ دونوں شافعی علماء ہیں کیونکہ یہ تمام حقائق کے معقول احکام ہیں واللہ تعالٰی اعلم، یہ اُن سوالوں کی تقریر ہے جو مجھے منکشف ہوئے، میں نے ان پر اس لیے گفتگو کی ہے کہ کہیں مجھ جیسے قاصر کو یہ درپیش نہ آجائیں اور وہ مشکل میں مبتلا نہ ہوجائے۔ (ت)

اقول فی الجواب عن الاول المراد نجاسة الأثام اذ لو ارید نجاسة الحدث لزم ان من لم یسم لم یتم طھرہ وھو مذھب الظاھریة وروایة عن الامام احمد رضی الله تعالٰی عنه ولم یقل به احد من علمائنا وبقاء نجاسة الأثام فیما عدا اعضاء الطھر بل

اب میں پہلے کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد گناہوں کی نجاست ہے کیونکہ اگر حدث کی نجاست کا ارادہ کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جو بسم اللہ نہ کرے اُس کی طہارت مکمل نہ ہوگی، اور یہ ظاہریہ کا مذہب ہے، اور امام احمد کی ایک روایت ہے اور ہمارے علماء میں سے کسی کا قول نہیں، اور اعضاء طہارت کے علاوہ

وفیہا ایضا کما قدمنا لاینافی صحۃ الطہارۃ و الصلاۃ وبہ ظہر الجواب عن استدلال ابی الفرج بالحدیث وعن الثانی ان المنع للحدث بالمعنی الثانی الغیر المتجزی لقولہ تعالٰی لایمسہ الا المطہرون وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایمس القران الا طاہر وہو لایکون طاہرا ما بقیت لمعۃ وان خفت فمنع المس انما یقتضی تلبس المکلف بنجاسۃ حکمیۃ لاتلبس خصوص العضو الممسوس بہ الا تری انہ لایجوز مسہ بید قد غسلہا مالم یستکمل الوضوء الا تری انہم منعوا المس بما علیہ من الثیاب ولانجاسۃ فیہا حقیقیۃ ولاحکمیۃ انما المنع لانہا تبع لبدن شخص محدث فلان یمتنع بنفس بدنہ اولی وان کان بدنا لم یحلہ الحدث ہذا علی الاصح اما علی قول من یقول ان المنع للمعنی الاول ای قیام النجاسۃ الحکمیۃ بالممسوس بہ فالمسألۃ ممنوعۃ من رأسہا بل ہو قائل بجواز مسہ بغیر اعضاء الطہارۃ کما مر عن الہندیۃ وان منع المس بالثیاب فبثوب تابع لما فیہ الحدث کالکم لید لم تغسل لامطلقا کما لایخفی وعن الثالث نعم ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ لکنہ یحتمل وجہین الاول ان یعتبر الشرع حلول الحدث بکل البدن ثم یجعل تطہیر الاعضاء الاربعۃ تطہیرا للکل والثانی ان الشارع لما رأی فیہ الحرج

باقی اعضا میں گناہوں کی نجاست کا باقی رہنا، بلکہ اعضاءِ طہارت میں بھی، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا صحت طہارت کے منافی ہے اور نہ ادائیگی نماز کے، اور اسی سے ظاہر ہو گیا جواب اس استدلال سے جو ابوالفرج نے حدیث سے کیا ہے۔

اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ حَدَث کا منع کرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے جو غیر متجزی ہے اللہ تعالٰی کے اس فرمان کی وجہ سے "اس کو پاک لوگ ہی چھوئیں" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "قرآن کو پاک ہی چھوئے" اور مُحدِث اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک ایک "لُمعہ" بھی باقی رہے خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو، تو چھونے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ مکلف نجاست حکمیہ کے ساتھ ملوث ہے، یہ نہیں کہ اس کا کوئی خاص عضو اس میں ملوث ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کو محض دُھلے ہوئے ہاتھ سے چھونا جائز نہیں تاوقتیکہ وضو مکمل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس ہاتھ سے قرآن چھونے کو منع کیا ہے جو کپڑے میں لپٹا ہوا ہو خواہ اس پر نہ حقیقی نجاست ہو اور نہ حکمی، ممانعت اس لیے ہے کہ وہ مُحدِث کی ذات کے تابع ہے تو نفسِ بدن سے چھونے کی ممانعت بدرجۂ اَولٰی ہوگی، خواہ اس میں حدث نے حلول نہ کیا ہو، یہ اصح کے مطابق ہے، اور جو حضرات منع معنیٰ اول میں قرار دیتے ہیں، یعنی ممسوس بہ کے ساتھ نجاست حکمیہ کا قائم ہونا، تو مسئلہ اصلاً ممنوع ہے، بلکہ اُس کے مَس کے جواز کے قائل ہیں

اسقط اعتبارہ الا فی الاعضاء الاربعۃ ولکل
منھما نظیر فی الشرع فنظیر الاول التیمم
جعل فیہ مسح عضوین مطھرا للاربع
بالاتفاق ونظیر الثانی العین کان فی غسلھا
حرج فلم یجعلھا الشرع محل حلول حدث اصلا
لا انہ حل وسقط الغسل للحرج فلو غسل عینیہ
لا یصیر الماء مستعملا بالوفاق وعند الاحتمال
ینقطع الاستدلال بل **اقول** لو تأملت لرجحت
الثانی اذ عدم الاعتبار اولی من الاعتبار
ثم الاھدار والقیاس علی العین بجامع الحرج
واضح صحیح بخلاف التیمم فان اصل
الواجب ثم الوضوء والتیمم خلف ولم یزعم
ھھنا احد ان اصل الواجب بکل حدث ھو
الغسل والوضوء خلف بل لم یقل احد ان
الغسل عزیمۃ والوضوء رخصۃ وھؤلاء ساداتنا
العرفاء الکرام اعاد اللہ تعالی علینا برکاتھم
فی الدارین رأیناھم یأخذون انفسھم
فی کل نقیر وقطمیر بالعزائم ولا یرضون
لھم التنزل الی الرخص ثم لم ینقل عن احد
منھم انہ الزم نفسہ الغسل عند کل حدث
مکان الوضوء ولو التزمہ الآن احد لکان
متعمقا مشددا متنطعا فظھر انہ من الباب
الثانی دون الاول علی ان ذلک طور اخر
وراء الطور الذی نتکلم فیہ والاحکام لاتخلو
عن الحکم لکن لا تدار علیھا الا تری ان من

بلا اعضاء طہارت کے، جیسا کہ ہندیہ سے گزرا، اور
اگر کپڑوں کے ساتھ چھونا جائز نہیں تو اس کپڑے کے
ساتھ جو تابع ہو کیونکہ اس میں حدث ہے، جیسے
آستین ہاتھ کے لیے جو دُھلا نہ ہو، نہ کہ مطلقاً۔
کما لایخفی۔

اور تیسرے کا جواب یہ ہے، ہاں یہ تمہارے
رب کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمۃ ہے لیکن اس
میں دو وجہیں ہیں پہلی تو یہ کہ شرع تمام بدن میں حدث
کے حلول کا اعتبار کرتی ہے اور پھر چار اعضاء کی
تطہیر کے بعد کل بدن کی طہارت کا حکم کرتی ہے اور
دوسرے یہ کہ شارع نے جب اس میں حرج دیکھا
تو اس کے اعتبار کو ساقط کردیا صرف اعضاءِ اربعہ
میں رہنے دیا، اور ان میں سے ہر ایک کی نظیر شرع
میں موجود ہے، پہلے کی نظیر تیمم ہے اس میں دو عضو
کے مسح کرنے کو چاروں اعضاء کی پاکی قرار دیا ہے،
اور دوسرے کی نظیر آنکھ ہے کہ اس کے دھونے میں
حرج تھا، تو شریعت نے اس میں حدث کا حلول
نہیں مانا، یہ نہیں کہ حدث حلول کرگیا ہو اور پھر
حرج کی وجہ سے دھونا ساقط کردیا گیا ہو، اب اگر
کسی نے اپنی دونوں آنکھیں دھوئیں تو پانی بالاتفاق
مستعمل نہ ہوگا، اور جب احتمال پیدا ہوجائے تو استدلال
ختم ہوجاتا ہے، بلکہ میں کہتا ہوں اگر آپ تامل کریں
تو دوسرے کو ترجیح ہے کیونکہ اعتبار نہ کرنا اعتبار کرنے
سے اَولیٰ ہے کہ پہلے اعتبار کیا جائے پھر اس کو باطل
کیا جائے، اور آنکھ پر قیاس کرنا حرج کی علت سے

اشتغل فی لھو و لعب و مزاح وقھقھة خارج
الصلاۃ فلا شك انه غافل فی تلك الساعات عن
ربه عزوجل لاسیما[1] الذی قھقه فی صلاۃ
الجنازۃ مع ان فی ذکری الموت شغلا شاغلا ولم
یجعل الشرع شیئاً من ذلك حدثا وکذا لم
یجعل الاکل وھو الاصل ولا النوم الذی
ھو اخ الموت مالو یظن خروج شئ بان لم
یکن متمکنا فعلینا اتباع ما رجحوه وصححوه
کما لو افتونا فی حیاتھم واللہ تعالیٰ اعلم باحکامه.

واضح اور صحیح ہے بخلاف تیمم کے کیونکہ وہاں اصالۃً جو چیز
واجب ہے وہ وضو ہے اور تیمم خلیفہ ہے، اور یہاں
کسی نے گمان نہیں کیا کہ ہر حدث میں اصالۃً واجب غسل
ہے اور وضو خلیفہ ہے، بلکہ کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ غسل
عزیمۃ ہے اور وضو رخصۃ ہے، حالانکہ ہمارے یہ
بزرگ، اللہ ان کی برکتیں ہم پر نازل کرے، باریک سے باریک تر
چیز کا اعتبار کرتے ہیں اور کسی قسم کی رخصت پر تیار نہیں
ہوتے، پھر ان میں سے کسی سے منقول نہیں کہ بجائے
وضو کے غسل کرتا ہو اور اگر اب کوئی ایسا کرے
تو وہ انتہا درجہ کا متشدد ہوگا تو معلوم ہوا کہ وہ دوسرے باب سے ہے نہ کہ پہلے باب سے۔

علاوہ ازیں یہ ہماری گفتگو کا ایک نیا انداز ہے، اور احکام حکمتوں سے خالی نہیں ہوتے، لیکن
اُن پر ادار و مدار نہیں ہوتا، مثلاً کوئی شخص لہو و لعب، مزاح اور قہقہوں میں بیرونِ نماز مصروف ہے تو بلاشبہ ان
لمحات میں وُہ اپنے رب سے غافل ہے خاص طور پر قہقہہ لگانے والا نماز جنازہ میں، حالانکہ موت انسان کو
ہر چیز سے موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے، مگر شارع نے ان اشیاء میں سے کسی چیز کو بھی حَدث قرار نہیں
دیا ہے، اور اسی طرح کھانے کو، جو اصل ہے، اور نیند کو جو موت کی نظیر ہے تاوقتیکہ اُس شخص کو یہ ظن نہ ہو جائے
کہ کوئی چیز خارج ہوئی ہے، مثلاً یہ کہ جم کر نہیں بیٹھا یا لیٹا تھا، تو ہم پر لازم ہے کہ جس چیز کو فقہاء نے راجح قرار
دیا اور صحیح قرار[2] دیا ہے ہم اس کی بالکل اسی طرح پیروی کریں جیسے اگر وہ حضرات اپنی زندگی میں ہمیں فتویٰ دیتے۔

تنبیه معلوم ان اقامة قربة او رفع
حدث او اسقاط فرض او ازالة نجاسة حکمیة
بایھا عبرت کل ذلك یشمل المسح المفروض
مطلقا والمسنون بشرط النیة فیجب ان
تصیر البلة مستعملة اذا انفصلت من رأس
او خف او جبیرۃ او اذن مثلا ولذا عولنا علیه
وصرحنا بعموم المسح لکن قال الامام
فقیه النفس فی الخانیة لو ادخل[3] المحدث

تنبیہ یہ امر معلوم ہے کہ قربۃ کی ادائیگی،
رفعِ حدث، اسقاطِ فرض، نجاستِ حکمیہ کا ازالہ وغیرہ
جو تعبیر بھی آپ کریں یہ مفروض مسح کو مطلقاً شامل ہے
اور مسنون کو بشرطِ نیت، لہٰذا لازم ہے کہ تری سر سے،
موزے سے، پٹی سے یا کان سے جُدا ہوتے ہی مستعمل
ہوجائے، اور اسی لیے ہم نے اس پر اعتماد کیا، اور
مسح کے عام ہونے کی تصریح کی، لیکن امام فقیہ النفس
نے خانیہ میں فرمایا اگر بے وضو نے اپنا سر مسح کے لیے

رأسه فی الاناء یرید به المسح لایصیر الماء مستعملا فی قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی قال انما یتنجس الماء فی کل شیئ یغسل اما ما یمسح فلا یصیر الماء مستعملا وان اراد به المسح وقال محمد رحمه الله تعالٰی اذا کان علٰی ذراعیه جبائر فغمسها فی الماء اوغمس رأسه فی الاناء لا یجوز ویصیر الماء مستعملا[1] اھ وقد قدم قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی فکان ھو الاظھر الاشھر کما افاد فی خطبته فکان ھو المعتمد کما فی ط وش بل صححوا ان محمدا فیه موافق ابی یوسف رحمھما الله تعالٰی فلا خلاف قال فی البحر[2] لو ادخل رأسه الاناء اوخفه اوجبیرته وھو محدث قال ابو یوسف رحمه الله تعالٰی یجزئه المسح ولا یصیر الماء مستعملا سواء نوی اولم ینو وقال محمد رحمه الله تعالٰی ان لم ینو یجزئه ولا یصیر مستعملا وان نوی المسح اختلف المشایخ علی قوله قال بعضھم لایجزئه ویصیر الماء مستعملا والصحیح انه یجوز ولا یصیر الماء مستعملا کذا فی البدائع فعلم بھذا ان ما فی المجتبی[2]۔

(قلت ای والخانیة والفتح وغیرھا) من الخلاف فی ھذہ المسألة علی غیر الصحیح

برتن میں ڈبو دیا تو ابو یوسف کے قول کے مطابق پانی مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں پانی اس چیز سے نجس ہوگا جو دھوئی جاتی ہے، اور جو ممسوح ہے اُس سے نہیں خواہ اُس سے مسح کا ارادہ ہی کیا ہو، اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر کسی کے ہاتھوں پر پٹیاں ہوں اور اس نے وہ پانی میں ڈبو دیے یا اپنا سر پانی میں ڈبو دیا تو جائز نہیں اور پانی مستعمل ہوگا اھ اور ابو یوسف کے قول کو مقدم کیا گیا ہے وہی ظاہر و مشہور ہے، جیسا کہ انھوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا تو وہی قابلِ اعتماد ہوگا، جیسا کہ "ط" و "ش" میں ہے بلکہ فقہاء نے اس امر کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس میں امام محمد ابو یوسف کے ساتھ ہیں، تو کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ بحر میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنا سر، موزہ یا پٹی بے وضو ہونے کی حالت میں برتن میں ڈبو دی تو امام ابو یوسف نے فرمایا مسح ہوجائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ مسح کی نیت کی ہو یا نہ، امام محمد نے فرمایا اگر نیت نہیں کی تو مسح ہوجائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا، اگر نیت کی تو ان کے قول پر اس میں مشایخ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں اس کو کافی نہ ہوگا اور پانی مستعمل ہوجائے گا، اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا کذا فی البدائع تو اس سے معلوم ہوا کہ مجتبی میں جو اختلاف ہے۔ (ت)

(میں کہتا ہوں خانیہ اور فتح وغیرہ میں بھی) جو اختلاف بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں، صحیح یہ ہے

---

[1] فتاوٰی خانیہ علی الھندیة باب الماء المستعمل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

بل الصحیح ان لاخلاف وعلم ایضا انہ لافرق
بین الرأس والخف والجبیرۃ خلافا لما ذکرہ
ابن الملک[1] اھ واختصرہ فی الدر فقال لو یصیر
الماء مستعملا وان نوی اتفاقا علی الصحیح[2] اھ۔

اقول ولایھولنک ھذا فلیس معناہ
ان المسح لایفید الاستعمال کیف وکلامھم
طرًا فی اسبابہ مطلق یعم الغسل والمسح ثم المسألۃ
عینھا منصوصۃ علی لسان الکبراء منھم فقیہ
النفس (ف۱) اذ یقول توضأ ثم مسح الخف ببلۃ بقیت علی
کفہ بعد الغسل جاز ولو مسح برأسہ ثم مسح الخف
ببلۃ بقیت علی الکف بعد المسح لایجوز لانہ
مسح الخف ببلۃ مستعملۃ بخلاف الاول[3] اھ و
اقرہ فی الفتح وغیرہ وفی الخانیۃ (ف۲) ایضا الاستیعاب
فی مسح الرأس سنۃ وصورۃ ذلک ان یضع اصابع
یدیہ علی مقدم رأسہ وکفیہ علی فودیہ ویمدھما
الی قفاہ فیجوز واشار بعضھم الی طریق اخر احترازا
عن استعمال الماء المستعمل الا ان ذلک
لایمکن الا بکلفۃ ومشقۃ فیجوز الاول ولا
یصیر الماء مستعملا ضرورۃ اقامۃ السنۃ[4] اھ
ای لما علم ان الماء مادام علی العضو لا
یصیر مستعملا وفی الفتح (ف۳) من مسح الرأس
لو مسح باصبع واحدۃ مدھا قدر الفرض

کہ اختلاف نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سر، موزے اور
پٹی میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ ابن الملک نے ذکر کیا
اھ اور اسی کو دُر میں مختصر کیا، فرمایا پانی مستعمل نہ ہوگا
خواہ نیت کی ہو، یہ متفق علیہ ہے صحیح قول پر اھ ت

اقول یہ چیز کوئی قابلِ تعجب نہیں، اس کا معنی
نہیں کہ مسح سے استعمال نہیں ہوتا، حالانکہ تمام فقہاء کا
کلام اسبابِ استعمال کے سلسلہ میں عام ہے اس میں
غسل اور مسح دونوں شامل ہیں، اور پھر اکابر علماء نے
مسئلہ کی صراحت بھی کی ہے، مثلاً فقیہ النفس فرماتے ہیں
کسی شخص نے وضو کیا پھر ہاتھ دھونے کے بعد جو تری
باقی رہ گئی تھی اس سے موزے پر مسح کرلیا تو جائز ہے اور
اگر سر پر مسح کیا اور مسح کے بعد ہاتھ پر جو تری رہ گئی تھی اُس
سے موزے پر مسح کیا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے مستعمل
تری سے موزے پر مسح کیا ہے بخلاف اول کے اھ فتح و
خانیہ میں اسی کو برقرار رکھا، پھر استیعاب مسح میں سنت
ہے، اور استیعاب کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی انگلیاں ماتھے
پر رکھے اور ہتھیلیاں کنپٹیوں پر اور گدی کی طرف کھینچ کر
لے جائے تو جائز ہے، اور بعض دوسرے فقہاء نے اور
طریقہ بتایا کہ مستعمل پانی کے استعمال سے بچا جاسکے، مگر
اس میں بہت تکلف اور مشقت ہے، تو پہلی صورت
جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا تاکہ سنت ادا ہوسکے اھ
یعنی جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ پانی جب تک عضو پر باقی

---

[1] بحر الرائق — کتاب الطہارت — سعید کمپنی کراچی ١/١٥
[2] الدر المختار — ارکان الوضوء ١/١٩
[3] فتاوی خانیۃ — مسح علی الخفین ١/٢٣
[4] خانیۃ علی الہندیۃ — فصل صفۃ الوضوء — نورانی کتب خانہ پشاور ١/٣٥

جائز عند زفر وعندنا لا یجوز وعللوہ بان البلۃ صارت مستعملۃ وھو مشکل بان الماء لایصیر مستعملا قبل الانفصال وما قیل الاصل ثبوت الاستعمال بنفس الملاقاۃ لکنہ سقط فی المغسول للحرج اللازم بالزام اصابۃ کل جزء باسالۃ غیر المسال علی الجزء الاٰخر ولاحرج فی المسح لانہ یحصل بمجرد الاصابۃ فبقی فیہ علی الاصل دفع بانہ مناقض لما علل بہ لابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فی مسألۃ ادخال الرأس الاناء فان الماء طھور عندہ فقالوا المسح حصل بالاصابۃ والماء انما یاخذ حکم الاستعمال بعد الانفصال والمصاب بہ لم یزایل العضو حتی عدل بعض المتاخرین الی التعلیل بلزوم انفصال بلۃ الاصبع بواسطۃ المد فیصیر مستعملا لذلک[1] وبالجملۃ فالمنقول فی الباب کثیرۃ بشیرۃ وفی الکتب شھیرۃ وان کان للعبد فی مسألۃ الاصبع ابحاث عزیزۃ فلیس وجہ مسألۃ الاناء مایتوھم بل ما نقلناہ اٰنفا عن الفتح وقد ذکرہ فی موضع اٰخر بقولہ ان الماء لایعطی لہ حکم الاستعمال الا بعد الانفصال والذی لاقی الرأس من اجزائہ لصق بہ فطھرہ وغیرہ لم یلاقہ فلم یستعمل اھ[2] فمعنی قولھم فیھا لایصیر الماء

رہتا ہے مستعمل نہیں ہوتا ہے۔

اور فتح میں[1] ہے جس نے سر کا مسح کیا یا اگرچہ ایک انگلی سے مسح کیا کہ اس کو بقدرِ فرض کھینچا، تو زفر کے نزدیک جائز ہے اور ہمارے نزدیک جائز نہیں اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تری مستعمل ہوگئی، مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ پانی عضو سے جُدا ہُوئے بغیر مستعمل نہیں ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ پانی عضو سے لگتے ہی مستعمل ہوجائے مگر اعضاءِ مغسولہ میں اس کو حرج کی وجہ سے معتبر نہیں مانا گیا ہے ورنہ تو عضو کے ایک حصہ کا پانی دوسرے حصہ کو ناپاک کردیتا، اور مسح میں یہ صورتِ حال نہیں ہے کیونکہ اس میں بہانا نہیں ہے محض لگانا ہے تو اس میں اصل پر اعتبار کیا گیا۔ اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسف نے سر کو برتن میں داخل کرنے کی بابت جو ارشاد فرمایا ہے یہ قول اس کے برخلاف ہے کیونکہ پانی ان کے نزدیک پاک کرنے والا ہے، وہ فرماتے ہیں پانی لگانے سے مسح تو ہوگیا اور چونکہ پانی عضو سے جدا ہونے کے بعد مستعمل ہوتا ہے اور مسح میں جدا نہیں ہوتا اس لیے مستعمل بھی نہ ہوگا حتی کہ بعض متاخرین نے بجائے اس دلیل کے یہ دلیل اختیار کی ہے کہ انگلی کی تری اس طرح جُدا ہوتی کہ اس کو کھینچا گیا تو اب یہ پانی مستعمل ہوجائے گا اھ خلاصہ یہ کہ اس باب میں نقول بہت موجود ہیں جو مشہور کتب میں پائی جاتی ہیں اور

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۶

[2] ایضاً ۱/ ۱۷

مستعملا ای ما بقی فی الاناء وھو المراد بقول الخانیۃ عن الامام ابی یوسف انما یتنجس الماء فیما یغسل لا ما یمسح ای ماء الاناء بادخال ما وظیفتہ الغسل دون المسح فزال الوھم و فیہ المدعی۔

ناچیز انگلی کے مسئلہ پر بڑی گہری ابحاث رکھتا ہے، برتن کے مسئلہ کی وجہ وُہ نہیں جو بعض حضرات کے وہم میں آئی ہے بلکہ وہ ہے جو ہم نے ابھی فتح سے نقل کی ہے اور اسی کو انھوں نے دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا ہے کہ پانی کو مستعمل ہونے کا حکم اسی وقت ملے گا جب وہ عضو سے جدا ہو اور پانی کے جو اجزاء سر سے متصل ہُوئے وہ اسی میں چپک جاتے ہیں اور اُس کو پاک کر دیتے ہیں اور سر کے علاوہ کسی اور حصے پر نہیں لگتے ہیں تو مستعمل نہ ہوا اھ تو فقہاء نے جو فرمایا ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک برتن میں رہے، اور خانیہ نے امام ابو یوسف سے جو نقل کیا ہے کہ پانی اُن اعضاء میں مستعمل ہوتا ہے جو دھوئے جاتے ہیں نہ کہ اُن میں جو مسح کیے جاتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ برتن کا پانی اُن اعضاء کے داخل کرنے کی وجہ سے مستعمل ہوگا جو مغسول ہیں نہ کہ ممسوحہ تو وہم رفع ہوا اور یہی مقصود تھا۔ (ت)

اقول وان کان فی قصرھم اللقاء علی ما لصق بالرأس تأمل ظاھر وکان ھذا ھو مراد المحقق اذ قال بعد ذکرہ وفیہ نظر اھ[1]۔

میں کہتا ہُوں فقہاء نے ملنے کو جو سر کے ساتھ مختص کر دیا ہے اس میں بظاہر تامل ہے، اور غالبا محقق کی مراد یہی ہے کیونکہ انھوں نے اس کے ذکر کے بعد فرمایا: وفیہ نظر۔ (ت)

اقول ویظھر لی ان سبیل المسألۃ سبیل الخلف فی الملقی والملاقی و تصحیح ھذہ بل تصحیح الوفاق فیھا ربما یعطی ترجیح عدم الفرق الا ان یفرق بین الغسل والمسح فلا یصیر بہ کل الماء مستعملا حکما بالاتفاق بخلاف الغسل و یحتاج لوجہ فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کا حل ملنے والی شے اور جس سے ملی ہے اس میں اختلاف پر مبنی ہے، اور اس کی تصحیح بلکہ اس میں اتفاق کی تصحیح سے عدم فرق کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، ہاں اگر غسل اور مسح میں ہی فرق کر لیا جائے تو بات اور ہے، تو اُس سے تمام پانی حکماً مستعمل نہ ہوگا بالاتفاق بخلاف غسل کے، اور یہ دلیل کا محتاج ہے فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تنبیہ اعلم ان مسألۃ الاصبع المارۃ ترکھا المحقق فی الفتح غیر مبینۃ ذکر لہ ثلث تعلیلات ورد الجمیع فالاول التعلیل بالاستعمال وقد علمت ردہ وما

تنبیہ انگلی کا مسئلہ جو گزرا اس کو محقق نے فتح میں واضح نہیں کیا تین تعلیلات بیان کیں اور تینوں کو رَد کر دیا، پہلی تعلیل استعمال سے متعلق ہے اور اس کا رَد تم معلوم کر چکے ہو، اور اس کی

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ ۱/۱۷

عدل الیہ بعض المتاخرین لاصلاحہ فردہ والاول معابان ھذا کلہ یستلزم ان مد اصبعین لایجوز وقد صرحوا بہ وکذا الثلاث علی القول بالربع وھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالی ولکن لم ار فی مد الثلاث الا الجواز[1] اھ واعترضہ فی النھر بقول البدائع لو وضع ثلثۃ اصابع و لم یمدھا جاز علی روایۃ الثلاث لا الربع و لو مسح بھا منصوبۃ غیر موضوعۃ ولا ممدودۃ فلا فلو مدھا حتی بلغ القدر المفروض لم یجز عند علمائنا الثلثۃ خلافا لزفر[2] اھ قال وقد وقفت علی المنقول ای ان عدم الجواز قول ائمتنا الثلثۃ فکیف یقول المحقق لم ارفیہ الا الجواز وھو عجیب من مثلہ کما نبہ علیہ فی المنحۃ فان الضمیر فی مدھا للمنصوبۃ و کلام الفتح فی الموضوعۃ۔

اصلاح میں بعض متاخرین نے جو فرمایا ہے اس کو اور پہلے کو ساتھ ہی انہوں نے رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں کا کھینچنا جائز نہ ہو، اور اس کی فقہاء نے تصریح کی ہے اور چوتھائی کے قول پر تین کا کھینچنا بھی جائز نہ ہو، اور یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے، لیکن تین کے کھینچنے میں مجھے جواز ہی ملا ہے اھ اور نہر میں اس پر اعتراض کیا اور بدائع کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر تین انگلیاں رکھیں اور ان کو کھینچا نہیں تو تین کی روایت پر جائز ہے نہ کہ چوتھائی کی روایت پر، اور اگر کھڑی انگلیوں سے مسح کیا' ان کو نہ تو رکھا نہ کھینچا تو جائز نہیں، اور اگر اتنا کھینچا کہ فرض مقدار پُوری ہوگئی تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہ ہوگا امام زفر کا اس میں اختلاف ہے اھ انہوں نے فرمایا کہ میں منقول پر مطلع ہوا ہوں، یعنی عدم جواز ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے، تو محقق کا یہ قول کیونکر درست ہوگا کہ میں نے صرف جواز ہی دیکھا ہے، اور اُن جیسے شخص سے یہ بڑے تعجب کی بات ہے، منحہ میں اسی پر تنبیہ کی ہے کیونکہ "مدھا" میں ھا کی ضمیر "منصوبۃ" کے لیے ہے اور فتح کا کلام "موضوعۃ" کے لیے ہے۔ ت

اقول کان النھر نظر الی ان الصور اربع ثلاث اصابع موضوعۃ او منصوبۃ والکل ممدودۃ اولا وقد ذکر فی البدائع اولا صورتی عدم المد ثم قال فلو مدھا فلیکن الضمیر الی ثلث اصابع مطلقۃ موضوعۃ

میں کہتا ہوں غالباً نہر نے دیکھا کہ صورتیں چار ہیں، تین انگلیاں رکھی ہوئیں یا کھڑی اور سب کھینچی ہوئی یا نہیں، اور بدائع میں پہلے نہ کھینچنے کی دو صورتیں ذکر کی ہیں، پھر کہا کہ "فلو مدھا" تو اس میں ضمیر "ثلث اصابع" کی طرف ہونی چاہیے خواہ وہ رکھی

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶

[2] بدائع الصنائع مطلب مسح الراس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵

اومنصوبة لیستوعب کلامه الصور لکن الشان انه مدع ظفر النقل فیضرہ احتمال العود الی المنصوبة لاسیما وھی الاقرب وقد کشف المراد[1] فی الحلیة حیث قال، فروع، مسح بثلثة اصابع منصوبة لم یجز ولو مدھا حتی بلغ المفروض لم یجز عند علمائنا الثلثة ولو وضعها ولم یمد لم یجز علی روایة الربع ذکرہ فی التحفة والمحیط والبدائع[1] اھ

ہوں یا کھڑی، تاکہ اُن کا کلام تمام صورتوں کا استیعاب کرے، لیکن وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ وہ نقل حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو ضمیر کے منصوبہ کی طرف لوٹنے کا احتمال اُن کے لیے مضر ہوگا اور پھر وہ اقرب بھی ہے، اور حلیہ میں مراد واضح کی ہے فرمایا۔ فروع۔ اگر کسی نے تین کھڑی انگلیوں سے مسح کیا تو جائز نہیں اور اگر ان کو اتنا کھینچا کہ فرض مقدار کو پہنچا دیا تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہیں اور اگر انگلیوں کو رکھا اور نہ کھینچا تو چوتھائی کی روایت پر جائز نہیں، اس کو تحفہ، محیط اور بدائع میں ذکر کیا ہے اھ ت

اقول[2] علی ان ما عدل الیہ بعض المتأخرین لااعرف لہ محصلا فان المراد ان کان الانفصال عن الاصبع فلا یفید الاستعمال لانھا اٰلة وانما یفیدہ الانفصال عن المحل او عن الرأس کلہ فظاھر الغلط او عن موضعہ الذی اصابتہ الاصبع اولا فنعم ولم یشف غلیلا بل کان نظیرا لما عدل عنہ للحکم بحصول الاستعمال مع کون الماء مترددا بعد علی نفس العضو غیر منفصل عنہ وھو باطل لاجرم[3] ان نص فی الخلاصة ثم البحر فیما اذا مسح باطراف اصابعہ ومدھا حتی بلغ المفروض انہ یجوز سواء کان الماء متقاطرا اولا قال وھو الصحیح[2] قال ش قال الشیخ اسمٰعیل ونحوہ فی الواقعات

میں کہتا ہوں بعض متأخرین نے جس کی طرف عدول کیا ہے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں محسوس کرتا ہوں کیونکہ اگر ان کی مراد انگلی سے جدا ہونا ہے تو استعمال کا فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ تو آلہ ہے اس کو تو محل سے جدا ہونا یا کل سر سے جدا ہونا مفید ہے، تو یہ ظاہر اً غلط ہے یا اس کی جگہ سے جہاں انگلی لگی ہے یا نہیں، تو ہاں، مگر اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ نظیر ہوگا اس چیز کی جس سے عدول کیا ہے تاکہ استعمال کے حصول کا حکم ہو حالانکہ پانی متردد ہے عضو پر اس سے جدا نہیں، اور وہ باطل ہے، پھر خلاصہ و بحر میں صراحت ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی انگلیوں کے کناروں سے مسح کیا اور ان کو کھینچا یہاں تک کہ فرض کے مقام کو پہنچا تو یہ جائز ہے خواہ پانی ٹپکے یا نہ ٹپکے اُن دونوں

---

[1] بدائع الصنائع   مطلب مسح الرأس   سعید کمپنی کراچی   ۱/۵

[2] بحر الرائق   کتاب الطہارت   سعید کمپنی کراچی   ۱/۱۵

والفیض[1] ای علی خلاف ما فی المحیط انه انما یجوز اذا کان متقاطرا لان الماء ینزل من اصابعه الی اطرافها فمدہ کاخذ جدید[2]۔

نے کہا کہ وہی صحیح ہے، ش نے فرمایا شیخ اسمٰعیل نے فرمایا نیز واقعات اور فیض میں ہے اھ یعنی محیط کے برعکس کہ یہ اس وقت جائز ہے جبکہ پانی ٹپک رہا ہو کیونکہ پانی اس کی انگلیوں کے کناروں تک ٹپک آئے گا تو اس کا کھینچنا گویا نیا پانی لینے کے مترادف ہے۔ ت

والثانی ما اختار شمس الائمة ان المنع فی مد الاصبع والاثنتین غیر معلل باستعمال البلة بدلیل (ف۱) انه لو مسح باصبعین فی التیمم لایجوز مع عدم شیئ یصیر مستعملا خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد بل الوجه انا مامورون بالمسح بالید والاصبعان لاتسمی یدا بخلاف الثلاث لانها اکثر ماهو الاصل فیها[3] اھ ای فی الید وهی الاصابع (ف۲) ولذا یجب بقطعها ارش الید کاملا ورده المحقق بعد استحسانه (ف۳) بانه یقتضی تعیین الاصابة بالید وهو منتف بمسألة المطر وقد یدفع بان المراد تعیینها او مایقوم مقامها من الاٰلات عند قصد الاسقاط بالفعل اختیارا غیر ان لاتم منه کون تلك الاٰلة قدر ثلاث (ف۴) اصابع حتی لوکان عودا لایبلغ ذلك القدر قلنا بعدم جوازه[4]۔

اور دوسرا وہ ہے جو شمس الائمہ نے اختیار کیا ہے کہ ایک یا دو انگلیوں کے کھینچنے کی ممانعت تری کے استعمال کی وجہ سے نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے دو انگلیوں سے تیمم میں مسح کیا تو یہ جائز نہیں، حالانکہ کوئی چیز ایسی نہیں جو مستعمل ہو خصوصاً جب چکنے پتھر پر تیمم کیا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہاتھ سے مسح کا حکم دیا گیا ہے اور دو انگلیوں کو ہاتھ نہیں کہا جاتا ہے بخلاف تین انگلیوں کے کیونکہ یہ مسح کے اصل میں جو اصل ہے اس کا اکثر حصہ ہیں اھ یعنی ہاتھ اور وہ انگلیاں ہیں اور اسی لئے تین انگلیوں کے کاٹنے پر پورے ہاتھ کی دیت لازم ہوتی ہے اور محقق نے اس کو پسند کرنے کے بعد رد کر دیا، کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ کا لگانا ہی ضروری ہے حالانکہ بارش کے مسئلہ کی وجہ سے ایسا نہیں ہے، اس کا ایک جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ دراصل مراد ہاتھ کی تعیین ہے یا جو اس کے قائم مقام ہو، کوئی بھی آلہ ہو، جبکہ اختیاری فعل سے اسقاط مطلوب ہو، البتہ یہ ضروری ہے کہ جو بھی آلہ ہو تین انگلیوں کی مقدار میں ہو یہاں تک کہ اگر کسی نے ایسی لکڑی پھیری جو اس مقدار کی نہ تھی تو جائز نہ ہوگا اھ

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارت البابی مصر ۱/۳۵ — [2] ایضاً ۱/۴۷

[3] فتح القدیر 〃 نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶ — [4] ایضاً

اقول وحاصله ان الید غیر لازمة ولکن اذا وقع بها لم یجز الا بما ینطلق علیه اسمها ولکن لقائل ان یقول **اولا** (ف۱) مسألة المطر تفیدنا ان مقصود الشرع اصابة البلل القدر المفروض کیفما کان ولا نظر الی الاٰلة ولا الفعل القصدی اصلا وقد قرر مشایخنا ان ذکر الید المقدرة فی قوله تعالٰی وامسحوا برءوسکم ای ایدیکم برءوسکم لتقدیر المحل دون الاٰلة کما حققه الامام صدر الشریعة وابن الساعاتی والمحقق نفسه فی الفتح فلیتأمل (ف۲) **وثانیا** اجمعوا ان لو مسح باطراف اصابعه والماء متقاطر جاز فظهر ان تعیین الاٰلة ملغاة ههنا (ف۳) وان القیاس علی التیمم مع الفارق و **الثالث** مابداه بقوله قد یقال عدم الجواز بالاصبع بناء علی ان البلة تتلاشٰی وتفرغ قبل بلوغ قدر الفرض بخلاف الاصبعین فان الماء ینحمل بین اصبعین مضمومتین فضل زیادة یحتمل الامتداد الی قدر الفرض (ف۴) وهذا مشاهد او مظنون فوجب اثبات الحکم باعتباره فعلی الاکتفاء بثلاث اصابع یجوز مد الاصبعین لان ما بینهما من الماء یمتد قدر اصبع وعلی اعتبار الربع لا یجوز لان ما بینهما مما لا یغلب علی الظن ایعابه الربع اھ[۱]

میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ہاتھ لازم نہیں لیکن جب ہاتھ سے مسح کرنا ہو تو ضروری ہے کہ اتنی مقدار ہو کہ اس پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہو۔ مگر اس پر متعدد طریقوں سے اعتراض ہوسکتا ہے، اوّل بارش کا مسئلہ ہمارے حق میں مفید ہے کیونکہ مقصودِ شرع یہ ہے کہ تری کی ایک معین مقدار لگ جائے خواہ کسی طرح ہو اس میں نہ تو آلہ زیرِ بحث ہے اور نہ اختیاری فعل، اور ہمارے مشایخ فرماتے ہیں کہ فرمانِ الٰہی "اور مسح کرو تم سروں کا" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کا اپنے سروں سے" میں محل مقدر ہے نہ کہ آلہ صدر الشریعۃ، ابن الساعاتی اور خود محقق نے فتح میں یہی تقریر فرمائی ہے، غور کر۔

دوم فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے انگلیوں کے پوروں سے مسح کیا اور اُن سے پانی ٹپک رہا تھا تو جائز ہے، تو معلوم ہوا کہ یہاں آلہ کی تعیین اہم نہیں ہے اور اس کو تیمم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

سوم انھوں نے "عدم الجواز بالاصبع" کہہ کر جو اعتراض کیا ہے سو وہ اس بنا پر ہے کہ تری فرض مقدار تک پہنچنے سے قبل ختم ہوجاتی ہے لیکن دو انگلیاں اگر ملی ہوں تو ان میں فرض مقدار تک پانی پہنچ سکتا ہے، اس کا مشاہدہ ہے یا ظن غالب ہے، تو اس پر اعتبار کرتے ہوئے حکم کا لگا دینا لازم ہوا تو تین انگلیوں پر اکتفا کرنا دو کے پھیر لینے کو جائز قرار دیتا ہے کیونکہ ان دو کے درمیان اتنا پانی موجود ہوتا ہے جو مزید ایک انگلی کی مقدار

---

[۱] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۷

پھیل سکتا ہے اور چوتھائی سر کے اعتبار پر جائز نہیں کیونکہ جو پانی ان دو کے درمیان ہے ظن غالب نہیں کہ وہ چوتھائی کی مقدار کو پورا ہوسکے اھ۔ت

اقول اخر کلامہ یشھد ان مرادہ بقولہ یحتمل الامتداد الی قدر الفرض ھو قدرہ علی القول باجزاء ثلاث فکان الاولی التعبیر بہ دفعا للوھم ثم ان المحقق ردہ بقولہ الا ان ھذا یعکر علیہ عدم جواز التیمم باصبعین اھ[1]

میں کہتا ہوں کہ ان کے کلام کا آخر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ان کی مراد یحتمل الامتداد الی قدر الفرض سے تین انگلیوں کا پھیرنا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اسی سے تعبیر کی جائے تاکہ وہم رفع ہوجائے پھر محقق نے اس کو یہ کہہ کر دفع کیا ہے "مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں سے تیمم جائز نہ ہو اھ ت

اقول ای فلیس ثمہ شیئ یفرغ و یتلاشی اذلا حاجۃ الی اثر غبار علی الید فان کان ففضل غیر ملتفت الیہ شرعا فکان معدوما حکما وان لم یکن فاظھر للعدم حقیقۃ وحکما وھذا معنی قول شمس الائمۃ خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد فھذا کل ما اوردہ المحقق ولم یفصل القول فیہ فصلا۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کوئی چیز ایسی نہیں جو فنا ہوجاتی ہو، کیونکہ ہاتھ پر گرد کے لگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہو تو یہ اضافی امر ہے شرعاً اس کی حاجت نہیں، تو یہ حکما نہ ہوا، اور اگر غبار نہ ہو تو بات زیادہ ظاہر ہوگی کیونکہ درحقیقت اور حکماً دونوں طرح ہی معدوم ہے اور شمس الائمہ کے قول "خصوصا علی الحجر الصلد" کا یہی مفہوم ہے، یہ وہ بحث ہے جو محقق نے کی ہے اور اس میں کسی قول فیصل کو ذکر نہ کیا۔ (ت)

اقول ویرد ایضا علی ما ابداہ ان فناء البلل غیر مطرد لما سمعت تصحیح الخلاصۃ الجواز فی مد الاطراف وان لم یکن الماء متقاطرا مع ان حکم المسألۃ مطلق ویظھر لی واللہ تعالٰی اعلم ان لا مخلص الا ان یقال ان المراد بعدم الاجزاء ما اذا کانت

میں کہتا ہوں اور جو انہوں نے فرمایا اس کی تردید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ تری کا ختم ہوجانا کوئی عمومی امر نہیں، جیسا کہ خلاصہ کی تصحیح میں گزرا کہ مسح انگلیوں کے پوروں کے پھیرنے سے بھی ہوجائیگا خواہ ان سے پانی نہ بہتا ہو، حالانکہ مسئلہ کا حکم مطلق ہے، میرے لیے ظاہر ہوتا ہے (واللہ

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۷

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الرابع فی المسح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۶

البلة خفيفة تفنى باول وضع اوقليل مد حتى لاتبقى الانداوة لاتنفصل عن اليد فتبل الرأس ولعله هو الاكثر وقوعا وبتصحيح الخلاصة ما اذا كانت كثيرة تبقى الى بلوغ القدر المفروض بحيث تنفصل فى كل محل وتصيب وهذا هو مراد المحيط بالتقاطر فتتفق الكلمات وانت اذا نظرت الى الوجه اذعنت بهذا التفصيل كيف ولا معنى لاجزاء الندواة فى الصورة الاولى ولا لاهدار البلة فى الصورة الثانية فليكن التوفيق وبالله التوفيق اما حديث التيمم **فاقول** لابد فيه من قصد المكلف وفعله الاختيارى فيكون لتقرير الامام شمس الائمة فيه مساغ الا ترى انهم صرحوا ان لوتيمم باصبع او اصبعين وكرر مرارا لم يجز كما فى البحر عن السراج عن الايضاح ولو مسح راسه باصبع واحدة وكرر اربعا فى مواضع صح اجماعا فلا يطلب موافقة ما هنا لما فى التيمم حتى يعكر عليه به اذ لا تعين للالة ههنا اصلا بخلاف التيمم وذلك ايضا فى الطريق المعتاد اعنى التيمم باليد والا فقد نص فى الحلية[1] ان لو تمعك فى التراب يجزئه ان اصاب وجهه وذراعيه وكفيه لانه اتى بالمفروض وزيادة والا فلا اه اى يجزئه ان نوى كما

تعالیٰ اعلم) کہ اس اعتراض سے چھٹکارے کی ایک ہی شکل ہے کہ اس سے یہ مراد لی جائے کہ جب تری اتنی کم ہو کہ رکھتے ہی ختم ہو جائے یا تھوڑا سا پھیرنے پر ختم ہو جائے اور محض اتنی باقی رہے کہ ہاتھ تر محسوس ہو اور وہ سر کو تر نہ کر سکے اور غالباً عام طور پر ایسا ہی واقع ہوتا ہے، اور خلاصہ کی تصحیح سے مراد یہ ہو کہ جب تری اتنی زیادہ ہو کہ فرض مقدار تک پہنچنے کے بعد بھی باقی رہے یعنی اس طور پر کہ ہر جگہ جدا ہو اور لگ جائے، اور محیط کی مراد تقاطر سے یہی ہے اس طرح تمام عبارات میں اتفاق ہو جائے گا، اور جو تم علت کو دیکھو گے تو یقین آجائے گا کیونکہ پہلی صورت میں تری کے پھینکنے کے اور کوئی معنی نہیں اور نہ ہی دوسری صورت میں تری کو ضائع کرنے کے، تو اس طرح تطبیق دینی چاہئے وباللہ التوفیق۔

رہی حدیث تیمم، تو اس میں مکلّف کا ارادہ اور اس کا اختیاری فعل ضروری ہے، تب شمس الائمہ کی تقریر اس میں چل سکے گی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے ایک یا دو انگلیوں سے تیمم کیا اور ان کو بار بار پھیرا تو جائز نہیں جیسا کہ بحر میں سراج سے ایضاح سے منقول ہے، اور اگر ایک انگلی سے اپنے سر کا مسح کیا اور چار مختلف جگہوں پر اس کا تکرار کیا تو اجماعاً صحیح ہے، تو اس کی موافقت تیمم کے معاملہ سے نہ کی جائے تاکہ اُس سے اعتراض لازم آئے کیونکہ یہاں آلہ کا تعین بالکل نہیں

[1] حلیہ

لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔ بخلاف تیمم کے، اور یہ بھی معتاد طریق میں ہے، یعنی ہاتھ سے تیمم میں ورنہ حلیہ میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص خاک میں لوٹ پوٹ ہوگیا اور خاک اس کے چہرے، ہاتھوں اور بانہوں کو لگ گئی تو کافی ہے کیونکہ اُس نے نہ صرف فرض ادا کرلیا بلکہ اس سے بھی زیادہ کرلیا، ورنہ نہیں اھ یعنی اگر اس نے نیّت کی ہے تو کافی ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

فتوٰی مسمّٰی بہ

اَلنّمیقۃ الانقٰی فی فرق المُلاقی والمُلقی[13]

ملنے والے اور ڈالے گئے پانی کے فرق میں ایک پاکیزہ تحریر (ت)

مسئلہ ۲۹ رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بے وضو یا جُنب کا ہاتھ یا انگلی یا ناخن وغیرہ لوٹے یا گھڑے میں پڑجائے تو پانی وضو کے قابل رہتا ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں اس سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اور اگر قابلِ وضو نہ رہے تو کس طرح قابل کیا جاسکتا ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی انزل الذکر الملقی علی السیّد الطیّب الطھور الانقی الملاقی ربہ لیلۃ الاسراء علیہ من ربہ الصلاۃ الزھراء وعلی اٰلہ وصحبہ وامتہ وحزبہ الی یوم اللقاء اٰمین۔ راجح ومعتمد یہ ہے کہ مکلّف پر جس عضو کا دھونا کسی نجاستِ حکمیہ مثل حدث وجنابت وانقطاع حیض ونفاس کے سبب بالفعل واجب ہے وہ عضو یا اُس کا کوئی حصہ اگرچہ ناخن یا ناخن کا کنارہ آبِ غیر کثیر میں کہ نہ جاری ہے نہ دہ دردہ بے ضرورت پڑجانا پانی کو قابلِ وضو وغسل نہیں رکھتا یعنی پانی مستعمل ہوجاتا ہے کہ خود پاک ہے اور نجاست حکمیہ سے تطہیر نہیں کرسکتا اگرچہ نجاست حقیقیہ اُس سے دھوسکتے ہیں، یہی قول نجیح ورجیح ہے عامہ کتب میں اس کی تصریح ہے اور یہ خود ہمارے ائمہ ثلٰثہ امام اعظم وامام ابو یوسف وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منصوص ومروی آیا اکابر مشایخ مثل امام ابو عبد اللہ جرجانی وامام ابو الحسین قدوری وامام ملک العلماء ابو بکر کاشانی وامام فقیہ النفس فخر الدین خان قاضی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اُسے ہمارے ائمہ کا مذہب متفق علیہ بتایا۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی ایک تحریر میں اُس پر ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے سوا چالیس ائمہ وکتب کے نصوص نقل کئے اور بعض علمائے متاخرین رحمہم اللہ تعالٰی کو جو اس میں شبہات واقع ہوئے ان کے جواب دیئے۔

یہاں اولاً فوائد قیود اور ان کے متعلق مسائل ذکر کریں۔

ثانیاً اتمام جواب۔

ثالثاً تحقیق مقام وابانت صواب اور اس کے لیے اپنی تحریر مذکور سے رفع حجاب۔

وباللہ التوفیق فی کل باب والحمد للہ الکریم الوھاب۔

فوائد قیود ومسائل مورود

فائدہ ۱: نابالغ اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو جبکہ آثار بلوغ مثل احتلام وحیض ہنوز شروع نہ ہوئے ہوں اُس کا پاک بدن جس پر کوئی نجاست حقیقیہ نہ ہو اگرچہ تمام وکمال آب قلیل میں ڈوب جائے اُسے قابلیت وضو وغسل سے خارج نہ کرے گا لعدم الحدث (ناپاک ہونے کی وجہ سے۔ ت) اگرچہ بحال احتمال نجاست جیسے ناسمجھ بچوں میں ہے بچنا افضل ہے ہاں بہ نیت قربت سمجھ وال بچہ سے واقع ہو تو مستعمل کر دے گا۔

لانہ من اھلھا وقد بینا المسئلۃ فی الطرس المعدل۔

کیونکہ وہ اس کے اہل سے ہے اور ہم نے یہ مسئلہ "الطرس المعدل" میں بیان کر دیا۔ ت

وجیز امام کردری میں ہے:

ادخل صبی یدہ فی الاناء ان علم طھارۃ یدہ بان کان لہ رقیب یحفظہ اوغسل یدہ فھو طاھر وان علم نجاستہ فنجس وان شك فالمستحب ان یتوضأ بغیرہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دع ما یریبك الٰی مالا یریبك المختار ان وضوء الصبی العاقل مستعمل وغیر العاقل لا۔[1]

اگر بچے نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور یہ معلوم ہے کہ اُس کا ہاتھ پاک ہے، مثلاً کوئی شخص بچے کی دیکھ بھال پر متعین ہے یا اُس نے ہاتھ دھویا ہوا تھا، تو یہ پانی پاک ہے اور اگر اُس کے ہاتھ کا ناپاک ہونا معلوم ہے تو پانی ناپاک ہے، اور اگر شک ہے تو مستحب ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کرے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے"۔ مختار یہ ہے کہ عاقل بچہ کا وضو کرنا پانی کو مستعمل بناتا ہے غیر عاقل کا نہیں بناتا۔ (ت) اسی لیے ہم نے مکلّف کی قید لگائی۔

فائدہ ۲: اقول قول بعض پر کہ موت نجاست حکمیہ ہے اگر میت کا ہاتھ یا پاؤں مثلاً آب قلیل میں قبل غسل پڑ جائے اگرچہ بے نیت غسل تو پانی کو مستعمل کر دے گا کہ زوال نجاست کے لیے نیت کی حاجت نہیں اگرچہ احیاء پر سے

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ المعروف الوجیز الکردری علی الھندیۃ نوع فی المستعمل والمقید المطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹

اس فرض کفایہ کے سقوط کو اُن کی جانب سے وقوعِ فعل قصدی لازم ہے ولہذا اگر میت دریا میں ملے تو جب تک احیا اپنے قصد سے اسے پانی میں جنبش نہ دیں اُن پر سے فرض نہ اُترے گا مگر میت کے سب بدن پر پانی گزر گیا تو اُسے طہارت حاصل ہوگئی یونہی بے غسل دیے اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور خاص غسلِ میت کی نیت تو احیا پر بھی ضرور نہیں اپنا قصدی فعل کافی ہے یہی اس مسئلہ میں توفیق و تحقیق ہے درمختار میں ہے:

(ان غسل) المیت (بغیر نیۃ اجزأ) لطھارتہ لا لاسقاط الفرض عن ذمۃ المکلفین (و) لذا قال (لو وجد میت فی الماء فلابد من غسلہ ثلثا) لانا امرنا بالغسل فیحرکہ فی الماء بنیۃ الغسل ثلثا فتح و تعلیلہ یفید انھم لو صلوا علیہ بلا اعادۃ غسلہ صح وان لم یسقط وجوبہ عنھم فتدبر[1]۔

(اگر غسل دیا) میت کو (بغیر نیت کے تو کافی ہے) اُس میت کی طہارت کے لیے نہ کہ فرض کو مکلف لوگوں سے ساقط کرنے کے لیے (اور) اسی لیے فرمایا (اگر کوئی مردہ پانی میں ملا تو بھی اس کو تین مرتبہ غسل کرانا ضروری ہے) کیونکہ ہمیں غسل دینے کا حکم دیا گیا ہے تو اُس مردہ کو پانی میں تین مرتبہ بنیتِ غسل حرکت دینی چاہیے، فتح۔ اور جو وجہ اُنھوں نے بیان کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کی نماز جنازہ اُس کے غسل کے اعادہ کے بغیر پڑھ لی گئی تو لوگوں سے جنازہ کا وجوب ساقط ہو جائیگا اگرچہ ان سے غسل کا وجوب ساقط نہ ہوگا، فتدبر۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

الماء مزیل بطبعہ فکما لاتجب النیۃ فی غسل الحی فکذا لاتجب فی غسل المیت ولہذا قال فی فتاوی قاضی خان میت غسلہ اھلہ من غیر نیۃ الغسل اجزأھم ذلک[2]۔

پانی اپنی طبیعت کی وجہ سے زائل کرنے والا ہے تو جس طرح زندہ شخص کے غسل میں نیت لازم نہیں اسی طرح مُردہ کے غسل میں بھی نہیں، اسی لیے قاضی خان میں فرمایا کہ اگر کسی مُردہ کو اس کے گھروالوں نے بلا نیتِ غسل دے دیا تو کافی ہے۔ ت

ردالمحتار میں ہے:

وصرح فی التجرید والاسبیجابی والمفتاح بعدم اشتراطھا ایضا[3]۔

تجرید، اسبیجابی اور مفتاح میں بھی نیت کے شرط نہ کرنے کی تصریح ہے۔ ت

---

[1] الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۰

[2] عنایۃ مع الفتح فصل فی الغسل للمیت نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۷۴

[3] ردالمحتار 〃 البابی مصر ۱/ ۶۳۵

اُسی میں ہے:

قال فی التجنیس لابد من النیۃ فی غسلہ فی الظاھر وفی الخانیۃ اذا جری الماء علی المیت او اصابہ المطر عن ابی یوسف لاینوب عن الغسل لانا امرنا بالغسل و ذلک لیس بغسل وفی النہایۃ والکفایۃ وغیرھما لابد منہ الا ان یحرکہ بنیۃ الغسل اھ ثم نقل توفیق الفتح باستظہار ان اشتراطہا لاسقاط وجوبہ عن المکلف لا لتحصیل طہارتہ ھو وشرط صحۃ الصلاۃ علیہ اھ ثم منازعۃ الغنیۃ لہ بان ماعن ابی یوسف یفید ان الفرض فعل الغسل منا حتی لو غسلہ لتعلیم الغیر کفی ولیس فیہ مایفید اشتراط النیۃ لاسقاط الوجوب بحیث یستحق العقاب بترکہا و قد تقرر فی الاصول ان ما وجب لغیرہ من الافعال الحسیۃ یشترط وجودہ لا ایجادہ کالسعی والطہارۃ نعم لاینال ثواب العبادۃ بدونہا اھ قال واقرہ الباقانی وایدہ بما فی المحیط لو وجد المیت فی الماء لابد من غسلہ لان الخطاب یتوجہ الی بنی اٰدم ولم یوجد منہم فعل اھ فتلخص انہ لابد فی اسقاط الفرض من الفعل واما النیۃ فشرط لتحصیل الثواب ولذا صح تغسیل الذمیۃ زوجہا المسلم مع ان النیۃ شرطہا الاسلام فیسقط الفرض عنا بفعلنا بدون نیۃ وھو المتبادر من قول الخانیۃ اجزاھم ذلک اھ[1]

اور تجنیس میں ہے کہ ظاہر قول کے مطابق مردہ کے غسل میں نیت ضروری ہے، اور خانیہ میں ہے اگر میّت پر پانی بہ گیا یا بارش پڑ گئی تو ابو یوسف سے منقول ہے کہ یہ غسل شمار نہ ہوگا، کیونکہ ہمیں غسل کا حکم دیا گیا ہے اور یہ غسل نہیں ہے، اور نہایہ وکفایہ وغیرہما میں ہے کہ مردہ کو ایسی صورت میں بہ نیت غسل حرکت دینا لازم ہے۔ پھر انھوں نے فتح کی تطبیق نقل کی اور یہ بھی ذکر کیا کہ حرکت دینے کی شرط اس لیے ہے کہ غسل کا وجوب مکلف سے ساقط ہوجائے، یہ نہیں کہ مردہ پاک ہوجائے، اور نہ یہ اُس پر نماز کی صحت کی شرط ہے اھ پھر اُن کا غنیہ سے یہ جھگڑا کرنا کہ جو نقل ابو یوسف کی گزری اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض یہ ہے کہ ہم زندہ لوگ اُس مُردہ کو غسل دیں یہاں تک کہ اگر مُردہ کو دُوسروں کو سکھانے کی غرض سے غسل دیا تو کافی ہوگا مگر اس میں یہ موجود نہیں ہے کہ نیت بھی اسقاطِ واجب کے لیے شرط ہے کہ اگر نہ ہو تو وُہ عذاب کا مستحق ہو، اور اصول میں یہ مقرر ہے کہ جو افعال حسیہ غیر کے لیے واجب ہوں تو اُن کا وجود ضروری ہے نہ کہ ایجاد ان کے موجود ہونے کیلئے ضروری ہے، جیسے کہ سعی اور طہارت، ہاں نیت کے بغیر عبادت کا ثواب نہیں ملے گا اھ فرمایا اس کو باقانی نے مقرر رکھتے ہوئے اس کی تائید محیط سے کی ہے، محیط میں ہے کہ اگر میّت پانی میں پائی گئی تو بھی اس کا غسل ضروری ہے کیونکہ خطاب بنو آدم کو ہے اور اُن سے کوئی فعل پایا نہیں گیا اھ تو خلاصہ یہ نکلا کہ اسقاط فرض میں

[1] ردالمحتار فصل فی الغسل المیت البابی مصر ۱/۶۶۳

کسی نہ کسی فعل کا ہونا ضروری ہے اور نیت حصولِ ثواب کے لیے شرط ہے، اس لیے ذمی عورت اپنے مسلمان شوہر کو غسل دے سکتی ہے حالانکہ نیت کے لیے اسلام شرط ہے تو فرض ہمارے فعل سے ساقط ہو جائے گا خواہ نیت نہ ہو اور خانیہ کے قول أجزأهم سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اھ۔ ت

اقول هذا كله على التبادر من ارادة النية الشرعية اما لو حملت على قصد الفعل ارتفع النزاع فان المامور به المكلف لايكون الافعله الاختيارى فما وقع عنه من دون قصد منه لايخرجه عن عهدة ايجاب الفعل و غسل الميت له وجهان وجه الى الشرطية و هو عدم صحة الصلاة عليه بدون الطهارة و هذا مايكفى فيه وجوده بلا ايجاده كطهارة الحى ووجه الى الفرضية علينا ولا يتأتى الا بفعل توقعه قصدا ولو لم تقصد العبادة المامور بها وهذا معنى قول ابى يوسف لانا امرنا بالغسل وقول المحيط ان الخطاب يتوجه الى بنى آدم وبهذا اتفق الكلمات ويظهر مافى كلام الغنية ولله الحمد۔

میں کہتا ہوں یہ سب نیت شرعیہ کے ارادہ سے تبادر ہے اور اگر نیت سے مراد ارادۂ فعل لیا جائے تو اختلاف ختم ہو جائے گا، کیونکہ مکلّف کو جو حکم دیا گیا ہے وُہ اس کا فعل اختیاری ہوگا اور جو اُس سے بلا قصد و اختیار سرزد ہو وہ ایجابِ فعل کی ذمہ داری سے اس کو عہدہ برآ نہیں کر سکتا، اور غسلِ میت کی دو وجہیں ہیں ایک تو شرطیہ کی طرف اور وہ یہ ہے کہ اس پر نماز بلا طہارت جائز نہیں، اور اس صورت میں غسل کا وجود کافی ہے خواہ اس کی طرف سے ایجاد نہ ہو جیسے زندہ انسان کی پاکی، اور ایک وجہ ہم پر فرضیت کی ہے، اور یہ اُسی فعل سے ادا ہو سکتی ہے جو قصد کیا ہے اگرچہ مامور بہا عبادت کا قصد نہ کیا جائے، اور یہی مفہوم ہے حضرت امام ابو یوسف کے قول "اس لیے کہ ہم کو غسل کا حکم دیا گیا ہے" کا، اور محیط کے اس قول "کہ خطاب بنو آدم کی طرف متوجہ ہے" کا بھی یہی مفہوم ہے، اس طرح مختلف اقوال میں تطبیق ہو جائے گی، اور جو غنیہ میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا وللہ الحمد۔ ت

اسی لیے ہم نے مکلف پر جس عضو کا دھونا واجب کہا نہ مکلف کا عضو کہ میت مکلف نہیں۔

فائدہ ۳: عورت ابھی حیض یا نفاس میں ہے خون منقطع نہ ہوا اس حالت میں اگر اس کا ہاتھ یا کوئی عضو پانی میں پڑ جائے مستعمل نہ ہوگا کہ ہنوز اس پر غسل کا حکم نہیں و المسألة فى الخانية و الخلاصة و البحر وغيرها اس لیے ہم نے بالفعل کی قید ذکر کی۔

فائدہ ۴: جس عضو کا جہاں تک پانی میں ڈالنا بضرورت ہو اُتنا معاف ہے پانی کو مستعمل نہ کرے گا مثلاً:

(۱) پانی لگن یا چھوٹے حوض میں ہے کہ دہ در دہ نہیں اور کوئی برتن نہیں جس سے نکال کر وضو کرے تو چلو لینے کے لیے

اُس میں ہاتھ ڈالنے سے مستعمل نہ ہوگا۔

(۲) اسی صورت میں اگر ہاتھ مثلاً کہنی یا نصف کلائی تک ڈال کر چلّو لیا یعنی جس قدر کے ادخال کی چلو میں حاجت نہ تھی مستعمل ہوجائے گا کہ زیادت بے ضرورت واقع ہوئی۔

(۳) کوئی یا مٹکے میں کٹورا ڈوب گیا اُس کے نکالنے کو جتنا ہاتھ ڈالنا ہو مستعمل نہ کرے گا اگرچہ بازو تک ہو کہ ضرورت ہے۔

(۴) برتن میں پاؤں پڑگیا پانی مستعمل ہوگیا کہ اس کی ضرورت نہ تھی۔

(۵) کنوئیں یا حوض میں ٹھنڈ لینے کو غوطہ مارا یا صرف ہاتھ یا پاؤں ڈالا مستعمل ہوگیا کہ ضرورت نہیں۔

(۶) برتن یا حوض میں ہاتھ ڈالا تو تھا چلّو لینے کو پھر اُس میں ہاتھ دھونے کی نیت کرلی مستعمل ہوگیا کہ حوض میں دھونا بضرورت نہ تھا صرف چُلّو لینے کی حاجت تھی۔

(۷) کنوئیں سے ڈول نکالنے گھسا اور وہاں غسل یا وضو کی نیت کرلی بالاتفاق مستعمل ہوگیا اگرچہ امام محمد نے ڈول نکالنے کے لیے اجازت دی تھی کہ قصد طہارت کی ضرورت نہ تھی وقس علیہ۔

فتح القدیر میں ہے:

لو ادخل المحدث او الجنب او الحائض التی طھرت الید فی الماء للاغتراف لایصیر مستعملا للحاجۃ بخلاف ما لو ادخل المحدث رجلہ او رأسہ حیث یفسد الماء لعدم الضرورۃ وفی کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان غمس جنب او غیر متوضیٔ یدیہ الی المرفقین او احدی رجلیہ فی اجانۃ لم یجز الوضوء منہ لانہ سقط فرضہ عنہ وذلک لان الضرورۃ لم تتحقق فی الادخال الی المرفقین حتی لو تحققت بان وقع الکوز فی الجب فادخل یدہ الی المرفق لاخراجہ لایصیر مستعملا نص علیہ فی الخلاصۃ قال بخلاف ما لو ادخل یدہ للتبرد لعدم الضرورۃ ثم ادخال مجرد الکف انما لایصیر مستعملا اذا لم یرد الغسل فیہ بل اراد رفع

اگر بے وضو، جنب یا پاک ہوجانے والی حائض عورت نے اپنا ہاتھ چلّو بھر پانی لینے کے لیے پانی میں ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورۃً کیا گیا ہے، لیکن اگر بے وضو نے اپنا سر یا پیر اس پانی میں ڈال دیا تو مستعمل ہوجائے گا کیونکہ بغیر ضرورت ہوا، اور حسن کی کتاب جو ابوحنیفہ سے ہے میں ہے کہ اگر جنب یا بے وضو نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈالے تو اُس سے وضو جائز نہیں کیونکہ اس طرح اس کا فرض اس سے ساقط ہوگیا کیونکہ کہنیوں تک ہاتھوں کو ڈبونے کی کوئی ضرورت نہ تھی ہاں اگر یہ ضرورت ہو، مثلاً لوٹا کنوئیں میں گر پڑا اس کو نکالنے کے لیے ہاتھ کہنیوں تک اس میں ڈالنا پڑا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، یہ خلاصہ میں منصوص ہے، فرمایا اگر ہاتھ محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے بلا ضرورت ڈالا تو اس کا یہ حکم نہیں، کیونکہ وہاں ضرورت نہیں، پھر

الماء وفی المبتغی وغیرہ بتبردہ یصیر مستعملا انکان محدثاً والافلا[1] اھ باختصار۔

محض ہاتھ کا ڈالنا پانی کو مستعمل نہیں کردیتا ہے جبکہ غسل کا ارادہ نہ ہو، مثلاً یہ کہ پانی اٹھانے کا ارادہ ہو، اور مبتغی وغیرہ میں ہے ٹھنڈک حاصل ہونے سے مستعمل ہوجائے گا اگر بے وضو ہو ورنہ نہیں اھ۔ ت

ردالمحتار میں زیرقول شارح محدث انغمس فی بئر لدلو ولم ینو[2] (بے وضو جس نے ڈول نکالنے کیلئے کنویں میں غوطہ لگایا اور نیت نہ کی۔ ت) فرمایا:

لم ینو ای الاغتسال فلونواہ صار مستعملا بالاتفاق الا فی قول زفر سراج والمراد لم ینو بعد الانغماس فلاینافی قولہ لدلو افادہ ط[3]۔

نیت نہ کی یعنی غسل کی، اگر غسل کی نیت کی تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوجائے گا مگر زفر کے قول میں، سراج۔ اور مراد یہ ہے کہ غوطہ کھانے کے بعد نیت نہ کی تو ان کے قول لدلو کے منافی نہیں، اس کا افادہ "ط" نے کیا۔ ت

ولہذا ہم نے بے ضرورت کی قید لگائی۔

فائدہ ۵: امام ابویوسف سے روایت معروفہ یہ ہے کہ عضو کا ٹکڑا ڈوب جانے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا جب تک پورا عضو نہ ڈوبے، مثلاً انگلیاں پانی میں ڈالیں تو مستعمل نہ ہوگا کفِ دست کے ڈوبنے سے حکمِ استعمال دیا جائے گا اور صحیح یہ ہے کہ بے ضرورت کتنا ہی ٹکڑا مستعمل کردے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

لوادخل الجنب فی البئر غیر الید والرجل من الجسد افسدہ لان الحاجۃ فیہما وقولنا من الجسد یفید الاستعمال بادخال بعض عضو وھو یوافق المروی عن ابی یوسف فی الطاھر اذا ادخل رأسہ فی الاناء وابتل بعض رأسہ انہ یصیر مستعملا اما الروایۃ المعروفۃ عن ابی یوسف انہ لایصیر مستعملا ببعض العضو[4]۔

اگر جنب نے کنویں میں ہاتھ پیر کے علاوہ کوئی عضو ڈالا تو پانی فاسد ہوجائے گا، کیونکہ ضرورت صرف انہی دو میں ہے اور ہمارا قول من الجسد بعض عضو کے داخل کرنے سے مستعمل ہونے کا فائدہ دیتا ہے، اور وہ ابویوسف سے مروی شدہ قول کے موافق ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پاک شخص نے کسی برتن میں اپنا سر ڈالا اور اس کا کچھ حصہ تر ہوگیا تو مستعمل ہوگا، اور ابویوسف سے جو روایت معروف ہے وہ یہ ہے کہ عضو کے بعض حصہ سے مستعمل نہ ہوگا۔ ت

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۶

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۸

[4] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۸

اُسی میں اس سے کچھ پہلے ہے:

ان کان اصبعا او اکثر دون الکف لا یضر و مع الکف بخلافہ ذکرہ فی الخلاصۃ ولا یخلو من حاجۃ الی تأمل وجہہ[1]

اگر انگلی یا اس سے زیادہ ہو اور ہتھیلی سے کم ہو تو مضر نہیں اور ہتھیلی کے ساتھ اس کے برعکس ہے، اس کو خلاصہ میں ذکر کیا، اس میں ضرورت ہے کہ اس کی وجہ پر غور کیا جائے۔ ت

وجیز امام کردری میں ہے:

المعروف عن الامام الثانی عدم الفساد ما لم یصر عضوا تاما والفساد ھو الظاھر[2] اھ۔

امام ثانی سے مشہور یہ ہے کہ جب تک پورا عضو داخل ہو فساد نہیں، حالانکہ فساد ظاہر ہے۔ ت

اقول الحق ان المناط الحاجۃ فحیث کانت تندفع ببعض العضو فادخل کلہ یصیر مستعملا ولعل ھذا ھو محمل تلک الروایۃ ان ادخال الاصابع للاغتراف لا یفسد بخلاف الکف ولھذا قال فی الخانیۃ من باب الوضوء ان لم تکن معہ اٰنیۃ صغیرۃ فانہ یغترف من التور باصابع یدہ الیسری مضمومۃ لا بالکف[3]۔

میں کہتا ہوں حق یہ ہے کہ حکم کی علت حاجت ہے تو جہاں ضرورت عضو کے بعض حصے سے پوری ہو جاتی ہو وہاں اگر کل عضو ڈال دیا تو پانی مستعمل ہو جائے گا اور شاید یہ اُس روایت کا محمل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چُلّو بھر کر پانی لینے کے لئے انگلیوں کا ڈالنا پانی کو فاسد نہیں کرتا بخلاف ہتھیلی کے، اس لئے خانیہ کے باب وضو میں ہے اگر اس کے پاس چھوٹا برتن نہ ہو تو طشت سے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر پانی نکال لے ہتھیلی نہ ڈالے۔ ت

ولہذا ہم نے حکم عام رکھا باقی فوائد ہمارے رسالہ الطرس المعدل سے ظاہر ہیں اُسے قابلِ وضو کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ اپنی مقدار سے زائد آبِ طاہر مطہر میں ملا دیا جائے سب قابلِ وضو ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

غلبۃ المخالط لو مماثلا کمستعمل فبالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر

ملنے والے پانی کا غلبہ اگر اسی کی مثل ہو جیسے مستعمل پانی تو اعتبار اجزاء (مقدار) کا ہوگا، اگر مطلق نصف سے زیادہ

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

[2] بزازیۃ مع الہندیۃ نوع فی المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۹

[3] خانیۃ مع الہندیۃ صفۃ الوضوء ؍؍ ۱/۲۳

بالکل والالاء[1] تو سب سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ ت

دوسرے یہ کہ اُس میں طاہر مطہر پانی ڈالتے رہیں یہاں تک کہ اُس کا برتن بھر کر اُبلے اور بہنا شروع ہو سب طاہر مطہر ہوجائے گا کہ اس طرح پاک پانی کے ساتھ بہانے سے ناپاک پانی پاک ہوجاتا ہے تو غیر مطہر کا مطہر ہوجانا بدرجۂ اولٰی
درمختار میں ہے:

المختار طہارۃ المتنجس بمجرد جریانہ[2]

مختار قول یہ ہے کہ نجس پانی محض جاری ہونے سے پاک ہوجائے گا۔ ت

ردالمحتار میں ہے:

بمجرد جریانہ بان یدخل من جانب ویخرج من اٰخر حال دخولہ وان قل الخارج بحر ولایلزم ان یکون ممتلئا اول وقت الدخول لانہ اذاکان ناقصا فدخل الماء حتی امتلأ وخرج بعضہ طہر ایضا کما حققہ فی الحلیۃ[3]۔

محض اس کے جاری ہونے سے، کہ ایک طرف سے داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے اس کے داخل ہونے کی حالت میں، اگرچہ خارج کم ہو، بحر' یہ ضروری نہیں کہ داخل ہوتے وقت بھرا ہوا ہو، کیونکہ جب ناقص ہوگا اور پانی داخل ہوکر برتن بھر جائے پھر پانی نکل جائے تو بھی یہ پانی پاک ہوجائے گا، جیسا کہ حلیہ میں تحقیق کی۔ ت

بدائع میں ہے:

وعلی ھذا حوض الحمام او الاوانی اذا تنجس[4]۔

اور اسی پر حمام کے حوض کو قیاس کیا جائے یا برتنوں کو جب وہ ناپاک ہوجائیں۔ ت

شامی میں ہے:

مقتضاہ انہ علی قول الصحیح تطہر الاوانی ایضا بمجرد الجریان وقد علل فی البدائع ھذا القول بانہ صار ماء جاریا فاتضح الحکم وللہ الحمد[5] اھ وتمامہ فیہ۔

اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ قول صحیح پر برتن بھی محض پانی کے بہنے سے پاک ہوجائیں گے، اور اس کی وجہ بدائع میں یہ بیان کی ہے کہ یہ جاری پانی ہوگیا، تو جاری پانی کا حکم اس پر لاگو ہوگا، تو حکم ظاہر ہوگیا وللہ الحمد اھ اور اس کی مکمل بحث اُسی میں ہے۔ ت

---

[1] درمختار، باب المیاہ، مجتبائی دہلی ۱/۳۴ [2] ایضاً ۱/۳۶
[3] ردالمحتار ″ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳ [4] ایضاً ۱/۱۴۴
[5] ایضاً

بعض لوگوں کا کہنا کہ اس سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اگر پینے کے حق میں مراد تو مذہب صحیح پر مبنی ہے کہ ماءِ مستعمل طاہر ہے مطہر نہیں اُس سے وضو نہ ہوگا اور پینا مکروہ۔ حلیہ پھر شامی میں ہے: بلعه ایاه مکروه[1] (اس کا اس کو نگلنا مکروہ ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

هو طاهر ولو من جنب وهو الظاهر لكن يكره شربه والعجن به تنزيها للاستقذار وعلى رواية نجاسته تحريما[2]۔

وہ پاک ہے خواہ جنب سے ہی ہو اور یہی ظاہر ہے لیکن اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس سے گھن آتی ہے، اور نجس ہونے کی روایت پر مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

اور اگر وضو کے حق میں مقصود یعنی اس سے وضو ہوجائے گا مگر مکروہ ہے تو مذہب غیر صحیح پر مبنی ہے صحیح یہی ہے کہ اس سے پانی مستعمل ہوجائے گا اور اُس سے وضو صحیح نہ ہوگا نہ یہ کہ صرف کراہت ہو کما سنحققه بتوفیق الله تعالٰی قد ان اوانه بتوفیقه عزشانه۔

تحقیق المقام بفضل الملك العلام اقول

وبالله التوفيق ان الفروع متوافرة والنقول عن ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم وممن بعدهم متظافرة ونصوص معتمدات الشروح والفتاوٰی متواترة شاهدات علی ان المحدث اذا ادخل عضوه قبل غسله فی ماء قليل فانه يجعل الماء مستعملا الا ما كان عن ضرورة فحقق قال فی الفتح بعد اقامة البينة علی ان رفع الحدث ايضا مغير للماء وان لم تكن معه نية قربة ما نصه وبهذا يبعد قول محمد انه التقرب فقط الا ان يمنع كون هذا مذهبه كما قال شمس الائمة قال لانه ليس بمروی

میں بفضلہ تعالٰی کہتا ہوں کہ متوافر فروع اور ہمارے تینوں ائمہ اور بعد کے علماء کی نقول اور متون و شروح معتمدہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو شخص جب اپنا کوئی عضو دھوئے بغیر تھوڑے پانی میں ڈالے گا تو وہ پانی مستعمل ہوجائے گا، ہاں ضرورتًا ایسا کرنا معاف ہے، فتح میں اس امر پر دلیل قائم کی ہے کہ رفعِ حدث بھی پانی میں تغیر پیدا کردیتا ہے خواہ اس میں تقرب کی نیت ہو، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس سے امام محمد کا قول کہ صرف تقرب سے متغیر ہوتا ہے، بعید ہوجاتا ہے ان کا مذہب نہ مانا جائے، جیسا کہ شمس الائمہ نے فرمایا کیونکہ یہ اُن سے مروی نہیں ہے، اور اُن سے صحیح یہ ہے کہ حدث کا پانی سے زائل کرنا پانی کو فاسد کردیتا ہے،

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[2] ایضاً

عند والصحیح عندہ ان ازالۃ الحدث بالماء
مفسد له ومثله عن الجرجانی وما استدلوا
به علیه من مسألۃ المنغمس لطلب الدلو حیث
قال محمد الرجل طاهر والماء طاهر جوابه ان
الازالۃ عندہ مفسدۃ الا عند الضرورۃ والحاجۃ
کقولنا جمیعا لو ادخل المحدث او الجنب او الحائض
التی طهرت الید فی الماء للاغتراف لا یصیر
مستعملا للحاجۃ بخلاف ما لو ادخل رجله
او رأسه حیث یفسد الماء لعدم الضرورۃ وفی
کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ ان غمس جنب او
غیر متوضئ یدیه الی المرفقین او احدی رجلیه
فی اجانۃ لم یجز الوضوء منه لانه سقط فرضه
عنه وذلك لان الضرورۃ لم تتحقق فی الادخال
الی المرفقین حتی لو تحققت بان وقع الکوز
فی الجب فادخل یدہ الی المرفق لاخراجه
لا یصیر مستعملا نص علیه فی الخلاصۃ
قال بخلاف ما لو ادخل یدہ للتبرد یصیر
مستعملا لعدم الضرورۃ اھ[1] وفی التبیین[2]
نحوہ وزاد معللا لمحمد فی مسألۃ البئر ان
وقوع الدلو فی البئر یکثر والجنابۃ تکثر ایضا
فلو اغتسل للاخراج الدلو کلما وقع یحرجون اھ
وفی الخانیۃ اتفق اصحابنا رحمهم الله تعالی

اور اسی کی مثل جرجانی سے منقول ہے، انہوں نے اُس شخص
سے استدلال کیا ہے جو ڈول نکالنے کے لیے پانی میں غوطہ
لگائے۔ امام محمد نے اس شخص کی بابت فرمایا مرد بھی پاک ہے
اور پانی بھی پاک، اس کا جواب یہ ہے کہ ازالۂ حدث اُن
کے نزدیک پانی کو فاسد کر دیتا ہے مگر ضرورتاً نہیں کرتا ہے
جیسا کہ ہم سب کہتے ہیں کہ اگر بے وضو، ناپاک یا حائض جو
پاک ہو گئی ہو اگر پانی میں ہاتھ ڈال کر چلو بھریں تو ضرورت
کی وجہ سے یہ پانی مستعمل نہ ہوگا، ہاں اگر سر یا پیر ڈالا
تو پانی فاسد ہو جائے گا کہ یہاں ضرورت نہیں ہے۔
اور حسن کی کتاب میں ابو حنیفہ سے ہے کہ اگر جنب یا بے وضو
شخص نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک یا ایک پیر برتن میں
ڈالا تو اس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اس کا فرض ساقط
ہوا ہے کیونکہ دونوں کہنیوں تک ڈبونے کی کوئی ضرورت
نہ تھی، ہاں اگر ضرورت پائی گئی مثلاً لوٹا تالاب میں تھا
تو اس کو نکالنے کے لیے کہنیوں تک ہاتھ ڈالے تو پانی
مستعمل نہ ہوگا، خلاصہ نے اس کی تصریح کی ہے فرمایا
بخلاف اس کے کہ اگر ہاتھ ٹھنڈک حاصل کرنے کو ڈبوئے
تو پانی ضرورت نہ پائے جانے کی وجہ سے مستعمل ہو جائیگا
اھ اور تبیین میں بھی ایسا ہی ہے اور امام محمد کے کنویں کے
مسئلہ میں باضافۂ دلیل اس طرح بیان کیا ہے کہ کنویں
میں ڈول کا گرنا بکثرت ہوتا ہے اور جنابت بھی بکثرت
ہوتی ہے تو اگر ہر مرتبہ ڈول نکالنے کے لیے غسل ضروری ہو

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز به الوضوء وما لا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۵

فی الروایات الظاھرۃ علی ان الماء المستعمل فی البدن لایبقی طھورا واختلفوا ھل یصیر مستعملا لسقوط الفرض اذا قصد التبرد او اخرج الدلو من البئر قال ابوحنیفۃ وابویوسف رحمھما اللہ تعالٰی یصیر مستعملا وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی المشھور عنہ لا[1] ای للضرورۃ کما مر اما الامام فلم یعتبر الضرورۃ ھنا لندرۃ الاحتیاج الی الانغماس بخلاف الاحتیاج الی الاغتراف بالید[2] اھ ش والتعلیل بالضرورۃ مقصور علی نحو طلب الدلو اما التبرد فلما اشتھر عن محمد من القصر علی القربۃ ومشی علیہ فی الخانیۃ فلذا ذکرہ وتبعہ البحر والنھر والدر۔

تو لوگ تنگی میں پڑ جائیں گے اھ اور خانیہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب روایات ظاہرہ میں اس امر پر متفق ہیں کہ جو پانی بدن پر مستعمل ہو وہ طہور نہ رہے گا اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر ہاتھ ٹھنڈا کرنے کے لیے یا ڈول نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا تو آیا سقوطِ فرض کی وجہ سے مستعمل ہوگا یا نہیں؟ ابوحنیفہ اور ابویوسف کا قول ہے کہ مستعمل ہوجائے گا اور محمد سے مشہور روایت یہ ہے کہ نہ ہوگا اھ یعنی ضرورت کی وجہ سے جیسا کہ گزرا، مگر امام نے یہاں ضرورت کا اعتبار نہ کیا، کیونکہ غوطہ لگانے کی حاجت شاذ ہی ہوتی ہے ہاں ہاتھ سے چلّو بھرنا عموماً ہوتا ہے اھ ش اور ضرورت کی علت ڈول طلب کرنے پر منحصر ہے ٹھنڈک کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ محمد سے یہ روایت مشہور ہوئی کہ وہ صرف ادائے قربۃ کو وجہِ استعمال قرار دیتے ہیں اور خانیہ میں بھی یہی ہے تو اسی لیے اس کو ذکر کیا اور بحر، نہر اور دُر نے اس کی پیروی کی۔ ت

اقول ف۱ وھذا عجب بعد مشیھم علی ان الصحیح ان محمدا لایقصر التغیر علی التقرب قال ش قدمنا ان ذلک خلاف الصحیح عندہ فلذا اقتصر فی الھدایۃ علی قولہ لطلب الدلو[3] اھ

میں کہتا ہوں یہ امر باعثِ تعجب ہے کیونکہ وہ اس امر کو مانتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ محمد پانی کے تغیر کو قربۃ تک ہی محدود نہیں رکھتے۔ "ش" نے فرمایا ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ یہ اُن کے نزدیک صحیح کے خلاف ہے اس لیے ہدایہ میں صرف ڈول کی تلاش کے مسئلہ پر اکتفاء کیا ہے اھ ت

اقول ف۲ الھدایۃ ایضا من الماشین کالخانیۃ وکثیرین علی ان محمدا لایجعل السبب الا التقرب وقد ذکرناہ فی الطرس

میں کہتا ہوں ہدایہ بھی پیروی کرنے والا ہے، جیسے صاحبِ خانیہ ہیں اور بہت سے دوسرے فقہاء کہ امام محمد سبب صرف تقرب کو قرار دیتے ہیں

---

[1] فتاوٰی خانیہ علی العالمگیری الماء المستعمل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴

[2] ردالمحتار باب المیاہ ۱/ ۱۴۹ [3] ایضاً ۱/ ۱۴۸

المعدل فليس اقتصاره على ذكر الطلب لما ذكر وفيها (اى فى الخانية ۱۲) من فصل ما يقع في البئر المحدث اذا غسل اطراف اصابعه ولم يغسل عضوا تاما اشار الحاكم رحمه الله تعالى في المختصر الى انه يصير مستعملا[1] وفي وجيز الامام الكردري ادخل الجنب او الحائض فيه (اى فى الماء) يده للاغتراف اورفع الكوز منه لا يفسده للضرورة بخلاف ادخاله للتبرد[2] وفي الكافي انما لم يحكم محمد باستعمال الماء في مسألة البئر للضرورة فانهم لو جاؤا بمن يطلب دلوهم لا يمكنهم ان يكلفوه بالاغتسال اولا[3] اھ وفي الخلاصة معزيا للاصل ونحوه في الخانية وعنها في الغنية واللفظ لفقيه النفس مختصرا ادخل يده للاغتراف لا يفسد الماء وكذا اذا ادخل يده في الجب الى المرفق لاخراج الكوز ويده ورجليه في البئر لطلب الدلو لمكان الضرورة ولو للتبرد يصير مستعملا لانعدام الضرورة[4] اھ وفي الحلية قال القدوري كان شيخنا ابو عبدالله يقول الصحيح عندي من مذهب اصحابنا ان ازالة الحدث توجب استعمال الماء ولا معنى لهذا الخلاف اذ لا

اور ہم اس کو "الطرس المعدل" میں بیان کر چکے ہیں تو ان کا طلب پر اکتفاء اس سبب سے نہیں جو ذکر کیا اور خانیہ کی فصل مایقع فی البئر میں ہے، بے وضو نے اگر اپنی انگلیوں کے کناروں کو دھویا اور پورا عضو نہ دھویا، حاکم نے مختصر میں کہا کہ اس طرح پانی مستعمل ہوجائے گا، اور وجیز امام کردری میں ہے، جُنب یا حائض نے اس میں (پانی میں) چلّو بھرنے کے لیے اپنا ہاتھ ڈالا یا اس میں سے لوٹا نکالنے کے لیے، تو پانی ضرورت کی وجہ سے خراب نہیں ہوگا، ہاں اگر ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ڈالا تو فاسد ہوجائے گا، اور کافی میں ہے کہ امام محمد نے کنویں کے مسئلہ میں پانی کے مستعمل ہونے کا حکم اس لیے نہیں لگایا کہ وہاں ضرورت ہے، کیونکہ اگر ڈول نکالنے والا مل جائے تو لوگوں کے لیے ممکن نہیں کہ پہلے اسکو غسل کا پابند کریں اھ، اور خلاصہ میں یہ چیز اصل کی طرف منسوب ہے اور اسی قسم کی عبارت خانیہ میں ہے اور خانیہ سے غنیہ میں منقول ہے اور الفاظ فقیہ النفس کے ہیں مختصراً۔ کسی شخص نے پانی میں اپنا ہاتھ چلّو بھرنے کے لیے ڈالا تو وہ پانی کو فاسد نہ کرے گا اور اسی طرح لوٹا نکالنے کے لیے اپنا ہاتھ گڑھے میں کہنیوں تک ڈالا، اور اسی طرح ہاتھ پیر اگر کنویں میں ڈول کی تلاش میں ڈالے تو ضرورت کی وجہ سے پانی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی ما یقع فی البئر ۱/۶

[2] بزازیہ مع العالمگیری المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۹

[3] الکافی

[4] غنیۃ المستملی باب الانجاس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۲

نص فیه وانما لم یأخذ الماء حکم الاستعمال
فی مسألة طلب الدلو لمکان الضرورة اذ
الحاجة الی الانغماس فی البئر لطلب الدلو مما
یکثر ولو احتیج الی نزح کل الماء کل مرة لحرجوا
حرجا عظیما فصار کالمحدث اذا اغترف الماء
بکفه لایصیر مستعملا بلاخلاف وان وجد
اسقاط الفرض لمکان الضرورة[1] اھ وفی
البرھان شرح مواھب الرحمٰن ثم غنیة ذوی
الاحکام للشرنبلالی معناہ وفی شرح الوھبانیة
للعلامة ابن الشحنة اعتبار الضرورة فی
مثل ذٰلك مذکور فی الصغری وغیرھا اھ
وفی النھایة ثم الھندیة لو انغمس للاغتسال
للصلاة یفسد الماء بالاتفاق[2] اھ ونحوہ
فی العنایة وغیرھا وفی فوائد الامام
ظھیر الدین ابی بکر محمد بن احمد بن عمر
علی شرح الجامع الصغیر للامام الصدر
الشھید حسام الدین عمر بن عبد العزیز
رحمھما اللہ تعالٰی لو ادخل رجله فی البئر
ولم ینو به الاستعمال ذکر شیخ الاسلام
المعروف بخواھرزادہ رحمه اللہ تعالٰی
ان الماء یصیر مستعملا عند محمد رضی اللہ
تعالٰی عنه وذکر شمس الائمة الحلوانی رحمه

فاسد نہ ہوگا اور اگر ٹھنڈک کے حصول کی خاطر ڈالے
تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ ضرورت نہیں ہے' اور
حلیہ میں ہے کہ قدوری نے کہا ہمارے شیخ ابو عبداللہ
فرماتے تھے میرے نزدیک ہمارے اصحاب کا صحیح
مذہب یہ ہے کہ ازالۂ حدث پانی کے استعمال کا موجب
ہے اور اس اختلاف کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ اس میں
نص موجود نہیں' اور ڈول کی تلاش کے مسئلہ میں پانی
کا مستعمل نہ ہونا ضرورت ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ
کنویں میں ڈول کی تلاش میں غوطہ خوری عام ہے ، اور
اگر ہر مرتبہ کنویں کا پورا پانی نکالنا پڑجائے تو لوگ سخت تنگی
میں مبتلا ہوجائیں گے' تو یہ بے وضو کی طرح ہے کہ
وہ چلو سے پانی لے تو بالاتفاق پانی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ
اس میں اسقاط فرض بھی پایا جارہا ہے ، کیونکہ ضرورت
ہے' اور برہان شرح مواہب الرحمٰن' نیز غنیہ ذوی
الاحکام شرنبلالی میں اس کا ہم معنی ہے ، اور علامہ
ابن الشحنہ کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ اس قسم کے مسائل
میں ضرورت کا اعتبار صغرٰی وغیرہ میں مذکور ہے اھ
اور نہایہ و ہندیہ میں ہے کہ نماز کے لیے غسل کرنے کو
غوطہ لگایا تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوجائے گا اھ
اور عنایہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے اور امام ظہیر الدین
ابو بکر محمد بن احمد بن عمر کے جو فوائد شرح جامع صغیر
امام صدر شہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت مسئلة البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[2] ہندیہ الماء الذی لایجوز بہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳

اللہ تعالی انہ لایصیر مستعملا لان الرجل فی البئر بمنزلۃ الید فی الاٰنیۃ فعلی ھذا التعلیل اذا ادخل الرجل فی الاناء یصیر مستعملا لعدم الضرورۃ اھ[1]

میں ہے کہ اگر کسی شخص نے کنویں میں بلانیت استعمال اپنا پیر ڈالا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ الاسلام المعروف خواہر زادہ نے فرمایا کہ پانی امام محمد کے نزدیک مستعمل ہوجائے گا، اور شمس الائمہ الحلوانی نے ذکر کیا کہ پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ کنویں میں پیر کا ڈالنا ایسا ہے جیسا ہاتھ برتن میں، اسی استدلال کی بنیاد پر اگر کوئی شخص برتن میں پیر داخل کرے تو پانی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے مستعمل ہوجائے گا اھ (ت)

قلت وحاصل قول الامام الحلوانی ان الید ربما لاتبلغ قعر البئر فمست الحاجۃ الی الرجل ھذا ھو الذی یعطیہ نص قولہ لا احتمال فیہ لغیرہ واستثناء موضع الضرورۃ معلوم من اقوالھم بالضرورۃ فقول العلامۃ ابن الشحنۃ فی زھر الروض بعد نقلہ یمکن دفع التعارض بحمل ما قالہ خواھر زادہ علی ما اذا لم یکن موضع ضرورۃ وما قالہ الحلوانی علی موضع الضرورۃ اھ[2] تردد فی موضع الجزم وشك فی محل الیقین **و فی** متن الملتقی لوانغمس جنب فی البئر بلانیۃ فقیل الماء والرجل نجسان عند الامام والاصح ان الرجل طاھر والماء مستعمل عندہ اھ[3] **وفی** شرحہ مجمع الانھر لوقال انغمس محدث لکان اولی وانما قال بلانیۃ

میں کہتا ہوں اور امام حلوانی کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ ہاتھ کبھی کنویں کی تہ تک نہیں پہنچ پاتا ہے تو پیر کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مفہوم ان کی اس تصریح سے حاصل ہوتا ہے کہ اس میں اس کے غیر کا احتمال نہیں، اور مقام ضرورت کا استثناء اُن کے اقوال سے بداہۃً معلوم ہوتا ہے تو علامہ ابن الشحنہ کا قول زہر الروض میں نقل کے بعد کا تعارض اس طرح رفع ہوسکتا ہے کہ خواہر زادہ نے جو فرمایا ہے اس کو ضرورت کے نہ ہونے پر محمول کیا جائے اور حلوانی کے قول کو ضرورت پر محمول کیا جائے اھ تردد ہے مقام یقین میں اور شک ہے مقام یقین میں۔ اور متن ملتقی میں ہے کہ اگر کسی جُنب نے بلانیت کنویں میں غوطہ لگایا تو کہا گیا کہ آدمی اور پانی دونوں نجس ہیں امام کے نزدیک۔ اور اصح یہ ہے کہ ان کے نزدیک آدمی پاک ہے اور پانی مستعمل ہے اھ اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے کہ اگر انغمس محدث

---

[1] کفایۃ مع الفتح الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۰

[2] زہر الروض

[3] ملتقی الابحر فصل فی المیاہ العامرہ مصر ۱/۳۱

لانہ لو انغمس للاغتسال فسد الماء عند الکل[1] وفی النہر الفائق فی تعلیل قول محمد فی مسألۃ جحط اما طہارۃ الرجل فلان محمد لایشترط الصب و اما الماء فللضرورۃ[2] اھ نقلہ السید الازہری علی الکنز وفی الدر اسقاط فرض ہو الاصل بان یدخل یدہ او رجلہ فی الحب لغیر اغتراف و نحوہ فانہ یصیر مستعملا لسقوط الفرض اتفاقا[3] اھ ولو استرسلنا فی سرد الفروع لاعیانا ولکن ترد البحر ونکثر الاغتراف منہ لان الکلام سید ورمعہ فنقول فی البحر من الماء المستعمل ذکر ابوبکر الرازی انہ یصیر مستعملا عند محمد باقامۃ القربۃ لاغیر استدلالا بمسألۃ الجنب اذا انغمس فی البئر لطلب الدلو قال شمس الائمۃ السرخسی جوابہ انما لم یصر مستعملا للضرورۃ واقرہ علیہ العلامۃ ابن الہمام والامام الزیلعی[4] اھ وفیہ واعلم ان ہذا وامثالہ کقولہم فیمن ادخل یدیہ الی المرفقین واحدی رجلیہ فی اجانۃ یصیر الماء مستعملا یفید ان الماء یصیر مستعملا بواحد من ثلثۃ ازالۃ حدث اقامۃ قربۃ اسقاط فرض فکان الاولی ذکر ہذا السبب

کہا ہوتا تو بہتر تھا۔ اور اسی لیے "بلانیت" کہا کیونکہ اگر غسل کے لیے غوطہ لگایا تو سب ہی کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائیگا اھ اور نہر الفائق میں مسئلہ بئر جحط میں امام محمد کے قول کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا آدمی کا پاک ہونا اس سے ہے کہ محمد بہانے کو شرط قرار نہیں دیتے اور پانی کا پاک ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اھ اس کو سید ازہری نے کنز میں نقل کیا ہے' اور دُر میں ہے کہ اسقاط فرض ہی اصل ہے، مثلاً یہ کہ گڑھے میں ہاتھ یا پیر چلّو بھرنے وغیرہ کی نیت کے علاوہ کسی اور ارادہ سے ڈالے تو وہ مستعمل ہوجائے گا، کیونکہ اس طرح فرض بالاتفاق ساقط ہوجاتا ہے اھ اور اگر ہم فروع گنانا شروع کردیں تو مشکل ہوگا، لیکن ہم سمندر پر آکر اس سے بکثرت چلّو بھرتے ہیں، کیونکہ گفتگو اُسی کے ساتھ رہے گی' تو ہم کہتے ہیں' بحر میں ہے کہ ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ صرف قربۃ کی ادائیگی سے پانی مستعمل ہوگا' عند محمد۔ وہ اس کو جنب کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہیں جو کنوئیں میں ڈول نکالنے کی خاطر غوطہ لگائے۔ اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مستعمل ضرورت کی وجہ سے نہ ہوا' اور اس کو علامہ ابن ہمام اور زیلعی نے برقرار رکھا اھ اس میں ہے جاننا چاہئے کہ یہ اور اُس کے امثال جیسے ان کا قول' اُس شخص کی بابت جو اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک

[1] مجمع الانہر فصل فی المیاہ العامرہ مصر ۱/۳۱
[2] فتح المعین بئر جحط سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰
[3] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[4] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۰

الثالث[1] اھ **وفیہ** ذکر شمس الائمۃ السرخسی فی المبسوط (ای شرحہ) ان فی الاصل (ای فی مبسوط الامام محمد رحمہ اللہ تعالٰی) اذا اغتسل الطاھر فی البئر افسدہ[2] اھ ای اذا نوی القربۃ کما لایخفی **وفیہ** مسألۃ البئر جحط وصورتھا جنب انغمس فی البئر للدلو او للتبرد ولا نجاسۃ علی بدنہ فعند محمد الرجل طاھر والماء طھور وجہ قول محمد علی ما ھو الصحیح عنہ ان الماء لایصیر مستعملا وان ازیل بہ حدث للضرورۃ[3] اھ **وفیہ** قال الخبازی فی حاشیۃ الھدایۃ قال القدوری رحمہ اللہ تعالٰی کان شیخنا ابو عبداللہ الجرجانی یقول الصحیح عندی من مذھب اصحابنا (الی اٰخرما قدمنا عن الحلیۃ غیر انہ قال لو احتاجوا الی الغسل عند نزح ماء البئر کل مرۃ لحرجوا الخ وزاد فی اٰخرہ) بخلاف ما اذا ادخل غیر الید فیہ صار الماء مستعملا[4] اھ **وفیہ** عن ابی حنیفۃ ان الرجل طاھر لان الماء لایعطی لہ حکم الاستعمال قبل الانفصال من العضو قال الزیلعی والھندی وغیرھما تبعا للھدایۃ وھذہ الروایۃ اوفق الروایات وفی فتح القدیر

یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈالے تو پانی مستعمل ہوجائیگا' سے معلوم ہوتا کہ پانی کا مستعمل ہونا تین اشیاء میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوگا، حدث کا زائل کرنا، قربت کا ادا کرنا' فرض کا ساقط کرنا، تو بہتر یہ تھا کہ اس تیسرے سبب کو ذکر کرتے۔ اور اسی میں ہے کہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں (یعنی اس کی شرح میں) ذکر کیا کہ اصل میں (یعنی امام محمد کی مبسوط) میں ہے کہ اگر پاک شخص نے کنویں میں غسل کیا تو پانی مستعمل ہوجائیگا اھ یعنی اگر قربۃ کی نیت کی کما لایخفی۔ اور اسی میں ہے کہ کنویں کا مسئلہ جحط ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جُنب نے کنویں میں غوطہ لگایا ڈول نکالنے کے لیے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے' اور اس کے بدن پر نجاست نہ ہو تو محمد کے نزدیک آدمی پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے' اور محمد کے قول کی وجہ صحیح قول کے مطابق یہ ہے کہ پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے خواہ اُس سے حدث ہی کیوں زائل نہ کیا جائے ضرورت کی وجہ سے۔ اُسی میں ہے خبازی نے کہا حاشیہ ہدایہ میں کہ قدوری نے کہا کہ ہمارے شیخ ابو عبداللہ الجرجانی فرماتے ہیں میرے نزدیک ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب (آخر تک جو ہم نے حلیہ سے نقل کیا، البتہ انھوں نے فرمایا کہ اگر وہ غسل کے محتاج ہوں ہر مرتبہ کنویں سے پانی

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] ایضاً ۱/۹۷
[3] ایضاً ۱/۹۷
[4] ایضاً ۱/۹۷

وشرح المجمع انها الروایۃ المصححۃ اھ[1] فعلم بما قررنا[عہ] ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور اھ[2] و فیہ وان انغمس للاغتسال صار مستعملا اتفاقا وحکم الحدث حکم الجنابۃ ذکرہ فی البدائع اھ[3] وفیہ وکذا الحائض والنفساء بعد الانقطاع اما قبل الانقطاع فھما کالطاھر اذا انغمس للتبرد لایصیر الماء مستعملا کذا فی فتاوٰی قاضی خان والخلاصۃ اھ وفیہ قال القاضی الاسبیجابی فی شرح مختصر الطحاوی جنب اغتسل فی بئر ثم فی بئر الٰی

نکالتے وقت تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے الخ اور اسکے آخر میں اضافہ کیا) بخلاف اس صورت کے کہ جب ہاتھ کے علاوہ اور کوئی عضو پانی میں ڈالا تو پانی مستعمل ہوجائے گا اھ اور اس میں ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ آدمی پاک ہے کیونکہ پانی کو مستعمل ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ عضو سے جدا نہ ہو، زیلعی و ہندی وغیرہما نے ہدایہ کی متابعت میں فرمایا اور یہ روایت تمام روایات میں مطابقت پیدا کرنے والی ہے اور فتح القدیر اور شرح المجمع میں ہے کہ تصحیح شدہ روایت یہی ہے اھ تو ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مذہب مختار یہ ہے کہ

عہ قال الشامی قال الرملی اقول سیأتی قریبا انہ طاھر طھور علی الصحیح اھ اقول وھذا تصریح بتصحیح روایۃ ط من جحط فما فی المنحۃ عن شرح ھدیۃ ابن العماد لسیدی عبدالغنی قدس سرہ ان مسألۃ جحط الاقوال الثلثۃ فیھا ضعیفۃ فکانہ لاختیار الروایۃ الرابعۃ المختارۃ فی البحر لا ان لاشیئ من الثلث مصححا اھ منہ

شامی نے کہا رملی نے کہا میں کہتا ہوں عنقریب آئیگا کہ یہ صحیح روایت پر طاہر وطہور ہے میں کہتا ہوں یہ مسئلہ بئر جحط سے طحطاوی کی تصحیح شدہ روایت کی تصریح ہے تو جو منحہ میں سید عبدالغنی کی شرح ہدیہ ابن عماد سے ہے کہ مسئلہ بئر جحط کے تینوں قول ضعیف ہیں تو اس وجہ سے کہ وہ بحرالرائق کی اختیار کردہ چوتھی روایت کو اختیار کرتے ہیں یہ نہیں کہ تین میں سے کسی کی تصحیح نہیں کی گئی۔ ت

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[2] ایضاً ۱/۹۸ [3] ایضاً
[3] ایضاً ۱/۹۹

عشرة قال محمد يخرج من الثالثة[عـ۱] طاهرا ثم ان کان علی بدنه عين نجاسة تنجست المياه کلها (يريد الثلثة) وان لم تکن صارت المياه (الثلثة) کلها مستعملة ثم بعد الثالثة ان وجدت منه النية يصير مستعملا وان[عـ۲] لم توجد لا[۱] اھ ومثله عنه فی خزانة المفتين مع التصريح بتصحيح قول محمد المذکور ورأيت ايضا فيه التصريح بارادة الثلثة کما زدته توضيحا وزاد[۱] وکذلك فی الوضوء اھ ثم رأيت فی المنحة عن السراج الوهاج ايضا التصريح باستعمال ثلث دون ما بعدها الا بالنية وهو ظاهر **وفيه** من ابحاث الماء المقيد صرحوا بان الجنب اذا انزل فی البئر بقصد الاغتسال يفسد الماء عند الکل صرح به الاکمل وصاحب معراج الدراية وغيرهما[۲] اھ **وفيه**

آدمی پاک ہے اور پانی پاک تو ہے مگر پاک کرنے والا نہیں اھ اور اسی میں ہے اگر کسی نے غسل کے لیے غوطہ لگایا تو پانی اتفاقاً مستعمل ہوجائے گا اور حدث کا حکم جنابت والا ہی ہے، اس کو بدائع میں ذکر کیا اھ اور اسی میں ہے کہ یہی حکم حائض اور نفاس والی عورت کا ہے جس کا خون منقطع ہوچکا ہو، اور انقطاعِ خون سے قبل تو وہ دونوں اُس پاک شخص کی طرح ہیں جس نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، فتاوٰی قاضی خان اور خلاصہ میں یہی ہے اھ اور اسی میں ہے کہ قاضی اسبیجابی نے شرح مختصر طحاوی میں فرمایا کہ ایک جنب شخص نے ایک کنویں میں غسل کیا اور پھر دوسرے کنویں میں یہاں تک کہ دس کنووں میں غسل کیا، تو محمد نے فرمایا تیسرے سے پاک نکلے گا، پھر اگر اس کے بدن پر نجاست ہو تو تمام پانی نجس ہوجائیں گے (یعنی تینوں) اور اگر نجاست نہ ہو تو تینوں مستعمل ہوجائیں گے ------------

---

[عـ۱] **اقول** بل من الاولی لان التثليث ليس الا سنة فکانه اراد الطهارة المسنونة ثم لا يخفی التقييد بالمضمضة والاستنشاق اھ منه۔

[عـ۲] **اقول** ان لم يحدث بعد الثالثة کما لا يخفی اھ منه

میں کہتا ہوں بلکہ پہلے سے کیونکہ تثلیث تو سنت ہے گویا انہوں نے مسنون طہارت کا ارادہ کیا ہے پھر مضمضہ اور استنشاق کی قید لگانا مخفی نہیں اھ۔ ت

میں کہتا ہوں اگر تیسرے کے بعد حدث لاحق نہ ہوا ہو جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت

---

[۱] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۹

[۲] بحرالرائق الماءالمقید " " " ۱/۷۱

وکذا صرح ان الماء یفسد اذا ادخل الکف فیه وممن صرح به صاحب الملتقی بالغین المعجمة اھ[۱] وفیه قال الاسبیجابی والولوالجی فی فتاواہ جنب اغتسل فی بئر ثم بئر الی اخرماتقدم[۲] اھ وفیہ قال الامام القاضی ابو زید الدبوسی فی الاسرار ان محمدا یقول لما اغتسل فی الماء القلیل صار الکل مستعملا حکما اھ[۳] فھٰذہ العبارۃ کشفت اللبس واوضحت کل تخمین وحدس[۴] اھ ولنقتصر علی ھذا القدر خاتمین بما اعترف البحرانہ کشف اللبس وازاح الحدس وھی کما تری نصوص صرائح تفید ان ملاقاۃ الماء القلیل لعضو علیہ حدث یجعله مستعملا سواء ورد الماء علی العضو او العضو علی الماء علی سبیل النجاسة الحقیقیة فالماء نجس سواء وردت ھی علی الماء او الماء علیھا وبالجملة کانت الفروع تأتی علی ھذا السنن المطبوع والاقوال تنسج علی ھذا المنوال الی ان جاء الدور بتلامذۃ الامام المحقق علی الاطلاق ودارت مسألة التوضی فی الفساق

--- پھر اگر تیسرے کنویں کے بعد اس نے نیت کی تو پانی مستعمل ہوجائیگا اگر نیت کی تو مستعمل نہ ہوگا اور اسی کی مثل اُن سے منقول ہے اور خزانۃ المفتین میں محمد کا مذکور قول صحیح قرار دیا گیا ہے اور اس ہی میں نے تین کے ارادہ کی تصریح دیکھی ہے، جس طرح میں نے اس کی وضاحت بخوبی کردی ہے، اور اسی طرح انھوں نے وضو میں اضافہ کیا ہے اور پھر میں نے منحہ میں سراج وہاج سے اس امر کی تصریح دیکھی کہ صرف تین مستعمل ہوں گے نہ کہ ان کے بعد والے، اور یہ ظاہر ہے اور اس میں ماء مقید کی ابحاث ہے، اور انہوں نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ جنب جب کنویں میں اُترے اور غسل کا ارادہ کرے تو سب کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائے گا، اس کی تصریح اکمل، صاحب معراج الدرایہ اور دوسرے علماء نے کی ہے اھ اور اسی میں ہے اسی طرح فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی شخص پانی میں ہتھیلی ڈال دے تو پانی مستعمل ہوجائے گا، اور اس کی تصریح صاحب ملتقی نے کی ہے (غین معجمہ سے) اھ، اور اسی میں ہے کہ اسبیجابی اور ولوالجی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ ایک جنب ایک کنویں میں غسل کے لیے اترا پھر دوسرے میں اُترا

---

۱ فتح القدیر	کتاب الطہارت	نوریہ رضویہ سکھر	۱/۷۶
بحرالرائق	"	سعید کمپنی کراچی	۱/۷۱
۲ بحرالرائق	کتاب الطہارت	"	۱/۷۱، ۹۹
۳ بحرالرائق	کتاب الطہارت	"	۱/۷۱
۴ ایضاً			

الصغار بين الحذاق ؛ فافتى العلامة زين الدين قاسم بن قطلوبغا بالجواز والف رسالة سماها رفع الاشتباه عن مسألة المياه[1] وخالفه تلميذه العلامة عبد البر بن الشحنة وصنف رسالة سماها زهر الروض في مسألة الحوض[2] والامام ابن امير الحاج في الحلية ايضا ميل الى شئ مما اعتمده العلامة قاسم وهم جميعا من جلة اصحاب الامام ابن الهمام عليهم رحمة الملك المنعام ثم جاء المحقق زين بن نجيم صاحب البحر رحمه الله تعالٰی فانتصر الزين للزين ونمق رسالة سماها الخير الباقي في جواز الوضوء من الفساقي ثم تتابع المتاخرون على اتباعه كالنهر والمنح والدر وذكر في الخزائن ان له رسالة فيه و العلامة الباقاني والشيخ اسمٰعيل النابلسي وولده العارف بالله سيدي عبد الغني ومحشي الاشباه شرف الدين الغزي فيما ذكره المدقق العلائي بلاغا وكذا بعض مشايخ الشامي والسادات الثلثة ابو السعود الازهري وط وش ميلا مع تردد واليه يميل كلام العلامة نوح افندي ووافق

الی آخرہا تقدم۔ اور اسی میں ہے کہ امام قاضی ابوزید الدبوسی نے اسرار میں فرمایا کہ محمد فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے تھوڑے پانی میں غسل کیا تو کل پانی حکماً مستعمل ہوجائے گا اھ اس عبارت نے کل معاملہ وضاحت سے کھول کر رکھ دیا ہے اھ ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور اختتام پر بحر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابہام کو رفع کردیا ہے، اور جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں یہ صریح نصوص ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے سے پانی کا عضو سے ملنا جس پر حدث ہے پانی کو مستعمل بنا دیتا ہے خواہ پانی عضو پر وارد ہو یا عضو پانی پر وارد ہو، اور اگر یہ پانی نجس عضو پر آئے، خواہ پانی عضو پر یا عضو پانی پر تو پانی نجس ہوجائے گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ مسئلہ کی فروع کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے، اور اس قسم کے اقوال علماء وفقہاء کے ذکر کئے گئے ہیں، پھر جب محقق علی الاطلاق کے شاگردوں کا دور آیا اور چھوٹے حوضوں میں وضو کا مسئلہ ماہرین کے درمیان زیر بحث آیا تو علامہ زین الدین قاسم بن قطلوبغا نے جواز کا فتوٰی دیا اور ایک رسالہ لکھا جس کا نام "رفع الاشتباہ عن مسئلۃ المیاہ" ہے اس پر ان کے شاگرد علامہ عبدالبر بن الشحنہ نے ان کی مخالفت کی، اور ایک رسالہ "زھر الروض فی مسئلۃ الحوض" لکھا۔ امام ابن الحاج نے حلیہ میں علامہ قاسم کی طرف کچھ میلان کیا ہے، یہ تمام کے تمام

---

[1] بحرالرائق، کتاب الطہارۃ مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

[2] ایضاً ۱/۷۲

العلامة ابن الشحنة منهم العلامة ابن الشلبي وبه افتی والمحقق علی المقدسی و العلامة حسن الشرنبلالی۔

ابن ہمام کے جلیل القدر تلامذہ ہیں، پھر ابن نجیم صاحبِ بحر آئے اور انھوں نے زین کی مدد کی اور ایک رسالہ لکھا جس کا نام "الخیر الباقی فی جواز الوضوء من الفساقی" ہے پھر متاخرین نے پے در پے اس مسئلہ پر کلام کیا اور ان کی پیروی کی مثلاً نہر، منح، درر اور خزائن میں، کہ انھوں نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے، اور علّامہ باقانی، شیخ اسمٰعیل نابلسی اور ان کے صاحبزادے عارف باللہ عبد الغنی نابلسی اور اشباہ کے محشی شرف الدین الغزی بقول مدقق علائی بطور بلاغ، اور اسی طرح بعض مشایخ شامی اور سادات ثلثہ ابو السعود الازہری 'ط' اور 'ش' کا اس طرف میلان ہے، کچھ تردد بھی کیا ہے اور اسی طرف علامہ نوح آفندی کا کلام ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے موافقت کی اور علّامہ ابن شلبی نے بھی موافقت کی اور اسی پر فتوٰی دیا اور محقق علی المقدسی اور علّامہ حسن شرنبلالی نے بھی یہی فرمایا۔ (ت)

قلت والیه یرشد کلام المحقق فی الفتح وقد علمت انها الجادة المسلوکة لدن من العلامة قاسم والمروی عن جمیع اصحابنا وعن ائمتنا الثلثة عینا ولم یخالفها احد ممن تقدمه غیر الامام صاحب البدائع فی جدل وتعلیل اما عند ذکر الاحکام فهو مع الجمهور وکذلك قد منا عن عدة من هؤلاء المتأخرین خلاف ما مالوا الیه اما ما نسب الی العلامة قارئ الهدایة فلا یتم کما ستعرف ان شاء الله تعالٰی وبالجملة فالمسألة ذات معترك عظیم والرسائل الثلث جمیعا بحمد الله تعالٰی عندی وها انا الخصها لك مع مالها وعلیها اجمالا مفصلا وبالله التوفیق فلنوزع الکلام علی اربعة فصول

میں کہتا ہوں محقق کا کلام فتح میں اسی طرف رہنمائی کرتا ہے اور آپ جان چکے ہیں کہ علّامہ ابن قاسم کے زمانہ تک یہی روش رہی اور یہی ہمارے تمام اصحاب اور ائمہ ثلٰثہ سے منقول ہے، اور متقدمین میں سے سوائے صاحبِ بدائع کے کسی اور نے مخالفت نہ کی، جدل اور تعلیل میں، اور احکام کے ذکر کے وقت وہ جمہور کے ساتھ ہیں، اور اسی طرح ہم بہت سے متاخرین سے ان کے خلاف نقل کرچکے ہیں، اور جو علّامہ قارئ الہدایہ کی طرف منسوب ہے وہ ثابت نہیں، جیسا کہ آپ عنقریب جان لیں گے اِن شاء اللہ تعالٰی، اور خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ بہت معرکہ کا ہے اور تینوں رسائل بحمد اللہ میرے پاس ہیں جن کا خلاصہ میں آپ کے سامنے مالہا وما علیہا کے ساتھ پیش کرتا ہُوں یہ کلام چار فصول پر مشتمل ہے۔

الفصل الاول فی کلام العلامۃ قاسم

رسالتہ رحمہ اللہ تعالٰی نحو کراسۃ اطال فیھا الکلام فی حد الماء الکثیر وحقق ان جمیع جوانبہ سواء فی جواز الطہارۃ سواء کانت النجاسۃ مرئیۃ اولا واکثر من الرد علی شرح المختار والتحفۃ والبدائع حتی تجاوز الی المؤاخذات اللفظیۃ ولسنا الاٰن بصدد ذلک وانما یتعلق منھا بغرضنا نحو ورقۃ فی اٰخرھا ذکر فیھا الماء المستعمل وانہ لایغیر الماء مالم یغلب علیہ واختار التسویۃ فی ذلک بین الملقی والملاقی ای کما ان الماء المستعمل لو القی فی حوض اوجرۃ وکان ماء الجرۃ اکثر منہ جاز الطہارۃ بہ علی ما ھو الصحیح المعتمد وعلیہ عامۃ العلماء کذلک ان ادخل المحدث او الجنب یدہ مثلا فی جرۃ لم یتغیر ماؤھا لان المستعمل منہ مالاقی بدنہ وھو اقل بالنسبۃ الی الباقی واحتج علی ذلک بثلثۃ اشیاء **الاول** کلام البدائع حیث قال فی الکلام علی حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم (ای حین استدل بہ للامام علی نجاسۃ الماء المستعمل) لایقال انہ نھی (ای عن الاغتسال فیہ لا لان المستعمل نجس بل) لمافیہ من اخراج الماء من ان یکون مطھرا من غیر ضرورۃ وذلک حرام لانا نقول الماء القلیل انما یخرج عن کونہ مطھرا باختلاط غیر المطھّر اذا کان غیر المطھر غالبا کماء الورد واللبن ونحو

پہلی فصل، علامہ قاسم کا کلام

علامہ قاسم کا رسالہ تقریباً ایک کاپی ہے جس میں "ماءِ کثیر" کی تعریف پر انھوں نے مفصل گفتگو کی ہے، اور تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ اس کے تمام کنارے برابر ہیں طہارت کے جواز میں، خواہ نجاست نظر آنے والی ہو یا نہ ہو، اور شرح مختار، تحفہ، بدائع وغیرہ پر کافی رد کیا یہاں تک کہ لفظی گرفت سے بھی نہ چُوکے۔ ہم اس وقت یہ چیزیں بیان کرنا نہیں چاہتے، ہماری غرض اس رسالہ کے آخری ورق سے متعلق ہے جس میں انھوں نے ماءِ مستعمل کے مسائل بیان کیے ہیں اور یہ کہ وُہ پانی کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا ہے جب تک وہ اس پر غالب نہ آجائے، اور انہوں نے اس سلسلہ میں ملقیٰ اور ملاقی کو برابر قرار دیا ہے یعنی جس طرح مستعمل پانی اگر کسی حوض یا مٹھلیا میں ڈالا جائے اور مٹھلیا کا پانی مستعمل پانی سے زیادہ ہو تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ صحیح، معتمد قول یہی ہے اور عام علماء کا یہی قول ہے اور اسی طرح اگر محدث یا ناپاک نے اپنا ہاتھ کسی مٹھلیا میں ڈالا تو پانی متغیر نہ ہوگا کیونکہ اس میں سے مستعمل وہ ہے جو اس کے بدن سے ملا اور بہ نسبت باقی کے کم تر ہے، اس پر تین چیزوں سے استدلال کیا ہے:

اوّل صاحبِ بدائع نے "لایبولن احدکم فی الماء الدائم" (ٹھہرے پانی میں کوئی پیشاب کرے) پر کلام کرتے ہوئے فرمایا (یعنی جب امام نے اس سے مستعمل پانی کی نجاست پر استدلال کیا) یہ نہ کہا جائے کہ یہ نہی ہے (یعنی اس میں غسل کرنے سے اس لیے نہیں کہ مستعمل نجس ہے بلکہ) کیونکہ اس میں پانی کو بلاضرورت مُطہر

ذلك فاما ان یکون مغلوبا فلا وھھنا الماء المستعمل مایلاقی البدن ولا شك ان ذلك اقل من غیر المستعمل فکیف یخرج بہ من ان یکون مطھرا[1] انتھی۔

ہونے سے خارج کرتا ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ماءِ قلیل مطہر ہونے سے اس لیے خارج ہوجاتا ہے کہ وہ غیر مطہر پانی سے ملتا ہے مگر یہ اس وقت ہوگا جب غیر مطہر غالب ہو، مثلاً گلاب کا پانی اور دودھ وغیرہ، اور اگر مغلوب ہو تو نہ ہوگا اور یہاں مستعمل پانی وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ غیر مستعمل سے کم ہے تو اس کی وجہ سے مطہر ہونے سے کیسے خارج ہوگا انتہی۔

قلت وتمامہ فاما ملاقاۃ النجس الطاهر فتوجب تنجیس الطاهر وان لم یغلب علی الطاهر لاختلاطہ بالطاهر علی وجہ لا یمکن التمییز بینھما فیحکم بنجاسۃ الکل[2] اھ قال وقال فی موضع اٰخر (ای بعد ذی ورقات) فیمن وقع فی البئر فان کان علی بدنہ نجاسۃ حکمیۃ بان کان محدثا او جنبا او حائضا او نفساء (ای وقد انقطعا عنھما) فعلی قول من لا یجعل ھذا الماء مستعملا (**قلت** یرید الامام ابا یوسف رحمہ اللہ تعالٰی لاشتراطہ الصب) لا ینزح شیئ لانہ طھور وکذا علی قول من جعلھا مستعملا وجعل المستعمل طاھرا (یرید محمدا رحمہ اللہ تعالٰی) لان غیر المستعمل اکثر فلا یخرج عن کونہ طھورا ما لم یکن المستعمل غالبا علیہ کما لو صب اللبن فی البئر بالاجماع او بالت شاۃ فیھا عند محمد[3] رحمہ اللہ تعالٰی انتھی۔

میں کہتا ہوں مکمل اس طرح ہے، اور نجس کا طاہر کو ملاقی ہونا طاہر کو نجس کردیتا ہے اگرچہ طاہر پر غالب ہو کیونکہ وہ طاہر سے اس طور پر مل گیا ہے کہ دونوں میں امتیاز ممکن نہیں رہا ہے تو کل کی نجاست کا حکم کیا جائیگا اھ کہا، اور دوسرے مقام پر فرمایا (یعنی اس کے کچھ ورق بعد) اس شخص کی بابت جو کنویں میں گر پڑا تو اگر اس کے بدن پر نجاستِ حکمیہ ہو مثلاً یہ کہ وہ بے وضو یا جنب یا حیض و نفاس والی عورت ہو (یعنی ان دونوں عورتوں کی ناپاکی ختم ہوچکی ہو) تو اُس کے قول پر جو پانی کو مستعمل قرار نہیں دیتا ہے (میں کہتا ہوں اس سے ان کی مراد امام ابو یوسف ہیں جن کے نزدیک بہانا شرط ہے) کنویں سے کچھ بھی نہیں نکالا جائے گا کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے، اور اسی طرح اُن کے قول پر جو پانی کو مستعمل کہتے ہیں اور مستعمل کو پاک کہتے ہیں (امام محمد مراد ہیں) کیونکہ غیر مستعمل زاید ہے تو طہور ہونے سے اس وقت تک خارج نہ ہوگا جب تک مستعمل پانی غالب نہ ہوجائے، مثلاً دودھ کنویں میں ڈال دیا جائے،

---

[1] بدائع الصنائع، فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷ [2] ایضاً

[3] بدائع الصنائع، بیان مقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً ۱/۷۴

اور یہ بالاجماع ہے، یا بکری نے کنویں میں پیشاب کر دیا، امام محمد کے نزدیک انتہی۔

قلت وتمامہ واما علی قول من جعل ھذا الماء مستعملا وجعل الماء المستعمل نجسا (یرید الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ علی روایۃ الحسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ نجاسۃ الماء المستعمل وان کانت روایتہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی خصوص المسألۃ ما سیذکرہ) ینزح ماء البئر کلہ کما لو وقعت فیھا قطرۃ من دم او خمر وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ ان کان محدثا ینزح اربعون وان کان جنبا ینزح کلہ وھذہ الروایۃ مشکلۃ لانہ لایخلو اما ان صار ھذا الماء مستعملا اولا فان لم یصر مستعملا لایجب نزح شیئ لانہ بقی طھورا کما کان وان صار مستعملا فالماء المستعمل عند الحسن نجس نجاسۃ غلیظۃ فینبغی ان یجب نزح جمیع الماء اھ وانما ننقل ھذہ التمامات لفوائد ستعرفھا بعون اللہ تعالٰی قال وقال فی موضع اٰخر (ای قبل ھذا باوراق وبعد الاول بقلیل) لواختلط الماء المستعمل بالماء القلیل قال بعضھم لایجوز التوضی بہ وان قل وھذا فاسد اما عند محمد رحمہ اللہ تعالٰی فلانہ طاھر لم یغلب علی الماء المطلق فلا یغیرہ عن صفۃ

میں کہتا ہوں اس کا تکملہ یہ ہے کہ اور ان لوگوں کے قول پر جنہوں نے اس پانی کو مستعمل قرار دیا ہے اور مستعمل پانی کو نجس قرار دیا ہے (اس سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں بروایت حسن بن زیاد کہ مستعمل پانی نجس ہوگا اگرچہ حسن کی روایت ابوحنیفہ سے خاص اسی مسئلہ میں ہے کہ جیسا وہ ذکر کریں گے) کنویں کا کُل پانی نکالا جائے گا' جیسے کہ کنویں میں خون یا شراب کا قطرہ گر جائے، اور حسن نے ابوحنیفہ سے روایت کی کہ اگر بے وضو ہو تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا اور اگر جنب ہو تو کل پانی نکالا جائے گا' اور یہ روایت مشکل ہے کیونکہ یا تو یہ پانی مستعمل ہوگا یا نہیں تو اگر مستعمل نہیں ہے تو کچھ بھی پانی نہ نکالا جائے گا، کیونکہ وہ بدستور پاک ہے جیسا کہ تھا' اور اگر مستعمل ہوگیا تو حسن کے نزدیک مستعمل پانی نجاست غلیظہ ہے تو کنویں کا کُل پانی نکالنا چاہئے اھ یہ جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے اُن فوائد کی خاطر ہے جن کو آپ ان شاء اللہ پہچانیں گے، فرمایا اور کہا ایک دوسرے مقام پر (یعنی اس سے چند ورق پہلے اور پہلے سے کچھ بعد) اگر ماءِ مستعمل تھوڑے پانی میں مل گیا تو بعض کے نزدیک اُس سے وضو جائز نہیں خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو ــــــــــــــــ اور یہ فاسد ہے امام محمد کے نزدیک تو اس لئے کہ یہ پاک ہے اور ماءِ مطلق پر غالب نہیں ہوا ہے' تو اس کو طہوریت کی صفت سے

ـــــہ بدائع الصنائع بیان مقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

الطهورية كاللبن واما عندهما رضی اللہ تعالٰی عنهما فلان القليل مما لايمكن التحرز عنه يجعل عفوا ثم الكثير عند محمد ما يغلب على الماء المطلق وعندهما ان يستبين موضع القطرة فی الاناء انتهى[1] قال وقد علمت ان الصحيح المفتی به رواية محمد عن ابی حنيفة رحمهما الله تعالٰی اھ[2] ای فلا يفسد قليله لان غير المستعمل اكثر **الثانی** قال و قال محمد فی كتاب الاٰثار بعد رواية حديث عائشة رضی الله تعالٰی عنها ولا بأس ان يغتسل الرجل مع المرأة بدأت قبله او بدأ قبلها[3] قال اذا عرفت هذا لو تأخر عن الحكم بصحة الوضوء من الفساقی الموضوعة فی المدارس عند عدم غلبة الظن بغلبة الماء المستعمل او وقوع نجاسة فی الصغار منها قال فان قلت اذا تكرر الاستعمال هل يمنع قلت الظاهر عدم اعتبار هذا المعنی فی النجس فكيف بالطاهر قال قال فی المبتغی **(وهو الثالث)** قوم يتوضؤن صفا علی شاطئ النهر جاز فكذا فی الحوض لان حكم ماء الحوض فی حكم ماء جار انتهى[4]۔

تبدیل نہیں کرے گا جیسے دودھ، اور شیخین کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑے سے بچنا ممکن نہیں اس لئے معاف ہے پھر امام محمد کے نزدیک کثیر وہ ہے جو مطلق پانی پر غالب آجائے۔ اور شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ قطرہ کی جگہ برتن میں ظاہر ہوجائے، انتہی، فرمایا تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ صحیح مفتی بہ محمد کی روایت ابو حنیفہ سے ہے اھ یعنی قلیل پانی کو فاسد نہیں کرتا ہے کیونکہ غیر مستعمل زائد ہے۔

ثانی: فرمایا محمد نے کتاب الآثار میں حضرت عائشہ کی اس حدیث — کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے ساتھ غسل کرے خواہ مرد پہل کرے یا عورت — کے بعد فرمایا کہ اس سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مدارس میں جو برتن رکھے ہوتے ہیں اُن سے غسل کرلینے میں حرج نہیں جبکہ یہ ظن غالب نہ ہو کہ مستعمل پانی غالب ہوگیا ہے یا چھوٹے برتن میں نجاست پڑچکی ہے۔ فرمایا اگر تم یہ کہو کہ جب استعمال بار بار ہو تو کیا وضو یا غسل منع ہے؟ میں کہتا ہوں بظاہر اس وصف کا اعتبار نجس پانی میں نہ ہوگا تو طاہر میں کیسے ہوگا؟ فرمایا کہ انہوں نے مبتغی میں فرمایا (یہ تیسرا ہے) اگر کچھ لوگ صف باندھ کر نہر کے کنارے پر وضو کریں تو جائز ہے، حوض کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ حوض کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے انتہی۔

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] الاشتباہ عن مسألۃ المیاہ

[3] کتاب الآثار باب غسل الرجل والمرأۃ من اناء واحد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۱۰

[4] الاشتباہ عن مسألۃ المیاہ

قلت ای المنع انما یکون لسقوط الغسالۃ فیہا او لادخال المحدثین ایدیھم فیہا والکل غیر مانع علی ما تقرر عندہ ثم اتی باٰثار بعضہا فی الملاقی وبعضہا فی الملقی فقال وقد روی ابن ابی شیبۃ عن الحسن فی الجنب یدخل یدہ فی الاناء قبل ان یغسلہا قال یتوضؤ بہ ان شاء وعن سعید بن المسیب لا باس الجنب[ع] یدہ فی الاناء قبل ان یغسلہا[1] وعن عائشۃ بنت سعد قالت کان سعد یامر الجاریۃ بتناولہ الطہور من الحوض فتغمس یدھا فیہا فیقال انہا حائض فیقول ان حیضتہا وعن عامر قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یدخلون ایدیہم فی الاناء وھم جنب والنساء حیض لایرون بذلک بأسا یعنی قبل ان یغسلوھا وعن ابن عباس فی الرجل یغتسل من الجنابۃ فینضح فی انائہ من غسلہ فقال لاباس بہ[2] وعن الحسن وابراھیم والزھری وابی جعفر وابن سیرین نحوہ قال فان قلت فما محمل حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم ولا یغتسلن

میں کہتا ہوں، یعنی منع اس لیے ہے کہ دھوون اس میں گرتا ہے یا اس لیے کہ بے وضو لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اور یہ سب غیر مانع ہے جیسا کہ ان کے نزدیک مقرر ہے پھر انہوں نے اس کے بعض آثار ملاقی میں اور بعض ملقی میں ذکر کیے پس فرمایا اور تحقیق ابن ابی شیبہ نے حسن سے جنب کے بارے میں روایت کی جو بے دھوئے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالے تو فرمایا اگر چاہے تو اس کے ساتھ وضو کرے، اور سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ جنب اگر اپنا ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں ڈال دے تو حرج نہیں، اور عائشہ بنت سعد کہتی ہیں کہ حضرت سعد باندی کو حکم دیتے تھے کہ وہ حوض سے پانی لاکر دے، تو وہ حوض میں اپنا ہاتھ ڈبوتی تھی، تو کہا جاتا تھا کہ وہ حائضہ ہے، تو آپ فرماتے تھے: کیا میں نے اس کو حائضہ کیا ہے؟ اور عامر سے مروی ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ پانی میں ڈالتے تھے جبکہ وہ جنب ہوتے تھے اور عورتیں حائض ہوتی تھیں اور یہ لوگ بلا ہاتھ دھوئے پانی میں ڈالنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے، اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص غسل جنابت کرے اور اس کے چھینٹے برتن میں گریں تو اس میں حرج نہیں، اور حسن، ابراہیم، زہری،

ع کذا بالاصل ولعلہ ان یدخل الجنب یدہ ۱۲ منہ (م)

اصل میں اسی طرح ہے شاید یوں ہو "ان یدخل الجنب یدہ" (ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ فی الرجل یدخل یدہ فی الاناء وھو جنب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۸۲

[2] مصنف ابن ابی شیبہ فی الرجل الجنب یغتسل فینضح من غسلہ فی انائہ " " " " ۱/۷۲

فیہ من الجنابۃ[1] قلت استدل بہ الکرخی علی عدم جواز التطہیر بالمستعمل ولا یطابق عمومہ فروعھم المذکورۃ فی الماء الکثیر فیحمل علی الکراھۃ وبذلک اخبر راوی الخبر فاخرج ابن ابی شیبۃ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال کنا نستحب ان ناخذ من ماء الغدیر ونغتسل بہ ناحیۃ[2] قال وماذکر من الفروع مخالفا لھذا فبناء علی روایۃ النجاسۃ کقولھم لو ادخل جنب او محدث او حائض یدہ فی الاناء قبل ان یغسلھا فالقیاس انہ یفسد الماء وفی الاستحسان لایفسد للاحتیاج الی الاغتراف حتی لو ادخل رجلہ یفسد الماء لانعدام الحاجۃ ولو ادخلھا فی البئر لم یفسد لانہ محتاج الی ذلک فی البئر لطلب الدلو فجعل عفوا ولو ادخل فی الاناء او البئر بعض جسدہ سوی الید والرجل افسدہ لانہ لاحاجۃ الیہ[3] وامثال ھذہ (ثم ذکر مسائل وآثارا لاتعلق بما نحن فیہ الی ان قال) وعن ابی جریج قال قلت لعطاء رأیت رجلا توضأ فی ذلک الحوض متکشفا فقال لاباس بہ قد فعلہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وقد علم انہ یتوضؤ منہ الابیض

ابوجعفر اور ابن سیرین نے اسی قسم کی روایت کی، فرمایا اگر کوئی کہے کہ پھر "لایبولن احدکم فی الماء الدائم الخ" حدیث کا کیا مفہوم ہوگا؟ میں کہتا ہوں کرخی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی سے طہارت کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کا عموم زائد پانی میں اُن کی فروع سے مطابقت نہیں رکھتا پس اسے کراہت پر محمول کیا جائے گا اور راوی حدیث نے یہی خبر دی ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ ہم اس امر کو پسند کرتے تھے کہ تالاب سے پانی لے کر ایک کونے میں جاکر غسل کریں، فرمایا اور جو فروع اس کے مخالف ہیں تو وہ نجاست کی روایت پر ہیں، جیسے کسی جُنب یا محدث یا حائض نے اپنا ہاتھ برتن میں بلا دھوئے ڈالا، تو قیاس چاہتا ہے کہ پانی خراب ہوجائے اور استحسان کی رُو سے فاسد نہ ہوگا، کیونکہ چلّو بھرنے کی حاجت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے برتن میں پیر ڈال دیا تو پانی خراب ہوجائے گا کیونکہ ضرورت نہیں، اور اگر پیر کنویں میں ڈالا تو پانی خراب نہ ہوگا کیونکہ کنویں سے ڈول نکالنے کے لیے پیر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کو معاف کردیا گیا ہے اور اگر برتن یا کنویں میں ہاتھ پیر کے علاوہ جسم کا اور کوئی حصہ ڈالا تو پانی خراب ہوجائے گا کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور اسی کی مثل دوسری چیزیں ہیں (پھر انہوں نے ایسے مسائل اور آثار ذکر کئے جن کا

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ من کان یکرہ ان یبول فی الماء الراکد ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۴۱

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ الرجل ینتھی الی البئر والغدیر وھو جنب " " "

[3] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

والاسود فی روایة وکان ینسکب من وضوء الناس فی جوفها قال وکانهم رأوا حدیث المستیقظ خاصا به او انه امر تعبدی علی ان ابن ابی شیبة قد روی عن ابی معویة عن الاعمش عن ابرهیم قال کان اصحاب عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنه اذا ذکر عندهم حدیث ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قالوا کیف یصنع ابو هریرة بالمهراس الذی بالمدینة[1] اھ فهذا کل ما اتی به فی هذا الباب فی کتابه رحمه اللہ تعالٰی فی مآبه۔

اس بحث سے تعلق نہیں، پھر فرمایا، اور ابن جریج سے مروی ہے اُنھوں نے کہا کہ میں نے عطا سے کہا کہ ایک شخص نے حوض میں ننگے ہو کر غسل کیا تو انہوں نے کہا اس میں حرج نہیں، خود ابن عباس نے ایسا کیا حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ اس میں سیاہ و سپید سب ہی غسل کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس حوض میں لوگوں کے وضو کا پانی گرتا تھا، فرمایا کہ غالباً انھوں نے مستیقظ کی حدیث کو اُسی کے ساتھ خاص دیکھا یا یہ کہ یہ امر تعبدی ہے، علاوہ ازیں ابن شیبہ نے ابومعٰویہ سے اعمش سے ابراہیم سے روایت کی کہ اصحاب عبداللہ کے سامنے جب حضرت ابوہریرہ کی حدیث کا ذکر آتا تھا تو فرماتے تھے کہ ابوہریرہ مہراس میں کیا کرتے تھے جو مدینہ میں تھی اھ اس باب میں اس قسم کی چیزیں ذکر کی ہیں۔

اقول وباللہ التوفیق والکلام فیه من وجوہ **الاوّل** من العجب استنادہ رحمه اللہ تعالٰی بعبارة المبتغی فلیس فیها اثر مما ابتغی لان کلامه[ع] فی الحوض الکبیر الا ترٰی الی قوله ان ماء الحوض فی حکم ماء جار و معلوم قطعا ان ذلك انما هو فی الحوض

میں توفیق الٰہی سے کہتا ہوں کہ اس میں چند وجوہ سے کلام ہے؛ اول تعجب ہے کہ انہوں نے مبتغٰی کی عبارت سے استدلال کیا ہے، حالانکہ وہ جو چاہتے تھے اس میں موجود نہیں، کیونکہ اس میں وہ بڑے حوض کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جیسا کہ آپ ان کے قول ان ماء الحوض فی حکم ماء جار سے معلوم کرسکتے ہیں اور یہ قطعی معلوم ہے کہ حوض وہی ہوگا جس

ع قد رأیت التصریح به فی کلام شیخه المحقق علی الاطلاق حیث اورد کلام المبتغی فی مسائل الماء الکثیر ثم قال و انما اراد الحوض الکبیر بالضرورة اھ ۱۲ منه غفر له۔ (م)

پھر میں نے اس کی تصریح ان کے شیخ محقق علی الاطلاق کے کلام میں دیکھی جہاں انہوں نے کثیر پانی کے مسائل میں مبتغٰی کا کلام وارد کیا پھر فرمایا بالضرورة اس سے مراد حوضِ کبیر ہے اھ (ت)

---

[1] رسالہ علامہ قاسم

الکبیر ذی الماء الکثیر اما الصغیر فکالاوانی
وقد قال العلامۃ نفسہ فی ھذہ الرسالۃ ان
ماء الاوانی یتنجس بوقوع النجاسۃ وان لم
یتغیر قال وما کان فی غدیر او مستنقع وھو نحو
ماء الاوانی فھو ملحق بہا اذ لا اثر للمحل اھ[1]
الثانی قدمنا فی نمرۃ ۳۸ عن المبتغی التصریح
بان الماء یفسد بادخال الکف[2] **الثالث** کذلک
لا اثر تأیید شیئ من مقصودہ فی عبارۃ کتاب
الآثار فلیس ان الرجل یدخل یدہ فی الاناء
قبل الغسل او المرأۃ ثم یغتسلان منہ وکیف
یظن ھذا برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم او ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا
وانما مراد محمد رحمہ اللہ تعالٰی نفی قول
من ابطل الوضوء بفضل وضوء المرأۃ مطلقا
او اذا کانت جنبا او حائضا وھما قولان للحنابلۃ
والمالکیۃ ولذا قال بدأت قبلہ او بدأ قبلہا
وترجم لہ باب غسل الرجل والمرأۃ من اناء
واحد من الجنابۃ[3] **الرابع** قد اوضح رضی اللہ
تعالٰی عنہ مرادہ الشریف فی مؤطاہ المنیف
اذ قال باب الرجل یغتسل او یتوضؤ بسور المرأۃ
اخبرنا مالک حدثنا نافع عن ابن عمر رضی اللہ

میں پانی بہت زیادہ ہو اور چھوٹا حوض تو برتنوں کی طرح ہے، خود علامہ نے
اس رسالہ میں فرمایا کہ برتنوں کا پانی نجاست کے گرنے
سے نجس ہوجائے گا خواہ اس میں تغیر نہ ہو، فرمایا جو پانی
تالاب اور گڑھے میں ہو وہ برتنوں کے پانی کے برابر ہو تو
وہ بھی برتنوں کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ محل کا
کوئی اثر نہیں اھ

دوم نمبر ۳۸ میں ہم نے مبتغی کی تصریح کہ پانی
ہاتھ ڈالنے سے خراب ہوگا۔

سوم اسی طرح کتاب الآثار سے بھی ان کی تائید
نہیں ملتی ہے، اس میں یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنا
ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالے یا عورت ڈالے پھر
دونوں اس سے غسل کریں، اور اس قسم کا گمان حضور
صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ
سے کیسے ہوسکتا ہے، امام محمد کا مقصود تو صرف ان
لوگوں کے قول کی تردید ہے جو عورت کے بچے ہوئے
پانی سے مطلق مرد کے لیے وضوء کرنے کو باطل قرار
دیتے ہیں یا جب عورت جنب یا حائض ہو، اور یہی
دو قول حنابلہ و مالکیہ کے ہیں، اور اسی لیے فرمایا عورت
نے مرد سے پہلے یا مرد نے عورت سے پہلے ابتدا کی ہو، اور
اور اس کا عنوان یہ قائم کیا "باب عورت اور مرد کے ایک
برتن سے غسل جنابت کرنے کے بیان میں"

---

[1] رسالہ علامہ قاسم
[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱ / ۷
[3] کتاب الآثار غسل الرجل والمرأۃ من اناء واحد من الجنابۃ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۰

تعالیٰ عنهما انه قال لاباس بان یغتسل الرجل
بفضل وضوء المرأة مالم تکن جنبا او حائضا
قال محمد لا بأس بفضل وضوء المرأة وغسلها
وسؤرها وان کانت جنبا او حائضا بلغنا ان
النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یغتسل
هو وعائشة من اناء واحد یتنازعان الغسل
جمیعا فهو فضل غسل المرأة الجنب وهو قول ابی حنیفة
رحمه الله تعالیٰ ۱ **الخامس** قدمنا عن
الائمة ابی بکر الرازی وشمس الائمة السرخسی
والاسبیجابی والولوالجی وابی زید الدبوسی
والزیلعی وابن الهمام وغیرهم الجم الغفیر
غفر الله تعالیٰ لنا بهم وعن الخلاصة عن
نص کتاب الاصل لمحمد صرائح نصوصه
فی الحکم بخصوصه فکیف یحمل هذا الکلام
علی خلافه وبالله التوفیق ۲ **السادس** ماذکر
رحمه الله تعالیٰ عن ابن عباس والامام الباقر
والحسن البصری وابن سیرین و
ابراهیم النخعی والزهری رضی الله تعالیٰ عنهم
لایمس المقصود لانه فی الملقی والکلام فی
الملاقی ۳ **السابع** ماذکر اخرا عن عطاء وابن
عباس رضی الله تعالیٰ عنهم فاخرة فی الملقی ولا
حجة فی اوله فانه ان کان المراد التوضی فی
الحوض بحیث تسقط الغسالة فیه کالتوضی
فی الطست فهو من الملقی وان کان المراد
التوضی بادخال الید فیه للاغتراف فقدمر

چہارم امام محمد نے اپنی مراد کی وضاحت اپنی موطا
میں کردی ہے، فرمایا: باب اس بیان میں کہ مرد عورت
کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ ہمیں مالک نے خبر
دی، ہم سے نافع نے ابن عمر سے روایت کی، انہوں نے
فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے بچے ہوئے
پانی سے وضو کرے، بشرطیکہ جنب یا حائض نہ ہو۔ محمد
نے فرمایا اس میں حرج نہیں کہ عورت کے بچے ہوئے پانی
سے وضو کیا جائے خواہ وہ اس کے وضو کا ہو یا غسل کا ہو یا جھوٹا ہو
اور خواہ وہ جنب ہو یا حائض ہو، ہمیں حدیث پہنچی ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ عائشہ ایک ہی
برتن سے پانی چھین جھپٹ کر غسل کرتے تھے، یہ جنب
عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کا ثبوت ہے،
اور یہی ابوحنیفہ کا قول ہے۔

پنجم ہم نے ابوبکر الرازی، شمس الائمہ سرخسی
اسبیجابی، ولوالجی، ابوزید الدبوسی، زیلعی، ابن الہمام
وغیرہم، جلیل القدر ائمہ کی ایک عظیم جماعت سے پہلے
ہی نقل کیا ہے اور خلاصہ سے امام محمد کی اصل کی تصریح
نقل کی ہے کہ اسی میں خاص حکم بیان کیا ہے تو اس
کلام کو اس کے خلاف پر کیونکر محمول کیا جا سکتا ہے،
وباللہ التوفیق۔

ششم انہوں نے جو ابن عباس، امام باقر،
حسن بصری، ابن سیرین، ابراہیم نخعی اور زہری رضی اللہ
عنہم سے نقل کیا ہے وہ مقصود سے متعلق نہیں کیونکہ
وہ ملقی کے بارے میں ہے جبکہ گفتگو ملاقی کی بابت ہے۔

ہفتم جو آخر میں انہوں نے عطاء اور ابن عباس

۱؎ موطا امام محمد، الرجل یغتسل او یتوضأ بسؤر المرأۃ مجتبائی لاہور ص ۸۳

ان هذا القدر معفو عنه عند عدم آنية وان فرض ان المراد ان يلج الحوض ويتوضأ فيه لم تنهض ايضا حجة اذ ليس فيه بيان قدر الحوض فجاز ان يكون كبيرا (ف) الثامن كذلك حديث سعد رضى الله تعالى عنه فانه فى الحيض قبل الانقطاع وقدمنا عن الخانية والخلاصة وغيرهما انها لا تفسد الماء اذ ذاك لعدم السببين سقوط الفرض و(ف۲) اقامة القربة التاسع ماذكر عن عامر فظاهر ان لفظة يعنى قبل ان يغسلوها مدرج فى الحديث ولا يدرى قول من هو (ف۳) ولا حجة فى المجهول العاشر ما حكى عن الحسن يعارضه ما فى البدائع عنه فى وقوع قليل ماء مستعمل فى الماء سئل الحسن البصرى عن القليل فقال ومن يملك نشر الماء وهو ما تطاير منه عند الوضوء وانتشاره اشار الى تعذر التحرز عن القليل فكان القليل عفوا ولا تعذر فى الكثير فلا يكون عفوا[1] اھ هذا كلامه فى المطلق فكيف (ف۴) فى الملاقى الحادى عشر ما حكى عن سعيد فعلى تقدير الصحة عنه مذهب (ف۵) تابعى فكيف يحتج به على المذهب وكفى به جوابا عن سائر الآثار (ف۶) الثانى عشر كذلك العبارة

سے نقل کیا ہے تو اس کا آخری حصہ ملتقی میں ہے اور اس کے اول میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ اگر مراد حوض سے وضو کرنا ہے کہ اس طرح اس کا دھوون حوض میں گرے جیسے طشت میں وضو کیا جاتا ہے تو وہ مُلتقیٰ سے ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ حوض میں ہاتھ ڈال کر چلّو بھر کر وضو کیا تو گزر چکا ہے کہ اِس قدر کو شرع نے معاف رکھا ہے جبکہ دوسرے برتن نہ ہوں، اور اگر مراد یہ ہو کہ حوض میں اتر کر وضو کیا تو بھی حجت قائم نہ ہوگی کیونکہ اس میں حوض کے سائز کا ذکر نہیں، پس ممکن ہے کہ حوض بڑا ہو۔

ہشتم اسی طرح سعد کی حدیث ہے کیونکہ وہ حیض کے منقطع ہونے سے قبل سے متعلق ہے اور ہم نے خانیہ اور خلاصہ وغیرہما سے نقل کیا کہ یہ پانی کو خراب نہیں کرتا، کیونکہ دونوں سبب ہی موجود نہیں ہیں نہ تو سقوطِ فرض ہے اور نہ ہی قربۃ کی ادائیگی ہے۔

نہم جو عامر سے نقل ہوا تو ظاہر یہ ہے کہ "قبل ان یغسلوھا" کا لفظ حدیث میں مندرج ہے، اور معلوم نہیں کہ یہ کس کا قول ہے، اور مجہول سے استدلال نہیں ہوتا۔

دہم جو حسن سے نقل کیا گیا ہے وہ اس کے مخالف ہے جو انہی سے بدائع میں نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ کم پانی میں اگر مستعمل پانی گر جائے تو کیا حکم ہوگا، حسن بصری سے کم کی بابت پوچھا گیا، تو آپ نے

---

[1] بدائع الصنائع بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۸

10

الثالثة عن البدائع بمعزل عن المقصود فانها فی الملقی ولا کلام فیه الا تری الی قولہ ثم الکثیر عند محمد ما یغلب علی الماء المطلق وعندھما ان یستبین مواقع القطر فی الاناء[1] اھ

جواب دیا کہا پانی کے چھینٹوں کا مالک کون ہے؟ تو کم تو تعذر کی وجہ سے معاف ہے مگر زائد میں یہ صورت نہیں تو وہ معاف نہ ہوگا، ان کی یہ گفتگو ملقی میں ہے، تو ملاقی میں کیا حال ہوگا۔

یازدہم جو سعید سے نقل کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہو تو وہ ایک تابعی کا مذہب ہے تو اس سے مذہب پر کیسے استدلال ہوسکتا ہے اور یہی جواب دوسرے آثار میں ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

دوازدہم اسی طرح بدائع سے نقل کردہ تیسری عبارت بھی مقصود سے الگ ہے کیونکہ وہ ملقی کی بابت ہے اور اس میں گفتگو نہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ "پھر محمد کے نزدیک کثیر وہ ہے جو مطلق پانی پر غالب آجائے اور شیخین کے نزدیک یہ کہ قطروں کی جگہ برتن میں ظاہر ہوجائے اھ

قلت والوجه فيه ان الماء طاهر عند محمد فلا يسلبه وصف الطهورية مالم يغلب عليه ونجس عندهما فيما يقال وقطرة نجس تنجس كل ماء قليل غير ان الذي لا يستبين لا يعتبر كرشاش البول قدر رؤس الابر فعفي عنه لعسر التحرز فاين هذا مما نحن فيه **نعم** جل ما في يده ما ذكر البدائع في الجدل عن رواية ضعيفة وتعليل قول محمد في مسألة جحط[2] المستعمل ما لاقى البدن وهو اقل من غيره.

میں کہتا ہوں اس میں وجہ یہ ہے کہ محمد کے نزدیک پانی پاک ہے تو اس کی پاکیزگی کا وصف اس وقت تک اس سے سلب نہ ہوگا جب تک کہ اس پر کوئی نجاست غالب نہ آجائے، اور شیخین کے نزدیک نجس ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، اور نجس کا ایک قطرہ ہی تمام قلیل پانی کو نجس کردیتا ہے البتہ جو پانی میں ظاہر نہیں ہوتا وہ معتبر نہیں ہوتا ہے جیسے سُوئی کی نوک کے برابر پیشاب کے چھینٹے، تو چونکہ اس سے بچنے میں دشواری ہے اس لیے اس کو معاف کردیا گیا، تو اس کا ہماری بحث سے کیا تعلق ہے، ہاں قابلِ غور وہ عبارت ہے جو انہوں نے بدائع سے نقل کیا ہے، وہ ایک ضعیف روایت پر جھگڑا ہے اور مسئلہ جحط پر محمد کے قول کی توجیہ ہے کہ مستعمل پانی وُہ ہے جس کی ملاقات بدن سے ہوئی ہو اور وہ دوسرے سے کم ہے۔

اقول وبالله التوفيق وهو المستعان على افاضة التحقيق اليش انا ومن انا

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق وہو المستعان علی افاضۃ التحقیق، میں اور میری حقیقت کیا جو

[1] بدائع الصنائع بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

جلد دوم

حتی أتکلم بین یدی ھذا الامام الھمام ملک العلماء الکرام اعلی اللہ درجاتہ فی دار السلام وافاض علینا برکاتہ علی الدوام آمین ولکن المذھب قد تقرر والنقل الصحیح الصریح عن الائمۃ الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم قد توفر ورأیت ھذا الامام الجلیل قد وافق الاجلۃ الفحول فی تلک النقول عند ذکر المنقول وعلمت ان مایقال فی الجدل اویبدی فی العلل لایقضی علی نصوص المذھب بل ربما لایکون المبدی ایضا الیہ یذھب کما ھو معلوم عند من خدم ھذا الفن المذھب فنجترئ فی ذلک علی ان اقول

وھو **الثالث عشر** الامام ملک العلماء قدس سرہ ھو القائل فی بدائعہ بعد ما ذکر سقوط حکم الاستعمال فی مواضع الضرورۃ کالید فی الاناء للاغتراف والرجل فی البئر لطلب الدلو مانصہ ولو ادخل فی الاناء والبئر بعض جسدہ سوی الید والرجل افسدہ لانہ لاحاجۃ الیہ وعلی ھذا الاصل تخرج مسألۃ البئر اذا انغمس الجنب فیھا لطلب الدلو لابنیۃ الاغتسال ولیس علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ والجملۃ فیہ ان الرجل المنغمس اما ان یکون طاھرا اولم یکن بان کان علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ او حکمیۃ کالجنابۃ والحدث وکل وجہ علی وجہین اما ان ینغمس لطلب الدلو او التبرد او الاغتسال وفی المسألۃ حکمان حکم الماء الذی فی البئر وحکم الداخل فیھا فان کان طاھرا

امام ہمام علمائے کرام کے بادشاہ، اللہ تعالٰی جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے ہم انکی برکتوں سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں آمین، کے سامنے لب کشائی کروں، لیکن مذہب ثابت شدہ ہے اور ائمہ ثلٰثہ کی تصریحات صحیحہ موجود ہیں، اور اس امام جلیل القدر نے نقول کی حد تک ان ائمہ سے اتفاق کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہماری بحثوں سے مذہب کی تصریحات باطل نہیں قرار پاسکتی ہیں جیسا کہ اس فن کے خدام پر واضح ہے، اس لیے میں کچھ معروضات پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں:

میں کہتا ہوں **سیزدہم** امام ملک العلماء قدس سرہ نے بدائع میں ذکر کیا کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں ضرورۃً پانی کے مستعمل ہونے کا حکم ساقط ہوجاتا ہے، جیسے چلّو بھرنے کے لیے ہاتھ کا پانی کے برتن میں ڈالنا اور ڈول تلاش کرنے کے لیے پیر کا کنویں میں ڈالنا، پھر انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی نے برتن یا کنویں میں اپنے جسم کے بعض حصے کو ڈال دیا ہاتھ پیر کے علاوہ، تو پانی فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ بے ضرورت ہے اور اسی اصل پر کنویں کے مسئلہ کی تخریج کی جائے گی کہ جب انسان اس میں ڈول کی تلاش میں اُترا ہو بغیر نیت غسل کے بشرطیکہ اس کے جسم پر کوئی حقیقی نجاست موجود نہ ہو، اور خلاصہ یہ کہ اس میں بحث یہ ہے کہ یا تو غوطہ لگانے والا پاک ہوگا یا ناپاک ہوگا، مثلاً یہ کہ اس کے جسم پر حقیقی یا حکمی نجاست موجود ہو جیسے جنابۃ اور حدث، اور ہر وجہ کی پھر دو وجہیں ہیں یا تو غوطہ

وانغمس لطلب الدلو او للتبرد لایصیر مستعملا بالاجماع لعدم ازالۃ الحدث واقامۃ القربۃ وان انغمس فیھا للاغتسال[1] صار الماء مستعملا عند اصحابنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم لوجود اقامۃ القربۃ وعند زفر والشافعی رحمھما اللہ تعالٰی لایصیر مستعملا لانعدام ازالۃ الحدث والرجل طاھر فی الوجھین جمیعا اھ[2] فانظر الی قولہ فی المسألۃ حکمان حکم الماء الذی فی البئر فھل تری ان الذی فی البئر ھو مالاقی سطح بدنہ عند الانغماس کلا بل کل ما فی البئر وھو المقصود بیان حکمہ وقد حکم علیہ فی الصورۃ الثانیۃ بانہ صار مستعملا باجماع ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وفیھم محمد القائل بطھارتہ وقد حکم بانہ بالانغماس سلب ماء البئر طھوریتہ

ڈول کی تلاش میں لگا ہے یا ٹھنڈک حاصل کرنے یا غسل کرنے کیلئے، اور اس مسئلہ میں دو حکم ہیں ایک تو اُس پانی کا حکم جو کنوئیں میں ہے اور دوسرے اُس شخص کا حکم جو کنوئیں میں داخل ہوا، اگر وہ پاک ہے اور اس نے ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تھا، تو پانی بالاتفاق مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ اس پانی سے نہ تو حدث کا ازالہ کیا گیا ہے اور نہ کوئی قربۃ ادا کی گئی ہے اور اگر اس میں غسل کے لیے غوطہ کھایا تو ہمارے اصحابِ ثلٰثہ کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائے گا کیونکہ اس سے قربۃ ادا ہوئی ہے اور زفر اور شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس سے حدث زائل نہیں کیا گیا ہے اور آدمی دونوں صورتوں میں پاک ہے اھ

اب ان کے اس قول کو دیکھئے جس میں وُہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ میں دو حکم ہیں ایک تو اس پانی کا حکم جو کنوئیں میں ہے، تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کنوئیں میں وہی پانی ہے جو

---

[1] یرید الاغتسال علی وجہ القربۃ بدلیل التعلیل وھو المراد فی سائر المواضع الاٰتیۃ دون الاغتسال لازالۃ درن او دفع حر فانہ والتبرد سواء لایفید الاستعمال اذا کان من طاھر لانعدام السببین اھ منہ حفظہ ربہ تبارک وتعالٰی۔ (م)

[1] علت کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ قربت کے طور پر غسل مراد ہے اور آئندہ تمام مقامات میں یہی مراد ہے، میل کو دُور کرنے یا گرمی کو دفع کرنے کا غسل مراد نہیں کیونکہ جب طاہر آدمی دفعِ گرمی اور حصولِ ٹھنڈک کے لیے غسل کرے تو پانی مستعمل نہ ہوگا کہ دونوں ازالہ حدث اور اقامت قربت نہیں پائے گئے اھ (ت)

---

[2] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

فظهر ان حکم الاستعمال لیسری فی الماء القلیل کلہ سریان حکم النجاسة باجماع اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم فان السریان علی القول بنجاسة الماء المستعمل ظاھر لاخلف فیہ وھذا محمد القائل بالطھارة قد حکم بالسریان فکان القول بہ مجمعا علیہ ولم یبق لاحد بالخلاف ید ان بل قد یظن ان ملك العلماء ماش ھھنا علی جعل طھارة الماء المستعمل متفقا علیھا بین اصحابنا کما قال فی البدائع[1] ومشایخ العراق لم یحققوا الخلاف فقالوا انہ طاھر غیر طھور عند اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم حتی روی عن القاضی ابی حازم العراقی انہ کان یقول انا نرجوان لاتثبت روایة نجاسة الماء المستعمل عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو اختیار المحققین من مشایخنا بماوراء النھر[1] اھ وذلك لان سوق کلامہ ھھنا کما قدم لاحاطة احکام الماء والرجل فی جمیع الصور المحتملة ھنا وقد التزم فی کل صورة بیان الخلاف بین ائمتنا الثلثة ان کان وفصل فی شقی الطاھر حکم الماء فقال فی الاول لایصیر مستعملا بالاجماع وفی الثانی صار مستعملا عند ائمتنا الثلثة خلافا لزفر والشافعی

غوطہ کے وقت سطحِ بدن سے ملاقی ہوا تھا؛ ہرگز نہیں، بلکہ کنویں کا کُل پانی ہے اور اسی کا حکم بیان کرنا مقصود ہے اور دوسری صورت میں اس پر یہی حکم ہوا ہے کہ وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستعمل ہوگیا ہے، ان میں امام محمد بھی شامل ہیں جو اس کی طہارت کے قائل ہیں، اور انہوں نے فرمایا کہ غوطہ کی وجہ سے پانی کے پاک کرنے والی صفت سلب ہوگئی ہے تو ظاہر ہُوا کہ استعمال کا حکم تھوڑے پانی میں مکمل طور پر جاری ہوتا ہے، جیسے کہ نجاست کا حکم، اس پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کیونکہ سرایت کرنا مستعمل پانی کو نجس کہنے کی صورت میں ظاہر ہے، اس میں خلاف نہیں، اور امام محمد جو پانی کی طہارت کے قائل ہیں سرایت کا حکم دے رہے ہیں تو گویا یہ قول اجماعی ہے، اس میں کسی کا خلاف نہیں رہا بلکہ یہاں یہ گمان بھی کیا گیا ہے کہ ملک العلماء نے پانی کے پاک ہونے کو ہمارے اصحاب کے درمیان متفق علیہ قرار دیا ہے جیسا کہ بدائع میں فرمایا ہے، اور مشایخ عراق نے اختلاف کی تحقیق نہیں کی، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ طاہر تو ہے مگر طاہر کرنے والا نہیں، یہ ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم کے نزدیک ہے، یہاں تک کہ قاضی ابوحازم العراقی سے مروی ہے کہ وُہ فرماتے تھے کہ ہمیں توقع ہے کہ مستعمل پانی کی نجاست کی روایت ابوحنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور یہی ہمارے وراء النہر کے محققین مشایخ کا مختار ہے اھ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۷

بقی علیہ بیان حکم الرجل فی المسئلتین عند ائمتنا فجمعهما وقال الرجل طاهر فی الوجهین جمیعا فکما انہ یستحیل عند الذوق السلیم کون ھذہ اتتمۃ قول زفر و الشافعی فیبقی ساکتا عن بیان حکم الرجل فی الوجھین عند ائمتنا رضی اللہ تعالٰی عنھم کذلک یبعد ان یکون ھذا قول بعض دون بعض منھم اذ لوکان کذلک لبین الخلاف کما بین فی سائر الصور ولم یأت بہ ھکذا مرسلا لایھام الخلاف اعنی عدم الخلاف مع وجودہ لاسیما مع قرینتی الاجماع والاتفاق فی حکم الماء فی ھذین الوجھین فلا ینقدح فی الذھن الاکونہ وفاقیا بین اصحابنا کقرینتیہ السابقتین وھذا الاتفاق الاعلی القول بطھارۃ الماء المستعمل حیث لم یتنجس الماء فلا یحتمل ان یتنجس الطاھر بخلاف ما اذا قیل بنجاسۃ اذ یتطرق القول بان الماء تنجس فنجس فلا یکون الرجل طاھرا وفاقا فان **قلت** الیس ان حکم الاستعمال انما یعطی بعد الانفصال والبدن کلہ شیئ واحد فی الاغتسال فما دام فیہ لم یکن مستعملا واذا صار مستعملا لم یکن فیہ فعن ھذا یخرج طاھرا مع نجاسۃ الماء المستعمل عندھما فیما یذکر عنھما **قلت** بلٰی ولکن انما یتمشی علی قول الامام اما عند ابی یوسف فیثبت

ان کے کلام کی روش جیسا کہ گزرا پانی کے احکام کے احاطہ کے لیے ہے اور مرد کے احکام کی بابت ہے یہ تمام محتمل صورتوں میں ہے، اور انھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر صورۃ میں ہمارے ائمہ ثلثہ کا اختلاف بیان کیا ہے اگر واقعۃً اختلاف ہو۔ اور پاک کی دونوں شقوں میں پانی کا حکم تفصیلاً ذکر کیا ہے، پہلی صورت میں کہا بالاجماع مستعمل نہ ہوگا اور دوسری صورت میں کہا مستعمل ہوگیا ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک، اس میں زفر اور شافعی کا خلاف ہے اب ان پر یہ بیان کرنا باقی ہے کہ دونوں مسئلوں میں اُس شخص کا حکم ہمارے ائمہ کے نزدیک کیا ہے، تو ان دونوں کو جمع کردیا اور فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وہ شخص پاک ہے، تو جس طرح ذوقِ سلیم پر یہ گراں ہے کہ اس کو زفر و شافعی کے اقوال کا تتمہ قرار دیا جائے، اور مرد کے حکم میں ہمارے ائمہ دونوں صورتوں میں خاموش رہے یوں یہ بعید ہے کہ یہ قول بعض کا ہو اور بعض کا نہ ہو، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اختلاف کو ضرور بیان کرتے جیسا کہ تمام صورتوں میں بیان کیا ہے لیکن اس کو انہوں نے اس طرح مطلق ذکر نہ کیا تاکہ خلاف کا ایہام ہو یعنی عدمِ خلاف مع وجودِ خلاف بالخصوص جبکہ دو قرینے اجماع اور اتفاق کے اس امر پر موجود ہیں کہ دونوں صورتوں میں پانی کا حکم کیا ہے لہٰذا ذہن میں جو خلش ہے وہ اس کی ہے کہ یہ مسئلہ ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاقی ہے، جیسے اسکے دو سابقہ قرینے ہیں، اور یہ اُسی صورت میں ہوگا جبکہ مستعمل پانی کی طہارت کا قول کیا جائے اس لیے کہ پانی نجس نہیں ہوا، تو یہ احتمال نہیں ہے

حکم الاستعمال باول ملاقاۃ البدن الماء قال فی البدائع ابویوسف یقول ان ملاقاۃ اول عضو المحدث الماء یوجب صیرورتہ مستعملا فکذا ملاقاۃ اول عضو الطاہر الماء علی قصد اقامۃ القربۃ واذ اصار الماء مستعملا باول الملاقاۃ لاتتحقق طہارۃ بقیۃ الاعضاء بالماء المستعمل[1] اھ فکیف یقول الماء مستعمل والرجل طاہر وقد قال فی البدائع ان کان علی یدہ نجاسۃ حکمیۃ فقط فان ادخلہا لطلب الدلو والتبرد یخرج من الاول (ای الماء الاول فان المسألۃ مفروضۃ فی الانغماس فی عدۃ میاہ) طاہرا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللّٰہ تعالٰی ہو الصحیح لزوال الجنابۃ بالانغماس مرۃ واحدۃ وعند ابی یوسف ہو نجس ولا یخرج طاہرا ابدا[2] اھ **فان** حملتہ ھنا علی حال الضرورۃ لقول البدائع اما ابویوسف فقد ترک اصلہ عند الضرورۃ علی مایذکرو روی بشر عنہ ان المیاہ کلہا نجسۃ وھو قیاس مذہبہ[3] اھ **دفعۃ** ۴۰۹ ان ما مرھھنا ان الماء مستعمل والرجل طاہر عکس مایقول بہ الامام الثانی حال الضرورۃ الاتری ان مذہبہ فی مسألۃ البئر

کہ وہ پاک کو نجس بنا دے بخلاف اس صورت کے کہ پانی کو نجس کہا جائے کہ اس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ پانی نجس ہوگیا ہے اس لیے اس نے طاہر کو نجس کردیا تو مرد بالاتفاق پاک نہ ہوگا۔ اگر تُو یہ کہے کہ آیا یہ بات درست نہیں کہ پانی پر مستعمل ہونے کا حکم اُسی وقت لگایا جائے گا جب وہ بدن سے جدا ہو، اور بدن غسل کی صورت میں شیئ واحد ہے، توجب تک پانی بدن پر رہے گا مستعمل نہ ہوگا اور جو مستعمل ہوگا تو بدن پر نہ رہے گا اسی وجہ سے وہ شخص پاک ہوجاتا ہے اور پانی شیخین کے نزدیک نجس ہوجاتا ہے جیسا کہ شیخین کی بابت مشہور ہے میں کہتا ہوں یہ درست ہے، مگر یہ صرف امام ابوحنیفہ کے قول پر چل سکتا ہے کیونکہ ابو یوسف کے نزدیک پانی کو مستعمل ہونے کا حکم بدن سے پہلی ملاقات ہی میں دے دیا جائیگا بدائع میں ہے ابو یوسف نے فرمایا مُحدِث کے پہلے عضو سے ملتے ہی پانی مستعمل ہوجاتا ہے، اور اسی طرح پاک آدمی کے کسی عضو کا بہ نیت ادائیگی قربۃ پانی کو لگنا پانی کو مستعمل بنا دیتا ہے اور جب پانی پہلی ملاقات ہی سے مستعمل ہوگیا تو باقی اعضاء کی طہارت پانی سے نہیں ہوسکتی ہے اھ تو پھر وہ کس طرح فرماتے ہیں کہ پانی مستعمل ہوگیا اور مرد پاک ہے۔ اور بدائع میں فرمایا کہ اگر اس کے ہاتھ پر صرف نجاست حکمیہ ہے پھر وہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰
[2] ایضاً ۱/۷۰
[3] ایضاً ۱/۷۰

جحط الحمار ای ان الماء طاھر علی حالہ
والرجل لم یطھر کما کان قال فی البدائع ابو یوسف[1]
یقول یجب العمل بھذا الاصل (ای ماتقدم
من ثبوت الحکم باول الملاقاۃ) الا عند الضرورۃ
کالجنب والمحدث اذا ادخل یدہ فی الاناء
لاغتراف الماء لایصیر مستعملا ولا یزول
الحدث الی الماء لمکان الضرورۃ لان ھذا
الماء لو صار مستعملا انما یصیر مستعملا بازالۃ الحدث ولو
ازال الحدث لتنجس ولو تنجس لا یزیل الحدث
واذا لم یزل الحدث بقی طاھرا واذ بقی طاھرا یزیل
الحدث فیقع الدور فقطعنا الدور من الابتداء
فقلنا انہ لا یزیل الحدث عنہ فبقی ھو
بحالہ والماء علی حالہ اھ و
بالجملۃ لا استقامۃ لھذا علی قول ابی یوسف
اصلا الا بان یقال انہ مبنی علی طہارۃ
الماء المستعمل عندھم جمیعا وھو قول
صحیح قد قواہ ملک العلماء وجعلہ مختار
المحققین وان مشی فی مواضع کثیرۃ علی
نسبۃ التنجیس الی الشیخین کما اشتھر
فعلی ھذا تکون المسألۃ نصا عن ائمتنا
الثلثۃ علی سریان حکم الاستعمال الی
جمیع الماء مع طھارتہ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

اس کو کنویں میں ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے
کیلئے داخل کرتا ہے تو وہ اول (یعنی پہلا پانی کیونکہ
مسئلہ اس مفروضہ پر ہے کہ کئی پانیوں میں ہاتھ
ڈبویا) سے پاک نکلے گا، یہ ابو حنیفہ اور محمد کے
نزدیک ہے، یہی صحیح ہے کیونکہ جنابت ایک ہی مرتبہ
ڈبونے سے زائل ہوگئی، اور ابو یوسف کے نزدیک
وہ نجس ہے، اور وہ کبھی پاک نہ ہوگا۔ اگر آپ اس کو
یہاں ضرورت پر محمول کریں کیونکہ بدائع میں ہے بہرحال
ابو یوسف نے اپنی اصل کو ضرورت کے وقت ترک
کیا ہے، جیسا کہ اُن سے مروی ہے اور بشر نے ان سے
روایت کی ہے کہ سب کے سب پانی نجس ہیں اور یہی
چیز ان کے مذہب سے لگا کھاتی ہے۔

(ف) ۸۰۹ جو یہاں گزرا کہ پانی مستعمل
ہے اور آدمی پاک ہے، امام شافعی کے قول کے برعکس
ہے ضرورت کی حالت میں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ
ان کا مذہب کنویں کے مسئلہ "جحط" میں "ح" ہے
یعنی پانی اپنی سابقہ حالت پر پاک ہے اور انسان
بھی جیسا کہ پہلے تھا ناپاک ہے۔ بدائع میں فرمایا
ابو یوسف فرماتے ہیں اس اصل پر عمل لازم ہے
(یعنی یہ کہ پہلی ملاقات ہی میں حکم ثابت ہوجاتا ہے)
ہاں ضرورت کے وقت اس کو ترک بھی کرسکتے ہیں، جیسے جنب اور بے وضو جب برتن میں سے پانی لینے کے لیے
اپنے ہاتھ ڈبوئیں تو پانی مستعمل نہ ہوگا اور حدث بھی زائل نہ ہوگا کیونکہ یہاں ضرورت موجود ہے، کیونکہ یہ
پانی اگر مستعمل ہوتا تو حدث کے زائل کرنے کی وجہ سے ہوتا، اور اگر یہ حدث کو زائل کرتا تو ناپاک ہوجاتا اور

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

اگر ناپاک ہوتا تو حدث کو زائل نہ کرتا، اور جب حدث کو زائل نہیں کیا تو پاک رہا اور جب پاک رہا تو حدث کو زائل کرے گا تو دور لازم آئے گا، تو ہم نے دور کو ابتداً ہی سے قطع کیا اور وہ اس طرح کہ یہ پانی حدث کو زائل نہیں کرتا ہے تو انسان اپنی حالت پر رہا اور پانی اپنی حالت پر رہا اھ خلاصہ کہ ابو یوسف کے قول پر یہ قول کسی طرح درست نہیں بیٹھتا ہے، اس کی محض ایک ہی صورت ہے اور وُہ یہ کہ پانی ان تمام ائمہ کے نزدیک پاک ہے اور یہی قول صحیح ہے، اس کو ملک العلماء نے قوی قرار دیا اور اس کو محققین کا مختار قرار دیا، اگرچہ اکثر مقامات پر انھوں نے اس پانی کو شیخین کے نزدیک نجس قرار دیا ہے، جیسا کہ مشہور ہے، اس بنا پر مسئلہ اس امر کی تصریح ہوگا کہ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک استعمال کا حکم تمام پانی میں جاری ہوگا اور انسان پاک رہے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

الرابع عشر ثم قال قدس سرہ فی من انغمس فی ثلثۃ اٰبار او اکثر عندھما (ای الطرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما) ان انغمس لطلب الدلو او التبرد فالمیاہ باقیۃ علی حالہا وان کان الانغماس للاغتسال فالماء الرابع فصاعدا مستعمل لوجود اقامۃ القربۃ اھ فانظر علی ای شیئ حکم بکونہ مستعملا الماء الرابع فصاعدا لاخصوص ما لاق منہ سطح البدن۔

چودھواں پھر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس شخص نے تین یا تین سے زیادہ کنووں میں غوطہ لگایا تو ان دونوں (یعنی طرفین) کے نزدیک اگر ڈول کی تلاش میں لگایا یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے، تو پانی اپنی حالت پر باقی رہیں گے، اور اگر غوطہ خوری غسل کے لیے تھی تو چوتھا پانی اور اس کے بعد والے پانی مستعمل ہوں گے کہ ان سے قربۃ ادا ہوئی ہے اھ تو دیکھیے انھوں نے کس چیز پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا ہے، چوتھا پانی اور اس سے زاید خاص وہ پانی نہیں جس سے محدث ملا۔

قلت والمعنی جمیع المیاہ من اولہا وانما خص الرابع فما فوقہ بالذکر دفعا لتوھم انہ یقتصر حکم الاستعمال علی المیاہ الثلثۃ الاول اذ لاقربۃ بعد التثلیث فالرابع وما بعدہ لایصیر مستعملا لعدم السببین فنبہ علی بطلانہ بان ذلک عند اتحاد المجلس ولامساغ لہ فی باب الاٰبار۔

میں کہتا ہُوں مراد یہ ہے کہ پہلے پانی سے لے کر تمام پانی مستعمل ہیں، انھوں نے چوتھے اور اُس کے بعد والے کا خصوصی ذکر اس لیے کیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ استعمال کا حکم صرف تین پانیوں تک ہی محدود ہے کیونکہ تثلیث کے بعد قربۃ باقی نہیں رہتی ہے تو چوتھا اور اس کے بعد والا مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ اس میں دونوں سبب موجود نہیں ہیں، تو اس کے بطلان پر انھوں

لہ بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

نے متنبہ کیا کہ یہ اتحاد مجلس کی صورت میں ہے، اور یہ چیز مختلف کنوؤں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اقول لکن یشکل علیہ انہ رحمہ اللہ تعالٰی انما ذکر ھذا فی من کان علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ لان عبارتہ ھکذا وان لم یکن طاھرا فان کان علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ وھو جنب اولا فانغمس فی ثلثۃ اٰبار او اکثر من ذلک لایخرج من الاولی والثانیۃ طاھرا بالاجماع ویخرج من الثالثۃ طاھرا عند ابی حنیفۃ ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنہما والمیاہ الثلثۃ نجسۃ لکن نجاستہا علی التفاوت علی ماذکرنا وعند ابی یوسف کلہا نجسۃ والرجل نجس سواء انغمس لطلب الدلو او الاغتسال وعندھما ان انغمس لطلب الدلو او التبرد فالمیاہ باقیۃ علی حالہا[1] الخ وکیف تبقی علی حالہا والفرض ان علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ **الا** ان یقال انتہی الکلام علیہا الی قولہ المیاہ کلہا نجسۃ والرجل نجس وقولہ سواء انغمس لطلب الدلو الخ بیان لعدم اقتصار الحکم عند ابی یوسف علی النجاسۃ الحقیقیۃ بل کذلک الحکمیۃ کما قدمنا ان عند ابی یوسف ھو نجس ولا یخرج طاھرا ابدا فلما استطرد ھذا بان خلاف الطرفین فیہ ان ھذا التعمیم لیس عندھما **ویکدرہ** ان

میں کہتا ہوں اس پر اشکال یہ ہے کہ انہوں نے یہ حکم اس شخص کا بیان کیا ہے جس کے بدن پر حقیقی نجاست ہو، ان کی عبارت اس طرح ہے "پس اگر وہ پاک نہیں ہے تو یا تو اس کے بدن پر حقیقی نجاست ہوگی، اور وہ جنب ہوگا یا نہیں، ایسا شخص اگر تین کنوؤں میں غوطہ لگائے یا زیادہ میں تو پہلے اور دوسرے سے بالاجماع پاک نہیں نکلے گا اور تیسرے سے ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک پاک نکلے گا اور تینوں پانی نجس ہیں، مگر ان کی نجاست مختلف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور ابو یوسف کے نزدیک سب نجس ہیں، اور انسان بھی نجس ہے، خواہ اس نے ڈول نکالنے کیلئے غوطہ لگایا ہو یا غسل کرنے کے لیے، اور طرفین کے نزدیک اگر ڈول نکالنے کے لیے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تو پانی اپنی حالت سابقہ پر باقی ہے الخ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ اُس کے بدن پر حقیقی نجاست ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ان کا کلام المیاہ کلہا نجسۃ والرجل نجس پر پورا ہوا اور ان کا قول سواء انغمس لطلب الدلو الخ اس امر کا بیان ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک حکم نجاست حقیقیہ پر مقصور نہیں ہے بلکہ حکمیہ کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ابو یوسف کے نزدیک انسان ناپاک ہے تو کبھی پاک نہ ہوگا، اس

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الکلام المستطرد اذن فی النجاسۃ الحکمیۃ فکیف یقول عندھما ان انغمس لطلب الدلو او التبرد فالمیاہ باقیۃ علی حالہا فان عند الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ یصیر الماء مستعملا بازالۃ الحدث وان لم ینو بل کذلک عند محمد ایضا عند التحقیق وقد قال فی البدائع[1] فی اٰدمی وقع فی البئران کان علی بدنہ نجاسۃ حکمیۃ فعلی قول من جعل ھذا الماء مستعملا والمستعمل نجسا ینزح ماء البئر کلہ کما تقدم فاذا کان ھذا فی الواقع بلا قصد فکیف فی المنغمس قصدا للتبرد ثم قد اتی بشق النجاسۃ الحکمیۃ بعد ھذا وصرح فیہ بالحکم الصحیح علی خلاف ماھنا کما سیاتی وان حمل ماھنا علی الضرورۃ فمع بعدہ یاباہ قولہ او التبرد الا ان یقال انھم قد ادخلوہ فیہا کما یاتی فبناء علی ھذا التسامح یصح ھذا الحمل غیر انہ لایسلم فان نزید الاستطراد حتی یشمل الطاھر فمع ان التعمیم المذکور فی قول الامام الثانی سواء انغمس الخ لم یکن لیشملہ قطعا یعکر علیہ ان الشمول لایخرج المحدث فکیف یصح اطلاق الحکم بان المیاہ باقیۃ علی حالہا ولا

معلوم ہوا کہ اس میں طرفین کا خلاف ہے، کہ یہ تعمیم اُن دونوں کے نزدیک نہیں ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ کلام مستطرد نجاست حکمیہ کی بابت ہے تو پھر یہ کیسے فرمایا کہ طرفین کے نزدیک اگر ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غوطہ لگایا تو پانی اپنی حالت پر باقی ہیں کیونکہ امام کے نزدیک پانی حدث کے ازالہ سے مستعمل ہوجائیگا اگرچہ اُس نے نیت نہ کی ہو، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، بدائع میں ہے کہ اگر کوئی انسان کنوئیں میں گر گیا تو اگر اس کے بدن پر نجاست حکمیہ ہے تو جو لوگ اس پانی کو مستعمل قرار دیتے ہیں اور مستعمل کو نجس کہتے ہیں تو انکے نزدیک کنوئیں کا کل پانی نکالا جائیگا جیسا کہ گزرا، اور جب یہ حکم بلاقصد گرنے والے کا ہو تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے قصداً غوطہ لگائے، پھر انہوں نے نجاست حکمیہ والی شق کا ذکر کیا ہے اور وہاں انہوں نے یہاں کے برعکس حکم صحیح کی صراحت کی، جیسا کہ آئے گا، اور اگر یہاں جو کچھ ہے اس کو ضرورت پر محمول کر لیا جائے تو یہ بعید ہونے کے علاوہ اُن کے قول اوللتبرد کے مناقض ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس کو بھی اسی میں شامل کر لیا ہے، جیسا آئے گا، تو اس تسامح کی بنیاد پر یہ حمل صحیح ہے لیکن محفوظ نہیں، اور اگر استطراد کو زاید کیا جائے اتنا کہ طاہر کو بھی شامل ہوجائے تو ایک تو امام ثانی کے قول کی تعمیم "سواء"

[1] بدائع الصنائع فصل اما بیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

وجہ لتخصیص الحکم بالطاهر فان الکلام مسوق فی شق وان لم یکن طاهرا وقد قدم حکم الطاهر من قبل وبالجملۃ فالعبارۃ ههنا فیما وصل الیه فهمی القاصر لا تخلو عن قلق وحزازۃ ولعلها وقع فیها من قلم الناسخین تغییر وتقدیم وتاخیر وکم له من نظیر فلیتأمل واللّٰه تعالٰی اعلم بمراد خواص عبادہ۔

انغمس الخ" اس کو قطعاً شامل نہیں، پھر اس پر یہ بھی اشکال ہے کہ شمول بے وضو کو نہیں نکالے گا تو یہ مطلق حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام پانی اپنی حالت پر باقی ہیں، اور حکم کو پاک کے ساتھ مخصوص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گفتگو اس شق سے متعلق ہے کہ اگر پاک نہ ہو حالانکہ پاک کا حکم پہلے ہی گزر چکا، اور خلاصہ یہ کہ میری ناقص فہم میں یہاں عبارت اضطراب سے خالی نہیں، اور شاید اس میں ناسخین سے کچھ تغیر، تقدیم یا تاخیر واقع ہوئی ہے، اور اس کی بہت نظائر ہیں، غور کر، اور اللہ تعالٰی زیادہ جانتا ہے اپنے خاص بندوں کے ارادوں کو۔

الخامس عشر ثم قال قدس سرہ

تحت قوله الماء وان کان علی یدہ نجاسۃ حکمیۃ فقط ما نصه واما حکم المیاہ فالماء الاول مستعمل عند ابی حنیفۃ رضی اللّٰه تعالٰی عنه لوجود ازالۃ الحدث والبواقی علی حالها لانعدام ما یوجب الاستعمال اصلا (ای لان الصورۃ مفروضۃ فی الانغماس للتبرد او طلب الدلو فلا نیۃ قربۃ والحدث قد زال بالاول) وعند ابی یوسف ومحمد المیاہ کلها علی حالها اما عند محمد فظاهر لانه لم یوجد اقامۃ القربۃ بشیئ منها واما ابو یوسف فقد ترک اصله عند الضرورۃ علی ما یذکر[1] اھ فقد افاد ان لو وجدت نیۃ القربۃ لصار الماء مستعملا عند الامام الربانی

پندرھواں پھر انہوں نے آگے گزرے ہوئے قول "وان کان علی یدہ نجاسۃ حکمیۃ فقط" کے تحت فرمایا بہرحال پانی، تو پہلا پانی امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستعمل ہے کیونکہ اس میں حدث کا ازالہ پایا جاتا ہے اور باقی اپنے حال پر باقی ہیں کہ وہاں کوئی ایسا سبب موجود نہیں جس کی بنا پر ان کو مستعمل قرار دیا جائے (یعنی مفروضہ تو یہ ہے کہ ٹھنڈک حاصل کرنے یا ڈول کی طلب میں غوطہ لگایا اور قربۃ کی نیت نہیں ہے، اور حدث پہلے ہی سے زائل ہو گیا) اور ابو یوسف اور محمد کے نزدیک کل پانی اپنی حالت پر ہیں، محمد کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان سے قربۃ ادا نہیں کی گئی ہے اور ابو یوسف نے ضرورت کی وجہ سے اپنی اصل کو چھوڑا ہے جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے اھ پس انہوں نے بتایا کہ اگر قربۃ کی نیت ہو گی تو پانی مستعمل ہو گا

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

ایضا بل هو کذلك فان التحقیق انه لا یقتصر
الاستعمال علی نیة القربة کما تقدم .

اقول فهذه صرائح نصوص المسألة
عن ائمة المذهب رضی الله تعالی عنهم اتی
بها ملك العلماء فلا یعارضها ما وقع منه
فی تعلیل او جدل اما الجدل فظاهر و
العلة ان صحت لزمت صحة الحکم ولا عکس
لجواز ان تکون هذه باطلة والحکم معللا
بعلة اخری وههنا کذلك فان القول بنجاسة
المستعمل معلل بوجوه اخر ذکرت فی البدائع
نفسها والهدایة والکافی والتبیین وغیرها
وهذا العلامة قاسم قد رد علی ملك العلماء
استدلاله بهذا الحدیث فی رسالته هذه
وقد تقدم قوله انه لا یطابق عمومه فروعهم
المذکورة فی الماء الکثیر فیحمل علی الکراهة
الخ وقال قبله حیث رد بعض کلام البدائع
قولا قولا قوله وروی عن النبی صلی الله تعالی
علیه وسلم انه قال لا یبولن احدکم فی الماء
الدائم ولا یغتسلن فیه من الجنابة من غیر
فصل بین دائم ودائم الخ یقال علیه
انظر هل انت من اکبر مخالفی هذا الحدیث
حیث قلت انت ومشائخك انه یتوضؤ من
الجانب الاخر المرئیة ویتوضؤ من
ای جانب کان فی غیر المرئیة کما اذا بال فیه
انسان او اغتسل جنب ام انت من العاملین

امام ربانی کے نزدیک، بلکہ حقیقۃً یہی ہے کیونکہ تحقیق
یہ ہے کہ مستعمل ہونا نیتِ قربت پر موقوف نہیں جیسا کہ گزرا۔

میں کہتا ہوں یہ تصریحات ہیں جو اس مسئلہ
میں ائمہ مذہب سے منقول ہیں، ان کو ملک العلماء
نے ذکر کیا ہے، ان کے معارض وہ عبارت نہیں
ہوسکتی ہے جو انہوں نے علت کے بیان کے وقت یا
جدل کے طور پر بیان کی ہے، جدل کی بات تو ظاہر ہے
اور علۃ اگر صحیح ہُوئی تو حکم کی صحت کو لازم ہوگی، اور
اس کا عکس نہ ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ علت باطلہ
ہو اور حکم دراصل کسی اور علۃ کی وجہ سے ہو، اور یہاں
یہی صورتِ حال ہے، کیونکہ مستعمل پانی کی نجاست کا
قول دوسری علتوں کی وجہ سے ہے جو بدائع میں مذکور
ہیں، ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہا میں بھی یہی ہے،
اور علامہ قاسم نے اپنے رسالہ میں ملک العلماء کے
اس حدیث سے استدلال پر رُد کیا ہے اور ان کا یہ قول
گزر چکا ہے کہ اس کے عموم اور ان کے مذکورہ فروع
میں مطابقت نہیں پائی جاتی ہے جو ماءِ کثیر سے متعلق
ہیں تو اس کو کراہت پر محمول کیا جائے گا الخ اور
اس سے قبل فرمایا جہاں انہوں نے بدائع کے بعض
کلام کو رد کیا ہے، اور ایک ایک بات کا رد کیا ہے
کہ ان کا قول کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے
پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ ہی اس میں غسلِ
جنابت کرے، اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے ایک
ٹھہرے ہُوئے اور دوسرے ٹھہرے ہوئے کے درمیان الخ

به فانه لا اعجب ممن یستدل بحدیث هو احد من خالفه اھ وھذا ما اشار الیہ بقول لایطابق عمومہ الخ

اس پر یہ کہا جائے گا غور کرو کیا تم اس حدیث کے بڑے مخالفین میں سے ہو۔ کیونکہ تم نے اور تمھارے مشایخ نے کہا ہے کہ اگر نجاست نظر آرہی ہو تو دوسرے کنارے سے وضو کرلے اور اگر نظر نہ آتی ہو تو جس کنارے سے چاہے وضو کرے، جیسے کسی انسان نے اس پانی میں پیشاب کیا یا جنب نے غسل کیا۔ یا تم اس حدیث پر عمل کرنے والوں میں سے ہو، اس سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہوگی کہ جو شخص اس حدیث کا مخالف ہے وہی اس حدیث سے استدلال بھی کرتا ہے اھ اور یہ ہے وہ بات جس کی طرف انھوں نے اپنے قول لایطابق عمومہ میں اشارہ کیا تھا الخ

اقول رحمکم اللّٰہ جاوزتم الحد فی الاخذ والرد **فاولا** ما قالوہ انما ھو فی الکثیر والکثیر ملحق بالجاری والحدیث فی الدائم **ثانیا** الکراھۃ ان ارید بھا کراھۃ التحریم لم یلائم قولہ وبذلک اخبر راوی الخبر قال کنا نستحب الی اخر ما مرمع انھا لا تفید کما لو لم یتغیر بہ الماء لم یکن وجہ للنھی عنہ الاتری ان الماء الکثیر لعدم تغیرہ یجوز الاغتسال فیہ اجماعا کما فی البدائع وقد استدل ھو علی نجاسۃ الماء المستعمل وشیخکم المحقق علی الاطلاق علی انسلاب الطھوریۃ عنہ بھذا النھی المفید کراھۃ التحریم وان ارید بھا کراھۃ التنزیہ فعدول عن الحقیقۃ من دون ضرورۃ ملجئۃ ولا یلائمھا نون التاکید فی قولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لا یغتسلن وقد دفع العلامۃ الاکمل فی العنایۃ کراھۃ التنزیہ بان تقییدہ بالدائم یاباہ فان الماء الجاری

میں کہتا ہوں اللہ تم پر رحم کرے تم نے قبول کرنے اور رد کرنے دونوں میں حد سے تجاوز کیا ہے، اول تو یہ کہ جو کچھ اُنھوں نے فرمایا ہے وہ کثیر پانی کی بابت ہے اور کثیر جاری کے حکم میں ہے اور حدیث ٹھہرے ہوئے پانی سے متعلق ہے۔

ثانیاً اگر کراہت سے مراد کراہت تحریم ہے تو یہ ان کے قول کے موافق نہ ہوگی، اور اسی کی خبر حدیث کے راوی نے دی فرمایا "کنا نستحب الخ" پھر یہ آپ کے لیے مفید نہیں، اس لیے کہ اگر اس کی وجہ سے پانی میں تغیر نہ ہوتا تو اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی، مثلاً کثیر پانی کہ وہ متغیر نہیں ہوتا اس سے غسل کرنا بالاجماع جائز ہے، جیسا کہ بدائع میں ہے اور اس نے خود اس سے مستعمل پانی کے نجس ہونے پر استدلال کیا ہے اور آپ کے شیخ محقق نے پانی سے طہوریت کے سلب ہوجانے پر استدلال کیا ہے، اور دلیل یہی نہی ہے جو کراہت تحریمی کو ظاہر کرتی ہے اور اگر اس سے کراہت تنزیہی کا ارادہ کیا جائے تو یہ حقیقت سے بلا اشد ضرورت کے انحراف کرنا ہے

يشاركه فى ذلك المعنى فان البول كما انه ليس بادب فى الماء الدائم فكذلك فى الجارى فلايكون للتقييد فائدة وكلام الشارع مصون عن ذلك[1] اھ وقد قال فى المجتبى اما البول فيه فمكروه قليلا كان اوكثيرا دائما اوجاريا وسمى ابوحنيفة رضى الله تعالٰى عنه من يبول فى الماء الجارى جاهلا[2] اھ كما فى ابن الشلبى على التبيين۔

اور پھر حضور علی اللہ علیہ وسلم کے قول لایغتسلن میں جو نونِ تاکید ہے اس سے بھی اس کی مطابقت نہیں، اور علامہ اکمل نے عنایہ میں کراہت تنزیہ کو دفع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو "دائم" کی قید سے مقید کرنا اس کے منافی ہے کیونکہ جاری پانی بھی اس کا شریک ہے کراہتِ تنزیہ میں۔ کیونکہ پیشاب کرنا ٹھہرے ہوئے پانی میں خلافِ ادب ہے اس طرح جاری پانی میں مکروہ ہے تو مقید کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اور شارع کا کلام اس سے محفوظ ہے اھ اور مجتبٰی میں ہے کہ پانی میں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، ٹھہرا ہوا ہو یا جاری، پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور ابوحنیفہ نے جاری پانی میں پیشاب کرنے والے کو جاہل کہا ہے اھ جیسا کہ ابن شلبی علی التبیین میں ہے۔

اقول المقرر عندنا ان نصوص الشارع لانظر فيها الى مفهوم الخلاف ويجوز ان يكون ذكر الدائم نظرا الى الحكم الثانى هو النهى عن الاغتسال **وثالثا** ھب انهم لم يعملوا فى بعض الصور باطلاقه فليس من قيد اطلاقا اوخصص عموما لدليل لاح ممنوعا عن التمسك به فى شیئ اخر هذا وكذا عدم استعمال الماء بوقوع محدث فى البئر عند محمد على تسليمه لولا تعللونه بما تقرر عندكم وصرحتم به غير مرة ان محمدا لايقول بالاستعمال الا بنية القربة واى نية للساقط وانتم المصرحون كما تقدم ان الطاهر ان انغمس

میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک طے شدہ اصول یہ ہے کہ شارع کے نصوص میں مفہومِ مخالف کا اعتبار نہیں، یہ جائز ہے کہ دائم کی قید دوسرے حکم کے لحاظ سے ہو، یعنی غسل کی ممانعت۔

ثالثاً مان لیا کہ بعض صورتوں میں انہوں نے اس کے اطلاق پر عمل نہیں کیا ہے تو جس نے کسی مطلق کو مقید کیا ہو یا عام کو خاص کیا ہو کسی دلیل کی بناء پر، اس کو یہ ممنوع نہیں ہے کہ وہ اس جگہ سے کسی اور چیز کا استدلال کرے، اور اسی طرح پانی کا مستعمل نہ ہونا کسی محدث کے کنویں میں گر جانے کی وجہ سے محمد کے نزدیک اگر اس کو تسلیم بھی کر دیا جائے، تو آپ اس کی علت وہ کیوں نہیں بتاتے ہو جو تمہارے نزدیک مقرر ہے اور

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

[2] شلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ ببولاق مصر ۱/۲۱

فیھا للاغتسال صار الماء مستعملا عند اصحابنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فلم لم یقل محمد ثم ان غیر المستعمل اکثر فلا یخرج عن کونہ طھورًا۔

تم نے ایک سے زائد مرتبہ اس کی وضاحت کی ہے کہ محمد فرماتے ہیں کہ پانی اسی وقت مستعمل ہوگا جب قربۃ کی نیت ہو، اور جو پانی میں گرجائے اس کی کیا نیت ہوگی! اور تم نے تصریح کی ہے جیسا کہ گزرا کہ اگر پاک آدمی کنویں میں غوطہ لگائے نہانے کے لیے تو پانی ہمارے اصحاب ثلٰثہ کے نزدیک مستعمل ہوجائے گا، تو محمد نے کیوں نہیں کہا پھر غیر مستعمل اکثر ہے تو طھور ہونے سے خارج نہ ہوگا۔

السادس عشر الروایۃ الصحیحۃ المعتمدۃ فی مسألۃ جحط رابعۃ لم تشملھا الحروف وھی طم ای ان الرجل طاھر زال حدثہ والماء طاھر غیر طھور قال فی الھدایۃ[1] والکافی والتبیین والسراج وغیرھا انھا اوفق الروایات[2] وفی الدر انہ الاصح[3] وفی الفتح وشرح المجمع انھا الروایۃ الصحیحۃ وفی البحر انہ المذھب المختار وانہ الحکم علی الصحیح[4] فانقطعت الشبھۃ راسا واستقر بحمد اللہ عرش التحقیق علی ان الاستعمال یشیع فی الماء القلیل سریان النجاسۃ۔

سولھواں صحیح روایت اور معتمد روایت مسئلہ جحط میں چوتھی ہے اس کو حروف شامل نہیں اور وہ طم ہیں یعنی انسان پاک ہے اس کا حدث زائل ہوگیا ہے اور پانی پاک تو ہے مگر طھور (پاک کرنے والا) نہیں ہے، ہدایہ، کافی، تبیین اور سراج وغیرہا میں ہے کہ یہ تمام روایتوں میں سب سے زیادہ جامع ہے، اور دُر میں اسی کو اصح کہا، اور فتح اور شرح مجمع میں کہا کہ یہی صحیح روایت ہے اور بحر میں اسی کو مذہب مختار قرار دیا ہے اور یہ کہ صحیح قول کے مطابق حکم یہی ہے تو شبہ بالکل منقطع ہوگیا اور یہ امر محقق ہوگیا کہ مستعمل ہونا تھوڑے پانی میں اسی طرح سرایت کرتا ہے جس طرح نجاست سرایت کرتی ہے۔

السابع عشر فرق قدس سرہ فی الحدث والنجاسۃ حیث تشیع ولا یشیع

سترھواں قدس سرہ نے حدث اور نجاسۃ میں فرق کیا ہے کہ نجاست سرایت کرتی ہے اور حدث

---

[1] شلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ ببولاق مصر ۱/۲۵
[2] دُر مختار باب میاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[3] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[4] ایضاً ۱/۹۶

بان النجس یختلط بالطاھر علی وجہ لایمکن التمییز بینھما فیحکم بنجاسۃ الکل۔

سرایت نہیں کرتا ہے کیونکہ نجس پاک چیز کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے کہ دونوں میں امتیاز نہیں ہوسکتا ہے، تو کل پر نجاست کا حکم ہوگا۔

اقول اولاً الوجہ قاصر عن المدعٰی قرب نجس لایختلط ورب نجس یختلط ویمکن التمییز فلم لیسری الحکم الی جمیع الماء القلیل ارأیتم لو وقع فی الغدیر شعرۃ من خنزیر افلا یتنجس الا القدر الذی لاقاھا اذ لاشیئ ھناك یختلط فلا یمکن التمییز ھذا لایقول بہ احد منا **فان قلت** تنجس بھا ما ولیھا وھو مختلط بسائر الاجزاء بحیث لایمکن التمییز **اقول** فصبغ نجس القی فی غدیر یلزم ان لاینجس الا ما یصبغ بہ لحصول التمییز باللون **فان قلت** مالم ینصبغ جاور المنصبغ فسری الحکم الی الکل۔

میں کہتا ہوں اول وجہ مدعٰی سے قاصر ہے کہ بہت سے نجس مختلط نہیں ہوتے اور بہت سے نجس مختلط ہوتے ہیں اور ممتاز رہتے ہیں تو حکم قلیل پانی میں مکمل طور پر نہ ہوگا مثلاً تالاب میں خنزیر کا ایک بال گر جائے تو کیا صرف وہی نجس ہوگا جو بال سے متصل ہوا ہو کہ اس میں کوئی چیز مختلط ہونے والی نہیں پائی جاتی ہے لہذا امتیاز نہیں ہوسکتا ہے، یہ قول ہم میں سے کسی کا نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ اس سے وہ پانی نجس ہوگا جو اُس سے متصل ہے اور وہ تمام اجزاء سے ملا ہوا ہے کہ تمیز ممکن نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تھوڑی سی نجس شے کا تالاب میں مل جانا اس امر کو مستلزم ہے کہ صرف اتنا پانی ہی نجس ہو جو اس میں ملا ہو کیونکہ یہاں رنگ کی وجہ سے امتیاز حاصل ہوجائیگا۔ اگر کہا جائے کہ جو پانی شے سے آلودہ ہوگیا وہ اُس پانی سے مل جائے گا جو آلودہ نہیں ہوا ہے اس طرح کل پانی نجس ہوگیا۔

اقول ھذہ طریقۃ اخری غیر ما سلك الامام ملك العلماء من ان الحکم بنجاسۃ الکل لعدم التمییز لا للسریان بالجوار وسیأتیك الرد علیھا فی المائع وقد انکرھا فی البدائع بقولہ قدس سرہ الشرع ورد بتنجیس جار النجس لا بتنجیس جار جار النجس الا تری ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حکم بطہارۃ

میں کہتا ہوں یہ ملک العلماء کے راستے کے علاوہ ایک اور راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کل پانی کی نجاست کا حکم عدمِ تمیز کی بناء پر ہے اس لیے نہیں کہ متصل پانی میں اس نے سرایت کی ہے، اس کی تردید آپ مائع کے بیان میں پڑھ لیں گے، اور بدائع میں اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت نے ناپاک کے متصل کے ناپاک ہونے کا حکم دیا ہے یہ نہیں کہ متصل کے متصل کی ناپاکی کا حکم دیا ہے مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ

ماجاور السمن الذی جاور الفأرۃ وحکم بنجاسۃ ماجاور الفارۃ وھذا الان جار جار النجس لو حکم بنجاسۃ لحکم ایضا بنجاسۃ ما جاور جار جار النجس الی مالانھایۃ لہ فیؤدی الی ان قطرۃ من بول او فأرۃ لو وقعت فی بحر عظیم ان یتنجس جمیع مائہ لاتصال بین اجزائہ وذٰلک فاسد[1] اھ وقد کان سنح لی فی الرد علی ھذا ثلٰثۃ اوجہ ذکرتہا علی ھامش نسختی البدائع

اولہا التقریر فی الجامد فلا سرایۃ (ف۱)

وثانیہا الشرع جعل الکثیر والجاری لا یقبلان النجاسۃ مالم یتغیر احد اوصافہما والماء القلیل شیئ واحد ففیہ جار الجار جار (ف۲)

وثالثہا ذکر الشیخ الامام ھذا لابداء الفرق فی حکم الفارۃ والھر والشاۃ الواقعۃ فی البئر بنزح عشرین واربعین والکل بان الفارۃ یجاورھا من الماء عشرون دلوا الصغر جثتہا فحکم بنجاسۃ ھذا القدر لان ما وراءہ لم یجاور الفارۃ بل جاور ما جاور الفارۃ و الشرع ورد الی اخرما مر (ف۳) فکیف بنیت علیہ ان لو فرض عدم التنجیس بالفارۃ الا لقدر عشرین لزم فساد الکل للاختلاط بحیث لا یتمایز ثم رأیت العلامۃ ابن امیر الحاج ذکر فی الحلیۃ الوجھین الاولین بعبارات مطنبۃ مفیدۃ کما ھو دابہ رحمہ اللہ تعالٰی۔

علیہ وسلم نے اُس پانی کے پاک ہونے کا حکم دیا جو اس گھی سے متصل ہے جو چُوہے سے متصل ہے اور جو گھی چُوہے کے متصل ہے وہ ناپاک ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نجس کے متصل کا متصل اگر اس پر نجاستہ کا حکم لگایا جائے تو جو متصل کے متصل کے ساتھ متصل ہوگا اس پر بھی نجاست کا حکم لگایا جائے گا اور یہ سلسلہ لامتناہی چلے گا، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر پیشاب کا ایک قطرہ یا چُوہیا بڑے سمندر میں گرجائے تو تمام کا تمام پانی ناپاک ہوجائے کیونکہ پانی کے تمام اجزاء ایک دُوسرے سے متصل ہیں، اور یہ غلط ہے اھ میں نے اس کی تردید تین طرح کی ہے، اور یہ وجوہ میں نے اپنے بدائع کے نسخہ کے حاشیہ پر ذکر کی ہیں:

(۱) گفتگو جامد چیز میں ہے تو سرایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) شریعت نے کثیر اور جاری پانی کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف میں تبدیلی نہ ہوجائے اور تھوڑا پانی شیئ واحد ہے، اس میں متصل کا متصل، متصل ہے۔

(۳) شیخ امام نے یہ اس لیے بیان کیا ہے کہ چُوہیا، بلّی اور بکری جو کنویں میں گر جائے ان کے حکم میں فرق ظاہر ہوجائے، بیس، چالیس ڈول اور

---

[1] بدائع الصنائع فصل اما بیان المقدار الذی یصیر المحل نجساً ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

فقال فی الاول معلوم ان الماء لیس بشیئ کثیف یمنع کثافتہ سریان النجاسۃ الواقعۃ فیہ من محلہا الذی حلت بہ الی غیرہ کما فی السمن الجامد لیقع الاقتصار فی التنجیس علی الجار المتصل دون غیرہ بل ھو مائع دقیق لطیف تعین لطافتہ ورقۃ اجزائہ مع الاضطراب العارض لہ بواسطۃ الاخذ منہ علی سرایۃ النجاسۃ الی سائر اجزائہ ثم ذکر الثانی بعد کلام اخر[1]

کل پانی نکالا جائے گا۔ چُوہیا کے ساتھ پانی کے بیس ڈول متصل ہیں کیونکہ اس کا جسم چھوٹا ہے تو اتنی ہی مقدار پانی کی نکالی جائے گی کیونکہ اس مقدار کے علاوہ پانی چُوہیا کے متصل نہیں ہے بلکہ جو چُوہیا سے متصل ہے اس کے متصل ہے اور حکم شرع اسی کی مثل وارد ہوا ہے الخ میں نے اس پر لکھا ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ چُوہیا سے صرف بیس ڈولوں کی مقدار نجس ہوگی تو کل کا فساد لازم آئے گا کہ اختلاط ہوا ہے اور امتیاز ختم ہوگیا۔ پھر میں نے علامہ ابن امیر الحاج کو دیکھا کہ انہوں نے حلیہ میں دو پہلی وجوہ مفصل عبارات سے لکھی ہیں، جیسا کہ ان کا اسلوب ہے، پہلی میں فرمایا یہ معلوم ہے کہ پانی کثیف شئے نہیں کہ اس کی کثافت اس نجاست کی سرایت کو مانع ہو جو اس میں گری ہے جیسا جامد گھی، تاکہ ناپاکی صرف متصل تک ہی محدود رہے دوسرے تک تجاوز نہ کرے، بلکہ پانی مائع ہے رقیق ہے لطیف ہے اس کی لطافت و اجزاء کی رقت عارض ہونے والے اضطراب کے ساتھ، دوسرے تمام اجزاء تک نجاست کے سرایت کرنے میں معاون ہے، پھر دُوسری وجہ دُوسرے کلام کے بعد ذکر کی۔ (ت)

والان **اقول** السمن الجامد ھل یقبل التنجس بجوار النجس ام لا علی الثانی لم امر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتقویر ما حول الفارۃ وسلمتم نجاستہ وعلی الاول اذا فرض ان جار النجس نجس فھلم جرا وجب تنجیس ما یجاور ھذا المجاور بتقویرہ لکونہ مجاورا لھذا النجس وان لم یجاور الفارۃ فلا یجدی الفرق باللطافۃ والکثافۃ **بل** لقائل ان

اور اب میں کہتا ہوں منجمد گھی نجس کے ملنے کی وجہ سے نجس ہونے کو قبول کرے گا یا نہیں! دوسری تقدیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چُوہیا کے ارد گرد کے گھی کو دُور کرنے کا حکم کیوں فرمایا اور تم نے اس کی نجاست تسلیم کر لی، اور پہلی تقدیر پر جب یہ فرض کیا گیا کہ نجس کا پڑوسی نجس ہے اور ھلم جرا تو جو حصہ ناپاکی والی جگہ سے ملا ہوا ہے اسکو نجس کرے گا کیونکہ وہ اس نجس کے مجاور ہے اگرچہ چُوہیا کے مجاور نہیں تو لطافت و کثافت کا فرق کچھ مفید نہ ہوگا، بلکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے

---

[1] حلیہ

ف١

يقول اذا تنجس السمن حولها فما يجاور هذا السمن ليس جار جار النجس بل جار النجس وهكذا الى الاخر فان فرق بان السمن متنجس لانجس وجار النجس يتنجس لاجار المتنجس لزم ان لا يتنجس الماء اذا التقى فيه هذا السمن بعد التقوير لانه لاقى متنجسا لانجسا وبه يظهر ما فى كلام ملك العلماء و يطوى هذا البساط من اوله۔

ف٢

فاقول وبالله التوفيق ليس سبب

ف٣

تنجس الطاهر مجاورته لنجس الا ترى ان لولف ثوب نجس فى ثوب طاهر لم يتنجس الطاهر اذا كانا يابسين بل ولا اذا كانت فى النجس بقية نداوة يظهر بها فى الطاهر مجرد اثر كما فى الدر والشامى وبيناه فى فتاونا بل هو اكتساب الطاهر حكم النجاسة عند لقاء النجس وذلك يحصل فى الطاهر المائع القليل بمجرد اللقاء وان كان النجس يابسا لا بلة فيه وفى الطاهر الغير المائع بانتقال البلة النجسة اليه فلابد لتنجيسه من بلة تنفصل ثم يختلف الامر باختلاف جرم الطاهر لطافة وكثافة فالسراية فى اللطيف اكثر منها فى الكثيف وكذلك قد يختلف باختلاف زمن التجاور اذا عرفت هذا فالسمن يقور ويلقى منه قدر ما يظن سراية البلة النجسة اليه ويبقى الباقى طاهرا لان التنجس لم يكن

کہ جب چوہیا کے ارد گرد گھی نجس ہوگیا تو جو اس گھی کے مُجاور ہے وہ نجس کے متصل کا متصل نہیں ہے بلکہ نجس کا متصل ہے اور اسی طرح اخیر تک، اگر یہ فرق کیا جائے کہ گھی متنجس ہے نجس نہیں ہے اور نجس کا متصل نجس ہوتا ہے نہ کہ متنجس کا متصل، تو لازم آئے گا کہ پانی اس وقت نجس نہ ہو جب اس میں یہ گھی نتھارنے کے بعد ملایا جائے کیونکہ اس کی ملاقات متنجس سے ہوئی نجس سے نہیں ہوئی، اس سے ملک العلماء کے کلام کی خامی ظاہر ہوجاتی ہے اور بساط ابتداً سے لپیٹ دی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق، پاک کا ناپاک ہونا اس لیے نہیں ہے کہ وہ ناپاک سے متصل ہے، مثلاً یہ کہ اگر ایک نجس کپڑا پاک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے تو پاک ناپاک نہ ہوگا، اگر وہ دونوں خشک ہیں بلکہ اس صورت میں بھی نجس نہ ہوگا جبکہ ناپاک میں تری باقی ہو جس کا محض اثر پاک پر ظاہر ہو، جیسا کہ دُر اور شامی میں ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے بلکہ وہ پاک کا نجاست کے حکم کو حاصل کرنا ہے نجس کے ملنے سے اور یہ اُس پاک میں ہوتا ہے جو مائع اور قلیل ہو، اور یہ محض ملنے سے ہوگا اگرچہ نجس خشک ہو اور اس میں تری نہ ہو، اور طاہر غیر مائع میں نجس تری اس کی طرف منتقل ہوگی تو اس کو ناپاک کرنے کے لیے تری کا ہونا ضروری ہے جو اس سے جُدا ہو، پھر معاملہ پاک کے جرم کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوگا، یعنی لطافت و کثافت کے اعتبار سے، تو لطیف میں بہ نسبت کثیف کے سرایت زیادہ ہوگی، اور اسی طرح یہ اختلاف اتصال کے زمانہ کے اختلاف سے بھی پیدا

لمجاورة النجس حتی یقال ان السمن الذی بعدہ مجاورلھذا النجس بل لسرایۃ البلۃ وقد انتھت فظھران استشہاد ملك العلماء بمسألۃ السمن علی التفرقۃ بین الفأرۃ وما فوقھا لاوجہ لہ وانما الاٰبار تتبع الاٰثار وما احسن ما قال المحقق رحمہ اللہ تعالٰی فی فتح القدیر فی مسائل البئر من الطریق ان یکون الانسان فی ید النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنھم کالاعمٰی فی ید القائد[1] اھ نسأل اللہ تعالٰی حسن التوفیق اٰمین

ہوتا ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو گھی کو نتھارا جائے گا اور اس میں سے اتنی مقدار پھینک دی جائے گی جتنی میں کی طرف نجس تری کی سرایت کا گمان ہو اور باقی پاک رہے گا کیونکہ ناپاک ہونا نجس کے اتصال کی وجہ سے نہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ اس کے بعد والا گھی اس نجس کے مجاور متصل ہے بلکہ اس کی نجاست تری کے اس کی طرف آجانے کی وجہ سے ہے اور تری ختم ہو چکی ہے، تو معلوم ہوا کہ ملک العلماء کا استشہاد گھی کے مسئلہ سے چوہیا اور اس سے بڑے جانور کے مسئلہ میں اختلاف کو ثابت کرنے کے لیے بلا وجہ ہے اور بیشک کنویں آثار کے تابع ہوتے ہیں، اور محقق نے فتح القدیر میں خوب فرمایا کنویں کے مسئلہ میں، صحیح راستہ یہ ہے کہ انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ میں اس طرح ہاتھ دے دے جیسے اندھا اپنے قائد کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے، ہم اللہ تعالٰی سے احسن توفیق کے سائل ہیں۔

وثانیا وھو الثامن عشر

لیس مذھبنا ان النجس اذا وقع فی الماء القلیل لم ینجس منہ الا ما اتصل بہ عینا والباقی باق علی طہارتہ وانما یمتنع استعمالہ مخافۃ استعمال النجس لاختلاطہ بہ بحیث لا یمکن التمییز بل المذھب قطعا شیوع النجاسۃ فینجس الکل وحینئذ۔

اور ثانیاً (اور یہی اٹھارھواں ہے) ہمارا مذہب یہ نہیں ہے کہ جب نجاست تھوڑے پانی میں گر جائے تو صرف وہی پانی ناپاک ہوگا جو اس سے متصل ہے اور باقی پاک رہے گا اور اس کا استعمال اس لیے ممنوع ہوگا کہ کہیں اس میں ناپاک مل کر نہ آجائے اور پتا نہ چل سکے، بلکہ قطعی مذہب یہ ہے کہ نجاست تمام کو شامل ہوگی۔

اقول ماذا یشیع من النجاسۃ عینھا ام حکمھا ای یکتسب الماء بمجاورتھا حکمھا الاول باطل قطعا لما علمت من انجاس لاتختلط وایضا قطرۃ من بول مثلا کیف تمتزج بغدیر کبیر غیر کبیر فان قسمۃ الاجسام

اور اس صورت میں میں کہتا ہوں کہ نجاست کے عموم سے کیا مراد ہے کیا عین نجاست عام ہوگی یا اس کا حکم عام ہوگا؟ یعنی قریبی پانی پر بھی اس کا حکم لاگو ہوگا، پہلی صورت تو قطعاً باطل ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ نجاستوں میں اختلاط نہیں پایا جاتا ہے

[1] فتح القدیر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۶

متناهية عندنا فيستحيل ان يكون فی الصغير
ما يساوی عدة حصص الكبير وللثانی وجهان
الانتقال التدريجی ای يكتسب الحكم ما يليها من
الماء من كل جانب ثم الاجزاء التی تلی هذه
المياه تكتسب من هذه ثم وثم الی ان ينتهی
الی جميع الماء مالم يبلغ حد الكثرة ام الثبوت
الدفعی بان ينجس الكل بوقوع النجس معا من
دون توسيط وسائط الاول باطل لانا نعلم
قطعا ان بوقوع قطرة من بول مثلا فی هذا
الطرف من غدير طوله مائة ذراع وعرضه ذراع
الا نصف اصبع وعمقه الف ذراع يتنجس الطرف
الاخر واخر القعر معا لا ان الشرع يحكم بتأخر
تنجس ذلك الطرف بزمان صالح لانتقال
الحكم شيأ فشيأ فاذن ثبت ثبوت الحكم للكل
معا اصالة بدون توسط ومعلوم من
الشرع ان الماء لاتنجسه الا ملاقاة النجس
وقد افدتم انتم ههنا ان ملاقاة النجس الطاهر
توجب تنجيس الطاهر وان لم يغلب على
الطاهر فوجب ان الملاقاة حصلت لكل
الماء دفعة لا بالوسائط ومعلوم قطعا ان
اللقاء الحسی أن الوقوع ليس الا لجزء خفيف
والامر اظهر فی نحو الشعرة المذكورة فثبت
انها حين وقعت لاقت جميع اجزاء الماء
القليل والا لما تنجس الكل معا لعدم السبب
فظهر ولله الحمد ان الماء القليل فی نظر

مثلاً پیشاب کا ایک قطرہ ایک بڑے تالاب سے کیسے
مختلط ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک اجسام کی تقسیم
متناہی ہے، تو یہ امر محال ہے کہ چھوٹی چیز بڑی چیز
کے متعدد حصّوں سے مل جائے اور دُوسری شق میں بھی دو
صورتیں ہیں، ایک تو تدریجی انتقال ہے، یعنی جو پانی
نجاست کے متصل ہے وہ حکم کو حاصل کرلے ہر طرف
سے، پھر اس سے متصل پانی کے دوسرے اجزاء ان
سے حکم کو حاصل کرلیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری
رہے جب تک کہ یہ حکم تمام پانی کو عام نہ ہوجائے،
جب تک حدِ کثرت کو پانی نہ پہنچے یا انتقال دفعۃً اور
یکدم ہو کہ نجاست گرتے ہی سارا پانی ناپاک ہوجائے
اور درمیان میں کوئی واسطہ نہ آئے، پہلا باطل ہے
کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ اگر پیشاب کا ایک قطرہ
ایسے حوض میں گرجائے جس کی لمبائی سَو ہاتھ ہے اور
چوڑائی ایک ہاتھ سے ایک انگل کم اور گہرائی ایک ہزار
ہاتھ ہے اب جس کنارے میں وہ قطرہ گرا ہے وہ قطعاً
ناپاک ہے اور دوسرا کنارہ بھی ناپاک ہے اور گہرائی کا
آخری حصہ تک ناپاک ہے اور یہ سب بیک وقت ہوگا
یہ نہیں کہ شریعت دوسرے کنارے کی ناپاکی کا حکم
قدرے تاخیر سے دے گی کہ آہستہ آہستہ حکم اس کی
طرف منتقل ہو، اس سے معلوم ہُوا کہ حکم اصالۃً تمام پانی کیلئے
بیک وقت بلا توسط کے منتقل ہوگا، اور یہ بات معلوم ہے
کہ شریعت پانی کو اس وقت تک نجس قرار نہیں دیتی ہے
جب تک کہ نجاست اس کی طرف منتقل نہ ہو اور آپ
نے یہاں فرمایا ہے کہ نجس کا پاک سے ملنا پاک کو نجس

الشرع کشیٔ واحد بسیط و ان ملاقاۃ جزء منہ ملاقاۃ للکل فثبت ان المحدث اذا ادخل یدہ مثلا فی الغدیر الغیر الکبیر فبمجرد الادخال لاقاھا الماء کلہ فصار جمیعہ مستعملا والحمد للہ علی حسن التفھیم و تواتر الائہ و بالجملۃ لوکان اللقاء یقتصر علی ما اتصل بہ حقیقۃ لم یتنجس بوقوع الشعرۃ الا القطیرات تحیطھا لان سبب التنجیس لیس الا ملاقاۃ النجس وھی مقصورۃ علی تلک القطیرات لکنہ باطل قطعا فعلم ان الکل ملاق وانہ لا مساغ لان یقال ان غیر الملاقی اکثر من الملاقی واللہ الحمد دائم الباقی، والصلوٰۃ والسلام علی المولی الکریم الواقی، وٰالہ وصحبہ اجمعین الی یوم التلاقی۔

کردیتا ہے خواہ وُہ پاک پر غالب نہ ہُوا ہُو تو معلوم ہُوا کہ ملاقاۃ تمام پانی سے دفعۃً بلا واسطوں کے ہوئی ہے، اور یہ قطعی معلوم ہے کہ حسی لقاء محض ایک خفیف جز سے ہے، یہ چیز بال کی مثال سے واضح ہے جو گزر چکی ہے، اس سے ثابت ہُوا کہ جب نجاست گری تو کُل پانی کے تمام اجزاء سے ملی، ورنہ تو تمام پانی بیک وقت ناپاک نہ ہوتا کیونکہ اس کا سبب موجود نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ تھوڑا پانی شارع کی نگاہ میں شئی واحد ہے اور بسیط ہے اور اس کے ایک جز کی اس سے ملاقاۃ کُل سے ملاقاۃ ہے تو ثابت ہُوا کہ مُحدث جب اپنا ہاتھ مثلاً چھوٹے تالاب میں ڈالے تو ہاتھ ڈالتے ہی کُل پانی اُس سے مل گیا تو سب مستعمل ہوگیا، اور خلاصہ یہ کہ اگر ملاقاۃ صرف اسی حد تک ہوتی جس سے پانی حقیقۃً ملا ہے تو بال گرنے سے صرف چند قطرات ہی نجس ہوتے جو بال کے گرد اگرد ہوتے کیونکہ ناپاکی کا سبب نجس سے ملاقاۃ ہے جو ان چند قطروں تک محدود ہے، مگر یہ چیز قطعاً باطل ہے، تو معلوم ہُوا کہ سارے کا سارا مُلاقی ہے اور اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ یہ کہا جائے کہ غیر مُلاقی، ملاقی سے زیادہ ہے۔ (ت)

ثالثا وھو التاسع عشر

قصر الحکم علی الملاقی یحیل الاستعمال، و یسلکہ فی سلک المحال، و ذلک لان الاجسام لا تتلاقی الا بالسطوح لاستحالۃ تداخل الاجسام و انی یقع السطح من الجسم فماء الوضوء والغسل یجب ان یبقی طھورا لان الذی لاقی منہ بدن المحدث سطح والباقی جسم فلا یسلبہ الطھوریۃ لان المستعمل

ثالثاً: یہی (انیسواں) ہے حکم کا محض ملاقی تک محدود رکھنا استعمال کو محال کرنا ہے کیونکہ اجسام کی ملاقاۃ صرف سطوح سے ہوتی ہے، کیونکہ اجسام میں تداخل محال ہے اور سطح کو جسم سے کتنی نسبت ہے؟ تو وضو اور غسل کا پانی واجب ہے کہ طہور ہے کیونکہ پانی کے جس حصّے کو مُحدث کا بدن ملا ہے وہ فقط سطح ہے اور باقی جسم ہے تو وہ اس کی طہوریۃ کو سلب نہ کرے گا، کیونکہ مستعمل اپنے غیر سے

اقل بکثیر من غیرہ۔

بہت کم ہے۔

فان قلت نعم ھو الحقیقۃ ولکن الشرع المطھر اعتبر کل الجسم المصبوب علی بدن المحدث مستعملا لانہ شیئ واحد متصل۔

اگر کہا جائے کہ حقیقۃً تو ایسا ہی ہے لیکن شریعت نے کل پانی کو جو محدث کے جسم پر بہایا گیا ہے مستعمل قرار دیا ہے کیونکہ وہ شیئ واحد ہے اور متصل ہے۔

قلت فکذا کل ماء قلیل شیئ واحد حکما شرعیا متصل حسا عادیا ولو یکن ذلک فی المصبوب للصب بل لقلتہ الا تری ان ماء الغدیر یتنجس کلہ معا بوقوع قطرۃ من نجس وما ھو الا لانہ شیئ واحد لقاء جزء منہ لقاء الکل کما بینا فباد خال المحدث یدہ فی الاناء لاقاھا کل ما فی الاناء لا السطح المتصل بھا فقط وفیہ المقصود

میں کہتا ہوں اسی طرح ہر تھوڑا پانی حکم شرعی کے اعتبار سے شیئ واحد ہے اور حسی اعتبار سے متصل ہے اور یہ چیز بہائے پانی میں بہانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی قلت کی وجہ سے ہے، اس لیے تالاب کا کل پانی بیک وقت ناپاک ہوجاتا ہے جبکہ اس میں نجاست کا کوئی قطرہ گر جائے، اور یہ اسی لیے ہے کہ وہ شَے واحد کی طرح ہے، اُسی کے ایک جُزء سے ملاقات کل سے ملاقات ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو جب محدث نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا تو برتن میں جو کچھ تھا اُس سے ہاتھ کی ملاقات ہوگئی، یہ نہیں کہ صرف اس کی متصل سطح سے ملاقات ہوئی اور اسی میں مقصود ہے، اگر کہا جائے

فان قلت المؤثر الاستعمال وھو بالصب یعد مستعملا لکل المصبوب فیصیر کلہ مستعملا۔

کہ استعمال میں مؤثر بہانا ہے تو کل بہایا ہوا مستعمل شمار ہوگا تو کل مستعمل ہوگا۔

قلت لادخل لفعل المکلف عندنا انما المؤثر کون الماء القلیل المعد وشرعا شیئا واحدا اسقط فرضا او اقام قربۃ و ھذا حاصل فی الوجہین۔

تو میں کہوں گا ہمارے نزدیک مکلّف کے فعل کا کوئی دخل نہیں، موثر تو صرف یہ ہے کہ تھوڑا پانی شرعاً ایک شَے ہے خواہ وہ فرض کو ساقط کرے یا قربۃ ادا کرے اور یہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔

ورابعا وھو العشرون ماء فی طست اراد المحدث ان یغسل بہ یدہ فلہ فیہ وجھان ان یصبہ علی یدہ فیرد الماء علی الحدث او یدخل یدہ فی الطست فیرد الحدث علی الماء

اور رابعاً اور یہی (بیسواں) ہے، اگر ایک طشت میں پانی ہے اور محدث یہ چاہتا ہے کہ اس سے اپنا ہاتھ دھوئے، تو اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو ہاتھ پر بہائے تو پانی حدث پر واقع ہوگا اور یا یہ کہ ہاتھ کو طشت میں ڈال دے

فان صبه کله علی یدہ یصیر کله مستعملا قطعا باجماع اصحابنا و ان کان یکفیه بعضه وقد اسرف لکن لامساغ لان یقال انما استعمل قدر ما یکفیه والفضل بقی علی طھوریته فکذا اذا ادخل یدہ فی کله وغسلها ھناك وای فرق بینھما و باللہ التوفیق۔

تو حدث پانی پر وارد ہو جائیگا تو اگر سب ہاتھ پر بہایا تو کل قطعاً مستعمل ہو جائے گا، اس پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے اگرچہ اس کو بعض کفایت کرتا، اور اس نے اسراف کیا مگر یہ کہنے کا جواز نہیں کہ صرف اتنی مقدار مستعمل ہوئی جو اس کو کفایت کرتی اور باقیماندہ اپنی طہوریت پر رہا تو اسی طرح جب اس نے اپنا ہاتھ سب پانی میں داخل کیا اور اس کو وہاں دھویا، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ و باللہ التوفیق۔

وخامسا اقول و باللہ التوفیق **وھو الحادی والعشرون** الاستعمال مبنیا للمفعول ای صیرورة الماء مستعملا لایمکن ثبوته لما یلاقی بدن المحدث وھو سطح الماء الباطن لان الاستعمال انسلاب الطھوریة فلا یثبت الا فیما کان طھورا کما ان الموت لا یلحق الا ما کان حیا ومعلوم ان الطھوریة صفة جرم الماء قال اللہ عزوجل وانزلنا من السماء ماء طھورا[1] وقال تبارك وتعالٰی وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم به[2] لا صفة احد اطرافه التی لاوجود لھا الا بالانتزاع علی فرض اتصال الاجسام ولا فی الغسل صفة طرف لایتجزی لانه اسالة ولا اسالة الا بالجسم والا ففیم یمتاز عن المسح **وبعبارة اخری** ھل استعمال الماء عدم صلوحه للتوضی به امر سقوط

اور خامساً میں کہتا ہوں، و باللہ التوفیق، اور یہ (اکیسواں) ہے، استعمال مبنی للمفعول ہے یعنی پانی کے مستعمل ہونے کا ثبوت ممکن نہیں ہے اس چیز کے لیے جو بدن محدث کو ملاقی ہو اور وہ باطنی پانی کی سطح ہے اس لیے کہ استعمال کے بعد طہوریت کا سلب ہو جاتا ہے تو یہ اسی چیز میں ثابت ہوگا جو طہور ہو، جیسے موت اُسی چیز پر طاری ہوتی ہے جو زندہ ہو اور یہ معلوم ہے کہ طہوریت پانی کے جسم کی صفت ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے وانزلنا من السماء ماء طھورا (ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا) نیز فرمایا وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم به (وہ آسمان سے تم پر پانی برساتا ہے تاکہ تم کو اسی سے پاک کرے) یہ اس کی کسی طرف کی صفت نہیں ہے جس کا وجود محض انتزاعی ہے جبکہ اجسام کا اتصال فرض کیا جائے، اور نہ ہی غسل میں کسی طرف کی صفت ہے جس میں تجزی نہ ہو، اس لیے کہ غسل کا معنی

---

[1] القرآن ۲۵/۴۸
[2] القرآن ۸/۱۱

الصلوح بعد ثبوته علی الاول کان الملاقی مستعملا قبل ان یلاقی لان السطح لایمکن التوضی به وعلی الثانی لایصیر الملاقی مستعملا ابدا لانه لم یکن صالحا له قط وبه ظهر وللّٰه الحمد ان فی مسائل انغماس المحدث والفروع الکثیرۃ الناطقۃ بصیرورۃ الماء مستعملا بدخول بعض عضو المحدث من دون ضرورۃ صرف الکل الی معنی ان القدر الملاقی للبدن یصیر مستعملا لابقیۃ ماء البئر او الزیر کما فعله فی الحلیۃ محتجا بما وقع فی البدائع وتبعه المحقق فی البحر صرف[2] ضائع لامساغ له اصلا وفیه ابطال صرائح النصوص الدائرۃ السائرۃ فی الروایات الظاهرۃ عن جمیع ائمۃ المذهب رضی اللّٰه تعالٰی عنهم حیث حکموا بالاستعمال و حصیل بالصرف ان لااستعمال فان صح تاویل لاثبات[3] بالنفی والنقیض بالنقیض صح هذا ورحم اللّٰه البحر حیث صدر منه فی البحر الاعتراف بالحق ان هذا التاویل لیس بتاویل بل تبدیل للحکم وتحویل حیث عبر عنه تحت جحط بقوله ان ماء البئر لایصیر مستعملا مطلقا الخ[1] فهذا هو معنی ذلک التاویل حقیقۃ ولامساغ لما انصرف الیه ان المستعمل ما تساقط عن الاعضاء وهو مغلوب فان ما تساقط لم یلاق ایضا انما الملاقی سطح وهو لایقبل الاستعمال۔

بہانا ہے اور بہانا جسم پر ہی ہوگا ورنہ غسل مسح سے کیونکر ممتاز ہوگا؟ اور بالفاظِ دیگر، آیا پانی کے مستعمل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اس بات کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ اس سے وضو کیا جاسکے؟ یا صلاحیت ثابت ہونے کے بعد ساقط ہوتی؟ پہلی صورت میں ملاقی مستعمل ہوگا قبل اس کے کہ ملاقات کرے کیونکہ سطح سے وضو ممکن نہیں اور دوسری تقدیر پر ملاقی کبھی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس میں اس کی صلاحیت کبھی نہ تھی، اور اس سے معلوم ہوا کہ محدث کا غوطہ لگانا، اور بہت سی فروع جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ضرورت محدث کے کسی بھی عضو کے پانی میں داخل ہوجانے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے، بغیر اس معنی کی طرف پھیرنے کی ضرورت کے کہ جس قدر پانی بدن سے ملا ہے وہ مستعمل ہوگا نہ کہ کنویں کا باقی پانی یا تالاب کا باقی پانی، جیسا کہ حلیہ میں کیا ہے، انھوں نے بدائع کی عبارت سے استدلال کیا ہے، اور محقق نے بحر میں اس کی متابعت کی ہے۔ مگر اس کا کوئی جواز نہیں، اور اس میں صریح نصوص جو تمام ائمہ مذہب سے ظاہر روایت میں ہیں، کا ابطال ہے کہ ان سب نے استعمال کا حکم لگایا ہے اور یہ معنی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانی مستعمل نہیں، اگر اثبات کی تاویل نفی سے اور نقیض کی نقیض سے ہوسکتی ہے تو یہ بھی صحیح ہے، علامہ محقق نے بحر میں منصفانہ بات کہی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ تاویل نہیں بلکہ حکم کی تبدیل ہے، کیونکہ

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۸

خط کے تحت انہوں نے فرمایا کہ "کنویں کا پانی مستعمل نہ ہوگا مطلقاً الخ" یہ ہیں اُس تاویل کے حقیقی معنی، اور جو انہوں نے فرمایا ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں مستعمل وہ ہے جو اعضاء سے گرا اور وہ مغلوب تھا کیونکہ جو گرا اس کی ملاقات نہ ہوئی تھی ملاقی تو صرف سطح ہے اور وہ استعمال کو قبول نہیں کرتی ہے۔

وسادساً وهو الثاني والعشرون

ما ذكر قدس سره على مذهب الامام رضي الله تعالى عنه من وجوب نزح الماء كله يهدم اساس الفرق بين النجاسة العينية والحدث اذ ليس في بدن المحدث ما يختلط بالطاهر على وجه لا يمكن التمييز وانما يتنجس ما يلاقي وقد قصرتموه على ما اتصل ببدنه فكان يجب ان لا يتنجس الا هو واختلاط ما جاوره من الماء بسائره يدفعه ما ذكرتم في الفرق بين الفأر والهر ولا يسري لما افدتم من ان النجس هو جار النجس لا جار الجار لكن الامام اوجب نزح الكل فوجب القول بان الملاقي كل الماء واذن كما يتنجس كله عند الامام فيما يروى عنه كذلك تنسلب الطهورية عن كله على مذهبه المعتمد المفتى به لحصول السبب في الكل **وبعبارة اخرى** كما قال قدس سره على رواية الحسن لفرق بين المحدث والجنب كذلك نقول هنا ان بوقوع المحدث في البئر هل ثبت اللقاء للماء كله اولا على الثاني لم وجب نزح الجميع فقد افدتم ان الجوار لا يتعدى وعلى الاول حصل المقصود وبالجملة هنا

اور سادساً (اور وہ بائیسواں ہے) جو قدس سرہ نے مذہبِ امام پر ذکر کیا ہے کہ کل پانی نکالا جائے گا وہ نجاست عینیہ اور حدث کے فرق کی اساس کو منہدم کرتا ہے کہ بدن محدث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو طاہر سے اس طور پر مل جائے کہ تمیز ممکن نہ ہو، اور نجس صرف وہ ہوتا ہے جو اُس سے ملاقی ہو اور تم نے اس کو صرف اُس پر منحصر رکھا ہے جو اُس کے بدن سے ملتا ہے تو چاہئے کہ صرف وہی نجس ہو اور اس پانی کا اختلاط جو باقی بدن سے لگتا ہے اس کو وہ فرق دفع کرتا ہے جو تم نے بلّی اور چوہے میں بیان کیا ہے، اور وہ سرایت نہ کرے گا، کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ نجس وُہ ہے جو نجس کا پڑوسی ہے نہ کہ پڑوسی کا پڑوسی، لیکن امام نے کل پانی کے نکالے جانے کو ضروری قرار دیا ہے تو یہ قول لازم ہوا کہ ملاقی کل پانی ہے، اور اس صورت میں جیسے کل پانی امام کے نزدیک نجس ہوتا ہے جیسا کہ اُن سے مروی ہے اسی طرح طہوریت کل پانی سے سلب ہو جائے گی جیسا کہ اُن کا مذہب معتمد مفتی بہ ہے کیونکہ سبب کل میں موجود ہے، اور بالفاظ دیگر جیسا کہ قدس سرہٗ نے فرمایا حسن کی روایت کے مطابق فرق محدث اور جنب کے درمیان ہیں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ محدث کے کنویں میں گرنے سے کیا کل پانی سے لقاء ثابت ہو گی یا نہیں؟ اور بر تقدیر ثانی کنویں کا کل پانی نکالنا کیوں

شیأن السبب والحکم اما السبب فمتفق علیه وهو اللقاء وانما الخلف فی الحکم انه التنجس او انسلاب الطهوریة فان اقتصر السبب علی ما اتصل وجب قصر الحکم علیه ای حکم کان وان شمل احد الحکمین جمیع الماء ثبت ثبوت السبب فی الکل فوجب شمول الحکمین للکل وبالله التوفیق۔

لازم ہوا کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ جوار متعدی نہیں ہوتا ہے اور پہلی تقدیر پر مقصود حاصل ہوگیا۔ اور خلاصہ یہ کہ یہاں دو چیزیں ہیں، سبب اور حکم۔ سبب تو متفق علیہ ہے اور وہ ملاقاۃ ہے اور اختلاف صرف حکم میں ہے اور وہ ناپاک ہونا ہے یا طہوریت کا سلب ہونا ہے اگر سبب متصل پر موقوف ہو تو حکم کا بھی اس پر مقصور کرنا واجب ہوگا، جو بھی حکم ہو، اور اگر ایک حکم تمام پانی کو شامل ہو تو سبب کل میں ہونا ثابت ہوجائے گا تو دونوں حکموں کا کل کو شامل ہونا لازم ہوگا، وباللہ التوفیق۔

وسابعا وهو الثالث والعشرون

افدتم ان الفأرة یجاورها من الماء عشرون دلوا لصغر جثتها وفی الدجاجة والسنور المجاورة اکثر لزیادة ضخامة فی جثتهما والادمی یجاور جمیع الماء فی العادة لعظم جثته[1] اھ وذکرتم انه الفقه الخفی فهذا تصریح منکم بان المحدث الواقع فی البئر قد جاور جمیع الماء فیجب ان یصیر جمیعه مستعملا وطاح القول بان المستعمل ما لاقیه وهو اقل من غیره وایضا ماء الطست وکثیر من الاجانات لایبلغ عشرین دلوا ولا عشرا وکف الانسان لیس باصغر من فأرة فاذا ادخل محدث یده فی اجانة وجب ان یصیر کله مستعملا ولامساغ ههنا للفرق بین النجاستین العینیة والحکمیة فان الجوار

سابعاً (اور وہ تئیسواں ہے) آپ نے کہا ہے کہ چوہیا سے متصل بیس ڈول پانی ہوتا ہے کیونکہ اس کا جسم چھوٹا ہے اور مرغی اور بلی میں ان کی ضخامت کی وجہ سے زاید پانی متصل ہوتا ہے اور آدمی اپنے جثہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے کل پانی کے متصل ہوتا ہے اھ اور تم نے ذکر کیا ہے کہ یہ فقہ خفی ہے، یہ تمہاری طرف سے اس امر کی صراحت ہے کہ جو محدث کنویں میں گرتا ہے وہ تمام پانی کے مجاور ہوتا ہے تو لازم ہے کہ وہ تمام مستعمل ہو، اور یہ قول غلط ہوا کہ مستعمل وہ ہے جو اس سے ملا ہوا ہے اور وہ اس کے غیر سے اقل ہے اور طشت کا پانی اور بہت سے مٹکوں کا پانی بیس ڈول بلکہ دس ڈول کی مقدار تک نہیں ہوتا اور انسان کی ہتھیلی چوہیا سے چھوٹی نہیں ہوتی ہے، تو جب محدث نے اپنا ہاتھ مٹکے میں ڈالا تو واجب ہے کہ اس کا کل مستعمل ہو، اور یہاں کوئی فرق نہیں دو نجاستوں کے درمیان عینیہ

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر به المحل نجساً ۱/۷۵

يحطيين الجسمين لذاتهما ولا مدخل فيه لوصف قام باحدهما حتى يختلف باختلافه۔

اور علیہ میں، کیونکہ جوار دو جسموں کی ذاتوں کو حاصل ہوتا ہے، اور اس میں کسی ایسے وصف کو دخل نہیں جوان میں کا ایک کے ساتھ قائم ہوتا کہ اس کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جائے۔

فان قيل حقيقة المجاورة ليست الالما اتصل بالجسم وانما سرى الى عشرين فى الفارة واربعين فى الهر والكل فى الادمى لان الميت تنفصل منه بلات وتتفاوت بتفاوت الجثث قال ملك العلماء وجب تنجيس جميع الماء اذا تفسخ شئ من هذه الواقعات او انتفخ لان عند ذلك تخرج البلة منها لرخاوة فيها فتجاور جميع اجزاء الماء وقبل ذلك لايجاور الاقدر ماذكرنا لصلابة فيها[1] اھ فالمراد بمجاورة عشرين واربعين والكل مجاورة البلة دون الجثة وانما لاقت الجثة مالاقت۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حقیقی مجاورۃ تو اسی چیز کے لیے ہے جو جسم سے متصل ہو، اور یہ بیس ڈول تک جو ہیا میں سرایت کرتی ہے اور چالیس تک بلی میں، اور کل پانی میں آدمی کے گرنے کی صورت میں کیونکہ میت سے تریاں جُدا ہوتی ہیں اور ان میں جُثّوں کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ ملک العلماء نے فرمایا کہ ان اشیاء میں سے اگر کوئی چیز پھُول جائے یا پھٹ جائے تو کل پانی کا نجس قرار دینا ضروری ہے، کیونکہ اس صورت میں ان اشیاء سے تری خارج ہوگی کیونکہ ان میں نرمی ہے اور پانی کے تمام اجزاء سے متصل ہو جائے گی، اور اس سے قبل صرف اس مقدار کے متصل تھی جس کا ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس صورت میں یہ اشیاء سخت تھیں اھ تو بیس، چالیس یا کل کی مجاورۃ سے مراد تری کی مجاورۃ ہے نہ کہ جُثّہ کی، جُثّہ تو جس سے ملا ہے سو ملا ہے۔

اقول فاذن ينتقض ما ذكرتم فى وقوع محدث فى البئر على قول الامام بنجاسة الماء المستعمل لعدم بلة هناك تنفصل **والحق** على مايظهر للعبد الضعيف غفرله ان الماء ان كان شيئا واحدا متصلا حقيقة كما تزعمه الفلاسفة فلا شك ان لقاء بعضه لقاء كله بل لا بعض هناك لعدم

میں کہتا ہوں جو آپ نے کہا ہے اس پر یہ نقض وارد ہوتا ہے کہ اگر محدث کنویں میں گر جائے تو امام کے قول پر مستعمل پانی نجس ہو جائے گا کیونکہ وہاں کوئی تری موجود نہیں جو محدث سے الگ ہوئی ہو، اور حق جو مجھ پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پانی اگر متصل واحد ہے حقیقۃً جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض سے ملاقات کل سے ملاقات

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

التجزی بالفعل وان کان اجزاء متفرقة کما ھو عندنا ان تألف الاجسام من جواھر فردة تتجاور ولا تتلاصق لاستحالة اتصال جزئین۔

متصور ہوگی، بلکہ یہاں بعض کا تصور ہی نہیں کیونکہ بالفعل تجزی نہیں ہے اور اگر متفرق اجزاء ہوں جیسا کہ ہمارے نزدیک ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اجسام جواہر منفردہ سے مرکب ہیں تو اس صورت میں اجزاء مجاور ہوں گے لیکن متصل نہیں ہونگے، کیونکہ دو اجزاء کا اتصال محال ہے۔

اقول وکل ما تجشمہ الفلاسفة وخدمھم من اقامة براھین ھندسیة وغیرھا علی استحالة الجزء وقد اوصلھا الشیرازی فی شرح الغوایة المسماة ھدایة الحکمة الی اثنی عشر وسماھا حججا انما تدل علی استحالة الاتصال دون امتناع نفس وجود الاجزاء ومبنی الھندسة علی توھم خطوط متصلة ولا حاجة لہا الی وجودھا عینا فضلا عن اتصالھا کالھیأة تبتنی علی توھم مناطق ومحاور واقطاب ودوائر وان لم یکن لہا وجود عینی بل اولی فان الھندسة تستغنی عن وجودھا بوجود المناشی ایضا فلا یرد علینا شیئ من ذلك وللہ الحمد وقد اغفل[۲] ذلك کثیر من المتکلمین فاحتاروا فی دفع شبہ المتفلسفین وباللہ التوفیق بل الجسم[۱]

میں کہتا ہوں فلاسفہ نے جو تگ ودو کی ہے کہ براہین ہندسیہ سے جزء کا ابطال کیا ہے، اور شیرازی نے شرح الغوایہ جس کا نام 'ہدایۃ الحکمۃ' ہے ایسے بارہ دلائل قائم کئے ہیں اور ان کا نام حجۃ رکھا ہے، اُن سے صرف اجزاء کا اتصال محال ثابت ہوتا ہے نفس جزء کا استحالہ ثابت نہیں ہوتا ہے اور ہندسہ کی بنیاد خطوط متصلہ کے توہم پر ہے، اور ان کا موجود ہونا خارج میں کچھ ضروری نہیں چہ جائیکہ ان کا اتصال، جیسے علم ہیاۃ کا دارو مدار، منطقوں، محوروں، قطبوں اور دوائر کے توہم پر مبنی ہے اگرچہ ان کا خارجی وجود نہ ہو، بلکہ اس سے بھی اولٰی ہے کیونکہ علم ہندسہ ان کے وجود سے ان کے منشأ کے وجود سے بھی مستغنی ہے، تو ان میں سے کوئی چیز ہم پر وارد نہیں ہوتی وللہ الحمد، اس سے بہت سے متکلمین غافل رہے اور متفلسفین کے

---

[۱] تنبیہ فان قلت کیف یری الجسم والجزء لا یری **اقول** اولا جرت السنة فی بصر البشر ان شیئا بالغ النہایة فی الدقة اذا کان منفردا لم یحط بہ البصر واذا اجتمع امثالہا وکثرت ظہرت کما اذا کانت فی جلد ثور ابیض نقطة سوداء کرأس الابرة لا تحس وان کثرت

تنبیہ اگر تو کہے کہ جسم کیسے دکھائی دیتا ہے جبکہ جزء تو نظر نہیں آتی **اولاً** میں کہتا ہوں کہ نگاہ انسانی فطری طور پر انتہائی باریک چیز کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے جبکہ وُہ چیز منفرد ہو۔ لیکن اگر اس چیز کے ساتھ اس کی متعدد امثال مجتمع ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتی ہے، جیسے (باقی برصفحہ آیندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امثالها متجاورات ابصرت بل قد لا یری من البعد الا لونها وهو السواد وهذا ظاهر فی الهباء فان فیه ذرات فلا تکل تری کریة الشکل وعامته لا یحس البصر اشکالها بل لونا سحابیا ککواکب المجرة والنثرة ولو تفرد شئ منها ما امکن عادة ان یبصر بمکانها وتراکمها تری کعمود بینک وبین الکوة مثل السحاب بل السحاب نفسه من ذلک فان البخار اجزاء متفرقة ولا تبصر واحد منها وبتراکمها ترے سحا کالجبال ولعل الوجه فیه ان المنفرد یقتضی خصوص النظر الیه فاذا کان علی هذا القدر من الدقة انطبق الخطان الشعاعیان الواصلان الیه وانعدمت زاویة الرؤیة کما هو السبب فی انتفاء زاویة اختلاف المنظر لما فوق الشمس فاتحد تقویماه المرئی والحقیقی واذا کثرت وانبسطت وقعت بین ساقی مثلث ذی زاویة مبصرة فابصرت وثانیا هذا علی طریقتهم فان سلموا والا فانما اصلنا الایمان ان الابصار وکل شئ بارادة الله تعالیٰ وحده لا غیر فان شاء رأی الاعمی فی لیلة ظلماء عین نملة سوداء وان لم یشأ عمیت الزرقاء فی رابعة النهار عن جبل بالغ افق السماء فاذا اراد ان لا ترے

سفید سِل کی جلد پر سُوئی کے سرے کے برابر سیاہ نقطہ دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر متعدد سیاہ نقطے مجتمع ہو جائیں تو نظر آنے لگتے ہیں، بلکہ دُور سے تو محض ان کا سیاہ رنگ ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ بات غبار میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں چھوٹے چھوٹے کروی الشکل ذرات ہوتے ہیں جن میں سے اکثر کی شکلوں کو آنکھ محسوس نہیں کرتی بلکہ بادلوں کی مانند ان کا رنگ دکھائی دیتا ہے جیسے کہکشاں اور بکھرے ہوئے ستارے، ان میں سے کوئی بھی اگر منفرد ہو تو عادتاً اس کا دکھائی دینا ناممکن ہے۔ البتہ کثرت واجتماعیت کی وجہ سے نظر آجاتے ہیں، جیسے تیرے اور روشندان کے درمیان روشنی کا ستون بادل کی مثل دکھائی دیتا ہے، بلکہ خود بادل بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ بخارات متفرق اجزاء ہوتے ہیں جن میں سے کوئی ایک دکھائی نہیں دیتا مگر مجتمع ہو کر پہاڑوں جیسے بادل نظر آتے ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کر منفرد چیز خصوصی نظر کا تقاضا کرتی ہے جب وہ نہایت باریک ہو تو دونوں آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اس تک پہنچ کر باہم منطبق ہو جاتی ہیں اور زاویہ نظر معدوم ہو جاتا ہے جیسا کہ ما فوق الشمس اختلاف منظر کے زاویے کا منتفی ہونے کا یہی سبب ہے۔ پس اس کی حقیقی اور مرئی تقویم میں متحد ہو جاتی ہیں اور جب یہ اجزاء کثیر اور پھیلے ہوئے ہوں تو بصری زاویہ والی مثلث کے دو خطوں کے درمیان واقع ہونے پر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ثانیاً مذکورہ بالا (باقی بر صفحہ آئندہ)

ترى فى الهباء عند دخول الشمس من كوة بل و
فى الدخان والبخار والغبار فثم لا اتصال
حقيقة لشئ من الماء بشئ من البدن فلو
اعتبرت الحقيقة لم يتنجس الماء بوقوع شئ
من الخبث فظهر ان الشرع المطهر قد اعتبر
ههنا الحس ولا شك ان كله فى الحس شئ
واحد كما هو فى الحقيقة عند المتفلسفة وليس
ثم حاجز ينتهى الجوار الحسى بالبلوغ اليه
فوجب ان يكون على هذا ايضا لقاء بعضه
لقاء كله بل لا بعض لعدم التجزى حسا اما
الكثير فجعله الشرع لا يحمل الخبث فلا يضره
الجوار الحسى و به استقر عرش التحقيق على
ان الماء الكثير لا يتنجس شئ منه بوقوع النجاسة
ولو مرئية حتى ما حولها مما يليها هكذا ينبغى
التحقيق و الله تعالٰى ولى التوفيق وهنا تم
الكلام مع الامام الهمام، ملك العلماء الكرام،
نفعنا الله تعالٰى ببركاته على الدوام، فى دار
السلام، امين۔

ہمارے نزدیک جسم اجزائے متفرقہ حقیقۃً متصلہ حسّاً
سے عبارت ہے جیسے کمرہ کے سوراخ سے روشنی کی
کرن جب اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں ذرات
نظر آتے ہیں، بلکہ دھوئیں، بخارات اور غبار میں بھی نظر
آتے ہیں، لہٰذا پانی حقیقی طور پر بدن سے متصل نہیں ہے،
تو اگر حقیقت کا اعتبار کیا جائے تو پانی کسی بھی گندی چیز کے
گرنے سے نجس نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ نے
یہاں حس کا اعتبار کیا ہے، اور اس میں شک نہیں
کہ حس کے نزدیک کل ایک چیز ہے جیسا کہ متفلسفہ کے
نزدیک حقیقت یہی ہے اور وہاں کوئی ایسی روک بھی موجود
نہیں جہاں پہنچ کر جوار حسی رک جائے تو اس بنا پر لازم
ہوا کہ بعض کی ملاقات کل کی ملاقات قرار پائے، بلکہ وہاں
بعض ہے ہی نہیں کیونکہ تجزی نہیں ہے حسّاً، اور
رہا کثیر تو شرع نے فرمایا ہے کہ اس میں نجاست اثر
نہیں کرے گی تو اس کو جوار حسی کچھ مضر نہ ہوگا، اس
تحقیق عرش نشیں سے معلوم ہوا کہ کثیر پانی نجاست
کے گرنے سے نجس نہ ہوگا خواہ وہ نظر آنے والی ہو،
یہاں تک کہ نجاست کا گرد و پیش بھی نجس نہ ہوگا، اسی طرح
تحقیق ہونی چاہئے یہاں تک کہ امام ہمام ملک العلماء کے ساتھ گفتگو مکمل ہوئی، اللہ تعالٰی ان کی برکات سے ہم کو ہمیشہ جنت تک
مستفید فرمائے۔ آمین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الاجزاء على الانفراد و
اذا تجمعت اُبصرت يكون كما اراد اھ منه
حفظه ربه تبارك و تعالٰى (م)

دلیل فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے اگر مان لیں تو فبہا
ورنہ ہماری ایمانی دلیل یہ ہے کہ ننگا ہیں اور تمام چیزیں
اللہ تبارک و تعالٰی کے ارادے کے تابع ہیں۔ اگر وہ چاہے
تو ایک اندھا تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کی آنکھ کو دیکھ سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو دن کی روشنی میں فلک بوس پہاڑ سے
نیلگوں آسمان کو بھی نہیں دیکھا جا سکتا چونکہ اس نے چاہا کہ اجزاء انفرادی طور پر نظر نہ آئیں اور جب وہ مجتمع ہو جائیں تو نظر آنے
لگیں لہٰذا جیسا اس نے چاہا ویسا ہی واقع ہوا۔ (ت)

الرابع والعشرون یمکن الجواب

عن الاستناد الی کلام البدائع بما اوردہ[علہ] فی البحر ولم یردہ وان لم یردہ اذ نقل عن اسرار القاضی الامام الدبوسی ما تقدم ان محمدا یقول لما اغتسل فی الماء القلیل صار الکل مستعملا حکما ثم قال فهذه العبارة کشفت اللبس واوضحت کل تخمین وحدس[1] فانها افادت ان مقتضی مذهب محمد ان الماء لا یصیر مستعملا باختلاط القلیل من الماء المستعمل الا ان محمدا حکم بان الکل صار مستعملا حکما لا حقیقة فما فی البدائع محمول علی ان مقتضی مذهب محمد عدم الاستعمال الا انه یقول بخلافه[2] اھ قال فی منحة الخالق یعنی ان صاحب البدائع نسب الی محمد عدم الاستعمال بناء علی ما اقتضاه مذهبه من ان المستعمل لا یفسد الماء ما لم یغلبه او یساوه لکن محمدا ما قال بذلك الذی

چوبیسواں صاحبِ بدائع کے کلام کی طرف جو منسوب ہے اس کا بیان صاحبِ بحر کے بیان سے ممکن ہے جس کو انہوں نے رد نہیں کیا اگرچہ صاحبِ بحر نے یہ ارادہ نہیں کیونکہ انہوں نے قاضی امام دبوسی کی اسرار سے نقل کیا ہے جو گزرا کہ امام محمد فرماتے ہیں تھوڑا پانی ہو اور اس میں کوئی غسل کرے تو کل حکماً مستعمل ہوگا، تو اس عبارت نے التباس کو ختم کردیا ہے، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ محمد کے مذہب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تھوڑے سے مستعمل پانی کے مل جانے سے پانی مستعمل نہ ہوگا، مگر محمد نے حکم کیا ہے کہ کل حکماً مستعمل ہوگا نہ کہ حقیقۃً، تو جو کچھ بدائع میں ہے وہ یہ ہے کہ محمد کے مذہب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا، مگر وہ کہتے اس کے خلاف ہیں اھ منحۃ الخالق میں فرمایا یعنی صاحبِ بدائع نے محمد کی طرف عدمِ استعمال کو منسوب کیا، جیسا کہ ان کے مذہب کا مقتضیٰ ہے کہ مستعمل پانی، پانی کو فاسد نہ کرے گا تاوقتیکہ اس پر غالب ہوجائے، یا اس کے برابر ہوجائے، لیکن محمد نے یہ نہیں فرمایا ہے حالانکہ یہ اُن کے مذہب کا مقتضیٰ ہے بلکہ اس صورت میں

علہ ذکرہ رحمه الله تعالٰی فی ضمن سؤال و وعدل فی الجواب الی حمل الروایات المتواترة الظاهرة علی الضعیفة النادرة وغیر ذلك مما یأتیك الجواب عنه ان شاء الله تعالٰی اھ منه غفرله (م)

انہوں نے اس کو سوال کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور جواب میں روایت متواترہ ظاہرہ کو روایت ضعیفہ نادرہ وغیرہ پر محمول کرنے کی طرف عدول کیا ہے جس کا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو دیا جائے گا اھ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[2] ایضاً ۱/۷۲

اقتضاء مذھبہ بل قال فی ھذہ الصورۃ انہ صار مستعملا حکما کما صرحت بہ عبارۃ البدائع[1] اھ۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ حکماً مستعمل ہوگیا جیسا کہ بدائع کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔

اقول ثبوت الاستعمال باللقاء، وحقیقۃ[1] اللقاء لتلک الاجزاء، والحکم ثبت لجمیع الماء، لان القلیل شیئ واحد فی اعتبار الشریعۃ الغراء، کما اسلفنا تحقیقہ، ونورنا لک طریقہ، لان الحکم منتف حقیقۃ، فیکون اثباتہ مجازفۃ سحیقۃ۔

میں کہتا ہوں استعمال کا ثبوت ملاقاۃ سے ہوتا ہے، اور حقیقۃً ملاقاۃ ان اجزأ سے ہوتی ہے اور حکم تمام پانی کے لیے ثابت ہوتا ہے کیونکہ شریعت میں قلیل شئے واحد ہے، جیسا کہ ہم اس کی تحقیق اور نورانی طریقہ بیان کر آئے ہیں، کیونکہ حکم حقیقی طور پر منتفی ہے تو اس حکم کو ثابت کرنا اندازاً ہوگا۔

الخامس والعشرون محاولۃ العلامۃ رحمہ اللہ تعالٰی رد جمیع تلک الفروع المتواترۃ الدائرۃ فی عامۃ کتب المذھب المنصوص علیھا عن جمیع ائمۃ المذھب المطبق علیھا سلف المذھب وخلفہ الی روایۃ نجاسۃ الماء المستعمل شیئ عجیب من مثلہ المحقق۔

پچیسواں ــــــــ وہ تمام فروع جو تواتر کے ساتھ عام کتبِ مذہب میں مذکور ہیں اور ائمہ شراح نے ان کو ذکر کیا ہے، اور تمام ائمہ مذہب سے منصوص ہیں جن پر سلف مذہب اور خلف مذہب متفق ہیں ان سب کو انہوں نے مستعمل پانی کے نجس ہونے والی روایت کی طرف راجع کیا ہے، علامہ جیسے محقق سے یہ بات بعید ہے۔

فاقول اولا کیف یسوغ ان ترد بھذہ الکثرۃ وتدور فی جمیع کتب المذھب تتداولھا الائمۃ والشراح ولا ینبہ احد انھا تبتنی علی روایۃ ضعیفۃ متروکۃ بل یذکرونھا ویقرونھا ویفرعون علیھا وعند الحجاج والحاج یفزعون الیھا فرد جمیع ذلک بعید

میں کہتا ہوں اولاً یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ فروع اس کثرت سے تمام کتبِ مذہب میں ذکر کی جائیں اور ائمہ وشرّاح ان کو قبول کریں اور کسی کو یہ خبر نہ ہو کہ یہ ضعیف ومتروک روایت پر مبنی ہیں، بلکہ وہ حضرات ان کو مسلسل ذکر کرتے چلے جائیں اور ان پر مزید تعریفات کرتے چلے جائیں اور مناظروں میں ان کو پیش کرتے رہیں

---

[1] ای الحسیۃ العرفیۃ اھ منہ غفر لہ (م) — یعنی حقیقتِ حسی عرفی۔ ت

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

کل البعد **وثانیا** هو منصوص علیه فی الروایة
الظاهرة وما روایة التنجیس الا نادرة روی
هذه الحسن ونص علی ذلك محمد فی الاصل
وثالثا تظافرت علیه التصحیحات کما
قدمنا عن البحر عن الخبازی عن القدوری عن
الجرجانی وعن الحلیة عن ابی الحسین عن
ابی عبد الله وعن خزانة المفتین ومتن
الملتقی وعن البحر انه المذهب المختار فکیف
یبتنی علی روایة متروکة **ورابعا** توافرت
فیه نقول الاتفاق علیه وانه مذهب
اصحابنا جمیعا کما سبق عن النهایة والعنایة
والهندیة ومجمع الانهر والدر المختار
وغیرها وعن البحر عن البدائع وعنه عن
العنایة والدرایة وغیرها وعن الحلیة و
عن البحر عن الخبازی کلاهما عن ابی الحسین
عن الجرجانی وعن شیخکم المحقق انه قولنا
جمیعا فکیف یجوز رجعه الی روایة متروکة
وخامسا اکثروا من عزوه لمحمد کما مر
عن الفوائد الظهیریة عن شیخ الاسلام
خواهر زاده وابی بکر الرازی وشمس الائمة
السرخسی وعن الزیلعی وشیخکم المحقق
حیث اطلق وعن البحر عن الاسبیجابی
والولوالجی وحیث حکم محمد بسقوط حکم
الاستعمال علله بالضرورة کما سلف عن البحر
والنهر والفتح والتبیین والکافی والبرهان

تو ان سب کو روایت نجاست کی طرف لوٹانا سخت بعید ہے
اور ثانیاً یہ ظاہر الروایۃ میں نص ہے اور تنجیس کی روایت
نادرہ ہے، اس کو حسن نے روایت کیا، اصل میں
محمد نے اس پر نص کی۔

اور ثالثاً اس پر پے در پے تصحیحات موجود ہیں
جیسا کہ ہم نے بحر، خبازی، قدوری، جرجانی، حلیہ،
ابی الحسین، ابی عبد اللہ، خزانۃ المفتین اور متن ملتقی
کے حوالوں سے نقل کیا، اور بحر سے نقل کیا کہ یہی مذہب
مختار ہے تو پھر یہ متروک روایت پر کس طرح مبنی ہو سکتا ہے۔

اور رابعاً متفقہ نقول کثرت سے ہیں یہی ہمارے
تمام اصحاب کا مذہب ہے جیسا کہ گزرا نہایہ، عنایہ،
ہندیہ، مجمع الانہر، در مختار وغیرہ اور بحر نے بدائع،
عنایہ و درایہ اور حلیہ سے اور بحر و خبازی دونوں نے
ابو الحسن، جرجانی اور شیخ محقق سے یہ تمام کا قول ہے
تو متروکہ روایت کی طرف اس کو راجع کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اور خامساً اکثر نے اس کو محمد کی طرف منسوب
کیا ہے جیسا کہ فوائد ظہیریہ، شیخ الاسلام، خواہر زادہ،
ابو بکر رازی، شمس الائمہ سرخسی، زیلعی اور تمہارے شیخ
محقق، بحر، اسبیجابی، ولوالجی
سے گزرا، اور جہاں محمد نے استعمال کا حکم ساقط ہونے
کی بات کی اس کو انہوں نے ضرورت پر محمول کیا جیسا
کہ بحر، نہر، فتح، تبیین، کافی، برہان، حلیہ، فوائد، صغریٰ،
خبازی، قدوری، جرجانی، شمس الائمہ حلوانی سے گزرا اور بحر سے
سرخسی سے اصل میں امام محمد کی نص سے گزرا اور بحر سے
دبوسی سے گزرا کہ محمد فرماتے ہیں کل حکماً مستعمل ہوگا اور بحر میں

والحلیۃ والفوائد والصغرٰی والخبازیۃ و
القدوری والجرجانی وشمس الائمۃ الحلوانی
وعن البحر عن السرخسی عن نص محمد فی
الاصل وعن البحر عن البدائع ان محمدا
یقول صار الکل مستعملا حکما وقد قال[عـہ] فی البحر
ان ھذہ العبارۃ کشفت اللبس واوضحت کل
تخمین وحدس ومعلوم ان محمدا لم
یقل قط بالتنجیس فکیف تحمل علیہ[1] وبہ
ظھر الجواب عما اراد بہ البحر فی البحر و
الرسالۃ دفعا للاستبعاد عن ھذا الحمل
بان المحقق فی الفتح حمل فرعا فی الخانیۃ
علی نجاسۃ المستعمل وقال لا یفتی بمثل
ھذہ الفروع[2] اھ زاد فی الرسالۃ ان تلمیذہ
فی الحلیۃ حمل علیھا فرعی الاجمۃ والطلب
المذکورین فی الخلاصۃ والمنیۃ قال
وحمل فروعا کثیرۃ علی ھذا النحو[3] اھ فھل
بعض فروع وردت متفرقۃ فی غضون
بعض الفتاوی کھذہ الفروع الوافرۃ ،
المتکاثرۃ المتواترۃ ، الثابتۃ الدائرۃ ، فی
عامۃ الشروح والفتاوی مع عدۃ من

فرمایا ہے کہ اس عبارت سے مشکل حل ہوگئی ہے ، اور
یہ معلوم ہے کہ محمد نے پانی کے نجس ہونے کا قطعاً قول
نہیں کیا ہے تو اس کو اس پر کیسے محمول کیا جائے گا،
اور اسی سے بحر اور رسالہ کا جواب بھی ظاہر ہوگیا ،
انھوں نے اس حمل کو بعید گردانا تھا ، اور کہا تھا کہ
محقق نے فتح میں مستعمل پانی پر ایک فرع خانیہ کی
اس پانی کی نجاست پر محمول کی ہے ، اور کہا ہے
کہ اس قسم کی فروع پر فتوٰی نہ دیا جائے اھ رسالہ
میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے شاگرد نے حلیہ میں اس پر
اجمہ اور طلب کی دو فروع کو محمول کیا ، یہ خلاصہ اور منیہ
میں مذکور ہیں اور فرمایا کہ اسی نہج پر انہوں نے
بہت سی فروع اخذ کی ہیں' اھ تو کیا ان فروع کی
طرح کچھ اور ایسی فروع ہیں جو متفرق فتاوٰی میں اس
کثرت کے ساتھ مذکور ہوں ، کیا شروح اور کیا
متون اور ان پر کیسے کوئی نکیر نہیں کی ؟ یا ان کی طرح
کتب ظاہر روایت میں ہوں ؟ یا ان کی اتنی تصحیحات
ہوں ؟ یا تمام مذہب حنفی کی کتب میں منصوص ہوں ؟
یا ان پر اتفاق کیا گیا ہو کہ یہ ہم سب کا قول ہے
یہ ہمارے اصحاب کا مذہب ہے ؟ یا ان کا کوئی
اور محمل ہے کہ ان کی طرف روشن۔

عـہ ای اوردہ علی نفسہ ولم یجب عنہ۔ منہ غفرلہ (م) یعنی انہوں نے اسکو اپنے اوپر وارد کیا ہے اور اسکا جواب نہیں دیا۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱
[2] ایضاً ۱/۷۳
[3] جواز الوضوء من الفساقی رسالۃ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۸۱-۸۲

المتون، من دون نکیر ولا مجال ظنون، ام هی کهذه فی الکتب الظاهرة، ام هی مذیلات بالتصحیحات المتظافرة، ام هی منصوص علیها من جمیع ائمة المذهب الحنفی، ام هی مزینة بطراز الاتفاق وبانها قولنا جمیعا وبانها مذهب اصحابنا فاین ذی من اتی، ام هل لها محمل غیر هذا فکیف یقاس علی المتعین، ماله سبیل اضح متبین۔

راستہ ہو۔

السادس والعشرون کلام

العلامة علی حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم قدمنا الکلام علیه واشرنا الی کلام شیخه المحقق علی الاطلاق حیث یقول اما قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم (و ذکر الحدیث) فغایة مایفید نهی الاغتسال کراهة التحریم ویجوز کونها لکیلا تسلب الطهوریة فیستعمله من لاعلم به بذلك فی رفع الحدث ویصلی ولا فرق بین هذا وبین کونه یتنجس فیستعمله من لاعلم له بحاله فی لزوم المحذور وهو الصلاة مع المنافی فیصلح کون کل منهما مثیرا للنهی المذکور[1] اھ و دفع البحر ایاہ ببحث البدائع المذکور دفع للصحیح بما لیس به کما علمت اما حدیث

چھبیسواں علامہ نے لایبولن احدکم فی الماء الدائم (ٹھہرے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے) پر جو کلام کیا ہے اس پر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں، اور ان کے شیخ محقق علی الاطلاق کے کلام کی طرف اشارہ کر آئے ہیں، وہ فرماتے ہیں" بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (پھر انہوں نے مذکور حدیث بیان کی) میں جو غسل کرنے کی نہی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ جو ثابت ہوتا ہے وہ نہی تحریم ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ طہوریت سلب ہو جائے، اور اس کو کوئی شخص لاعلمی میں رفعِ حدث کے لیے استعمال کر بیٹھے اور نماز پڑھ لے اور اس میں اور اس مضمون میں کہ پانی نجس ہو جاتا ہے تو ایسا نہ ہو کہ اس کو کوئی شخص لاعلمی میں استعمال کرے، دونوں صورتوں میں محذور لازم ہے، یعنی منافی کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا، پس جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز به الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

المستيقظ **فاقول** ليس من حجتنا في هذا الباب لاحتمال انه لاحتمال النجاسة العينية بل هو الظاهر من قوله صلى الله تعالى عليه وسلم فانه لايدري اين باتت يده والعلامة عدل عن هذا الجواب الواضح الى ثلثة لايستقيم منها شئ **فاولا** دعوى الخصوص لادليل عليه **وثانيا** كيف يجعل تعبديا غير معقول المعنى مع الارشاد الى المعنى في نفس الحديث فانه لايدري اين باتت يده **وثالثا** ماعن اصحاب عبد الله رضي الله تعالى عنهم يجوز ان يكون لان ابا هريرة رضي الله تعالى عنه كان يرسله ارسالا فاشاروا الى تخصيص مواضع الضرورة كما هو الحكم المصرح به عندنا اذا كان الماء في حب لا انية يغترف بها۔

مذکور نہی کا باعث ہوا ہے تجر کا۔ اس کو بدائع کی مذکور بحث سے دفع کرنا صحیح کو غیر صحیح سے دفع کرنا ہے جیسا کہ آپ نے پہچان لیا اور رہی مستیقظ والی حدیث، تو میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں ہماری دلیل یہ نہیں ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ نجاست عینیہ کی وجہ سے ہو بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فانہ لا یدری این باتت یدہ" (وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا) سے یہی ظاہر ہے، اور علامہ نے اس جواب سے عدول کرکے تین جوابات دیے جن میں سے کوئی ٹھیک نہیں، پہلا دعوائے خصوص، جس پر کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے یہ کہ کس طرح اس کو تعبدی اور غیر معقول المعنی قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ خود حدیث میں معنی کی طرف رہنمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ فانہ لایدری این باتت یدہ۔ تیسرے عبداللہ کے اصحاب سے جو مروی ہے ممکن ہے وہ اس لیے ہو کہ ابوہریرہ اس کا ارسال کرتے ہوں تو انہوں نے ضرورت کے مقامات کے ساتھ اس کو مختص کرنے کی طرف اشارہ کیا ہو، جیسا کہ ہمارے یہاں یہ واضح حکم موجود ہے کہ جب پانی تالاب میں ہو اور کوئی برتن پانی نکالنے کے لیے نہ ہو۔

السابع والعشرون قوله رحمه الله تعالى في تكرار الاستعمال الظاهر عدم اعتبار هذا المعنى في النجس فكيف بالطاهر غير مطهر ولا ظاهر الا ترى ان النجاسة تصيب الثوب او البدن في مواضع متفرقة تجمع فان بلغت حد المنع منعت وما يترا أى من عدم جمع الواقعة في الماء الكثير فان الوقوع في عشرة مواضع منه

ستائیسواں ان کا قول تکرار استعمال کی بابت، ظاہر یہی ہے کہ یہ معنی نجس میں اعتبار نہ کیا جائے تو پھر طاہر کا کیا حال ہوگا۔ یہ نہ طاہر کرنے والا ہے اور نہ بذاتِ خود طاہر ہے، مثلاً نجاست جو بدن یا کپڑے کو متفرق مقامات پر لگ جائے تو اس کو جمع کیا جائے گا۔ اب اگر منع کی حد کو پہنچ جائے تو منع کرے گی۔ اگر کثیر پانی میں نجاست گر جائے تو اس کو بظاہر جمع نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ پانی میں

كالوقوع فى موضع فليس لعدم الجمع بل لعدم البلوغ الى حد المنع حتى لو بلغت بان غير المجموع احد اوصافه وما كانت الافراد لتغيره فلا شك فى الجمع والله تعالى اعلم هذا تمام الكلام مع العلامة قاسم رحمه الله تعالى وقد ظهر به الحق السديد، بحيث لاحاجة الى المزيد، والحمد لله الحميد المجيد۔

اگر دس جگہ نجاست گر جائے تو وہ ایسی ہے جیسے ایک جگہ گری ہو، تو یہ چیز عدم جمع کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدِ منع تک نہیں پہنچی ہے اور اگر حدِ منع تک پہنچ جائے مثلاً یہ کہ نجاست کا مجموعہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کو بدل دے، اور ہر فرد نہ بدلے تو جمع کرنے میں شک نہیں۔ یہ مکمل گفتگو تھی علامہ قاسم کے ساتھ، اس سے حق ظاہر ہوگیا، اس سے زیادہ کی حاجت نہیں، والحمد للہ الحمید المجید۔

الفصل الثانى فى كلام العلامة زين

دوسری فصل علامہ زین کے کلام میں جو بحر اور رسالہ میں ہے

فى البحر والرسالة كانت قضية ترتيب لزمان ان نقدم عليه كلام العلامة ابن الشحنة رحمهما الله تعالى لكن اردنا الحاق الموافق بموافقه لعريات رحمه الله تعالى فى رسالته ولا فى بحره بشئ يزيد على ما اورد العلامة قاسم الا ما لامساس له بمحل النزاع افاض اولا فى تحديد الماء الكثير وان المذهب تفويضه الى رأى المبتلى وان التقدير بعشر فى عشر انما اختاره المتأخرون تيسيرا على من لا رأى له وانه لا يرجع الى اصل شرعى يعتمد عليه ثم تكلم على صفة الماء المستعمل وان المفتى به انه طاهر غير طهور ثم اتى على المسألة فقال وقد قالوا ان الماء المستعمل اذا اختلط بالطهور تعتبر فيه الغلبة فان كان الماء

زمانی ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ ہم ابن الشحنہ کا کلام اس پر مقدم کرتے، لیکن ہم نے ایک موافق کو دوسرے موافق سے لاحق کرنا چاہا ہے انہوں نے اپنے رسالہ میں یا بحر میں علامہ قاسم کے کلام سے کچھ مزید اضافہ نہیں کیا ہے، صرف وہی بات مذکور ہے جس کا محلِ نزاع سے کچھ تعلق نہیں، پہلے تو انہوں نے کثیر پانی کی تحدید کی ہے اور کہا کہ مذہب میں یہ معاملہ صاحبِ معاملہ کے سپرد ہے، اور دَہ در دَہ کے اندازہ کو متأخرین نے اُن لوگوں کی آسانی کے لیے وضع کیا ہے جن کی اپنی کوئی رائے نہ ہو اور اس کی کوئی قابلِ اعتماد شرعی دلیل نہیں، پھر انہوں نے مستعمل پانی پر کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ یہ طاہر تو ہے مگر پاک کرنے والا نہیں ہے، پھر اصل مسئلہ بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مشایخ فرماتے ہیں کہ مستعمل پانی جب پاک کرنے والے پانی کے

الطھور غالبا یجوز الوضوء بالکل والا لا یجوز و ممن نص علیه الامام الزیلعی فی شرح الکنز والعلامة سراج الدین الھندی فی شرح الھدایة والمحقق فی فتح القدیر قال وھی باطلاقه تشمل ما اذا استعمل الماء خارجا ثم القی الماء المستعمل واختلط بالطھور او انغمس فی الماء الطھور او توضأ فیه[1] اھ

ساتھ مل جائے تو اس میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اگر پاک کرنے والا پانی زیادہ ہو تو سب پانی سے وضو جائز ہوگا ورنہ ناجائز ہوگا۔ اس کی تصریح زیلعی نے شرح کنز میں، علامہ سراج الدین الہندی نے شرح ہدایہ میں اور محقق نے فتح القدیر میں کی ہے، اور فرمایا ہے کہ اُس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب پانی خارجی طور پر استعمال کیا جائے پھر مستعمل پانی ڈالا جائے اور وہ پاک کرنے والے پانی سے مل جائے یا آدمی پاک کرنے والے پانی میں غوطہ کھائے یا اس سے وضو کرے اھ (ت)

اقول مبنی علی جعل المستعمل ھی الاجزاء المتصلة بالبدن فما وراءھا طھور اختلط به الماء المستعمل ولیس ھکذا بل کله ملاق فکله مستعمل فکیف یشمله الاطلاق قال ویدل علیه ایضا ما فی البدائع وذکر عبارات الثلث قال فھذا صریح فیما قلنا[2] اقول لا محل لایضا فان تلك الدلالة مبتنیة علی ما فی البدائع والا فلا دلالة کما علمت وما فی البدائع قد فرغنا عنه بابدع وجه ولله الحمد قال ویدل علیه ایضا ما فی خلاصة الفتاوی جنب اغتسل فانتضح من غسله شیئ فی انائه لم یفسد علیه الماء اما اذا کان یسیل فیه سیلانا افسدہ وکذا حوض الحمام علی ھذا وعلی

میں کہتا ہوں یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مستعمل پانی اُن اجزاء کو قرار دیا جائے جو بدن سے متصل ہوں اور اس کے علاوہ پاک کرنے والا ہے جس کے ساتھ مستعمل پانی مل گیا ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہے بلکہ کل پانی اس سے ملنے والا ہے لہٰذا کل مستعمل ہوگا، اس کو اطلاق کیسے شامل ہے؟ فرمایا اس پر بدائع کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے اور پھر انہوں نے تینوں عبارات ذکر کی ہیں، فرمایا یہ ہمارے قول کی صریح دلیل ہے۔ میں کہتا ہوں "ایضا" کا یہاں کوئی مقام نہیں، کیونکہ یہ دلالت مفہوم بدائع پر مبنی ہے ورنہ کوئی دلالت نہیں جیسا کہ تم نے جانا، اور جو کچھ بدائع میں ہے اس پر اچھی طرح ہم بحث کر چکے ہیں ولله الحمد، فرمایا اس پر خلاصۃ الفتاوی کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ناپاک شخص نے غسل

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲ / ۶ / ۸۱۹

[2] " " " " " " ۲ / ۶ / ۸۱۹

قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایفسد مالم یغلب علیہ یعنی لایخرجہ عن الطھوریۃ[1] اھ بلفظہ۔

کیا، اس سے کچھ چھینٹے اُڑکر اس کے برتن میں پڑے تو اس کا پانی فاسد نہ ہوگا، اگر مستعمل بہہ کر اس میں گیا تو فاسد کرے گا اسی طرح حمام کا حوض، اور امام محمد کے قول پر فاسد نہ کرے گا جب تک غالب نہ ہوجائے، یعنی اس کو پاک کرنے کے وصف سے خارج نہ کریگا الّا یہ کہ وہ پاک پر غالب ہوجائے اھ بلفظہ۔ (ت)

اقول رحمک اللہ ھذا الملتقی والکلام فی الملاقی ثم اورد علی نفسہ سؤالا من قبل فروع کثیرۃ فی کتب مشہورۃ تخالف ما جنح الیہ اورد منہا فرع الخانیۃ لوصب الوضوء فی بئر ولم یکن استنجی بہ علی قول محمد لایکون نجسا لکن ینزح منہا عشرون لیصیر الماء طھورا[2] اھ وفرع[عہ] الخلاصۃ نحوہ غیر ان فیہ ینزح الاکثر من عشرین دلوا ومن ماء صب فیہ عند محمد[3] اھ قال فھذا ظاھر فی استعمال الماء بوقوع قلیل من الماء المستعمل فیہ علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی واجاب بانہ مبنی علی روایۃ ضعیفۃ عن محمد ان

میں کہتا ہوں خدا آپ پر رحم کرے یہ مُلتقی ہے جبکہ گفتگو ملاقی میں ہے، پھر انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ان فروع کثیرہ سے سوال وارد کیا جو کتب کثیرہ میں وارد ہیں، یہ سب ان کے نظریہ کے مخالف ہیں۔
خانیہ کی فرع: اگر وضو کا بچا ہوا پانی کنویں میں بہادیا مگر اس سے استنجا نہیں کیا تھا تو یہ محمد کے قول پر نجس نہ ہوگا، تاہم اس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ پانی طہور ہوجائے اھ۔
خلاصہ کی فرع: یہ بھی اسی طرح ہے مگر اس میں بیس ڈول سے زیادہ نکالے جانے کا ذکر ہے اور اُس پانی سے جو اس میں بہایا گیا ہے محمد کے نزدیک اھ۔ فرمایا اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر تھوڑا مستعمل پانی، پانی

عہ اوردہ بعد عدۃ فروع والحقناہ بفرع الخانیۃ لاتحاد صورتھما اھ منہ غفرلہ (م)

انہوں نے اس فرع کو متعدد فروع کے بعد ذکر کیا ہے اور ہم نے اسے خانیہ کی فرع سے ملحق کیا ہے کیونکہ دونوں کی صورت ایک جیسی ہے اھ (ت)

---

[1] رسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/ ۸۱۹
[2] " " " " " "
[3] رسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/ ۸۲۰
[4] " " " " " " " ۲/ ۸۱۹

الماء یصیر مستعملا بوقوع قلیل من الماء المستعمل لا علی الصحیح من مذھبه انه لا یصیر مستعملا مالم یغلب علیه اھ[1] ونقل تصحیحه عن المحیط وعن شرح الھدایة للعلامة سراج الدین الھندی ونقل عنه عن التحفة انه المذھب المختار۔[2]

میں گر جائے تو وہ پانی مستعمل ہو جائیگا' یہ محمد کا قول ہے اھ اس کا یہ جواب دیا کہ محمد کا یہ قول ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے کہ پانی تھوڑے مستعمل پانی کے گرنے کی وجہ سے مستعمل ہو جائے گا، ان کا صحیح مذہب یہ ہے کہ پانی صرف اس وقت مستعمل ہوگا جب اس پر مستعمل پانی کا غلبہ ہو جائے اھ اور اس کی تصحیح کو محیط، سراج الدین ہندی کی شرح ہدایہ سے نقل کیا اور اُن سے تحفہ سے نقل کیا کہ وہی مذہب مختار ہے۔ (ت)

اقول ھو کما قال والفرعان فی الملتقی فلا یمسان مورد النزاع والاستعمال لا یتوقف علی غلبة المستعمل بل عدمه علی غلبة المطھر فان تساویا صار الکل مستعملا کما نصوا علیه منھم ھو فی البحر۔

میں کہتا ہوں یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا اور یہ دونوں فرعیں ملتقی میں ہیں لہذا محل نزاع سے ان کا کوئی تعلق نہیں بنتا ہے اور استعمال مستعمل کے غلبہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کا عدم غلبہ مطہر پر مبنی ہے تو اگر دونوں برابر ہوں تو کل مستعمل ہو جائے گا، جیسا کہ مشایخ نے اس کی تنصیص کی، بحر میں بھی یہی ہے۔ (ت)

اقول واقتصار المحیط والسراج والتحفة والخلاصة وغیرھا علی ذکر الغلبة لان المساواة الحقیقیة نادرة جدا کما قالوہ فی انفھام افضلیة زید من قول القائل لا افضل منه

میں کہتا ہوں محیط، سراج، تحفہ اور خلاصہ وغیرہ میں غلبہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے، کیونکہ حقیقی مساوات نادر ہے، مشایخ نے اس کو اس مثال سے واضح کیا ہے کہ اگر کوئی لا افضل من زید، کہے تو اس سے زید کی افضلیت سمجھ میں آتی ہے۔

وفرع جحط المذکور فی المتون والشروح وصورته رجل نزل لطلب الدلو ولیس علی بدنه نجاسة فعند محمد الماء طاھر غیر طھور والرجل طاھر مع ان الماء الذی لاقی بدنه فی البئر اقل من غیرہ وقد جعله محمد مستعملا لانعدام

جحط کی فرع جو متون وشروح میں مذکور ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کنوئیں میں ڈول نکالنے کے لئے اُترا اور اس کے بدن پر نجاست نہیں ہے تو محمد کے یہاں پانی طاہر ہے طہور نہیں اور آدمی طاہر ہے حالانکہ وہ پانی جو کنوئیں میں سے اس کے

---

[1] رسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشیاء من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/ ۸۲۰

[2] " " " " " " " " "

الضرورۃ[1] اھ واجاب بما مر۔ بدن پر لگا ہے دوسرے سے کم ہے، اور محمد نے اس کو مستعمل قرار دیا ہے کیونکہ ضرورت نہیں اھ اس کا جواب وُہ دیا جو گزرا۔ (ت)

اقول رحمکم اللّٰہ ورحمنا بکم اذا اریدبطاء جحط طاھر غیر طھور فکیف تجعلونہ مبنیا علی روایۃ ضعیفۃ عن محمد وانتم القائلون فی بحرکم علی ما قررناہ ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور علی الصحیح[2] اھ نعم المشھور ان طاء ہ للطاھر الطھور کما ذکرتم فی البحر وحینئذ یرد الفرع من قبل ان سقوط حکم الاستعمال لاجل الضرورۃ قلتم فی البحر عند محمد الرجل طاھر والماء طاھر طھور وجہ قول محمد علی ما ھو الصحیح[عہ] عنہ ان الصب لیس بشرط عندہ فکان الرجل طاھرا ولا یصیر الماء مستعملا وان ازیل بہ حدث للضرورۃ واما علی ماخرجہ ابوبکر الرازی

میں کہتا ہوں اللہ تم پر اور ہم پر رحم فرمائے اگر جحط کی "طا" سے طاہر غیر طہور مراد ہو تو آپ اس کو محمد کی روایت ضعیفہ پر کیونکر مبنی کرتے ہیں حالانکہ آپ بحر میں کہتے ہیں کہ ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ مذہب مختار اس مسئلہ میں یہ ہے کہ آدمی پاک ہے اور پانی طاہر غیر طہور ہے صحیح مذہب پر اھ ہاں مشہور یہی ہے کہ اس کی "طا" طاہر کے لیے ہے اور طہور کے لیے، جیسا کہ تم نے بحر میں ذکر کیا، اور اس وقت فرع اس جانب سے وارد ہوگی کہ استعمال کا حکم ضرورت کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے تم نے بحر میں کہا ہے کہ محمد کے نزدیک مرد پاک ہے اور پانی طاہر طہور ہے امام محمد کے قول کی وجہ (صحیح روایت کے بموجب) یہ ہے کہ ان کے نزدیک بہانا شرط نہیں، تو آدمی پاک ہوا اور پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ اس سے حدث زائل کیا گیا ہو

عہ **اقول** والمراد بہ استعمال الماء بازالۃ حدث وان لم ینو قربۃ خلافا لتخریج الامام الرازی ولذا قال واما علی ماخرج الخ فلیس تصحیحا لھذہ الروایۃ بل الصحیح ما تقدم انہ طاھر غیر طھور اھ منہ غفرلہ (م)

میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ازالہ حدث سے پانی مستعمل ہو جائے گا اگرچہ قربت کی نیت نہ ہو بخلاف امام رازی کی تخریج کے، اسی وجہ سے انہوں نے اما علی ماخرج الخ فرمایا لہٰذا صحیح روایت یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو گزری کہ پانی طاہر غیر طہور ہے اھ۔ (ت)

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۱۹-۶

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۸

لا یصیر مستعملا لفقد نیة القربة[1] اھ فان ابیتموھا لانھا روایة غیر مختارة کما قدمنا کانت المختارة اشد فی الرد وفرع[2] الاسرار وھو کلامہ علی حدیث لایبولن اذ یقول من قال ان الماء المستعمل طاھر طھور لا یجعل الاغتسال فیہ حراما وکذا من قال طاھر غیر طھور لان المذھب عندہ ان الماء المستعمل اذا وقع فی ماء اٰخر لم یفسدہ حتی یغلب علیہ وقدر مایلاقی بدن المستعمل یصیر مستعملا وذلك القدر من جملة ما یغتسل فیہ عادة یکون اقل من ماء فضل عن ملاقاة بدنہ فلا یفسدہ ویبقی طھورا ولا یحرم فیہ الاغتسال الا ان محمدا یقول بصیرورتہ مستعملا بالاغتسال فیہ[2] اھ و نقل فی البحر بلفظ ان محمدا یقول لما اغتسل فی الماء القلیل صار الکل مستعملا حکما[3] اھ واجاب عنہ ایضا بما مر۔

ضرورت کی وجہ سے، اور ابوبکر الرازی کی تخریج کے مطابق پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس میں قربت کی نیت نہیں اھ تو اگر آپ اس روایت کا انکار کریں کہ یہ غیر مختار روایت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو مختار روایت تردید میں زائد ہوگی۔

اسرار کی فرع حدیث "لایبولن" پر ان کی گفتگو میں ہے کہ جو یہ کہتا ہے مستعمل پانی طہور و طاہر ہے تو وہ اس میں غسل کو حرام قرار نہیں دیتا ہے اور اسی طرح جو اس پانی کو طاہر غیر طہور کہتے ہیں کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ جب مستعمل پانی دوسرے پانی میں مل جائے تو جب تک اس پر غالب نہ ہو اس کو فاسد نہیں کرتا اور صرف اسی قدر مستعمل ہوتا ہے جو بدن سے متصل ہوتا ہے اور یہ مقدار اُس مجموعی پانی کی مقدار سے جس سے کہ غسل کیا جاتا ہے عادۃً اس پانی سے کم ہُوا کرتی ہے جو ملاقاۃ بدن سے بچ رہا ہوتا ہے، تو یہ اس کو فاسد نہیں کرے گا اور طہور ہی رہے گا اور اُس سے غسل حرام نہ ہوگا، تاہم محمد فرماتے ہیں کہ اس میں غسل کرنے سے یہ مستعمل ہوجائیگا اھ اور بحر میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے کہ محمد فرماتے ہیں کہ جب کوئی تھوڑے پانی میں غسل کرے گا تو سب کا سب حکماً مستعمل ہوجائے گا اھ اور اس کا جواب بھی وہ دیا جو گزرا۔

اقول سبحٰن اللہ صریح منطوق الاسرار ان المذھب اعتبار الغلبة وان

میں کہتا ہوں سبحان اللہ، اسرار کا صریح منطوق یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ اعتبار غلبہ کو ہے، اگرچہ اس کا

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷

[2] الرسالۃ فی جواز الوضوء من رسائل ابن نجیم مع الاشباہ، ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶/۸۱۹

[3] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

قضیتہ ان لایصیر الکل مستعملا لان الملاقی حقیقۃ اقل من غیرہ الا ان محمدا جعل الکل مستعملا حکما فکیف یتوھم انہ مبنی علی روایۃ ضعیفۃ خلاف ذٰلک المذھب وانما ھو تخصیص لقضیتہ وتخصیص الحکم انما یبتنی علی الحکم لا علی خلافہ وھذا واضح جدا وسر کلام الاسرار قد بیناہ وفرع[1] المبتغی بالغین لو ادخل الکف صار مستعملا[2] وزاد فی البحر فرع[3] العنایۃ والدرایۃ وغیرھما ان الجنب اذا نزل فی البئر بقصد الاغتسال یفسد الماء عند الکل[4] وفرع[5] الخانیۃ لو ادخل یدہ اورجلہ فی الاناء للتبرد یصیر الماء مستعملا لانعدام الضرورۃ وفرع[6] الاسبیجابی والولوالجی فیمن اغتسل فی بئر الی العشرۃ ولا نجاسۃ علیہ قال محمد صارت المیاہ کلھا مستعملا[7] وزاد قولہ الی اخر الفروع ارشادا الی الکثیر الباقی[8] قال وھذا صریح فی استعمال جمیع الماء عند محمد بالاغتسال فیہ[9] اھ واجاب عن الکل بانہ مبنی علی روایۃ ضعیفۃ عن

تقاضا یہ ہے کہ کل مستعمل نہ ہوگا کیونکہ ملاقی حقیقۃً غیر ملاقی سے کم ہے مگر یہ کہ محمد نے کل کو حکماً مستعمل قرار دیا ہے، تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی ضعیف روایت پر مبنی ہے جو اُس مذہب کے خلاف ہے، یہ اس کے مقتضٰی کی تخصیص ہے اور حکم کی تخصیص حکم پر ہی مبنی ہوتی ہے نہ کہ خلافِ حکم پر، اور یہ بہت واضح ہے اور اسرار کے کلام کا راز ہم نے بیان کر دیا۔

مبتغی کی فرع، اگر ہتھیلی ڈالی تو پانی مستعمل ہوگیا اھ اور بحر میں اضافہ کیا ہے عنایہ اور درایہ وغیرہما کی فرع کا، "جنب اگر کنویں میں غسل کی نیت سے اُترے گا تو سب ہی کے نزدیک پانی فاسد ہو جائے گا"۔

خانیہ کی فرع: اگر کسی نے اپنا پیر یا ہاتھ برتن میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ڈالا تو پانی مستعمل ہو جائے گا کہ ضرورت موجود نہیں ہے۔

اسبیجابی اور ولوالجی کی فرع، جو کنویں میں دس ہاتھ تک نہایا اور اس پر کوئی نجاست بھی نہیں ہے تو محمد نے فرمایا کل پانی مستعمل ہو جائیگا، اور اپنے قول الی آخر الفروع کا اضافہ کیا، باقی کثیر فروع کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا یہ صریح ہے امام محمد کے

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۱۹-۶

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۱

[3] بحر الرائق 〃 〃 ۱/ ۷۱

[4] بحر الرائق 〃 〃 〃

[5] بحر الرائق 〃 〃 〃

محمد قائلة بنجاسة الماء المستعمل[1] ثم استشهد بحمل الفتح فرعا فی الخانیة علیها وقد مرمافیه من ستة اوجه۔

نزدیک تمام پانی کے مستعمل ہونے میں اس میں غسل کرنے کی وجہ ہے، اور سب کا جواب یہ دیا کہ یہ ضعیف روایۃ پر مبنی ہے، یعنی محمد کی اس روایت پر کہ مستعمل پانی نجس ہوجاتا ہے، پھر یہ استشہاد کیا کہ فتح نے خانیہ کی ایک فرع کو اسی پر محمول کیا ہے اور جو اس پر اعتراض ہے وہ چھ وجوہ سے گزر چکا ہے۔

وفرع ۹ منیۃ المصلی عن الفقیہ ابی جعفر توضأ فی أجمۃ القصب فان کان لا یخلص بعضہ الی بعض یجوز وفی الخلاصۃ توضأ فی أجمۃ القصب او ارض فیہا زرع متصل بعضہا ببعض ان کان عشرا فی عشر یجوز قال فمفہومہ انہ اذا کان اقل لایجوز التوضی فیہ والاجمۃ محرکۃ الشجر الکثیر الملتف[1]۔

منیۃ المصلی کی فرع ۹، یہ فقیہ ابو جعفر سے ہے کسی نے بانسوں کے جھنڈ میں وضو کیا اگر وہ اتنے گھنے ہیں کہ پانی کے حصے ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں تو جائز ہے اور خلاصہ میں ہے کہ بانسوں کے جھنڈ میں یا ایسی زمین میں جس میں پودے ایک دوسرے سے متصل ہوں، اگر وہ دہ در دہ ہو تو وضو جائز ہے، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر اس سے کم ہو تو جائز نہیں، اور أجمۃ محرکہ بہت گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔

وفرع ۱۰ الکتابین الخلاصۃ والمنیۃ توضأ[2] فی حوض وعلی جمیع وجہ الماء الطحلب ان کان بحال لوحرک یتحرک یجوز قال ومفہومہ انہ لوکان لایتحرک الطحلب بتحریک الماء لایجوز فان عدم تحرکہ بتحریک الماء یدل علی انہ بحالۃ من التکاثف والاستمساک لسطح الماء بحیث یمنع انتقال الماء المستعمل الواقع فیہ الی محل اخر فیقع الوضوء بماء مستعمل الطحلب

خلاصہ اور منیہ کی فرع ۱۰، حوض میں وضو کیا اور طحلب پانی کی تمام سطح پر ہو اگر وہ ایسا ہے کہ اس کو حرکت دی جائے تو سب ہل جائے تو جائز ہے، فرمایا اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر حرکت نہ کرے طحلب پانی کے حرکت دینے سے تو جائز نہیں کیونکہ پانی کے حرکت دینے سے اس کا متحرک نہ ہونا اس امر پر دلالت ہے کہ وہ اتنا کثیف ہے کہ مستعمل پانی کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا مشکل ہے، تو وضو مستعمل پانی سے ہوگا، اور طحلب سبز رنگ کی گھاس ہے جو پانی پر تیرتی رہتی ہے اھ اور یہ حلیہ سے ماخوذ ہے، فرمایا یہ سب

---

[1] الرسالۃ جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۲۰
[2] الرسالۃ جواز الوضوء " " "

نبت اخضر لیعلو الماء بعضه علی بعض اھ وھو
ماخوذ عن الحلیة قال وھذا کله یدل ان الماء
یصیر مستعملا بالوضوء فیه مطلقا[1] اھ واجاب
عنھما بحملھما علی نجاسة الماء المستعمل
صرح به شارح المنیة العلامة ابن امیرالحاج
فقال وانما قید الجواز بعدم الخلوص لانه
لوکان یخلص بعضه الی بعض لایجوز لکن علی
القول بنجاسة الماء المستعمل اما علی
القول بطھارته فیجوز مالم یغلب علی
ظنه ان القدر الذی یغترفه منه لاسقاط
فرض من مسح او غسل ماء مستعمل
او یمازجه مستعمل مساو او غالب اھ قال
فھذا صریح فیما قلناہ من جواز الوضوء فی
الفساق واما مسألة الطحلب فقال شارح
المنیة ایضا ھذا ایضا بناء علی نجاسة الماء
المستعمل او مساواته اھ وکذا صرح
فی مسألة توضأ فی حوض انجمد ماؤہ
قالوا ان کان الجمد رقیقا ینکسر بالتحریک
یجوز اما اذا کان کبیرا قطعا لایتحرک
بالتحریک لایجوز فقال ھذا ایضا بناء
علی نجاسة الماء المستعمل اما علی
طھارته فالجواب ما ذکرنا فی
السابقات[2] اھ وانت تعلم انه رحمه اللہ تعالٰی

اس امر پر دلیل ہے کہ پانی اس میں وضو کرنے سے مطلقًا
مستعمل ہوجاتا ہے اھ اور ان دونوں سوالوں کا
جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ ان دونوں کو مستعمل پانی
کی نجاست پر محمول کیا ہے، اس کی تصریح شارح منیہ
علامہ ابن امیر الحاج نے کی ہے، اور فرمایا کہ جواز کو
عدم خلوص کے ساتھ مقید کیا کیونکہ اگر پانی کا کچھ حصہ
دوسرے حصہ کی طرف چلا گیا تو جائز نہیں، لیکن یہ
تب ہے کہ جب مستعمل پانی کو نجس قرار دیا جائے، لیکن
اگر اس کو پاک قرار دیا جائے تو جائز ہے تاوقتیکہ اس
کو اس بات کا ظن غالب نہ ہوجائے کہ وہ مقدار جو اس
پانی سے وہ چُلّو بھر کر لے رہا ہے مسح یا دھونے کے فرض کو ساقط
کرنے کیلئے کہ وہ مستعمل پانی ہے یا اس میں مستعمل پانی ملا ہوا ہے
جو اس کے برابر ہے یا غالب ہے اھ فرمایا یہ اس
بارے میں صریح ہے جو ہم نے کہا ہے کہ وضو فساقی
میں جائز ہے، اور گھاس کا مسئلہ، تو منیہ کے شارح نے
بھی فرمایا یہ بھی مستعمل پانی کی نجاست پر مبنی ہے یا
وہ مستعمل پانی کے مساوی ہو اھ اور اسی طرح انہوں
نے اس مسئلہ میں تصریح کی کہ کسی شخص نے ایسے حوض
میں وضو کیا جس کا پانی منجمد ہوچکا تھا فرمایا اگر منجمد
پانی ایسا ہے کہ ہلانے سے بآسانی ٹوٹ جاتا ہے تو
جائز ہے اور اگر اس کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوں کہ
ہلانے سے نہ ہلیں تو جائز نہیں، فرمایا یہ بھی اسی پر
مبنی ہے کہ مستعمل پانی نجس ہے، اور اس کی پاکی کی

---

[1] الرسالة جواز الوضوء من رسائل ابن نجیم مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷/ ۸۲۰
[2] ″ ″ ″ ۲/ ۸/ ۸۲۱

سلك بفرعى الاجمة والطحلب مسلكين وذلك ان كلا منهما حكم بعدم جواز الوضوء ان كان ماء الاجمة دون عشر فى عشر اولا يتحرك الطحلب بتحريك الماء فجعله واردا عليه حيث افاد صيرورة كل الماء مستعملا بالتوضى فيه اذا كان قليلا واجاب بحمله على رواية النجاسة وحكم الحلبة بالجواز وان كان قليلا مادام اكثر بناء على الطهارة فجعله دليلا له حيث افاد ان الوضوء فى الماء القليل لا يفسده مادام الطهور غالبا على المستعمل واضاف اليهما فرع الجمد فى الاحتجاج وان كان يصلح ايضا للايراد واقتصر فى البحر على ايراد الفروع الثلثة تصريحا بالاول وتلويحا بالباقيين فيما هو له لا فيما هو عليه فقال ثم رأيت العلامة ابن امير الحاج قال (فذكر قوله المار) قال ثم قال ايضا واتصال الزرع بالزرع لا يمنع اتصال الماء بالماء وان كان مما يخلص فيجوز على الرواية المختارة فى طهارة المستعمل بالشرط الذى سلف (اى غلبة الطهور على غيره) ثم ذكر اى الحلبى مسائل على هذا المنوال وهو صريح فيما قدمنا من جواز الوضوء بالماء الذى اختلط به ماء مستعمل قليل[1] اھ وقوله فى الرسالة هذا صريح فيما قلناه من جواز الوضوء فى الفساقى

صورت میں تو جواب وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اھ اور تمہیں معلوم ہے کہ اُنھوں نے جھنڈ اور کائی کے مسئلہ میں دو راہیں اختیار کی ہیں، اور یہ اس لیے ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے حکم عدم جواز کا لگایا، اگر جھنڈ کا پانی دَہ در دَہ سے کم ہو یا پانی کو حرکت دینے سے کائی میں حرکت پیدا نہ ہو، انہوں نے قلیل پانی میں وضو پر تمام پانی کو مستعمل قرار دینے کو اعتراض قرار دیا اور اس کا جواب یہ دیا کہ یہ نجاست والی روایت پر محمول ہے اور حلبہ نے قلیل پانی میں وضو کو جائز کہا ہے بشرطیکہ وہ مستعمل پانی سے زیادہ ہو کیونکہ وہ پاک ہے، اس کو انہوں نے اپنی دلیل بنایا جہاں انہوں نے کہا کہ قلیل پانی میں وضوء پانی کو فاسد نہیں کرتا جب تک پاک پانی غالب رہے، ان دونوں صورتوں کے ساتھ انہوں نے استدلال میں انجماد کی فرع کا اضافہ کیا اگرچہ یہ بھی اعتراض کی صورت بن سکتی ہے اور بحر میں تینوں فروع کے ذکر پر اکتفا کیا ہے پہلی کی تصریح کی ہے اور باقی میں تلویح کی ہے، ماھو لہ کا بیان کیا ہے نہ کہ ماھو علیہ کا۔ پھر فرمایا کہ میں نے علامہ ابن امیر الحاج کو دیکھا انہوں نے فرمایا (پھر ان کا گزشتہ قول نقل کیا) کہا نیز انہوں نے فرمایا کہ کھیتی کا کھیتی سے متصل ہونا پانی کے پانی سے متصل ہونے کو نہیں روکتا ہے اگرچہ یہ اس قبیلہ سے ہے کہ پہنچ سکتا ہے، تو مختار روایت کے مطابق جو مستعمل پانی سے طہارت جائز ہوگی مگر شرط وہی رہے گی جو گزری، (یعنی طہور کا غلبہ غیر پر) پھر حلبی نے چند مسائل

اوفق بمقصودہ اذ لا نزاع فی مسألۃ الاختلاط غیر انہ رحمہ اللہ تعالٰی لما حکم بعدم الفرق بین الملقی والملاقی طفق لا یفرق بینھما فی الحجاج ثم انھی کلامہ فی البحر بما یراد حجۃ لہ اخری عن فتاوی العلامۃ قارئ الھدایۃ جمع تلمیذہ المحقق علی الاطلاق سئل عن فسقیۃ صغیرۃ یتوضؤ فیھا الناس وینزل فیھا الماء المستعمل فی کل یوم ینزل فیھا ماء جدید ھل یجوز الوضوء فیھا اجاب اذا لم یقع فیھا غیر الماء المذکور لا یضر اھ یعنی اذا وقعت فیھا نجاسۃ تنجست لصغرھا اھ[1] اھ[2]

اسی قسم کے ذکر کیے، اور وہ اُس میں صریح ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی اگر غیر مستعمل پانی میں تھوڑا سا مستعمل مل جائے تو اس سے وضو جائز ہے اھ اور ان کا قول "رسالہ میں یہ صریح ہے اس امر میں کہ فساقی سے وضو جائز ہے" ان کے مقصود سے زیادہ موافق ہے، کیونکہ اختلاط کے مسئلہ میں تو کوئی نزاع ہی نہیں، البتہ صرف یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے ملقٰی اور ملاقی میں فرق نہیں کیا ہے تو قریب تھا کہ وہ ان دونوں سے استدلال میں بھی فرق نہ کرتے، پھر انہوں نے اپنا کلام بحر میں اس پر ختم کیا کہ اپنی ایک مزید دلیل فتاوٰی علامہ قاری ہدایہ سے دی، اس کو ان کے شاگرد محقق علی الاطلاق نے جمع کیا ہے، اُن سے ایک چھوٹے گڑھے کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں لوگ وضو کریں اس میں مستعمل پانی گرے اور ہر روز نیا پانی بھی آئے، اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں مذکورہ پانی کے علاوہ اور پانی نہ گرتا ہو تو کچھ حرج نہیں اھ یعنی اس میں اگر کوئی نجاست گرے گی تو یہ نجس ہو جائے گا کیونکہ یہ چھوٹا ہے اھ۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق الایرادات والحجج الاربع کلھا مبنیۃ علی الذھول عن محل النزاع لان تلک الفروع طرا فی الملقی لا الملاقی اما فرع قارئ الھدایۃ فظاھر لقول المسئول ینزل فیھا الماء المستعمل و

میں بتوفیقِ الٰہی کہتا ہوں دونوں اعتراض اور چاروں استدلال اس پر مبنی ہیں کہ محلِ نزاع پر نظر نہیں رکھی گئی کیونکہ یہ تمام فروع ملقٰی میں ہیں نہ کہ ملاقی میں، قاری الہدایہ کی فرع تو ظاہر ہے، کیونکہ سوال میں ہے کہ اس میں مستعمل پانی روز آتا ہے اور جواب میں ہے

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

[2] اھ السابق علی ھذین لکلام العلامۃ قارئ الھدایۃ وھو قول الامام ابن الھمام والاول من ھذین لکلام ابن الھمام من کلام البحر والاخیر لکلام البحر من کلام المصنف ۱۲ (م)

ان دونوں سے پہلے "اھ" علامہ قاری الہدایہ کے کلام کی انتہا ہے جس کو ابن ہمام نے ذکر کیا اور ان دونوں میں سے پہلی "اھ" ابن ہمام کے کلام کی انتہا ہے جس کو بحر نے بیان کیا اور آخری بحر کے کلام کی انتہا ہے جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے ۱۲ (ت)

ولہ فی الجواب اذا لم یقع فیہا غیرہ واما فروع الحلیۃ الثلثۃ فلان مستند الجوابین و الاحتجاجات کلام العلامۃ الحلبی وھو مصرح بانہا جمیعا فی الملقی دون الملاقی الاتری الی قولہ فی الاول ان کان لایخلص بعضہ الی بعض جاز لان الماء حینئذ کثیر ولو کان الماء المستعمل الواقع فیہ نجاسۃ لم یمنع فکیف وھو طاہر وانما قید الجواز الی اٰخر مانقلتم وقال فی الثانی یمنع انتقال الماء المستعمل الواقع فیہ وقد نقلتموہ وان لم تعزوہ وقال فی الثالث ان کون الجمد ینکسر بتحریک الماء لایمنع من انتقال الماء المتصل منہ فی الحوض من ذلک المحل الواقع فیہ الخ وکذلک قال فی نظائرہ بل ھذا علی طریق الحلیۃ مستفاد من نفس الفروع فانہا فی الوضوء فی حوض او غدیر وقد افاد فی الحلیۃ قبل الفرع الاول بصفحۃ فی الفرق بین المتوضی من حوض وفیہ ان التوضی منہ لایستلزم البتۃ وقوع الغسالۃ فیہ بخلاف التوضی فیہ قال وکون وضوء المتوضئین من موضع وقوع غسالاتہم فیہ ھو مقصود الافادۃ من التفریع بخلاف کون وضوء المتوضی منہ بحیث تقع غسالاتہم خارجہ جائزا فان ذلک مجمع علیہ لایتفرع علی قول قوم دون اٰخرین[1] اھ ھذا کلہ علی

کہ جبکہ اس میں اس پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہ گرتی ہو، اور حلیہ کی تینوں فروع اس لیے کہ دونوں جوابوں کی سند اور استدلالات علامہ حلبی کا کلام ہیں، اور انہوں نے تصریح کردی ہے یہ تمام ملقی میں ہیں نہ کہ ملاقی میں۔ چنانچہ ان کا پہلا قول دیکھا جائے کہ اس کا بعض دوسرے بعض کی طرف نہ جاتا ہو تو جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں پانی کثیر ہوگا، اور اگر وہ ماء مستعمل جس میں نجاست گر گئی ہو مانع نہیں ہے تو جو طاہر ہے وہ کیسے ہوگا اور بیشک جواز کو مقید کیا الی آخر ما نقلتم اور دوسرے میں فرمایا منع کرتا ہے مستعمل پانی کا منتقل ہونا جس میں وہ واقع ہے حالانکہ تم نے اس کو نقل کیا ہے اگرچہ اس کے قائل کا نام نہیں لیا ہے، اور تیسرے میں فرمایا کہ برف کا پانی کو حرکت دینے سے ٹوٹ جانا حوض میں جو پانی اس سے متصل ہے اس کے منتقل ہونے کو مانع نہیں ہے الخ اور اسی طرح اس کی نظیروں میں فرمایا بلکہ حلیہ کے طریق کے مطابق یہ نفس فروع سے مستفاد ہے کیونکہ یہ بظاہر حوض یا تالاب سے وضوء سے متعلق ہیں، اور حلیہ میں فرع اوّل ایک صفحہ قبل فرمایا، حوض سے وضو اور حوض میں وضو کے اندر فرق ہے، اور اسی میں ہے کہ حوض سے وضو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دھوون حوض میں گرے، لیکن اگر حوض میں وضو کیا جائے تو دھوون لازمی طور پر اس میں گرے گا، فرمایا لوگوں کا اس جگہ سے وضو کرنا جہاں اُن کے دھوون کا پانی پڑتا ہے یہی تفریع کا اصل مقصود ہے اور ایسی جگہ وضو کرنا جہاں دھوون باہر گرتا ہو تو اس میں کسی کا

[1] حلیہ

طرق الحلية وانا **اقول** وبه استعين[1] الوضوء في الحوض يحتمل معنيين احدهما ان يغترف منه بيد او اناء و يتوضأ خارجه بحيث تقع غسالته فيه كقولك توضأت في الطست وهو الذي اقتصر عليه المحقق الحلبي و الأخر ان يغسل اعضاءه بغمسها فيه كما يفعل كثير من الناس في الرجلين كقولك غسلت الثوب في الاجانة وهذا اقرب الى ظرفية الحوض للوضوء بالضم وان اطلق على الاول لصيرورة الحوض ظرف الوضوء بالفتح[2] فلا وجه للقصر على الاول والماء في الاول ملق اى استعمل في الخارج ثم القى في الماء المطلق وفي الثاني ملاق اى ماء مطلق لاقى بدنا محدثا فاسقط فرضا او بدن[1] متقرب فاقام قربة و انت تعلم[3] ان العبارة في الفروع الثلثة تحتمل الوجهين بيد انا لو حملناها على الثاني وجب ردها الى رواية ضعيفة وهو نجاسة المستعمل او صيرورة المطلق مستعملا بوقوع المستعمل ولو قليلا الا ما ترشش كالطل فانه عفو دفعا للحرج وكلاهما ضعيفة مهجورة والصحيح المعتمد طهارته وعدم تاثيره في المطلق

اختلاف نہیں، یہ ایسا نہیں کہ کچھ لوگوں کے قول پر متفرع ہو اور کچھ کے قول پر متفرع نہ ہو اھ یہ تمام بحث حلیہ کے نہج پر ہے۔

میں کہتا ہوں حوض سے وضو کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ حوض سے چُلّو سے پانی لیا جائے یا برتن سے لیا جائے اور حوض کے باہر وضو کیا جائے اور اس کا دھووَن حوض میں گرتا رہے، جیسے کہا جاتا ہے "میں نے طشت سے وضو کیا"۔ محقق حلبی نے اس پر اکتفا کیا ہے، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حوض میں اپنے اعضا ڈبو کر وضو کرے جیسے عام طور پر لوگ پیر دھوتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے "میں نے ٹب میں کپڑے دھوئے" اور یہ حوض سے وُضو بالضم کا ظرف ہونے کے اقرب ہے، اگرچہ اس کا اطلاق پہلے پر اس تاویل سے ہوتا ہے کہ وہ وُضو بالفتح کا ظرف ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو پہلے تک ہی متصور رکھا جائے اور پہلے میں پانی ملقی ہے یعنی پہلے باہر استعمال کیا گیا پھر مطلق پانی میں ڈالا گیا اور دوسرے میں ملاقی ہے، یعنی مطلق پانی جو حدث والے بدن کو ملا اور ایک فرض کو ساقط کیا یا متقرب کے بدن کو ملا اور ایک قربۃ اس سے ادا ہوئی اور آپ جانتے ہیں کہ تینوں فروع کی عبارت دونوں وجہوں کا احتمال رکھتی ہے، صرف اتنا ہے کہ اگر ہم اس کو دوسرے پر

---

[1] ادخله في البحر في المحدث حكما تبعا للدراية وتقدم الرد عليه في الطرس المعدل اھ (م)

بحر نے اس کو حکماً محدث میں داخل کیا درایہ کی پیروی کرتے ہوئے طرس معدل میں اس کا رد پہلے گزرا اھ (ت)

مطلقا مالم یبادہ اویغلب علیہ والروایات تصان عن مثلہ مھما امکن فظہران المراد فی الثلاثۃ المعنی الثانی لاما فھم المحقق واضطر الی حملھا علی ضعیف واذن صارت الثلثۃ حججا لنا ولا دلیل ناطق علی صرفھا الی ضعیف ومن یفعل ینقلب مدعیا بعد ان کان سائلا فلینور دعواہ ببرھان واین البرھان وذلک لان الاصل فی روایات الائمۃ الاعتماد فمن استند بھا فقد قضی ماعلیہ ، ومن یرید ردھا الی ما یردھا فلیات بدلیل یلجئ الیہ ، ودعوای ھذہ قد اعترف بھا العلامۃ فی البحر والرسالۃ معا اذ حکم بابتناء تلک الفروع علی روایۃ ضعیفۃ فقال وسیظھر لک صدق ھذہ الدعوی الصادقۃ بالبینۃ العادلۃ فقد اقرانہ رحمہ اللہ تعالٰی عاد بھذا مدعیا فکیف تسلم بلا دلیل اما ما ذکر فی البینۃ و ھو قول المحیط والعلامۃ السراج الھندی[1] والتحفۃ اذا وقع الماء المستعمل فی البئر عند محمد یجوز التوضؤ بہ مالم یغلب علی الماء وھو الصحیح ولفظ التحفۃ علی المذھب المختار۔[1]

محمول کریں تو اس کو ایک ضعیف روایت کی طرف راجع کرنا پڑے گا اور وہ مستعمل پانی کا نجس ہونا ہے یا مطلق پانی کا تھوڑے مستعمل پانی سے مل جانے کی وجہ سے مستعمل ہو جانا، ہاں شبنم جیسے قطرے معاف ہیں حرج کو دفع کرنے کے لیے۔ یہ دونوں روایتیں متروک اور ضعیف ہیں، اور صحیح اور قابلِ اعتماد اس کی پاکی ہے اور اس کا مطلق پانی پر اثر انداز نہ ہونا ہے تاوقتیکہ اس کے برابر یا اس پر غالب نہ ہو جائے ___

اور روایتیں اس قسم کی چیز سے حتی الامکان محفوظ رکھی جاتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ تینوں فروع میں دوسرے معنی ہی مراد ہیں، وہ معنی نہیں ہیں جو محقق نے لیے ہیں اور پھر ان کو ضعیف روایت پر حمل کرنا پڑا اور اس طرح تینوں فروع ہماری دلیل بن گئی ہیں اور ان کو ضعیف روایت پر محمول کرنے کے لیے کوئی دلیل ناطق موجود نہیں، اور جو ایسا کرتا ہے وہ سائل کے بجائے اپنے آپ کو مدعی بناتا ہے اور ایسی صورت میں اس کو برہان لانا چاہئے، اور برہان کہاں سے ملے گا کیونکہ ائمہ کی روایات میں اصل اعتماد ہے تو جو ان سے استناد کرے گا اس نے اپنی ذمہ داری پُوری کر دی، اور جو ان کو کسی اور طرف رد کرنا چاہتا ہے تو اُسے اس کی دلیل پیش کرنا ہوگی، اور میرے اس دعوٰی کا اعتراف علامہ نے بحر اور رسالہ دونوں میں کیا ہے کیونکہ انہوں نے ان کی بنیاد کو ضعیف روایت پر مبنی قرار دیا ہے اور فرمایا کہ تم پر اس دعوٰی کی صداقت بینہ عادلہ سے ظاہر ہو جائیگی۔

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۸۲۰

انہوں نے اس میں اعتراف کرلیا کہ وہ اس طرح مدعی بن گئے ہیں، تو اب یہ دعوی بلا دلیل کس طرح قبول کیا جائیگا' اور بینہ میں جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ محیط علامہ سراج ہندی اور تحفہ کا قول ہے کہ اگر مستعمل پانی کنویں میں گر جائے تو محمد کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے تاوقتیکہ وہ پانی پر غالب نہ ہوجائے اور یہی صحیح ہے اور تحفہ میں صراحت ہے کہ یہی مذہب مختار ہے۔ (ت)

فاقول[1] رحم اللّٰہ الشیخ العلامۃ ما ذکرہ فہو فی الملقی فکیف یدل علی ابتناء ما فی الاسرار والعنایۃ والدرایۃ وغیرھما من شروح الھدایۃ وشرح الاسبیجابی وفتاوی الولوالجی وغیرھا علی روایۃ ضعیفۃ مع کونہا فی الملاقی والی ھنا تم الکلام مع البحر والرسالۃ معا ولم یبق فیہا شیئ غیر حرف واحد فی البحر وھو قولہ رحمہ اللّٰہ تعالٰی لایعقل[2] فرق بین الصورتین من جھۃ الحکم یعنی الملقی والملاقی۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی شیخ علامہ پر رحم فرمائے، جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ملقی میں ہے تو یہ اسرار، عنایہ، درایہ (شروح ہدایہ)، شرح اسبیجابی اور فتاوٰی ولوالجی وغیرہ کی عبارات کے ضعیف روایت پر مبنی ہونے پر کیونکر دلیل بن سکتا ہے کیونکہ وہ ملاقی کے بارے میں ہیں یہاں تک بحر اور رسالہ سے جو گفتگو تھی پوری ہوئی البتہ بحر نے ایک لفظ کہا ہے وہ یہ کہ ملقی اور ملاقی دونوں صورتوں میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ (ت)

اقول[2] ای لعمرک فرق وای فرق لان الاستعمال انما یثبت بازالۃ الماء حدثا او اسقاطہ فرضا او اقامتہ قربۃ و ذلک بملاقاتہ

میں کہتا ہوں دونوں صورتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ پانی کا مستعمل ہونا یا تو حدث کے ازالہ کی وجہ سے ہوتا ہے یا اسقاط فرض کی وجہ سے یا کسی

---

[1] ذکر ھھنا عن بعض معاصریہ الفرق بان فی الوضوء یشیع الاستعمال فی الجمیع بخلافہ فی الصب اھ ثم ردہ وھی عبارۃ مدخولۃ فتحت علی نفسہا باب الرد فکان لما ذکر فی البحر ساغ فلذا طوینا ذکرہ وسنعود الیہ ان شاء اللّٰہ تعالٰی فی الفصل الرابع اھ منہ غفرلہ۔

یہاں انہوں نے اپنے بعض معاصرین سے یہ فرق نقل کیا ہے کہ وضو سے استعمال تمام پانی میں ہوتا ہے اور بہانے میں یہ نہیں ہے، پھر خود ہی انہوں نے اس کا رد کیا اور یہ عبارت مدخولہ ہے' اس نے اپنے اوپر رد کا دروازہ کھول دیا ہے، تو جو بحر میں اس کا جواز تھا اس لیے ہم نے اس کو ذکر نہ کیا اور چوتھی فصل میں ہم اس کو ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی اھ منہ (ت)

بدن المحدث او المتقرب لاملاقاته ما لاقاه والموجود فی الملاق الاول وفی الملقی فیہ الثانی هذا کل ما ذکرہ فی الرسالة وههنا اعنی فی بحث الماء المطلق فی البحر اما ما ذکر فی مسألة البئر جحط مفرعا علی قول الحلیة الماء المستعمل هو الذی لاقی الرجل بقوله فعلی هذا قولهم (ای فیمن نزل البئر للاغتسال) صار الماء مستعملا معناه صار الماء الملاقی للبدن مستعملا لا جمیع ماء البئر اھ[1] فقد قدمنا الکلام علیه کافیا شافیا بتوفیق اللہ تعالٰی تحت الحادی والعشرین من الکلام مع العلامة قاسم وثلثة حجج قبله من التاسع عشر فهذه اربعة۔

قربت کی ادائیگی کے باعث ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ وہ مُحدِث یا متقرب کے بدن سے لگے نہ کہ اُس چیز کو لگے جو بدن کو لگی ہے، اور جو چیز مُلاقی میں موجود ہے وہ اوّل ہے اور مُلقٰی میں دوسری چیز ہے یہ رسالہ میں ہے، اور بحر کی مطلق پانی کی بحث میں ہے، اور بحر نے مسئلہ بئر میں حلیہ کے اس قول پر تفریع کی ہے "الماء المستعمل ھو الذی لاقی الرجل" (مستعمل پانی وہ ہے جو آدمی کے جسم سے متصل ہو) تفریع کے لفظ یہ ہیں، تو اس بنا پر ان کا قول (یعنی جو شخص کنوئیں میں نہانے کو اُترا) پانی مستعمل ہوگیا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ بدن کو لگنے والا پانی مستعمل ہوگیا، یہ نہیں کہ کنوئیں کا سارا پانی مستعمل ہوجائے، اھ ہم نے اس پر مکمل بحث علامہ قاسم کے کلام پر گفتگو کرتے ہُوئے اکیسویں نمبر کے تحت کردی ہے اور اس سے قبل انیسویں نمبر میں تین دلائل بیان کیے ہیں تو یہ چار ہوئے۔

واقول خامسا لو صح هذا لما احتجتم الی حمل تلک الروایات الظاهرة الکاثرة الوافرة علی روایة ضعیفة مرجوحة نادرة وکان یکفیکم ان تقولوا نعم صار مستعملا لکن ما لاقی البدن او الکف وهو مستهلک مغلوب فلا یضر۔

خامساً میں کہتا ہوں اگر یہ بات درست ہوتی تو آپ ان کثیر ظاہر روایات کو ایک ضعیف روایت پر محمول نہ کرتے بلکہ صرف اتنا کہتے کہ ہاں وہ پانی مستعمل ہوگیا ہے، لیکن جو پانی بدن اور ہاتھوں کو لگا ہے وہ تھوڑا سا ہے اور مغلوب ہے تو نقصان دہ نہ ہوگا۔

وسادسا حیث حکموا بسقوط الاستعمال فی ادخال الکف والانغماس

سادساً مشایخ نے سقوطِ استعمال کا حکم لگایا ہے ہاتھ ڈالنے اور غوطہ کھانے کی صورت میں،

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

اطبقوا سلفا وخلفا وانتم معھم علی تعلیلہ
بالضرورۃ کما قدمنا عن الفتح والخلاصۃ
والتبیین والبزازیۃ والکافی والخانیۃ و
الغنیۃ والحلیۃ والنھر والقدوری و
الجرجانی والبرھان والصغری والفوائد الظہیریۃ
والشمس الائمۃ الحلوانی وعن بحرکم و
عنکم عن شمس الائمۃ السرخسی وشارح الہدایۃ
الخبازی والمحقق حیث اطلق والزیلعی وابی
الحسن وابی عبداللہ رحمہم اللہ تعالٰی و
قدمناہ عن الخلاصۃ عن نص محرر المذہب
محمد فی کتاب الاصل وعن الفتح عن کتاب الحسن
عن صاحب المذہب الامام الاعظم رضی اللہ
تعالٰی عنہم ولوکان لایستعمل الا ما لصق بالبدن
فای حرج یلحق وای ضرورۃ تمس فان الماء
مع ثبوت الاستعمال یبقی طاھرا مطھرا کما کان۔

وسابعا قدمنا عن الامام شمس
الائمۃ الکردری ان ادخال المحدث یدہ فی
الماء لا لضرورۃ یفسدہ[1] وعنکم عن المبتغی انہ
یفسد الماء[2] وعنکم عن المبسوط عن نص محمد
فی الاصل اغتسل الطاھر فی البئر افسدہ[3]
وعن مجمع الانھر فسد عند[4] الکل وعن

سلف سے خلف تک اسی پر چلے آرہے ہیں اور آپ
بھی اُن کے ہمنوا ہیں اور اس کے لیے علت ضرورت
بتائی ہے جیساکہ ہم فتح، خلاصہ، تبیین، بزازیہ، کافی،
خانیہ، غنیہ، حلیہ، نہر، قدوری، جرجانی، برہان،
صغرٰی، فوائد ظہیریہ، شمس الائمہ حلوانی، بحر اور آپ
کی سند سے شمس الائمہ سرخسی سے، شارح ہدایہ خبازی،
محقق (انھوں نے اطلاق سے کام لیا) ابو الحسن و
ابو عبداللہ سے روایت کر آئے ہیں اور اسکو ہم نے خلاصہ
سے محرر المذہب امام محمد کا قول ان کی اصل سے نقل
کیا ہے اور فتح سے حسن کی کتاب سے صاحب المذہب
امام اعظم سے نقل کیا ہے، اگر صرف اتنا ہی مستعمل
ہوتا ہے جو بدن سے لگا ہو تو کیا حرج لاحق ہوتا ہے!
اور کونسی ضرورت درپیش ہوتی ہے؟ کیونکہ پانی باوجود
ثبوت استعمال کے طاہر مطہر ہی رہے گا جیسا کہ
پہلے تھا۔

سابعاً ہم امام شمس الائمہ کردری سے نقل
کر آئے ہیں کہ محدث کا اپنے ہاتھ کو پانی میں بلاضرورت
ڈالنا پانی کو فاسد کردیتا ہے اور تم سے مبتغی سے
روایت کی ہے کہ وہ پانی کو فاسد کردیتا ہے اور تم سے
مبسوط سے، محمد کی اصل میں نص سے روایت کی ہے
کہ اگر پاک آدمی کنویں میں غسل کرے تو اس کو فاسد

---

[1] الہندیۃ بالمعنی فصل فیما لایجوز بہ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۲
[2] الہندیۃ " " " " " ۱/۲۳
[3] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۶
[4] مجمع الانہر فصل فی الماء بیروت ۱/۳۱

الھندیة عن النھایة یفسد بالاتفاق[1] ولفظ العنایة فسد الماء عند الکل[2] وعنکم عن الدرایة والعنایة وغیرھما یفسد عند الکل[3] فھذا صریح نص محمد فی الروایة الظاھرة وصرائح نقول الاجماع فی الکتب المعتمدة منھا بحرکم علی ان الماء کلہ یصیر مستعملا حتی لایبقی صالحا لان یتوضأ بہ اذ لیس الفساد الاخروج الشیئ عما یصلح لہ ولوکان یجوز بہ الوضوء فای شیئ فسد وکیف فسد۔

کردے گا، اور مجمع الانہر میں ہے کہ سب کے نزدیک فاسد ہوگیا اور ہندیہ سے نہایہ سے منقول ہے کہ بالاتفاق فاسد ہوجائے گا، اور عنایہ کے الفاظ یہ ہیں کہ سب کے نزدیک پانی فاسد ہوگیا اور تم سے درایہ و عنایہ وغیرہما سے روایت کی ہے سب کے نزدیک فاسد ہوگیا تو یہ ظاہر روایت میں محمد کی صریح نص ہے، اور اجماع کی صریح نقول کتب معتمدہ میں موجود ہیں، بحر میں ہے علاوہ ازیں تمام پانی مستعمل ہوجاتا ہے حتی کہ اس سے وضو بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ فساد کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو چیز جس کام کی صلاحیت رکھتی تھی اب اس کے لائق نہ رہی اور اگر اس سے وضو جائز ہے تو پھر اس میں فساد کیوں اور کیسے ہوا؟ (ت)

وثامنا قدمنا عن الفتح عن کتاب الحسن عن صاحب المذھب الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ التصریح باین لفظ لایقبل تاویلا ولایرضی تحویلا وھو قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یجز الوضوء منہ فثبت قطعا ان لامساغ لھذا التاویل وانہ مضاد لصریح نص امام المذھب وجلی نص محمد فی ظاھر الروایة بل مصادم لاجماع ائمة المذھب المنقول فی المعتمدات کبحرکم فالحق الناصع ھو المذھب المنصوص علیہ من ائمة المذھب فی الکتب الظاھرة المطبق علیہ فی الروایات المتواترة

ثامنًا ہم نے فتح کے حوالہ سے حسن کی کتاب سے صاحبِ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، اور یہ اتنا واضح اور صریح قول ہے کہ کسی قسم کی تاویل کو قبول نہیں کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں، تو قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ امام مذہب کے نص صریح کے مخالف ہے اور امام محمد کے واضح نص کے بھی خلاف ہے بلکہ کتب معتمدہ میں ائمہ مذہب کا جو اجماع منقول ہے اس کے بھی مخالف ہے، مثلاً آپ ہی کی بحر میں حکایت اجماع موجود ہے تو حق وہی ہے جو ظاہر روایت کی کتب میں ائمہ مذہب سے

---

[1] ہندیة الفصل الثانی من المیاہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۳
[2] عنایة مع فتح القدیر ماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹
[3] حاشیہ الہدایة " " المکتبة العربیہ کراچی ۱/۲۳

اعنی ثبوت الاستعمال لجمیع الماء القلیل قلیلا کان او کثیرا بدخول جزء من بدن محدث فیه لم یرو ما یخالفه ولم یرفی کلام احد ما ینازعه الا لفظة وقعت فی کلام البدائع فی تعلیل وجدل مع وفاقه فی المروی وما قدر بحث مع نصوص صاحب المذهب وتصریح محررہ فی کتاب ظاہر الروایة بل مع اجماع ائمة المذهب لاجرم ان بقیت تلك الکلمة لم یعرج علیها احد فیما نعلم الی عصر الامام المحقق علی الاطلاق حتی اتی تلمیذاہ العلامتان القاسم والحلبی فاثراها، وآثراها واثاراها، وجعلها العلامة قاسم نصا مرویا، وحکما مرضیا، ناد به نصوص المذهب المشهورة، والفروع المتواترة فی الکتب المنشورة، الی روایة ضعیفة مهجورة، ولم یات علیها بروایة منقولة ماثورة، ولا درایة مقبولة منصورة، فالمذهب هو المتبع، والحق احق ان یتبع، والله المستعان، وعلیه التکلان، وصلی الله تعالٰی علی سید الانس والجان، وآله وصحبه وابنه وحزبه ما تعاقب الملوان، وبارك وسلم ابدا آمین، والحمد لله رب العٰلمین۔

منقول ہے اور جس پر متواتر روایات منطبق ہیں یعنی تمام قلیل پانی پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا جانا خواہ قلیل ہو یا کثیر جبکہ محدث کے بدن کا کوئی حصہ بھی اس میں داخل ہوجائے اس پر یہی حکم ہوگا، اس کے خلاف کسی کے کلام میں منقول نہیں صرف ایک لفظ بدائع میں تعلیل وجدل کے طور پر آیا ہے حالانکہ روایت کردہ پر وہ متفق ہیں لیکن نصوص مذہب کی موجودگی میں محض ایک بحث کی کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے، پھر محرر مذہب کی تصریح ظاہر الروایۃ کی کتاب میں ہے اور ائمہ مذہب کا اجماع ہے، پھر ایک اس کلمہ پر محقق علی الاطلاق کے زمانہ تک کسی نے غور نہ کیا یہاں تک کہ ان کے شاگرد علامہ قاسم اور حلبی آئے تو انہوں نے اس بات کو بڑھایا اور ترجیح دی اور پھیلایا اور علامہ قاسم نے تو اس کو اپنی پسندیدہ نص قرار دیا جس سے نصوص مذہب اور فروع متواترہ تک کو رد کردیا اور اس کی تائید میں صرف ایک ضعیف روایت لاسکے اور کوئی قابل عقل یا نقل دلیل پیش نہ کرسکے، تو مذہب حق وہی ہے جس کی پیروی کی گئی ہے اور حق ہی اس کا مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے واللہ المستعان، اسی پر بھروسا ہے، انس وجن کے سردار پر درود اور ان کی آل واصحاب، اولاد اور باقی جماعت پر تاقیامت برکتیں اور سلام نازل ہو، آمین والحمدللہ رب العالمین۔

الفصل الثالث فی کلام العلامة ابن الشحنة

تیسری فصل علامہ ابن الشحنہ کے کلام میں

رسالته رحمه الله تعالٰی اکثر من نصف کراسة سلك فیها مسلکا یخالف ما سلکه شیخه العلامة

ان کا رسالہ آدھی کاپی سے زیادہ ہے اس میں انہوں نے اپنے شیخ علامہ قاسم کے سراسر خلاف راہ اپنائی ہے کیونکہ

قاسم خلافا کلیا فانه کان ادعی تسویة الملقی والملاقی فی جواز الوضوء وادعی هذا تسویتهما فی عدم الجواز ذکر رحمه الله تعالٰی مخاطبا لسائله سألت ارشدنی الله وایاك عن حوض دون ثلثة اذرع فی مثلها هل یجوز الوضوء فیه ام لا وهل یصیر مستعملا بالتوضی فیه وذکرت ان المفتی به قول محمد رضی الله تعالٰی عنه انه طاهر غیر طهور وان المتقاطر من الوضوء قلیل لا یقع طهورا اکثر منه فلا یسلبه وصف الطهوریة واجبتك انه یجوز الاغتراف منه والتوضی خارجه لا فیه اھ[1]

اقول فهذا ظاهر فی الملقی وان المراد التوضی فیه بالمعنی الاول ای بحیث تقع الغسالة فیه وقد کان السائل نبه علی الحکم الصحیح فیه ان المتقاطر طاهر مغلوب لکن اجابه بالمنع وهو خلاف الصحیح کما علمت **والعجب** ان الشیخ سینقل ان الصحیح خلافه ثم مشی علیه وکان حریا بنا ان نحمل کلامه علی التوضی فیه بالمعنی الثانی ای بغمس الاعضاء فیه ومعنی قوله التوضی خارجه ان تکون اعضاء المتوضی خارج الحوض کی یوافق الصحیح ولا ینافی کلام نفسه فیما ینقل من التصحیح وکان تخطئة السائل حیث سأل عن الوضوء فیه بغمس

وہ تو جوازِ وضو میں ملقٰی اور ملاقی کی برابری کے قائل تھے اور انھوں نے عدمِ جواز میں دونوں کی برابری کا قول کیا ہے وہ بصیغۂ خطاب فرماتے ہیں تُو نے مجھ سے سوال کیا خدا تجھ کو اور مجھے ہدایت دے ایک حوض کے بارے میں جو تین ہاتھ سے کم ہے، اس میں وضو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں وضو کرنے سے پانی مستعمل ہوگا یا نہیں؟ اور تُو نے ذکر کیا کہ مفتی بہ محمد کا قول ہے کہ وُہ پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے اور وضو سے جو ٹپکتا ہے وُہ کم ہے اور جس پانی سے ملا ہے وہ زیادہ ہے تو وہ اس کی طہوریت کے وصف کو سلب نہیں کرسکتا ہے، میں نے تجھ کو یہ جواب دیا ہے کہ اس سے چلّو بھر کر پانی لے کر وضو باہر کرنا جائز ہے اس کے بیچ وضو کرنا جائز نہیں اھ

میں کہتا ہوں یہ ملقٰی میں ظاہر ہے اور یہ کہ اس سے مراد پہلے معنی کے اعتبار سے وضو کرنا ہے یعنی دھوون اس میں گرے اور سائل نے اس میں صحیح حکم پر خبردار کیا تھا کہ ٹپکنے والا پانی طاہر مغلوب ہے مگر انھوں نے اس کا جواب منع کے ساتھ دیا اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ صحیح کے خلاف ہے، اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ خود شیخ عنقریب یہ نقل کریں گے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اور پھر خود اسی پر چلے ہیں، اور ہمارے لائق بات تو یہ تھی کہ ہم اس کو دوسرے معنی میں لیتے وہ یہ کہ اس میں وضو کرنے پر محمول کرتے یعنی اس میں اعضاء کا ڈبو دینا، اور ان کے اس قول کے معنی کہ وضو حوض کے باہر، یہ ہیں کہ وضو کرنے والے کے اعضا حوض کے باہر ہوں تاکہ صحیح کے موافق ہو اور خود

[1] رسالہ ابن الشحنہ

الاعضاء ولم یکن بعدہ محل لذکر قلۃ المتقاطر
الیسر علینا من تطرق امثال الخلل الی
کلام العلامۃ ولکنہ رحمہ اللّٰہ سیصرح بھذا
الظاھر فانسد باب التاویل ثم قدم مقدمۃ
فی بیان الماء الذی یظھر فیہ اثر الاستعمال
والذی لایظھر فیہ قاصدا اثبات ان الحوض
المسئول عنہ اعنی الصغیر مما یتأثر بالاستعمال
تأثرہ بالنجس فقال اعلم ان الماء الذی
یظھر فیہ اثر الاستعمال ھو الذی[1] یظھر فیہ
اثر النجاسۃ وکل ما لایظھر فیہ اثر النجاسۃ
لایظھر فیہ اثر الاستعمال ولا فرق ثم
جعل یسرد الاقوال فی حد القلیل واطال الی
ان قال فثبت ح ظھور اثر الاستعمال وھو
سلب الطھوریۃ عن ماء الحوض الذی
سألت عنہ وکان حکمہ کالاناء والجب والبئر لھ

کلام آپس میں تناقض نہ ہو یعنی اُس تصحیح کے جو نقل
کی جائے گی، اور انہوں نے سائل کو غلط اس لیے
ٹھہرایا کیونکہ اس نے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اپنے اعضاً
کو حوض میں داخل کر کے وضو کرنا چاہتا ہے اس کے بعد
اس کا محل نہ تھا کہ ٹپکنے والا کم ہے یہ ہم پر بہ نسبت
اس کے آسان ہے کہ علّامہ کے کلام میں خلل کو مان
لیں مگر وہ خود اس ظاہر کی تصریح کریں گے تو تاویل کا
باب بند ہوگیا، پھر ایک مقدمہ اُس پانی کے بارے
میں بیان کیا جس میں اثرِ استعمال ظاہر ہوتا ہے
اور جس میں نہیں ہوتا ہے، اس سے ان کا ارادہ یہ بتانا کہ
وہ چھوٹا حوض جس کے بارے میں دریافت کیا جا رہا ہے
مستعمل پانی سے اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح نجس
پانی سے، اور فرمایا جاننا چاہیے کہ وہ پانی جس میں استعمال
کا اثر ظاہر ہوتا ہے وہی ہے جس میں نجاست کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور
جس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو اس میں استعمال کا اثر بھی ظاہر نہ
اور کوئی فرق نہیں، پھر انہوں نے قلیل کے حد میں کئی اقوال پیش کیے اور کافی طوالت اختیار کی اور آخر میں کہا، تو ثابت ہوگیا کہ استعمال
کے اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جس حوض کی بابت دریافت کیا ہے اس کے پانی سے طہوریت سلب

---

[1] تعقیب المسند الیہ بضمیر الفصل یفید قصر المسند علی المسند الیہ فمفاد القضیۃ الاولٰی ان تأثیر النجاسۃ مقصور علی ما یؤثر فیہ الاستعمال ای کل ما لایظھر فیہ اثر الاستعمال لایظھر فیہ اثر النجاسۃ ثم ذکر عکسہ کلیا فافاد انھما شیئ واحد وانہ لا انفکاک لتأثیر عن اٰخر اھ منہ غفرلہ۔ (م)

[1] مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل لانا مسند کے مسند الیہ پر حصر کا فائدہ دیتا ہے تو پہلے قضیہ کا فائدہ یہ ہے کہ نجاست کا مؤثر ہونا اس چیز پر منحصر ہے جس میں استعمال مؤثر ہو یعنی جس میں استعمال کا اثر ظاہر نہ ہو اس میں نجاست کا اثر بھی ظاہر نہ ہوگا پھر انہوں نے اس کا عکس کلی ذکر کیا جس کا مفاد یہ ہے کہ دونوں شیئ واحد ہیں اور یہ کہ ایک کی تاثیر دوسرے سے جُدا نہ ہوگی اھ منہ غفرلہٗ (ت)

ہوگئی اور اس کا حکم برتن، گڑھے اور کنویں کی مانند ہوگیا۔

اقول رحمکم اللہ کل ما اتیتم بہ الی ھنا انما بین ان القلیل الذی تؤثر فیہ النجاسۃ کذا وکذا ولیس فی شیئ منہ ما یدل علی ان کل قلیل یتأثر بالاستعمال کالنجاسۃ وانما کان المقصود فیہ ولم تذکروا فیہ غیر قولکم ان کل ما تأثر بہا تأثر بہ ولا فرق وھی القضیۃ الاولی فی کلامکم اما الاخری القائلۃ ان کل ما تأثر بہ تأثر بہا فلا کلام فیہا ولا تمس المقصود اصلا **ثم** ذکر تکمیلا لتوضیحہ وسرد فیہ **فرع**[1] الخلاصۃ ان الحوض الصغیر قیاس الاوانی والحباب لایجوز التوضی فیہ ولو وقعت فیہ قطرۃ خمر تنجس **و فرع**[2] البزازیۃ والتجنیس والخانیۃ اذا نقص الحوض من عشر فی عشر لایتوضؤ فیہ بل یغترف منہ ویتوضؤ خارجہ[2] ولفظ الخانیۃ لایجوز فیہ الوضوء[3] ولفظ التجنیس اعلاہ عشر فی عشر واسفلہ اقل وھو ممتلئ یجوز التوضی فیہ والاغتسال فیہ وان نقص لا ولکن یغترف منہ ویتوضأ[4] اھ **قلت** وفی عکسہ عکسہ ای اذا کان اسفلہ عشرا فی عشر اعلاہ

میں کہتا ہوں یہاں تک آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ قلیل پانی وُہ ہے جس میں نجاست اثر کرے وہ پانی فلاں فلاں ہے، اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ہر قلیل پانی استعمال سے متاثر ہوتا ہے جس طرح کہ نجاست سے متاثر ہوتا ہے اور اس سے وہ مقصود تھا جس کا آپ نے ذکر نہیں کیا صرف یہ ذکر کیا ہے کہ ہر پانی جو نجاست سے متاثر ہوگا وہ استعمال سے بھی متاثر ہوگا بغیر کسی فرق کے، یہ ہُوا پہلا قضیہ تمہارے کلام میں اور دوسرا قضیہ یہ ہے کہ جو پانی استعمال سے متاثر ہوگا وہ نجاست سے بھی متاثر ہوگا، تو اس میں کلام نہیں، اور اس کا مقصود سے کوئی تعلق نہیں، پھر اپنی وضاحت کی تکمیل کی اور یہ فروع ذکر کیں، فرع خلاصہ کہ چھوٹا حوض جو برتنوں اور گڑھوں کی مانند ہو اس میں وضو جائز نہیں ہے، اور اس میں اگر ایک قطرہ شراب کا گر جائے تو وہ نجس ہوجائے گا۔ بزازیہ، تجنیس اور خانیہ میں ہے کہ جب حوض دَہ در دَہ سے کم ہو تو اس میں وضو نہ کریگا بلکہ اس میں سے چُلّو کے ذریعے گا اور وضو حوض سے باہر کرے گا، اور خانیہ کے الفاظ یہ ہیں اس میں وضو جائز نہیں، اور تجنیس کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کا بالائی حصہ دہ در دہ ہے اور نچلا

---

[1] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاول فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۵

[2] بزازیہ مع الہندیہ نوع فی الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۵

[3] قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۳

[4] بحرالرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

اقل لم یجز الوضوء فیہ ممتلئا فاذا انقص وبلغ الکثرۃ جاز وبہ یلغز ای ماء لایجوز الاغتسال فیہ مادام کثیرا واذا قل جاز[1] وفرع الخانیۃ خندق طولہ مائۃ ذراع او اکثر فی عرض ذراعین قال عامۃ المشائخ لایجوز فیہ الوضوء ثم حکی عن بعضھم الجواز ان کان ماؤہ لوانبسط یصیر عشرا فی عشر اھ[2] قلت وھو المختار درر عن عیون المذاھب والظھیریۃ وصححہ فی المحیط والاختیار وغیرھما واختار فی الفتح القول الاخر وصححہ تلمیذہ الشیخ قاسم لان مدار الکثرۃ علی عدم خلوص النجاسۃ الی الجانب ولاشك فی غلبۃ الخلوص من جھۃ العرض اھ ش۔

کم ہے اور وہ بھرا ہُوا ہو تو اس سے وضو بھی جائز ہے اور غسل بھی، اور کم ہو تو جائز نہیں البتہ اس سے چُلّو بھر کر پانی لے کر وضو کرسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے عکس میں حکم برعکس ہے یعنی جب اس کا نچلا حصّہ دہ در دہ ہو اور اوپر والا کم ہو تو اس میں وضو جائز نہیں جبکہ بھرا ہوا ہو، پس جب کم ہوجائے اور کثرت کو پہنچ جائے تو جائز ہے، اسی سے ایک فقہی پہیلی مشہور ہے" وہ کون سا پانی ہے کہ جب کثیر ہو تو اُس سے غسل جائز نہیں اور جب کم ہو تو جائز ہے۔ خانیہ کی فرع، ایک خندق ہے جس کی لمبائی سَو ہاتھ یا اُس سے زیادہ ہے اور چوڑائی دو ہاتھ ہے تو عام مشائخ فرماتے ہیں اُس سے وضو جائز نہیں، اور بعض مشائخ سے جواز منقول ہے، بشرطیکہ وہ حوض ایسا ہو کہ اگر اس کے پانی کو پھیلایا جائے تو وہ دہ در دہ ہوجائے اھ میں کہتا ہُوں یہی مختار ہے اس کو درر نے عیون المذاہب سے اور ظہیریہ سے نقل کیا اور محیط و اختیار وغیرہما نے اس کی تصحیح کی، اور فتح میں دوسرے قول کو اختیار کیا اور اس کی تصحیح ان کے شاگرد شیخ قاسم نے کی کیونکہ کثرت کا دارومدار نجاست کے دوسری جانب نہ پہنچنے پر ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلوص کا غلبہ چوڑائی کی طرف سے ہے اھ ش

اقول ھذا غیر مسلم اذ لو کان علیہ المدار لما جاز الوضوء فی الماء الکثیر من الجانب الذی فیہ النجاسۃ ولیس کذلك فعلوان المدار ھو المقدار اعنی المساحۃ فلاحاجۃ الی العرض وقد قال المحقق نفسہ قالوا فی غیر المرئیۃ یتوضؤ من جانب الوقوع وفی المرئیۃ لا وعن

میں کہتا ہُوں یہ مسلّم بات نہیں ہے کیونکہ اگر اسی پر مدار ہوتا تو کثیر پانی میں اس جانب سے وضو جائز نہیں ہوتا جس میں کہ نجاست ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو معلوم ہُوا کہ اصل چیز مقدار ہے یعنی پیمائش، تو چوڑائی کی کوئی حاجت نہیں، اور خود محقق نے فرمایا ہے" مشائخ کا غیر مرئی نجاست میں

---

[1] قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۳
[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۲

ابی یوسف انه کالجاری لایتنجس الا بالتغیر وھو الذی ینبغی تصحیحه لان الدلیل انما یقتضی عند الکثرۃ عدم التنجس الا بالتغیر من غیر فصل وھو ایضا الحکم المجمع علیه علی ما قدمناہ من نقل شیخ الاسلام ویوافقه ما فی المبتغی ان ماء الحوض فی حکم ماء جار[1] اھ و العلامة نفسه اطال فیه الکلام فی رسالته تلك واحتج بالاحادیث والاثار وقال فی اٰخرہ فثبت ان ماء الغدر لایتنجس الا بالتغیر سواء کان الواقع فیه مرئیا او غیر مرئی فالجاری اولی[2] اھ وقال قبله علی قول صاحب الاختیار ان کانت النجاسة مرئیة لایتوضؤ من موضع الوقوع الخ مانصه یقال له اذا کان الحکم ھذا فاین الاصل الذی ادعیته وھو ان الکثیر لاینجس وکیف خرج ھذا عن دلیل الاصل الذی اوردته وھو الحدیث[3] الخ وقال علی قول البدائع انکانت مرئیة لایتوضؤ من الجانب الذی فیه الجیفة مانصه کل مخالف للاصل المذکور والحدیث[4] اھ

کہتا ہے کہ جہاں نجاست گری ہے وہاں سے وضو کرسکتا ہے اور مرئیہ میں نہیں، اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ جاری پانی کی طرح ہے جب تک تغیر نہ ہوگا نجس نہ ہوگا اسی کی تصحیح ہونی چاہئے، کیونکہ دلیل کا تقاضا تو یہ ہے کہ کثرت کی صورت میں صرف اسی وقت ناپاک ہو جبکہ تغیر آجائے اور اس میں کوئی قید نہ ہو، یہ بھی اجماعی حکم ہے ہم اس پر شیخ الاسلام کی نقل بیان کر آئے ہیں، اور مبتغٰی میں اسکے موافق ہے کہ حوض کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے اھ اور علامہ نے خود اپنے اس رسالہ میں اس پر طویل بحث کی ہے اور احادیث و آثار سے استدلال کیا ہے اور اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تالابوں کا پانی صرف تغیر سے ناپاک ہوتا ہے خواہ گرنے والی چیز مرئی ہو یا غیر مرئی، تو جاری میں یہ حکم بطریق اولٰی ہوگا اھ اور اس سے قبل صاحب اختیار پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نجاست مرئیہ ہو تو گرنے کی جگہ سے وضو نہیں کریگا الخ ان کی عبارت اس طرح ہے "اُس سے کہا جائیگا کہ جب حکم یہ ہے تو اس اصل کا کیا ہوا جو آپ نے بیان کی تھی کہ کثیر پانی ناپاک نہیں ہوتا اور یہ اُس دلیل اصل سے کیسے خارج ہوگیا جس کو آپ نے بیان کیا تھا اور وہ حدیث ہے الخ اور بدائع کے قول پر فرمایا کہ اگر نجاست مرئیہ ہو تو جہاں مردار گرا ہے وہاں سے

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبه الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۲
[2] زہر الروض فی مسئلۃ الحوض
[3] ایضاً
[4] ایضاً

وضو نہیں کرے گا، ان کی یہ تمام عبارت اصل مذکور اور حدیث کے مخالف ہے اھ

ثم اقول بل ادارۃ الامر علیہ یبطل اعتبار العرض فان المناطح ان یکون بین النجاسۃ والماء الذی یرید ان یأخذہ عشرۃ اذرع فاذا وقع النجس فی احد اطراف ذلک الخندق لم یخلص الی الطرف الاٰخر طولا وان خلص عرضا فیجوز الاخذ من الطول بعد عشرۃ اذرع وان لم یجز من العرض بل ھی تبطل اعتبار المساحۃ رأسا اذا المدار علی ھذا علی الفصل فلو ان خندقا طولہ عشرۃ اذرع وعرضہ شبر وقع فی طرف منہ نجس جاز الوضوء من الطرف الاٰخر لوجود الفصل المانع للخلوص وھذا لا یقول بہ احد منا ولو وقع النجس فی الوسط والغدیر عشر فی عشر بل عشرون فی العشرین الا اصبعا فی الجانبین تنجس کلہ لان الفصل فی کل جانب اقل من عشر وکذا اذا کان مائۃ فی مائۃ بل الفا فی الف ووقع بفصل عشر فی الاطراف ثم کل عشرین فی الاوساط قطرۃ نجس وجب تنجس الکل من دون تغیر وصف، مع کونہ عشرۃ اٰلاف

پھر میں کہتا ہوں کہ اس پر دار و مدار کرنا عرض کے اعتبار کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ اس وقت علت حکم یہ ہے کہ اس کے اور نجاست کے درمیان دس ہاتھ کا فاصلہ ہو تو اگر اس خندق کے ایک کنارے میں نجاست گر گئی تو وہ لمبائی میں دوسرے کنارے تک نہیں آسکتی اگرچہ چوڑائی میں دوسری طرف پہنچ جائے، تو لمبائی میں دس ہاتھ کے بُعد سے اس پانی کا استعمال جائز ہوگا اگرچہ چوڑائی سے جائز نہیں، بلکہ یہ مساحت کے اعتبار کو باطل کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں دار و مدار فصل پر ہے اب اگر کسی خندق کی لمبائی دس ہاتھ ہے مگر چوڑائی ایک بالشت ہے اور اس کے ایک کنارہ میں نجاست گر جائے تو دوسرے کنارے سے وضو جائز ہے کیونکہ خلوص کے لیے مانع موجود ہے، اور ہم میں سے یہ قول کسی کا نہیں۔ اور اگر نجاست تالاب کے بیچوں بیچ گر گئی اور تالاب دہ در دہ بلکہ بست در بست ہے مگر دونوں طرف سے ایک ایک انگل کم ہے تو پورے کا پورا ناپاک ہو جائے گا، کیونکہ فصل ہر جہت میں دس سے کم ہے، اسی طرح اگر وہ سَو در سَو ہو بلکہ ہزار در ہزار ہو، اور نجاست دس ہاتھ

لہ فتکفی لتنجیس عشرۃ اٰلاف ذراع خمس و عشرون قطیرۃ کحبۃ الجاورس مثلا ولتنجیس ماء منبسط فی الف الف ذراع الفان وخمسمائۃ۔

اھ منہ غفر لہ۔ (م)

دس ہزار گز کو نجس کرنے کے لیے نجاست کے پچیس قطرے باجرہ کے دانہ برابر کافی ہیں اور ایک لاکھ گز میں پھیلنے والے پانی کو نجس کرنے کے لیے دو ہزار پانچ سو قطرے کافی ہیں اھ منہ غفر لہ (ت)

ذراع بل الف الف، فالحق ان المدار هو المقدار، والماء بعده کماء جار، واﷲ تعالٰی اعلم۔

کے فاصلہ سے اطراف میں واقع ہو اور پھر ہر بیچ کے درمیان میں ایک نجس قطرہ ہو تو کل نجس ہو جائیگا خواہ وصف میں تغیر نہ ہوا ہو دس ہزار گز ہونے کے باوجود بلکہ لاکھ گز گز ہونے کے باوجود حق یہ ہے کہ دارومدار مقدار پر ہے اور پانی اس کے بعد ماءِ جاری کی طرح ہے واﷲ تعالٰی اعلم۔

اقول ویظھر للعبد الضعیف انہ کان ینبغی ان یجعل ھذا ھو المقصود بظاھر الروایۃ ان الکثیر ما لایخلص بعضہ الی بعض واعتبروہ بالارتفاع والانخفاض بتحریک الوضوء من ساعتہ او الغسل او الاغتراف او التکدر او سرایۃ الصبغ والاول ھو الصحیح ویقرران المقصود بہ لیس الا تحصیل جامع بینہ وبین الجاری قال الامام ملک العلماء فی البدائع عن ابی حنیفۃ رضی اﷲ تعالٰی عنہ فی جاھل بال فی الماء الجاری ورجل اسفل منہ یتوضؤ بہ قال لاباس بہ وھذا لان الماء الجاری مما لایخلص بعضہ الی بعض فالماء الذی یتوضؤ بہ یحتمل انہ نجس یحتمل انہ طاھر والماء طاھر فی الاصل فلا نحکم بنجاستہ بالشک[1] اھ۔

میں کہتا ہوں اس عبدِ ضعیف پر یہ ظاہر ہوا کہ مناسب یہ تھا کہ اسی کو ظاہر الروایۃ کا مقصود بنایا جاتا یعنی کثیر وہ ہے کہ بعض بعض میں شامل نہ ہو اور اس میں انہوں نے پانی کے زیروبم کا لحاظ کیا ہے، وضو، غسل، چُلّو سے پانی لینے، گدلا ہونے یا رنگ کے سرایت کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے، اور اول ہی صحیح ہے، اور یہ مقرر ہے کہ مقصود اس پانی اور جاری پانی میں کوئی جہت جامعہ تلاش کرنا ہے، ملک العلماء نے بدائع میں ابوحنیفہ سے نقل کی ہے کہ اگر کوئی جاہل جاری پانی میں پیشاب کرے اور اس کے نچلے حصے میں کوئی شخص وضو کر رہا ہو تو فرمایا کچھ مضائقہ نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جاری پانی کے اجزا ایک دوسرے میں شامل نہیں ہوتے ہیں، تو جس پانی سے وہ وضو کر رہا ہے اس کے بارے میں احتمال ہے کہ پاک ہو اور احتمال ہے کہ ناپاک ہو، اور پانی اصل کے اعتبار سے پاک ہے تو شک کی بنا پر اس پر ناپاکی کا حکم نہیں کیا جائے گا اھ

اقول معناہ ان البول یستھلک فی الماء فیصیر کجزء منہ لکن لایطھر نجاستہ عینا فھذا ماء بعضہ نجس غیر ان الماء الجاری لایتاثر بقیتہ بھذا البعض وھذا معنی قولہ لایخلص

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ پیشاب پانی میں گُم ہو جاتا ہے اور اس کے ایک جزء کی طرح ہو جاتا ہے لیکن وہ پاک نہیں کرتا ہے کہ اس کی ذات نجس ہے تو یہ ایسا پانی ہے جس کا بعض نجس ہے مگر جاری پانی

[1] بدائع الصنائع   المقدار الذی یصیر المحل نجسا   سعید کمپنی کراچی   ۱/۷۳

بعضه الى بعض فانه فمر[ف١] صار دعليه العلامة قاسم فى الرسالة بقوله هذا مما لا يكاد يفهم و من نظر تدافع امواج الانهار جزم بخلاف مقتضى هذه العبارات اھ[له] وكانه ظن ان المراد لا يصل بعضه الى بعض[ف٢] ولو اريد هذا لم يكن فى تدافع الامواج ما يدفعه فان التموج حين يوصل الماء الاول مكان الثانى ينقل الثانى الى مكان الثالث فلا يثبت وصول الاول الى الثانى بل الى مكانه الاول و بالجملة المقصود حصول هذا المعنى الملحق اياه بالجارى فاذا حصل لحق وصار لا يقبل النجاسة اصلا لا انه يتنجس من موضع النجاسة الى حيث يخلص بعضه الى بعض و يبقى الباقى على طهارته حتى يجب ان يترك من موضع النجاسة قدر حوض صغير كما هى رواية الاملاء وذلك[ف٣] لان الماء يتنجس بالمتنجس تنجسه بالنجس فان صار قدر ما يخلص اليه نجسا كيف يبقى ما بعده طاهرا مع اتصاله به و والله تعالٰى اعلم هذا وذكر المسألة فى البدائع فجعل الجواز احكم وعدمه احوط حيث قال اذا كان الماء الراكد له طول بلا عرض كالانهار التى فيها مياه راكدة لم يذكر فى ظاهر الرواية وعن ابى نصر محمد بن محمد بن سلام

کے بقیہ اجزا اس سے متاثر نہیں ہوتے ہیں، اور یہی مفہوم اس عبارت کا ہے کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض کی طرف نہیں پہنچتا ہے، تو وہ اعتراض جو علامہ قاسم نے اپنے رسالہ میں کیا وہ ختم ہوا، اعتراض یہ ہے "یہ ایک ناقابلِ فہم چیز ہے اور جو شخص بھی نہروں کی ٹکراتی ہوئی موجوں کا مشاہدہ کرے گا اس کو معلوم ہوجائیگا کہ ان عبارات میں جو لکھا ہے وہ غلط ہے" اور غالباً انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ پانی کا بعض حصہ دوسرے بعض تک نہیں پہنچتا ہے، اگر بات یہی ہوتی تو موجوں کے ٹکراؤ سے اس کی تردید نہ ہوتی، کیونکہ موج جب پہلے کو دوسرے کی جگہ لے جائے گی تو دوسرے کو تیسرے کی جگہ لے جائے گی تو پہلا پانی دوسرے پانی کی جگہ تک نہیں پہنچے گا بلکہ اس کی پہلی جگہ تک پہنچے گا، خلاصہ یہ کہ اس میں اس وصف کا حاصل ہونا ہے جو اس کو جاری پانی سے ملاتا ہے، اگر یہ وصف پایا جائیگا تو وہ جاری پانی کے حکم میں ہوگا اور نجاست کو بالکل قبول نہ کرے گا، یہ نہیں کہ نجاست کی جگہ سے وہ ناپاک ہوجائے گا، اور جہاں تک اس کے اجزاء جائیں گے اور باقی اپنی اصلی طہارت پر باقی رہے گا یہاں تک کہ نجاست کی جگہ سے چھوٹے حوض کی مقدار میں جگہ چھوڑ دی جائے جیسا کہ یہ املاء کی روایت ہے کیونکہ پانی ناپاک چیز سے ایسا ہی ناپاک ہوجاتا ہے جیسا کہ خود نجس چیز سے، تو اگر اتنی مقدار جو اس کی طرف

---

[۱] رسالہ لعلامہ قاسم

ان کان طول الماء ممالا یخلص بعضہ الی بعض یجوز التوضؤ بہ وعن ابی سلیمٰن الجوزجانی لاوعلی قولہ لووقعت فیہ نجاسۃ ان کان فی احد الطرفین یتنجس مقدار عشرۃ اذرع وان کان فی وسطہ یتنجس من کل جانب مقدار عشرۃ اذرع فما ذھب الیہ ابونصر اقرب الی الحکم لان اعتبار العرض یوجب التنجیس واعتبار الطول لایوجب فلایتنجس بالشك وما قالہ ابوسلیمٰن اقرب الی الاحتیاط لان اعتبار الطول ان کان لایوجب التنجیس فاعتبار العرض یوجب فیحکم بالنجاسۃ احتیاطا[1] اھ۔

آرہی ہے نجس ہوجائے تو اس کے بعد جو بچا ہے وہ طاہر کیسے رہے گا حالانکہ وہ بھی اس کے ساتھ متصل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ بدائع میں مسئلہ کا ذکر کیا اور جواز کو مضبوط اور عدم جواز کو احوط قرار دیا، فرمایا جب پانی ٹھہرا ہوا ہو اس میں طول ہو مگر عرض نہ ہو جیسا کہ نہروں میں ٹھہرا ہُوا پانی۔ ظاہر روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے، اور ابو نصر محمد بن محمد بن سلام سے مروی ہے کہ اگر پانی کی لمبائی ایسی ہے کہ پانی کا بعض دوسرے بعض تک نہ پہنچتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے، ابوسلیمان الجوزجانی سے ہے کہ نہیں، اور ان کے قول پر اگر اس میں نجاست پڑجائے تو اگر وہ کسی ایک کنارے پر ہو تو دس ہاتھ کی تعداد پر ناپاک ہوجائے گا، اور اگر درمیان میں ہو تو ہر جانب سے دس ہاتھ ناپاک ہوجائے گا تو ابونصر کا قول اقرب الی الحکم ہے کیونکہ چوڑائی کا اعتبار ناپاک کرتا ہے اور لمبائی کا اعتبار نجاست لازم نہیں کرتا، تو شک سے ناپاک نہ ہوگا، اور جو ابوسلیمان نے کہا وہ اقرب الی الاحتیاط ہے کیونکہ لمبائی کا اعتبار اگر نجس کرنے کو واجب نہیں کرتا تو چوڑائی کا اعتبار واجب کرتا ہے تو نجاست کا حکم احتیاطًا لگایا جائے گا اھ

اقول فی کلا التعلیلین نظر بل الطول یوجب الطھارۃ والعرض لایوجب تنجیسہ لان المدار اذا کان علی الخلوص وعدمہ فعدمہ من جھۃ الطول ظاھر ووجودہ من جھۃ العرض زائل لان بقلۃ العرض یحصل الخلوص فی العرض وکیف یسری منہ الی الطول مع وجود الفصل المانع للخلوص۔

میں کہتا ہوں دونوں تعلیلوں پر اعتراض ہے بلکہ لمبائی طہارت کو واجب کرتی ہے اور چوڑائی اس کی ناپاکی کو واجب نہیں کرتی کیونکہ دارومدار خلوص کے ہونے نہ ہونے پر ہے تو اس کا عدم لمبائی کے اعتبار سے ظاہر ہے اور اس کا وجود چوڑائی کے اعتبار سے زائل ہے، کیونکہ چوڑائی کی قلت سے خلوص حاصل ہوگا چوڑائی میں تو اس سے لمبائی کی طرف کیسے چلے گا حالانکہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل اما بیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۳/۱

ان شئت فشاهده بما جعلوه معیار الخلوص وعدمه فانك اذا توضأت فیه یتحرك فی عرضه لا جمیع طوله وکذا الصبغ والتکدیر واجاب فی البحر بان هذا وان کان الاوجه الا انهم وسعوا الامر علی الناس وقالوا بالضم ای ضم الطول الی العرض کما اشار الیه فی التجنیس بقوله تیسیرا علی المسلمین[1] اھ واقرہ ش۔

فصل خلوص کو مانع ہے، اور اگر تو چاہے تو اس کا مشاہدہ اس چیز سے کر جس کو انہوں نے خلوص و عدمِ خلوص کا معیار قرار دیا ہے کیونکہ جب اس میں وضو کریں گے تو اس کے عرض میں اس کی حرکت ہوگی نہ کہ اس کے طول میں۔ اسی طرح رنگ اور گدلا پن۔ اور بحر میں جواب دیا کہ یہ اگرچہ اوجہ ہے مگر فقہاء نے لوگوں پر معاملہ کو آسان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ طول کو عرض سے ملا یا جائے، چنانچہ تجنیس میں فرمایا تیسیرا علی المسلمین اھ (مسلمانوں کو سہولت دینے کے لیے) اور اس کو برقرار رکھا ش نے۔

اقول لیس باوجه فضلا عن ان یکون الاوجه وانما الاوجه الجواز کما علمت وب اللّٰه التوفیق ھذا ثم ذکر فی نهر الروض فرع الخانیة حوض کبیر فیه مشرعة ان کان الماء متصلا بالالواح بمنزلة التابوت لایجوز فیه الوضوء واتصال ماء المشرعة بالماء الخارج منها لاینفع کحوض کبیر انشعب منه حوض صغیر فتوضأ فی الصغیر لایجوز وان کان ماء الصغیر متصلا بماء الکبیر وکذا لایعتبر اتصال ماء المشرعة بما تحتها من الماء ان کانت الالواح مشدودة[2]۔

میں کہتا ہوں یہ اوجہ نہیں، چہ جائیکہ الاوجہ ہو، اوجہ تو جواز ہی ہے جیسا کہ آپ نے جانا وباللہ التوفیق پھر نہر الروض میں فرمایا، خانیہ کی فرع، ایک بڑا حوض ہے جس میں ایک نالی ہے، اب اگر اس کے تختے تابوت کی طرح ملے ہوئے ہیں تو اس میں وضو جائز نہیں اور نالی کے پانی کا متصل ہونا نفع بخش نہیں ہے، جیسے بڑے حوض میں سے چھوٹا حوض نکال لیا جائے اور کوئی شخص اس چھوٹے حوض سے وضو کرے تو جائز نہیں اگرچہ چھوٹے کا پانی بڑے کے پانی سے متصل ہو اسی طرح نالی کے پانی کا نیچے کے پانی سے متصل ہونا معتبر نہیں اگر تختے بندھے ہوں اھ

اقول انما مبناه فیما یظهر ما تقدم فی فرعها الثالث من اشتراط العرض والا فلا شك

میں کہتا ہوں اس کا دارومدار بظاہر اسی چیز پر ہے جو تیسری فرع میں گزرا یعنی چوڑائی کی شرط ورنہ

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] فتاوی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۳

فی حصول المساحۃ المطلوبۃ عند اتصال الماء وقد علمت ان اشتراطہ خلاف الصحیح الرجیح الوجیہ **وفرع** الخانیۃ[1] حوض صغیر یدخل الماء من جانب ویخرج من جانب اٰخر قالوا ان کان اربعا فی اربع فمادونہ یجوز فیہ التوضی وان کان اکثر لا الا فی موضع دخول الماء وخروجہ لان فی الوجہ الاول مایقع فیہ من الماء المستعمل لایستقر فیہ بل یخرج کما دخل فکان جاریا وفی الوجہ الثانی یستقر فیہ الماء ولا یخرج الا بعد زمان والاصح ان ھذا التقدیر لیس بلازم وانما الاعتماد علی ماذکر من المعنی فینظر فیہ ان کان ماوقع فیہ من الماء المستعمل یخرج من ساعتہ ولا یستقر فیہ یجوز فیہ التوضی والافلا وذلک یختلف بکثرۃ الماء الذی یدخل فیہ وقوتہ وضد ذلک اھ۔

مطلوبہ پیمائش کے پانی کے اتصال کے وقت حاصل ہوجانے میں کوئی شک نہیں، اور آپ جان چکے ہیں کہ اس کی شرط صحیح رجیح وجیہ کے خلاف ہے۔ خانیہ کی فرع، ایک چھوٹا حوض ہے جس میں ایک طرف سے پانی داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے نکلتا ہے تو فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر چہار در چہار ہے یا اس سے کم ہے تو اس میں وضو جائز ہے اور اگر زیادہ ہے تو نہ ہوگا صرف پانی کے داخل ہونے کی جگہ سے یا خارج ہونے کی جگہ سے ہوجائے گا کیونکہ پہلی صورت میں جو مستعمل پانی اس میں داخل ہوگا وہ اس میں نہیں ٹھہریگا بلکہ داخل ہوتے ہی نکل جائیگا تو جاری ہوگا اور دوسری صورت میں پانی اس میں ٹھہریگا اور کافی دیر بعد نکلے گا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اندازہ لازم نہیں ہے، اور اعتماد صرف اسی وصف پر ہے جو ذکر کیا گیا ہے، تو اس میں غور کیا جائے کہ اگر مستعمل پانی داخل ہوتے ہی نکل جاتا ہے اور اس میں ٹھہرتا نہیں تو اس میں وضوء جائز ہے ورنہ نہیں اسکا دارومدار اس پانی کی قوت وضعف پر ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے اور نکلتا ہے اھ

اقول ھو خلاف ما علیہ الفتوی قال فی الدر[2] والحقوا بالجاری حوض الحمام لو الماء نازلا والغرف متدارک کحوض صغیر یدخلہ الماء من جانب ویخرج من اٰخر یجوز التوضی من کل الجوانب مطلقا بہ یفتی[3] ای سواء کان اربعا فی اربع او اکثر اھ ش۔

میں کہتا ہوں یہ مفتی بہ قول کے خلاف ہے، دُر میں فرمایا فقہاء نے حوض حمام کو جاری پانی کا حکم دیا ہے خواہ پانی اتر رہا ہو اور مسلسل چلّو بھر کر پانی لیا جائے جیسے چھوٹا حوض کہ جس میں ایک طرف سے پانی داخل ہوکر دوسری طرف سے نکل جاتا ہو تو ایسے حوض کے ہر طرف سے وضو جائز ہے، اسی پر فتوٰی ہے، یعنی وہ چار چار کا ہو یا زیادہ

---

[1] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی المیاہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[3] ردالمحتار ″ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۰

وعلیه الفتوی من غیر تفصیل ھندیة عن صدر الشریعة والمجتبی والدرایة وفرع الخانیة بعد ما مر وکذا قالوا فی عین ماء ھی سبع فی سبع ینبع الماء من اسفلها ویخرج من منفذها لایجوز فیه التوضی الا فی موضع خروج الماء منها اھ[1]

اقول ھو ایضا خلاف الفتوی قال فی الدر بعد ما تقدم وکعین ھی خمس فی خمس ینبع الماء منه به یفتی اھ[2] قال الشیخ اعنی ابن الشحنة وصرح الامام الحصیری فی خیر مطلوب بان الحاصل ان الشرط عدم استعمال الماء الذی استعمله ووقع منه اھ[3] قال وھذا محقق استعماله فی الحوض الذی سألت عنه وھذه الفروع صریحة فی عین مسألتك اھ۔[4]

اقول اولا کل ھذه الفروع ماعدا الاولین خلاف الصحیح والمفتی به کما علمت و کذا الاولان علی محمل یفیده کما سیأتی فلا یصح الاحتجاج بها وثانیا ھذه سبعة فروع وان عددت فرع البزازیة والتجنیس والخانیة الاولی کلا بحیاله فتسعة ولیس فی شیئ منها ما یفید دعوی التسویة بین الملقی والملاقی فی سلب الطهوریة حتی الفرع السادس فرع حوض

ہو اھ ش، اور اسی پر فتوٰی ہے بلاتفصیل ہندیہ، صدر الشریعۃ، مجتبی اور درایہ سے۔ خانیہ کی فرع: اسی طرح فقہاء نے اس چشمے کی بابت فرمایا ہے جو سات سات کا ہو، اس کے نیچے پانی کا سوتا ہو اور پانی اس کی نالی سے نکلتا ہو، اس حوض سے صرف اسی جگہ سے وضو جائز ہے جہاں سے پانی نکل رہا ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ بھی خلافِ فتوٰی ہے، در میں فرمایا اور جیسے وہ چشمہ جو پانچ پانچ کا ہو، جس میں پانی پھوٹ رہا ہو، یہ مفتی بہ ہے اھ شیخ ابن الشحنہ نے فرمایا اور امام حصیری نے خیر مطلوب میں صراحت کی کہ اصل چیز یہ ہے کہ مستعمل پانی کو دوبارہ مستعمل نہیں ہونا چاہیے اھ اور جو تم نے سوال کیا ہے اس میں ایسا ہونا متحقق ہے، اور یہ فروع تمہارے سوال کے سلسلہ میں صریح ہیں اھ

میں کہتا ہوں اولاً یہ تمام فروع سوائے پہلی دو کے صحیح اور مفتی بہ کے خلاف ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، اور پہلی دو بھی ایسے محمل پر جو اس کا فائدہ دے، جیسا کہ آگے آئے گا تو ان سے استدلال صحیح نہیں، اور ثانیاً یہ سات فروع ہیں اور اگر آپ بزازیہ، تجنیس اور خانیہ کی پہلی عبارت کو مستقل شمار کریں تو کل نو ہوتی ہیں مگر ان میں کہیں یہ دعوٰی نہیں کہ ملقی اور ملاقی میں سلب طہوریت میں مساوات ہے، یہاں تک کہ

---

[1] قاضی خان فصل فی المیاہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳
[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶
[3] و [4] رسالہ ابن شحنہ

صغير يدخل فيه الماء ويخرج وذلك لان
كلها يحتمل الوضوء فيه بالمعنى الثانی اعنی بغمس
الاعضاء وقد علمت انه الاقرب الی الظرفية وقد
قال فی الخانية حوض كبير وقعت فيه النجاسة
ان كانت النجاسة مرئية لايجوز الوضوء ولا
الاغتسال فی ذلك الموضع بل يتنحی الی ناحية
اخری بينه وبين النجاسة اكثر من الحوض
الصغير وان كانت غير مرئية قال مشايخنا و
مشايخ بلخ جاز الوضوء فی موضع النجاسة[1] اھ
فليس يخفی ان المراد[علٰه] المعنى الثانی اذ لامعنى
لعدم جواز الوضوء خارج الحوض بحيث تقع
الغسالة فی موضع النجاسة ولا وجه علی هذا
للفرق بين المرئية وغيرها وهذا كما ترى
يشمل الفرع السادس فانه اذا لم يستقر ما يقع
فيه من الماء بل يخرج من ساعته كان
جاريا كما ذكروا الجاری لايتأثر بالغمس واذا كان
يستقر ولا يخرج الا بعد زمان كان راكدا
وهو صغير فيضره الغمس فليس فی الفروع
شیئا مما يفيد دعواه نعم هی صريحة فی دعوانا
ان الملاقاة كله يصير مستعملا اما ما اراد
الشيخ فانما لمح اليه تعليل الفرع السادس

چھٹی فرع جو چھوٹے حوض سے متعلق ہے جس میں ایک
طرف سے پانی داخل ہوکر دوسری طرف سے نکل جاتا ہو
کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اس امر کا احتمال ہے
کہ اس میں وضو کرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے ہو،
یعنی اعضاء کو ڈبوکر، اور تم جان چکے ہو کہ یہی معنی ظرفیت
کے زیادہ قریب ہیں۔ اور خانیہ میں فرمایا کہ ایک بڑا
حوض ہے جس میں نجاست گرگئی اب اگر نجاست
مرئیہ ہے تو اس سے نہ وضو جائز ہے نہ غسل، اُس
جگہ سے جہاں نجاست گری ہے بلکہ وہ نجاست گرنے
کی جگہ سے ایک چھوٹے حوض کے فاصلہ کی مقدار میں
دُور ہوجائے، اور اگر وہ نجاست غیر مرئیہ ہے تو ہمارے
مشایخ اور بلخ کے مشایخ نے فرمایا جہاں نجاست گری ہے
وہاں سے بھی وضو کرنا جائز ہے اھ تو ظاہر ہے کہ یہاں
دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آدمی
حوض کے باہر اس طرح وضو کرے کہ اس کا دھوون حوض
میں خاص اس جگہ کرے جہاں نجاست گری
تھی، اور پھر اس صورت میں مرئیہ اور غیر مرئیہ کے درمیان
فرق کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں
چھٹی فرع کو شامل ہے، کیونکہ جب اس میں جانے والا
پانی ٹھہرا نہیں، تو یہ جاری پانی کے حکم میں ہو گیا اور
جاری پانی اعضاء کے ڈبونے سے متاثر نہیں ہوتا ہے،

علٰه وحمل الوضوء والاغتسال علی الاغتراف وفی علی من بعيد ياباه الذوق السليم اھ منه (م)

اور وضو اور غسل کو چلّو سے لینے پر محمول کرنا اور "فی" کو "من" کے معنی میں کرنا بعید ہے، ذوقِ سلیم اس سے انکار کرتا ہے اھ (ت)

---

[1] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۳

المذکور فی الخانیۃ لزیادتہ لفظ المستعمل ولو لم یزدہ لرجع الی ما ذکرنا انہ اذا لم یستقر الماء فیہ کان جاریا وکذا تعلیل الحصیری وقد علمتم ما افادہ شیخکم المحقق علی الاطلاق فی فرع الخانیۃ انہ بناء علی کون المستعمل نجسا وکذا کثیر من اشباہ ھذا اما علی المختار من روایۃ انہ طاھر غیر طھور فلا فلتحفظ لیفرع علیھا ولا یفتی بمثل ھذہ الفروع اھ[1] فاذا کان ھذا فی الفروع فما بالک بالتعلیلات۔

اور اگر وہ ٹھہر کر تھوڑی دیر میں خارج ہوتا ہے تو وہ ٹھہرا ہوا ہے، تو حوض کے چھوٹا ہونے کی صورت میں اس کو مضر ہوگا، تو فروع میں سے کوئی بھی ان کے دعوٰی کے حق میں مفید نہیں ہے بانّ فروع ہمارے دعوٰی میں صریح ہیں کہ کل ملاقی مستعمل ہوجائے گا اور جو شیخ کی مراد ہے اس کی طرف خانیہ کی چھٹی فرع کی تعلیل میں اشارہ ہے کیونکہ انہوں نے مستعمل کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور اگر وہ یہ لفظ نہ بڑھاتے تو اس کا مفہوم بھی وہی نکلتا کہ جب پانی اس میں ٹھہرا نہیں تو جاری ہے اور یہی حال حصیری کی تعلیل کا ہے، اور آپ جان چکے ہیں، خانیہ کی فرع میں جو تمہارے شیخ محقق علی الاطلاق نے فرمایا ہے وہ مستعمل پانی کے نجس ہونے پر مبنی ہے اور اسی طرح اس کے بہت سے نظائر کا حال ہے اور اگر مختار روایت لی جائے جس میں اس پانی کو طاہر غیر طہور قرار دیا گیا ہے تو ایسا نہ ہوگا، اس کو یاد رکھا جائے اور اسی پر تفریعات کی جائیں اور ان جیسی فروع پر فتوٰی نہ دیا جائے اھ جب فرع کا یہ حال ہے تو تعلیلات کا کیا حال ہوگا!

وانا **اقول** احالۃ الخانیۃ علی استقرار المستعمل یحتمل البناء علی احد ضعیفین نجاسۃ المستعمل او خروج الماء عن الطھوریۃ بوقوع المستعمل وان قل وھو المتعین فی کلام الحصیری وکلاھما خلاف الصحیح المعتمد بتصریح اجلۃ الاکابر حتی الشیخ نفسہ فی ھذہ الرسالۃ نفسھا کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی فھھنا افسد الشیخ علینا ما اردنا حمل کلامہ علیہ من ان المراد الوضوء بالغمس اما الفروع

میں کہتا ہوں خانیہ کا مستعمل پانی کے استقرار پر محوّل کرنا دو میں سے کسی ایک ضعیف چیز پر مبنی ہے یا تو مستعمل پانی کی نجاست یا پانی کا طہوریت سے خارج ہونا مستعمل پانی کے مل جانے کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی کم ہو، اور حصیری کے کلام میں بھی یہی متعین ہے، اور اکابر کی تصحیح کے مطابق یہ دونوں صحیح معتمد کے خلاف ہیں، یہاں تک کہ شیخ نے خود بھی اسی رسالہ میں اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی، اس طرح ہم نے شیخ کے کلام کا جو حل تلاش کیا تھا

[1] فتح القدیر قبیل بحث الغدیر العظیم سکھر ۱/ ۷۰

فليس الاولى بناء ان نعمد الى كلمات الائمة فنحملها على محل ضعيف غير مقبول مع صحة الصحيح وبالله التوفيق۔

ثم عقد رحمه الله تعالى فصلا فی تعریف الماء المستعمل وما يصير به مستعملا وما لا وذكر فيه ما قدمنا عن القدوری عن الجرجانی وعن مبسوط شمس الائمة السرخسی من ان سقوط حكم الاستعمال عند محمد فی من دخل البئر للدلو لاجل الضرورة وكذا ادخال الجنب يده فی الاناء (ای للاغتراف عند عدم ما يغترف به كما قدمنا) وطالب الدلو رجله فی البئر ولو ادخل رجله فی الاناء او رأسه صار مستعملا لعدم الحاجة قال فيا ليت شعری ما جواب المتمسك بهذه المسألة (ای مسألة من دخل البئر للدلو لم يستعمل عند محمد) عن كلام هؤلاء الائمة الاساطين ثم ذكر ما قدمنا عن الفوائد الظهيرية عن شيخ الاسلام خواهر زاده عن محمد قال وهذا نقل صريح عن الامام الثالث نقله مثل خواهر زاده ثم ذكر كلام الكافی المقدم وانه حكى كلام القدوری ولم يتعقبه قال فظهر لك بهذا ان ادخال اليد فی الحوض الصغير بقصد التوضی فيه سالب عن الماء وصف الطهورية لارتفاع الحدث والتقرب بادخال اليد ونزعها باتفاق علمائنا الاربعة

وُہ بھی درست نہ ہوسکا، یعنی یہ کہ وضو سے مراد اعضاء کا ڈبونا ہے، اور جہاں تک فروع کا تعلق ہے تو ہم ایسا نہیں کرسکتے کہ ائمہ کے کلمات کو ضعیف محل پر محمول کریں حالانکہ صحیح بھی موجود ہو، وباللہ التوفیق۔

پھر انھوں نے مستعمل پانی کی تعریف میں ایک فصل قائم کی، اس میں یہ بتایا کہ کب پانی مستعمل ہوتا ہے اور کب نہیں، اور انہوں نے اس سلسلہ میں قدوری، جرجانی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط سے عبارات نقل کیں، اور بتایا کہ محمد کے نزدیک جو شخص کنویں سے ڈول نکالنے کے لیے داخل ہو اس سے پانی کا مستعمل نہ ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے، اور اسی طرح جُنب شخص کا چھوٹا برتن نہ ہونے کی صورت میں ٹب میں ہاتھ کو داخل کرنے کا معاملہ ہے، اسی طرح کوئی شخص ڈول نکالنے کے لیے کنویں میں اپنا پیر ڈالے تو اس کا حکم وہی ہے، اگر یہ شخص اپنا پیر برتن میں ڈال دے یا سر ڈال دے تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ حاجت منعدم ہے، فرمایا معلوم نہیں جو اس مسئلہ سے استدلال کرتے ہیں ان کا جواب کیا ہوگا (یعنی یہ مسئلہ کہ محمد کے نزدیک کنویں سے ڈول نکالنے سے پانی مستعمل نہ ہوگا) ان ائمہ کے کلام کا! پھر انہوں نے وُہ ذکر کیا جو ہم فوائد ظہیریہ سے شیخ الاسلام خواہر زادہ سے محمد سے روایت کو نقل کیا، فرمایا یہ صریح نقل ہے تیسرے امام سے اس کو خواہر زادہ جیسے شخص نے نقل کیا، پھر کافی کا گزشتہ کلام نقل کیا اور قدوری کا کلام نقل کیا مگر اس کا تعاقب نہ کیا، فرمایا اس سے ظاہر ہوا کہ

(یرید الائمۃ الثلثۃ وزفر) رضی اللہ عنھم واذا تجرد عن القصد المذکور فھو غیر مؤثر فی قول مردود ثبوتہ عن محمد ردہ ھؤلاء الاساطین الذین لایلتفت الی قول غیرھم فی المذھب ثم ایدرد ثبوتہ عن محمد علیہ بقول الامام قاضی خان فی شرح الجامع الصغیر لانص فیہ عن اصحابنا قال وذکر المتاخرون فیہا خلافا ثم حکی ان من علمائنا من قال ان الماء یصیر مستعملا عند محمد برفع الحدث ایضا لانتقال الاثام الی الماء وانما لم یصر ماء البئر مستعملا فی مسألۃ الجنب عند محمد لمکان الضرورۃ ثم قال ولعمری انی لاعجب ممن یقول فی مسألتنا ھذہ ان مستندہ فی افتائہ یجوز التوضی فی ھذا الحوض مسألۃ البئر والحال انہ لاجامع بینہما لان تلک فی من تجرد عن النیۃ وھذہ فیمن یتوضأ ما ھذا الاعجیب واللہ الموفق ثم اورد کلام شیخہ فی الفتح الذی ذکرناہ فی النمرۃ الاولی الی قولہ کذا فی الخلاصۃ [1]

وضو کرنے والے کا چھوٹے حوض میں ہاتھ کو داخل کرنا بہ نیت وضو پانی سے طہوریت کے وصف کو سلب کر دے گا کیونکہ ہاتھ کے ڈال کر نکالنے سے ہمارے ائمہ اربعہ (ائمہ ثلثہ وزفر) کے اتفاق سے پانی کا وصف طہوریت ختم ہو جائے گا، حدث کے ختم ہو جانے اور تقرب کے حاصل کرنے کی وجہ سے، اور جب قصد مذکور نہ ہو تو وہ غیر مؤثر ہے ایک قول کے مطابق جس کا ثبوت محمد سے نہیں ہے اس کو ائمہ مذہب نے رد کیا ہے جن کا قول فیصل ہے پھر اس کو محمد کا قول نہ ہونے پر شرح جامع صغیر میں قاضی خان کے قول سے مؤید کیا ہے کہ اس میں ہمارے اصحاب کی کوئی نص نہیں، فرمایا کہ متاخرین نے اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے، پھر یہ حکایت کی کہ ہمارے علماء میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ محمد کے نزدیک حدث کے مرتفع ہونے سے بھی پانی مستعمل ہو جاتا ہے، کیونکہ پانی کی طرف گناہ منتقل ہوتے ہیں، اور کنویں کے مسئلہ میں جنب کے داخل ہونے سے پانی کا مستعمل نہ ہونا محمد کے نزدیک ضرورت کی وجہ سے ہے، پھر فرمایا مجھے بے انتہا تعجب ہے اس مسئلہ میں کہ انہوں نے اپنے فتوٰی کی سند کنویں کے مسئلہ کو بنایا ہے اور یہ فتوٰی دیا ہے کہ اس حوض میں وضو جائز ہے حالانکہ دونوں

علہ وقع فی صدر الرسالۃ عند ذکر الکتب عد العنایۃ سھوا مرتین فلیکن ھذا متم الاربعین بل الذی یاتی عن خزانۃ المفتین اھ منہ غفرلہ

شروع رسالہ میں جہاں کتابوں کا ذکر ہے عنایہ کا شمار سہواً دو دفعہ کیا ہے۔ پس چاہئے یہ چالیس کا متمم ہو بلکہ وہ جو خزانۃ المفتین سے آرہا ہے اھ (ت)

---

[1] شرح جامع الصغیر لقاضی خان اور رسالہ ابن شحنہ

کے درمیان کوئی علت جامع موجود نہیں کیونکہ وہ مستلزم نیت کے نہ ہونے کا ہے اور یہ وہ ہے جس میں نیت وضو پائی جاتی ہے یہ بڑی عجیب بات ہے واللہ الموفق۔ پھر انہوں نے اپنے شیخ کا کلام ذکر کیا جو ہم نے نمرہ اولٰی میں ذکر کیا کذا فی الخلاصۃ تک۔

اقول کلہ کلام طیب وعنہ اخذت عبارۃ الفوائد الظہیریۃ غیران ماقال فی لعمری انی لا عجب فلعمری انی لاعجب اذقد حقق الشیخ ان الصحیح عن محمد ایضا عدم الفرق بین النیۃ وعدمہا فما منشؤ ھذا الفارق وانما کان علیہ ان یقول تلک للضرورۃ وھذہ بدونہا ثم عقد تذنیبا یسرد فروع ما یصیر بہ الماء مستعملا و مالا وقدم علیہا تنبیہا فی ان الفتوی فی سبب الاستعمال علی قولہما انہ رفع حدث او التقرب لا علی قول محمد انہ التقرب فقط ونقل تصحیح قولہما عن الخلاصۃ و والخانیۃ وخزانۃ المفتین والاختیار و البزازیۃ۔

میں کہتا ہوں سارا کلام اچھا ہے اور اسی سے فوائد ظہیریہ کی عبارت لی گئی ہے سوائے اس قول کے کہ "مجھے بے انتہا تعجب ہے" تو مجھے ان پر بے انتہا تعجب ہے کیونکہ جب شیخ نے یہ تحقیق کی ہے کہ محمد سے صحیح یہ ہے کہ نیت اور عدم نیت میں کوئی فرق نہیں، تو یہ فارق کہاں سے آگیا، دراصل ان کو کہنا یہ چاہیے تھا کہ وہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور یہ بلا ضرورت ہے، پھر ایک تذنیب قائم کی اس میں ان فروع کا ذکر کیا ہے جن میں پانی مستعمل ہوتا ہے اور نہیں ہوتا ہے اس سے پہلے ایک تنبیہ ذکر کی اس میں یہ بتایا ہے کہ سبب استعمال میں فتوٰی شیخین کے قول پر ہے اور وہ سبب یا تو رفع حدث ہے یا تقرب ہے، محمد کے قول پر نہیں ہے کہ سبب صرف تقرب ہے اور انہوں نے اُن دونوں کے قول کی تصحیح نقل کی خلاصہ، خانیہ، خزانۃ المفتین، اختیار اور بزازیہ سے۔

اقول اراد التنبیہ علیہ علی تسلیم خلاف محمد والا فلا حاجۃ الیہ بعد ما قد ثبت ان الاول قولہم جمیعا وان الثانی لم یثبت عن الثالث ھذا وفیہ مما یفید نا فی المسألۃ فرع الخلاصۃ وخزانۃ المفتین ادخل یدہ فی الاناء اور رجلہ للتبرد یصیر مستعملا لانعدام الضرورۃ اھ[1] وقد منا

میں کہتا ہوں تنبیہ سے ان کا مقصود محمد کے خلاف کو تسلیم کرنا ہے، ورنہ اس بات کے ثابت ہوجانے کے بعد کہ پہلا سب ہی کا قول ہے اس کی حاجت نہیں ہے اور دوسرا تیسرے سے ثابت نہیں، اس کو سمجھئے کہ یہیں مسئلہ میں فائدہ دے گا، خلاصہ اور خزانہ کی فرع، کسی نے اپنا ہاتھ یا پیر برتن میں ٹھنڈا کرنے کو ڈالا تو مستعمل ہوجائیگا کہ ضرورت

[1] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۶

عن الخلاصة والخانیة والبزازیة والغنیة
وفرع الخانیة قال محمد رحمه الله تعالٰی
اذا کان علی ذراعیه جبائر فغمسها فی الماء
او غمس رأسه فی الاناء لایجوز ویصیر
الماء مستعملا[1] اھ قال وانما قدمت هذا
التنبیه تنبیها لمن یظن ان الفتوی علی قول
محمد رحمه الله تعالٰی فی ذلك لاطلاق اصحاب
الکتب ان الفتوی علی قوله فی الماء المستعمل
وانما مرادهم ان الفتوی علی قوله فی کونه
طاهرا لافیما یصیر به مستعملا علی انه
سیرد علیك فی الفصل الثانی ان التحقیق ان
هذا (ای طهارته) مذهب ابی حنیفة ایضا
وانما اشتهرت نسبته الی محمد لکونه فی
جملة من رواه عن الامام[2] اھ

اقول ای انه اجل من رواه وقد
اخذ به وهذا اول التصحیحین الموعود
بیانهما ثم اتی علی سرد الفروع وفیها
ممایفیدنا **فرع الخلاصة** ان ادخال
الکف مجردا انما لایصیر مستعملا اذا لم یرد
الغسل فیه بل اراد رفع الماء فان اراد
الغسل ان کان اصبعا او اکثر دون
الکف لایضر ومع الکف بخلافه[3] اھ

نہ کفی اھ، ہم نے یہ خلاصہ، خانیہ، بزازیہ اور غنیہ سے
پیش کردیا ہے۔ خانیہ کی فرع، محمد نے فرمایا کسی کے
ہاتھ پر پٹیاں ہوں، پھر وہ ہاتھ پانی میں ڈبو دے یا
سر ڈبو دے تو جائز نہیں، اور پانی مستعمل ہوجائیگا
اھ اور فرمایا میں نے یہ تنبیہ اس لیے کی ہے تاکہ جو لوگ
سمجھتے ہیں کہ فتوٰی محمد کے قول پر ہے وہ متنبہ ہوجائیں
کیونکہ اصحابِ کتب نے اطلاق فرمایا ہے کہ فتوٰی ان
کے قول پر ہے مستعمل پانی میں۔ حالانکہ ان کی مراد یہ ہے
کہ فتوٰی محمد کے قول پر ہے پانی کے طاہر ہونے میں
نہ کہ مستعمل ہوتے میں۔ علاوہ ازیں آپ دوسری
فصل میں دیکھیں گے کہ تحقیق یہی ہے کہ یہ (یعنی اس کی
طہارت) مذہب ابی حنیفہ بھی ہے، اس کی
نسبت محمد کی طرف محض اس لیے مشہور ہوگئی ہے
کہ وہ بھی اس کے راویوں میں ہیں اھ

میں کہتا ہوں وہ اس کے راویوں میں بزرگ تر
ہیں اور انہوں نے اس کو اختیار کیا ہے، اور یہ پہلی
تصحیح ہے جن دو کا ہم نے وعدہ کیا تھا، پھر فروع کا
بیان کیا۔ خلاصہ کی فرع، ہاتھ کا داخل کرنا محض
پانی لینے کے لیے، بلا ارادہ غسل، پانی کو مستعمل
نہیں کرتا ہے، اور اگر بہ نیتِ غسل ہو تو اگر ایک
ہتھیلی سے کم ہے تو مضر نہیں، اور اگر ایک ہتھیلی ہے
تو مضر ہے اھ۔

---

[1] فتاوٰی خانیۃ المعروف بقاضی خان فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] رسالہ ابن الشحنہ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۶

قلت وقدمنا تحقیق ان الانملة والظفر والکف سواء **وفرع الخلاصة** عن فقه الامراء هذا اذا کان الذی یدخل یده فی الاناء او البئر بالغا فان کان صبیا ان علم ان یده طاهرة بان کان مع الصبی رقیب فی السکة یجوز التوضی بذلک[1] الخ

میں کہتا ہوں ہم پہلے تحقیق پیش کر آئے ہیں کہ پورا ناخن اور ہتھیلی حکم میں برابر ہیں۔ خلاصہ کی فرع فقہ الامراء سے، یہ اُس وقت ہے جبکہ ہاتھ داخل کرنے والا بالغ ہو اور اگر نابالغ ہے تو اگر یہ معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ پاک تھا مثلاً بچہ گلی میں اپنے کسی محافظ کے ہمراہ تھا تو اس سے وضو جائز ہے الخ

اقول وبه فارق البالغ فافاد ان لو ادخل البالغ یده فی اناء او بئر لم یجز الوضوء به وهذا کنص کتاب الحسن لا یبقی لتاویل البحر مساغا **ثم** عقد الفصل الثانی فی حکم الماء المستعمل ومتی یصیر مستعملا وقال بعد ما بین ما هو بین بنفسه ومسلم عند الکل اعنی عدم جواز الوضوء بالماء المستعمل عند ائمتنا جمیعا ما نصه هذا مع عمومه یشهد للفصل الاول قال وکفی بذلک حجة[2] اھ

میں کہتا ہوں اس سے بالغ و نابالغ میں فرق ظاہر ہوگیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بالغ نے برتن یا کنویں میں اپنا ہاتھ ڈالا تو اس سے وضو جائز نہیں اور یہ حسن کی کتاب کے نص کی طرح ہے۔ اس میں بحر کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، پھر دوسری فصل مستعمل پانی کے حکم کے بیان میں قائم کی اور یہ بتایا کہ پانی کب مستعمل ہوگا، اور پھر انہوں نے اسکو واضح کرنے کے بعد جو خود واضح ہے اور تمام کے نزدیک مسلّم ہے یعنی مستعمل پانی سے وضو کا جائز نہ ہونا ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک کہا اس کی نص یہ ہے "یہ اپنے عموم کے ساتھ پہلی فصل کے لیے شہادت دیتی ہے" اور یہ کافی حجت ہے اھ۔ (ت)

اقول هذا نظیر تمسک البحر بالاطلاق فنظر الی اطلاق ان العبرة للغلبة ولم یلاحظ ان الشأن فی قصر الاستعمال علی ما التصق بالجلد فقط والشیخ نظر الی هذا العموم ولم یلاحظ ان الکلام فی تعمیم الاستعمال جمیع الماء القلیل بدخول نحو ظفر من محدث

میں کہتا ہوں یہ بحر کے اطلاق کو دلیل بنانے کی ایک نظیر ہے تو انہوں نے اطلاق کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اعتبار غلبہ کا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ مستعمل ہونا اُسی پانی کے لیے ہے جو جلد سے متصل ہو، اور شیخ نے اس عموم کی طرف دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ گفتگو اس امر میں ہے کہ تھوڑا پانی مکمل طور پر مستعمل ہوجائے گا خواہ

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

[2] رسالہ ابن الشحنۃ

ثم اورد خاتمة فی حکم ملاقاة الماء الطاھر للماء الطھور وبین ان العبرة للغلبة ونقل تصحیحه عن التوشیح والتحفة وعنھما انه المذھب المختار۔

قلت وھذا ھو ثانی التصحیحین الموعود بیانھما فاعترف الشیخ بالحق، وذھب تسویة الملق بالملاقی وزھق، ثم نقل فرع الخانیة ومثله عن شرح القدوری لمختصر الکرخی فی نزح عشرین دلوا اذا القی الوضوء فی البئر قال فھذا اصرح شیئ فی اتفاق الائمة الثلثة علٰی تاثیر الماء المستعمل فی الماء الطھور وان کان اقل منه وذکر عن شرح الجامع الصغیر لقاضی خان انتضاح الغسالة فی الاناء اذا قل لا یفسد الماء وتکلموا فی القلیل عن محمد ماکان مثل رؤس الابر قلیل وعن الکرخی ان کان یستبین مواقع القطر فی الماء فھو کثیر وان کان لایستبین کالطل فقلیل قال وھذا رحمك الله اصرح مما تقدم وقد حکی ھذا فی الفوائد الظھیریة وعلیه مشی القدوری وحکی عن ابی سلیمن انه سئل عن ماء الجنابة اذا وقع وقوعا یستبین وتری عین القطرات ظاھرة قال انه لیس بشیئ[1] وفی فتاوی قاضیخان خلاف ھذا وفی خزانة المفتین جنب اغتسل

بے وضو اپنا ایک ناخن ہی کیوں نہ ڈالے۔ پھر خاتمہ اس امر کے بیان میں ہے کہ طاہر پانی طہور پانی سے جب ملے گا تو اعتبار غلبہ کو ہوگا، اور اس کی تصحیح توشیح اور تحفہ سے نقل کی اور اسی سے نقل کیا کہ یہ مذہب مختار ہے۔

میں کہتا ہوں یہ دوسری تصحیح ہے جن دو کا ہم نے وعدہ کیا تھا، تو شیخ نے حق کا اعتراف کرلیا' اور ملقی اور ملاقی کی برابری ختم ہوئی، پھر خانیہ کی فرع نقل کی اور اسی قسم کی شرح قدوری مختصر کرخی کی فرع نقل کی۔ یہ بیس ڈول کھینچنے سے متعلق ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ وضو کا پانی کنویں میں ڈالا ہو، فرمایا پاک پانی میں مستعمل پانی کے اثر انداز ہونے کی ائمہ ثلثہ کے نزدیک یہ واضح مثال ہے، اگرچہ وہ اُس پانی سے کم ہو' اور قاضی خان کی شرح جامع صغیر سے یہ نقل کیا کہ اگر دھوون کے کچھ قطرات برتن میں گرجائیں اور کم ہوں تو پانی کو فاسد نہ کریں گے' اور قلیل میں کلام کیا ہے اس میں محمد سے منقول ہے کہ جو سوئی کے ناکوں کے برابر ہو وہ قلیل ہے اور کرخی سے یہ منقول ہے کہ پانی کے قطرے اگر پانی میں ظاہر ہوں تو یہ کثیر ہے اور اگر ظاہر نہ ہوں جیسے شبنم کے قطرے ہوتے ہیں تو یہ قلیل ہے فرمایا یہ گزشتہ مثال سے بھی زاید صریح ہے، یہ فوائد ظہیریہ میں مذکور ہے، اسی پر قدوری چلے ہیں، اور ابو سلیمان سے کسی نے جنابت کے پانی کی بابت دریافت کیا کہ اگر اس کے قطرے پانی میں پڑجائیں اور واضح نظر آئیں، فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں' فتاوی قاضیخان

---

[1] رسالہ ابن الشحنہ۔

فانتضح من غسله فی انائه لم یفسد الماء اما اذا کان یسیل فیه سیلا نا افسده[1] قال و التحقیق ھنا ان المسألۃ مبنیۃ علی اصل ذکرہ ائمتنا فی کتاب الایمان ونقلوہ الی الرضاع قال فی الذخیرۃ حلف لا یشرب لبنا فصب الماء فی اللبن فالاصل فی ھذہ المسألۃ واجناسہا ان الحالف اذا اعقد یمینہ علی مائع فاختلط بمائع اٰخر خلاف جنسہ ان کانت الغلبۃ للمحلوف علیہ[2] (وسقط بقیۃ الکلام من نسختی زھر الروض)

میں اس کے برعکس ہے اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ ایک ناپاک آدمی نے غسل کیا اور اس کے چھینٹے برتن میں گرے تو پانی فاسد نہ ہوگا اور اگر اس میں بہنے لگا تو پانی فاسد ہوجائے گا، فرمایا در اصل یہ مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے جس کو ہمارے ائمہ ثلثہ نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اور اس کو رضاع کے بیان میں نقل کیا، ذخیرہ میں فرمایا کہ کسی شخص نے حلف اٹھایا کہ وہ دودھ نہیں پئے گا تو اس نے پانی دُودھ میں ملایا، تو اس مسئلہ میں اور اس کے نظائر میں اصل یہ ہے کہ حلف اٹھانے والے نے جب کسی سیال چیز پر حلف اٹھایا اور وہ کسی اور مائع سے مل گیا جو اس کی جنس سے نہ ہو تو اگر محلوف علیہ غالب ہے (اور باقی کلام میرے زہر الروض کے نسخہ سے ساقط ہے)۔ (ت)

اقول سبحٰن اللہ یذکر الشیخ رحمہ اللہ تعالٰی فی اول الکلام ان الصحیح والمذھب المختار ھو اعتبار الغلبۃ وقد نص فی شرحہ للوھبانیۃ انہ الصحیح عن ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم وان علیہ الفتوی ثم یعود یحتج بفرعی النزح والانتضاح ویقول ذلک اصرح شیئ فی اتفاق الائمۃ الثلثۃ وھذا اصرح منہ وای مساغ بقی لہما بعد ما تبین الحق الصحیح المذھب المختار المفتی بہ المطبق علیہ من ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم وما فتح بابہ من بیان المبنی وھو فرع الحلف فھو اصرح شیئ فی ان

میں کہتا ہوں سبحان اللہ شیخ کلام کی ابتداء میں ذکر کرتے ہیں کہ صحیح اور مذہب مختار غلبہ کا اعتبار ہی ہے اور شرح وہبانیہ میں اس پر نص ہے کہ ہمارے ائمہ ثلثہ سے یہی صحیح ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے پھر انھوں نے نزح اور انتضاح کی دونوں فرعوں پر کلام کیا، اور فرمایا کہ یہ ائمہ ثلثہ کے اتفاق میں صریح چیز ہے اور یہ اس سے زیادہ صریح ہے اور مذہب حق و صحیح، اور مذہب مختار مفتی بہ، اور ائمہ ثلثہ (حنفی مذہب کے) کا متفق علیہ مذہب معلوم ہوجانے کے بعد اُن دونوں کے لیے کیا وجہ جواز رہ گئی ہے! اور بیان مبنی کا جو دروازہ کھولا ہے اور وہ حلف کی فرع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱
[2] رسالہ ابن شحنہ

المدار علی الغلبۃ فان کان اقرہ فی اٰخر کلامہ الذاھب من نسختی فھو کر علی ما احتج بہ بالنقض والا فاعجب واعجب وسیمکث الشیخ غیر بعید ویعود الی الحق کما سیأتی بتوفیقہ تعالٰی فلولا انہ اورد ھذا الکلام واحتج بھذین الفرعین ھنا وذینك التعلیلین ثمہ لکان کل کلامہ صحیحا سدیدا ولکن اللہ یفعل ما یرید ثم کتب تتمۃ قال فیھا ان من ادل الدلیل علی انہ لا یجوز التوضی فی ھذا الحوض عند واحد من علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی ما فی کتاب الاصل لمحمد رضی اللہ تعالٰی عنہ روایۃ الامام ابی سلیمن الجوزجانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ عنہ فی باب الوضوء والغسل قلت ارأیت جنبا اغتسل فانتضح من غسلہ شیئ فی انائہ ھل یفسد علیہ الماء قال لا قلت لم قال لان ھذا مما لا یستطاع الامتناع منہ قلت ارأیت ان افاض الماء علی رأسہ او جسدہ او غسل فرجہ فجعل ذلك الماء کلہ یقطر فی الاناء قال ھذا یفسد الماء ولا یجزئہ ان یتوضأ ولا یغتسل بہ[1] قال وقال فی باب البئر وما ینجسھا قلت ارأیت رجلا طاھرا وقع فی بئر فاغتسل فیھا قال افسد ماء البئر کلہ قلت وکذلك لو توضأ فیھا قال نعم قلت

دار ومدار غلبہ کو ہے، اگر انہوں نے اس کو برقرار رکھا ہے اپنے اس کلام میں جو میرے نسخہ سے ساقط ہے تو یہ اسی طرف رجوع ہے جس پر نقض سے استدلال کیا ہے، ورنہ بہت ہی تعجب خیز بات ہے، اور عنقریب آجائے گا کہ شیخ نے حق کی طرف رجوع کیا بتوفیق تعالٰی، اگر وہ یہ کلام یہاں نہ لاتے اور ان دو فرعوں سے استدلال نہ کرتے اور وہاں دو تعلیلیں بیان نہ کرتے تو کل کلام صحیح ہوتا، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے پھر انہوں نے ایک تتمہ لکھا اور فرمایا کہ پھر اس پر سب سے بڑی دلیل اس پر کہ ہمارے کسی امام کے نزدیک اس حوض سے وضو جائز نہیں۔ امام محمد کی اصل میں وارد شدہ روایت ہے جو امام ابوسلیمان الجوزجانی کی روایت ہے اور باب الوضوء و باب الغسل میں مذکور ہے، روایت یہ ہے کہ میں نے کہا اگر ایک جنب نے غسل کیا اور اس کے چھینٹے ایک برتن میں گرے تو کیا پانی خراب ہوگیا، فرمایا نہیں، میں نے کہا کیوں؟ فرمایا یہ ایسی چیز ہے جس سے بچنا محال ہے، میں نے پوچھا اگر جنب نے اپنے سر یا جسم پر پانی ڈالا یا اپنی شرمگاہ دھوئی اور یہ پانی برتن میں جمع ہوتا رہا فرمایا اس سے پانی فاسد ہوجائیگا، نہ اس سے وضو جائز ہوگا نہ غسل، فرمایا انہوں نے کنویں اور اس کی نجاستوں کے باب میں فرمایا، میں نے پوچھا اگر ایک پاک شخص کنویں کے پانی میں گرگیا اور اس میں غسل کیا، فرمایا کل پانی خراب ہوجائے گا، میں کہتا ہوں یہی حکم کنویں میں وضو کا ہے؟

---

[1] کتاب الاصل المعروف بالمبسوط امام محمد باب الوضوء والغسل من الجنابۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۴

وکذلک لو استنجی فیہا قال نعم قلت فما حال البئر قال علیہم ان ینزحوا ماء البئر کلہ الا ان یغلبہم الماء قلت ارأیت الرجل ھل یجزئہ وضوءہ ذلک قال لا[2] وسکت علیہ ولم یعزہ لاحد من شیخیہ وھذا شأنہ فی المتفق علیہ کما صرح بہ اول الکتاب اھ[2]

فرمایا ہاں، میں نے کہا اسی طرح اگر کنوئیں میں استنجا کیا؟ فرمایا ہاں، میں نے پُوچھا اور کنوئیں کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کنوئیں کا سارا پانی نکالنا چاہئے، الّا یہ کہ نکالتے نکالتے تھک جائیں، میں نے پُوچھا اُس شخص کے لیے یہ وضو کافی ہوگا؟ فرمایا نہیں، اس پر وہ خاموش ہوگئے اور اپنے شیوخ میں سے کسی کی طرف اس کو منسوب نہ کیا، اور متفق علیہ مسائل میں ان کا یہی طریقہ تھا جیسا کہ کتاب کے شروع میں ذکر کیا اھ (ت)

اقول الفرع الاخیر فی الملاقی وھو لاشک صحیح، والتمسک بہ نجیح، وھو اصرح تصریح، اما الاول ففی الملقی ولا محید من ابتنائہ علی احد ضعیفین ولیس الاصل ھذا کتاب المبسوط احد الکتب الستۃ الظاھرۃ بل من الکتب النادرۃ فکیف یعارض بہ مذھب ائمتنا جمیعا الصحیح المختار المفتی بہ وباللّٰہ التوفیق ثم قال رحمہ اللّٰہ تعالٰی ونقل عصام الدین فی شرح الھدایۃ بعد الکلام علی مسألۃ انغماس الجنب فی البئر ھذا مبنی علی ان اجزاء الماء الذی فی محل واحد بمنزلۃ شیئ واحد فی حکم الاستعمال لانہ ینسب الی الجمیع عرفا بل لغۃ ایضا اذ لا تذھب افہام اھل العرف واللغۃ الی ان المستعمل بعض ھذا الماء والباقی ممتزج بہ الا تری ان الماء المستعمل عند من یجعلہ طاھرا غیر

میں کہتا ہوں فرع اخیر ملاقی میں ہے اور وہ بلاشبہ صحیح ہے اور یہ تمسک کے قابل اور واضح تصریح ہے اور پہلی فرع ملقی میں ہے، اور سوائے اس کے چارۂ کار نہیں کہ دو میں سے ایک ضعیف پر بنا کرنا چاہئے، اور اصل سے مراد وہ مبسوط نہیں جو چھ ظاہر کتب میں سے ایک ہے بلکہ کتبِ نادرہ سے ہے، تو جو اس میں مذکور ہے وہ ہمارے ائمہ کے صحیح مختار مفتی بہ سے کیسے معارض ہوسکتا ہے وباللہ التوفیق، پھر فرمایا، عصام الدین نے شرح ہدایہ میں، جنب کے کنوئیں میں غوطہ لگانے کا مسئلہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہ اس پر مبنی ہے کہ پانی کے تمام اجزاء جو ایک جگہ ہیں وہ حکم استعمال میں بمنزلہ شیئ واحد کے ہیں، کیونکہ وہ عرفاً تمام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے بلکہ لغت میں بھی ایسا ہے، کیونکہ اہل عرف اور اہل لغت یہ لفظ سن کر یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ کچھ پانی تو مستعمل ہے اور کچھ اس میں ملا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک مستعمل پانی طاہر غیر طہور ہے جب کسی دوسرے

---

[1] کتاب الاصل المعروف بالمبسوط امام محمد رجل طاہر وقع فی البئر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۸۳

[2] رسالہ ابن شحنۃ

طهورا اذا وقع فی ماء اٰخر لا یفسده حتی یغلب علیه بهذا قطع فی الاسرار جعله فی التحفة اصح ولو صب ماء کثیر علی العضو یصیر الکل مستعملا عندهم مع ان الملاقی للبشرة مغلوب بناء علی ان الکل واحد فی حکم الاستعمال و قد اشیر الٰی هذا المعنی فی الاسرار[1]۔

اقول هذا لعمری من الحسن بمکان، تنشط به الاذان، وتبتهج به النفوس، ولا عطر بعد عروس، وقد وفقنی المولٰی، سبحٰنه وتعالٰی، لمعناه فیما مضی، واتقنت بیانه، وشیدت ارکانه، وبه ظهر الفرق بین الملاقی والملقی، بحیث لا یعتری وهم ولا شك یبقی، والعجب من الشیخ مشی علی التسویة بینهما محتجا بالتعلیلین ثم نقضه بنقل تصحیح الصحیح، عن التحفة والتوشیح، ثم بعد اسطر عاد الیه وجعل فرعی النزح و الانتضاح اصرح صریح، ثم نقضه بنقل الاصل الاصیل، عن ذخیرة الامام الجلیل، ثم لم یلبث ان عاد الیه بنقل فرع الاصل، ثم نقضه بنقل کلام العصام متصلا به من غیر فصل، وبه ختم وانما العبرة للخواتیم، ختم اللّٰه تعالٰی لنا علی الدین القویم، والصراط

پانی میں گر جائے تو اس کو اس وقت تک فاسد نہ کرے گا جب تک اس پر غالب نہ ہوجائے۔ اسرار میں اس پر قطعی حکم لگایا اور تحفہ میں اس کو اصح قرار دیا ہے اور اگر کسی عضو پر بہت سا پانی ڈالا تو ان کے نزدیک سارا پانی مستعمل ہوجائے گا، حالانکہ جو پانی جلد سے متصل ہے وہ مغلوب ہے کیونکہ حکم استعمال میں سب ایک ہی ہے اور اسی معنی کی طرف اسرار میں اشارہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بحث ذہنوں کو جلا بخشنے والی ہے، اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس کی تقریر کی ہے، اس سے ملقی اور ملاقی کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا اور شک باقی نہ رہا، اور شیخ پر تعجب ہے کہ انھوں نے ان دونوں کو ایک قرار دیا ہے اور دو تعلیلوں سے استدلال کیا ہے پھر ایک صحیح کی تصحیح نقل کرکے اس پر نقض وارد کیا، یہ تحفہ اور توشیح کی نقول ہیں، پھر چند سطور کے بعد اس بحث کا اعادہ کیا اور نزح اور انتضاح کی دونوں فروع کو بہت صریح قرار دیا، پھر اس پر ذخیرہ سے نقض وارد کیا، پھر اصل کی فرع کو نقل کیا، پھر اس پر عصام کی نقل سے نقض وارد کیا اور اس پر کلام کو ختم کیا ......

اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ دینِ قویم صراطِ مستقیم اور تمام حسنات

---

[1] رسالہ ابن شحنہ

المستقیم، وبکل حسنی، وعلی نبینا الکریم و الہ الکرام الصلاۃ الزھراو السلام الاسنی والحمد للہ رب العلمین۔

الفصل الرابع فی فوائد شتی و تحقیق حکم الوضوٴ فی الحوض الصغیر

الحمد للہ فرغنا عن الرسائل الثلاث بل الکتب الخمسۃ ھذہ والبحر والبدائع و اتینا علی جمیع مافیہا والاٰن نذکر ما بقی من الفوائد تکمیلا للعوائد وباللہ التوفیق۔

فائدہ ۱: قال المحقق علی المقدسی رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح نظم الکنز رداعلی البحر ما نصہ واما تاویل الکلام بان المراد بصیرورتہ مستعملا صیرورۃ مالاقی اعضاءہ منہ مستعملا فہذا بعید جدا اذلایحتاج الی التنصیص علی ذلک اصلا[1] اھ نقلہ فی منحۃ الخالق من الماء المستعمل واقرہ **قلت** قدمنا ثمانیۃ ردود علیہ وھذا تاسع وازیدک عاشرا **فاقول** اذا انغمس احد فی الماء ثم خرج ینقسم الماء الی خمسۃ اقسام قسم یبقی فی الحوض ولاینفصل عن الماء بانفصال البدن والثانی یخرج مع البدن وینحدر عنہ بلامکث والثالث یمکث ویذھب بالتقاطر والرابع بل یذھب

پر کرے، اور ہمارے نبی کریم ان کی آل مکرم پر صلاۃ و سلام نازل فرمائے آمین والحمد للہ رب العالمین۔

چوتھی فصل میں مختلف فوائد اور چھوٹے حوض سے وضو کا حکم۔

الحمد للہ کہ ہم تینوں رسائل بلکہ ان پانچوں کتب اور بحر و بدائع سے فارغ ہوگئے، اور ان میں جو کچھ تھا وہ بیان کردیا اور اب باقیماندہ فوائد تکمیلِ بحث کے لیے ذکر کرتے ہیں۔

فائدہ ۱: محقق علی المقدسی نے کنز کی نظم کی شرح میں بحر پر رد کرتے ہوئے فرمایا، ان کی عبارت یہ ہے اور کلام کی یہ تاویل کرنا کہ پانی کے مستعمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو پانی اسکے اعضاء سے ملا ہے وہ مستعمل ہوجائے گا، تو یہ بہت بعید ہے کہ یہ اس پر تنصیص کا قطعاً محتاج نہیں، اس کو منحۃ الخالق میں نقل کیا ہے مستعمل پانی کی بحث میں، اور اس کو برقرار رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں ہم نے اس پر آٹھ رد کئے ہیں اور یہ نواں ہے اور اب دسویں کا اضافہ کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جو شخص پانی میں غوطہ لگائے اور پھر نکلے، تو پانی کی اس صورت میں پانچ قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو حوض ہی میں رہتا ہے اور بدن سے جدا ہونے کی وجہ سے پانی سے جدا نہیں ہوتا ہے، اور دوسرا بدن کے ساتھ نکلتا ہے اور بلا ٹھہرے

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

بالنشف والخامس نداوة تبقی بعد النشف ایضا ولا تذهب الا بالجفاف بعمل الشمس والھواء ولا شك انھا ایضا اجزاء مائیة ولا تداخل فی الاجسام بل لا تلاصق فی الاجزاء کما تقدم فکان کل قسم فوق الاخر منفصلا عنه وکان تحت الکل ذاك الذی فھو الذی لاصق البدن وھو لا یقبل الانفصال ولا استعمال الا به فلا استعمال تلك عشرۃ کاملة۔

اس سے نیچے آتا ہے، اور تیسرا ٹھہرتا ہے اور ٹپک کر ختم ہو جاتا ہے، اور چوتھا وہ تری ہے جو کپڑے کے ذریعے جذب کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ پانچواں وہ تری جو کپڑے کے ذریعے جذب کرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور آفتاب یا ہوا سے خشک ہو جانے کے بعد ہی ختم ہوتی ہے اور بلا شبہ یہ بھی پانی کے اجزا ہیں اور یہ اجسام میں تداخل نہیں بلکہ تلاصق فی الاجزا بھی نہیں جیسا کہ گزرا، تو ہر قسم دوسری سے اوپر ہوئی اس سے جدا ہوئی اور ہر ایک کے نیچے وہ تری ہوتی ہے تو یہ وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہے اور یہ انفصال کو قبول نہیں کرتا ہے اور استعمال بلا انفصال نہیں ہوتا ہے، تو مستعمل نہ ہوا، تو یہ دس مکمل ہو گئے۔

فان قلت الامر کما وصفتم ولکن نعدی الحکم الی ما عدا الاول لتعلقه بالبدن ولذا انتقل بانتقاله **اقول اولا** لا نسلم انه لتعلقه به والا لکان له استمساك علیه کالتقاطر بل اندفع بدفعه وانحدر بطبعه الا تری ان المنغمس ان اندفع بعنف قوی صحبه ماء کثیرا و برفق فقلیل وان استدرج فی الخروج بحیث لا یتحرك الماء حتی الامکان لم یکد یخرج معه الا ما یزول بالتقاطر مع ان اللقاء کان واحدا فعلوا انه لحرکة الدفع یختلف باختلافھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ درست ہے لیکن ہم حکم اول کے علاوہ دوسروں پر لگاتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق بدن سے ہے اور اسی لیے اس کے منتقل ہونے سے وہ منتقل ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اولاً ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ اس کے تعلق کی وجہ سے ہے ورنہ وہ اس پر رکتا، جیسا کہ ٹپکنے والا، بلکہ اسکے دفع کرنے سے مندفع ہو گیا اور بالطبع منحدر ہو گیا مثلاً پانی میں غوطہ کھانیوالا اگر قوت سے نکلے تو اس کے ساتھ بہت پانی آئے گا اور اگر آہستگی سے ہو تو کم پانی آئیگا اور اگر اتنا آہستہ نکلے کہ حتی الامکان پانی میں حرکت نہ پیدا ہو تو اس کے ساتھ صرف اتنا پانی آئیگا جو ٹپک کر زائل ہو جائے حالانکہ ملاقاۃ ایک ہی ہے، تو معلوم ہوا کہ دفع کی حرکت میں اس سے اختلاف ہوتا ہے۔

فان قلت اذن لا ریب فی تعلق المتقاطر فنحکم علیه بالاستعمال وھو لا شك قابل الانفصال فیصح التاویل ولا ینفی الاستعمال

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس صورت میں ٹپکنے والے کے تعلق میں کوئی شک نہیں تو ہم اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگائیں گے اور بلا شبہ وہ قابلِ انفصال ہے تو تاویل

اقول شأن ما انحدر بلا مکث عند الخروج بعد الانغماس شأن ما صرّ وانحدر فورا من غسالة الوضوء والغسل فلا یستعمل الا ما بقی بعدہ متساقطا بالتقاطر وھو خلاف الاجماع۔

صحیح ہوگی اور استعمال متحقق نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں غوطے سے نکلنے کے فوراً بعد جو پانی بدن سے بہتا ہوا گرتا ہے اسکا حال اس پانی جیسا ہے جو وضو اور غسل کے فوراً بعد بہتا ہوا گرتا ہے تو مستعمل وہی ہوگا جو اس کے بعد قطرات کی صورت میں ٹپکتا ہے اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔

وثانیا شان ما التعلق والتلاصق فالتعلق یشمل الدثار والتلاصق یختص بالشعار وھو الفرق بینھما فان قلت ھما ثوبان فیبعد احدھما حاجزا للاٰخر عن التلاق، بخلاف الماء فانہ شیئ واحد فلا یحجز بعضہ بعضا بل الکل ملاق، **اقول** ذلک ماکنا نبغ فالماء کلہ واحد عند الانغماس فالکل ملاق بلا وسواس،

دوسرا، تعلق اور تلاصق میں بہت فرق ہے، تعلق استر کو شامل ہے اور تلاصق اوپر والے حصہ کے ساتھ مختص ہے، اور یہی دونوں میں فرق ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تو دو کپڑے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے رکاوٹ ہے، اور پانی تو شے واحد ہے، اس کا ایک حصہ دوسرے حصّہ کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتا ہے وہ تو سارے کا سارا ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے، میں کہتا ہوں یہ تو ہمارے حسب منشا ہے، جب انسان پانی میں غوطہ لگائے گا تو پانی شیئ واحد ہوگا اور بغیر رکاوٹ آپس میں ملے گا۔

فائدہ ۲: قال العلامۃ الشیخ حسن الشرنبلالی فی شرحہ علی الوھبانیۃ رداعلی البحر ما نصہ وما ذکر من ان الاستعمال بالجزء الذی یلاقی جسدہ دون باقی الماء فیصیر ذلک الجزء مستھلکا فی کثیر فھو مردود لسریان الاستعمال فی الجمیع حکما ولیس کالغالب یصب القلیل من الماء فیہ[1] اھ **اقول** لفظ السریان وقع غیر موقعہ فانہ یوھم ان المستعمل اولا ما لاقی ثم یسری الحکم الی بقیۃ اجزاء الماء بالتجاور وھو

فائدہ ۲: علامہ شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں فرمایا بحر پر رد کرتے ہوئے، نص یہ ہے، اور یہ جو ذکر کیا ہے کہ استعمال اس جزء سے ہے جو بدن سے ملا ہوا ہو نہ کہ باقی پانی سے تو وہ جز کثیر اجزاء میں مل کر ختم ہو جائیگا، تو یہ مردود ہے کیونکہ حکماً تو استعمال تمام پانی میں سرایت کرے گا، اور یہ اس غالب پانی کی طرح نہیں جس میں تھوڑا سا پانی مل گیا ہو اھ۔

میں کہتا ہوں "سریان" کا لفظ بے محل استعمال ہوا ہے اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مستعمل اولاً تو وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہے پھر حکم بقیہ اجزاء کی

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

مردود صریحا بما تقدم ان العبرة للغلبة ولو سری لسری بالملق کما توھم العلامة عبد البر فیبطل الفرق و یعود الکلام علی مقصود بالنقض وھذا ھو الذی حمل البحر علی قصر الاستعمال علی ما لاقی بل نقول انه اذا انغمس فیه وھو قلیل فقد استعمل کله معا لان جمیعه شیئ واحد فلا قصر ولا سریان ولقد احسن العلامة الشامی رحمه الله تعالٰی اذ قررہ بقوله فی المنحة یعنی انه لما انغمس او ادخل یدہ مثلا صار مستعملا لجمیع ذلك الماء حکما لان المستعمل حقیقة ھو ما لاقی جسدہ بخلاف ما اذا اصب المستعمل فیه فان المستعمل حقیقة وحکما ھو ذلك الملق فلا وجه للحکم علی الملق فیه بالاستعمال ما لم یساوہ او یغلب علیه اذ لم یدخل فیه جسدہ حتی یحکم علیه بالاستعمال حکما یدل علیه ما فی الاسرار للدبوسی وقولھم فی مسألة البئر جحط لو انغمس بقصد الاغتسال للصلاۃ صار الماء مستعملا اتفاقا[1] اھ فھذا ھو التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔

طرف جائے گا کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قریب ہیں، اور یہ صریحا مردود ہے، جیسا کہ گزرا کہ اعتبار غلبہ کو ہے اور اگر سرایت کرے گا تو ملق میں کرے گا، جیسا کہ علامہ عبد البر کو وہم ہوا ہے تو فرق باطل ہوجائے گا اور کلام مقصود بالنقض کی طرف لوٹے گا، اور یہی چیز ہے جس نے بحر کو اس پر مجبور کیا کہ وہ استعمال کا حکم صرف اس پر لگائیں جو ملاقی ہو، بلکہ ہم کہتے ہیں جب کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے اور پانی کم ہو تو سب یکدم مستعمل ہوجائیگا کیونکہ وہ سارے کا سارا شیئ واحد ہے، تو نہ قصر ہے اور نہ سرایت ہے، علامہ شامی نے اس کو برقرار رکھ کر اچھا کیا، وہ منحہ میں فرماتے ہیں یعنی جب اس نے غوطہ لگایا یا مثلاً اس نے اپنا ہاتھ ڈبویا تو سارا پانی مستعمل ہوگیا حکما، کیونکہ حقیقۃً مستعمل تو صرف وہی ہے جو بدن سے متصل ہو، اور اگر مستعمل اس میں ڈالا گیا تو دوسرا حکم ہے، کیونکہ حقیقۃً وحکماً مستعمل یہی ملق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملق فیہ پر استعمال کا حکم لگایا جائے تاوقتیکہ وہ اس کے برابر نہ ہو یا اس پر غالب نہ ہو کیونکہ اس کا جسم تو اس میں داخل نہیں ہوا کہ اس پر حکما استعمال کا حکم لگایا جائے، اس پر دبوسی کی اسرار دلالت کرتی ہے اور ان کا مسئلہ البئر جحط میں یہ کہنا کہ اگر کسی شخص نے کنویں میں اس نیت سے غوطہ لگایا کہ نماز کے لیے غسل کرے گا تو پانی اتفاقاً مستعمل ہوجائے گا اھ تو تحقیق یہی ہے اور اللہ تعالٰی توفیق دینے کا والی ہے۔

فائدہ ۳ : سبق العلامة ابا الاخلاص

فائدہ ۳ : علامہ نے ابو الاخلاص سے پہلے فرق کو

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۲

فی تعبیر الفرق هكذا بعض معاصری العلامة زین فاورده ورده وهذا نصه فی البحر اذا عرفت هذا ظهر لك ضعف من يقول فی عصرنا ان الماء المستعمل اذا صب على الماء المطلق وكان المطلق غالباً يجوز الوضوء بالكل واذا توضأ فی فسقية صار الكل مستعملا اذ لا معنى للفرق بين المسألتين وما قد يتوهم فی الفرق من ان فی الوضوء يشيع الاستعمال فی الجميع بخلافه فی الصب مدفوع بان الشيوع والاختلاط فی الصورتين سواء بل لقائل ان يقول الماء الغسالة من خارج اقوى تاثيرا من غيره لتعين المستعمل فيه بالمعاينة والتشخيص وتشخص الانفصال[1] اهـ وهذا الكلام ارتضاه السيدان ط وش حتى قال ط بعد ذكر كلام الشرنبلالی هذا التوهم قد ذكره فی البحر واعرض عنه[2] اهـ اما المدقق العلائی فاستدرك على البحر بكلام الشرنبلالی فقال فراجعه متاملا[3] اهـ

اقول لقول القائل يشيع فی الجميع ثلثة محامل وذلك لان الشيوع الامتزاج

بیان کیا، اسی طرح علامہ زین کے بعض معاصرین نے فرق بیان کیا، اور اس کو رد کیا، اور یہ بحر میں ان کی عبارت ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارے بعض معاصرین کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا کہ مستعمل پانی جب مطلق پانی میں ڈالا جائے اور مطلق غالب ہو تو سارے پانی سے وضو جائز ہے اور جب چھوٹے حوض میں وضو کیا تو کل مستعمل ہوگیا، کیونکہ دونوں مسئلوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ فرق جو بیان کیا جاتا ہے کہ وضو کی صورت میں استعمال تمام پانی میں عام ہوجاتا ہے اور ڈالنے میں یہ صورت نہیں ہوتی، اس لیے ناقابلِ لحاظ ہے کہ شیوع اور اختلاط دونوں صورتوں میں برابر ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ دھوون کا باہر سے ڈالنا زیادہ مؤثر ہے کیونکہ اس میں مستعمل دیکھنے اور علیحدہ پہچان کرنے سے متعین ہوجاتا ہے اھ اور اس کلام کو سیدان "ط" اور "ش" نے پسند کیا یہاں تک کہ "ط" نے شرنبلالی کا کلام ذکر کرنے کے بعد فرمایا "اس وہم کو بحر میں ذکر کیا اور اس سے اعراض کیا اھ اور مدقق علائی نے بحر پر شرنبلالی کے کلام سے استدراک کیا اور فرمایا پورے غور سے اس کی طرف مراجعت کریں اھ

میں کہتا ہوں "یشیع فی الجمیع" والے قول میں تین تاویلات ہوسکتی ہیں کیونکہ شیوع امتزاج بلا امتیاز ہو

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۴

[3] الدر المختار علی حاشیۃ الطحطاوی باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۴

من دون امتياز فلا يمكن التعيين بل الكل
يحتمله على البدلية كهبة المشاع والمعنى
عليه انه اذا توضأ في الفسقية اختلط ماء
وضوئه بسائرها بحيث لا يمكن التمييز
فاى غرفة تأخذها تحتمل ان تكون
من المستعمل فيكون حكم الاستعمال شائعا
في جميع الاجزاء شيوع هبة نصف شائع في
نصفين والشيوع السريان اى اذا توضأ فيها
استعمل ما لاقاه وتعدى الحكم منه الى جاره
وهكذا فصار الكل مستعملا والشيوع العموم اى
ان في الوضوء يعم الاستعمال الجميع وانت تعلم
ان المعنى الثالث حق صحيح لا غبار عليه اصلا
ولا يمسه ما في البحر لان عموم الحكم
لعموم السبب فان الكل ملاق كما سبق مرارا
والمعنى الثاني هو ما جنح اليه العلامة الشرنبلالي
في متبادر كلامه وقد علمت ما له وعليه
والمعنى الاول مثله في البطلان كفى ردا عليهما
مسألة الملتقى ولزوم اثبات الفرق بابطاله
والبحر حمله على الاول ففسر الشيوع
بالاختلاط وحكم انه في الصورتين سواء و
انما ذلك عنده للمعنى الاول دون السريان
والعموم الا ان يريد بالشيوع سببه و
يفسره بالاختلاط فيكون المعنى ان
سبب السريان او العموم عندك هو الاختلاط
سواء في الصورتين مع تخلف الحكم

تو تعیین ممکن نہیں بلکہ کل میں اس کا احتمال علی سبیل
البدلیۃ ہے جیسا کہ مشاع کا ہبہ، اور اس کا مفہوم یہ ہے
کہ جب چھوٹے حوض میں وضو کیا تو اس کا پانی تمام پانی میں
ملے گا اور امتیاز ممکن نہیں، تو جو چلّو لیا جائے گا اس
میں احتمال ہے کہ مستعمل پانی سے ہو، تو استعمال کا حکم
تمام پانی کو اس طرح شامل ہوگا جیسا کہ غیر ممتاز دو
حصوں والی چیز کے نصف کا ہبہ ہو، اور شیوع
سریان یعنی جب اس میں وضو کیا تو جو اس کے
ملاقی ہے وہ مستعمل ہو جائیگا پھر اسکے ساتھ والے اجزاء
تک یہی حکم چلے گا اور اس طرح سارے کا سارا مستعمل
ہو جائے گا، اور شیوع عموم کے معنی میں بھی ہے یعنی وضو
کی صورت میں استعمال کا حکم تمام پر لاگو ہو جاتا ہے،
اور آپ جانتے ہیں کہ تیسرا معنی حق اور بے غبار ہے،

اور بحر کا اعتراض اس پر نہیں ہوتا، کیونکہ حکم کا عموم
سبب کے عموم کی وجہ سے ہے کیونکہ کل ملاقی ہے جیسا
کہ کئی مرتبہ گزرا، اور دوسرے معنی کی طرف علامہ
شرنبلالی کا میلان ہے جیسا کہ اُن کے کلام سے متبادر
ہے اور اسکا مالہ وما علیہ آپ جان چکے ہیں اور پہلا معنی
بھی اسی کی طرح باطل ہے، ان کی تردید میں اور اسکے ابطال
کو فرق کے اثبات کا لازم ہونا کافی ہے
اور بحر نے اس کو پہلے پر محمول کیا ہے اور شیوع
کی تفسیر اختلاط سے کی ہے اور حکم لگایا ہے کہ یہ
دونوں صورتوں میں برابر ہے اور ان کے نزدیک یہ
پہلے معنی کے باعث ہے سریان وعموم کی وجہ سے نہیں
ہے، ہاں اگر شیوع سے مراد اس کا سبب لیں تو

فی الملقی وفاقا وقد علمت جوابہ علی الحق نعم من یزعم السریان یرد علیہ ولایؤدّہ۔

۔۔۔۔۔اور اس کی تفسیر وہ اختلاط سے کریں تو معنی یہ ہوں گے کہ سریان یا عوم کا سبب تمہارے نزدیک اختلاط ہی ہے اور وہ دونوں صورتوں میں یکساں ہے حالانکہ ملقی میں حکم مختلف ہے اتفاقاً، اور اس کا حق جواب آپ جان چکے ہیں، ہاں جو سریان کا گمان کرتا ہے اس پر رد کیا جائے گا اور وہ رد نہ کرے گا۔ (ت)

ثم اقول ماترقی بہ لا احصلہ **فاولا** لیس من شرط الاستعمال رؤیۃ مرورہ علی البدن ولامعاینۃ انفصالہ ولا لمرئیۃ مزیۃ علی غیرہ مع تحقق العلم القطعی بہ ولاشك انہ شیئ متشخص بنفسہ فلایضرہ عدم قدرتنا علی تمییزہ **وثانیا** لیس الاستعمال مقولا بالتشکیك لیکون المرئی اقوی من غیرہ **وثالثا** انما مبناہ علی ما ارتکز فی ذھنہ رحمہ اللہ تعالٰی ان الملاقی ھی الاجزاء الملاصقۃ ولیس کذلك بل الکل کما حققنا فکان المصبوب کان ممتازا منحازا متشخصا عاینا مرورہ علی البدن ثم انفصالہ عنہ کذلك کل الماء فی الفسقیۃ ممتاز منحاز متعین معاین ورود الاعضاء فیہ ثم انفصالھا منہ۔

میں کہتا ہوں بر سبیل ترقی جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے وہ درست نہیں، اولاً مستعمل ہونے کی یہ شرط نہیں کہ اس کو بدن پر گزرتا ہوا دیکھا جاسکے، نہ اس کے جُدا ہونے کا دیکھنا ضروری ہے اور نہ ہی دیکھے کے قابل ہونا اس کے لیے دوسروں پر وجہِ فضیلت ہے؛ جبکہ اس کا علم قطعی ہو اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو متشخص بنفسہٖ ہے تو ہمارا اس کی تمیز پر قادر نہ ہونا اس کو مضر نہیں؛ ثانیاً استعمال تشکیک کے قبیلہ میں سے نہیں تاکہ مرئی دوسروں سے اقوی ہو۔

ثالثاً اس کا مبنٰی صرف یہ ہے کہ اُن کے (رحمہ اللہ) ذہن میں یہ بات مرکوز ہوگئی ہے کہ ملاقی صرف وہ اجزاء ہیں جو متصل ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ تمام اجزاء ہیں، جیسا کہ ہم نے تحقیق کی ہے جیسا کہ بدن پر ڈالا جانے والا پانی الگ اور ممتاز نظر آتا ہے اور جسم سے جدا ہوتا بھی دکھائی دیتا ہے اسی طرح حوض کا کُل پانی الگ اور ممتاز ہے جو نظر آتا ہے، اس میں اعضاء کا ڈوبنا اور جُدا ہونا بھی نظر آتا ہے۔ (ت)

فائدہ ۴: کلام الاسرار الماربرمتہ فی الفصل الثانی وقع اولہ موافقا لما وقع فی البدائع من ان المستعمل ھی الاجزاء الملاصقۃ بالبدن و اٰخرہ نص صریح علی ماھو الحق حتی ان اخا

فائدہ ۴: اسرار کا مکمل کلام جو گزرا دوسری فصل میں اس کی ابتداء بدائع کے مطابق ہے کہ مستعمل وہی اجزاء ہیں جو بدن سے متصل ہیں اور اس کا آخر حق پر نص صریح ہے، یہاں تک کہ صاحب البحر کے بھائی علامہ عمر ابن نجیم جو اس مسئلہ میں ان کے پیروکار ہیں،

صاحب البحر العلامة عمر بن نجیم رحمهم
اللہ تعالٰی مع اتقانه فی المسألة اثار البحر
انصف فیما نقل عنه فی ھامش البحر حین
عقب عبارة الاسرار بقوله فھذہ العبارة
کشفت اللبس الخ فکتب علیه نعم کشفت
اللبس من حیث اٰخرھا الا ان محمدا
یقول لما اغتسل بالماء القلیل صار الکل
مستعملا حکما[1] قلنا صورتان صورة وقوع
ماء مستعمل فی غیرہ فیعتبر غلبته
الذی لیس بمستعمل والثانیة ماء واحد
توضأ به شخص او ادخل یدہ لحاجة[2] صار
مستعملا کله حکما کما رأیت[3] اھ نقله فی
المنحة واقرہ ولذا لم یأت للبحر الانتفاع
باوله والتجأ الی ردہ ببنائه علی روایة
ضعیفة والعبد الضعیف قدم التوفیق بین
اوله واٰخرہ بحیث جعله کلاما واحدا
منتظما والشیخ العلامة عبد البر سلك
فی شرح الوھبانیة مسلکا اٰخر فجعل اوله
سؤالا واٰخرہ جوابا اذ قال والحاصل
ان ابا زید الدبوسی فی کتاب الاسرار اورد

بحر کے حاشیہ میں نقل کرتے ہیں، اور نقل میں انصاف
کیا ہے جہاں انھوں نے اسرار کی عبارت کے بعد کہا
اس عبارت نے غبار صاف کردیا الخ اس پر کہا
ہاں غبار صاف کر دیا اُس کے آخر تک، صرف اتنا
ہے کہ محمد کہتے ہیں کہ جب تھوڑے سے پانی میں غسل
کیا تو کل حکماً مستعمل ہوگیا، ہم کہتے ہیں یہاں دو
صورتیں ہیں ایک تو مستعمل پانی کا غیر مستعمل میں
واقع ہونا تو اُس پانی کے غلبہ کا اعتبار ہوگا جو مستعمل نہیں
دُوسرا وہ پانی جس سے ایک شخص نے وضو کیا ہو یا بوجہ
حاجت اس نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا تو کُل حکماً
مستعمل ہوگیا جیسا کہ آپ نے دیکھا اھ اس کو منحہ
میں نقل کیا اور برقرار رکھا، اس لیے بحر کو اس عبارت
کے اول سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس کے رد میں
انھوں نے کہا کہ یہ ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے،
اور ناچیز نے اس قول کے اول وآخر میں تطبیق دی ہے
اور اس کو منتظم کلام کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور
شیخ علامہ عبدالبر نے وہبانیہ کی شرح میں ایک دوسری
راہ اختیار کی ہے اور وہ یہ کہ اس کے اول کو سوال
اور آخر کو جواب قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حاصل
یہ ہے کہ ابو زید الدبوسی نے کتاب الاسرار میں وہ ذکر کیا ہے

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[2] کذا فی نسختی المنحة وصوابه لا لحاجة اولغیر حاجة اھ منه (م)
میرے پاس موجود منحہ کے نسخہ میں اسی طرح ہے اور مناسب "لالحاجة" یا "لغیر حاجة" ہے۔ (ت)

[3] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

ماذکرہ فی البدائع علی سبیل الالزام من ابی یوسف لمحمد رحمہما اللہ تعالی و ذکرجواب محمد عنہ فکشف اللبس واوضح کل تخمین وحدس فانہ قال بعد ما ذکر مذاھب علمائنا فی الماء المستعمل الاستدلال لمحمد رحمہم اللہ تعالی عامۃ مشایخنا ینصرون قول محمد وروایتہ عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ ثم قال یحتج للقول الآخر (ای نجاستہ) بما روی فذکر حدیث لایبولن احدکم ثم قال ومن قال ان الماء المستعمل طاھر طھور لایجعل الاغتسال فیہ حراما الی اٰخر ما تقدم عن البدائع التوسی[1]

جو بدائع میں ابو یوسف کی طرف سے محمد پر الزام ذکر کیا ہے اور محمد کا جواب ذکر کیا ہے جس سے تمام بات واضح ہوگئی انہوں نے پہلے تو ہمارے علماء کا مذہب مستعمل پانی کی بابت ذکر کیا اور امام محمد کا استدلال ذکر کیا پھر کہا کہ عام مشائخ امام محمد کے قول اور ان کی روایت جو امام ابو حنیفہ سے ہے کی تائید کرتے ہیں ـــــ پھر فرمایا دوسرے قول پر (یعنی اُس کی نجاست پر) اُس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو مروی ہے، پھر لایبولن احدکم والی حدیث سے استدلال کیا۔ پھر فرمایا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مستعمل پانی طاہر وطہور ہے وہ اس سے غسل کو حرام قرار نہیں دیتے ہیں الی اخر ما تقدم عن البدائع۔ (ت)

اقول ھذا التقریروان لم یکن ظاھرا من سوق عبارۃ الاسرار بیانہ یتوقف علی ماذکر فی البدائع ثم البحران اخراج الماء من ان یکون مطھرا من غیر ضرورۃ حرام[2] اھ فیستفاد منہ ان اغتسال المحدث فی الماء القلیل حرام عند محمد ایضا فکان الامام ابا یوسف یلزمہ بان المستعمل طاھر عندک والطاھر لایسلب الطھور طھوریتہ مادام الطھور غالبا کلبن یقع فیہ فلا یصح لک تحریم الاغتسال فیہ لا

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تقریر اسرار کی عبارت کے سیاق سے ظاہر نہیں ہے، اس کا بیان اُس پر موقوف ہے جو بدائع پھر بحر میں مذکور ہے کہ پانی کو مطہر ہونے سے بلا ضرورت خارج کرنا حرام ہے اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو کا تھوڑے پانی میں غسل کرنا محمد کے نزدیک بھی حرام ہے، گویا امام ابو یوسف بطور الزام اُن سے یہ کہتے ہیں کہ تمہارے نزدیک مستعمل پانی پاک ہے اور پاک پانی دوسرے پانی کی طہوریت کو سلب نہیں کرتا ہے جب تک کہ طہور غالب ہو، جیسے کہ دودھ اس میں گر جائے، تو آپ

---

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲
[2] بحرالرائق " " ۱/۷۰

ان تقول بقوله وتحکم بنجاسة الغسالة فح یفسد الکل ویصح الحکم فاجاب محمد بان الکل لکونه قلیلا شیئ واحد فصار الکل ملاقیا لبدن المحدث فصار الکل مستعملا حکما بخلاف اللبن فلیس فیه الا اختلاط طاهر بطهور ولیس سبب الاستعمال فلا یسلبه الطهوریة ما دام الماء غالبا علیه۔

اُس میں غسل کو حرام نہیں کرسکتے ہیں، صرف اس کی یہی صورت ہے کہ آپ میرے قول کو اختیار کرلیں اور دھووَن کی نجاست کا قول کریں، اِس صورت میں کُل پانی فاسد ہوجائے گا اور حکم صحیح ہوگا، محمد نے اس کا جواب دیا کہ کل پانی بوجہ قلیل ہونے کے چونکہ شیئ واحد ہے تو کل بے وضو کے بدن سے متصل ہوا، تو حکماً کل مستعمل ہوگیا، دُودھ میں یہ چیز نہیں اُس میں ایک طاہر کا طہور سے ملنا ہے اور یہ استعمال کا سبب نہیں ہے تو اُس کی طہوریت کو سلب نہ کرے گا جب تک پانی اس پر غالب رہے۔ (ت)

قلت وملک العلماء لم یجعله الزاما من ابی یوسف لمحمد بل دفع دخل یرد علی استدلال ابی یوسف بالحدیث کما تقدم نقله فی صدر الفصل الاول ولکل وجهة هو مولیها وبالجملة اوله علی کلا الوجهین تأیید لروایة ضعیفة وکفی باٰخره جوابا عنه والاولی ما فعل العبد الضعیف کما علمت وللّٰه الحمد۔

میں کہتا ہوں ملک العلماء نے اس کو ابو یوسف کی طرف سے امام محمد پر بطور الزام ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ایک درمیانی اعتراض کا جواب ہے جو ابو یوسف کے حدیث سے استدلال پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فصل اول کی ابتداء میں گزرا، ہر شخص کا اپنا اپنا طرزِ استدلال ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ اس کا اول دونوں صورتوں میں ایک ضعیف روایت کی تائید ہے اور اس کا آخر اس کا جواب شافی ہے، اور بہتر وہ صورت ہے جو ناچیز نے اختیار کی ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا وللہ الحمد۔ (ت)

فائدہ ۵: من کلام الشیخ ابن الشحنة فی الشرح علی مسألة محدث وقع فی بئر ما نصه والذی تحرر عندی انه یختلف الحکم فیها باختلاف اصول ائمتنا فیه والتحقیق نزح الجمیع عند الامام علی القول بنجاسة الماء المستعمل وقیل اربعون عنده وتحقیق مذهب محمد انه یسلبه الطهوریة وهو الصحیح عن الامام والثانی وعلیه

فائدہ ۵: یہ شیخ ابن الشحنہ کے کلام سے ماخوذ ہے جو انہوں نے اُس بے وضو کی بابت کیا ہے جو کنویں میں گر پڑا ہو، فرماتے ہیں اس کا حکم ہمارے ائمہ کے اصول کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے اور تحقیق یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تمام کنویں کا پانی نکالا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک مستعمل پانی نجس ہے، ایک قول یہ ہے کہ چالیس ڈول نکالے جائیں گے، اور مذہب امام محمد کی تحقیق یہ ہے کہ وہ

الفتوٰی فینزح منه عشرون لیصیر طهورا وهذا
علی القول بعدم اعتبار الضرورة اما لو
اعتبرت لایصیر مستعملا فی کل موضع تحقق
الضرورة فی الانغماس فی الماء او ادخال الید
فیه واعتبار الضرورة فی مثل ذلك مذکور
فی الصغرٰی وغیرها فلا تغتر بما ذکره شیخ
العلامة زین الدین قاسم تغمده الله
برحمته فی رسالته المسماة برفع الاشتباه
فانه خالف فیها صریح المنقول عن ائمتنا
واستند الی کلام وقع فی البدائع علی
سبیل البحث وتبعه (یعنی القاسم) علی
ذلك بعض من ینتحل مذهب الحنفیة
ممن لارسوخ له فی فقههم وکتب فیه کتابة
مشتملة علی خلط وخبط ومخالفة النصوص
المنقولة عن محمد رحمه الله تعالٰی
وقد بینت ذلك فی مقدمة کتبتها حققت
فیها المذهب فی هذه المسألة (ثم قال
والحاصل ان ابا زید الدبوسی الی اخر
ماقدمناه عنه انفا ثم قال) وفی البدائع ایضا
التصریح بان الطاهر اذا انغمس فی البئر
للاغتسال صار مستعملا عند اصحابنا الثلثة
رضی الله تعالٰی عنهم وصرح فی فتاوٰی قاضیخان
بان ادخال الید فی الاناء للغسل یفسد
الماء عند ائمتنا الثلثة وتکفل بایضاح هذا
وتحریره رسالتی زهر الروض اھ[1]

پانی سے طہوریت کو سلب کرلیتا ہے، اور امام صاحب
سے صحیح یہی ہے اور دُوسرے امام سے بھی، اور اسی پر
فتوٰی ہے تو اُس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ
وہ طہور ہوجائے اور یہ عدم اعتبار ضرورت کے قول پر ہے،
اور اگر ضرورت کا اعتبار کیا جائے تو ہر اس جگہ جہاں پانی میں
غوطہ لگانے کی یا ہاتھ ڈبونے کی ضرورت ہو وہاں پانی
مستعمل نہ ہوگا اور ضرورت کا اعتبار اس کی مثل میں
صغرٰی وغیرہا میں مذکور ہے تو شیخ علامہ زین الدین
نے اپنے رسالہ رفع الاشتباہ میں جو کچھ فرمایا ہے اس
سے مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے ائمہ کی صریح
نقول کے مخالف ہے، وہ محض اُس بحث کے سہارے
پر ہے جو بدائع نے کی ہے اور ان کی (یعنی علامہ قاسم کی)
پیروی محض بعض ناپختہ کار حنفی فقہا نے کی ہے، اور
اسی پر ایک بے سروپا کتاب جو امام محمد سے منقول
نصوص کے مخالف ہے لکھی ہے، میں نے یہ تمام
بحث ایک مقدمہ میں کی ہے، اور اس میں مذہب
کی تحقیق کی ہے (پھر فرمایا خلاصہ یہ کہ ابوزید دبوسی
الی اخر ماقدمنا عنہ انفا پھر فرمایا) اور بدائع میں
میں بھی یہ تصریح کی ہے کہ پاک انسان جب کنویں
میں غوطہ لگائے غسل کی نیت سے، تو ہمارے
اصحابِ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک پانی مستعمل
ہوجائیگا، اور فتاوٰی قاضیخان میں یہ تصریح
موجود ہے کہ پانی میں بہ نیت غسل ہاتھ ڈالنا پانی
کو فاسد کردیتا ہے، ہمارے ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک،
میں نے اسکی مکمل ایضاح وتحریر اپنے رسالہ زہر الروض میں کی ہے اھ (ت)

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

اقول ھو کلام طیب لخص فیه مقاصد رسالته وخلصه مما خلط به فی نھر الروض من تسویة الملقی والملاقی فی عدم الجواز الاحادیث نزح عشرین والتحقیق عندہ علی مذھبه المعتمد لا نزح اصلا مالم یساو او یغلب لان الطھور لا یطھر۔

میں کہتا ہوں یہ کلام بہت خوب ہے، اس میں اُنہوں نے بڑی وضاحت سے اپنے رسالہ کے مقاصد کو ظاہر کیا ہے، اور نہر الروض نے جو ملقی اور ملاقی میں خلط مبحث کیا ہے عدم جواز میں، اُس سے بھی چھٹکارا دلایا ہے صرف بیس ڈول والی حدیث کا معاملہ باقی ہے اور ان کے مذہب میں تحقیق یہ ہے کہ جب تک مستعمل پانی برابر یا غالب نہ ہو اُس وقت تک پانی بالکل نہیں نکالا جائیگا کیونکہ طہور پاک نہیں ہوتا ہے۔(ت)

فائدہ ۶: قال فی الدر ان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر بالکل والا لا وھذا یعم الملقی والملاقی ففی الفساقی یجوز التوضی مالم یعلم تساوی المستعمل علی ما حققه فی البحر والنھر والمنح قلت لکن الشرنبلالی فی شرح الوھبانیة فرق بینھما فراجعه متاملا[1] اھ وذکر ش عند قوله حققه فی البحر استدلاله علی ذلك باطلاقھم المفید للعموم وبقول البدائع وفتوی قاری الھدایة المذکورة قال وقد استدل فی البحر بعبارات اخر لاتدل له کما یظھر للمتامل لانھا فی الملقی والنزاع فی الملاقی کما اوضحناہ فیما علقناہ علیه فلذا اقتصرنا علی ما ذکرنا[2] اھ ورأیتنی کتبت فی جد

فائدہ ۶: دُر میں ہے کہ مطلق پانی آدھے سے زائد ہے تو کُل سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، اور یہ چیز ملقی اور ملاقی کو عام ہے تو چھوٹے حوضوں میں وضو جائز ہے جب تک مستعمل پانی کا برابر ہونا معلوم نہ ہو اس کی تحقیق بحر، نہر اور منح میں موجود ہے، میں کہتا ہوں شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں دونوں میں فرق کیا ہے وہ بغور دیکھا جائے اھ اور "ش" نے ان کے قول حققہ فی البحر کے پاس ان کا استدلال ذکر کیا کہ ان کا اطلاق مفید عموم ہے، اور بدائع کے قول اور قاری الہدایہ کے مذکورہ فتوٰی سے فرمایا بحر میں دوسری عبارات سے بھی استدلال کیا ہے مگر وہ ان کے حق میں مفید نہیں، جیسا کہ غور کرنے پر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ وہ عبارات ملقی سے متعلق ہیں اور جھگڑا ملاقی میں ہے، جیسا کہ ہم نے

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[2] ردالمحتار ″ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

الممتار علی قولہ المفید للعموم ما نصہ ۔

اقول نعم یفید علی فرض ان المستعمل فی الملاقی ھو السطح الملاصق من الماء بجسد المحدث لاغیر وھو اول النزاع وانا **اقول** لوکان کذلک لارتفع المستعمل من صفحۃ الدنیا لانک اذا صببت الماء علی یدک مثلا فانما یلاقی یدک سطح من الماء وسائر جرمہ منفصل عنہا کما ان التلاقی یکون بسطح من یدک وسائر جرمہا لم یمسہ الماء والجسم ابدا یکون اکبر من السطح فتکون الغلبۃ لغیر المستعمل فلا یصیر مستعملا ابدا واذا جعلت کلہ مستعملا لتلاقی سطحہ سطح الجسد فلا نعلم فرقا بین جرم وجرم فان اسلت اسالۃ ضعیفۃ صار الکل مستعملا وان صببت صبا شدیدا حتی کان ثخن الماء اضعاف الاول کان ایضا کلہ مستعملا فلا دلیل علی التفرقۃ بین ثخن وثخن ما لم یبلغ حد الکثرۃ وقول البدائع بحث منہ ذکرہ فی سؤال وجواب لانقل عن الاصحاب بخلاف کلام الامام الدبوسی فانہ نقل صریح ومن النصوص الصرائح کذلک مسائل ادخال الید والرجل ودخول المحدث فی البئر المصرح بہا نقلا عن الائمۃ الثلثۃ فی المتون والشروح والفتاوی وحمل کلہا علی روایۃ ضعیفۃ مما لا یعقل ولا یحتمل وعبارۃ الفتوی

واضح کیا ہے، اپنی تعلیقات میں اس پر ہم نے روشنی ڈالی ہے، اس لیے ہم نے اس پر اکتفاء کیا، اور میں نے اپنی کتاب "جد الممتار" میں لکھا ہے، یہ ان کے قول "المفید للعموم" کے تحت لکھا گیا ہے، میری عرض یہ ہے کہ ہاں فائدہ دیتا ہے اس مفروضہ پر کہ مستعمل ملاقی میں وہ سطح آب ہے جو محدث کے جسم سے ملی ہوتی ہے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے اور وہ پہلا نزاع ہے، اور میں کہتا ہوں اگر ایسا ہی ہوتا تو روئے زمین پر مستعمل پانی کا وجود ہی ناپید ہوجاتا کیونکہ مثلاً اگر آپ نے اپنے ہاتھ پر پانی بہایا تو آپ کا ہاتھ پانی کی سطح سے ملے گا اور اس کا باقی حصہ اس سے الگ رہے گا، جس طرح تلاقی آپ کے ہاتھ کی سطح سے ہوتی ہے اور اس کا باقی حصہ پانی سے کبھی نہیں لگتا ہے اور جسم ہمیشہ سطح سے بڑا ہی ہوتا ہے، تو غلبہ غیر مستعمل کو ہوگا تو وہ مستعمل کبھی نہ ہوگا، اور جب آپ نے کل کو مستعمل قرار دیا کہ اس کی سطح جسم کی سطح سے مل رہی ہے تو ہم ایک جرم اور دوسرے جرم میں فرق نہیں پاتے ہیں، تو اگر آہستہ سے بہایا جائے تو کل مستعمل ہوجائے گا اور اگر سختی سے بہایا جائے اس طور پر کہ پانی کا حجم پہلے سے کئی گنا زائد ہو تو بھی کل مستعمل ہوجائے گا تو پانی کے ایک حجم اور دوسرے حجم کے فرق پر کوئی دلیل نہیں، تاوقتیکہ وہ حدِ کثرت کو نہ پہنچ جائے، اور بدائع کا قول تو محض ایک بحث ہے جس کو انہوں نے ایک سوال و جواب کے ضمن میں ذکر کیا ہے یہ اصحاب امام ابی حنیفہ

صریحة فی ان الماء المستعمل یقع فیها فیکون من الملقی دون الملاقی ولا تغتر بانهم لابد لهم ان یغترفوا منها فید خلوا ایدیهم قبل الغسل وذلك تلاق لان الاغتراف معفو عنه بالاتفاق لاجل الحاجة اھ ما کتبت علیہ وقد علمت مما قدمناہ فی الفصول الثلثة ان الفحول الثلثة کلھم قد اغفلوا محل النزاع ولکن لا عجب فی الاغفال وانما العجب من العلامة الشامی تنبه لھذا وترك جل ما فی البحر لکونه فی الملقی ثم اورد عبارة الفتوی مع انھا کما علمت صریحة فی الملقی فکان یجب اسقاطھا ایضا وقد علمت ما فی الاستدلال بالعموم من نوع مصادرة علی المطلوب فلیس بایدیھم شیئ اصلا سوی بحث البدائع الواقع منا ضلا لمتواترات النصوص والروایات الظاھرة الصحیحة عن الائمة الثلثة مصادما لاجماعھم المنقول فی الکتب المعتمدة حتی البدائع والبحر فتثبت ولا تزل ثبتنا اللہ وایاك والمسلمین بالقول الثابت فی الحیٰوة الدنیا وفی الاٰخرة انه ولی ذلك والقدیر علیہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا واٰلہ وصحبه وابنه وحزبه اجمعین اٰمین!

سے نقل نہیں ہے جبکہ امام دبوسی نے نقل پیش کی ہے اسی طرح ہاتھ پیر داخل کرنے اور بے وضو کے کنویں میں داخل ہونے کے مسائل صراحۃً متون وشروح میں مذکور ہیں اور فتاوٰی میں بھی مذکور ہیں، ان کو ہمارے ائمہ ثلٰثہ سے نقل کیا گیا ہے، اب ان تمام چیزوں کو ایک ضعیف روایت پر محمول کرنا انتہائی غیر معقول بات ہے، اور فتوٰی کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ مستعمل پانی اس میں گرتا ہے تو وہ ملقی سے ہوگا نہ کہ ملاقی سے، تجھے یہ دھوکا نہ ہو کہ ان کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس سے چُلّو کے ذریعہ پانی نکالیں تو وہ ہاتھ دھونے سے قبل داخل کرینگے اور اسی کو تلاقی کہتے ہیں، کیونکہ اس طرح چُلّو سے پانی نکالنا بالاتفاق معاف ہے، کیونکہ اس میں حاجت ہے اھ یہاں تک میرا حاشیہ ختم ہوا، اور جو کچھ ہم نے فصول ثلٰثہ میں ذکر کیا ہے اس سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ تینوں جلیل القدر علماء اصل محل نزاع سے غافل رہے، لیکن اس غفلت پر تعجب نہیں، تعجب تو اس امر پر ہے کہ علامہ شامی اس پر متنبہ ہوگئے اور جو بحر میں تھا اس کو ترک کردیا کیونکہ اس کا تعلق ملقی سے تھا، اور پھر بھی فتوٰی کی عبارت ذکر کی، حالانکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے وہ ملقی میں صریح ہے تو اس کا اسقاط بھی ضروری تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ عموم سے استدلال میں ایک قسم کا مصادرہ علی المطلوب ہے تو اُن کے پاس بدائع کی بحث کے علاوہ کچھ نہیں ہے جبکہ یہ عبارت نصوص متواترہ اور روایاتِ ظاہرہ صحیحہ کے مخالف ہے اور ائمہ ثلٰثہ کا جو اجماع کتب معتمدہ حتی کہ بدائع اور بحر میں بھی منقول ہے اُس کے بھی خلاف ہے لہٰذا اس کو خوب ذہن نشین کرلینا چاہئے، اللہ تعالٰی تم کو

1

ہم کو تمام مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں حق پر ثابت قدم رکھے وہ اس کا والی اور قادر ہے اس اللہ علی و عظیم کے سوا کسی کو طاقت نہیں ہے اور صلوٰۃ ہمارے سردار ان کی آل اصحاب بیٹے جماعت تمام پر ہو، آمین ! (ت)

فائدہ ۷ : ختم ھذا المبحث ش بقولہ قلت وفی ذلک (ای ما مال الیہ العلامۃ والبحر) توسعۃ عظیمۃ ولا سیما فی زمن انقطاع المیاہ عن حیاض المساجد وغیرھا فی بلادنا ولکن الاحتیاط لایخفی اھ[1]

اقول الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین وقد علمت ان ماما لا الیہ لادلیل علیہ والتوسعۃ قد تبیح المیل الی روایۃ لغیرھا رجحان علیہا درایۃ وھھنا لا روایۃ ولا درایۃ نعم ان تحققت الضرورۃ ففی العمل بقول امامی الھدی مالک والشافعی رضی اللہ تعالی عنہما مندوحۃ ان الماء المستعمل طاھر وطھور۔

فائدہ ۷ : 'ش' نے اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے "میں کہتا ہوں اور اس میں (یعنی جس کی طرف علامہ اور بحر کا میلان ہے) بڑی وسعت ہے خاص طور پر اس زمانہ میں جبکہ ہمارے بلاد کی مساجد وغیرہ کے حوضوں کا پانی ختم ہو جاتا ہے، لیکن احتیاط مخفی نہیں" اھ (ت)

میں کہتا ہوں احتیاط تو اس میں ہے کہ دو دلیلوں میں سے جو زیادہ قوی ہو اس پر عمل کیا جائے، اور آپ کو معلوم ہے کہ جس طرف ان کا رجحان ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، اور گنجائش میں کبھی مرجوح روایت کو بھی درایۃً اختیار کر لیا جاتا ہے، اور یہاں تو نہ روایت ہے اور نہ درایت، ہاں اگر ضرورت پائی جاتی ہے تو بقول امام مالک اور امام شافعی عمل کی حد تک پائی جاتی ہے، اور ان کے نزدیک یہ پانی طاہر و طہور ہے۔ (ت)

فائدہ ۸ : قال ش فی المنحۃ علی قول البحر لامعنی للفرق بین المسألتین یرید الملقی والملاقی مانصہ قال بعض مشایخنا یدل علیہ ایضا روایۃ النجاسۃ فان النجس ینجس غیرہ سواء کان ملقی او ملاقیا فکذا علی روایۃ الطہارۃ واذا کان کذلک فلیکن التعویل علیہ سیما وقد اختارہ کثیرون وعامۃ من تأخر عن الشارح تابعہ علی

فائدہ ۸ : 'ش' نے منحہ میں بحر کے قول پر فرمایا دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں، یعنی ملقی اور ملاقی میں، ان کی عبارت یہ ہے کہ ہمارے بعض مشایخ نے فرمایا اس پر نجاست کی روایت دلالت کرتی ہے کیونکہ نجس دوسرے کو بھی نجس کرتا ہے خواہ وہ ملقی ہو یا ملاقی، اسی طرح طہارت کی روایت پر۔ اور جب صورتِ حال یہ ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہیے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ بہت سے علماء نے اسکو

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۵

ذلك حتی صاحب النهر مع ما فیہ من رفع الحرج العظیم علی المسلمین[1] اھ

مختار کیا ہے اور شارح کے بعد آنے والے علماء نے حتی کہ صاحب نہر نے بھی ان کی متابعت کی ہے، پھر مسلمانوں کو تنگی سے نکالنا ہے اھ (ت)

اقول اولاً[1] ان کان للقیاس علی روایة النجاسة مساغ کان الشیخ ابن الشحنة احق بھذا منکوفان التسویة علی روایة النجاسة انما ھی فی التاثیر لافی عدمہا فکما استویا علیہا فی التاثیر بسلب الطہارة فکذا علی روایة الطہارة بسلب الطھوریة لا فی عدم التاثیر اصلا وثانیا[2] صرحوا ان ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ ای ان التنجس یحصل للماء القلیل کلہ سواء کان ھو الوارد علی نجاسة او بالعکس واذن نقول بمثلہ ھھنا فکما ان الماء الوارد علی نجاسة حکمیة یصیر کلہ منسلب الطھوریة کذلك النجاسة الحکمیة اذا وردت علی ماء قلیل تجعل جمیعہ مسلوب الطھوریة وقیاس احدی النجاستین علی الاخری احق بالقبول من قیاس روایة الطہارة علی روایة النجاسة وثالثا[3] وھو الحل الحکم انما یثبت بثبوت سببہ وسبب التنجس ھو ملاقاة النجس وھو حاصل فی الملقی کالملاقی وسبب الاستعمال ملاقاة بدن

میں کہتا ہوں، اولاً اگر قیاس کو نجاست والی روایت پر گنجائش موجود ہو تو شیخ ابن الشحنہ اس کے برنسبت آپ کے زاید مستحق ہیں، کیونکہ نجاست والی روایت پر برابری تاثیر میں ہے نہ کہ عدمِ تاثیر میں جیسے وہ دونوں سلبِ طہارت کی تاثیر میں برابر ہیں، اسی طرح طہارت کی روایت پر سلبِ طہوریت میں برابر ہونا چاہیے نہ کہ اصلاً عدمِ تاثیر میں مساوات ہو۔

ثانیاً اس امر کی علماء نے تصریح کی ہے جو پانی نجس پر وارد ہوتا ہے وہ بھی نجس ہوجاتا ہے جیسا کہ اس کا عکس ہے، یعنی ناپاک ہونا کل تھوڑے پانی میں ہوتا ہے خواہ وہ نجاست پر وارد ہو یا نجاست اس پر وارد ہو، اس لیے اسی قسم کا قول ہم یہاں کرتے ہیں تو جس طرح وہ پانی جو نجاستِ حکمیہ پر وارد ہوتا ہے اس کی طہوریت ختم ہوجاتی ہے اسی طرح نجاستِ حکمیہ جب تھوڑے پانی پر وارد ہو تو تمام پانی کی طہوریت ختم ہوجائے گی، اور ایک نجاست کو دوسری نجاست پر قیاس کرنا زیادہ بہتر ہے برنسبت اس کے کہ طہارت کی روایت کو نجاست کی روایت پر قیاس کیا جائے۔

ثالثاً، یہی حل ہے، حکم جب ثابت ہوتا ہے تو وہ اس کے سبب کے ثابت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے

---

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۴

محدث او متقرب سواء کان بورود الماء علی الحدث او الحدث علی الماء وھو حاصل فی الملاقی منتف فی الملقی فیہ لان الماء المستعمل اذا القی فی الحوض فلا ماؤہ ورد علی حدث ولا الحدث ورد علیہ انما ورد علیہ ما ورد علی الحدث ولیس ھذا سبب الاستعمال۔

ورابعا[ف1] سمعت حدیث رفع الحرج ودفعہ وخامسا[ف2] لیس ھؤلاء الکثیرون الا المتأخرون عن البحر ولیس فیھم من یکون لہ قول فی المذھب لاسیما علی خلاف المذھب الصحیح المعتمد المذیل بطراز الاجماع وھذا صاحب البحر قائلا فیہ لایفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنہ الی قولھما او قول احدھما او غیرھما الا لضرورۃ من ضعف دلیل او تعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشایخ بان الفتوی علی قولھما[1] اھ فاذا کان ھذا فی قول امامی المذھب وقد افتوا بہ فما ظنک بما لیس قول احدھما ولا قول احد ولا روایۃ عن احد وما صححہ احد ولا لہ فی الدرایۃ مستند، فکیف یعدل الی مثلہ عن مذھب

اور ناپاک ہونے کا سبب ناپاک سے ملاقات ہے، تو وہ ملقی میں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح ملاقی میں ہے اور استعمال کا سبب محدث کے بدن سے ملاقات ہے یا متقرب کے بدن سے ملاقات ہے خواہ حدث پر پانی وارد ہو یا پانی پر حدث وارد ہو، اور یہ چیز ملاقی میں تو ہے ملقی فیہ میں نہیں کیونکہ مستعمل پانی جب حوض میں ڈالا جائے تو نہ تو اس کا پانی حدث پر وارد ہوا اور نہ ہی حدث اس پر وارد ہوا، اور اس پر وہ چیز وارد ہوئی ہے جو حدث پر وارد ہوئی ہے اور یہ سببِ استعمال نہیں۔

رابعاً آپ حرج رفع کرنے کا معاملہ اور اس کا رد سُن چکے ہیں۔

خامساً یہ کثیر علماء بحر سے متاخر ہیں، اور ان میں کوئی اس پایہ کا نہیں کہ مذہب میں اس کا قول سند ہو، خاص طور پر قولِ صحیح کے مقابل جس پر اجماع ہوچکا ہو، خاص طور پر جبکہ صاحبِ بحر فرمارہے ہوں، فتوٰی امام اعظم کے قول پر ہی دیا جائے نہ کہ صاحبین یا کسی ایک صاحب کے قول پر سوائے ضرورت کے، مثلاً یہ کہ دلیل ضعیف ہو یا اس کے خلاف تعامل ہو، جیسے مزارعۃ کے معاملہ میں ہوا خواہ مشایخ نے تصریح کی ہو کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے اھ جب یہ معاملہ دو ائمہ مذہب کے ساتھ ہے اور وہ اس پر فتوٰی دے چکے ہیں تو جہاں کسی کا

---

[1] بحر الرائق اوقاتِ نماز سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۶

جمیع الائمۃ الصحیح المعتمد، وما مثل ھؤلاء بین ایدی ائمۃ المذھب الا کمثل احدنا عند ھؤلاء بل اقل وابعد، لاستوائنا جمیعا فی وجوب الاستسلام للائمۃ وردا وصدرا و ان لا تکون لنا الخیرۃ من انفسنا اذا قضوا امرا، اما کثرۃ من تبع البحر فقد قال البحر[1] فی ماھو اعظم کثرۃ واشد قوۃ من الوف امثال ھذا لدورانہ فی متون المذھب والشروح والفتاوی اعنی عدم الاعتکاف مما لایصح تعلیقہ ما نصہ ھذا الموضع مما اخطؤا فیہ والخطأ ھنا اقبح لکثرۃ الصرائح بصحۃ تعلیقہ وانا متعجب لکونھم تداولوا ھذہ العبارات متونا و شروحا وفتاوی وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأ فیأتی من بعدہ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون واصلہ لواحد مخطئ اھ وھذا ھو الواقع ھھنا کما تری وباللہ العصمۃ علی ان کلام کثیر منھم فی الباب لم یسلم عن اضطراب وھذا البحر نفسہ قد اکثر من نقول ماقدمنا من حججنا وفیھا نقل الاجماع ونص فی مسألۃ البئر[2] ان المذھب المختار ان الماء طاھر غیر طھور

قول ہی نہ ہو اور نہ روایت ہو، اور نہ کسی نے اس کی تصحیح کی ہو اور نہ اس کے لیے مستند درایت ہو، تو تمام ائمہ کا اجماعی مذہب چھوڑ کر اس کو کیسے اختیار کیا جاسکتا ہے، ائمہ مذہب کے سامنے ان کی قدر و قیمت اتنی نہیں جتنی کہ ہماری ان حضرات کے سامنے ہے بلکہ اس سے بھی کمتر، کیونکہ ہم سب پر ائمہ کے حکم کا ماننا لازم ہے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے اور جب کسی معاملہ کا وہ فیصلہ کردیں تو ہمیں اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں! در رہا یہ معاملہ کہ بحر کی اتباع بہت سے مشائخ نے کی ہے ایک مسئلہ میں جو شدت و قوت کے لحاظ سے اس سے ہزار گنا زیادہ ہے کیونکہ وہ متون مذہب اور شروح اور فتاوٰی میں موجود ہے، یعنی اعتکاف کی تعلیق کے صحیح نہ ہونے کے بارے میں خود بحر نے فرمایا کہ یہاں ان کو غلطی لگی ہے اور یہاں خطا زیادہ قبیح ہے کیونکہ اس کی تعلیق کی صحت پر بکثرت تصریحات موجود ہیں اور مجھے تعجب ہے کہ فقہائے ان عبارات کو متون و شروح اور فتاوٰی میں قبول کیا ہے، عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک مؤلف ایک چیز ذکر کردیتا ہے غلطی سے، پھر بعد والے اس غلطی کو بلا نکیر نقل کرتے رہتے ہیں، اس طرح ایک خطا کار کے ناقل بکثرت ہوجاتے ہیں اھ اور یہاں ایسا ہی ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں، علاوہ ازیں ان میں سے اکثر کا کلام اضطراب سے خالی نہیں، اور خود بحر نے بہت سی نقول ذکر کی ہیں جنہیں ہم نے اپنے دلائل میں بہت پہلے ذکر کیا ہے اور اس میں اجماع کو

[1] بحر الرائق متفرقات من البیوع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۰۵
[2] بحر الرائق مسئلۃ البئر جحط " ۱/۹۸

والنھر قال فی عبارۃ الاسرار ما قال ولما تمسك البحر بعبارۃ المحیط والتوشیح والتحفۃ اذا وقع الماء المستعمل فی البئر الخ کتب علیه لایخفاك ان العبارۃ فی وقوع الماء لا المغتسل وکذا فیما بعدہ[1] اھ والد راستدرك علی البحر بکلام الحسن وکذا ابوالسعود وقد منا کلمات ش وھم جمیعا والحلیۃ قبلھم عللوا سقوط حکم الاستعمال بالضرورۃ وھو کما علمت اعتراف بالحق بالضرورۃ۔

نقل کیا ہے اور کنویں کے مسئلہ میں یہ صراحت کی ہے کہ مذہب مختار یہ ہے کہ پانی طاہر غیر طہور ہے، اور نہر نے اسرار کی عبارت میں فرمایا ہے جو گزرا، اور جب بحر نے محیط، توشیح اور تحفہ کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا "جب مستعمل پانی کنویں میں گر جائے الخ" تو اس پر لکھا کہ آپ پر مخفی نہ رہے کہ عبارت پانی کے گرنے میں ہے نہ کہ دھوون کے گرنے میں، اور اسی طرح اس کے بعد کی عبارت اھ اور در نے بحر پر حسن کے کلام سے استدراک کیا ہے، اور اسی طرح ابوالسعود نے، اور ہم نے "ش" اور ان سب کے اور حلیہ کے کلمات نقل کئے ان تمام حضرات نے حکم استعمال کے ساقط ہونے کی وجہ ضرورت کو قرار دیا ہے، اور جیسا کہ آپ نے جانا یہ اعتراف حق ہے۔ (ت)

فائدہ ۹: اقول ذکرت فی الطرس المعدل مسألۃ ادخال المحدث رأسه اوخفه اوجبیرته فی الماء وانه یجزئه عند الامام الثانی ولایصیر الماء مستعملا وان الصحیح وفاق محمد فیھا وان المراد لایصیر ماء الاناء مثلا مستعملا بل البلۃ الملتصقۃ بالرأس ای الممسوح فقط فاعلم ان ھذا الخصوص المسح فلا یقاس علیه المغسول قال ملك العلماء فی البدائع ادخل رأسه اوخفه اوجبیرته فی الاناء وھو محدث قال ابویوسف یجزئه فی المسح ولایصیر الماء مستعملا سواء نوی

فائدہ ۹: میں نے "الطرس المعدل" میں محدث کا پانی میں اپنا سر، موزہ یا پٹی ڈبونے کا مسئلہ ذکر کیا ہے اور یہ کہ دوسرے امام کے نزدیک اس کو یہ کفایت کرے گا، اور پانی مستعمل نہ ہوگا، اور اس میں صحیح یہی ہے کہ محمد کو اس سے اتفاق ہے، اور یہ کہ مراد یہ ہے کہ برتن کا پانی مستعمل نہ ہوگا بلکہ وہ تری جو سر سے لگی ہوتی ہے یعنی صرف ممسوح، تو جاننا چاہئے کہ یہ خاص مسح کے لیے ہے تو اس پر مغسول کو قیاس نہ کرنا چاہئے، ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا کسی نے اپنا سر، موزہ یا پٹی پانی میں داخل کی اور بے وضو تھا، تو ابویوسف نے فرمایا اسکے مسح کو کافی ہے، اور پانی بہرحال مستعمل نہ ہوگا خواہ نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ استعمال کے دو

---

[1] نہر الفائق

اولم ینو لوجود[1] احد سببی الاستعمال وانما کان لان فرض المسح یتأدی باصابۃ البلۃ اذ ھو اسم للاصابۃ دون الاسالۃ فلم یزل شیئ من الحدث الی الماء الباقی فی الاناء وانما زال الی البلۃ وکذا اقامۃ القربۃ تحصل بھا فاقتصر حکم الاستعمال علیھا اھ[1] وھذا ینادی باعلی نداء ان عدم انتقال الحدث الی باقی الماء فی الاناء واقتصار حکم الاستعمال علی البلۃ فی صور المسح انما کان لانہ لا یحتاج الا الی بلۃ فبھا یتأدی فرضہ وبھا تقوم قربتہ فھو لم یستعمل الماء بل البلۃ بخلاف ما وظیفتہ الغسل فانہ اسالۃ فکان استعمالا للماء لا لمجرد بلۃ فیزول بہ الحدث الی جمیع ما فی الاناء لقلتہ ولا یقتصر حکم الاستعمال علی البلۃ الملاقیۃ لسطح البدن

سببوں میں سے ایک پایا جا رہا ہے اور یہ اس لیے ہوا کہ مسح کا فرض ادنٰی تری سے ادا ہوجاتا ہے کیونکہ مسح لگنے کو کہتے ہیں نہ کہ بہانے کو، تو حدث میں سے کوئی چیز چھوٹ کر برتن میں باقی نہیں آئی صرف تری تک منتقل ہوئی اور اسی طرح اس سے قربۃ قائم ہوتی ہے تو اس پر استعمال کا حکم محدود ہوگیا اھ اور اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسح میں حدث کا برتن میں باقی پانی کی طرف منتقل نہ ہونا اور استعمال کے حکم کا صرف تری تک محدود رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں محض تری کی ضرورت ہے اسی سے فرض ادا ہوجاتا ہے اور اسی سے قربۃ ادا ہوجاتی ہے، تو اس نے پانی کو استعمال نہیں کیا بلکہ اس نے تری کو استعمال کیا بخلاف اس کے جس میں دھونا ضروری ہے کیونکہ اس میں بہانا ضروری ہے تو وہاں پانی کا استعمال ہوگا محض تری کا نہیں ہوگا، تو حدث برتن کے تمام پانی کی طرف منتقل ہوگا کیونکہ وہ کم ہے اور استعمال کا حکم اس تری

---

[1] اقول قولہ لوجود متعلق بالمنفی ای صیرورۃ الماء مستعملا لوجود ازالۃ الحدث وان لم ینو واقامۃ القربۃ ایضا ان نوی منتفیۃ فلا یصیر مستعملا وان وجد السببان وانما کان ھذا الانتفاء لانہ لم یستعمل الماء بل البلۃ وذلک لان فرض المسح الخ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اقول اسکا قول لوجود، منفی سے متعلق ہے یعنی پانی کا مستعمل ہونا حدث کے ازالہ کی وجہ سے اگرچہ نیت نہ کرے، اور قربۃ ادا کرنے سے بھی اگر نیت کرے منتفی ہے، تو مستعمل نہ ہوگا اگرچہ دونوں سبب پائے جائیں، اور یہ انتفاء اس لیے ہے کیونکہ اس نے پانی استعمال نہیں کیا صرف تری استعمال کی اور یہ اس لئے ہے کہ مسح کا فرض الخ ۱۲ منہ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الظاهر لان البلة لا يحصل بها اسالة ولا غسل فظهر الامر وبالله التوفيق فلا حجة فيه للمسوين بين الملاقي والملقى وليس مبناه على تلك المسألة۔

اقول والدليل القاطع عليه ان ابا يوسف القائل بنجاسة الماء المستعمل لم يقل ههنا بالسريان قال الامام فقيه النفس ابو يوسف رحمه الله تعالٰی قال انما يتنجس الماء فی کل شئ يغسل اما ما يمسح فلا يصير الماء مستعملا[1] اھ مع اجماع اصحابنا ان النجاسة تسری فی القليل بلا فرق بين الكثير منها والقليل وقد تقدم التصريح به عن البدائع فانی فهم ما كان ذهب اليه وهل فی بادی الرای ان سبيل المسألة سبيل الخلف فی الملقی والملاقي واستنار ماذكرت جوابا عنه من الفرق بين الغسل والمسح اما توقفی فی وجهه فالوجه عند المجتهد وليس علينا ابداؤه۔

واقول يخطر ببالی والله تعالٰی اعلم ان الاجسام كما قدمت جواهر فردة متراكمة متفرقة حقيقة متصلة حسا وامر الغسل لايتأدی الا بجسم مائی ذی ثخن صالح

تک محدود نہ رہے گا جو بدن کے ظاہر کی سطح سے متصل ہے کیونکہ تری سے نہ بہانا حاصل ہوتا ہے نہ غسل، تو معاملہ بتوفیق اللہ ظاہر ہوگیا، اس میں ان لوگوں کیلئے حجت نہیں جو ملقی اور ملاقی میں فرق نہیں کرتے تو اسکی بنیاد اس مسئلہ پر نہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں، اس پر قطعی دلیل یہ ہے کہ ابو یوسف جو مستعمل پانی کی نجاست کے قائل ہیں وہ یہاں سرایت کا قول نہیں کرتے، امام فقیہ النفس نے فرمایا کہ امام ابو یوسف فرمایا "پانی ہر اس چیز میں نجس ہوتا ہے جو دھوئی جاتی ہے اور جس پر مسح کیا جاتا ہے اس سے مستعمل نہ ہوگا اھ حالانکہ ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ نجاست تھوڑے پانی میں سرایت کرتی ہے خواہ کم ہو یا زائد، بدائع سے اس کی تصریح گزر چکی ہے تو ان کا جواب ہوگیا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ خلف کی طرح ہے ملقی اور ملاقی میں اور جو جواب میں نے ذکر کیا وہ بھی واضح ہوگیا یعنی یہ کہ غسل اور مسح میں فرق ہے اور اس کے استدلال میں میرا توقف کرنا اس لیے ہے کہ دلیل پیش کرنا مجتہد کا کام ہے، اور ہمیں اس کا ظاہر کرنا لازم نہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ بہتر جانتا ہے میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ اجسام جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا جواہر فردہ ہیں تہ بہ تہ ہیں حقیقۃً متفرق ہیں اور حسًّا متصل ہیں، اور دھونا ایسے جسم سے ہوسکتا ہے جو پانی کا

---

[1] فتاوٰی قاضی خان الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

یری سائلا علی البدن سیلا نافلا بد فیه من اعتبار المحسوس وفی الحس الماء الکائن فی محل واحد شیئ متصل واحد فحصل الاستعمال للکل لحصول الملاقی للکل کما فی نجاسة ترد علی الماء وانما سقط الحکم عن الکثیر لان الشرع جعله کالجاری فلایتأثر مالم یتغیر کما سبق تقریر کل ذلک اما المسح فمجرد اصابة من دون اسالة فتکفی فیه جواھر قریبة تفید بلة وھی منفصلة عما فوقھا فیقتصر اللقاء علیھا ولا یتعدی الی سائر الاجزاء لعدم الحاجة الی ترك الحقیقة وبه استبان ما قالوا ھنا من قصر اللقاء علی البلة وظھر الجواب عما ذکرت فیه من النظر واشار الیه المحقق حیث اطلق ابن الھمام بقوله فیه نظر ھذا ما عندی فی تقریرہ وجھد المقل دموعه ویحتاج الی تلطیف القریحة وکیف ما کان لاحجة فیه للمسوین بل ھو حجة علیھم لدلالة فحواہ ان قصر الحکم علی البلة دون بقیة ما فی الاناء لعدم الحاجة فی المسح الی الاسالة فافادان فیما وظیفته الاسالة یعم الحکم جمیع ما فی الاناء وھو المقصود۔

فائدہ ۱۰: اقول وباللہ التوفیق ھنا لفظان الوضوء من الحوض و

ہو اور اس میں حجم ہو اور جسم پر بہتا ہوا نظر آئے، تو اس میں محسوس کا اعتبار ضروری ہے اور حس میں وہ پانی جو ایک جگہ ہو متصل واحد ہے تو کل پانی مستعمل ہوگیا کیونکہ ملاقاۃ کل سے ہی ہے، جیسے کہ وہ نجاست جو پانی پر وارد ہو اور حکم کثیر سے اس لیے ساقط ہوگیا کیونکہ شریعت نے اس کو جاری کے حکم میں رکھا ہے، تو جب تک اس میں تغیر نہ ہو متاثر نہ ہوگا جیسے کہ اسکی تقریر گزری، اور مسح میں صرف پانی کا لگانا ہے نہ کہ بہانا ہے، تو اس کے لیے قریب جواہر ہونا کافی ہے جن سے تری پیدا ہوتی ہے اور وہ جواہر اوپر والوں سے جدا ہیں تو ملاقاۃ اسی پر منحصر رہے گی اور باقی اجزاء کی طرف منتقل نہ ہوگی کیونکہ ترک حقیقۃ کی حاجت نہیں اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ملاقاۃ صرف تری تک محدود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا، اور جو نظر میں نے ذکر کی ہے اس سے جواب ظاہر ہوگیا، اور محقق نے اس کی طرف اشارہ کیا کیونکہ ابن ہمام نے فرمایا اس میں نظر ہے میرے نزدیک اسکی تقریر یہی ہے، بہرصورت ان کیلئے اس میں کوئی حجۃ نہیں جو ملقی اور ملاقی میں برابری کے قائل ہیں، بلکہ یہ اُن کے خلاف حجۃ ہے، کیونکہ اس کا فحوٰی اس پر دلالت کرتا ہے کہ حکم تری پر مقصور ہے، جو برتن میں باقیماندہ پانی ہے اس پر نہیں ہے کیونکہ مسح میں اسالۃ کی ضرورت نہیں، تو انہوں نے بتایا کہ جہاں بہانا ہوتا ہے وہاں حکم برتن کے تمام پانی کو عام ہوتا ہے اور یہی مقصود ہے (ت)

فائدہ ۱۰: میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں، یہاں دو لفظ ہیں الوضوء من الحوض اور الوضوء فی الحوض۔ قاسم نے

[ف۱] به عبر العلامة قاسم تسامحا وفى الحوض وبه عبر العلامة ابن الشحنة [ف۲] وسوى بينهما البحر فتارة يقول من كصدر مقالته واسم رسالته واخرى فى كما فى عبارته وقد علمت ان الثانى يحتمل وجهين الوضوء خارجه بحيث تقع الغسالة فيه ولو بعد الجريان على الارض والوضوء فيه بغمس الاعضاء ذاك ملقى وهذا ملاق واللفظ الاول يحتمل ثلثة وجوه هذين والوضوء خارجه بالاغتراف منه بحيث لا تصل الغسالة اليه كالوضوء من بئر زمزم وهذا الثالث على ثلثة وجوه الاغتراف باناء بحيث لا يصيب شئ من يده الماء وباليد لعدم اناء او مع وجوده فالاول جائز بالاجماع ولا يتوهم تطرق خلل به الى الماء وكذا الثانى لمكان الضرورة الا اذا ادخل اكثر من قدر الحاجة او قدرها للاغتراف ثم نوى الغسل فيه فان هذين يعودان الى صورة الغمس كالثالث ففى هذه الاربع[له] يصير الماء كله مستعملا

تسامح سے کام لیتے ہوئے من الحوض سے تعبیر کیا اور ابن الشحنہ نے الوضوء فی الحوض سے تعبیر کیا اور بحر نے ان دونوں کو برابر کیا، کبھی تو من کہتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے اپنے مقالہ کی ابتداء اور رسالہ کے نام میں، اور کبھی فی استعمال کیا جیسا کہ عبارات کے درمیان میں کیا۔ اور آپ جان چکے ہیں دوسرا دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے، ایک تو وضو حوض کے باہر اس طرح کہ دھوون حوض میں گرے خواہ زمین پر بہہ کر جائے اور ایک یہ کہ وضو اس طرح کیا جائے کہ حوض میں اعضاء ڈبوئے جائیں وہ ملقی ہے اور یہ ملاقی ہے اور پہلا لفظ تین وجوہ کا محتمل ہے، دو تو یہی اور تیسری یہ کہ حوض کے باہر بیٹھ کر حوض سے چلو بھر پانی لیں اس طرح کہ دھوون حوض تک نہ پہنچے جیسے زمزم کے کنویں سے کیا جاتا ہے۔ اور اس تیسری وجہ میں بھی تین وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ برتن سے پانی لیں اس طرح کہ ہاتھ پانی کو نہ لگے، دوسرے یہ کہ ہاتھ سے لیں جبکہ برتن نہ ہو، تیسرے یہ کہ ہاتھ سے لیں لیکن برتن موجود ہو تو پہلا بالاجماع جائز ہے اور اس سے پانی میں خلل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور دوسرا بھی جائز ہے کیونکہ ضرورت ہے، ہاں اگر ضرورت سے زائد ہاتھ داخل کیا یا بقدرِ ضرورت ڈالا پھر اس میں غسل کا ارادہ کیا تو یہ دونوں صورتیں ڈبونے کی صورت

له ای ادخال الزائد علی قدر حاجة الاغتراف ونیة الغسل فیه والاغتراف بید محدثة مع وجود الاناء والوضوء فیه بغمس الاعضاء اھ منه غفرله۔ (م)

یعنی چلّو کی مقدار سے زیادہ داخل کرنا اور پانی میں دھونے کی نیت کرنا اور برتن کے ہوتے ہوئے محدث ہاتھ کے ذریعے پانی نکالنا اور پانی میں اعضاء ڈبو کر وضو کرنا اھ منہ غفرلہ (ت)

قلیلاکان اوکثیرا مالم یکن کثیرا اما لول الثانی اعنی الوضوء خارجہ مع وقوع الغسالۃ فیہ فالصحیح المعتمد انہ لایفسد الماء مالم یساوہ اویغلب علیہ هذہ احکام الصور الخمس قد وضحت بحمد اللّٰہ تعالٰی مثل الشمس وبہ ظهر ان العلامۃ عبدالبر اصاب فی حکم الاربع الاول دون الخامس والعلامتان القاسم والبحر ومن تبعهم بالعکس ثم معہ فیما خالف الصحیح عدۃ روایات واقوال مفصلۃ فی البدائع وغیرها ان الماء المستعمل یفسد المطلق مطلقا وان قل اواذا استبان مواقع القطر اواذا سال سیلانا والکل حاصل فی الوضوء فی الحوض الصغیر بالمعنی الاول بخلاف هٰؤلاء الجلۃ فلیس بایدیهم الا بحث وقع فی البدائع علی خلاف النصوص المتواترۃ واجماع ائمۃ المذهب رضی اللّٰہ تعالٰی عنهم والحق، هو هذا الفرق، الذی وفق المولی سبحنہ وتعالٰی عبدہ الذلیل، بتحقیقہ الجلیل، بحیث احاط ان شاء اللّٰہ تعالٰی بکل کثیر وقلیل، وبلغ الغایۃ القصوی فی التفریع والتاصیل، فلہ الحمد علی ما اولی، وافضل الصلوات العلی، والتسلیمات الزاکیات المبارکات علی المولی، والہ وصحبہ، وابنہ وحزبہ، کما یحب ربنا ویرضی، اٰمین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین، واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم، علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

میں شامل ہیں، جیسی کی تیسری، تو ان چاروں صورتوں میں کل پانی مستعمل ہوجائیگا خواہ کم ہو یا زیادہ، جب تک کثیر نہ ہوجائے لیکن دوسرے کا پہلا یعنی حوض کے باہر وضو کرنا اس طرح کہ دھوون اس میں گرتا رہے تو صحیح اور معتمد یہ ہے کہ جب تک وہ پانی کے برابر نہ ہو یا اس پر غالب نہ ہو پانی کو فاسد نہ کرے گا، یہ پانچوں صورتوں کے احکام ہیں اور میں نے بحمداللہ سورج کی طرح واضح کردیا ہے اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ علامہ عبدالبر نے پہلی چار صورتوں کے بیان میں کوئی غلطی نہیں کی مگر پانچویں میں غلطی کی اور علامہ قاسم اور بحر اور ان کے متبعین نے برعکس کیا پھر ان کے ساتھ ان صورتوں میں جن میں مخالفت کی متعدد روایات و اقوال ہیں جن کی تفصیل بدائع وغیرہ میں ہے، مثلاً یہ کہ مستعمل پانی مطلق پانی کو مطلقاً فاسد کردیتا ہے خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، یا قطروں کے مقامات ظاہر ہوں یا جبکہ خوب بہے اور یہ سب چھوٹے حوض میں وضو کرنے سے حاصل ہے، لیکن پہلے معنی کے اعتبار سے، بخلاف ان جلیل القدر علماء کے کہ ان کے ہاتھ میں سوائے اُس بحث کے کچھ نہیں جو نصوص متواترہ، اجماعِ ائمہ مذہب کے خلاف بدائع میں واقع ہے، اور حق وہ فرق ہے جس کی اپنے ذلیل بندے کو مولٰی سبحنہٗ نے توفیق دی تحقیق جلیل کی کہ اس نے کثیر وقلیل کا احاطہ کیا اور انتہا کو پہنچا اُس کی حمد سب سے اولٰی ہے بہتر صلٰوۃ و سلام افضل مبارک مزکی آقا پر ان کے آل اصحاب اولاد جماعت پر جیسا کہ ہمارا رب پسند فرمائے آمین والحمدللہ رب العالمین الٰی اٰخرہٖ ۔ (ت)

مسئلہ ۳۰ مرسلہ مولوی نذر امام صاحب مدرس سہسوانی ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص غسلِ جنابت کی حاجت میں غسل حوض میں کرے تو حوض پلید ہوجائے گا یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حوض میں کوئی شخص متواتر گھُسے تو پلید ہوجاتا ہے بکر کہتا ہے آدمی پاک صاف گھُسا تو نہ پلید ہوتا ہے نہ مکروہ، ہاں نجاست سے رنگ بُو مزہ بدل جائیگا تو پلید ہوجائیگا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حوض کتنا ہی چھوٹا پانی کتنا ہی کم ہو کسی پاک صاف آدمی کے جانے نہانے سے جس کے بدن پر کوئی نجاستِ حقیقیہ نہ لگی ہو ہرگز ناپاک نہیں ہوتا اگرچہ اسے نہانے کی حاجت ہی ہو اگرچہ وہ خاص ازالہ جنابت ہی کی نیت سے اُس میں گیا ہو ہمارے ائمہ کے صحیح و معتمد و مفتی بہ مذہب پر غسل بھی اُتر جائے گا اور حوض بھی بدستور پاک رہے گا اور اگر آبِ حوض مائے کثیر کی مقدار پر ہے جب تو جنب کے نہانے سے مستعمل ہونا درکنار با جماعِ تمام ائمہ کرام کسی نجاست حقیقیہ کے گرنے سے بھی ہرگز ناپاک نہ ہوگا جب تک اس قدر کثرت سے نجاست نہ گرے کہ اس کے رنگ یا بُو یا مزہ کو بدل دے اسی پر فتوٰی ہے یا ایک قول پر اُس کا نصف یا اکثر نجاستِ مرئیہ پر ہو کر گزرے بہتا پانی تو باجماعِ قطعی تمام اُمتِ محمدیہ علی سیدہا افضل الصلوۃ والتحیۃ آبِ کثیر سے بھی بغیر اُس تغیر یا مرور کے کسی طرح ناپاک نہیں ہوسکتا جیسے دہلی میں مسجد فتحپوری کا حوض جس میں جمنا سے لائی ہوئی نہر پڑی ہے اور ٹھہرے ہوئے پانی میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں:

(۱) جس پر آدمی کا دل شہادت دے کہ ایک کنارے کی پڑی ہوئی نجاست کا اثر دوسرے کنارے تک نہ پہنچے گا اُس کے حق میں وہی کثیر ہے اور اثر نہ پہنچنے کا معیار یہ کہ ایک کنارے پر وضو کیا جائے تو دوسرے کنارے کا پانی فوراً اُٹھے اور نیچے نہ ہونے لگے نری حرکت یا دیر کے بعد پانی کے اُٹھنے بیٹھنے کا اعتبار نہیں۔

(۲) جس کی مساحت سطح بالائی دہ در دہ یعنی اُس کے طول و عرض کا مسطح سَو ہاتھ ہو اور گہرا اتنا کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھُلے وُہ کثیر ہے ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب وہی قولِ اول ہے اور عام متونِ مذہب نے قولِ ثانی اختیار کیا اور بکثرت مشایخ اعلام نے اُس پر فتوٰی دیا بہرحال یہ قول بھی باقی تمام مذاہب کے اقوال سے زیادہ احتیاط رکھتا ہے ہاں اگر پانی مقدارِ کثیر سے کم ہے تو البتہ کتنی ہی ذراسی نجاست اگرچہ خفیفہ کے گرنے یا کسی ایسے شخص کے نہانے سے جس کے بدن پر کچھ بھی نجاستِ حقیقیہ لگی تھی ضرور بالاتفاق ناپاک ہوجائیگا اور ہمارے جمیع ائمہ مذہب کے مذہب صحیح و معتمد پر جبکہ اُس سے کوئی فرض طہارت ساقط ہو (مثلاً جنب نہائے یا محدث وضو کرے یا بالضرورت طہارت مثلاً چلّو میں پانی لینے کے سوا صاحب حدث کے کسی بے دھوئے

عضو کا جسے دھونا ضرور تھا کوئی جُز کسی طرح اگرچہ بلا قصد اُس سے دُھل جائے) یا بہ نیت قربت استعمال میں لایا جائے (مثلاً باوضو آدمی وضوئے تازہ کی نیت سے اُس میں کسی عضو کو غوطہ دے کر دھوئے) سارا پانی مستعمل ہوجائیگا کہ پاک تو ہے مگر غسل و وضو کے قابل نہ رہا جب حوض صغیر میں یہ صورت واقع ہو تو اُس کے مطہر کرنے کے لیے دو باتوں میں سے ایک کرنا چاہیے یا تو مطہر پانی مستعمل پر غالب کردینا یا حوض کو لبریز کر کے مطہر پانی سے بہادینا اوّل کی صورت یہ ہے کہ حوض میں خود ہی اُس شخص کے نہاتے یا بے دُھلا عضو بلا ضرورت ڈالتے وقت نصف حوض سے کم پانی تھا تو اب مطہر پانی سے بھردیں کہ یہ مستعمل سے زیادہ ہوگیا اور اگر اُس وقت نصف یا زیادہ حوض میں پانی تھا تو پہلے اتنا پانی نکال دیں کہ حوض کا اکثر حصہ خالی ہوجائے پھر منہ تک بھردیں مثلاً ہموار حوض کہ زیر و بالا یکساں مساحت رکھتا ہے دو گز گہرا ہے اور اس شخص کے نہاتے وقت اُس میں گز بھر پانی تھا تو پاؤ گرہ پانی نکال دیں اور سترہ گرہ تھا تو سوا گرہ کھینچ دیں کہ بہرحال سوا سولہ گرہ خالی اور پونے سولہ میں پانی رہے پھر نئے پانی سے لبالب بھردیں اور دوم کی شکل یہ کہ حوض میں اُس وقت پانی کتنا ہی ہو اُس میں سے کچھ نہ نکالیں اور نیا پانی اُس میں پہنچاتے جائیں یہاں تک کہ کناروں سے اُبل کر بہ جائے یہ دوسرا طریقہ ناپاک حوض کے پاک کرنے میں بھی کفایت کرتا ہے جبکہ ناپاک چیز نکالنے کے قابل نکال کر پانی سے اُبال کر بہادیں ظاہر ہے کہ اُس وقت حوض میں پانی نصف سے جتنا کم ہو پہلا طریقہ آسان تر ہوگا دو گز گہرے حوض میں اُس وقت چار ہی گرہ پانی تھا تو صرف چار گرہ پانی اور سینچا کر چند ڈول زیادہ ڈال دیں کہ مستعمل سے مطہر اکثر ہوگیا اور اُس وقت پانی نصف سے جتنا زاید ہو دوسرا طریقہ سہل تر ہوگا کہ اُس میں نکالنا کچھ نہ پڑے گا اور کم حصہ خالی ہے جسے بھرکر اُبالنا ہوگا اور جہاں دونوں صورتیں دشواری و حرج صریح رکھتی ہوں وہاں اگر قول بعض علماء پر عمل کرکے اُس میں سے بیس ہی ڈول نکال دیں تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی اسی قدر کافی ہو یرید اللّٰہ بکم الیسر ولایرید بکم العسر (اللہ تعالٰی تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ ت) اور سب سے زیادہ صورت ضرورت یہ ہے کہ وہاں کنواں نہ ہو مینہ سے حوض بھرتا ہو اور ہوگیا مستعمل اب اُس کے بہانے یا مستعمل پر مطہر بڑھانے کے لیے پانی کہاں سے لائیں لہٰذا اس صورت ثالثہ پر عمل ہوگا و باللہ التوفیق۔

درمختار میں ہے:

لایجوز (ای رفع الحدث) بماء استعمل لاجل قربۃ او اسقاط فرض بان یدخل یدہ او رجلہ فی حب لغیر اغتراف و نحوہ اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر علی المذھب وھو طاھر ولو من جنب وھو الطاھر

جائز نہیں (یعنی رفع حدث) اُس پانی سے جو حدث دُور کرنے یا قربۃ حاصل کرنے کے لیے استعمال میں لایا گیا ہو مثلاً یہ کہ اپنا ہاتھ یا پیر کسی گھڑے میں داخل کردے اور اس کو مقصود چلّو بھر کر پانی لینا نہ ہو تو وہ عضو سے جُدا ہوتے ہی مستعمل ہوجائے گا خواہ اس پر

لیس بطھور لحدث علی المعتمد محدث انغمس فی بئر ولا نجس علیہ الاصح انہ طاھر والماء مستعمل[1] اھ ملتقطا۔	نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے اور یہ پاک ہی رہے گا خواہ ناپاک آدمی ہی کیوں نہ ہو اور وہ طاہر ہے، پاک کرنے والا نہیں ہے، معتمد قول یہی ہے، اگر کوئی

بے وضو کسی کنویں میں غوطہ لگائے اور اس کے جسم پر کوئی نجاست نہ ہو اصح یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور پانی مستعمل ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ الاصح ھذا القول ذکرہ فی الھدایۃ روایۃ عن الامام قال الزیلعی والھندی وغیرھما تبعا لصاحب الھدایۃ ھذہ الروایۃ اوفق الروایات وفی فتح القدیر وشرح المجمع انہا الروایۃ المصححۃ قال فی البحر فعلم ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور[2] اھ مختصرا۔	اس کا قول الاصح، اس قول کو ہدایہ میں امام سے بطور روایت کے ذکر کیا ہے، زیلعی اور ہندی وغیرہما نے صاحبِ ہدایہ کی متابعت میں کہا کہ یہ روایت اوفق الروایات ہے، فتح القدیر اور شرح المجمع میں ہے کہ تصحیح شدہ روایت یہی ہے، بحر میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذہب مختار اس مسئلہ میں یہ ہے کہ آدمی پاک ہے، پانی پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں اھ مختصرا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الغلبۃ لو المخالط مماثلا کمستعمل بالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطہیر والالا[3] اھ ملتقطا۔	غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوگا اگر ملنے والا مماثل ہو جیسے مستعمل پس اگر مطلق اکثر ہے نصف سے، تو تطہیر جائز ہے ورنہ نہیں اھ ملتقطا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای وان لم یکن المطلق اکثر بان کان اقل اومساویا لایجوز[4] اھ۔	یعنی اگر مطلق زاید نہ ہو مثلاً یہ کہ کم ہو یا مساوی تو جائز نہیں اھ (ت)

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۸

[3] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[4] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

درمختار میں ہے :

يجوز بجار وقعت فيه نجاسة ان لم ير اثره وهو طعم او ريح او لون) ظاهرة يعم الجيفة ورجحه الكمال وقال تلميذه قاسم انه المختار وقواه في النهر واقره المصنف وفي القهستاني عن المضمرات عن النصاب وعليه الفتوى وقيل ان جرى عليه نصفه فاكثر لم يجز وهو احوط (وكذا) يجوز (براكد) كثير وقع فيه نجس لم ير اثره ولو في موضع وقوع المرئية به يفتى بحر (والمعتبر) في مقدار الراكد (اكبر رأى) المبتلى به (فان غلب على ظنه عدم خلوص النجاسة الى الجانب الاخر جاز والا لا) هذا ظاهر الرواية وهو الاصح غاية وغيرها وفي النهر ان اعتبار العشر اضبط ولاسيما في حق من لا رأى له من العوام فلذا افتى به المتأخرون الاعلام[1] اھ مختصرا۔

وضو جائز ہے اُس جاری پانی سے جس میں نجاست گری اور اس کا اثر یعنی مزہ، بُو یا رنگ اس میں ظاہر نہ ہو، بظاہر یہ مردہ کو بھی عام ہے، کمال نے اس کو ترجیح دی ہے اور ان کے شاگرد قاسم نے کہا کہ یہی مختار ہے، اور نہر میں اس کو تقویت دی اور مصنف نے اس کو برقرار رکھا، اور قہستانی میں مضمرات سے نصاب سے منقول ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے اور کہا گیا کہ اگر اس پر آدھا یا زائد جاری ہو تو جائز نہیں اور یہی احوط ہے (اور اسی طرح) جائز ہے (ٹھہرے ہُوئے) کثیر پانی سے جس میں نجاست گری ہو اور اس کا اثر غیر مرئی ہو خواہ اُس جگہ سے ہو جہاں نجاست نظر آتی ہو اسی پر فتوٰی ہے بحر (اور معتبر) ٹھہرے ہوئے پانی کی مقدار میں (جس طرف رائے کا رجحان ہو) یعنی اس شخص کی رائے جو اس معاملہ سے متعلق ہے، (اگر اس کو یہ ظن غالب ہے کہ نجاست یہاں سے تجاوز کرکے دوسری طرف نہیں گئی ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں) یہ ظاہر روایت ہے اور یہی صحیح ہے غایۃ وغیرہ میں۔ اور نہر میں ہے کہ دس ہاتھ کا اعتبار کرلینا زائد مناسب ہے خاص طور پر اُن عوام کے حق میں جن کی اس سلسلہ میں کوئی رائے نہیں ہوتی ہے، اسی لیے متاخرین علما نے اسی پر فتوٰی دیا ہے اھ مختصرا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

في الهداية وغيرها ان الغدير العظيم مالا يتحرك احد طرفيه بتحرك الطرف الأخر وفي

ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ بڑا تالاب وہ ہے کہ جس کے ایک کنارہ کی حرکت سے دوسرے کنارے کو حرکت

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۱

في المعراج انه ظاهر المذهب وفي الزيلعي ظاهر المذهب وقول المتقدمين حتى قال في البدائع والمحيط اتفقت الرواية عن اصحابنا المتقدمين انه يعتبر بالتحريك وهو ان يرتفع و ينخفض من ساعته لا بعد المكث ولا يعتبر اصل الحركة والمعتبر حركة الوضوء هو الاصح محيط و حاوي القدسي ولا يخفى عليك ان اعتبار الخلوص بغلبة الظن بلا تقدير شيء مخالف في الظاهر لاعتباره بالتحريك لان غلبة الظن امر باطني يختلف و تحريك الطرف الاخر حسي مشاهد لا يختلف مع ان كلا منهما منقول عن ائمتنا الثلثة في ظاهر الرواية ولم ار من تكلم على ذلك ويظهر لي التوفيق بان المراد غلبة الظن بانه لو حرك لوصل الى الجانب الاخر اذا لم يوجد التحريك بالفعل فليتأمل[1] اه ملخصا۔

نہ ہو، اور معراج میں ہے کہ ظاہر مذہب یہی ہے۔ اور زیلعی میں ہے کہ یہی ظاہر مذہب ہے اور متقدمین کا قول ہے، یہاں تک کہ بدائع اور محیط میں ہے کہ ہمارے اصحاب متقدمین کی روایت اس پر متفق ہے کہ اعتبار ہلانے کا ہے اس کے ساتھ ہی پانی اوپر نیچے ہونے لگے نہ کہ دیر بعد، اور عام حرکت کا اعتبار نہیں، اور معتبر وضو کی حرکت ہے، یہی اصح ہے، محیط اور حاوی قدسی۔ اور تجھ پر یہ بات مخفی نہ ہونی چاہئے کہ غالب ظن کا اعتبار بلا تقدیر شیئ ظاہر میں حرکت کے اعتبار کے مخالف ہے کیونکہ غلبہ ظن ایک باطنی امر ہے جس میں اختلاف ہوتا ہے، اور دوسرے کنارہ کو حرکت دینا ایک حسی امر ہے جس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پھر یہ دو قول حرکت کے ہمارے ائمہ ثلثہ سے ظاہر روایت میں منقول ہیں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس پر کلام کیا ہو، اس میں تطبیق کی شکل میرے نزدیک یہ ہو سکتی ہے کہ جب بالفعل تالاب کو حرکت نہ دی جائے تو اس امر کا غلبہ ظن ہونا چاہیے کہ اگر حرکت دی جاتی تو دوسرے کنارے پر حرکت پیدا ہوتی فلیتأمل اھ ملخصا۔ (ت)

اقول هذا الذي ابداه من التوفيق حسن بالقول حقيق فان من وجد في البرية ماء في احد جانبيه نجاسة فهل يؤمر ان يتوضأ في الطرف الاخر كي يجرب على نفسه انه يتحرك ام لا فان وجده يتحرك فليجتنب و اي شيء يجتنب وقد

میں کہتا ہوں تطبیق کی جو شکل انہوں نے پیش کی ہے نہایت مستحسن ہے کیونکہ اگر کوئی شخص جنگل میں پانی کا تالاب پائے جس کے ایک کنارہ پر نجاست ہو تو اب کیا یہ معقول بات ہوگی کہ اسے حکم دیا جائے، جاؤ اس کے دوسرے کنارے سے وضو کرکے تجربہ کرو کہ آیا اس طرح دوسرے کنارے پر حرکت ہوتی ہے

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۱

تلوث فاذن لیس المراد الا ان یغلب علی ظنہ انہ ان توضأ تحرك فما فی القول الاول بیان للمقصود وما ھنا بیان لمعرفتہ فان خلوص النجاسۃ امر باطنی لایوقف علیہ ووصول الحرك یعرفہ فما یظن فیہ ھذا ھو المظنون فیہ ذاك ومالا فلا ثم[1] المنقول فی البئر اذا انغمس فیھا محدث ولو جنبا نزح عشرین دلوا فقی ردالمحتار عن الوھبانیۃ مذھب محمد انہ یسلبہ الطھوریۃ وھو الصحیح عند الشیخین فینزح منہ عشرون لیصیر طھورا اھ[1] قال والمراد بالمحدث مایشمل الجنب ثم[2] وقع بینھم النزاع فی ان الصھریج وھو علی ما نقل الشافعیۃ عن القاموس الحوض الکبیر ھل ھو کالبئر فیکفی فیہ نزح البعض حیث یکفی ام کالزیر فیجب اخراج الکل وغسل السطوح للتطھیر بالاول افتی بعض معاصری العلامۃ عمر بن نجیم صاحب النھر متمسکا باطلاقھم البئر دون تقیید بالمعین وردہ فی النھر تبعا للبحر بما فی البدائع والکافی وغیرھما من ان الفارۃ لو وقعت فی الحب یھراق الماء کلہ قال ووجھہ ان الاکتفاء بنزح البعض فی الاٰبار علی خلاف القیاس بالاٰثار فلا یلحق بھا غیرھا ثم قال وھذا الرد انما

یا نہیں، اب اگر حرکت محسوس کرے تو وضو نہ کرے اور اب بچ کیسے سکتا ہے جبکہ اس کے اعضاء اس گندے پانی میں ملوّث ہوچکے ہیں، لہذا غلبۂ ظن سے مراد یہی ہے کہ اگر وہ وضو کرے تو دوسرے حصہ پر حرکت ہوگی، تو پہلے قول میں مقصود کا بیان ہے اور یہ معرفت کا بیان ہے کیونکہ نجاست کا دوسری جانب پہنچنا ایک باطنی امر ہے اس پر اطلاع نہیں ہوتی ہے، اور حرکت کے پہنچنے سے معلوم ہوتا ہے جہاں اس کا گمان ہے وہاں اُس کا بھی ہے اِس کا نہیں تو اُس کا بھی نہیں، پھر کنویں کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اگر بے وضو یا جنب کنویں میں غوطہ لگائے تو اُس سے بیس ڈول پانی نکالا جائیگا۔ ردالمحتار میں وہبانیہ سے منقول ہے کہ محمد کا مذہب یہ ہے کہ طہوریت سلب ہوجائیگی، اور شیخین کے نزدیک یہی صحیح ہے، تو اس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ وہ طہور ہوجائے اھ فرمایا اور محدث میں جُنب بھی شامل ہے، پھر فقہاء میں یہ اختلاف واقع ہوا کہ جو صہریج ہے شافعیہ نے قاموس سے نقل کیا کہ اس سے مراد بڑا حوض ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ کنویں کی طرح ہے تو اس کا کچھ پانی نکالنا کافی ہوگا یا زیر (سوتا) کی طرح ہے اور کل پانی نکالنا ہوگا اور اس کی سطحوں کو بھی دھونا پڑے گا، پہلے قول کے مطابق علامہ عمر بن نجیم صاحب نہر کے بعض معاصرین نے فتوٰی دیا اور فقہاء کے اس اطلاق سے استدلال کیا کہ انھوں نے کنویں میں سوتے والے اور

---

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۷

یتم بناء علی ان الصهریج لیس من مسمی البئر فی شیئ[1] اھ قال الشامی ای فاذا ادعی دخولہ فی مسمی البئر لایکون مخالفا للاٰثار ویؤیدہ ما قدمناہ من ان البئر مشتقۃ من بأرت ای حفرت والصهریج حفرۃ فی الارض لاتصل الید الی مائها بخلاف العین والحب والحوض والیہ مال العلامۃ المقدسی فقال مااستدل بہ فی البحر لایخفی بعدہ وان الحب من الصهریج لاسیما الذی یسع الوفاء من الدلاء[2] اھ لکنہ خلاف ما فی النتف ونصہ اما البئر فھی التی لها مواد من اسفلها اھ ای لها میاہ تمد وتنبع من اسفلها ولایخفی انہ علی ھذا التعریف یخرج الصهریج والحب والابار التی تملؤ من المطر ومن الانهار[3] اھ ما فی رد المحتار باختصار۔

بغیر سوتے والے میں فرق نہ کیا، اس کو نہر میں بحر کی متابعت میں رد کیا، کیونکہ بدائع اور کافی وغیرہ میں ہے کہ گڑھے میں چوہیا گرجائے تو کل پانی نکالا جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کنوئیں سے کچھ پانی کا نکالنا خلافِ قیاس ہے اور آثار کی وجہ سے ہے تو کنوئیں کے علاوہ کسی اور چیز میں یہ خلافِ قیاس نہ چلے گا، پھر فرمایا یہ رد اس بنا پر ہے کہ صهریج پر بئر کا اطلاق نہیں ہوتا اھ شامی نے کہا یعنی جب یہ دعوٰی کیا جائے کہ اس پر بھی بئر کا اطلاق ہوتا ہے تو آثار کے مخالف نہ ہوگا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بئر بأرت سے مشتق ہے یعنی "حفرتُ" (میں نے کھودا) صهریج اس گڑھے کو کہتے ہیں جس کے پانی تک ہاتھ نہ پہنچتا ہو، عین، حب، حوض اس کے برعکس ہے اور اسی طرف علامہ مقدسی مائل ہوئے ہیں، اور فرمایا جس سے بحر نے استدلال کیا ہے اس کا بُعد مخفی نہ رہے اور حب اور صهریج میں بڑا فرق ہے خاص طور پر وہ جس میں ڈول کی گنجائش ہو اھ مگر یہ نتف کے خلاف ہے اور اس کی عبارت یہ ہے اور کنواں وہ ہے جس کے نیچے سے سوتے ہوں اھ یعنی نیچے سے پانی نکلتا رہتا ہو، اور مخفی نہ رہے کہ صهریج، حب اور کنوئیں جو بارش سے بھر جاتے ہیں یا نہروں سے وہ اس تعریف سے خارج ہیں اھ ردالمحتار مختصراً (ت)

اقول وکون البئر من البأر یقتضی ان کل بئر محفورۃ لا ان کل محفور بئر ولاتنس ما حکوہ فی القارورۃ والجرجیر فی الدر

میں کہتا ہوں بئر کا بأر سے مشتق ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر بئر کھودا ہوا ہو، یہ نہیں کہ ہر کھودا ہوا بئر ہو، اور تم اسکو نہ بھلانا جو انہوں نے قارورہ اور جرجیر کے بارے میں حکایت کیا ہے

---

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۹

[2] ردالمحتار " " ۱/۱۵۹

[3] ردالمحتار " " ۱/۱۵۹

المختار عن حواشی العلامة الغزی صاحب التنویر علی الکنز عن القنیۃ ان حکم الرکیۃ کالبئر و عن الفوائد ان الحب المطمور اکثرہ فی الارض کالبئر قال فی الدر وعلیہ فالصھریج والزیر الکبیر نزح منہ کالبئر فاغتنم ھذا التحریر اھ قال الشامی الرکیۃ فی العرف بئر یجتمع ماؤھا من المطر فھی بمعنی الصھریج قال وھذا اسلم فی الصھریج دون الزیر لخروجہ عن مسمی البئر وکون اکثرہ مطمورا ای مدفونا فی الارض لایدخلہ فیہ لاعرفا و لا لغۃ وما فی الفوائد معارض باطلاق ما مر عن البدائع والکافی وغیرھما وفرق ظاھر بینہ و بین الصھریج کما قدمنا عن المقدسی اھ مختصرا۔

اور درمختار میں حواشی علامہ غزی صاحب تنویر کنز پر قنیہ سے ہے کہ "رکیہ" کا حکم کنویں کا سا ہے، اور فوائد سے ہے کہ حب مطمور کا اکثر حصہ اگر زمین کے اندر ہو تو وہ کنویں کی طرح ہے در میں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صہریج اور زیر کبیر سے کنویں کی طرح پانی نکالا جائے گا اس تحریر کو غنیمت جانو اھ شامی نے فرمایا کہ رکیہ عرف میں اس کنویں کو کہتے ہیں جس میں بارش کا پانی اکٹھا ہو جاتا ہے تو یہ صہریج کے معنی میں ہے، فرمایا یہ صہریج میں مسلّم ہے زیر میں نہیں، کیونکہ اس پر بئر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، اور اس کا بیشتر حصہ زمین میں مدفون اور دھنسا ہوا ہوتا ہے لہذا وہ عرفاً اور لغۃً کنواں نہیں ہے، اور جو فوائد میں ہے وہ بدائع اور کافی وغیرہ کے اطلاق کے معارض ہے اور اس میں اور صہریج میں واضح فرق ہے جیسا کہ ہم نے مقدسی سے نقل کیا اھ مختصرا۔ (ت)

اقول ھذا من الحسن بمکان لکن لایظھر التفرقۃ بین الحوض والصھریج فان عدم وصول الید الی الماء لیس داخلا فی مسمی البئر ولا الصھریج وانما البئر کما ذکر من البأر بمعنی الحفر او منہ بمعنی الادخار ویختلف قرب مائھا وابتعادہ باختلاف الارض والفصول ففی الاراضی الندیۃ وابان المطر

میں کہتا ہوں یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اس سے حوض اور صہریج میں فرق ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ پانی تک ہاتھ کا نہ پہنچ سکنا کنویں کے مفہوم میں شامل نہیں ہے اور نہ صہریج کے مفہوم میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا بئر، بأر سے ہے جس کے معنی کھودنے کے ہیں، یا بمعنی ذخیرہ کرنے کے ہیں، اور اس کے پانی کا قریب و بعید ہونا زمین اور موسموں کے اختلاف سے

عہ ناظر الی قولہ السابق بخلاف العین والحب والحوض اھ منہ (م)

جو اس کے قول سابق بخلاف العین والحب والحوض کی طرف نظر رکھتا ہوا ھ (ت)

لے درمختار، فصل فی البئر، مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹
ﷺ ردالمحتار، فصل فی البئر، مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۹

يقترب جدا لاسيما بقرب الانهار الكبار حتى
رأينا من الآبار ماينال ماؤها بالايدى و
اذا سالت السيول توعّتْ واستوت بالارض
وهى التى تسمى بالهندية چويا والحياض
كثيرا ماتكون بعيدة الغور، حتى اذا امتلأت
الى قدر النصف او ازيد منه قليلا لاتصل
الايدى الى مائها واذا امتلأت وصلت وكذلك
الزير الكبير وما الصهريج الاحوضا يجتمع
فيه الماء كما رأيته فى نسختى القاموس وعليها
شرح فى تاج العروس ومثله فى مختار الرازى
وفى الصراح صهريج بالكسر حوضچه آب[1]
اه وعلى ما اثرتم عن القاموس هو الحوض الكبير
يجتمع فيه الماء وهذا ايضا لايزيد على الحوض الا
بقيد الكبر والحوض حوض صغر او كبر ولا شك
ان الصهريج وان بعد قعره يملؤه الوادى
اذا سال فترآه يتدفق بماء سلسال وقد قال
ذو الرمة ؎

صوادى الهام والاحشاء خافقة
تناول الهيم ارشاف الصهاريج

فاذا كانت الابل ترتشف ارشافها بشفاهها
فما بال الايدى لاتصل الى مياهها والعلامة
المقدسى انما يميل الى التفرقة بين الحب
والصهريج بالحرج البين فى تفريغ الصهاريج
وغسلها ونشفها كالبئر بخلاف الزير واليه
يشير قوله لاسيما الذى يسع الوفا اذا علمت

ہوتا ہے چنانچہ ترزمینوں اور بارش کے موسم میں بہت
قریب ہوتا ہے خاص طور پر بڑی بڑی نہروں کے قریب،
یہاں تک کہ ہم نے بعض کنویں ایسے دیکھے جن میں
سے ہاتھ سے پانی نکالا جا سکتا ہے اور سیلاب کے
موسم میں تو یہ کنویں منہ تک بھر جاتے ہیں ہندی میں
اس کو "چویا" کہتے ہیں اور کسی حوض کی گہرائی زیادہ
ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ آدھے بھر جائیں
یا اس سے زائد تب بھی ان کے پانی تک ہاتھ نہیں
پہنچ پاتا ہے، جب بھر جاتے ہیں تب ہاتھ پہنچتا ہے
اور یہی حال بڑے زیر کا ہے اور صہریج بڑے حوض
کو کہتے ہیں جس میں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے، میرے
قاموس کے نسخہ میں یہی ہے اور تاج العروس میں
اس کی شرح ہے اور یہی چیز مختار الرازی میں ہے اور صراح
میں ہے صہریج بالکسر پانی کا چھوٹا حوض اھ اور جس کو
تم نے جو قاموس کے حوالہ سے ذکر کیا
ہے کہ صہریج بڑا حوض ہے جس میں پانی جمع
ہوتا ہے اور یہ بھی حوض ہی ہے، صرف بڑا ہوتا ہے،
اور حوض تو حوض ہی ہوتا ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا،
اور اس میں شک نہیں کہ صہریج خواہ کتنا ہی گہرا ہو
اس کو وادی بھرتی ہے، جب وہ بھر جاتا ہے تو
اس سے پانی اُچھل کر نکلتا ہے ذوالرمہ نے کہا ہے

؎ صوادى الهام والاحشاء خافقة
تناول الهيم ارشاف الصهاريج

(پتلی کمر والی اشراف عورتیں اس طرح سیراب ہوتی ہیں
جیسے پیاسے اونٹ حوضوں کے بقیہ پانی کو پیتے ہیں)

[1] الصراح، باب الجیم فصل الصاد مطبع مجیدی کانپور ص ۸۸

هذا فاعلم انا لو اقتصرنا فی المسألة علی ما نص علیه العلامتان قاسم والبحر وتبعه کثیر ممن جاء بعدہ من الاعلام ان المستعمل لیس الا ما لاقی البدن لم نحتج الی الامر بنزح شیئ اصلا لان الملاقی اقل بکثیر من الباقی فالطھوریۃ لم تسلب حتی تجلب لکنه خلاف نصوص ائمۃ المذھب المنقول فی الکتب المعتمدۃ اجماعھم علیه فوجب الرجوع الی المذھب واعتریح الخلاف بین انه کالبئر او کالنزیر فعملنا بالایسر عند الحرج وبالاجزاء او تفریغ الاکثر حیث لا حرج کی یصیر جاریا او المطلق اکثر اجزاء وبالاجماع یجزئ فی الطھور اجزاء فھذا تحقیق ما عولنا علیه، والحمد لله ومنه والیه، ھکذا ینبغی التحقیق، واللّٰہ سبحنه وتعالٰی ولی التوفیق، وما ذکرنا من مسألة الاجزاء فتحقیقه فی ردالمحتار وقد ذکرناہ فی مواضع من فتاونا۔

توجب اونٹ اپنے ہونٹوں سے حوض سے پانی پیتے ہیں تو ہاتھ پانی تک کیوں نہیں پہنچتے ہیں، اور علامہ مقدسی 'حب' اور 'صہریج' میں فرق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صہاریج کو خالی کرنے میں بہت حرج ہوتا ہے اسی طرح ان کو دھونا اور سکھانا بھی مشکل ہے جیسے کنواں، بخلاف 'زیر' کے، اور اسی طرف انہوں نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ "خاص طور پر وہ جس میں" و غا "سما سکے، جب آپ نے یہ جان لیا تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اگر مسئلہ میں علامہ قاسم اور بحر اور ان کے پیروکاروں کی طرح صرف اسی پر اکتفاء کرتے کہ مستعمل صرف وہی ہے جو بدن سے ملاقی ہو، تو ہمیں کچھ پانی نکالنے کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جو ملاقی ہے وہ بہت ہی کم ہوتا ہے بہ نسبت باقی کے تو طہوریت اسی وقت تک سلب نہ ہوگی جب تک کہ آزمایا نہ جائے لیکن یہ ائمہ مذہب کے نصوص کے خلاف ہے جو کتب معتمدہ میں منقول ہیں اور اسی پر اُن کا اجماع ہے تو مذہب کی طرف رجوع لازم ہے اور اس وقت اختلاف ظاہر ہوا ہے درمیان اس کے کہ آیا یہ کنویں کی طرح ہے یا زیر کی طرح ہے اور ہم نے جو اَیسر تھا اس پر عمل کیا حرج کے جاری کرنے کے وقت اور اکثر کے خالی کرنے کا حکم اس جگہ دیا جہاں کوئی حرج نہ ہو تاکہ وہ جاری ہوجائے یا مطلق کے اجزاء زیادہ ہوں اس کی طہوریت کے لیے اجماع کافی ہے یہ وہ تحقیق ہے جو ہم نے بیان کی۔ تمام تعریف اللہ کی اسی کے لیے، تحقیق کو یہی لائق تھا، اللہ سبحانہ بلند توفیق کا والی ہے، ہم نے اجزاء کے مسئلہ کی جو تحقیق بیان کی ہے وہی ردالمحتار میں ہے اپنے فتاوٰی میں ہم نے بہت جگہ ذکر کیا ہے۔ (ت)

رہا زید کا کہنا کہ کوئی شخص متواتر داخل ہو تو پلید ہوجائے گا اس کا محض غلط ہونا تو ظاہر ہے کہ جس روایت پر مستعمل پانی نجس ہے پانی ایک ہی بار سے پلید ہوجائے گا اور صحیح و معتمد مذہب پر لاکھ بار سے بھی پلید نہ ہوگا

ہاں علامہ زین قاسم و علامہ زین بن نجیم کی نظر اس میں مختلف ہوئی کہ بکثرت آدمیوں کے نہانے سے حوض صغیر کا سب پانی مستعمل ہوجائے گا یا نہیں، اول نے ثانی اور ثانی نے اول کا استظہار کیا۔

اقول عندی الاظہر ھو الثانی (میرے نزدیک اظہر ثانی ہے۔ت) مگر اس کی بنا اُن کے اُس خیال پر ہے کہ پانی کا جو حصہ بدن سے ملا اُتنا ہی مستعمل ہوتا ہے تو ایک آدمی کے نہانے سے سارا پانی کیونکر مستعمل ہوسکتا ہے ہاں بہت سے نہائیں تو یہ شُبہ جاتا ہے کہ پانی کے جتنے حصّے ان سب کے بدن سے ملے وہ باقی پانی کے برابر یا اُس سے زائد ہوجائیں تو سب مستعمل ہوجائیگا مگر وہ خیال صحیح نہیں مذہب معتمد و صحیح یہی ہے جو پانی آب کثیر کی حد کو نہ پہنچا ہو وہ ایک آدمی کا نہانا کیا ناخن کا ایک کنارہ بے ضرورت ڈوب جانے سے سب مستعمل ہوجاتا ہے وقد نقلوا علیہ الاجماع فی غیر ما کتاب واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۱ مرسلہ ڈاکٹر محمد واعظ الحق صاحب سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسروپور ضلع پٹنہ ۲ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارش کا پانی اگر کسی خندق میں جمع ہوجائے اور وہ خندق دس گز سے لمبا چوڑا زیادہ ہو مگر بستی کے قریب ہو اور اس میں بستی کا پانی جاتا ہو اس میں غسل کرنا اور وضو بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جس خندق کی مساحت دہ در دہ ہے یعنی طول و عرض کے ضرب دینے سے سو ہاتھ حاصل ہوں مثلاً دس ہاتھ طول ہو دس ہاتھ عرض یا بیس ہاتھ طول، پانچ ہاتھ عرض یا پچاس ہاتھ طول، دو ہاتھ عرض اور ان سب صورتوں میں اس کا گہراؤ اتنا ہو لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھل جائے تو اب اس میں دو صورتیں ہیں اگر پہلے اُس میں بارش کا پانی بھر گیا اُس کے بعد گھروں کا پانی پاک ناپاک ہر طرح کا خواہ صرف ناپاک ہی آکر ملا تو جب تک خاص نجاست کے سبب اُس کے رنگ یا بُو یا مزے میں تغیر نہ آئے پانی پاک رہے گا اور اُس سے وضو و غسل جائز اور اگر پہلے بستی کا پانی اُس میں آکر مستقر ہوگیا تو اولا یہ نظر کرنا ہے کہ وہ پانی ناپاک بھی تھا یا نہیں اگر ناپاک نہ تھا جب تو ظاہر ہے مثلاً پانی برسا اور مکانوں کے ہر گونہ پانیوں کو اپنے ساتھ بہا کر اس خندق میں لایا اور اُس کے رنگ، مزے، بُو کسی میں نجاست کے باعث تغیر نہ آیا تو وہ ناپاک بھی اس کے ساتھ بہ کر پاک ہوگئے لان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا (کیونکہ جاری پانی بعض ناپاک پانی کو پاک کردیتا ہے۔ت) یا پہلے سے ناپاک پانی خندق میں تھا

- - - - - - - اور اب کوئی پاک پانی ایسا بہتا آیا کہ بہاؤ ٹھہرنے سے پہلے وہ دہ در دہ ہوگیا یہ بھی صورت طہارت کی ہے کہ جب تک بہ رہا تھا قابل نجاست نہ تھا اور ٹھہرا تو اُس وقت کہ دہ در دہ ہو کر حکم جاری میں ہوچکا تھا لہذا کوئی وقت اُس نے وصف نجاست قبول کرنے کا نہ پایا اور اگر پانی ناپاک تھا خواہ یُوں کہ نجاست ملنے

بہتے پانی کا کوئی وصف مذکور بدل دیا یا یہ کہ پہلے خالص ناپاک پانی خندق میں پہنچ لیا اُس کے بعد بارش وغیرہ کا پانی تھوڑا تھوڑا اس میں آتا گیا کہ جتنا ملا ناپاک ہوتا گیا یا پہلے سے پاک پانی خندق میں دہ دردہ سے کم جگہ میں تھا اُس پر خالص ناپاک پانی وارد ہوا تو اس میں پھر دو صورتیں ہیں اگر بارش تھوڑی سی ہوئی کہ وہ پانی اُس ناپاک میں مل کر رہ گیا تو وہ بھی ناپاک ہوگیا اور اگر بارش زور سے ہوئی کہ بکثرت پانی بہتا آیا جس نے اس خندق کو بھر کر ابال دیا کہ پانی کناروں سے چھلک گیا تو اب سب پاک ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حوض دہ دردہ میں گز شرعی کی مقدار کیا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کو دربارہ مساحت حوض کبیر کہ دہ دردہ قرار پایا ہے تعیین گز میں تین قول پر اختلاف ہے۔

قول اول معتبر ذراع کرباس ہے اور اسی کو ذراع عامہ کہتے ہیں یعنی کپڑوں کا گز۔ اسی قول کی طرف اکثر کا رجحان رائے اور اسی کو درر وظہیریہ وخلاصہ وخزانہ ومراقی الفلاح وعلمگیریہ وغیرہا میں اختیار کیا اور شرح زاہدی وتجنیس اور فتاوی کبری پھر قہستانی پھر در مختار میں اسے مختار اور نہایہ میں صحیح اور ہدایہ میں مفتی بہ اور ولوالجیہ میں الیق واوسع کہا۔ پھر خود ذراع کرباس کی تقدیر میں اختلاف واقع ہوا امام ولوالجی نے سات مشت قرار دیا ہر مشت چار انگل مضموم تو اٹھائیس ۲۸ انگل کا گز ہوا ہمارے یہاں کی ۹ گرہ سے زاید اور دس ۱۰ گرہ سے کم یعنی $\frac{1}{2}$ ۹ گرہ۔ اس قول پر نہایہ پھر جامع الرموز پھر درمختار اور باتباع ولوالجی فاضل ابرہیم حلبی نے شرح منیہ میں اقتصار کیا مگر جمہور علماء کے نزدیک ذراع کرباس چھ مشت کا ہے ہر مشت چار انگل مضموم اور اسی طرف رجحان رو ئے علامہ محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام کا ہے اور یہی عالمگیریہ میں تبیین اور بحر الرائق میں کتب کثیرہ سے منقول پس قول راجح میں یہ گز چوبیس ۲۴ انگل کا ہوا کہ ایک ہاتھ ہے تو ہمارے یہاں کا آدھ گز ٹھہرا۔

قول دوم اعتبار ذراع مساحت کا ہے امام علامہ فقیہ النفس اہل الافتاء والترجیح امام فخر الدین قاضی خان اوزجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانیہ میں اسی قول کی تصحیح اور قول اول کا رد کیا طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس پر بھی حکایتِ فتوی واقع ہوئی اور بیشک من حیث الدلیل اسے قوت ہے۔ اس گز کی تقدیر میں اقوال مختلفہ وارد ہوئے مضمرات میں سات مشت، ہر مشت کے ساتھ ایک انگل قرار دیا کہ مجموع پینتیس انگل ہمارے

---

[1] یہ فتوی فتاوائے قدیمہ کے بقایا سے ہے جو مصنف نے اپنے صغر سن میں لکھے تھے ۱۲ (م)

گز سے ۱۱ ½ گرہ ہوا علامہ کرمانی نے سات مشت چھ مشت معمولی اور ساتویں میں انگوٹھا پھیلا ہوا کہ یہ بھی تخمیناً گیارہ گرہ کے قریب ہوا مگر یہ دونوں قول شاذ ہیں قول جمہور کہ عامہ کتب میں مصرح سات مشت ہے ہر مشت نہ انگشت کشادہ یعنی ساڑھے تین فٹ کہ اس گز سے کچھ اوپر ساڑھے اٹھارہ گرہ ہوا یعنی ۱۸ ½ گرہ۔

قول سوم ہر شہر و دیار و ہر عہد و زمانہ میں گز رائج کا اعتبار ہے محیط میں اسی کو اصح اور نہر میں انسب کہا اور کافی میں بھی یہی اختیار کیا مگر علمائے متاخرین اس قول کو رد کرتے اور من حیث الدلیل نہایت ضعیف بتاتے ہیں اور نظر فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے،

وھذہ نصوص العلماء فی الھدایۃ للامام برھان الدین المرغینانی قدس سرہ الربانی بعضھم قدروا بالمساحۃ عشرا فی عشر بذراع الکرباس توسعۃ للامر علی الناس وعلیہ[1] الفتوی وفی فتح القدیر للامام المحقق علی الاطلاق قولہ بذراع الکرباس ھو ست قبضات لیس فوق کل قبضۃ اصبع قائمۃ[2] وھل المعتبر ذراع المساحۃ او ذراع الکرباس او فی کل زمان ومکان حسب عاداتھم اقوال فی الخانیۃ للامام فخر الدین رحمہ اللہ تعالٰی یعتبر فیہ ذراع المساحۃ لا ذراع الکرباس ھو الصحیح لان ذراع المساحۃ بالممسوحات الیق[3] وفی شرح المنیۃ للعلامۃ ابن امیر الحاج ھل المعتبر ذراع الکرباس او ذراع المساحۃ ذھب بعضھم الی الاول فی الھدایۃ وعلیہ

اور یہ علماء کے نصوص ہیں، برہان الدین مرغینانی کے ہدایہ میں مذکور ہے بعض نے تو پیمائش دَہ در دَہ کرباس کے ذراع سے کی ہے تاکہ لوگوں کے لیے فراخی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے، فتح القدیر میں ہے "بذراع الکرباس" یہ چھ مشت کا ہوتا ہے، ہر مشت پر انگلی زائد نہ کی جائے اب رہا یہ سوال کہ معتبر ذراع مساحت ہے یا ذراع کرباس ہے یا ہر زمانہ و مقام میں ان کی عادت کے مطابق ہے اس میں مختلف اقوال ہیں امام فخر الدین نے خانیہ میں ذراع مساحت کا اعتبار کیا کرباس کا نہیں یہی صحیح ہے اس لیے کہ مساحت کا ذراع ممسوحات کے زیادہ لائق ہے۔ علامہ ابن امیر الحاج کی شرح منیہ میں ہے کہ آیا ذراع کرباس کا اعتبار ہے یا ذراع مساحت کا؟ کچھ لوگ پہلے قول کی طرف گئے ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور شرح زاہدی میں ہے یہی مختار ہے، اور بعض نے دوسرے قول کو لیا ہے قاضیخان نے کہا کہ یہی صحیح ہے کیونکہ مساحت کا گز

---

[1] ہدایہ فصل فی البئر مطبع عربیہ کراچی ۱/۲۰
[2] فتح القدیر " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰
[3] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

الفتوی وفی شرح الزاهدی وهو المختار وذهب
بعضهم الی الثانی قال قاضی خان هو الصحیح
لان ذراع المساحة بالممسوحات الیق وفی
فتاوی الولوالجی الحوض الکبیر لما کان مقدرا
بعشرة اذرع فی عشرة اذرع فالمعتبر ذراع
الکرباس دون المساحة وهی سبع مشتات[1]
سبع قبضات لیس فوق کل مشت اصبع قائمة
لان ذراع المساحة سبع مشتات فوق
کل مشت اصبع قائمة فالاول الیق
للتوسع انتهی والمراد بالاصبع القائمة
ارتفاع الابهام کما فی غایة البیان فظهران
ذراع الکرباس اقصر من ذراع المساحة فبسبب
ذلك وقع الترفیة للناس بالتقدیر بها ونقلوا
عن المحیط انه یعتبر فی کل زمان ومکان
ذراعهم وعلیه مشی فی الکافی اھ وفی الشرح
الکبیر لابراهیم الحلبی المعتبر فی الذراع
ذراع الکرباس وهو سبع قبضات فقط وهو
اختیار الامام اسحٰق بن ابی بکر الولوالجی فی
فتاویه لانه اقصر فیکون ایسر واختار قاضیخان
فی فتاویه ذراع المساحة وهو سبع قبضات
باصبع قائمة فی القبضة الاخیرة وقیل فی کل
قبضة قال قاضی خان لانه یعنی الغدیر
المقدر من الممسوحات فکان ذراع المساحة

ممسوحات کے زیادہ لائق ہے اور فتاوٰی ولوالجی میں ہے
کہ بڑا حوض جو دہ در دہ ہوتا ہے اور اس میں معتبر
کرباس کا ذراع ہے نہ کہ مساحۃ کا اور وہ سات مشت
ہے، جس میں ہر مشت پر ایک انگلی کا اضافہ نہ ہو کیونکہ
مساحۃ کا گز سات مشت ہے جس میں ہر ایک مشت
پر ایک کھڑی انگلی کا اضافہ ہو، تو پہلا آسانی سے
زیادہ مطابقت رکھتا ہے انتہی، اور کھڑی انگلی سے مراد
انگوٹھے کی بلندی ہے، جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے تو
معلوم ہوا کہ ذراع کرباس ذراع مساحت سے چھوٹا
ہے تو اسی سبب سے تقدیرِ ذراع میں لوگوں کے لیے آسانی ہوتی اور
محیط سے نقل کیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کا انگ گز
معتبر ہوگا، اور کافی نے بھی یہی کہا ہے اھ اور ابراہیم
حلبی کی شرح کبیر میں ہے کہ معتبر ذراع کرباس ہے
جو سات مشت ہوتا ہے فقط، اور اسی کو امام اسحٰق
بن ابی بکر الولوالجی نے اپنے فتاوٰی میں پسند کیا ہے،
کیونکہ وہ چھوٹا ہوتا ہے تو اسی میں آسانی رہے گی اور
قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں ذراع مساحۃ کو مختار
کہا ہے اور وہ سات مشت مع ایک کھڑی انگلی
کے آخری مشت میں ہے اور بعض نے کہا کہ ہر مشت میں
قاضی خان نے فرمایا یعنی تالاب جس کا اندازہ لگایا گیا ہے
وہ ممسوحات سے ہے، تو اس میں ذراع مساحۃ سے
اندازہ لگانا زائد مناسب ہوگا، اور محیط میں ہے اصح
یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں وہیں کا ذراع معتبر ہوگا۔

[1] حلیہ

فیه الیق وفی المحیط والاصح ان یعتبر فی کل
زمان ومکان ذراعهم وتبعه صاحب الکافی
کصاحب النهر الفائق وغیره وهذا عجیب و
بعید جدا الی اٰخر ما قال[1] وفی البحر الرائق
للعلامة زین بن نجیم المصری اختلف
المشایخ فی الذراع علی ثلثة اقوال ففی التجنیس
المختار ذراع الکرباس واختلف فیه ففی
کثیر من الکتب انه ست قبضات لیس فوق کل
قبضة اصبع قائمة فهی اربع وعشرون
اصبعا بعدد حروف لا اله الا الله محمد
رسول الله والمراد بالاصبع القائمة ارتفاع
الابهام کما فی غایة البیان وفی فتاوی الولوالجی
ان ذراع الکرباس سبع قبضات لیس فوق
کل قبضة اصبع قائمة وفی فتاوی قاضی خان
وغیره الاصح ذراع المساحة وهو سبع
قبضات فوق کل قبضة اصبع قائمة وفی
المحیط والکافی الاصح انه یعتبر فی کل زمان
ومکان ذراعهم من غیر تعرض
للمساحة والکرباس[2] وفی الفتاوی الهندیة
المعتبر ذراع الکرباس کذا فی الظهیریة
وعلیه الفتوی کذا فی الهدایة وهی ذراع
العامة ست قبضات اربع وعشرون اصبعا

صاحبِ کافی اور صاحبِ نہر الفائق وغیرہ نے اس کی
متابعت کی اور یہ بہت عجیب ہے اور نہایت بعید ہے' اور
علامہ زین بن نجیم المصری کی بحر الرائق میں ہے کہ مشائخ کے
ذراع کی بابت تین اقوال ہیں، تجنیس میں ہے کہ ذراع
کرباس مختار ہے، اور اس میں اختلاف ہے،
کئی کتب میں ہے کہ یہ ایسی چھ مشت کے برابر ہے
جن میں ہر مشت پر ایک کھڑی انگلی زاید نہ ہو تو گویا
یہ چوبیس انگشت کے برابر ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کے حروف کی تعداد کے مطابق اور کھڑی انگلی سے مراد انگوٹھے
کی بلندی ہے جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے اور فتاوٰی ولوالجی
میں ہے کہ ذراع کرباس سات مشت بلا کھڑی انگلی
کے اضافہ کے، اور فتاوٰی قاضی خان وغیرہ میں ہے
اصح یہ ہے کہ مساحت کا گز سات مشت مع ایک کھڑی
انگلی کے، اور محیط اور کافی میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ
ہر زمان و مکان میں ان کا اپنا گز معتبر ہوگا، اس میں
مساحت اور کرباس کا کچھ ذکر نہیں، اور فتاوٰی ہندیہ میں
ہے معتبر ذراع کرباس ہے، یہی ظہیریہ میں ہے
اسی پر فتوٰی ہے، ہدایہ میں یہی ہے اور یہ عام گز
ہے جو چھ مشت یعنی چوبیس انگشت کا ہوتا ہے یہی
تبیین میں ہے فاضل قہستانی کی جامع الرموز
میں ہے کہ ذراع میں اختلاف ہے، تو محیط میں ہے
اصح یہ ہے کہ ہر زمان و مکان کا اپنا اپنا گز معتبر ہوگا'

---

[1] غنیۃ المستملی — فصل فی احکام الحیاض — سہیل اکیڈمی لاہور — ۱/۹۸
[2] بحر الرائق — کتاب الطہارت — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۷۶

كذا فى التبيين[۱] اھ وفى جامع الرموز[۲] للفاضل القهستانى اختلف فى الذراع ففى المحيط الاصح ذراع كل مكان وزمان وفى فتاوى قاضى خان الصحيح ذراع المساحة وهى سبع قبضات واصبع قائمة فى كل مرة كما فى الولوالجى او المرة السابعة كما فى الكرمانى او اصبع موضوعة فى كل مرة كما فى سير المضمرات وفى النهاية الصحيح ذراع الكرباس وهى سبع قبضات كل قبضة اربع اصابع وهو المختار كما فى الكبرى[۳] وفى الدر المختار للفاضل علاء الدين الحصكفى فى القهستانى والمختار ذراع الكرباس وهو سبع قبضات فقط[۴] وفى حاشيته للعلامة السيد احمد الطحطاوى واما ذراع المساحة فسبع قبضات فوق كل قبضة اصبع قائمة وفى رد المحتار للفاضل السيد محمد امين الشامى قوله والمختار ذراع الكرباس وفى الهداية ان عليه الفتوى واختاره فى الدرر والظهيرية والخلاصة والخزانة وفى المحيط والكافى انه يعتبر فى كل زمان ومكان ذراعهم قال فى النهر وهو الانسب قلت لكن رده فى شرح المنية

فتاوی قاضی خان میں ہے صحیح ذراع مساحۃ جو سات مشت کہ ہر مشت پر ایک انگل کھڑی ہو جیسا کہ ولوالجی میں ہے یا ساتویں مشت پر کھڑی انگل ہو جیسا کہ کرمانی میں ہے یا ایک لیٹی ہوئی انگل ہر مرتبہ جیسا کہ سیر المضمرات میں ہے اور نہایہ میں ہے صحیح ذراع کرباس ہے اور وہ سات مشت ہے، ہر مشت چار انگل ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ کبری میں ہے اور فاضل علاء الدین حصکفی نے درمختار میں بیان فرمایا اور قہستانی میں ہے کہ پسندیدہ ذراع کرباس ہے اور وہ صرف سات مشت ہے، اور اس کے حاشیہ میں علامہ سید احمد طحطاوی نے فرمایا ذراع مساحۃ سات مشت ہے ہر مشت پر ایک کھڑی انگشت، اور سید محمد امین شامی نے رد المحتار میں فرمایا ان کا قول والمختار ذراع الکرباس، اور ہدایہ میں اسی پر فتوٰی ہے اور درر، ظہیریہ، خلاصہ، خزانہ میں اسی کو اختیار کیا ہے محیط اور کافی میں فرمایا کہ ہر زمان و مکان میں لوگوں کے گز کا اعتبار ہوگا، نہر میں ہے کہ یہی انسب ہے۔ میں کہتا ہوں اس کو شرح منیہ میں رد کیا ہے کہ مقصود اس تقدیر سے غلبۂ ظن ہے اس امر کا کہ نجاست دوسری طرف نہیں گئی ہے، اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس میں زمان و مکان کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے' ان کا قول کہ وہ سات مشت ہے' یہ ولوالجیہ میں ہے، اور

---

[۱] ہندیۃ — فصل فی الماء الراکد — زرانی پشاور ۱/۱۸

[۲] جامع الرموز — بیان المیاہ — گنبد ایران ۱/۴۸

[۳] درمختار — باب المیاہ — مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[۴] طحطاوی علی الدر — " — بیروت ۱/۱۰۸

بان المقصود من هذا التقدیر غلبة الظن بعدم خلوص النجاسة وذلك لایختلف باختلاف الازمنة والامکنة قوله وهو سبع قبضات هذا انما فی الولوالجیة وفی البحران فی کثیر من الکتب انه ست قبضات[1] الخ اھ و المراد بالقبضة اربع اصابع مضمومة نوح اقول وهو قریب من ذراع الید لانه ست قبضات وشیئ وذلك شبران[2] انتهی ملخصا وفی مراقی الفلاح للفاضل الشرنبلالی[3] عشر فی عشر بذراع العامة انتهی مختصرا وفی حاشیته للفاضل الطحطاوی نقل صاحب الدران المفتی به ذراع المساحة وانه اکبر من ذراعنا الیوم فالعشر فی العشر بذراعنا الیوم ثمان فی ثمان[4] اھ

بحر میں ہے کہ بہت کتب میں چھ مشت ہے الخ اھ اور مشت سے مراد چار بندھی ہوئی انگلیاں ہیں، نوح۔ میں کہتا ہوں یہ ہاتھ کے گز سے قریب ہے کیونکہ وہ چھ مشت اور تھوڑا زاید ہوتا ہے اور وہ دو بالشت ہوتا ہے انتہی ملخصاً، اور شرنبلالی کی مراقی الفلاح میں ہے کہ عام لوگوں کے گز سے دہ دردہ ہو، انتہی مختصرا۔ اور فاضل طحطاوی کے حاشیہ میں ہے نیز صاحب در نے نقل کیا کہ مفتی بہ پیمائش والا گز ہے اور وہ ہمارے موجودہ گز سے بڑا ہے گویا آج کے اعتبار سے دہ دردہ آٹھ در آٹھ ہوا اھ۔ (ت)

اقول فیه سهو بوجوه وذلك ان عبارة الدر بتمامها هکذا فی القهستانی والمختار ذراع الکرباس وهو سبع قبضات فقط فیکون ثمانیا فی ثمان بذراع زماننا ثمان قبضات وثلاث اصابع علی القول المفتی به بالعشر[5] اھ فاولا

میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے سہو ہے کیونکہ در کی پوری عبارت اس طرح ہے ایسا ہی قہستانی میں ہے اور مختار کرباس کا گز ہے اور وہ صرف سات مشت ہوتا ہے تو ہمارے زمانہ کے گز کے اعتبار سے آٹھ ضرب آٹھ، آٹھ مشت اور تین انگل ہوگا دس کے مفتی بہ قول پر اھ اوّلاً انہوں نے صراحت

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳
[2] رد المحتار " " " "
[3] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ الامیریہ مصر ص ۱۶
[4] حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح " " "
[5] در مختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

صریح نصه اختیار ذراع الکرباس دون المساحة وثانیا لیس فیه ذکر الافتاء علی شیئ من تقادیر الذراع انما فیه ان المفتی به ماعلیه المتأخرون من تقدیر الکثیر بعشر فی عشر وقد قال السید نفسه فی حواشی الدر قوله علی المفتی به ای الذی افتی به المتأخرون وقد علمت اصل المذهب[1] اھ وثالثا من ابین سھو قوله رحمه الله تعالی انه اکبر من ذراعنا وکیف تکون سبع قبضات اکبر من ثمان واذا کان عشر فی عشر بذالك ثمانیا فی ثمان بھذا فکل احد یعرف ان ھذا الاکبر لا ذاك ولا وجود له فی الدر ولا فی اصله القھستانی فلو قال رحمه الله تعالی نقل الدر ان المختار ذراع الکرباس وانه اصغر الخ لاصاب ثم حساب الدر تبعا لاصله ان عشرا فی عشر کثمان فی ثمان بینه السید ط بان العشرة فی سبعة بسبعین والثمانیة فی مثلها باربعة وستین قبضة والثمانیة فی ثلثة اصابع باربع وعشرین[علہ] اصبعا وھی ست قبضات فتمت سبعین قبضة[2] اھ

کی ہے کہ ذراع کرباس لیا جائے گا نہ کہ ذراع مساحت۔

ثانیاً اس میں ذراع کی مقدار کی بابت کسی مفتی بہ قول کا ذکر نہیں ہے اس میں صرف اتنا ہے کہ مفتی بہ قول متأخرین کا قول ہے، اور وہ یہ ہے کہ کثیر دہ در دہ کو کہتے ہیں، اور سید نے خود حواشی دُر میں فرمایا ان کا قول علی المفتی بہ، یعنی متأخرین کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اصل مذہب تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے۔

ثالثاً سب سے بڑا سہو اس میں یہ ہوا ہے کہ کہ انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے گز سے بڑا گز ہے، اور سات مشت آٹھ مشت سے کیسے بڑا ہو سکتا ہے اور جب دہ در دہ برابر ہے اس آٹھ در آٹھ کے، تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بڑا ہے نہ کہ وہ، اور دُر میں یہ نہیں پایا جاتا ہے، اور نہ اس کی اصل قہستانی میں، اگر وہ یہ فرما دیتے کہ دُر نے یہ نقل کیا ہے کہ مختار کرباس کا گز ہے اور وہ چھوٹا ہوتا ہے الخ تو درست بات ہوتی، پھر دُر کا حساب اس کی اصل کی متابعت میں یہ ہے کہ دہ در دہ ایسا ہے جیسا کہ آٹھ در آٹھ، اس کو سید ط نے یوں بیان کیا کہ دس ضرب سات ستر ہوتے ہیں اور آٹھ ضرب آٹھ چونسٹھ ہوتے ہیں (یعنی اتنی مشت) اور آٹھ انگلیوں کو تین سے ضرب دیا جائے تو چوبیس انگلیاں ہوتی ہیں اور یہ چھ مشت ہوتی ہیں اس طرح ستر مشت

[علہ] کذا فی ط والاصوب ثلث بالتذکیر اھ منه (م) طحطاوی میں اسی طرح ہے اور ثلث بتذکیر ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے (ت)

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاه بیروت ۱/۱۰۸

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاه بیروت ۱/۱۰۸

پوری ہوئیں۔ (ت)

اقول وھو حساب حق صحیح لاغبار علیہ اخذ فیہ عشرا فی عشر بذراع ھو سبع قبضات وثمانیا فی ثمان بذراع ھو ثمان قبضات وثلث اصابع وبیّن مساواۃ ضلع لضلع فانہ علی کل سبعون قبضۃ کما بین او مائتان وثمانون اصبعا لان الاول ثمانٍ وعشرون اصبعا والثانی خمس وثلثون واذا ضربت الاول فی عشرۃ والثانی فی ثمانیۃ اتحد الحاصل وھو ۲۸۰ ومساواۃ الضلع للضلع یوجب بالضرورۃ مساواۃ المربع للمربع لکن السید ش رحمہ اللہ تعالٰی رد علی الدر بقولہ کانہ نقل ذلک عن القہستانی ولم یمتحنہ وصوابہ فیکون عشرا فی ثمان وبیان ذلک ان القبضۃ اربع اصابع واذا کان ذراع زمانھم ثمان قبضات وثلاث اصابع یکون خمسا وثلاثین اصبعاً واذا ضربت العشر فی ثمان بذلک الذراع تبلغ ثمانین فاضربہا فی خمس وثلاثین تبلغ الفین وثمان مائۃ اصبع وھی مقدار عشر فی عشر بذراع الکرباس المقدر بسبع قبضات لان الذراع حینئذ ثمانیۃ[1] وعشرون اصبعا والعشر فی عشر بمائۃ فاذا ضربت ثمانیۃ وعشرین فی مائۃ

میں کہتا ہوں، بلاشبہ یہ حساب صحیح ہے، اس میں دہ در دہ کو اختیار کیا گیا ہے، ایک ذراع کے لحاظ سے جو سات مشت ہو، اور آٹھ در آٹھ کو ایسے ذراع کے ساتھ جو آٹھ مشت تین انگل ہو، اور ایک ضلع کا دوسرے ضلع کے مساوی ہونا بیان کیا کیونکہ یہ ہر قول پر ستر مشت ہوگا جیسا کہ بیان کیا، یا دو سو اسی (۲۸۰) انگشت کیونکہ پہلا اٹھائیس انگشت ہے اور دوسرا پینتیس انگشت اور جب پہلے کو دس میں اور دوسرے کو آٹھ میں ضرب دیا جائے تو دونوں کا حاصل ایک ہی ہوگا یعنی دو سو اسی، اور ایک ضلع کی مساواۃ دوسرے ضلع سے ایک مربع کی مساواۃ دوسرے مربع سے بالبداہۃ ثابت کرتی ہے لیکن سید ش نے در پر اپنے اس قول سے رد کیا، غالباً انہوں نے یہ قہستانی سے نقل کیا ہے اور اس کو بغور دیکھا نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ ہو جائیگا دس ضرب آٹھ، اور اس کی تشریح یہ ہے کہ ایک مشت چار انگشت ہوتی ہے، اور ان کے زمانہ کا ذراع آٹھ مشت تین انگشت تھا، اس طرح پینتیس انگشت ہوئیں اور جب دس کو آٹھ میں اس ذراع کے حساب سے ضرب دی جائے تو حاصل اسّی ہوتا ہے، پھر اس کو پینتیس سے ضرب دی جائے تو حاصل دو ہزار آٹھ سو انگشت ہوگا، اور یہی مقدار دہ در دہ کی ہے کرباس کے گز سے'

---

[1] کذا فی ش والاصوب ثمان بالتذکیر اھ منہ (م)

شامی میں اسی طرح ہے اور بہتر تذکیر کے ساتھ ثمان ہے۔ (ت)

تبلغ ذلك العقد اروا ما علی ما قاله الشارح فلا تبلغ ذلك لانك اذا ضربت ثمانیا فی ثمان تبلغ اربعا وستین فاذا ضربتها فی خمس وثلاثین تبلغ الفین ومائتین واربعین اصبعا وذلك ثمانون ذراعا بذراع الکرباس والمطلوب مائة فالصواب ما قلناه فافهم[1] اھ اشار بقوله فافهم الی الرد علی ط کدابه المذکور فی صدر کتابه۔

جس کی مقدار سات مشت بتائی گئی ہے، کیونکہ اس صورت میں ذراع اٹھائیس انگشت ہوگا، اور دس ضرب دس سو ہے، تو جب اٹھائیس کو سو میں ضرب دیں تو وہی حاصل ہوگا' اور بقول شارح یہ حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ جب آٹھ کو آٹھ میں ضرب دیں تو چونسٹھ حاصل ہوگا، اور جب ان کو پینتیس میں ضرب دی جائے تو دو ہزار دو سو چالیس انگشت ہوئی، اور ذراع کرباس سے یہ اسّی ذراع ہوتے ہیں، جبکہ مطلوب سَو ہیں، تو صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا فافہم اھ فافہم سے ط پر رد کی طرف اشارہ ہے یہ ان کا معروف طریقہ ہے جو انھوں نے اپنی کتاب کے شروع میں اختیار کیا۔ (ت)

اقول وھو کلہ زلۃ نظر منہ رحمہ اللہ تعالٰی اصاب فی حرفین الاول ان ذراع زمانھم خمس وثلثون اصبعا والاٰخر ان ذراع الکرباس المعقد ربیعم قبضات ثمان وعشرون وما سوی ذلك کلہ سھو صریح **فاولا** ماکان عشرا فی ثمان بذراعھم لایکون الفین وثمانمائۃ بل ثمانیۃ وتسعین الف اصبع بتقدیم التاء لان ۳۵ فی ۱۰ ثلثمائۃ وخمسون وفی ۸ مائتان وثمانون و $350 \times 280 = 98000$ **وثانیا** ماکان عشرا فی عشر بذراع الکرباس المذکور لایکون ایضا ۲۸۰۰ بل ثمانیۃ وسبعین الف اصبع بتقدیم السین وار بعمائۃ لان

میں کہتا ہوں یہ اُن سے لغزش ہوئی ہے دو حرف تو صحیح ہیں، پہلا تو یہ کہ ان کے زمانہ کا ذراع پینتیس انگشت تھا، اور دوسرا یہ کہ کرباس کے گز کی مقدار سات مشت کے حساب سے اٹھائیس ہے، اس کے علاوہ جو کچھ کہا وہ صریح سہو ہے۔

اولاً دس کو آٹھ میں ضرب دینے سے دو ہزار آٹھ سو نہیں آتے بلکہ اٹھانوے ہزار انگشت بتقدیم التاء، اس لیے کہ ۳۵ ضرب ۱۰ = ۳۵۰ اور ۳۵ ضرب آٹھ ۲۸۰ ہوئے، اور $350 \times 280 = 98000$ ہوئے۔

ثانیاً ذراع کرباس مذکور کے اعتبار سے دس ضرب دس ۲۸۰۰ نہیں بنتا اٹھتر ہزار چار سو بنتا ہے یہ بتقدیم سین ہے ---- اس لیے کہ 28×10

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

۲۸ فی ۱۰ اما ثمان وثمانون و مربعها ۷۸۴۰۰ بنقص تسعة عشر الف اصبع وستمائة فکیف یستویان **وثالثا** ثمان فی ثمان بذراعهم لایکون الفین ومائتین واربعین بل مربع مائتین وثمانین لان کل ذراع ۳۵ والطول ۸ ۳۵ × ۸ = ۲۸۰ وکذلک العرض فالسطح ۷۸۴۰۰ مثل عشر فی عشر بذراع الکرباس سواء بسواء کما قال الشارح والقہستانی و ط **ورابعا** مساحة ثمانین ذراعا بذراع الکرباس لاتکون ۲۲۴۰ بل اثنین وستین الفا وسبع مائة وعشرین اصبعا لان مساحة ذراع ماکان ذراعا فی ذراع وذلک مربع ۲۸ سبع مائة واربع وثمانون اصبعا و ۷۸۴ × ۸۰ = ۶۲۷۲۰ ومنشؤ الخطأ فی کل ذلک انه رحمه اللّٰہ تعالٰی لم یفرق بین الخط والسطح فحسب ان الطول یضرب فی العرض ومابلغ یضرب فی اصابع الذراع وھی خمس وثلثون اوثمان وعشرون اصبعا فما حصل یکون مساحة الماء ولیس کذلک وانما ھی مقدار الاصابع فی خط قدر ذراع اما السطح قدر ذراع فاصابعہ مربع ذلک وھی الف ومائتان وخمس وعشرون اصبعا علی الاول وسبع مائة واربع وثمانون علی الثانی فذلک یضرب فی ۶۴ یکن ثمانیا فی ثمان بالاول

دوسو اسّی (۲۸۰) ہوئے اور ان کا مربع ۷۸۴۰۰ ہوا، انیس ہزار چھ سو (۱۹۶۰۰) انگشت گھٹا کر، تو یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

ثالثاً آٹھ ضرب آٹھ ان کے گز سے دو ہزار دوسو چالیس (۲۲۴۰) نہیں بنتے، بلکہ مربع دوسو اسّی (۲۸۰) کا بنتا ہے کیونکہ ہر ذراع ۳۵ انگشت ہے اور لمبائی ۸، اس لیے ۳۵ × ۸ = ۲۸۰ ہوا - اور یہی حال چوڑائی کا ہے تو سطح ۷۸۴۰۰ ہے، مثل دہ در دہ کرباس کے گز سے بالکل برابر برابر ہے جیسا کہ شارح، قہستانی اور "ط" نے فرمایا -

رابعاً کرباس کے گز سے اسّی گز کی پیمائش ۲۲۴۰ نہیں بنتی ہے بلکہ باسٹھ ہزار سات سو بیس انگشت ہے، اس لیے کہ ایک ذراع کی پیمائش وہ ہے جو ذراع در ذراع ہو اور یہ ۲۸ کا مربع ۷۸۴ انگشت ہے اور ۷۸۴ × ۸۰ = ۶۲۷۲۰ ہے، اور اس تمام بحث میں غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خط اور سطح میں فرق نہیں کیا ہے، اور اس طرح حساب کیا کہ لمبائی کو چوڑائی میں ضرب دی اور جو حاصل آیا اس کو ذراع کی انگلیوں میں ضرب دی اور وہ پینتیس (۳۵) یا اٹھائیس (۲۸) انگلیاں بنتی ہیں اور جو حاصل ہوا وہ پانی کی پیمائش قرار دی، حالانکہ بات یہ نہیں ہے، یہ تو ان کی انگلیوں کی مقدار ہے جو خط میں ذراع کی مقدار ہو اور وہ سطح جو ذراع کی مقدار ہو تو اس کی انگلیاں اسکا مربع ہوگا اور وہ ایک ہزار دوسو پچیس انگلیاں ہیں پہلے قول پر اور دوسرے قول پر ۷۸۴ ہیں، اس کو

وهذا یضرب فی ۱۰۰ یکن عشرا فی عشر بالثانی وظاهر ان ۱۲۲۵×۶۴ و ۷۸۴×۱۰۰ کلاهما ۷۸۴۰۰ وهو المطلوب وان اردت عشرا فی ثمان بالاول فاضرب ۱۲۲۵ فی ۸۰ یکن ۹۸۰۰۰ وان اردت مساحة ثمانین ذراعا بالثانی فاضرب ۷۸۴ فی ۸۰ یکن ۶۲۷۲۰ فاتضح ماقلنا مع کونه غنیا عن الایضاح وان شئت المزید فلاحظه فی ما هو ذراع فی ما ذراع فان واحدا فی واحد واحد فاضربه علی طریقة السید فی اصابع الذراع تبق کما هی وهی بعینها اصابع طرف فطرف الشئ ساوی الشئ فی المقدار وهو محال بالبداهة بل هنا المقدار حاصل الکل طرف فمجموع خطوط الاطراف الاربعة اربعة امثال السطح کله فطرف الشئ اضعاف الشئ وای محال ابعد منه۔

چونسٹھ میں ضرب دی جائے گی تو یہ ۸ × ۸ بنے گا پہلے قول پر، اب اس کو ضرب دی جائے گی ۱۰۰ میں تو یہ ۱۰×۱۰ ہوگا دوسرے قول پر، اور ظاہر ہے کہ ۱۲۲۵×۶۴ اور ۷۸۴×۱۰۰ دونوں ہی ۷۸۴۰۰ ہیں اور یہی مطلوب ہے، اور اگر آپ پہلے قول پر دس کو آٹھ میں ضرب دیں تو ۱۲۲۵ کو ۸۰ میں ضرب دیں تو ۹۸۰۰۰ ہوگا، اور اگر اسّی گز کی پیمائش دوسرے قول کے مطابق ہو تو ۷۸۴ کو ۸۰ میں ضرب دیں تو حاصل ۶۲۷۲۰ آئے گا، تو جو ہم نے کہا وہ واضح ہوگیا اور اگر مزید وضاحت درکار ہو تو ایک ذراع ضرب ذراع کو دیکھیں کیونکہ ایک ضرب ایک ایک ہی ہوتا ہے، اب سیّد کے طریقہ کے مطابق اس کو ہاتھ کی انگلیوں میں ضرب دیجئے تو وہ جتنی ہیں اتنی ہی رہیں گی، اور یہی بعینہٖ ایک طرف کی انگلیاں ہیں تو گویا ایک چیز کی طرف اس چیز کے مساوی ہوگئی مقدار میں اور یہ بداہۃً محال ہے بلکہ یہاں پر وہ مقدار جو کل کا حاصل ہے ایک طرف ہے تو چاروں اطراف کے خطوط کا مجموعہ پوری سطح کا چارگنا ہوجائے گا تو لازم آئے گا کہ شَی کا طرف اس سے کئی گنا بڑھ جائے اور اس سے زیادہ بعید محال اور کون سا ہوگا۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین قول ہیں اور ہر طرف ترجیح وتصحیح **اقول** مگر قول ثالث درایۃً ضعیف اور اس کا لفظ ترجیح بھی اُس قوت کا نہیں اور قول دوم اگرچہ اقیس ہے اور اس کی تصحیح امام قاضی خان نے فرمائی جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں کما ذکر العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وغیرہ فی غیرہ مگر قول اول کی طرف جمہور ائمہ ہیں اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس طرف جمہور ہوں کمافی ردالمحتار والعقود الدریۃ وغیرھما اور اس کا لفظ تصحیح سب سے اقوٰی کہ علیہ الفتوٰی ہے بخلاف قول دوم کہ اس میں لفظ صحیح ہے اور سید طحطاوی کی اُس پر حکایت فتوٰی معلوم ہولیا کہ سہو صریح ہے پس جو زیادہ احتیاط چاہے مساحت آب کثیر میں گز مساحت کا اعتبار کرے کہ ساڑھے تین فٹ اور ہمارے

گز سے سدس اور پرساڑھے اٹھارہ گرہ کا ہے جس کا دس گز ہمارے گز سے اٹھ ۷/۸ اگرہ ہوا تو اس کی پیمائش کا دہ دردہ ہمارے گز سے ایک سو چھتیس گز ایک گرہ اور ۶/۸ گرہ ہوا اور نہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد و ماخوذ ہے جس کا دہ دردہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہُوا اور اُس کے اعتبار میں اصلاً دغدغہ نہیں کہ وہی مفتی بہ ہے اور وہی قول اکثر اور اسی میں یسر و آسانی بیشتر اور مقدار دہ دردہ کا اعتبار بھی خود رفق و تیسیر کی بنا پر ہے کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳ از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث مرسلہ جناب مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی دام فضلہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ۔

ایک حوض دہ دردہ ہے اس میں طاق ڈال کر بارہ تھم قایم کیے ہیں اب کُل تھموں کے عرض کو جو حساب کرتے ہیں تو چھ گز ہوتے ہیں اس سے حوض کبیر ہونے میں خلل ہے کہ نہیں بیّنوا تُوجروا

الجواب

علمائے کرام نے خفیف و باریک اشیا جیسے نرکل یا کھیتی کے پٹھوں کا حائل ہونا معاف رکھا ہے مگر ستون کہ چھ گز سطح گھیریں جن سے وُہ پانی کہ سو ہاتھ تھا بہت گھٹ گیا ضرور دہ دردہ نہ رکھیں گے جیسے برف کہ پانی پر جابجا جم کر قطعے قطعے ہوجائے اور کثیر ہو کر پانی کے جنبش دینے سے جنبش نہ کرے وہ حوض آب قلیل ہوجائے گا،

عالمگیریہ میں ہے:

لوتوضأ فی اجمۃ القصب او من ارض فیھا زرع متصل بعضھا ببعض ان کان عشرا فی عشر یجوز واتصال القصب بالقصب لایمنع اتصال الماء بالماء کذا فی الخلاصۃ[1] وان کان الجمد علی وجہ الماء قطعا قطعا ان کان کثیرا لایتحرک بتحریک الماء لایجوز الوضوء بہ کذا فی المحیط[2] اھ وفی جامع الرموز عن المجتبی لوکان فیما

اگر کسی نے نرکل کے جھنڈ میں یا گھنی کھیتی کی زمین میں وضو کیا تو اگر اس کا رقبہ دہ دردہ ہو تو جائز ہے تو نرکل کا نرکل سے متصل ہونا پانی کے پانی سے متصل ہونے میں مانع نہیں ہے، ایسا ہی خلاصہ میں ہے' اور اگر پانی پر جمی ہوئی برف ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہو تو اگر اتنی زاید ہو کہ پانی کو حرکت دینے سے متحرک نہ ہو تو وضو اس سے جائز نہیں، کذا فی المحیط اھ اور جامع الرموز میں مجتبٰی سے ہے اگر اس پانی میں

---

[1] عالمگیری   الماء الجاری   نورانی کتب خانہ پشاور   ۱/ ۱۸
[2] ایضاً

قطع خشب او جمد یتحرك بتحریك الماء جاز فیہ الوضوء[1] اھ افھم ان لو لم یتحرك لم یجوز واللہ تعالٰی اعلم۔

لکڑی یا برف کے ٹکڑے ہوں اور وہ پانی کو حرکت دینے سے متحرک ہوتے ہوں تو اُس سے وضو جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر متحرک نہ ہو تو وضو جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۴ ازشہر مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی محمد طاہر صاحب رضوی متعلم مدرسہ اہلسنت ۹ رجب المرجب ۱۳۳۰ھ۔

سوال اول: حوض دہ در دہ میں اگر کوئی شخص تھوک یا رینٹھ ڈالے یا پاؤں اُس کے اندر ڈال کر دھوئے یا وضو اس طرح کرے کہ تمام غسالہ اُسی میں گرتا جائے تو آیا ان سب صورتوں میں وہ حوض پاک رہے گا یا نہیں، بر تقدیر ثانی اگر کوئی نجس سمجھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ان سب صورتوں میں وہ حوض پاک ہے اور اسے نجس سمجھنا جہالت اور اگر کوئی شخص مسئلہ بتانے کے بعد بھی اصرار کرے تو سخت گنہگار ہو اگرچہ حوض میں تھوکنے یا ناک صاف کرنے سے احتراز لازم ہے کہ یہ افعال باعث نفرت ہیں اور بلا وجہ شرعی نفرت دلانا جائز نہیں قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولا تنفروا[2] واللہ تعالٰی اعلم (حضور پاک نے فرمایا: اچھی خبر سناؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

۳۵

سوال ۲: ایک تالاب دہ در دہ میں تمام محلہ کے چوبچوں پاخانوں نالیوں وغیرہ کا نجس پانی آکر جمع ہوتا ہے بلکہ بھنگی اُس میں میلے کی ڈھلیاں بھی ایام برسات میں ڈالا کرتے ہیں اور بعض اوقات لوگ اس کے کنارے پاخانہ پیشاب بھی پھرتے ہیں کہ اُس میں بہہ کر جاتا ہے تو آیا ایسے تالاب میں کپڑے نجس دھونے سے پاک ہوں گے یا نہیں اور اُس تالاب کو حکم پاکی کا دیا جائے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

اگر ان نجاستوں کے گرنے سے پہلے اُس میں دہ در دہ پانی تھا اُس کے بعد گریں اور اُن کے گرنے سے اُس کا رنگ یا مزہ یا بُو متغیر نہ ہوا اور کپڑا دھونے میں عین نجاست کپڑے پر نہ لگ آئی تو کپڑا پاک ہوگیا ورنہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] جامع الرموز بیان المیاہ مطبع الاسلامیہ گنبد ایران ۱/۴۸

[2] صحیح بخاری اصح المطابع کراچی ۱/۱۶

مسئلہ ۳۶ از شہر محلہ بہاری پور مسئولہ نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مریض کو دواڈالے ایسے پانی سے وضو یا استنجا کرنا جس میں کوئی دوسری شے جوش دی گئی ہو جس سے پانی کا نام پانی نہ رہے جائز ہے یا نہیں یعنی اس سے طہارت حاصل ہوگی بوجہ اس ضرورت کے یا ضرورت پر لحاظ نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب

استنجا۱ تو یقیناً جائز ہے کہ اُس میں مائے مطلق بلکہ پانی ہی شرط نہیں ہر طاہر قالع مزیل سے ہوجاتا ہے مگر وضو جائز نہ ہوگا (اُن چیزوں سے)

لکمال الامتزاج بالطبخ کالمرق ولنزوال اسم الماء کالنبیذ۔ | جو پکانے سے ایک جان ہوجائیں جیسے شوربا یا اس کو پانی نہ کہا جائے جیسے نبیذ۔ (ت)

وضو میں لحاظ ضرورت کی کیا حاجت اگر مائے مطلق سے وضو مضر ہو تیمم کرلے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷ از موضع سرنیاں مسئولہ امیر علی صاحب قادری ۱۱ جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ میرے موضع میں چند تالاب ہیں اُن تالابوں کے پانی سے غسل اور وضو، پینا، کپڑے دھونا کیسا ہے کیونکہ اکثر مویشی ہنود ومسلمان ہر ایک نہاتے ہیں استنجا بڑا ہر ایک قوم وہاں پاک کرتی ہے اور کبھی چمار بھنگی بھی نہاتے ہیں اور اتفاقیہ سوّر پانی پی جائے یا نہائے کبھی یہ تالاب مقید رہتے ہیں اور کبھی اُن کے اندر ہوکر ندی سے نہر جاری ہوجاتی ہے اُس کی تشریح یوں ہے:

نمبر تالاب	لمبائی	چوڑائی	گہرائی	نمبر تالاب	لمبائی	چوڑائی	گہرائی
۱	۱۰گز	۱۰گز	۱گز	۳	۳۰گز	۳۰گز	۲گز
۲	۲۰گز	۲۰گز	۲۰گز	۴	۳۰۰۰گز	۱۰۰۰گز	۳گز

کسی وقت میں اس سے زیادہ بھی پانی ہوجاتا ہے اور کبھی کچھ کم اور اگر ندی سے پانی آجائے اور راستہ میں نہر میں کچھ غلیظ ہو تو کیا حکم ہے اور بستی کے قریب چند اور تالاب ہیں اور ان کا پانی رنگ بدلے ہوئے رہتا ہے اکثر ہنود تک اُس پانی سے نفرت کرتے ہیں برسات میں بھی صاف طور پر نہیں ہوتا ہے لمبائی چوڑائی گہرائی بھی بہت مگر پانی صاف نہیں ہے دیگر شہر سے نالہ کا پانی ندی میں آکر گرتا ہے اور ندی کا پانی کچھ تھوڑا مخلوط ہوتا ہے دیکھنے میں اکثر

پیشاب کی صورت معلوم ہوتا ہے ایسے پانی سے اکثر لوگ نہاتے اور دھوبی کپڑے دھوتے ہیں اکثر وضو کرتے ہیں تو اس پانی کے لیے کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ جس پانی کی سطح بالا کی مساحت سو ہاتھ ہو مثلاً دس دس ہاتھ لمبا چوڑا یا بیس ہاتھ لمبا پانچ ہاتھ چوڑا یا پچیس ہاتھ لمبا چار ہاتھ چوڑا وعلی ہذا القیاس اور گہرا اتنا کہ لپ سے پانی لے تو زمین نہ کھل جائے وہ پانی نجاست کے پڑنے یا نجاست پر گزرنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست کے سبب اُس کا رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدل جائے اگر نجاست کے سوا اور کسی وجہ سے اُس کے رنگ یا بُو یا مزے یا سب میں فرق ہو تو حرج نہیں اور اعتبار پانی کی مساحت کا ہے نہ تالاب کی۔ تالاب کتنا ہی بڑا ہو اگر گرمیوں میں خشک ہو کر اُس میں سو ہاتھ سے کم پانی رہے گا اور اب اُس سے کوئی استنجا کرے یا کتا وغیرہ ناپاک منہ کا جانور پیئے تو ناپاک ہو جائے گا یُوں ہی برسات کا بہتا ہُوا پانی آیا اور اُس میں نجاست ملی تھی تو جب تک بَہ رہا ہے اور نجاست سے اُس کا رنگ بُو مزہ نہیں بدلا پاک ہے اب جو وہ کسی تالاب میں گر کر ٹھہرا اور ٹھہرنے کے بعد سو ہاتھ سے مساحت کم رہی اور نجاست کا کوئی جُز اُس میں موجود ہے تو اب سب ناپاک ہوگیا اور اگر سو ہاتھ سے زیادہ کی مساحت میں ٹھہرا تو پاک ہے ناپاک نالے کا پانی ندی میں آکر گرا اور اس سے ندی کے پانی کا رنگ یا مزہ یا بو بدل گئی ناپاک ہوگیا ورنہ پاک رہا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸ مسئولہ حافظ محمد قاسم صاحب از عدن کیمپ محلہ مسکین باڑہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک حوض ہے جو بعض لوگوں کے چھ قبضہ یعنی چوبیس[۲۴] انگلیوں سے دہ دردہ سے چھیالیس[۴۶] انگل زیادہ ہے اور یہ چوبیس[۲۴] انگلیاں سترہ[۱۷] انچ کے برابر ہیں اور جن لوگوں کی چوبیس[۲۴] انگلیاں ساڑھے سترہ[۱۷½] انچ ہیں اُس سے دہ دردہ سے چوبیس[۲۴] انگلیاں زیادہ ہیں اور جن لوگوں کی چوبیس[۲۴] انگلیاں اٹھارہ[۱۸] انچ کی برابر ہیں[۱] اُس سے دہ دردہ بارہ انگل کم ہے اور اس کے بیچ میں ایک ستون ہے

---

[۱] فائدہ: شرعی گز میں یہی انگل معتبر ہیں جن کے چوبیس اٹھارہ انچ کے برابر ہیں ایک ہاتھ مربع کی مساحت مختلف پیمانوں سے اس جدول میں ہے:

ایک ہاتھ مربع میں ان پیمانوں کے حصے

نمبری گز	¼ گز	انچ	۳۲۴ انچ
فٹ	۲¼ فٹ	انگل	۵۷۶ انگل
گرہ	۶۴ گرہ		

(باقی برصفحہ آئندہ)

جس کا طول و عرض ایک ایک فٹ ہے کیا ایسے حوض میں سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں اور نجاست پڑنے سے اسکا پانی نجس ہوگا یا نہیں؛ تمام کتابوں کے حوالہ سے جواب دیا جائے اور علماء کے مُہر و دستخط بھی ہونا چاہئیں اس کے بارہ میں یہاں سخت فساد ہے اکثر لوگ اس سے وضو کرنا جائز نہیں سمجھتے جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں ان کا شرعاً کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باعتبار مذہب حنفی ہونا ہونا چاہیے، حوض کی شکل یہ ہے:
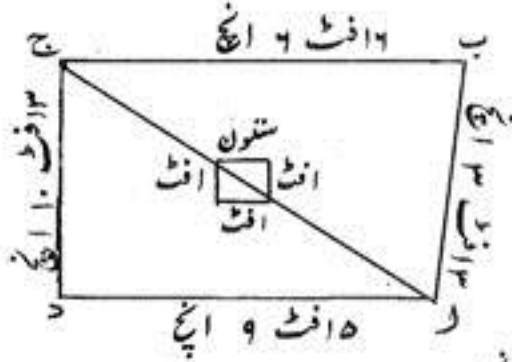
گہرائی حوض کی ۳ فٹ ۶ انچ۔

الجواب

ذو اربعۃ الاضلاع ا ب ج د میں قطر ا ج وصل کیا تو مثلث ا د ج میں حسب بیان سائل ضلع ا د ۱۸۹ انچ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اب جتنے ہاتھ کا رقبہ لیا جائے اُن سب پیمانوں سے اس کی مقداریں سے ظاہر ہوگی مثلاً دہ دردہ کے لیے ان مقادیر کو ۱۰۰ میں ضرب کرو تو گز ۲۵ ہوئے اور فٹ سوا دو سو علی ہذا القیاس، یہاں سے حساب مذکور سوال کی غلطی کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ دہ دردہ حوض اس صحیح پیمانے سے ۳۲۴۰۰ انچ ہوگا اور جو ہاتھ سترہ انچ ہے اس سے سو ہاتھ صرف اٹھائیس ہزار نو سو (۲۸۹۰۰) انچ ہوگا ساڑھے تین ہزار انچ کا فرق پڑے گا جس کے چار ہزار چھ سو چھیاسٹھ انگل اور دو تہائی ہوئے نہ کہ صرف اٹھاون، اور جو ہاتھ ۱۰ء۱۸ انچ ہے اس سے سو ہاتھ تیس ہزار پانچ سو چھپیس انچ ہوگا پونے انیس سو انچ کم جس کے ڈھائی ہزار انگل ہوئے نہ کہ فقط چھتیس وقس علیہ ۱۲ (م)

لے جس میں زاویہ د قائمہ ہے ۱۲ (م)

لے آسانی عمل و قلت تفاوت کے سبب یہ تقریب کی گئی اور تحقیق یہ ہے کہ مثلث ا د ج جبکہ قائم الزاویہ ہے اس کی مساحت وہی ۳۱۳۷۴ کی نصف ۱۵۶۸۷ انچ ہوئی، رہا مثلث ا ب ج (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور ضلع ءج ۱۶۶ مسطح ۳۱۳۷۴ اور مثلث و ب ج میں ضلع و ب ۱۵۹ ہے اور ضلع ب ج ۱۹۸ مسطح ۳۱۴۸۲ مجموع ۶۲۸۵۶ جس کا نصف ۳۱۴۲۸ یہ اس حوض کی مساحت تقریبی ہوئی اور دہ دردہ کے لیے ۳۲۴۰۰ انچ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اولاً مقدار قطر ا ح معلوم کی یوں کہ د ح ۱۶۶ کا مربع ۲۷۵۵۶ ہے اور ا ء ۱۸۹ کا مربع ۳۵۷۲۱ مجموعہ ۶۳۲۷۷، لوگارثم ۴٫۸۰۱۲۴۵۹ نصف ۲٫۴۰۰۶۲۳۰ یہ لوگارثم قطر ہوا عدد ۲۵۱٫۵۴۹ انچ یہ قدر قطر ہوئی لاجرم مثلث میں زاویہ احادہ ہے ا ح پر ب سے عمود ب ھ اتارا، پس بحکم شکل ۱۳ مقالہ دوم اقلیدس مربع ب ح چھوٹا ہے مجموع مربعین و ب ا ح سے بقدر دو چند مسطح ا ح ا ھ و ا ب ۱۵۹ کا مربع ۲۵۲۸۱ + مربع ا ح ۶۳۲۷۷ = ۸۸۵۵۸ جس میں سے ب ح ۱۹۸ کا مربع ۳۹۲۰۴ کم کیا باقی ۴۹۳۵۴ نصف ۲۴۶۷۷ یہ ا ح و ھ کا مسطح ہے اس کے لوگارثم ۴٫۳۹۲۲۹۲۴ سے لوقطر ۲٫۴۰۰۶۲۳۰ کم کیا باقی لو اھ ۱٫۹۹۱۶۶۹۴ عدد ۹۸٫۱۰۰۱ یہ مقدار اھ ہوئی اس کے مربع ۹۶۲۳٫۲۲۹۳ کو مربع وتر قائمہ و ب ۲۵۲۸۱ سے تفریق کیا باقی ۱۵۶۵۷٫۷۷۰۷ یہ مربع عمود ہوا اس کا لوگارثم ۴٫۱۹۴۷۱۸۸ نصف ۲٫۰۹۷۳۵۹۴ لو عمود ہے اسے قاعدہ یعنی قطر ا ح کے لوگارثم مذکور میں جمع کیا ۴٫۴۹۷۹۸۲۴ ہوا اس سے ۰٫۳۰۱۰۳۰۰ کم کیا کہ مساحت مثلث نصف مسطح عمود و قاعدہ ہے باقی ۴٫۱۹۶۹۵۲۴ عدد ۱۵۷۳۸٫۲۱۰۵ انچ مساحت مثلث ا ب ح ہوئی اسے مساحت مثلث اول میں جمع کرنے سے مساحت حوض ۳۱۴۲۵ انچ ہوئی حساب تقریبی سے صرف تین انچ کم تو حوض دہ دردہ سے ۹۷۵ انچ کم ہے جس کے تیرہ سوا انگل ہوئے نہ صرف بارہ جو سوال میں ہے۔
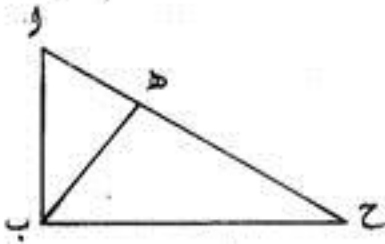
فائدہ ۴، حوض کا زاویہ ح حادہ ہے اس لیے کہ مثلث ب ھ ح قائم الزاویہ میں ب ح : ع :: ب ھ : جیب ب ح ھ = لو عمود ۲٫۰۹۷۳۵۹۴ × لو ب ح ۲٫۲۹۶۶۶۵۱۱ = ۹٫۸۰۰۶۹۴۲ کہ لو جیب ۳۹۱۱۴۲٫۳۳ ہے اور مثلث ا د ح قائم الزاویہ میں ا ح : ع :: ا د : جیب ا ح د یعنی لو ا د ۲٫۲۷۶۴۶۱۸ - لو قطر ۲٫۴۰۰۶۲۳۰ = ۹٫۸۷۵۸۳۸۸ کہ لو جیب ۴۸ ۴۲ ۲۴٫۹۴ ہے مجموع زاویتین ۸ ۴۳ ، ۸ ۰ ۵۴ ۰٫۰۵ مقدار زاویہ ح ہے اور اگر یہ بھی قائمہ ہوتا تو امر آسان تر تھا ب ح پر ا سے عمود ا ھ نکالا کہ بحکم موازات ج ء کے برابر ہوا اور ھ ح = ء ج تو مستطیل ھ ء ۱۸۹ × ۱۶۶ = ۳۱۳۷۴ اور مثلث ب ھ و

(باقی بر صفحہ آئندہ)

دکاریں تو یہ ۹۷۲ انچ کم ہوا لہذا ماء قلیل ہے ایک قطرہ نجاست سے سب ناپاک ہوجائیگا، رہا اس میں وضو کرنا اگر ہاتھ یا پاؤں کوئی عضو بے دُھلا اس میں نہ ڈالا جائے تو وضو جائز ہے اگرچہ غسالہ اس میں گرے جب تک مائے مستعمل اس کے پانی پر غالب نہ ہوجائے ھو الصحیح مگر بے دُھلا کوئی عضو اگرچہ ایک پورا یا ناخن بلاضرورت اس سے مس کرے گا تو سارا پانی قابلِ وضو نہ رہے گا بناء علی الفرق بین الملاقی والملقی کما حققناہ فی رسالتنا النمیقۃ الانقی واللہ تعالٰی اعلم (ملاقی اور ملقی میں فرق کی تحقیق اپنے رسالہ النمیقۃ الانقی میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۳۹ مرسلہ شیخ ابراہیم صاحب مدرس مدرسہ فیض عام گردھر پور ضلع پنچ محل ملک احمد آباد گجرات ۴ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

نجس پانی دو تین گز بہنے سے یا ہوا لگنے سے پاک ہوجاتا ہے یہ کہیں مصرح ہے بینوا توجروا۔

الجواب

نجس پانی نہ ہوا لگنے سے پاک ہوسکتا ہے نہ خود بہنے سے، ہاں پاک پانی اگر بہتا ہوا آئے اور اسے بہالیجائے تو پاک ہوجائیگا فان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا واللہ تعالٰی اعلم (کیونکہ جاری پانی کا ایک حصہ دوسرے پانی کو پاک کردیتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۴۰ از موضع موہن پور تھانہ وڈاک خانہ دیورنیا مسئولہ محمد شاہ بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پانی مکروہ کس کس طرح سے ہوجاتا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

عوام میں یہ مشہور ہے کہ بے وضو کا ناخن ڈوبنے سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اور مسئلہ یہ ہے یوں کہ بے وضو کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قائم الزاویہ ہیں ب ھ = ۱۹۸ - ۱۸۹ مجموعہ مثلث ومستطیل ۳۲۱۲۱ مگر یہ حسب بیان سائل محال ہے کہ ا ب کو ح ء سے اقصر بتایا ہے تو ضرور ہے کہ ب ح موازی ا ء نہ ہو واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

ج ھ ب
ء ا

لے گز شرعی کہ چوبیس انگل ہے ایک ہاتھ یا ڈیڑھ فٹ ہے جس کے ۱۸ انچ ہوئے اور اس ذراع سے خود سوال میں دہ در دہ سے کم ہونا مذکور مگر وہ نہایت مختل وناصواب تھا لہذا از سرِ نو محاسبہ کیا ۱۲ (م)

اعضائے وضو میں جو کوئی بے دُھلا حصّہ سر کے سوا آبِ قلیل سے بے ضرورت مس کرے گا وُہ پانی قابلِ وضو نہ رہے گا اور اس کا پینا مکروہ۔ اسی طرح بلّی اور چھوٹی ہوئی مرغی اور حشرات الارض دموی جیسے سانپ، گرگٹ، چھپکلی، چُوہے، گھونس، چھچھوندر اور شکاری پرندوں جیسے باز، جرّے، شکرے، بہری بنزچیل، کوّے اور ان کے امثال جانوروں کا جھوٹا بھی مکروہ ہے جو نجاست سے پرہیز نہیں کرتے جبکہ نہ بالفعل نجاست معلوم ہو جیسے بلّی نے اُسی وقت چوہا کھایا اور ہنوز اتنی دیر نہ گزری کہ لعاب سے لب وزبان صاف ہو جائے کہ اس صورت میں اُس کا جھوٹا مکروہ نہیں بلکہ نجس ہے نہ طہارت معلوم ہو جیسے بند مرغی کہ نجاست کے پاس جانے نہیں پاتی یا شکاری پرند جسے پاک گوشت کھلایا جاتا ہے اور مدت سے اُس نے شکار نہ کیا کہ اس صورت میں اس کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے نیز اجنبی عورت کا پیا ہوا پانی پینا مرد کو اور اجنبی مرد کا عورت کو بھی مکروہ ہے جبکہ مظنہ لذت نفسانی ہو نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

الماء (طاهر مطهر مكروه) استعماله تنزيها على الاصح وهو ما شرب منه الهرة الاهلية اذ الوحشية سؤرها نجس (ونحوها) اى الاهلية الدجاجة المخلاة وسباع الطير والحية والفأرة لانها لا تتحامى عن النجاسة۔[1]

پانی (طاہر مطہر مکروہ ہے) اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے، اصح یہی ہے، یہ وُہ پانی ہے جس سے بلّی نے پیا ہو یعنی پالتو بلّی نے، کیونکہ جنگلی بلّی کا پانی نجس ہے، اور اس کی مثل یعنی پالتو بلّی کی طرح کُھلی پھرنے والی مرغی، شکاری پرندے، سانپ اور چوہا ہے کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچتی ہے۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

قوله نجس اى اتفاقا لما ورد السنور سبع فان المراد به البرى[2] اھ

اس کا قول نجس یعنی اس پر اتفاق ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بلّی درندہ ہے، اس سے مراد جنگلی بلّی ہے اھ (ت)

اقول هذا عجب بل كان الكلام فى الاهلى كما فى الحديث وقد بيناه مع الكلام عليه فى سلب الثلب نعم نجاسته

میں کہتا ہوں یہ عجیب بات ہے گفتگو گھریلو بلّی میں تھی جیسا کہ حدیث میں ہے، ہم نے اس کو پوری بحث کے ساتھ "سلب الثلب" میں بیان کیا ہے

---

[1] مراقی الفلاح کتاب الطہارت مطبع الامیر ببولاق مصر ص ۱۳

[2] حاشیہ طحطاوی " " " "

مصرح بها فی جامع الرموز معزیا للکشف و نص فی الدر المختار انه نجس مغلظ فالکلام فی التعلیل۔	ہاں اس کی نجاست جامع الرموز میں مصرح ہے، اس کو کشف کی طرف منسوب کیا ہے، اور درمختار میں صراحت ہے کہ وہ نجاست غلیظہ ہے، تو گفتگو تعلیل میں ہے۔ (ت)

تین قسم کے پانی مکروہ ہوتے:

۱۔ مائے مستعمل یہ ہمیشہ مکروہ ہے،

۲۔ اور اجنبی کا جھوٹا صرف بحالت لذت،

۳۔ اور ان جانوروں کا جھوٹا جبکہ صاف پانی موجود ہو ورنہ نہیں۔

درمختار میں ہے:

سؤر ھرۃ ودجاجۃ مخلاۃ و سباع طیر لم یعلم ربھا طھارۃ منقارھا و سواکن بیوت طاھر مکروہ تنزیھا فی الاصح اذا وجد غیرہ والا لم یکرہ اصلا[1]۔	بلّی کا جھوٹا، کھلی مرغی، پرندوں کے درندوں کا جھوٹا جن کے بارے میں مالک کو معلوم نہیں کہ ان کی چونچ پاک ہے، گھر میں رہنے والے جانوروں (چوہا چھپکلی وغیرہ) کا جھوٹا اصح قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے یہ اس وقت ہے جبکہ دوسرا پانی موجود ہو ورنہ کراہت بھی نہ ہوگی۔ (ت)

جو جانور دموی نہیں یعنی خون سائل نہیں رکھتے خواہ حشرات الارض سے ہوں یا نہیں جیسے بچھو، مکھی، زنبور اور تمام دریائی جانور اُن کا جھوٹا مکروہ بھی نہیں۔ دُرمختار میں ہے:

سؤر مالا دم لہ طاھر طھور بلا کراھۃ[2]۔	جس جانور میں خُون نہ پایا جاتا ہو اس کا جھُوٹا بلاشبہ طاہر وطہور ہے بلاکراہت۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سواء کان یعیش فی الماء اوفی غیرہ ط عن البحر[3]۔	عام ازیں کہ وہ پانی میں رہتا ہو یا نہ رہتا ہو، ط عن البحر۔ (ت)

---

[1] درمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] ایضاً

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

اُسی میں زیرِ قول شارح وسواکن بیوت فرمایا:

ای ممالہ دم سائل کالفأرۃ والحیۃ والوزغۃ بخلاف مالادم لہ کالخنفس والصرصر والعقرب فانہ لایکرہ کمامرو تمامہ فی الامداد[1] اھ۔

یعنی وہ جانور جن میں بہنے والا خون ہو جیسے چُوہا، سانپ، چھپکلی۔ بخلاف ان جانوروں کے جن میں خون نہ ہو جیسے خنفس (ہشت پا) صرصر (جھینگر، جھیرا)، بچھو، کیونکہ یہ مکروہ نہیں، جیسا کہ گزرا، اور مکمل بحث امداد میں ہے۔ (ت)

اقول فلا یتجہ ما نص فی جامع الرموز من کراھۃ سؤر العقرب بالاتفاق ولم یعزہ لاحد واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جامع الرموز میں ہے کہ بچھو کا جھوٹا مکروہ ہے بالاتفاق، اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اس کو اُنھوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱ از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ۔

نامحرم عورت جوان یا بڑھیا اپنے مرشد کا جھوٹا پانی یا شوربا پی لے تو درست ہے یا نہیں، مکروہِ تحریمی یا تنزیہی، باسند لکھیں۔

الجواب

تلذّذِ شہوانی کی نیت سے حرام اور خالص تبرک کی نیت سے جائز واللہ یعلم المفسد من المصلح (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے مفسد کو مصلح سے۔ ت) صحیح حدیث میں ہے جب حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں مقیم ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اوگش جب اُن کے گھر جاتا وُہ اور اُن کے گھر والے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک کے نشان کی جگہ سے کھاتے، دُرمختار کتاب الحظر میں ہے:

یکرہ للمرأۃ سؤر الرجل وسؤرھا لہ[2]۔

مرد کا جھوٹا عورت کے لیے اور عورت کا مرد کے لیے مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳
[2] درمختار فصل فی البیع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

اُسی کے آخر فصل فی البئر میں ہے :

بکرہ سورھا للرجل کعکسہ للاستلذاذ[1] عورت کا جھوٹا مرد کے لیے اور مرد کا عورت کے لیے لذّت لینے کے لیے مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے :

یفھم منہ انہ حیث لا استلذاذ لاکراھۃ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔ اس سے یہ سمجھ میں آیا اگر لذّت کے لیے نہ ہو تو کراہت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴ ازمقام چتورگڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

پانی کی نالی ناپاک چُونے سے طیار کی گئی اور خشک ہونے سے قبل اُس میں پانی جاری کیا گیا اور وہ پانی حوض میں اُسی جگہ سے جمع ہونا شروع ہوا جہاں ناپاک چُونے سے بند کی گئی تھی تو کیا یہ پانی پاک ہے یا ناپاک، فقہا نے لکھا ہے کہ جس تالاب میں نجاست کنارہ پر ہو اور پانی وہیں سے جمع ہوتا ہو تو وہ پانی ناپاک ہے تو اس روایت پر تمام پانی ناپاک ہوگا۔

الجواب

پانی اگر اُوپر سے اُس نالی پر بہتا ہُوا آیا اور بہتا ہوا گزر گیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اسکے کسی وصف میں اُس کے سبب تغیر نہ ہو دوسری روایت ضرور یہ ہے کہ کل یا اکثر یا نصف پانی کا بہاؤ اگر نجاست پر ہو تو بہنا نفع نہ دیگا کل پانی ناپاک سمجھا جائیگا وصحح ایضا وان کان الاول علیہ المعول لانہ الاقوی وعلیہ الفتوی (اور اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے اعتماد اگرچہ پہلے قول پر ہے کیونکہ وہ اقوی ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت)

اقول مگر یہ نجاست مرئیہ میں ہے جیسے مردار یا غلیظ غیر مرئیہ میں بالاتفاق اُسی ظہور اثر کا اعتبار رہے،

کما نصوا علیہ قاطبۃ وقال فی البحر فی توجیہ القول الاٰخر للتیقن بوجود النجاسۃ فیہ بخلاف غیر المرئیۃ لانہ اذا لم یظھر اثرھا علم ان الماء ذھب بعینھا[3]۔ جیسا کہ اُن تمام نے اس پر نص کیا، اور بحر میں دوسرے قول کی توجیہ میں فرمایا کہ اس میں نجاست کا پایا جانا متیقن ہے بخلاف غیر مرئی نجاست کے کیونکہ جب اس کا اثر ظاہر نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ پانی اُس نجاست کو بہا کر لے گیا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

[3] ردالمحتار باب المیاہ " ۱/۱۳۸

اور چُونا نجاست نہیں متنجس ہے اور اعتبار نجس کا ہے نہ متنجس کا ولہذا اگر ناپاک گلاب یا زعفران آب جاری میں گرے اور اس میں گلاب کی بُو یا زعفران کی رنگت آجائے اسے ظہور اثر نہ کہیں گے بلکہ اُس نجاست کا کوئی وصف پانی میں آئے جس نے گلاب و زعفران کو ناپاک کیا تو پانی ناپاک ہوگا، ردالمحتار میں ہے :

فی شرح ھدیۃ ابن العماد لسیدی عبد الغنی الظاھر ان المراد اوصاف النجاسۃ لا المتنجس کماء الورد والخل مثلا فلو صب فی ماء جار یعتبر اثر النجاسۃ التی فیہ لا اثرہ نفسہ لطھارۃ المائع بالغسل ولم ار من نبہ علیہ وھو مھم فاحفظہ اھ[1]

سیدی عبدالغنی نے شرح ہدیۃ ابن العماد میں لکھا ہے کہ بظاہر اس سے مراد نجاست کے اوصاف ہیں نہ کہ نجس ہونے والا پانی، جیسے گلاب کا پانی اور سرکہ، اگر اس کو بہتے پانی میں ڈالا جائے تو اس میں جو نجاست ہے اس کا اثر معتبر ہوگا، خود اس کا اپنا اثر معتبر نہ ہوگا کیونکہ بہنے والی چیز غسل (دھونے) سے پاک ہوجاتی ہے، اس نکتہ پر میں نے کسی اور کو مطلع کرتا ہوا نہیں پایا حالانکہ یہ بہت اہم ہے اسے یاد کرلیجئے اھ (ت)

اقول وھو واضح البرھان فان المقصود غلبۃ النجاسۃ علی الماء حتی اکسبتہ وصفا لھا وذلک فی ظھور وصف نفسھا دون المتنجس بھا الا تری ان لوکانت قلیلۃ لا تغلب الماء وکان مکان ماء الورد ماء قراح لم یظھر اثرھا فکذا فی ماء الورد اذ لا تختلف قلۃ وکثرۃ باختلاف المتنجس۔

میں کہتا ہوں اس کی دلیل بہت واضح ہے کیونکہ مقصود نجاست کا پانی پر غالب ہونا ہے تاکہ نجاست کا وصف اس میں ظاہر ہوجائے، اور یہ تب ہے جب خود اس کا اپنا وصف اس میں ظاہر ہو نہ کہ اس چیز کا جو اس کی وجہ سے نجس ہوتی ہے، مثلاً اگر نجاست اتنی تھوڑی ہوتی کہ پانی پر غالب نہ ہوتی اور بجائے عرق گلاب کے سادہ پانی ہوتا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہوتا تو اسی طرح گلاب کے پانی کا حال ہے کیونکہ نجاست قلّت و کثرت میں ناپاک ہونے والے پانی کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی ہے۔ (ت)

توجبکہ وہ نجاست جس سے چُونا ناپاک ہُوا مرئی نہیں تو یہ صورت نجاست غیر مرئیہ کی ہے اس سے وہ روایت متعلق نہیں بلکہ یہاں بالاتفاق حکم طہارت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳ از کوٹا رپورہ عقب موچی کٹرہ مکان چاند خان دفعدار مرسلہ شیخ ممتاز علی بیکل منگلوری سرریہ محکمہ جنگلات کوٹا۔ ۱ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ۔

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین سوالاتِ ذیل کے جواب میں خداوند کریم آپ کو اجرِ عظیم اور سائل کو صراطِ مستقیم عطا فرمائے۔

عمرو وزید دو شخص ہیں عمرو سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ چاہ جو سامنے موجود ہے اس کا پانی قابلِ وضو اور نیز دیگر استعمال کے ہے یا نہیں؟ عمرو نے جواب دیا کہ بنا بر رفعِ شک چاہ کو ناپ لیا جائے چنانچہ وہ کنواں ناپا گیا تو لمبائی ۱۱½ ہاتھ اور چوڑائی ۹½ ہاتھ گہرائی ۳ ہاتھ ہوئی جو برابر ہے ۳۲۷٫۷۵ ہاتھ کے مگر زید اس کو ۴۲ ہاتھ بتلا کر اس کے پانی سے وضو ناجائز بتلاتا ہے اور پانی ہذا کو قابلِ استعمال نہیں بتلاتا لیکن عمرو نے اسی چاہ سے وضو کیا اور زید نے عمرو کے پیچھے نماز پڑھی لہذا التماس ہے کہ اس پانی کا استعمال موافق شرع شریف جائز ہے یا نہیں اور زید کی نماز اس صورت میں عمرو کے پیچھے ہوئی یا نہیں؟

نوٹ: اس چاہ میں پانی کی اس قدر آمد ہے کہ اگر چرس بند کردیا جائے جو دن بھر پانی کھینچتا ہے تو چاہ لبریز ہوکر زاید پانی ایک راستہ سے خارج ہوکر چند روز میں دو سو فیٹ لمبے اور پچاس فیٹ چوڑے بند کو جس کی گہرائی بھی ۳ فیٹ سے کم نہیں لبریز کردیتا ہے۔ یہ پانی مویشی پیتے ہیں یہ تو موسم سرما کی حالت ہے اور موسم گرما میں چرس چلے یا نہ چلے کنویں سے پانی باہر نہیں آتا البتہ جس قدر کنواں خالی ہوجاتا ہے وقت چرس چلنے کے اُتنا ہی رات کو پھر کنویں میں پانی آجاتا ہے ماسوا اس کے پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب ایسے کنویں قلیل ہیں کہ جن کا پانی ڈول وغیرہ سے کھینچا جائے ورنہ عام کنویں زینہ دار ہیں تمام لوگ اندر جاکر پانی پیتے اور بھرتے ہیں بلکہ نہانا اور عام طور پر کپڑے وغیرہ دھونے کا عام رواج ہے، ہاں بعض موقع پر ایسا بھی رواج ہے کہ جس کنویں کے اندر نہاتے ہیں اُس کا پانی نہیں پیتے۔

الجواب

پانی میں فقط اُس کی سطحِ بالا کی پیمائش معتبر ہے عمق کا اصلاً لحاظ نہیں اگر اوپر کی سطح مثلاً ایک ہاتھ مربع ہے اور ہزار ہاتھ گہرا ہے تو وہ ایک ہی ہاتھ قرار پائے گا اور سطح سو ہاتھ ہے اور فقط نصف ہاتھ گہرا ہے تو وہ پورا سو ہاتھ ٹھہرے گا نہ کہ پچاس۔ عمق صرف اتنا ہونا چاہئے کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھُلے لہذا چاہ مذکور کی مساحت ۱۰۹٫۲۵ ہاتھ ہے نہ ۳۲۷٫۷۵ بہرحال شک نہیں کہ وہ ماءِ کثیر ہے اُس سے وضو وغسل اور اُس میں کپڑے دھونا سب جائز ہے وہ نجاست پڑنے سے بھی ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست اس کا رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدل دے اُسے ۴۲ ہاتھ کہنا محض بے علمی اور اُس سے وضو وغسل ناجائز بتانا صریح نادانی ہے اور اگر واقع میں اُس کے اعتقاد میں یہی ہے کہ اُس کنویں کے پانی سے وضو نہیں ہوسکتا اور اُس نے عمرو کو اُس سے وضو کرکے نماز پڑھاتے دیکھا اور اپنے اُسی اعتقاد پر قائم رہ کر اُس کی اقتدا کرلی تو زید کی نماز نہ ہوئی کہ اُس کے

اعتقاد میں امام بے وضو نماز پڑھا رہا ہے بلکہ وہ اس سے بھی سخت تر ہے کہ اس سے نماز کو معاذ اللہ بازیچہ سمجھنا پیدا ہوتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی یہی حکم اُن سب کنوؤں کا ہے جن کے پانی کی سطح بالا ۲۲۵ فٹ ہو اُن میں کپڑے دھونا بھی جائز ہے اور اُس سے ناپاک نہ ہوں گے اگرچہ وُہ کپڑے ناپاک ہوں جب تک نجاست ان کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بدل دے واللہ تعالٰی اعلم۔

فتوٰی مسمّٰی بہ

الھنیئ النمیر فی الماء المستدیر ۱۳۳۴ھ

خوشگوار صاف آبِ مستدیر کی تحقیق (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۴۴ ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنوئیں کا دَور کے ہاتھ ہونا چاہئے کہ وہ دہ دردہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو سکے۔ بیّنوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

الجواب

اس میں چار قول ہیں ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے اور تحقیق جُدا ہے:

قول اول اڑتالیس ہاتھ خلاصہ وعلمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوٰی کبرٰی میں اسی کو احوط بتایا سید طحطاوی نے اُس کا اتباع کیا ہندیہ میں ہے:

ان کان الحوض مدورا یعتبر ثمانیۃ و اربعون ذراعا کذا فی الخلاصۃ وھو الاحوط کذا فی محیط السرخسی[1]۔ اگر حوض گول ہو تو اڑتالیس ہاتھ کا اعتبار ہوگا' کذا فی الخلاصۃ اور یہی احوط ہے کذا فی محیط السرخسی۔ (ت)

طحطاوی میں ہے: الاحوط اعتبار ثمانیۃ واربعین[2] (احوط اڑتالیس کا اعتبار کرنا ہے۔ ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی الماء الراکد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۷

دوم چھیالیس ہاتھ بعض کتب میں اسی کو مختار و مفتٰی بہ بتایا بحرالرائق میں نقل فرمایا: المختار المفتی به ستة واربعون کیلا یعسر رعایة الکسر[1] اھ (مختار و مفتٰی بہ چھیالیس ہے تاکہ کسر کی رعایت کی دشواری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ت)

اقول یرید ان ثمه کسرا اسقط او رفع تیسیرا ثم رأیت فی الفتح ماعین الرفع حیث قال ان کان الحوض مدورا فقدر باربعة واربعین وثمانیة و اربعین والمختار ستة واربعون و فی الحساب یکتفی باقل منها بکسر للنسبة لکن یفتی بستة واربعین کیلا یتعسر رعایة الکسر قال والکل تحکمات غیر لازمة انما الصحیح ماقدمناه من عدم التحکم بتقدیر معین[2] اھ ای عملا باصل المذهب وقد علمت ان الفتوی علی اعتبار العشر۔

میں کہتا ہوں ان کی مراد یہ ہے کہ یہاں کسر ہے جو ساقط کر دی گئی ہے یا بڑھائی گئی ہے آسانی کے لیے، پھر میں نے فتح میں دیکھا تو انہوں نے رفع کو متعین کر دیا، فرمایا اگر حوض گول ہو تو اس کا اندازہ چوالیس اور اڑتالیس کیا گیا ہے اور مختار چھیالیس کیا گیا ہے اور حساب کے اعتبار سے اس سے کم پر بھی اکتفا کیا جائیگا کسر نسبت کے لیے، لیکن چھیالیس پر فتوٰی دیا جائیگا تاکہ کسر کی رعایت میں پریشانی لاحق نہ ہو، فرمایا یہ تمام باتیں محض اپنی مرضی سے کہہ دی گئی ہیں ان کا ماننا لازم و ضروری نہیں صحیح وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کسی معین مقدار کا ہونا ضروری نہیں ہے اھ یعنی اصل مذہب پر عمل کرتے ہوئے اور آپ جان چکے کہ فتوٰی دہ در دہ پر ہے۔ (ت)

سوم چوالیس ہاتھ اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں، جامع الرموز میں ہے:

امافی المدور فیشترط ان یکون دوره ثمانیا واربعین ذراعا وقیل اربعا واربعین فالاول احوط کما فی الکبرٰی[3]۔

گول حوض میں شرط یہ ہے کہ اس کا دور اڑتالیس ہاتھ ہو، اور ایک قول ہے کہ چوالیس ہاتھ ہو تو اول احوط ہے جیسا کہ کبرٰی میں ہے۔ (ت)

چہارم چھتیس ہاتھ ملتقط میں اسی کی تصحیح کی امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فنِ حساب میں مبرہن ہے، جامع الرموز میں ہے:

وقیل ستة وثلثین وهو الصحیح المبرهن

اور ایک قول ہے کہ یہ چھتیس ہے اور یہی صحیح ہے

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء ولایجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰

[3] جامع الرموز باب بیان المیاہ گنبد ایران ۱/۴۸

عند الحساب کما فی الظہیریة وفی الاولین تحقق الحوض المربع داخل المدور وفی الثالث مایساویہ[1]

اور حساب کی رُو سے مبرہن ہے کما فی الظہیریہ اور پہلے دو میں مربع حوض مدور حوض میں متحقق ہوگیا اور تیسرے میں اس کے مساوی ہے۔ (ت)

اسی پر مولٰی خسرو نے متن غرر میں مع افادۂ تصحیح اور مدقق علائی نے درمختار اور علامہ فقیہ و محاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا ردالمحتار میں ہے:

قولہ وفی المدور بستة وثلثین ای بان یکون دورہ ستة وثلثین ذراعا وقطرہ احد عشر ذراعا وخمس ذراع ومساحتہ ان تضرب نصف القطر وھو خمسة ونصف وعشر فی نصف الدور وھو ثمانیة عشر یکون مائة ذراع واربعة اخماس ذراع اھ سراج وماذکرہ ھو احد اقوال خمسة[2] وفی الدر[3] عن الظہیریة ھو الصحیح۔

ان کا قول کہ مدور میں چھتیس ہیں یعنی اس کا دور چھتیس گز ہو اور اس کا قطر گیارہ گز اور ایک خمس ہو اور اس کی مساحت یہ ہے کہ نصف قطر یعنی ساڑھے پانچ کا اور دسویں کو نصف دور میں ضرب دی جائے، اور یہ اٹھارہ ہے، تو کل سو ہاتھ اور چار خمس ذراع ہوگا اھ سراج، اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ پانچ میں سے ایک قول ہے اور در میں ظہیریہ سے ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (ت)

اقول تحقیق یہ ہے کہ اُس کا دور تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہیے یعنی ۳۵ء۴۴۹ تو قطر تقریباً ۵ گز ۱۰ ½ گرہ ہوگا بلکہ دس گرہ ایک اُنگل یعنی ۱۱ء۲۸۴ ہاتھ بیان اس کا یہ کہ اصول ہندسہ[4] مقالہ ۳ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط

---

[1] جامع الرموز باب بیان الماء گنبد ایران ۱/۴۸

[2] لم ار فی التقدیر الا اربعة اقوال وکانہ اراد بالخامس ماذکر المحقق ان لا تعیین ۱۲ منہ حفظہ ربہ تعالٰی (م)

میں نے تقدیر میں صرف چار قول دیکھے ہیں شامی نے گویا پانچویں سے وہ مراد لیا ہے جس کو محقق نے ذکر کیا ہے کہ تعیین نہیں۔ (ت)

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۲

[4] یہ کتاب کتاب اقلیدس سے جدا و جدید ہے ۸ مقالوں پر مشتمل اور ہندسہ و مساحت و مثلث کروی سب میں مفید ہے اس میں بہت دعاوی کا بیان کتاب اقلیدس پر مزید ہے فاضل محمد عصمہ مدی نے اسے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا ۱۲ (م)

یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر و محیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجئے کہ حاصل سب کا واحد ہے[ف۱] اور ہم نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر اجزائے محیطیہ سے قد حہ لہ الط لو مہ ہے نصف قطر نرحہ سر مدمح الـ یعنی محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہے قطر اُس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیے ۳۶ ثالثے ۵۴ رابعے ہے۔

وفی حساب الفاضل غیاث الدین جمشید الکاشی علی مانقل العلامۃ البرجندی فی شرح تحریر المجسطی لو بعہ ای ستاو خمسین مکان مہ لا یفارق محسوبی الا بنحو ا ا رابعۃ وجاء بحساب اخر مربعہ رفعا ای سبعا واربعین و بالجملۃ لا فرق الا فی بعض روابع وعلی ھذا الاخیر عولنا۔

اور فاضل غیاث الدین جمشید الکاشی کے حساب میں جیسا کہ علامہ برجندی نے شرح تحریر مجسطی میں لکھا ہے لو بعہ یعنی ۵۶ بجائے مہ، یہ حساب میرے حساب سے مختلف نہیں مگر صرف ۱۱ رابعہ کی مقدار میں اور دوسرے حساب سے مربعہ رفعا یعنی سینتالیس ہے، خلاصہ یہ کہ اختلاف صرف بعض روابع میں ہے اور اسی اخیر پر ہم نے اعتماد کیا ہے۔ (ت)

تو قطر اگر ایک ہی محیط ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ہے فان ۳۶۰ ÷ ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ = ۱۱۴٫۵۹۱۵۵۹۱۵۷ تحویلہ الی الستینی قد حہ لہ الط لو مہ یہاں سے ہمیں دو مساواتیں حاصل ہوئیں قطر و محیط و مساحت کو علی التوالی ق ط م فرض کیجئے پس (۱) ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق = ط اس لیے کہ:

۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ :: ق : ط

(۲) ق ط / ۴ = م[ف۲] ان کے بعد قطر و محیط و مساحت سے جو چیز گز، ہاتھ، فٹ، گرہ وغیرہا جس معیار سے مقدر کی جائے اُسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہو جائے گی جس کی جدول ہم نے یہ رکھی ہے۔

معلوم / مطلوب	قطر	محیط	مساحت
قطر		۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ ق²
محیط	ط / ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵		ط² / ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶
مساحت	√(م / ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵)	√(۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶ م)	

[ف۱] عدد معلوم یعنی مقدار محیط باجزائے قطریہ کو ص فرض کیجئے ∴ ص ق = ط، ق ط / ۴ = م ∴ ص ق² / ۴ = م یہ عدد ص/۴ ہے ۱۲ منہ (م)

[ف۲] جبکہ ط / ص = ق، ق ط / ۴ = م ∴ ط² / ۴ص = م یہ عدد ۴ص ہے ۱۲ منہ (م)

پھر آسانی کے لیے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حسابیہ سے وہ تصرفات کر دئے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے۔

معلوم \ مطلوب	لوقطر	لومحیط	لومساحت
لوقطر		لوق + ۰٫۴۹۷۱۴۹۹	۲ لوق + ۱̅٫۸۹۵۰۸۹۹
لومحیط	لوط + ۱̅٫۵۰۲۸۵۰۱		۲ لوط + ۲̅٫۹۰۰۷۹۰۱
لومساحت	(لوم + ۰٫۱۰۴۹۱۰۱) / ۲	(لوم + ۱٫۰۹۹۲۰۹۹) / ۲	

یہاں مساحت معلوم ہے ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۲٫۰ ∴ (۲٫۱۰۴۹۱۰۱)/۲ = ۱٫۰۵۲۳۵۵۰ کہ لوگارثم ۱۱٫۲۸۴ کا ہے یہ قدر قطر ہوئی نیز (۳٫۰۹۹۲۰۹۹)/۲ = ۱٫۵۴۹۶۰۴۹ کہ لوگارثم ۳۵٫۴۴۹ کا ہے یہ مقدار دَور ہوئی۔ ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ ۱۱٫۲۸۴ × ۳۵٫۴۴۹ = ۴۰۰٫۰۰۶۵۱۶ ÷ ۴ = ۱۰۰٫۰۰۱۶ کہ سو ہاتھ سے صرف ۱۶/۱۰۰۰۰ یعنی ۱/۶۲۵ زائد ہے کہ ایک انگل عرض کا ۲۴/۶۲۵ یعنی انگل کے پچیسویں حصے سے بھی کم ہے بخلاف حساب سراج و شرنبلالیہ کہ اُن کے خیال سے ۱۹ انگل اور واقع میں تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھتا ہے کما سیأتی۔

اقول وبھذا علم ما فی البیانات السابقۃ **فاولا** ماکان دورہ ستا وثلثین لایزید قطرہ علی ۱۱ ذراعا بخمس ذراع فقط بل بقریب من نصف ذراع لان ۳۶ لوغارثمہا ۱٫۵۵۶۳۰۲۵ + ۱̅٫۵۰۲۸۵۰۱ = ۱٫۰۵۹۱۵۲۶ وھو لوغارثم ۱۱٫۴۵۹ لاینقص من النصف الا قدر ۴۱/۱۰۰۰ **وثانیا** ماکان کذا تزید مساحتہ علی مائۃ ذراع باکثر من ثلثۃ اذرع لا اربعۃ اخماس ذراع وذلک لان ۲ × ۱٫۵۵۶۳۰۲۵ = ۳٫۱۱۲۶۰۵۰ + ۲̅٫۹۰۰۷۹۰۱ = ۲٫۰۱۳۳۹۵۱ وھو لوغارثم ۱۰۳٫۱۳ **وثالثا** لو عمل بقطر ذکر بان یرسم خط

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ سابقہ بیانات میں ہے اوّلاً جس کا دور چھتیس ہو اس کا قطر ۱۱ ذراع پر ایک ذراع کا صرف پانچواں حصہ زائد نہ ہوگا بلکہ آدھے ذراع کے قریب زائد ہوگا کیونکہ ۳۶ کا لوغارثم ۱٫۵۵۶۳۰۲۵ + ۱̅٫۵۰۲۸۵۰۱ = ۱٫۰۵۹۱۵۲۶ ہے اور وہ لوگارثم ۱۱٫۴۵۹ کا ہے یہ نصف سے صرف ۴۱/۱۰۰۰ کی مقدار کم ہے، اور ثانیاً جو ایسا ہو اس کی پیمائش سو ہاتھ پر تین ذراع سے زائد ہوگی نہ یہ کہ ایک ذراع کا ۴/۵ اور یہ اس لیے ہے کہ ۲ × ۱٫۵۵۶۳۰۲۵ = ۳٫۱۱۲۶۰۵۰ + ۲̅٫۹۰۰۷۹۰۱ = ۲٫۰۱۳۳۹۵۱ اور وہ لوگارثم ہے ۱۰۳٫۱۳ کا،

مثلہ و رسمت علی منتصفہ ببعد طرفہ دائرۃ فجعل دورالبئر مثلہا لم یصح فان ۱۱۶۲ لوغارثمہ ۱۰۶۰۴۹۲۱۸۰ ضعفہ ۲۶۰۹۸۴۳۶۰، + ۶۸۹۵۰۸۹۹ ۶۸۹۵۰۸۹۹ آ = ۱۶۹۹۳۵۲۵۹ وھو لوغارثم ۹۸۶۵۲ فیکون السطح اقل من مائۃ ذراع بذراع ونصف تقریبا وبالجملۃ ان اخذ الدور زاد علی المطلوب بثلثۃ اذرع وان اخذ القطر نقص عنہ بذراع ونصف ان ارید الجمع بینہما لم یمکن۔ اما قول المحقق الشرنبلالی فی غنیۃ ذوی الاحکام حیث ذکراولا ما مرعن ش عن السراج ثم قال وبرھان ذلک انا علمنا الدور والمساحۃ التی ھی تکسیر الدائرۃ فقسمنا المساحۃ علی ربع الدور وھو تسعۃ فخرج القطر احد عشر ذراعا وخمس ذراع و برھان اعتبار ستۃ وثلثین بقسمۃ المساحۃ وھی مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع علی نصف القطر فھو علی ما ذکرناہ اھ[1]

اور ثالثاً اگر مذکورہ قطر پر عمل کیا جائے اس طرح کہ اسی کی مثل ایک خط کھینچا جائے اور اُس کے نصف پر اُس کے بُعد کے کنارے پر ایک دائرہ کھینچا جائے اور کنوئیں کا دَور اسی کی مثل کیا جائے، تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ ۲، ۱۱ کا لوگارثم ۱۰۶۰۴۹۲۱۸۰ ہے اس کا دوگنا ۲۶۰۹۸۴۳۶۰، + ۶۸۹۵۰۸۹۹ ۶۸۹۵۰۸۹۹ آ = ۱۶۹۹۳۵۲۵۹ ہے اور یہ لوگارثم ۹۸۶۵۲ ہے تو سطح سو ہاتھ سے تقریباً ڈیڑھ ہاتھ کم ہو گی اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر دور لیا جائے تو مطلوب پر زاید ہوگا تین ہاتھ اور اگر قطر لیا جائے تو اس سے ڈیڑھ ہاتھ کم ہوگا اور اگر ان دونوں میں جمع کا ارادہ کیا جائے تو ممکن نہ ہوگا، اور غنیۃ ذوی الاحکام میں محقق شرنبلالی نے فرمایا پہلے تو جو ذکر کیا گیا 'ش' سے، 'سراج' سے وہ انھوں نے ذکر کیا، پھر فرمایا ' اس کی برہان یہ ہے کہ ہمیں دور اور پیمائش کا علم ہے جو دائرہ کی تکسیر ہے، تو ہم نے مساحۃ کو رُبع دور پر تقسیم کیا اور وہ ۹ ہے تو قطر $\frac{1}{5}$ ۱۱ ذراع نکلا' اور برہان اس امر پر کہ ۳۶ کا اعتبار مساحۃ کی تقسیم پر اور وہ مساحۃ سو ذراع اور چار خمسِ ذراع ہے نصف قطر پر، تو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ اس کے مطابق ہے اھ۔ (ت)

فاقول لفظ نصف ھھنا سبق قلم و صوابہ علی ربع القطر لما علمت ان $\frac{\text{ق ط}}{۴}$ = م قسمنا المعادلۃ علی $\frac{\text{ط}}{۴}$ ∴ ق = م ÷ $\frac{\text{ط}}{۴}$

میں کہتا ہُوں لفظ نصف یہاں قلم کی سبقت ہے صحیح ربع قطر ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ $\frac{\text{ق ط}}{۴}$ = م، ہم نے معادلہ کو تقسیم کیا $\frac{\text{ط}}{۴}$ پر

[1] غنیہ ذوی الاحکام علی حاشیۃ غرر الاحکام فرض الغسل دارالسعادۃ مصر ۱/۲۳

وھی دعواہ الاولی وثانیا قسمناھا علی ق/۲ ÷ ط = ص ÷ ق/۲ لا ق/۲ وھی دعواہ الاخری ھذا سھل وانما الشان فی تعیین ھذہ المقادیر وما القصد الا ابداء مقدار دور تکون مساحتہ مائۃ ذراع فلیس بالید الا ھذہ فاولا[ف] کیف عُدل عنہا الی ما یزید علیہا باربعۃ اخماس ذراع[۱] وثانیا[ف۲] بنیتم برھان اعتبار ھذا الدور علی قدر القطر وبرھان اعتبار ھذا القطر علی قدر الدور وھذا دور وثالثا[ف۳] بنیتم المساحۃ تبعا للسراج علی الدور والقطر وھذان دوران اخران ولکن الامر ان السراج بنی الامر علی الاستقراء فقرب تقریبا واذا تقرر ھذا فاثبات القطر من الدور والمساحۃ او الدور من القطر والمساحۃ ارادۃ تحقیق ما تقرر لا البرھان علی ذلک وباللہ التوفیق ھذا وما ذکر القھستانی من وقوع مربع عشر داخل دائرۃ محیطھا ثمانیۃ واربعون او اربعۃ واربعون۔

ق = ص ÷ ط/۲ پر اور یہ اس کا پہلا دعوی ہے۔

اور ثانیاً ہم نے اس کو ق/۲ ÷ ط = ص ÷ ق/۲ لا ق/۲ پر تقسیم کیا، اور یہ ان کا دوسرا دعوی ہے یہ سہل ہے اور اہم معاملہ ان مقادیر کی تعیین کا ہے اور مقصد صرف مقدار دور کا اظہار ہے جس کی مساحت ایک سَو ذراع ہو، تو ہاتھ میں یہی ہے۔

اولاً یہاں اُس سے عدول کرکے وہ چیز اختیار کی گئی ہے جس پر ایک ذراع کے چار خمس زاید ہے، ایسا کیوں کیا گیا؟

ثانیاً اس دور کے اعتبار کی برہان کو تم نے قطر کی مقدار پر مبنی کیا ہے، اور اس قطر کے اعتبار کی برہان کو دور کی مقدار پر مبنی کیا ہے، اور یہ دور ہے۔

ثالثاً تم نے پیمائش کی بنیاد، سراج کی پیروی میں، دور اور قطر پر رکھی ہے، اور یہ دو دوسرے دور ہیں، لیکن سراج نے معاملہ کی بنیاد استقراء پر رکھی ہے تو ان کی یہ بات قریب قریب ٹھیک ہے، جب یہ ثابت ہوگیا تو قطر کو دور اور پیمائش سے الگ کرنا یا دور کو قطر و پیمائش سے الگ کرنا، ثابت شدہ چیز کی تحقیق کا ارادہ ہے اس پر برہان نہیں ہے وباللہ التوفیق، اس کو سمجھنا چاہیے، اور قہستانی نے دس کے مربع کا ذکر کیا ہے جس کے دائرہ کا محیط اڑتالیس یا چوالیس بنتا ہے۔ (ت)

فاقول لہ وجہ فی الاول فیقع فیہا لغۃ وان لم یقع علی مصطلح الفن من ان یماسہا جمیع زوایاہ وذلک لان المربع الواقع فی محیط ثمانیۃ واربعین ضلعہ اطول[۱]

میں کہتا ہوں اس کی پہلے میں وجہ موجود ہے تو وہ اس میں لغت کے اعتبار سے واقع ہے اگرچہ فن کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہے، یعنی یہ کہ اس کو اس کے تمام زاویے مس کرتے ہوں اور اس کی دلیل

---

[۱] ای باکثر من اربعۃ اخماس ذراع وذلک

یعنی ایک ہاتھ کے چار خمس سے زیادہ (باقی برصفحہ آئندہ)

من عشرۃ فلا یمکن ان یماسہا اکثر من زاویتین من المربع اما فی الثانی فلا وجہ لہ اصلا فلیقع مربع اء فی دائرۃ اب ج ء علی مرکز ھ ولو ۴۴ = ۱۲۶۴۳۳۵۲۷۴ + ۱ ء ۲۶۵۰۲۸۵۰۱ آ =

۱۶۱۴۶۳۰۲۸ ھذا لو القطر، - ۰۶۳۰۱۰۳۰۰ = ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ ھذا لو نصفہ اھ ثم فی مثلث اھ ب القائم الزاویۃ اھ: جیب ب وھی مہ حہ لو جیبہا ۰ ۳۸۵ ۹ ۴ ۸ ء آ :: اب ع ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ = ۱۶۸۴۹۳۸۵۰ - ۰۶۹۹۵۷۸۷۸ ھذا لو اب وان شئت بالعروسی فضعف لو اھ

یہ ہے کہ جو مربع اڑتالیس کے محیط میں ہوتا ہے، اس کا ضلع دس سے لمبا ہوتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ مربع کے دو سے زاید زاویے اس کو مس کریں، اور دوسرے میں اس کی کوئی وجہ موجود نہیں، مثلاً اء کا مربع اب ج ء کے دائرہ میں واقع ہو اور ھ کے مرکز پر ہو اور لو ۴۴ = ۱۶۶۴۳۳۵۲۷، + ۱۲۶۵۰۲۸۵۰ آ = ۱۶۱۴۶۳۰۲۸ یہ لو قطر ہے ۰۶۳۰۱۰۳۰۰ - = ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ یہ لو اس کا آدھا ہے اھ پھر مثلث میں اھ ب زاویہ قائمہ اھ: جیب ب اور یہ مہ حہ لو اس کا جیب ہے ۰ ۳۸۵ ۹ ۴ ۸ ء آ :: اب : ع ۰۶۸۴۳۵۲۷۲۸ = ۰۶۹۹۵۷۸۷۸ = آ ۶۸۴۹۳۸۵۰ - یہ لو اب ہے اور اگر تم چاہو شکل عروسی سے تو اھ کا دوگنا لو اھ ۱۶۶۹۰۵۳۵۶ اس کا عدد ۴۹۲۰۳۹۴۳۵۶۸ کا دوگنا ۹۸۴۰۷۸۹۱۳۶ اس کا لوگارثم ۱۶۹۹۱۵۷۵۶ اسکا نصف ۰۶۹۹۵۷۸۷۸ ہے جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لان لو المحیط ۱۶۶۸۱۲۳۱۲ + ۱ ء ۲۶۵۰۲۸۵۰۱ آ = ۱۶۱۸۳۰۹۱۳ ھذا لو القطر ۰۶۳۰۱۰۳۰ - = ۰۶۸۸۳۰۹۱۳ ھذا لو نصف القطر - لو جیب مہ ۰ ۳۸۵ ۹ ۴ ۸ ء آ = ۱۶۰۳۳۵۷۶۳ ھذا لو ضلع المربع الواقع فیہ فھی ۱۰۶۸۰۳۷۵ فالمساحۃ تکون اکثر من ۱۱۶۶۷۲ ھذا فی المربع اما الدائرۃ فمساحتہا اکثر من مائۃ وثلثۃ وثمانین ذراعا اھ منہ (م)
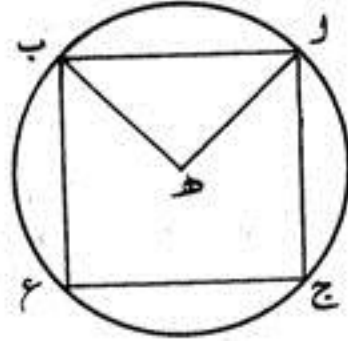
کیونکہ محیط کا لوگارثم ہے ۱۶۶۸۱۲۳۱۲ + ۱، ۲۶۵۰۲۸۵۰۱ آ = ۱۶۱۸۳۰۹۱۳ یہ قطر کا لوگارثم ہے ۳۰۰ ۰۶۳۰۱۰ - = ۰۶۸۸۳۰۶۱۳ یہ نصف قطر کا لوگارثم ہے - لو جیب مہ ۰ ۳۸۵ ۹ ۴ ۸ ۱۶ = ۱۶۰۳۳۵۷۶۳ یہ محیط میں واقع ہونے والے مربع کے ضلع کا لوگارثم ہے ۱۶۸۰۳۷۵ لہذا مساحت ۱۱۶۶۷۲ سے زیادہ ہوگی یہ مربع میں ہے، رہا دائرہ تو اس کی پیمائش ایک سوتراسی (۱۸۳) ہاتھ سے زیادہ ہے۔ (ت)

١٢٦٩٠٥٣٥٦ عددها ٣٩٦٠٣٩٣٥٦٨ ضعفه ٩٨٦٠٧٨٩١٣٦ لوغارثمه ١٦٩٩١٥٤٥٦ نصفه ٠٦٩٩٥٧٨٧٨ مثل ما مر وھو لوغارثم ٩٦٩٠٣٥ وھذا قدر الضلع ولم تبلغ عشرا کما تری ثم المساحة ٩٨٦٠٧٩ اقل من مائة بنحو ذراعین لما علمت انها ضعف مربع اھ وضعف مربع نصف القطر ھی مساحة المربع لان مساحة مربع ضلع ا ب وھو ضعف مربع اھ بالعروسی فانی یقع فیها مربع عشر فی عشر۔

تنبیہ حکم العلامة الشرنبلالی ببطلان سائر الاقوال سوی الرابع حیث قال والصواب کلام الظھیریة ولا یعدل عنه الی غیرہ وقال فالزام قدر یزید علی الستة والثلثین لا وجه له علی التقدیر بعشر فی عشر عند جمیع الحساب اھ[1] **اقول** وقد اشار الی الجواب عما یتوھم ان فیها قولین مصححین بل الثانی مذیل بطراز الفتوی فکیف یمنع المصیر الیه بل انما ینبغی التعویل علیه وذلك ان المفتی به المعتمد ھو التقدیر بمائة والاقوال جمیعا انما تروم ومبنی ذلك علی الحساب دون التفقھات الغامضة التی لا قول لنا فیها لا سیما علی خلاف الفتوی وامر الحساب لا یلتبس فاذا علمنا قطعا ان الصواب ھذا وجب

گزرا اور وہ لوگارثم ہے ٩٦٩٠٣٥ کا، یہ ضلع کی مقدار ہے اور یہ دس تک نہیں پہنچ سکی ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں پھر پیمائش ٩٨٦٠٧٩ سو سے تقریباً دو ذراع کم ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ مربع کا دوگنا ہے اھ اور نصف قطر کے مربع کا دوگنا ہی مربع کی پیمائش ہے کیونکہ اس کی پیمائش ا ب ضلع کا مربع ہے اور وہ اھ کے مربع کا دوگنا ہے شکل عروسی کے اعتبار سے، تو اس میں دہ در دہ کا مربع کہاں سما سکتا ہے! (ت)

تنبیہ علامہ شرنبلالی نے سوائے چوتھے قول کے تمام اقوال کو باطل قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں صحیح ظہیریہ کا قول ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو اختیار نہ کیا جائے نیز فرمایا ایسی مقدار کا لازم قرار دینا جو چھتیس ٣٦ سے زاید ہو اس کی کوئی وجہ نہیں جبکہ دہ در دہ کا اندازہ ہو، یہی تمام حساب دانوں کے نزدیک ہے اھ میں کہتا ہوں یہ اشارہ ہے وہم کے جواب کی طرف، وہم یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہے بلکہ دوسرے قول کی بابت کہا گیا ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے، تو اس کی طرف رجوع کرنے کو کیونکر منع کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ اس پر تو اعتماد کرنا چاہئے، کیونکہ معتمد اور مفتی بہ سو کا اندازہ ہے اور تمام اقوال کا مقصود بھی یہی ہے، یہ چیز تو حساب پر مبنی ہے اس میں لمبی چوڑی فقیہانہ ابحاث کا کوئی موقعہ نہیں، خاص

[1] غنیة ذوی الاحکام حاشیة علی الغرر فرض الغسل ١/٢٣

ترك ماسواه غيران قدوة الرياضيين
العلامة عبد العلى البرجندى رحمه
الله تعالٰى حاول فى شرح النقاية توجيه قولي
۸۴ و۴۴ عازيا لهذا الى الكبرى والذى
رأيته فى شرح القهستانى ان فى الكبرى
جعل الاول هو الاحوط والله تعالٰى اعلم و
كانه لم يقع له قول ۴۴ فقال تحقيق الكلام
ههنا متوقف على ثلث مقدمات اولٰها ان
مربع وترالقائمة فى مثلث يساوى مجموع
مربعى ضلعيها وان محيط الدائرة ازيد من
ثلثة امثال قطرها بسبع قطرها وانه اذا
كانت مساحة دائرة معلومة وقسمت باحد
عشر قسما متساوية ونزيد ثلثة اقسام منها
على مجموع المساحة واخذ جذر المجموع
يكون قطر الدائرة كل ذلك مبرهن
فى علمى الهندسة والحساب فنقول اذا كان
كل من ضلعى الحوض المربع عشر اذرع كان
مجموع مربعى الضلعين مائتين وجذرهما
اربعة عشر وعشر ونصف عشر[1] تقريبا و
هو مقدار الخط الواصل بين الزاويتين
المتقابلتين وهو اطول الامتدادات الممكنة
فى المربع المذكور للمقدمة الاولى فاعتبر

طور پر فتویٰ کے خلاف کہنے کی گنجائش نہیں، اور
حساب کا معاملہ تو بالکل واضح ہوتا ہے، اب جبکہ
ہمیں معلوم ہوگیا کہ صحیح یہی ہے تو دوسرے اقوال کا
ترک لازم ہوگیا، البتہ قدوۃ الریاضیین علامہ عبدالعلی
برجندی نے شرح نقایہ میں ۸۴ اور ۴۴ کے دو قول کی
تشریح کی کوشش کی ہے، اس کو کبریٰ کی
طرف منسوب کیا ہے اور میں نے شرح قہستانی میں
دیکھا کہ کبریٰ میں پہلے قول کو احوط قرار دیا ہے واللہ
تعالٰی اعلم اور غالباً ۴۴ کے قول کی طرف وہ متوجہ نہ
ہُوئے تو فرمایا یہاں تحقیق کلام تین مقدمات پر مبنی ہے
(۱) قائمہ کے وتر کا مربع مثلث میں اس کے
دو ضلعوں کے دو مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے۔
(۲) اور دائرہ کا محیط اس کے قطر کی تین مثل سے
اس کے قطر کے سبع جتنا زیادہ ہوتا ہے۔
(۳) اگر ایک دائرہ کی مساحت معلوم ہو اور گیارہ
پر برابر تقسیم کی جائے اور اس میں سے تین اقسام کا
اضافہ کیا جائے مجموعی پیمائش پر اور مجموعہ کا جذر لیا جائے
تو دائرہ کا قطر نکل آئے گا۔
یہ سب علم ہندسہ اور حساب میں مبرہن ہے، اب
ہم کہتے ہیں کہ جب ایک مربع حوض کے دونوں ضلعے
دس ذراع ہوں گے تو دونوں ضلعوں کے دونوں مربعوں
کا مجموعہ دو سو ہوگا اور دونوں کا جذر چودہ ذراع اور
دسواں اور دسویں کا آدھا ہوگا تقریباً، اور یہی مقدار

---

[1] بل جزء من خمسة وعشرين جزء وشئ قليل فانه ۱۴،۱۴۴ تقريبا اھ منه (م)

بلکہ پچیس اجزاء میں سے ایک جزء اور تھوڑی مقدار کیونکہ وہ ۱۴،۱۴۴ ہے تقریباً۔ (ت)

فی الفتاوی الکبرٰی ان یکون قطر الحوض المدور مساویا لاطول الامتدادات المفروضۃ فی الحوض المربع لیمکن وقوع مربع بالشروط المذکورۃ داخل الحوض المدور ولا یکون البعد بین جزئین متقابلین من محیط المدور فی شیئ من المواضع اقصر من اطول امتدادات المربع فیکون محیط الحوض المدور ثلثۃ امثال ذٰلک الامتداد وسبعہ اعنی اربعا واربعین ذراعا واربعۃ اعشار وثلثی عشر[1] للمقدمۃ الثانیۃ ولما کان الکسر الزائد اقل من النصف اسقطوہ کما ھو عادۃ اھل الحساب وصاحب الخلاصۃ اعتبر ایضا ما اعتبر فی الکبرٰی لکنہ لم یتدقق فی الحساب فاخذ الکسر الزائد واحدا للاحتیاط فاخذ الامتداد الاطول خمسۃ عشر فاذا اعتبرناہ قطرا یکون المحیط سبعا واربعین ذراعا وسبع ذراع فاعتبر ثمانیا واربعین تتمیما[2] للکسر القاضی

اس خط کی ہے جو دو متقابل زاویوں کے درمیان متصل ہے، اور یہ مربع مذکور میں ممکنہ امتدادات میں سب سے لمبا ہے اس کی دلیل پہلا مقدمہ ہے تو فتاوی کبرٰی میں اس امر کا اعتبار کیا گیا ہے کہ گول حوض کا قطر مربع حوض کے مفروضہ امتدادات میں سب سے طویل ہو تاکہ گول حوض میں شرط مذکور کے ساتھ مربع کا ہونا ممکن ہو، اور گول حوض کے محیط سے دو متقابل اجزا کا درمیانی بُعد کسی جگہ بھی مربع کے امتدادات میں سے طویل تر سے چھوٹا نہ ہو تو گول حوض کا محیط اس امتداد سے تین گُنا اور ساتواں ہوگا یعنی چوالیس ہاتھ اور چار اعشار اور دسویں کے دو ثلث ہوں گے، یہ دوسرے مقدمہ سے ثابت ہے اور چونکہ کسر زائد نصف سے کم ہے تو اس کو ساقط کردیا گیا جیسا کہ حساب دانوں کا طریقہ ہے، اور خلاصہ کے مصنف نے وہی اعتبار کیا ہے جو فتاوٰی کبرٰی میں کیا ہے، لیکن انہوں نے حساب میں باریک بینی نہ کی، تو انہوں نے کسر زاید کو ایک اعتبار کیا احتیاطاً، تو انھوں نے طویل ترین امتداد کا اعتبار پندرہ ذراع

---

[1] بل الکسر علی ما ذکرہ ۴۷۱۴۳۶ وھو اربعۃ اعشار واکثر من ثلثی عشر بقدر $\frac{۶}{۱۲۵}$ تقریبا وعلی ما ذکرنا ۴۶۳۳۴۶ وھو اربعۃ اعشار واقل بثلثی عشر بقدر $\frac{۵۱}{۲۵۰}$ ای اکثر من خمس العشر اھ منہ (م)

[2] اقول السبع لایتم ولا احتیاط فی الاحتیاط فکان یجب ترکہ اھ منہ۔ (م)

بلکہ ان کے ذکر کے مطابق کسر ۴۷۱۴۳۶ ہے اور یہ چار عُشر اور ایک عُشر کے دو تہائی حصے سے تقریباً $\frac{۶}{۱۲۵}$ کی مقدار میں زیادہ ہے اور ہمارے بیان کے مطابق ۴۶۳۳۴۶ ہے اور یہ چار عشر اور $\frac{۵۱}{۲۵۰}$ کی مقدار میں دسویں حصے کے دو ثلث سے کم یعنی دسویں حصے کے پانچویں حصے سے زیادہ۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ ساتواں حصہ مکمل نہیں ہوتا اور اس احتیاط میں احتیاط نہیں ہے لہذا اس کا ترک کرنا واجب تھا۔ (ت)

الامام ظہیر الدین اعتبر ان تکون مساحۃ الحوض المدور مساویۃ لمساحۃ المربع فیکون الماء فیہ مساویا لماء المربع ولیشبہ ان یکون ھذا ماخوذا عما نقل عن محمد بن ابراھیم المیدانی علی ما مرتنقول کانت المساحۃ مائۃ قسمناھا باحد عشر قسما کان کل قسم تسعۃ وجزء من احد عشر فاذا زدنا ثلثۃ امثالھا علی المائۃ حصل مائۃ وسبعۃ وعشرون و ثلثۃ اجزاء من احد عشر وجذرہ یکون احد عشر وخمسا ونصف عـ۱ سدس تقریبا وھو قطر دائرۃ مساحتھا مائۃ للمقدمۃ الثالثۃ وثلثۃ امثالہ مع سبعۃ اعنی محیط الحوض المدور یکون خمسا وثلثین ذراعا ونصف ذراع الا نصف عـ۲ عشر فاعتبروا ھذا الکسر واحدا واخذوا محیطہ ستا وثلثین وانما اوردنا ھذہ المباحث لیظھر وجہ صحۃ اقوال ھؤلاء الائمۃ وانہ لیس شیئ منھا کما توھم بعضھم غلطا صریحا وکم من عائب قولا صحیحا[1] اھ۔

کیا، توجب ہم اس کو قطر قرار دیں تو محیط سینتالیس گز اور ایک ذراع کا ساتواں ہوگا، لیکن کسر کو ختم کرنے کے لیے پورے اڑتالیس کا اعتبار کیا گیا ہے اور قاضی ظہیر الدین نے گول حوض کی پیمائش مربع کی پیمائش کے مساوی قرار دی ہے، تو اس کا پانی مربع کے پانی کے مساوی ہوگا، اور غالباً یہ محمد بن ابراہیم میدانی کی نقل سے ماخوذ ہے جیسا کہ گزرا، ہم کہتے ہیں پیمائش سو تھی اس کو ہم نے گیارہ پر تقسیم کیا تو ہر حصہ نو اور گیارہ کا ایک جز ہوا اور جب اس کا تین گنا سو پر زاید کیا تو ایک سو ستائیس اور گیارہ کے تین اجزا حاصل ہوئے اور اس کا جذر گیارہ اور پانچواں اور چھٹے کا تقریباً نصف ہوا اور وہ دائرہ کا قطر ہے جس کی پیمائش سو ہے، اس کی دلیل تیسرا مقدمہ ہے اور اس کا تین گنا مع ساتویں کے یعنی گول حوض کا محیط پینتیس ذراع اور نصف ذراع دسویں کا نصف کم ہوگا تو اس کسر کو انہوں نے پورا ایک شمار کیا اور اس کا محیط چھتیس لیا اور ہم نے یہ مباحث اس لیے ذکر کیے تاکہ ان ائمہ کے اقوال کی صحت کا سبب معلوم ہوسکے اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی صریح غلط نہیں جیسا کہ بعض نے وہم کیا، اور بہت سے لوگ صحیح اقوال کو عیب لگاتے ہیں اھ (ت)

عـ۱ ای اقل منہ بشیئ قلیل فانہ ۱۱٫۲۸۱۵۱۸ تقریبا اھ منہ (م)

یعنی اس سے کچھ کم کیونکہ وہ تقریباً ۱۱٫۲۸۱۵۱۸ ہے اھ (ت)

عـ۲ بل المستثنی اقل منہ فعلی ما ذکرہ $\frac{۳}{۱۰۵}$ و علی ما ذکرنا $\frac{۲۱۹}{۵۰۰۰}$ اھ منہ (م)

بلکہ مستثنیٰ اس سے کم ہے ان کے ذکر کے مطابق $\frac{۳}{۱۰۵}$ ہے اور ہمارے ذکر کے مطابق $\frac{۲۱۹}{۵۰۰۰}$ ہے اھ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۳

اقول رحمہ اللہ تعالٰی وشکر سعیہ فقد
جلا عن اقوال اجلاء ومحصلہ ان کلام الظھیریۃ
مبتن علی اعتبار المساحۃ وسائر الاقوال
علی اشتراط الامتدادین الطول والعرض وھما
قولان معروفان فی المذھب وان کان عندنا
المعول علی الاول کما بیناہ فی الفصل الثالث
من کتابنا النمیقۃ الانقی ویؤیدہ ان صاحب
الخلاصۃ قال ھھنا الحوض الکبیر مقدر بعشر
فی عشر وصورتہ ان یکون من کل جانب عشرۃ
اذرع وحول الماء اربعون ذراعا ووجہ الماء
مائۃ ذراع ھذا مقدار الطول والعرض اھ[1]
فلم یکتف بقولہ وجہ الماء مائۃ بل بین
الطول وفصل العرض واظھر الدور ثم ذکر
الوجہ وان اختار فیما بعد فی جنس فی
النھر اعتبار المساحۃ حیث قال ان کان الماء
لہ طول وعمق ولیس لہ عرض کانھار بلخ ان
کان بحال لو جمع یصیر عشرا فی عشر یجوز
التوضی بہ وھذا قول ابی سلیمن الجوزجانی
وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث وعلیہ اعتماد
الصدر الشھید وقال الامام ابوبکر الطرخانی
لایجوز وان کان من ھنا الی سمرقند و
عند من لایجوز یحفر حفیرۃ ثم یحفر
نھیرۃ فیجعل الماء فی النھیرۃ الی الحفیرۃ
فیتوضؤ من النھیرۃ فلو وقعت فیھا النجاسۃ
یتنجس عشرۃ فی عشرۃ والمختار انتھی

میں کہتا ہوں انہوں نے اجلّہ علماء کے اقوال
سے پردہ ہٹایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ظہیریہ کا قول
پیمائش کے اعتبار پر مبنی ہے اور باقی اقوال طول وعرض
کے دو امتدادوں کے شرط کرنے پر مبنی ہیں، اور یہ دونوں
قول مذہب میں معروف ہیں اگرچہ ہمارا اعتماد اول پر ہے
جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "النمیقۃ الانقی" کی تیسری
فصل میں بیان کیا، اور اس کی تائید یہ ہے کہ اس
مقام پر صاحب خلاصہ نے کہا کہ بڑا حوض ۱۰ در ۱۰
ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے دس
ہاتھ ہو اور پانی کا گرد چالیس ہاتھ ہو، اور پانی کی سطح
سو ہاتھ ہو، یہ طول وعرض کی مقدار ہے اھ تو انہوں نے
اپنے اس قول "پانی کی سطح سو ہاتھ ہے" پر اکتفاء
نہ کیا بلکہ طول وعرض کی تفصیل بیان کی اور دور ظاہر کیا
پھر اس کی وجہ بیان کی، اگرچہ اس کے بعد جنس فی النہر کی
بحث میں مساحت کو اختیار کیا فرمایا کہ اگر پانی کا طول وعمق ہو اور اس
کا عرض نہ ہو جیسے بلخ کی نہریں، اگر یہ اس قسم کا ہو کہ
جمع کرنے پر ۱۰ در ۱۰ ہو جائے تو اس سے وضو جائز
ہے یہ ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے، اور اسی کو
فقیہ ابو اللیث نے اختیار کیا اور صدر الشہید نے اسی
پر اعتماد کیا اور امام ابوبکر الطرخانی نے فرمایا کہ ایسی نہر سے
وضو جائز نہیں خواہ وہ یہاں سے سمرقند تک کیوں نہ ہو،
اور جو حضرات وضو کے جواز کے قائل نہیں وہ فرماتے
ہیں پہلے ایک چھوٹا سا گڑھا کھودا جائے پھر
ایک چھوٹی سی نہر کھود دی جائے اور اس نہر سے
پانی نکال کر گڑھے میں لایا جائے اور نہر سے وضو کیا جائے،

[1] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۳

لایتنجس الا بما یتنجس بہ الحوض الکبیر[1] اھ

اب اگر اس میں نجاست گر جائے تو وہ دہ در دہ ناپاک ہوجائیگا، اور مختار یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگا، صرف اُسی صورت میں ناپاک ہوگا جس صورت میں بڑا حوض ناپاک ہوتا ہے اھ (ت)

اقول وبہ ظہر الجواب عن ایراد الشرنبلالی فان الحساب انما قطع بذلک عند اعتبار المساحۃ دون اشتراط الامتدادین الطولی والعرضی بل قطع عند ذلک بوجوب الزیادۃ علی ۳۴ فضلا عن ۳۶ کما تقدمت الاشارۃ الیہ و یوضحہ ان لیس المراد الامتدادان کیفما وقعا بل محیطین بقائمۃ والا لم یتسا و الطول والعرض ولولا ذلک لکفی مثلث کل ضلع منہ عشرۃ اذرع مع انھم نصوا فیہ بوجوب ان یکون کل خمسۃ عشر ذراعا و خمسا کما فی السراج الوھاج والزھر النضیر للعلامۃ الشرنبلالی وقد قال البرجندی المراد بذلک ان یکون کل من الاطراف الاربعۃ عشرا اذرع وزوایاہ الاربع قوائم اذ لولم تکن الزوایا کذلک لم یعتبر[2] اھ ولا یمکن وقوع مثلث قائم الزاویۃ فی دائرۃ الافی نصفھا اذ لوکانت القطعۃ ازید کانت الزاویۃ حادۃ او انقص کانت منفرجۃ (۳۰ من ۳ من اقلیدس) وح یکون وتر القائمۃ قطر الدائرۃ

میں کہتا ہوں اس سے شرنبلالی کے اعتراض کا جواب بھی معلوم ہوگیا کیونکہ از رُوئے حساب یہ بات قطعی اس وقت ہوتی ہے جب پیمائش کا اعتبار کیا جائے نہ کہ طولی و عرضی امتدادوں کی شرط لگائی جائے بلکہ اس وقت ۳۴ سے زیادتی کا واجب ہونا قطعی ہوگا چہ جائیکہ ۳۶ سے جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزرا، اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ یہ مراد نہیں کہ دونوں امتداد جیسے بھی واقع ہوں بلکہ دو محیط ایک قائمہ کے ساتھ، ورنہ طول وعرض مساوی نہ ہوتے، اور اگر یہ نہ ہوتا تو اس کے ہر ضلع کا مثلث دس ہاتھ کو کافی ہوتا حالانکہ علماء نے اس میں صراحت کی ہے کہ پندرہ ذراع اور ایک خُمس کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ "السراج الوہاج" میں ہے اور شرنبلالی کی "الزہر النضیر" میں ہے، اور برجندی نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چاروں طرف میں سے ہر طرف دس ذراع ہو اور اس کے چاروں زاویے قائمہ ہوں، کیونکہ اگر زاویے ایسے نہ ہوئے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اھ اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی مثلث قائم الزاویہ کسی دائرہ میں ہو، ہاں نصف دائرہ میں ہوسکتا ہے کیونکہ اگر کوئی قطعہ زاید ہوتا تو زاویہ حادہ ہوجاتا، اگر کم ہوتا تو منفرجہ ہوجاتا (۳۰، ۳ میں سے،

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی فصل فی الماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[2] شرح النقایۃ للبرجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۳

فاذا کانت کل ساق عشرا کان جذر القطر مائتین وھو ۱۴،۱۴۲ وبالتدقیق ۱۴،۱۴۲۱۳۵۶۲ فاذا کان ھذا قطر الدائرة لوغارثمہ ۱،۱۵۰۵۱۵۰ + ۰،۴۹۷۱۴۹۹ = ۱،۶۴۷۶۶۴۹ وھو لوغارثم ۴۴،۴۲۹ فیکون المحیط اکثر من ۴۴ وذلك ما اردناہ۔

اقلیدس سے) اور اس وقت قائمہ کا وتر دائرہ کا قطر ہوجاتا، اب جبکہ ہر ساق دس ہاتھ کی ہو تو قطر کا جذر دوسو ہوتا اور وہ ۱۴،۱۴۲ ہے اور اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو یہ ہوگا ۱۴،۱۴۲۱۳۵۶۲، تو جب دائرہ کا قطر یہ ہوا تو اس کا لوگارثم ۱،۱۵۰۵۱۵۰ + ۰،۴۹۷۱۴۹۹ = ۱،۶۴۷۶۶۴۹ ہوگا اور یہ لوگارثم ۴۴،۴۲۹ ہے تو محیط ۴۴ سے زائد ہوگا، اور یہی ہماری مراد ہے۔ (ت)

اقول وبه تبین وجه ما طوی بیانه العلامة البرجندی انه لم اختیر وقوع المربع داخل المدور ان لایکون قطرها اقصر من اطول امتدادات المربع اعنی قطرها فان المقصود هو الامتداد الضلعی المفروض عشرة دون القطری و وجهه ان ذلك الامتداد الضلعی ضلعا لقائمة مساویا للضلع الاخر لایقع فی دائرة الا اذا کان قطرها وتر المثلث ولایقع الا فی نصف الدائرة فاذا رسم مثله فی النصف الاخر تم المربع وظهر وقوعه فیها۔

میں کہتا ہوں اسی سے اس کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی جس کا بیان علامہ برجندی نے لپیٹ دیا ہے یعنی مدور کے اندر مربع واقع ہونے کے لیے یہ شرط کیوں اختیار کی گئی ہے کہ اس کا قطر مربع کے طویل ترین امتدادات سے کم نہ ہوجائے یعنی اس کا قطر، کیونکہ مقصود امتداد ضلعی ہے جو دس فرض کیا گیا ہے، قطری نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ امتداد ضلعی، قائمہ کا ضلع ہو اور دوسرے ضلع سے مساوی ہو تو دائرہ میں تب ہی واقع ہوسکتا ہے جبکہ اس کا قطر وتر مثلث ہو اور یہ نصف دائرہ میں ہی ہوتا ہے، اب اسی کی شکل جب دوسرے نصف میں کھینچی جائے تو مربع مکمل ہوجائے گا، اور اس کا اس میں واقع ہونا ظاہر ہوجائے گا۔ (ت)

واقول بوجه اٰخر مربع کل ضلع منه عشرة اذا وقعت نجاسة فی احدی زوایاها مثل ج ووصلنا ا ء فالنصف المقابل لها وهو مثلث ا ب ء

اور ایک دوسرے طریقہ پر میں کہتا ہوں ایک ایسا مربع ہے کہ جس کا ہر ضلع دس ہاتھ ہے اب اگر اس کے ایک زاویہ مثلاً ج میں نجاست پڑ جائے

يحيط به خطا ا ب، ب ء وكل نقطة تفرض
عليهما يكون بعده من النجاسة عشرة
او اكثر فبعد كل من ا و ء عشرة ثم
لايزال يزداد حتى يكون ابعده على
نقطة ب اكثر من اربعة عشر ذراعا
بما تقدم هذا شان المربع الذى يعد
ماؤه فى الشرع كثيرا فان كان الحوض
مدورا وجعلنا قطره عشرة نظرا الى انه
البعد المطلوب كما توهم المتوهم فلتكن
الدائرة ا ب ح ء
على مركز ه
وقعت النجاسة
عند ح فاخرجنا
قطر ح ب واقمنا
عمودا عليه قطر ا ء فالنصف المقابل
لموقع النجاسة ا ب ء و ابعد نقاطه منه
ب وهو عشرة اذرع فجميع النقاط لاتزال
تقرب من ح ويكون اقرب الكل اليه نقطتا
ا ء (٧ من ٣ من اقليدس) فلم تنسج
الدائرة على منوال المربع المطلوب بل على
ضده وعكسه فيجب ان يكون اقرب النقاط
الى ح وهما ا و ء كل بفصل عشرة و ح يكون
شأن الدائرة شأن المربع سواء بسواء
ان بُعد كل من ا و ء عشرة ثم لايزال
يزداد حتى يكون ابعده على ب واذن
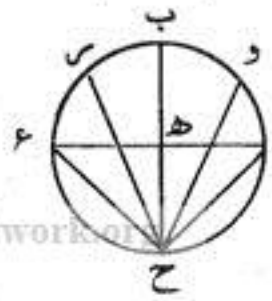
اور ہم ا ء کو ملائیں تو اس کا نصف مقابل جو و ب ح کا مثلث
ہے اس کو دو خط محیط ہیں، ایک و ب والا دوسرا
ب ح والا اور ہر نقطہ جو اُن دونوں پر فرض کیا جائے
اس کی دوری نجاست سے دس ہاتھ ہوگی یا
اس سے زائد ہوگی تو ا اور ء میں سے ہر ایک کی
دوری دس ہاتھ ہے پھر وہ مسلسل زیادہ ہوتا رہتا
ہے یہاں تک کہ ا کا بعد ب کے نقطہ پر
چودہ ذراع سے زاید ہوگا اس قاعدے کی وجہ سے
جو گزرا، یہ ہے وہ مربع حوض جس کے پانی کو شرعاً
کثیر کہا جاتا ہے، اگر حوض مدوّر ہو اور ہم اس کا
قطر دس مقرر کریں یہ دیکھ کر کہ مطلوبہ بُعد یہی ہے،
جیسا کہ وہم کرنے والے نے وہم کیا ہے اب ا ب ح ء
کا دائرہ ہ کے مرکز
پر ہوگا، اب نجاست
ح کے پاس گری
تو ہم نے ح ب کا
قطر نکالا اور اس پر
ایک عمود قائم کیا جو ا ء کا قطر ہے تو وہ نصف جو موضع
نجاست کے مقابلے میں ہے وہ و ب ح ہے اور اس کا بعید ترین نقطہ
ب ہے اور وہ دس ہاتھ ہے، اور تمام نقاط
ح کے قریب ہوتے جاتے ہیں اور سب سے قریب
و ء کے نقطے ہیں (۷، ۳ سے اقلیدس سے)
تو دائرہ مطلوب مربع کے طریق پر نہیں بنایا گیا بلکہ
اس کی ضد پر اور اس کے عکس پر، تو لازم ہے کہ
ح کے قریب تر نقطے ا اور ء ہیں ہر ایک میں دس کا

يكون قطر الدائرة هو وتر المثلث فيكون ا ع اعني ح ب اكثر من اربعة عشر ذراعا بما تقدم وثبت وقوع المربع في الدائرة۔

فاصلہ ہے اور اس وقت دائرہ کا حال مربع کے حال کی طرح ہوگا، بالکل برابر، یعنی دونوں ا اور ع کا بعد دس ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں بعید ترب ہے اس وقت دائرہ کا قطر مثلث کا وتر ہوگا تو ا ع یعنی ح ب چودہ ہاتھ سے زائد ہوگا بسبب اس قاعدے کے جو گزرا اور مربع کا دائرہ میں واقع ہونا ثابت ہوا۔ (ت)

اقول ومن ههنا ظهرت ثلثة امور **الاول** لم يصحح قول ۴۴ لان فيه نقصا من المطلوب كما علمت والمقادير المقدرة لا يعمل فيها بالاسقاط **الثاني** حيث ان القطر ۱۴،۴۶۴۳ ففي جعله ۱۴،۵ بالرفع مجازفة كثيرة كما في قول ۸۴ وفي جعله ۱۴،۴ بالاسقاط نقص من المقصود وهو لا يسوغ فكان العدل التوسط بينهما وهو جعله ۱۴،۴۶۵ ثلثة امثاله ۴۳،۳۹۵ و سبعه ذراعان وكسر فالمجموع اكثر من خمسة واربعين ذراعا ونصف والكسر اذا زاد على النصف بل واذا بلغ النصف يؤخذ واحدا كما هو عادة الحساب فاعتبر المحيط ۴۶ **الثالث** ظهر قول الفتح ان في الحساب يكتفى باقل منها بكسر لكن يفتى بستة واربعين كيلا يتعسر رعاية الكسر اھ[1] وظهر وجه الافتاء به لانه اعدل الاقوال لا تقتير ولا اسراف ولا تقصير ولا جزاف

میں کہتا ہوں کہ اس سے تین امور ثابت ہوئے: **اوّل**، ۴۴ کے قول کی تصحیح نہیں کی گئی ہے کیونکہ یہ مطلوب سے ناقص ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، اور مقدرہ مقادیر میں اسقاط کا عمل نہیں ہوتا،

ثانی یہ کہ قطر ۱۴،۴۶۴۳ ہے تو اس کو اگر بڑھا کر اندازاً ۱۴،۵ بنایا جائے تو یہ اٹکل پچو کے سوا کچھ نہیں ہے جیسا کہ ۸۴ کے قول پر ہے اور اگر ساقط کرکے اس کو ۱۴،۴ بنایا جائے تو مقصود سے کم ہوگا اور یہ درست نہیں ہے، تو انصاف یہ ہے کہ ان دونوں میں درمیانہ درجہ اختیار کیا جائے، اور وہ یہ ہے کہ ۱۴،۴۶۵ اس کا تین گنا ہے ۴۳،۳۹۵ اور اس کا ساتواں دو ذراع ہیں اور کسر ہے تو مجموعہ ۴۵ ذراع اور نصف سے زاید ہے اور کسر جب نصف سے زاید ہوجائے بلکہ جب نصف تک پہنچ جائے تو اس کو پورا ایک شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ حساب دانوں کی عادت ہے تو محیط ۴۶ اعتبار کیا گیا۔

ثالث، فتح کا یہ قول ظاہر ہوگیا کہ حساب

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰

هكذا ينبغي ان يفهم كلام العلماء الكرام و الحمد لله ولي الانعام ولا يذهبن عنك ان كل ذلك بناء على اشتراط الامتدادين والصحيح الماخوذ المعتمد المقتصر على المساحة فلذلك كان التعويل على ما صححه في الظهيرية و الملتقط والذخيرة مع ما فيه من تقريب وان شئت اقرب شیئ الى التحقيق فقد اذناك به وبالله التوفيق۔

میں کسر لکھا تھا اس سے کم پر اکتفا کیا جائیگا لیکن ۶۴ پر فتوی دیا جائے گا تاکہ کسر کی رعایت دشوار نہ ہو اھ اور اس پر افتاء کی وجہ ظاہر ہوگئی کیونکہ یہ اعدل الاقوال ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے، اسی طرح علماء کی کلام کو سمجھنا چاہئے، اور یہ مخفی نہ رہے کہ یہ سب اس بنا پر ہے کہ دو امتدادوں کی شرط ہے اور صحیح ماخوذ معتمد مساحت پر انحصار ہے لہذا اعتماد اس پر ہوگا جو ظہیریہ، ملتقط اور ذخیرہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے، پھر اس میں تقریب ہے اور اگر تحقیق کے قریب تر چیز کی تلاش ہو تو ہم نے تمہیں اس پر آگاہ کردیا ہے وباللہ التوفیق۔ (ت)

تنبيهات: (۱) اقول مقدمة البرجندی الثالثة مبنية على الثانية لما علمت ان ق ط/۴ = مر فاذا كان ق : ط :: ۷ : ۲۲ كان ۲۲ق/۷ = ط ∴ ۲۲ق۲/۲۸ = مر بل ۱۱ق۲/۱۴ = مر ∴ ۱۱ق۲ = ۱۴مر ∴ ق۲ = ۱۴مر/۱۱ ∴ ق = √(۱۴مر/۱۱) وهو المطلوب۔ قد علمت انه تقريب بعيد ولكن لا يخل بالمقصود فان على التحقيق ق : ط :: ۷ : ۲۱٫۹۹۱۱۴۸۵۵ ∴ الخ۲۱٫۹۹ق/۷ = ط ∴ الخ۲۱٫۹۹ق۲/۲۸ = مر ∴ ق = √(۲۸مر/الخ۲۱٫۹۹) فلوغارثم المساحة نجمع في لو ۲۸ — لو الخ ۲۱٫۹۹ ولو ۲۸ = ۱٫۴۴۷۱۵۸۰۰ والاخر ۱٫۳۴۲۲۴۷۹ حاصل التفريق ۰٫۱۰۴۹۱۰۱ مثل ما قدمنا في جدولنا نجمع فيه لو المساحة وبنصف الحاصل يكن لو القطر فكان القطر كما قدمنا ۱۱٫۲۸۴ و المحيط ۳۵٫۴۴۹ خمسة وثلثين وكسرا لا يبلغ النصف وهو حاصل حساب البرجندی

تنبیہات: (۱) میں کہتا ہوں برجندی کا تیسرا مقدمہ دوسرے پر مبنی ہے، جیسا کہ آپ نے جانا کہ ق ط/۴ = مر تو جب ق : ط :: ۷ : ۲۲ ہوا تو ۲۲ق/۷ = ط ∴ ۲۲ق۲/۲۸ بلکہ ۱۱ق۲/۱۴ = مر ∴ ۱۱ق۲ = ۱۴مر ∴ ق۲ = ۱۴مر/۱۱ ∴ ق = √(۱۴مر/۱۱) ہوگا اور یہی مطلوب ہے، اور آپ جان چکے یہ تقریب بعید ہے لیکن مقصود میں مخل نہیں کیونکہ تحقیقی طور پر ق : ط :: ۷ : ۲۱٫۹۹۱۱۴۸۵۵ ∴ الخ۲۱٫۹۹ق/۷ = ط ∴ الخ۲۱٫۹۹ق۲/۲۸ = مر ∴ ق = √(۲۸مر/الخ۲۱٫۹۹) تو مساحت کے لوگارثم کو جمع کیا جائے گا لو ۲۸ — لو الخ ۲۱٫۹۹ ولو ۲۸ = ۱٫۴۴۷۱۵۸۰۰ ایک، دوسرا ۱٫۳۴۲۲۴۷۹ حاصل تفریق ۰٫۱۰۴۹۱۰۱ ہے جیسا کہ ہم نے اپنے جدول میں بیان کیا، اس میں مساحت کا لو جمع کیا جائیگا اور حاصل کو آدھا کیا جائے گا تو لو قطر ہوگا تو جیسا کہ ہم نے لکھا قطر ۱۱٫۲۸۴ ہوگا اور محیط ۳۵٫۴۴۹

رفع الکسر لما علمت ان الاسقاط فی المقادیر باطل فکان الدور ۳۶ وھو المقصود۔

(۲) کون القطر من المحیط $\frac{7}{22}$ لیس مبرھنا علیہ فی الحساب بل لم تعلم الی الاٰن النسبۃ بینھما تحقیقا انما عملوا بالاستقراء والتقریبات فکذا ما یبتنی علیہ من ان ق = $\frac{۱۳۱۴}{۱۱}$ فقولہ کل ذٰلک مبرھن فی الھندسۃ والحساب تسامح۔

(۳) فی اسقاط الکسر الزائد ھھنا وان کان اقل من النصف ما قد علمت۔

(۴) القول الرابع مبنی قطعا علی ما فی الظھیریۃ ایضا عن محمد المیدانی انہ ان کان بحال لو جمع ماؤہ یصیر عشرا فی عشر لبنائہ الامر علی المساحۃ فقط من دون اعتبار العرض فلیس ھذا محل یشبہ۔

(۵) قال فی الدر وفی المثلث من کل جانب خمسۃ عشر وربعا وخمسا[۱]۔ وفی بعض النسخ او خمسا واعترضہ ط بان الحساب یقینی فلا معنی للتردید واختار تبعا لنوح افندی الربع وان المساحۃ مائۃ ذراع وثلثۃ ارباع ذراع وشیئ قلیل لا یبلغ ربع ذراع۔

اور کچھ کسر ہوگی جو نصف تک نہیں پہنچے گی اور یہی برجندی کے حساب کا حاصل ہے کسر بڑھائی اس لیے گئی ہے کہ آپ جان چکے ہیں کہ مقادیر کا ساقط کرنا باطل ہے تو دور ۳۶ ہوا اور یہی مقصود ہے۔

(۲) قطر کا محیط سے ہونا $\frac{7}{22}$ حساب میں مبرہن نہیں ہے بلکہ اب تک ان دونوں کے درمیان تحقیقی نسبت بھی معلوم نہیں ہوسکی ہے، جو کچھ کیا ہے وہ محض استقراء اور تقریب ہے، تو جو اس پر مبنی ہوگا اس کا بھی یہی حال ہے، یعنی یہ کہ ق = $\frac{۱۳۱۴}{۱۱}$ تو اس کا یہ قول کہ یہ تمام حساب اور ہندسہ میں مبرہن ہے اس میں تسامح ہے۔

(۳) کسر زاید کو ساقط کرنے میں اگرچہ نصف سے کم ہو، جو کلام ہے وہ تم جان چکے ہو۔

(۴) چوتھا قول قطعاً اس پر مبنی ہے جو ظہیریہ میں بھی محمد المیدانی سے منقول ہے کہ اگر وہ ایسا ہو کہ اس کا پانی اگر جمع کیا جائے تو وہ دہ در دہ ہوگا کیونکہ اس نے اس معاملے کو صرف مساحت پر مبنی کیا ہے اور عرض کا اعتبار نہیں کیا تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔

(۵) دُر میں فرمایا اور مثلث میں ہر طرف سے ۱۵، چوتھائی اور پانچواں ہے اھ اور بعض نسخوں میں یا پانچواں ہے، اور اس پر "ط" نے اعتراض کیا کہ یہ حساب یقینی ہے تو اس میں تردید کا کوئی مفہوم نہیں اور انھوں نے نوح آفندی کی متابعت میں چوتھائی کو مختار کہا اور یہ کہ مساحت ایک سَو ذراع اور ایک ذراع کے تین رُبع ہیں اور کچھ مزید جو چوتھائی ذراع کو نہیں پہنچتا۔ (ت)

---

[۱] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

اقول (ف۱) بل ولاسُدس سدس ذراع کما ستعلم وجعل ش نسخة او اصوب اقول (ف۲) اذا النسخة الواو حظ من صواب ولیس کذلك وبناھا علی الاختلاف فی التعبیر فان نوحا عبر بالربع والسراج والشرنبلالی بالخمس واختار تبعا لهما الخمس وان المساحة مائة ذراع وشیئ قلیل لایبلغ عشر ذراع اقول (ف۳) بل یبلغه بل یغلبه کما ستری قال وعلی التعبیر بالربع یبلغ نحو ربع ذراع اقول (ف۴) بل اکثر من ثلثة ارباعه وذلك ان ط عن افندی وش عن السراج نقلا مؤامرة مساحته ان تضرب احد جوانبه فی نفسه فما صح اخذت ثلثه وعشره فهو مساحته[1] اھ اقول (ف۵) وھذا وان کان فیه ماستعرف فالعمل به علی وجھین الاول ان تأخذ ثلث المربع وعشره مع الکسر (ف۶) وھو الذی عملا به مع قولهما فما صح الخ ولذا قال السراج فی مربع خمسة عشر والخمس ان ثلثه علی التقریب ۷۷ ولو اخذ الصحیح فقط لکان ثلثه تحقیقا وقال نوح فی مربع خمسة عشر والربع ان ثلثه ۷۷ ونصف ذراع وسدس ثمنه وعشره ۲۳ وربع ونصف ثمن عشر وما ذلك الا باعتبار الکسر والثانی العمل علی ما صح فقط فعلی الاول مربع ۱۵٫۲ = ۲۳۱٫۰۴ ثلثه ۷۷٫۰۱۳ وعشره

میں کہتا ہوں بلکہ ذراع کے سدس کے چھٹے کو بھی نہیں پہنچتا جیسا کہ آپ عنقریب جان لیں گے اور "ش" نے او کے نسخہ کو درست قرار دیا، میں کہتا ہوں اس صورت میں واو کا نسخہ بھی کچھ صحیح ہو سکتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اور انھوں نے اس کا مبنٰی تعبیر کے اختلاف کو قرار دیا ہے کیونکہ نوح نے چوتھائی سے تعبیر کیا اور سراج اور شرنبلالی نے پانچویں سے تعبیر کیا، اور خمس کو ان دونوں کی متابعت میں مختار قرار دیا اور یہ کہ مساحت سو ذراع اور قدرے ہے جو ایک ذراع کے دسویں تک نہیں پہنچتی ہے۔ میں کہتا ہوں، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ مقدار اس سے زائد ہو جاتی ہے جیسا کہ آپ عنقریب دیکھ لیں گے، فرمایا جب اس کو چوتھائی سے تعبیر کیا جائے تو یہ تقریباً چوتھائی ذراع ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کے تین چوتھائی سے بھی زائد ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "ط" نے آفندی سے اور ش نے سراج سے اس کی پیمائش کا حساب یہ نقل کیا کہ اس کے کسی کنارے کو خود اسی میں ضرب دی جائے تو جو جواب ہو اس کا تہائی اور دسواں اس کی پیمائش ہے اھ۔ میں کہتا ہوں اس میں کچھ بحث ہے جو آپ جان لیں گے پھر بھی اس کا عمل دو طریقوں پر ہے، پہلا تو یہ ہے کہ مربع کا تہائی اور دسواں مع کسر کے لیا جائے، اور اسی پر ان دونوں نے عمل کیا ہے، ساتھ ہی ان کا یہ قول ہے فما صح الخ اور اس لئے سراج نے پندرہ اور پانچویں کے مربع میں فرمایا کہ اس کا تہائی تقریبی ۷۷ ہے، اور اگر صرف صحیح لیا جائے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ ۱/۱۳۲

۲۳٬۱۰۴ مجموعهما ۱۱۷٬۱۰۰ وهو اکثر
من العشر و مربعه ۱۵٬۶۲۵ = ۲۳۲٬۵۶۲۵ ۲
ثلثه ۵۲۰۸۳ ٬۷۷ وعشره ۲۳٬۲۵۶۲۵
مجموعهما ۷۷۷۰۸ ٬۱۰۰ وهو اکثر من ۷۵٬
وعلی الثانی $\frac{۲۳۱}{۳}$ = ۷۷ وعشره ۲۳٬۱ مجموعهما
۱۰۰٬۱ فقد بلغ العشر و $\frac{۲۳۲}{۳}$ = ۷۷٬۳ وعشره
۲۳٬۲ مجموعهما ۱۰۰٬۵ وهو نصف بل
اکثر لان ۳ دائر ثم اقول التحقیق ان
الکسر اقل من الخمس یعبر به لقلة التفاوت
جدا ولیکن مثلث
متساوی الاضلاع
اذ فیه الکلام کما
سمعت من قول الدر من کل جانب کذا فکل
زاویة منه سدس الدور و مساحة کل
مثلث نصف مسطح العمود والقاعدة وهی
ههنا مثل سائر الاضلاع اخرجنا علی ب ج
عمود ا ء ففی مثلث ا ء ج القائم الزاویة
ا ج : ء :: ا ء : جیب $\frac{ج}{۶۰}$ ولنسم ا ج
الضلع ض و ا ء عمود عم و ذلك الجیب مخطا
لکونه جیب السدس جس فبحکم التناسب
ض جس = عم و حیث ان $\frac{ض عم}{۲}$ = ۱۰۰ ∴
ض۲ جس = ۲۰۰ بل ض۲ = $\frac{۲۰۰}{جس}$ ∴ ض = $\sqrt{\frac{۲۰۰}{جس}}$
ولو ۲۰۰ = ۲٬۳۰۱۰۳۰۰ ولو جس ۱٬۹۳۷۵۳۰۶
حاصل الطرح ۲٬۳۶۳۴۹۹۴ نصفه
۱٬۱۸۱۷۴۹۷ هذا لوض فهو ۱۵٬۱۹۶۷۱۳۸
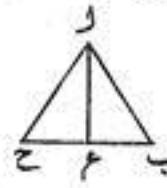
تو اس کا ثلث تحقیق ہوگا اور فوح نے پندرہ اور چوتھائی
کے مربع کی بابت فرمایا کہ اس کا تہائی ۷۷ ، اور آدھا
ذراع اور ثمن ذراع کا سُدس ہے اور اس کا عُشر ۲۳ اور
رُبع اور عُشر کے ثمن کا نصف ہے اور یہ کسر ہی کے اعتبار
سے ہو سکتا ہے ، اور دوسرا عمل صرف صحیح کے
مطابق ہے ، تو پہلی صورت میں مربع ۱۵٬۶۲ =
۲۳۱٬۰۴ اس کا ثلث ۷۷٬۰۱۳ اس کا
دسواں ۲۳٬۱۰۴ ہے ان دونوں کا مجموعہ
۱۱۷٬۱۰۰ ہے اور یہ دسویں سے زاید ہے اور مربع
۱۵٬۶۲۵ = ۲۳۲٬۵۶۲۵ ، اس کا تہائی
۵۲۰۸۳ ٬۷۷ ، اور اس کا دسواں ۲۳٬۲۵۶۲۵ ،
ان دونوں کا مجموعہ ۷۷۷۰۸ ٬۱۰۰ ہے اور یہ ۷۵٬
سے زائد ہے اور دوسری تقریر پر $\frac{۲۳۱}{۳}$ = ۷۷ ہے اور
اس کا دسواں ۲۳٬۱ ، ان دونوں کا مجموعہ ۱۰۰٬۱
تو دسواں ہو گیا اور $\frac{۲۳۲}{۳}$ = ۷۷٬۳ ہے اور اس کا دسواں
۲۳٬۲ ہے ان دونوں کا مجموعہ ۱۰۰٬۵ ہے اور
وہ آدھا ہے بلکہ زائد ہے کیونکہ ۳ دائر ہے ۔ پھر میں
کہتا ہوں کہ تحقیق یہ ہے کہ کسر خمس سے کم ہے لیکن خمس سے تعبیر کیا جاتا
ہے کیونکہ اس میں تفاوت بہت ہی کم ہے ، یہ
ایک مثلث ہے اس مثلث کے
تمام اضلاع برابر ہیں ، کیونکہ کلام
اسی میں ہے ، دُر کا کلام اس
بابت آپ سُن ہی چکے ہیں کہ ہر طرف سے ایسا ہی
ہو تو اس کا ہر زاویہ دور کا چھٹا ہے اور ہر مثلث کی
پیمائش عمود کی مسطح کا نصف ہے اور قاعدہ یہاں

کسر اقل من ۲، ثم لوض − لوجس = ۱،۰۱۱۹۲۸۰۳ هذا لوعم فهو ۱۳،۱۶۰۷۳۹۴ ثم لوض + لوعم = ۲،۳۰۱۰۳۰۰ طرحا منه لو۲ بقی ۲،۰۰۰۰۰۰ وهو لو۱۰۰ تماما من دون زیادة ولا نقص وبوجه اٰخر فی استعلام ض حیث ان مربع نصف الشیئ ربع مربع الشیئ فبالعروسی $عم^2 + \frac{ض^2}{4} = ض^2$ ∴ $عم^2 = \frac{3ض^2}{4}$ ∴ $عم = \sqrt{\frac{3ض^2}{4}}$ وکان عم ض = ۲۰۰ ∴ $ض\sqrt{\frac{3ض^2}{4}} = 200$ بل $\sqrt{\frac{3ض^2}{4}} = \frac{200}{ض}$ ∴ $\frac{3ض^2}{4} = \frac{40000}{ض^2}$ ∴ $3ض^4 = 160000$ بل $ض^4 = \frac{160000}{3}$ ∴ لو المقسوم ۵،۲۰۴۱۲۰۰ − لو المقسوم علیه ۰،۴۷۷۱۲۱۳ = ۴،۷۲۶۹۹۸۷ ربعه ۱،۱۸۱۷۴۹۷ مثل الحساب الاول سواء

تمام اضلاع کی شکل ہے ہم نے ب ج پر ایک عمود نکالا جس کا نام ا ء ہے تو ا ء ح جو زاویہ قائمہ والا ہے ا ح : ء ح :: ا ء : جیب $\overset{جہ}{۶۰}$، ا ح ضلع کا نام ہم نے ض رکھا اور ا ء عمود کا عم رکھا اور وہ جیب گر رہا ہے، کیونکہ جیب چھٹا جس ہے تو تناسب کے قاعدہ سے ض جس = عم ہے اور چونکہ $\frac{ض عم}{2} = 100$ ∴ $ض جس^2 = 200$ ہے بلکہ $ض^2 = جس\ 200$ ∴ $ض = \sqrt{\frac{200}{جس}}$ ولو ۲۰۰ = ۲،۳۰۱۰۳۰۰ ولوجس ۹،۹۳۷۵۳۰۶ تو آدھا طرح کا حاصل ۲،۳۶۳۴۹۹۴ ہو جس کا آدھا ۱،۱۸۱۷۴۹۷ یہ لوض ہے تو وہ ۱۵،۱۹۶۷۱۲۸ بطور کسر ۲ سے کم ہے، پھر لوض − لوجس = ۱،۰۱۱۹۲۸۰۳ یہ لوعم ہے تو وہ ۱۳،۱۶۰۷۳۹۴ ہے پھر لوض + لوعم = ۲،۳۰۱۰۳۰۰ ہے تو ہم نے اس لو۲ کو کم کیا تو ۲،۰۰۰۰۰۰ بچا اور یہ پورا لو۱۰۰ ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں، اور دوسرے طریقے پر ض کے استعلام میں، کہ کسی چیز کا آدھا مربع اس چیز کے مربع کا چوتھائی ہوتا ہے تو شکل عروسی سے $عم^2 + \frac{ض^2}{4} = ض^2$ ∴ $عم^2 = \frac{3ض^2}{4}$ ∴ $عم = \sqrt{\frac{3ض^2}{4}}$ اور عم ض = ۲۰۰ ∴ $ض\sqrt{\frac{3ض^2}{4}} = 200$ بلکہ $\sqrt{\frac{3ض^2}{4}} = \frac{200}{ض}$ ∴ $\frac{3ض^2}{4} = \frac{40000}{ض^2}$ ∴ $3ض^4 = 160000$ بلکہ $ض^4 = \frac{160000}{3}$ ∴ لو مقسوم ۵،۲۰۴۱۲۰۰ − لو مقسوم علیہ ۰،۴۷۷۱۲۱۳ = ۴،۷۲۶۹۹۸۷ اس کا ربع ۱،۱۸۱۷۴۹۷ اور یہ بالکل پہلے حساب کے مساوی ہے۔ (ت)

اقول وبه ظهر ما فی مؤامرة المساحة المذکورة اذ حاصله ان $\frac{13ض^2}{30} = م$ ای $\frac{13ض^2}{15} = 2م$ وقد علمت ان $ض\sqrt{\frac{3ض^2}{4}} = 2م$ فهما متساویان قسمناهما علی ض ∴ $\frac{13ض}{15} = \sqrt{\frac{3ض^2}{4}}$ ∴ $\frac{169ض^2}{225} = \frac{3ض^2}{4}$ ∴

میں کہتا ہوں اور اسی سے وہ اعتراض ظاہر ہوا جو مذکورہ پیمائش کا مؤامرہ ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ $\frac{13ض^2}{30} = م$ یعنی $\frac{13ض^2}{15} = 2م$ اور تو نے جان لیا کہ $ض\sqrt{\frac{3ض^2}{4}} = 2م$ وہ دونوں قسمیں مساوی ہیں جن کو ہم نے ض پر تقسیم کیا $\frac{13ض}{15} = \sqrt{\frac{3ض^2}{4}}$

۶،۷۶ض۲ = ۵،۷ ض۲ وهو محال ای ان ۲۳۱ ۲۳۲ = ۰ نعم لا بأس به فی التخمین و یختص بهذا القسم من المثلث وما ذکرنا عام **ثم اقول** هذا الذی ذکره فی مساحة المثلث انما یبتنی علی القول المعتمد من اعتبار المساحة وحدها اما علی القول الآخر من اعتبار الامتدادین فلا بد ان یکون کل ضلع اکثر من احد وعشرین ذراعا و نصف ذراع بکسر قریب جزء من احد وعشرین جزء من ذراع و ذلك لانه یجب وقوع مربع عشر فی المثلث کما علمته فی الدائرة فلیکن ع ح المربع رسمنا علی ع ۵ منه مثلا مثلث ع ب ۵ متساوی الاضلاع واخرجنا ب ع ح س حتی التقیا علی او اخرجنا ب ۵ ر ح حتی التقیا علی ح فمثلث ا ب ح هو المطلوب اما الالتقاء فلانا اذا وصلنا ب ح کانت زاویة ب ح س جزء قائمة ۵ ح س و زاویة ا ب ح جزء ا ب ۵ ثلثی القائمة فقد خرجا من اقل من قائمتین واما ان ا ب ح المثلث المطلوب فلان زاویتی ھ ا و ھ ح متساویتان بالمأموني فباسقاط قائمتی ۵ ع س و ۵ ح تبقی س ع ا و ح ھ متساویتین وفی هذین المثلثین زاویتا س و ح قائمتان وضلعا س ع و ۵ ح متساویان فزاویتا ا و ح

$\frac{۱۶۹ ض^۲}{۲۲۵} = \frac{۳ ض^۲}{۴}$ ∴ ۶،۷۶ ض۲ = ۵،۷۶ ض۲

اور وہ محال ہے یعنی ۲۳۱ و ۲۳۲ = ۰ ہاں تخمینہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ مثلث کی اس قسم کے ساتھ خاص ہے جو ہم نے ذکر کیا وہ عام ہے، پھر میں کہتا ہوں مثلث کی پیمائش میں جو انہوں نے ذکر کیا ہے قول معتمد پر مبنی ہے کہ صرف پیمائش کا اعتبار کیا جائے، اور دوسرا قول جس میں دو امتدادوں کا اعتبار ہے تو اس میں ضروری ہے کہ ہر ضلع میں ساڑھے اکیس ذراع پر کچھ کسر زائد ہو جو ذراع کے اکیسویں جزء کے لگ بھگ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دس کے مربع کا مثلث میں ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ نے دائرہ میں جانا، تو اب ع ح کا مربع ہم نے ع ۵ پر کھینچا مثلاً مثلث ع ب ۵ جس کے اضلاع برابر ہوں اور ہم نے ب ع ح س نکالا یہاں تک کہ وہ دونوں ا پر ملے، ہم نے ب ۵ ر ح نکالا یہاں تک کہ وہ دونوں ح پر ملے تو مثلث ا ب ح کا بنا وہی مطلوب ہے، جہاں تک ملنے کا تعلق ہے تو جب ہم نے ب ح کو ملایا تو ب ح س کا زاویہ ۵ ح س کے زاویہ قائمہ کا جزء ہوا، اور ا ب ح کا زاویہ ا ب ۵ کا جزء ہوا جو قائمہ کا دو ثلث ہے، کیونکہ یہ دونوں قائموں سے اقل ہے، اور ا ب ح کا مثلث مطلوب ہے کیونکہ ھ ا و ھ ح کے دونوں زاویئے مامونی سے متساوی ہیں تو ۵ ع س و ۵ ح کے دونوں قائموں کو ساقط کرنے کے بعد س ع ا ھ ح دونوں متساوی ہیں اور ان دونوں

متساویتان (۲۶ من اولی الاصول) وحیث ان ب ثلثا قائمة والمجموع کقائمتین (۳۲ منہا) فالکل متساویة وبوجہ اخصر حیث ان ب ہ ء ثلثا قائمة و ء ہ ح تمامہا الی قائمتین (۱۳ منہا) فباسقاطہ للقائمة منہا تبقی ح ہ ح ثلث قائمة فباسقاطہا مع ح القائمة من مثلث ہ ح ح تبقی ح ثلثی قائمة وکذلك ا فالزوایا الثلاث متساویة فکذا الاضلاع الثلاث والا لاختلفت الزوایا (۱۸ منہا) فمثلث ا ب ح السماد بزوایا المربع الاربع متساوی الاضلاع وذلك ما اردناہ واذ فی مثلث ہ ح ح القائم الزاویة ہ ح : ع :: ہ ح : جیب السدس وہ ح ۱۰ بالفرض ∴ ۱۰۰۰۰۰۰ ، ۱۰ ــ ۶۰ ۹۳۷۵۳۰۶ آ = ۰۶۲۴۶۹۴ ، ۱۰ وھو لوغارثم ۵۴۷ ، ۱۱ ھذا مقدار ھ ح وقد کان ب ہ ۱۰ ∴ ب ح ۵۴۷ ، ۲۱ وذلك ما اردناہ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ وبارك وسلم ابدًا اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

مثلثوں میں ں و ح کے دونوں زاویے قائمے ہیں اور ں ء ہ ح کے دونوں ضلعے برابر ہیں تو ؤ و ح کے دونوں زاویے برابر ہوں گے (۲۶ پہلی اصل ہے) اور چونکہ ب ایک قائمہ کا دو ثلث ہے اور مجموعہ دو قائموں کی مانند ہے (۳۲ اسی اصل سے) تو سب برابر ہوئے اور بطور اختصار چونکہ ب ہ ء ایک قائمہ کا دو ثلث ہے اور ء ہ ح جو دو قائموں کے برابر ہے (۱۳ اسی اصل سے) تو ہ کو قائمہ کے لئے ساقط کرنے سے باقی رہتا ہے ح ہ ح ثلث قائمہ کا تو اسکو ح کے قائمہ کے ساتھ ساقط کرنے سے ہ ح ح کے مثلث سے ح باقی رہ جائیگا جو ایک قائمہ کا دو ثلث ہے اور اسی طرح ؤ کا حال ہے تو تینوں زاویے برابر ہیں، تو اسی طرح تینوں اضلاع برابر ہوں گے ورنہ زاویے مختلف ہوجائیں گے (۱۸ پہلی اصل سے) تو ا ب ح کا گزشتہ مثلث مربعوں کے چاروں زاویوں کے ساتھ برابر ضلعوں والا ہوگا اور یہی ہم نے ارادہ کیا تھا اور چونکہ ہ ح ح زاویہ قائمہ والے مثلث میں ہ ح : ع :: ہ ح : جیب چھٹا ہے وہ ۱۰ ح بالفرض ∴ ۱۰۰۰۰۰۰ ، ۱۰ ــ ۶۰ ۹۳۷۵۳۰۶ آ = ۰۶۲۴۶۹۴ ، ۱۰ اور یہ لوگارثم ۵۴۷ ، ۱۱ کا ہے یہ مقدار ھ ح اور ب ہ ۱۰ ∴ ب ح ۵۴۷ ، ۲۱ اور یہی ہماری مراد تھی واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد وآلہٖ وصحبہ وبارک وسلم ابداً اٰمین والحمد للہ رب العالمین ۔ (ت)

مسئلہ ۴۵

۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو نہر سے افضل ہے یا حوض سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وضو نہر سے افضل ہے مگر کسی مصلحت خاصہ کے باعث۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کسی معتزلی کے سامنے

اُسے غیظ پہنچانے کو حوض سے وضو افضل ہے کہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

فی فوائد الرستغفنی التوضی بماء الحوض افضل من النھر لان المعتزلۃ[1] لایجیزونہ

فوائد الرستغفنی میں ہے نہر کی بہ نسبت حوض سے وضو کرنا افضل ہے کیونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کو

---

[1] فی المعراج بناء علی جزء لایتجزء فانہ عند اھل السنۃ موجود فتتصل اجزاء النجاسۃ الی جزء لایمکن تجزئتہ فیکون باقی الحوض طاھرا وعند المعتزلۃ معدوم فیکون کل الماء مجاورا للنجاسۃ فیکون الحوض نجسا عندھم وفی ھذا التقریر نظر اھ قال ش فی توضیحہ عند الفلاسفۃ کل جسم قابل لانقسامات غیر متناھیۃ فلا یوجد جزء من الطاھر الا ویقابلہ جزء من النجاسۃ فتتصل اجزاء النجاسۃ بجمیع اجزاء الماء اھ اقول اولا (ف۱) این القابلیۃ من الفعلیۃ والجسم عندھم متصل بالفعل فلا یلاقی الا ما لاقی وثانیا (ف۲) لو قسم لم یلزم ایضا اتصال اجزاء النجاسۃ بجمیع اجزاء الماء لان الانصاف علی نسبۃ الاضعاف فاذا کانت النجاسۃ قدر اصبع والماء الف ذراع فنصفھا نصف اصبع وشطرہ خمسمائۃ ذراع وھکذا الی مالا یتناھی وتساوی التقسیم لایستلزم تساوی الاقسام فیما بینھما الا تری ان ایام الابد وسنیہ کلا غیر متناہ والیوم لایساوی السنۃ ابدا وکفی بھذین لتوجیہ

معراج میں ہے یہ جزء لایتجزی پر مبنی ہے، کیونکہ یہ اہل السنۃ کے نزدیک موجود ہے تو نجاست کے اجزاء ایسے جزء تک پہنچیں گے جو منقسم نہیں ہوتا ہے، تو باقی حوض طاہر رہے گا اور معتزلہ کے نزدیک جزء نہیں ہے اس لیے کل پانی نجاست کا پڑوسی ہوگا، تو ان کے نزدیک حوض نجس ہوگا' اس تقریر میں نظر ہے اھ 'ش' نے اس کی توضیح میں فرمایا فلاسفہ کے نزدیک ہر جسم لامتناہی تقسیم کو قبول کرتا ہے تو پاک پانی کے ہر جزء کے مقابل ایک ناپاک جزء ہوگا تو اجزاء نجاست تمام اجزاء پانی کے ساتھ متصل ہوجائیں گے اھ

میں کہتا ہوں قابلیۃ اور فعلیۃ میں بہت فرق ہے، اور جسم ان کے نزدیک متصل بالفعل ہے تو وہ صرف اسی سے ملے گا جس سے ملا ہوا ہے، اور ثانیاً اگر تقسیم بھی کیا جائے تو لازم نہیں آتا کہ نجاست کے تمام اجزاء پانی کے تمام اجزاء سے متصل ہوں کیونکہ انصاف اضعاف کی نسبت کے مطابق ہی ہوگا، مثلاً نجاست ایک انگلی کی مقدار رہے اور پانی ہزار ذراع ہے، تو اس کا نصف آدھی انگلی ہوا اور اس کا آدھا پانسو ذراع ہوا اور اسی طرح الی مالانہایۃ تک ہوگا، اور تقسیم (باقی برصفحہ آئندہ)

من الحیاض خیر غمهم بالوضوء منها اھ و

جائز قرار نہیں دیتے ہیں اس طرح ان کی تذلیل ہوگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) النظر و وجهه ش
بما توضیحه مع تلخیصه ان لو بنیت المسألة
علیه لما تنجس عندنا من الماء الا ما یساوی
النجاسة حجما فقطرة بقطرة و نصفها
بنصفها۔ **اقول** وایضا یلزم المعتزلة لوقالوا
به تنجیس البحر العظیم بقطیرة قال علی ان
المشهور ان الخلاف فی الجزء بین المسلمین
والفلاسفة بنوا علیه قدم العالم وعدم حشر
الاجساد والمعتزلة لم یخالفوا فی شیئ من
ذلك والا لکفروا اھ **اقول** لیس نفی الجزء کفرا ولا
لازم المذهب مذهبا لاسیما تلك اللوازم البعیدة
وکم من لزوم علی مذاهب المعتزلة القائلین
بها قطعا ثم لم یکفروا فلیکن هذا منها فکیف یرد
نقل الثقة علی انه یکفی فیه ان یکون قول بعضهم
کما قال تعالی قالت الیهود عزیر ابن الله
قالوا قالها طائفة قلیلة منهم کانت وبانت
قال فالاولی ما قیل من بناء المسئلة علی ان
الماء یتنجس عندهم بالمجاورة وعندنا لا بل
بالسریان و ذلك یعلم بظهور اثرها فیه
فما لم یظهر لا یحکم بالنجاسة هذا ما ظهر لی
فاغتنمه اھ **اقول** نص فی البدائع ان التنجس
بالتجاور وبنیا فی الحقیقة الاتفاق ان الماء
القلیل یتنجس معا لا بالسریان علی انهم اذ لم

کی تساوی سے اقسام کی تساوی لازم نہیں آتی ہے،
مثلاً ابد کے ایام اور سال غیر متناہی ہیں اور ایک دن
ہرگز بھی ایک سال کے برابر نہیں ہوسکتا ہے اور یہ
دونوں نظر کی توجیہ کو کافی ہیں اور "ش" نے اس کی
جو توجیہ کی ہے اس کی تلخیص مع توضیح یہ ہے کہ اگر
مسئلہ اسی پر مبنی ہو تو ہمارے نزدیک صرف اتنا ہی
پانی نجس ہوگا جتنا کہ نجاست کے مساوی ہے، تو
ایک قطرہ ایک قطرہ ہی کے مقابل ہوگا اور نصف اس کے
نصف کے مقابل ہوگا۔

میں کہتا ہوں اگر معتزلہ کا یہی قول ہوتا تو ان پر
یہ لازم آتا کہ ایک قطرہ سے پورا سمندر ناپاک
ہوجائے، انھوں نے فرمایا علاوہ ازیں مشہور ہے کہ اختلاف
جزء میں فلسفیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے، اور
فلاسفہ نے اس پر عالم کے قدم اور حشر ونشر کی نفی کی
بنیاد رکھی ہے اور معتزلہ نے ان چیزوں میں کسی کی
مخالفت نہیں کی ہے ورنہ وہ کافر قرار پاتے اھ

میں کہتا ہوں جزء کی نفی کفر نہیں ہے اور نہ ہی
لازم مذہب، مذہب ہوتا ہے، خاص طور پر یہ لوازم
بعیدہ، اور جو معتزلی مذہب رکھتے ہیں ان پر بہت سے
لوازم ہیں، مگر ان کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے، سو یہ
لازم بھی منجملہ ایسے لوازم کے ہوجائے، تو ثقہ کی نقل کو
کیسے رد کیا جائے، علاوہ اس کے اس میں اتنا کافی ہے
کہ یہ بعض کا قول ہو، جیسا کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

هذا انما يفيد الافضلية لهذا العارض ففی مکان لایتحقق النهر افضل اھ[1]

اھ اس سے افضل ہونے کی یہ عارضی وجہ معلوم ہوتی ہے جہاں یہ وجہ نہ ہو وہاں نہر سے وضو افضل ہوگا۔ (ت)

اقول اس مصلحت سے اہم دفع تہمت ہے کہ معاذ اللہ لوگوں کو اس پر اتباع معتزلہ کا گمان ہو اس کے دفع کے لیے ایسا کرے اس کی نظیر مسح موزہ ہے کہ رافضی خارجی ناجائز جانتے ہیں اگر کسی کو اس پر گمان خروج ہو تو اس کے دفع کو مسح موزہ افضل ورنہ فی نفسہٖ پاؤں دھونا افضل۔ درمختار میں ہے :

الغسل افضل الا لتھمۃ فھو افضل[2]

موزے پر مسح سے پاؤں دھونا افضل ہے مگر تہمت سے بچنے کے لیے مسح افضل ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

لان الروافض والخوارج لایرونہ وانما یرون

رافضی خارجی پاؤں پر مسح کرتے ہیں اگر موزے پر مسح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یفرقوا بین القلیل والکثیر یلزمھم بالمجاورۃ ایضا تجیس البحر الکبیر برشحۃ بیسیر فالحق عندی ان ذلک مبنی علی انھم لایلحقون الکثیر بالجاری واللّٰہ تعالٰی اعلم اھ منہ حفظہ ربہ تعالٰی۔ (م)

فرمانِ الٰہی ہے "یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں" علماء فرماتے ہیں یہ صرف ایک گروہ کا قول تھا اور یہ فرقہ ختم ہوگیا، فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ اس امر پر مبنی ہے کہ پانی ان کے نزدیک مجاورۃ کی وجہ سے ناپاک ہوجاتا ہے، اور ہمارے نزدیک سرایت کی وجہ سے اور اس کا پتا اس سے لگتا ہے کہ اس کا اثر پانی میں ظاہر ہوتا ہے، تو جب تک اثر ظاہر نہ ہو نجاست کا حکم نہ لگایا جائے گا، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے تم اس کو غنیمت جانو۔

میں کہتا ہوں بدائع میں اس کی تصریح کی ہے کہ نجس ہونے کی وجہ مجاورۃ ہے اور ہم نے النمیقۃ الانقی میں بیان کیا ہے کہ تھوڑا سا پانی یک دم ناپاک ہوجاتا ہے نہ کہ سرایت سے، علاوہ ازیں انھوں نے قلیل وکثیر میں فرق نہیں کیا ہے، ان پر یہ لازم ہے کہ وہ کہیں ایک بڑے سمندر کا پانی بھی مجاورۃ سے ناپاک ہوجاتا ہے خواہ تھوڑے سے چھینٹے کیوں نہ ہوں، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ وہ کثیر پانی کو جاری کے ساتھ ملحق نہیں کرتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲

[2] درمختار باب المسح علی الخفین مجتبائی دہلی ۱/۴۶

المسح علی الرجل فاذا مسح الخف انتفت التھمۃ بخلاف ما اذا غسل فان الروافض قد یغسلون تقیۃ فیشتبہ الحال فی الغسل فیتھم[1] افادح۔

کرے گا تو تہمت ختم ہوجائے گی بخلاف اس کے کہ جب وضو کرے، دھوئیگا کہ رافضی تقیہ سے دھو بھی لیتے ہیں غسل کی صورت میں صورت حال مشتبہ ہوجاتی ہے تو تہمت کا خدشہ ہوگا افادح (ت)

اقول رافضی تقیہ سے سب کچھ کرلیتے ہیں یُوں ہی وہابی مجالسِ میلادِ مبارک میں جائیں قیام کریں گیارھویں شریف کی نیاز میں حاضر ہوں پلاؤ کھانے کو موجود اور دل میں شرک وحرام، لہذا ہم نے نفی تہمت خروج سے تصویر کی۔

قال ش ما ذکرہ الشارح نقلہ القھستانی عن الکرمانی ثم قال لکن فی المضمرات وغیرہ ان الغسل افضل وھو الصحیح کما فی الزاھدی اھ وفی البحر عن التوشیح ھذا مذھبنا وقال الرستغفنی المسح افضل[2] اھ

"ش" نے فرمایا جو شارح نے ذکر کیا ہے اس کو قہستانی نے کرمانی سے نقل کیا ہے پھر فرمایا لیکن مضمرات وغیرہ میں ہے کہ غسل افضل ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اھ اور بحر میں توشیح سے منقول ہے "یہ ہمارا مذہب ہے" اور الرستغفنی نے کہا کہ مسح افضل ہے اھ (ت)

اقول ھذا سبق نظر انما نقل عن الکرمانی التخییر بین الغسل والمسح ونقل اولویۃ المسح عن الذخیرۃ ثم ھو لا یمس ما ذکر الشارح فان کلامہ عند وجود التھمۃ والذی فی الذخیرۃ وغیرھا اولویۃ المسح حکما مطلقا وعلیہ یرد التصحیح المذکور واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں ان کی نظر چوک گئی ہے، کرمانی سے تو یہ نقل کیا ہے کہ غسل اور مسح میں اختیار ہے اور ذخیرہ سے مسح کی اولویت نقل کی ہے پھر یہ اس کے مطابق نہیں ہے جس کو شارح نے ذکر کیا ہے کیونکہ انکا کلام وجود تہمت کے متعلق ہے اور جو ذخیرہ وغیرہ میں ہے وہ مسح کے اولٰی ہونے کا مطلق حکم ہے اور اسی پر مذکور تصحیح وارد ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ثم اقول اُس سے بھی اہم دفع وسوسہ ہے اگر کوئی شخص وسوسہ میں مبتلا ہو حوض سے وضو کرتے کراہت رکھتا ہو اُسے حوض ہی سے وضو افضل ہے کہ قطع وسوسہ ہو و رغم الشیطان اھم من رغم المعتزلی واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب المسح علی الخفین مصر ۱/ ۱۹۳

[2] ایضاً

مسئلہ ۴۶ ۱۰ شوال ۱۳۱۲ ہجریہ قدسیہ

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک اہلِ اسلام اور ایک ہنود کو حاجتِ غسلِ جنابت ہے اُن دونوں کا آبِ غسل پاک ہے یا کچھ فرق ہے؟ ایک اہلِ اسلام نے اپنی بی بی سے صحبت کی اور غسل کیا وہ پانی پاک ہے یا نہیں؟ اور ہنود نے بھی ایسا ہی کیا ہے اُس کے غسل کا پانی جو مستعمل ہوکر گرا ہے پاک ہے یا ناپاک؟ اور ان دونوں کے پانی میں فرق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگرشرعی طور پر نہائے کہ سر سے پاؤں تک تمام بدن ظاہر پر پانی بہ جائے اور حلق کی جڑ تک سارا منہ اور ناک کے نرم بانسے تک ساری ناک دُھل جائے تو کافر کی جنابت اُتر جائے گی ورنہ نہیں،

فی التنویر والدر والشامی یجب علی من اسلم جنبا او حائضا والا بان اسلم طاھرا[1] (ای من الجنابۃ والحیض والنفاس ای بان کان اغتسل) فمندوب انتہی[2] ملخصا۔

تنویر، در اور شامی میں ہے کہ واجب ہے اس شخص پر جو اسلام لایا جنابت کی حالت میں یا عورت اسلام لائی حیض کی حالت میں، ورنہ اگر پاکی کی حالت میں اسلام لایا (یعنی جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونے کی حالت میں، اگر ناپاک تھا تو غسل کرلیا) تو مندوب ہے انتہی ملخصا۔ (ت)

اکثر جسم پر پانی بہ جانا اگرچہ کفار کے نہانے میں ہوتا ہو اور بے تمیزی سے منہ بھر کر پانی پینے میں سارا مُنہ بھی حلق تک دُھل جاتا ہو مگر ناک میں پانی بے چڑھائے ہرگز نہیں جاتا اور خود ایسا کیوں کرتے کہ پانی سُونگھ کر چڑھائیں لہٰذا اس چھپ چھپ کرلینے سے جو کفار کرلیا کرتے ہیں اُن کا غسل نہیں اُترتا۔ ؎

ہرچہ شوئی پلید تر باشد

فی الحلیۃ عن السیر الکبیر للامام محمد ینبغی للکافر اذا اسلم ان یغتسل غسل الجنابۃ ولا یدرون کیفیۃ الغسل[3] اھ وفیھا عن الذخیرۃ الاتری ان فرضیۃ المضمضۃ و الاستنشاق خفیت علی کثیر من العلماء

حلیہ میں امام محمد کی سیر کبیر سے منقول ہے کہ اگر کافر اسلام لائے تو اس پر لازم ہے کہ غسلِ جنابت کرے اور وہ غسل کی کیفیت نہیں جانتے اھ اور اس میں ذخیرہ سے منقول ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت بہت سے علماء پر مخفی

---

[1] الدرالمختار موجبات الغسل مجتبائی دہلی ۱/۳۲

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۴

[3] حلیہ

فکیف علی الکفار[1]

رہی تو کافروں کا کیا کہنا۔ (ت)

نمازی محتاط مسلمان کے غسل کا پانی پاک ہے اگرچہ دوبارہ اُس سے غسل یا وضو نہیں ہوسکتا مگر وہ خود پاک ہے کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو نماز جائز ہے اور دھونے کی حاجت نہیں اور جس کے بدن پر نجاست لگی ہونا تحقیق ہو اُس کے بدن کا پانی نجس ہے اور تحقیق نہ ہو تو بے نمازی بے احتیاط کے آب وغسل میں شُبہ ہے اُس سے بچنا اولٰی ہے نہ کہ کافر کہ اُن کے تو پاجاموں رانوں میں چھٹنکیوں پیشاب ہوتا ہے ان کا آبِ غسل مکروہ ہے پھر بھی ناپاکی کا حکم نہ دیں گے جب تک تحقیق نہ ہو کما حققناہ فی الاحلی من السکر واللہ تعالٰی اعلم (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ احلی من السکر میں اس کی تحقیق کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۴۷: مسئولہ شیخ شوکت علی صاحب ۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۲ ہجریہ قدسیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے ملّت اہلسنّت وجماعت اس مسئلہ میں کہ جھُوٹا ہندو یا نصرانی وغیرہ کا پاک ہے یا ناپاک، اُس کے کھانے کا کیا حکم ہے اگر کوئی کافر سہوًا یا قصدًا حقّہ یا پانی پی لے تو اس کا کیا حکم ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

حکم اللہ ورسول کے لیے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نصرانی کے کھانے سے ممانعت فرمائی، سُنن ابی داؤد وجامع ترمذی ومصنف ابوبکر بن ابی شیبہ ومسند امام احمد میں ھُلب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

واللفظ لابی بکر قال رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن طعام النصارٰی فقال لایتخلجن فی صدرك طعام ضارعت فیه نصرانیة[2]

الفاظ ابی بکر کے ہیں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ طعامِ نصرانی سے نہی فرمائی اور ارشاد کیا زنہار تیرے سینے میں وہ کھانا جنبش نہ کرے جس میں نصرانیت کا اشتراک ہو۔

اقول بھذا اللفظ اوردہ الامام الجلیل السیوطی فی الجامع الکبیر وقال حسن اھ وھو صریح فی ردما زعم الھروی فی تاویل الحدیث انہ نظیف کما نقلہ عنہ

اقول، انہی الفاظ سے اس کو امام سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر کیا اور حسن کہا اھ اور یہ ہروی کی واضح تردید ہے انھوں نے حدیث کی تاویل کی کہ یہ صاف ستھرا ہے، یہ مجمع البحار میں اُن سے منقول ہے

---

[1] حلیہ

[2] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ التقذر للطعام مجتبائی لاہور ۲/۵

فی مجمع البحار ثم رده بقوله وسیاق الحدیث لایناسبه اھ[1]

پھر انھوں نے اس کو اپنے اس قول سے رد کیا اور حدیث کا سیاق اس کے مناسب نہیں۔ (ت)

اقول وایضا یبعد ما نقله عن الطیبی من تفسیرہ بقوله شابهت النصرانیة والرهبانیة فی تشدیدهم وتضییقهم وکیف وانت علی الحنفیة السهلة اھ[2] کیف وھذا لایلایم النهی۔

میں کہتا ہوں یہ بھی بعید ہے کہ انھوں نے طیبی سے اس کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ یہ نصرانیت اور رہبانیت کے مشابہ ہے ان کی شدت اور سختی میں اور تم دین حنیف پر ہو جو سہل اور آسان ہے اھ کیسے اور یہ نہی کے مناسب نہیں۔ (ت)

اقول وکذا یبعد ما فهم منه ابوداود اذا ورده فی باب کراهیة التقذر للطعام وانما تأتی له ذلك لان لفظ روایته سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وساله رجل فقال ان من الطعام طعاما اتحرج منه فقال لایتخلجن فی صدرك شیئ ضارعت فیه النصرانیة اھ[3] فهذا اللفظ محتمل والذی ذکرناہ نص صریح فتثبت وباللہ التوفیق ورحم اللہ الامام اباحاتم الرازی حیث یقول ماکنا نعرف الحدیث مالو نکتبه من ستین وجها۔

میں کہتا ہوں اسی طرح وہ بھی بعید ہے جو ابوداؤد نے اس سے سمجھا ہے کیونکہ انھوں نے اس کو باب کراہیۃ التقذر الطعام میں وارد کیا ہے، اور انھوں نے ایسا اس لیے کیا ہے کیونکہ ان کی روایت کے لفظ یہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، اور آپ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان کھانوں میں سے ایک کھانا ایسا ہے جس سے میں حرج محسوس کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا تمہارے دل میں کوئی ایسی چیز خلش پیدا نہ کرے جو نصرانیت کے ساتھ مل ہے اھ اب ان الفاظ میں احتمال ہے اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ صریح نص ہے، اور اللہ ابوحاتم الرازی پر رحم فرمائے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک حدیث کو نہیں پہچانتے تھے جب تک کہ اس کو ساٹھ طریقوں سے نہ لکھ لیں۔ (ت)

ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] مجمع البحار لفظ ضرع منشی نولکشور لکھنؤ ۲/۲۸۸
[2] طیبی شرح مشکوٰۃ
[3] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ التقذر الطعام مجتبائی دہلی ۲/۱۷۵

قلت یارسول اللہ انا نغزو ارض العدو فنحتاج الی اٰنیتھم فقال استغنوا عنھا ما استطعتم فان لم تجدوا غیرھا فاغسلوھا و کلوا منھا واشربوا[1]۔ اوردہ الامام فی الجامع وعزاہ لابن ابی شیبۃ۔

میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دشمن کے ملک میں جہاد کو جاتے ہیں اُن کے برتنوں کی حاجت پڑتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک بن پڑے اُن برتنوں سے دُور رہو اور اگر اور برتن نہ ملے تو انھیں دھو کر پاک کرلو اس کے بعد ان میں کھاؤ پیو۔

اقول قد رواہ احمد والبخاری و مسلم وابوداود والترمذی واٰخرون و فی لفظ للترمذی قال انقوھا غسلا[2]۔

میں کہتا ہوں احمد، بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی اور دوسروں نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی کا لفظ فاغسلوھا کی جگہ انقوھا غسلا ہے۔ (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

انما المشرکون نجس[3]۔ کافر نرے ناپاک ہیں۔ یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے پھر اگر شراب وغیرہ نجاستوں کا اثر ان کے منہ میں باقی ہو تو ناپاکی ظاہری بھی موجود ہے اور اس وقت ان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے جیسا کُتّے کا، بلکہ اُس سے بھی بدتر لخلاف مالک فی الکلب (کیونکہ کتے کے بارے میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ ت) اور حُقّے وغیرہ جس چیز کو اُن کا لعاب لگ جائیگا ضرور ناپاک ہوجائے گی۔

تنویرالابصار میں ہے:

سؤر شارب خمر فور شربھا وھرۃ فور اکل فارۃ نجس[4]۔

شرابی کا شراب پینے کے بعد فوری جھوٹا اور بلّی کا چوہا کھانے کے بعد فوری جھوٹا نجس ہے۔ (ت)

ہنود و نصارٰی وغیرہم اکثر شراب خور ہوتے ہیں اور مونچھیں بڑھانا اُن کا شعار اور شراب خور کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں کہ شراب مونچھ کو لگ گئی تو جب تک مُونچھ دُھل نہ جائے گی پانی وغیرہ جس چیز کو لگے گی ناپاک کردے گی، درمختار میں ہے:

لوشاربہ طویلا لایستوعبہ اللسان فنجس

اگر شراب خور کی مونچھیں لمبی ہوں کہ زبان ان تک

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ الاکل فی اٰنیۃ الکفار ادارۃ القرآن کراچی ۸/۹۰
[2] جامع للترمذی " امین کمپنی دہلی ۲/۲
[3] القرآن ۹/۲۸
[4] الدرالمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

ولو بعد زمان[1] نہ پہنچ سکے تو اس کا جھوٹا نجس ہے اگرچہ وہ طویل وقت کے بعد پانی پیے۔ (ت)

اور اگر ظاہری نجاستوں سے بالکل جُدا ہو جس کی اُمید کافروں میں بہت کم ہے تو اس کے جھوٹے کو اگرچہ کُتّے کے جھوٹے کی طرح صریح ناپاک نہ کہا جائے۔

فی التنویر والدر سؤر آدمی مطلقا ولو جنبا او کافرا طاھر الفم طاھر[2] ا مختصرا۔ تنویر اور در میں ہے آدمی کا جھوٹا چاہے وہ جنبی ہو یا کافر ہو پاک ہے کیونکہ منہ پاک ہے۔ مختصراً (ت)

اقول مگر ہر چیز کہ ناپاک نہ ہو طیب و بے دغدغہ ہونا ضرور نہیں رینٹھ بھی تو ناپاک نہیں پھر کون عاقل اُسے اپنے لب و زبان سے لگانا گوارا کرے گا کافر کے جھوٹے سے بھی بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہے اور یہ نفرت اُن کے ایمان سے ناشی ہے۔

وفی رفعہ عن قلوبھم اسقاط شناعۃ الکفرۃ عن اعینھم او تخفیفھا و ذلک غش بالمسلمین وقد صرح العلماء کما فی العقود الدریۃ وغیرھا ان المفتی انما یفتی بما یقع عندہ من المصلحۃ و مصلحۃ المسلمین فی ابقاء النفرۃ عن الکفرۃ لا فی القائھا۔[3] اور اس کو ان کے دلوں سے اٹھانے میں کافروں کی بُرائی کو ان کی نگاہوں میں ختم کرنا ہے یا کم کرنا ہے، اور یہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے اور علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ عقود الدریۃ وغیرہا میں ہے کہ مفتی کو وہی فتوٰی دینا چاہیے جس میں اس کے نزدیک مصلحت ہو اور مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہے کہ ان کے دلوں میں کافروں سے نفرت باقی رہے نہ یہ کہ نفرت ختم ہو جائے۔ (ت)

جو شخص دانستہ اُس کا جھوٹا کھائے پیے مسلمان اُس سے بھی نفرت کرتے ہیں وہ مطعون ہوتا ہے اُس پر محبت کفار کا گمان جاتا ہے اور حدیث میں ہے:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم[4]۔ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو۔

مسند و حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وما یسوؤ الاذن[5] اُس بات سے بچ جو کان کو بُری لگے

---

[1] الدرالمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] ایضاً

[3] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۴

[4] مراقی الفلاح مع الطحطاوی قبیل باب سجود السہو نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۴۹

[5] مسند امام احمد عن ابی الغادیۃ بیروت ۴/۷۶

رواہ الامام احمد عن ابی العادیۃ والطبرانی فی الکبیر وابن سعد فی الطبقات والعسکری فی الامثال وابن مندۃ فی المعرفۃ والخطیب فی المؤتلف کلھم عن ام العادیۃ عمۃ العاص بن عمرو الطفاوی وعبد اللہ بن احمد الامام فی زوائد المسند وابو نعیم وابن مندۃ کلاھما فی المعرفۃ عن العاص المذکور مرسلا وابو نعیم فیھا عن جبیب بن الحارث رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اس کو امام احمد نے ابو العادیہ سے روایت کیا اور طبرانی نے کبیر میں اور ابنِ سعد نے طبقات میں اور عسکری نے امثال میں اور ابن مندہ نے معرفہ میں اور خطیب نے مؤتلف میں، ان سب نے اُمِّ عادیہ بنت عاص بن عمرو طفاوی کی پھوپھی سے روایت کی، اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، اور ابو نعیم اور ابن مندہ نے دونوں نے معرفہ میں عاص مذکور سے مرسلاً روایت کی، اور ابو نعیم نے معرفہ میں جبیب بن حارث سے روایت کی۔ (ت)

نیز بہت حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

ایاک وکل امر یعتذر منہ[2] ہر اس بات سے بچ جس میں عذر کرنا پڑے۔

رواہ ایضا فی المختارۃ والدیلمی کلاھما بسند حسن عن انس والطبرانی فی الاوسط عن جابر وابن منیع ومن طریقہ العسکری فی امثالہ والقضاعی فی مسندہ معاً والبغوی ومن طریقہ الطبرانی فی اوسطہ والمخلص فی السادس من فوائدہ وابو محمد الابراھیمی فی کتاب الصلاۃ وابن النجار فی تاریخہ کلھم عن ابن عمر والحاکم فی صحیحہ والبیہقی فی الزھد والعسکری فی الامثال وابو نعیم فی المعرفۃ عن سعد بن ابی وقاص واحمد وابن ماجۃ وابن عساکر عن ابی ایوب الانصاری کلھم رافعیہ

اس کو بھی مختارہ اور دیلمی میں دونوں نے بسندِ حسن روایت کیا انس سے اور طبرانی نے اوسط میں جابر سے اور ابن منیع نے اور عسکری نے امثال میں اور قضاعی اپنی مسند میں ابن منیع کی سند سے ایک ساتھ اور بغوی نے اور اس کی سند سے طبرانی نے اپنی اوسط میں اور مخلص چھٹے فائدہ میں، اور ابو محمد ابراہیمی نے کتاب الصلوٰۃ میں اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں، سب نے ابن عمر سے، اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے الزہد میں اور عسکری نے امثال میں اور ابو نعیم نے المعرفۃ میں سعد بن ابی وقاص سے اور احمد و ابن ماجہ اور ابن عساکر نے ابو ایوب انصاری سے، ان

---

[2] جامع الصغیر مع فیض القدیر ۳/۱۱۷

الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والبخاری فی تاریخہ والطبرانی فی الکبیر وابن مندۃ عن سعد بن عمارۃ من قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

تمام حضرات نے اس کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رفع کیا ہے، اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن مندہ نے سعد بن عمارۃ سے، انہی کا قول نقل کیا، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم:

بشروا ولاتنفروا[2]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بشارت دو اور وہ کام نہ کرو جس سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو۔ اسے احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

پھر اس میں بلاوجہ شرعی فتح باب غیبت ہے اور غیبت حرام فما ادی الیہ فلا اقل ان یکون مکروھا (توجو اس تک پہنچائے وہ کم از کم مکروہ ضرور ہوگا۔ ت) تو دلائل شرعیہ واحادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ کافر کے جھوٹے سے احتراز ضرور ہے اور اس باب میں یہاں نصارٰی کا حکم بہ نسبت ہنود کے بھی سخت تر ہے کہ وجوہ کثیرہ مذکورہ میں دونوں شریک اور نصارٰی میں یہ امر زائد کہ یہاں ان کی سلطنت ہونے کے باعث مذہبی نفرت کی کمی میں تبدیل دین یا کم از کم ضعف ایمان کا وہ اندیشہ بہ نسبت ہنود کہیں زیادہ ہے۔

فمن الجھل التمسک ھنا بما فی الصدر الاول اذکانوا اذلاء مقھورین تحت ایدینا فکان فی تقریبھم ما تقریبھم الی الاسلام والأن قد انعکس الامر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ وقد کانت نساء ذوی الھیأت، یحضرن لیلا ونھارا الجماعات، ونھی عنہ الائمۃ الاثبات، مع قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتمنعوا اماء اللہ مساجد[2] اللہ وکم من حکم یختلف باختلاف الزمان،

یہاں یہ امر جہالت ہوگا کہ اس چیز سے استدلال کیا جائے جو صدر اول میں تھی کیونکہ اس زمانہ میں وہ کمزور تھے اور ہمارے ماتحت تھے اس لیے ان کو اپنے قریب کرنے سے ان کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دینا مقصود تھی اور اب تو معاملہ ہی الٹ ہوگیا ہے، ایک زمانہ تھا کہ باعزت لوگوں کی عورتیں دن اور رات دونوں اوقات میں جماعات میں حاضر ہوتی تھیں، مگر ائمہ کرام نے اب اُن کے آنے کی ممانعت کردی ہے، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اللہ

---

[1] جامع للبخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ١/١٦
[2] مسند امام احمد عن ابن عمر بیروت ٢/١٦

بل دالمکان، کما تشھد بہ فروع جمۃ، فی کتب الائمۃ، وھذا ماعندی وبہ افتیت مرارا واللہ ربی علیہ معتمدی، والیہ مستندی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو، اور بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کے اختلافات سے مختلف ہوتے ہیں بلکہ امکنہ کے اختلاف سے بھی مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ کتبِ ائمہ میں بہت سی فروع اس پر شاہد ہیں میرے نزدیک یہی ہے اسی پر میں نے کئی مرتبہ فتوٰی دیا ہے اللہ میرا رب ہے اسی پر اعتماد اور اسی کی طرف سہارا ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۴ از کانپور محلہ بوچڑخانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن جشتانی طالب علم مدرسہ فیض عام ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ ماجوابکم ایہا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی دحقہ کا پانی پاک ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قطعاً پاک ہے پانی پاک، تمباکو پاک اُسکا دھُواں پاک، پاک چیز سے پاک پانی کا رنگ مزہ بُو بدل جانا اُسے ناپاک نہیں کرسکتا یہاں تک کہ مذہب صحیح میں نہ صرف طاہر بلکہ مطہر وقابلِ وضو رہتا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے وضو کرے وضو ہوجائیگا اگرچہ بوجہ بُو مکروہ ہے یہاں تک کہ جب تک اُس کی بُو باقی ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شامل ہونا منع ہوگا پھر بھی اگر سفر میں ہو اور وضو کو پانی کم تھا کہ مثلاً ایک یا دونوں پاؤں دھونے سے رہ گئے اور حقّے میں پانی ہے جس سے وہ کمی پوری ہوسکتی ہے تو اس صورت میں تیمم جائز نہ ہوگا نماز باطل ہوگی بلکہ اُسی پانی سے وضو کی تکمیل لازم ہوگی لانہ یجد ماء وانما یقول اللہ تعالٰی ولم تجدوا ماء[1] (کیونکہ وہ پانی کو پا رہا ہے جبکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اور تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔ ت)

درمختار میں ہے:

یجوز بماء خالطہ طاھر جامد ککفہۃ وورق شجر وان غیر کل اوصافہ فی الاصح ان بقیت رقتہ واسمہ[2] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

اُس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کوئی خشک پاک چیز مل گئی ہو، جیسے میوہ اور درخت کے پتے، خواہ اُس نے اُس کے تمام اوصاف کو بدل دیا ہو، اصح یہی ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس کی رقت اور اُس کا نام باقی رہے ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن ۴/۴۳

[2] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

فتوٰی مسمّٰی بہ
رحب الساحۃ فی میاہ لایستوی وجہہا وجوفہا فی المساحۃ

ان پانیوں کے بارے میں وسیع کرناجن کی سطح اور گہرائی پیمائش میں برابر نہ ہو (ت)

مسئلہ ۴۹   ۴ جمادی الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں سوال اوّل حوض نیچے دہ دردہ اور اوپر کم ہے بھرے ہوئے میں نجاست پڑی تو سب ناپاک ہوگیا یا صرف اوپر کا حصّہ جہاں تک سو ہاتھ سے کم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

بعض کے نزدیک اصلاً ناپاک نہ ہوگا کہ مجموع آب کثیر ہے۔

اقول ویشبہ ان یکون مبنیا علٰی اعتبار العمق وقد صححہ بعضہم والمعتمد المعول علیہ لا۔

میں کہتا ہوں یہ گہرائی کے اعتبار پر مبنی ہے اور بعض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر اعتماد نہیں ہے۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

الحوض الکبیر اذا انجمد ماؤہ فنقب انسان نقبا وتوضأ منہ ان کان الماء منفصلا عن الجمد یجوز وان کان متصلا بالجمد اختلف المشایخ فیہ بعضہم اعتبروا جملۃ الماء حتی لایتنجس وبعضہم اعتبروا موضع النقب ان کان کبیرا یجوز والا فلا۔[1]

بڑے حوض کا پانی جب جم جائے اور کوئی اس میں سوراخ کرکے وضو کرلے تو پانی اگر برف سے الگ ہے تو جائز ہے اور اگر برف سے متصل ہے تو مشایخ کا اس میں اختلاف ہے بعض نے تمام پانی کا اعتبار کیا یہاں تک کہ وہ نجس نہ ہوگا، اور بعض نے سوراخ کی جگہ کا اعتبار کیا، اگر وہ بڑا ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

بعض کے نزدیک کل ناپاک ہوجائے گا۔

اقول وکانہ لانہ ماء واحد والعبرۃ بوجہ الماء وھو قلیل لا بالعمق وان کثر۔

میں کہتا ہوں اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک پانی ہے اور اعتبار پانی کی سطح کا ہے اور وہ قلیل ہے، عمق کا اعتبار نہیں، خواہ زائد ہی کیوں نہ ہو۔ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی   الجنس الاول الحیاض   نولکشور لکھنؤ   ۱/۴

خلاصہ میں ہے :

ان کان اعلاہ اقل من عشر فی عشر و اسفلہ عشرًا فی عشر فوقعت قطرۃ خمر ثم انتقص الماء وصار عشرًا فی عشر اختلف المشایخ فیہ[1]

اگر اس کا بالائی حصہ دہ در دہ سے کم ہے اور نچلا دہ در دہ ہو اب اس میں ایک قطرہ شراب کا گر جائے پھر پانی کم ہو جائے اور دہ در دہ ہو جائے، تو اس میں مشایخ کا اختلاف ہے۔ (ت)

بدائع میں اوّل کو اوسع ثانی کو احوط فرمایا اور غنیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی دوم پر فتوی ہے :

حیث قال الحوض اذا انجمد ماؤہ فنقب فی موضع منہ فوقعت فیہ نجاسۃ قال نصیر و ابوبکر الاسکاف یتنجس وقال عبداللہ بن المبارک و ابوحفص الکبیر البخاری لایتنجس اذا کان الماء تحت الجمد عشرًا فی عشر و ان کان متصلا بالجمد والفتوی علی قول نصیر و ابی بکر وان کان منفصلا عن الجمد یجوز بلاخلاف کالحوض المسقف[2] اھ واعترضہ شارحہ المحقق ابن امیر الحاج بانہ یفید ان الحوض عند نصیر و ابی بکر یتنجس سواء کان الماء ملتزقا بالجمد او متسفلا عنہ ثم ینافیہ قولہ وان کان منفصلا یجوز بلاخلاف فان قلت لم لا یحمل ما عن نصیر وابی بکر علی ما اذا کان متصلا بالجمد و قد اندفع التناقض عن المصنف قلت لانہ ینافیہ قولہ فان کان متصلا بالجمد

انھوں نے فرمایا کہ حوض کا پانی جم جائے اور اس میں کسی جگہ سوراخ کیا جائے اور اس میں نجاست گر جائے تو نصیر اور ابوبکر الاسکاف نے فرمایا وہ ناپاک ہو جائیگا، اور عبداللہ بن مبارک اور ابوحفص کبیر نے فرمایا کہ اگر برف کے نیچے پانی دہ در دہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا، اگرچہ برف سے متصل ہو اور فتوی نصیر اور ابوبکر کے قول پر ہے اور اگر برف سے جُدا ہو تو بغیر اختلاف کے جائز ہے جیسے وہ حوض جس کے اوپر چھت ہو اھ اس پر اس کے شارح محقق ابن امیر الحاج نے اعتراض کیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض نصیر اور ابوبکر کے نزدیک نجس ہو جاتا ہے خواہ پانی برف سے ملا ہوا ہو یا اس کے نیچے ہو، پھر اس کے مخالف ہے اُن کا قول کہ اگر منفصل ہو تو جائز ہے بلاخلاف، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو نصیر اور ابوبکر سے منقول ہے اسکو اس پر کیوں محمول نہیں کیا گیا کہ یہ اُس صورت میں ہے جبکہ وہ برف سے متصل ہو اور تناقض مصنف سے رفع ہو گیا، میں

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴

[2] غنیۃ المستملی فصل الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰۰

فالفتوی علی قول نصیر فانہ یفید ان موضوع المسألۃ اعم وان نصیرا وابابکر یقولان ینجس مطلقا وابن المبارک واباحفص یقولان لاینجس مطلقا فتأملہ[1] اھ

کہوں گا، اس لیے کہ اس کے منافی اس کا قول کہ اگر برف کے ساتھ متصل ہو تو فتوٰی نصیر کے قول پر ہوگا، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع مسئلہ اعم ہے اور یہ کہ نصیر اور ابوبکر دونوں کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً نجس ہوگا، اور ابن مبارک اور ابوحفص کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً نجس نہیں ہوگا فتأملہ اھ۔ (ت)

اقول ۱ رحم اللہ المحقق لاشک ان اول الکلام فی المتصل یوضحہ ما فی البدائع ان کان جامدا ونقب فی موضع منہ فان کان الماء غیر متصل بالجمد یجوز بلاخلاف وان متصلا والنقب صغیرا اختلف المشایخ قال نصیر بن یحیٰی وابوبکر الاسکاف لاخیر فیہ وسئل ابن المبارک فقال لاباس بہ وقال الیس الماء یضطرب تحتہ وھو قول الشیخ ابی حفص الکبیر وھذا اوسع والاول احوط[2] وقد نقلہ المحقق فی الحلیۃ ھھنا۔

میں کہتا ہوں اللہ محقق پر رحم کرے بیشک کلام کا ابتدائی حصہ متصل میں ہے اس کی وضاحت بدائع میں ہے، اور وہ یہ کہ اگر وہ جامد ہو اور اس کے کسی حصے میں سوراخ کر لیا گیا ہو تو اگر پانی برف سے ملا ہوا نہ ہو تو بلاخلاف جائز ہے اور اگر متصل ہو اور سوراخ چھوٹا ہو تو مشایخ کا اختلاف ہے، نصیر بن یحیٰی اور ابوبکر الاسکاف فرماتے ہیں اس میں خیر نہیں اور ابن مبارک سے دریافت کیا گیا تو فرمایا اس میں حرج نہیں، نیز فرمایا کیا اس کے نیچے پانی میں حرکت نہیں ہوتی ہے اور یہی ابوحفص الکبیر کا قول ہے اور یہ زیادہ آسان ہے جبکہ پہلے میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہے اھ اور محقق نے اس کو یہاں حلیہ میں نقل کیا۔ (ت)

اقول ۲ ولولا ھذا لم یکن لہ محمل الا ذاک لان الذھن لایسبق منہ الا الیہ اذ ھو الغالب ونادر ان یجمد الاعلی ویبقی الاسفل منفصلا عنہ الا اذا نقب واستفرغ منہ شیئ صالح

میں کہتا ہوں اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کا محل یہی ہوتا، کیونکہ ذہن کی سبقت اسی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ غالب یہی ہے اور یہ نادر ہے کہ اوپر والا منجمد ہو جائے اور نیچے والا اس سے جدا رہے، ہاں اگر اس میں سوراخ کر کے قابلِ لحاظ حد تک پانی نکال لیا جائے تو جدا ہو سکتا ہے۔

وما رد بہ علیہ من المنافاۃ۔

اور جس چیز سے اس پر رد کیا ہے یعنی منافات، تو میں کہتا ہوں یہ اُن کی طرف متوجہ نہیں کیونکہ

فاقول ۳ غیر متوجہ الیہ فان قولہ

---

[1] حلیہ

[2] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

"وان کان متصلا بالجمد" لیس شرطا جزاؤہ فالفتوی حتی یفید ان کلام نصیر و ابی بکر فیما ھو اعم من الاتصال بل ھو من تتمۃ قول ابن المبارك وان وصلیۃ والفاء فی فالفتوی فصیحۃ والمعنی انہ ان انفصل عن الجمد جاز بلاخلاف وان اتصل فکذا عند عبداللہ و ابی حفص وقال نصیر و ابوبکر لا وعلیہ الفتوی علی ان فی عامۃ نسخ المنیۃ وعلیہ الفتوی بالواو دون الفاء وقولہ فان کان متصلا لیس بالفاء فی نفس المتن المنقول فی الحلیۃ فانقطع منشاء التوھم رأسا ثم رأیت الغنیۃ فسرہ علی ماھو الحق و افاد فائدۃ اخری ستعرفھا۔

ان کا قول "وان کان متصلا بالجمد" شرط نہیں جس کی جزا فالفتوی ہو تاکہ اس کا فائدہ یہ ہو کہ نصیر اور ابوبکر کا اس میں کلام ہے جو اتصال سے اعم ہے بلکہ وہ ابن مبارک کے کلام کا تتمہ ہے اور "ان" وصلیہ ہے اور فالفتوی میں فاء فصیحہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر وہ برف سے جدا ہو تو بلا خلاف جائز ہے اور اگر متصل ہو تو اسی طرح عبداللہ اور ابو حفص کے نزدیک حکم ہے اور نصیر اور ابوبکر کہتے ہیں نہیں، اور اسی پر فتوی ہے، علاوہ ازیں منیہ کے عام نسخوں میں وعلیہ الفتوی واؤ کے ساتھ ہے فاء کے ساتھ نہیں، اس کا قول فان کان متصلا نفس متن میں فاء کے ساتھ نہیں جو حلیہ میں منقول ہے، تو وہم کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔ پھر میں نے غنیہ میں دیکھا کہ انھوں نے اس کی حق تفسیر کی، اور ایک اور فائدہ بیان کیا جو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ (ت)

اور صحیح یہ ہے کہ صرف وہی بالائی حصہ ناپاک ہوگا جو دَہ دردَہ سے کم ہے یہاں تک کہ اگر اوپر کا پانی نکال دیا گیا اور آب وہاں تک رہ گیا جہاں سے دَہ دردہ ہے تو یہ پانی پاک ہے اس لیے کہ اگرچہ وہ آب نجس سے متصل تھا مگر آب کثیر اتصال نجس سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اُس کا رنگ یا بُو یا مزہ بدل نہ جائے، ہندیہ میں ہے:

ان کان اعلی الحوض اقل من عشر فی عشر واسفلہ عشر فی عشر او اکثر فوقعت نجاسۃ فی اعلی الحوض وحکم بنجاسۃ الاعلی ثم انتقص الماء وانتھی الی موضع ھو عشر فی عشر فالاصح انہ یجوز الوضوء بہ والاغتسال فیہ[1]۔

اگر حوض کا بالائی حصہ دَہ دردَہ سے کم ہو اور اس کا نچلا حصہ دہ دردہ ہو یا زیادہ ہو اور نجاست حوض کے اوپر والے حصے میں گر جائے، اور اوپر والے حصہ کے نجس ہونے کا حکم کر دیا جائے، پھر پانی گھٹ جائے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جو دہ دردہ ہو تو اصح یہ ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الثانی الماء الراکد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹

كذا فى المحيط۔ | کہ اس سے وضو اور غسل جائز ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

وذكر السراج الهندى ان الاشبه الجواز[1]۔ | اور سراج ہندی نے ذکر کیا ہے کہ اشبہ جواز ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

نص فى الذخيرة انه الاشبه[2]۔ | ذخیرہ میں نص ہے کہ یہی اشبہ ہے۔ (ت)

فتوی کہ منیہ میں مذکور ہُوا اُس سے بھی یہی مراد ہے کہ حصّہ بالائی کی نجاست پر فتوی ہے نہ کہ کل کی، غنیہ میں ہے:

(الحوض اذا انجمد ماؤه فنقب فى موضع) وبقى الماء تحت الجمد متصلا به (فوقعت فيه نجاسة قال نصير وابوبكر يتنجس الماء) لكونه متصلا بالجمد فلا يخلص بعضه الى بعض فيكون وقوع النجاسة فى ماء قليل فيفسد (وقال ابن المبارك وابو حفص لا) انكان اى ولوكان (الماء متصلا بالجمد) لكونه عشرا فى عشر (والفتوى على قول نصير) لما قلنا (واما اذا كان) الماء تحت الجمد (منفصلا عنه (فيجوز) ولايفسد الماء لان الفرض انه عشر فى عشر ولم تنفصل بقعة منه عن سائره كما فى الصورة الاولى۔

(حوض کا پانی جب جم جائے اور کسی جگہ سوراخ کیا جائے اور برف کے نیچے والا پانی اس کے ساتھ متصل رہے (تو اس میں نجاست گرگئی، تو نصیر اور ابو بکر نے فرمایا پانی نجس ہوجائیگا) کیونکہ وُہ برف کے ساتھ متصل ہے تو اس کا بعض حصّہ دوسرے بعض کی طرف نہیں جاسکیگا اور اس طرح نجاست قلیل پانی میں گرے گی، اور اس کو فاسد کردے گی (اور ابن مبارک اور ابو حفص نے کہا نہیں اگرچہ وُہ یعنی برف پانی سے متصل ہو، کیونکہ وہ دہ دردہ ہے (اور فتوی نصیر کے قول پر ہے) جیسا کہ ہم نے کہا (اور اگر پانی ہو) برف کے نیچے جدا برف سے (تو جائز ہے) اور پانی فاسد نہ ہوگا کیونکہ مفروضہ یہ ہے کہ یہ دہ دردہ ہے اور اس کا کوئی حصہ باقی پانی سے جُدا نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔ (ت)

اسی طرح منیہ میں جو اس کے متصل تھا:

وان نقب الجمد فعلا الماء فولغ الكلب يتنجس عند عامة العلماء[3]۔ | اور اگر برف میں سوراخ کیا تو پانی اوپر چڑھ آیا اس میں کُتّے نے منہ ڈال دیا تو عام علماء کے نزدیک نجس ہوجائیگا۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق، بحث الماء الدائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷
[2] حلیہ
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الحیاض ص ۹۹

دونوں شارح محقق نے اسے اُسی قدر پانی کی نجاست پر حمل فرمایا ہے غنیہ میں ہے :

(یتنجس عند عامة العلماء) ولم یعتبر الماء الذی تحت الجمد وکان ما فی الثقب کغیرہ من الماء القلیل خلافا لما قال البعض ان ما فی الثقب یعتبر متصلا بما تحتہ وھو کثیر فلا یتنجس[1]

(اور عام علماء کے نزدیک پانی نجس ہوجائے گا) اور جو پانی برف کے نیچے ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور جو سوراخ میں ہے وہ تھوڑے پانی کی طرح ہے لیکن بعض علماء نے اس کے خلاف یہ فرمایا ہے کہ جو سوراخ میں ہے وہ اسی طرح ہے جو اس کے نیچے ہے اور وہ کثیر ہے تو ناپاک نہ ہوگا۔ (ت)

حلیہ میں ہے :

(یتنجس عند عامة العلماء) ذلک الماء الذی فی الثقب لا الحوض لان المسألة مفروضة فی الحوض الکبیر[2]

(عام علماء کے نزدیک نجس ہوجائے گا) وہ پانی جو سوراخ میں ہے نہ کہ حوض میں کیونکہ مسئلہ بڑے حوض میں مفروض ہے۔ (ت)

یہاں سے یہ بھی ظاہر ہُوا کہ یہی مذہب جمہور علماء ہے ،

وھنا بحث غریب للخانیة ثم للخلاصة و اللفظ لہا قال اختلف المشایخ فیہ وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان الماء الذی تنجس فی اعلی الحوض اکثر من الماء الذی فی اسفلہ و وقع الماء النجس فی اسفل الحوض علی التدریج کان طاھرا علی ما یاتی فی مسألة الجمد وقال بعضھم لا یطھر کالماء القلیل اذا وقعت فیہ نجاسة ثم انبسط علی ما مر[3] و المراد بما یاتی فی الجمد

اور یہاں ایک عجیب بحث خانیہ اور خلاصہ کی ہے الفاظ خلاصہ کے ہیں فرمایا کہ مشایخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور جواب میں تفصیل ہونی چاہیے ، اگر وہ پانی جو حوض کے بالائی حصہ میں نجس ہوا ہے اس پانی سے زیادہ ہے جو اس کے نچلے حصے میں ہے ، اور نجس پانی حوض کے نچلے حصے میں گرا بتدریج تو پاک رہے گا ، جیسا کہ منجمد پانی کے بیان میں آئے گا ، اور بعض نے فرمایا طاہر نہیں رہے گا جیسے قلیل پانی ، جب اس میں نجاست گر جائے پھر وہ پھیل جائے ، جیسا کہ گزرا اھ اور ما یاتی فی الجمد سے

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۰

[2] حلیہ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳

قولہ رحمہ اللہ تعالٰی لوتنجس موضع النقب ثم ذاب الجمد بتدریج الماء نجس وقال الشیخ الامام شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ تعالٰی الماء طاھر سواء ذاب بتدریج اودفعۃ واحدۃ[1]۔

مرادان کا قول ہے کہ " اگر سوراخ کی جگہ نجس ہوتی پھر منجمد پانی بتدریج پگھل گیا تو پانی ناپاک ہے"، اور شیخ الامام شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا پانی پاک ہے خواہ بتدریج پگھلا ہو یا یک دم اھ (ت)

اقول وجہ الاول وعلیہ المعول انہ کلما ذاب شیئ منہ اتصل بالنجس وھو قلیل فیتنجس حتی تاتی النجاسۃ علی الکل بخلاف ما اذا ذاب دفعۃ لانہ کثیر فلا یتنجس بمجاورۃ النجس ووجہ قول شمس الائمۃ انہ کثیر وفیہ ان النجس لایطھر بالکثرۃ۔

میں کہتا ہوں پہلے قول کی وجہ جس پر اعتماد ہے کہ جب بھی اس سے کوئی چیز پگھل اور نجس سے متصل ہوئی اور وہ قلیل ہو تو وہ نجس ہو جائے گا یہاں تک کہ کل نجس ہوگا بخلاف اس صورت کے جبکہ یکدم پگھل جائے کیونکہ وہ کثیر ہے، لہذا نجس کی مجاورت کی وجہ سے نجس نہ ہوگا، شمس الائمہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ کثیر ہے، اور اس میں یہ اعتراض ہے کہ نجس کثرت کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا ہے۔ (ت)

اقول لکن فی قیاس مسألتنا علی مسألۃ الجمد نظر فان الطاھر ھھنا ماء کثیر فلا یضرہ مجاورۃ نجس سواء کانت دفعۃ او تدریجا وکان المجاور اکثر منہ او اقل علی خلاف ما یفیدہ تقییدہ بکثرۃ المتنجس قدرالامساحۃ من قصر حکم الطھارۃ علی ما لوکان اقل مما تحتہ قدرا فلا یتنجس ماتحتہ سواء وقع فیہ دفعۃ او تدریجا بخلاف الاکثر وانت تعلم ان الماء الکثیر انما یتنجس بتغیر وصف لہ بالنجاسۃ بلا فرق

میں کہتا ہوں ہمارے مسئلہ کو منجمد پانی پر قیاس کرنے میں نظر ہے کیونکہ یہاں پاک پانی کثیر ہے تو اس کو نجس کی مجاورۃ نقصان دہ نہ ہوگی خواہ یکدم ہو یا بتدریج ہو اور مجاور اس سے زیادہ یا کم ہو، یہ اس کے خلاف ہے کہ جس کو متنجس کی کثرت کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی مقدار کے اعتبار سے نہ کہ پیمائش کے اعتبار سے، جس نے طہارت کے حکم کو اُس صورت میں مقصور کیا کہ اگر وہ اپنے نیچے والے پانی سے کم ہو، تو اس کا نیچے والا ناپاک نہ ہوگا' خواہ اس میں وہ یک دم گرا ہو یا تدریجی طور پر بخلاف اکثر کے اور آپ کو معلوم ہے

[1] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاول فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۳

بل قد روقد رعلی القول الصحیح المعتمد المفتی بہ کما عرف فی مسألۃ جیفۃ فی النھر نعم مشی الشیخ علی مختارہ ثمہ حیث قال ان کان مایلاقی الجیفۃ اکثر اوکانا سواء فالماء نجس[1] اھ والیہ یشیر قولہ الماء النجس اذا دخل الحوض الکبیر لایتنجس الحوض وان کان الماء النجس علی ماء الحوض غالبا لانہ کلما اتصل الماء بالحوض صار ماء الحوض علیہ غالبا[2] اھ فقد اشار الٰی

کہ کثیر پانی اسی وقت نجس ہوگا جب نجاست کی وجہ سے اس کا کوئی وصف متغیر ہوجائے، اس میں مقادیر کے طرق کا اعتبار نہیں، قول صحیح معتمد مفتیٰ بہ یہی ہے، جیسا کہ نہر میں گرجانے والے مردہ کے مسئلہ میں معلوم ہوا ہے البتہ شیخ نے وہاں اپنے مختار قول ہی کو لیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو پانی مردار سے ملاقی ہے، اگر وہ زاید ہے یا دونوں برابر ہیں تو پانی نجس ہے اھ اور ان کے قول "نجس پانی جب بڑے حوض میں داخل ہوجائے تو وہ حوض ناپاک نہ ہوگا"

اقول وبما اشرنا الیہ اندفع ماجنح الیہ فی الحلیۃ من اثبات التناقض بین فرعی الخلاصۃ ھذین فان مقتضی الفرع الاخیر طھارۃ السافل بلا تفصیل اھ بمعناہ وذلک لان کلامہ فی ھذا الفرع یشیر الی صورۃ التدریج فلاینافی التفصیل المذکور سابقا وکذا اندفع بحثہ ترجیح الطھارۃ مطلقا وان ذاب تدریجا حیث قال بعد قول شمس الائمۃ قلت وھذا ھو المتجہ بعد ان کان الحوض کبیرا ولم یظھر للنجاسۃ اثر فیہ کما ھو فرض المسألۃ اھ اقول ماذا ینفع کون متسع الحوض کبیرا بعد ان کان الذائب من الجمد قلیلا فالعبرۃ للماء

میں کہتا ہوں ہم نے جس طرف اشارہ کیا ہے اس سے حلیہ میں جو کہا ہے وہ رفع ہوگیا، حلیہ میں انھوں نے خلاصہ کی ان دو فرعوں کے درمیان تناقض ثابت کیا ہے، کیونکہ آخری فرع کا مقتضٰی یہ ہے کہ نچلا حصہ بلا تفصیل پاک ہے اھ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کلام اس فرع میں تدریج کی صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو سابقہ تفصیل کے خلاف نہ ہوگا، اور اسی طرح ان کی وہ بحث ساقط ہوگئی جس میں انہوں نے مطلقاً طہارت کو ترجیح دی ہے اگرچہ وہ پگھلا ہو تدریجاً انہوں نے شمس الائمہ کے قول کے بعد فرمایا "میں کہتا ہوں یہی معقول بات ہے بشرطیکہ حوض بڑا ہو اور نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، جیسے کہ مسئلہ میں مفروض ہے اھ

میں کہتا ہوں حوض کے بڑا ہونے کا ایسی صورت

(باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] خلاصۃ الفتاوی جنس آخر فی التوضی، الماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاول فی الحیض " ۱/۴

التدریج ولفظ الفتح فی تعلیلہ لان کل مایتصل بالحوض الکبیر یصیر منہ فیحکم بطہارتہ[1] اھ وفی البزازیۃ الماء الکثیر النجس دخل فی الحوض الکبیر لاینجسہ لانہ حکم بالطہارۃ زمان الاتصال[2] اھ ھذا اوجہ وثانیا لااثر لوقوع ماء نجس فی ماء طاھر الا اللقاء وھو حاصل فیما نحن فیہ من بدو الامر فغیم التفصیل بخلاف مسألۃ الجمد فانہ

اگرچہ نجس پانی حوض کے پانی پر غالب ہوجائے میں اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ جونہی پانی حوض کے پانی سے ملے گا حوض کا پانی اس پر غالب ہوتا جائیگا[1] تو انھوں نے تدریج کی طرف اشارہ کیا ہے اور فتح نے اس کی تعلیل میں یہ فرمایا ہے "اس لیے کہ جو بڑے حوض سے ملے گا وہ اسی کا جز ہوجائیگا تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا اھ اور بزازیہ میں ہے کہ کثیر نجس پانی جب بڑے حوض میں داخل ہوجائے تو اس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لاللمحل والماء ھو الذائب دون الجمد ثم استشھد علیہ بفرع الخلاصۃ الاخیر وتعلیلہ بانہ کلما اتصل بالحوض صار ماء الحوض علیہ غالب قال بل ھذا ابلغ کما ھو غیر خاف فتنبہ لذلک اھ اقول ذلک فی ماء نجس کثیر لقی ماء طاھر اکثیرا تدریجا وھذا ماء قلیل طاھر لقی ماء نجسا فاین ھذا من ذلک وای مدخل فیہ للابلغیۃ من حیث ان ثم الغالب النجس وھھنا الطاھر بعد ان التدریج جعل ذلک الغالب مغلوبا کما افصح بہ فی الخلاصۃ وھذا المغلوب غالبا کما علمت واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کیا فائدہ جبکہ پگھل ہوئی برف کم ہو کیونکہ اعتبار پانی کا ہے نہ کہ محل کا اور پانی تو پگھلا ہوا ہی ہے نہ کہ جمی ہوئی برف، پھر انھوں نے اس پر خلاصہ کی آخری فرع اور اس کی تعلیل سے استشہاد کیا، اور وُہ یہ کہ جب وہ حوض سے ملے گا تو حوض کا پانی اس پر غالب ہوجائے گا، فرمایا یہ زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ مخفی نہ رہے، تو اس پر متنبہ ہونا چاہئے اھ

میں کہتا ہوں وہ کثیر نجس پانی میں ہے جو کثیر طاہر پانی سے ملاقی ہو اور یہ ملاقات تدریجاً ہوئی اور یہ کم طاہر پانی ہے جس کی ملاقات نجس پانی سے ہوئی ہے تو اس میں اور اُس میں کیا نسبت ہے اور اس میں ابلغیۃ کو کیا دخل ہے کیونکہ وہاں غالب نجس ہے اور یہاں ظاہر بعد اس کے کہ تدریج نے اُس غالب کو مغلوب کردیا ہے جیسا کہ خلاصہ میں اس کی وضاحت کی ہے اور اس مغلوب کو غالب کردیا جیسا کہ آپ نے جانا ہے واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱

[2] بزازیۃ علی الھندیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۷

لانجماده لا لقاء مع النجس الا لسطح منه فالباقی اذا ذاب تدریجا حصل اللقاء للقلیل فتنجس الکثرة للمتنجس فلم یطهر واذا ذاب دفعة حصل اللقاء للکثیر فلم یتنجس **وثالثا** المعهود ههنا ان الماء العالی یرفع ویبقی السافل لا ان العالی یقع فی السافل دفعة او تدریجا **ورابعا** اذا کان الماءان متلاصقین ولم یکن هذا او وقوع العالی فی السافل لم یتصور الزیادة علیه الا بوقوع العالی فی محل السافل ولا یکون الا بعد خروج السافل لاستحالة التداخل فلا یقع العالی فی السافل ابدا لا دفعة ولا تدریجا **وخامسا** لو فرض فلا یکون الا الخروج هذا او دخول ذا والکل حرکة فلا یمکن الا تدریجا کأن یکون فی السافل منفذ یفتح فیجعل السافل یخرج والعالی ینزل ولا تصور لان یخرج السافل دفعة فیسقط العالی مرة واحدة وبالجملة لم یصل فهمی القاصر لمراده والله تعالٰی اعلم بمراد خواص عباده لاجرم ان قال فیه فی الدر لو وقع فیه نجس لم یجز حتی یبلغ العشر[1] فقال ش فاذا بلغها جاز وان کان اعلاه اکثر مقدارا وفی البحر عن السراج الهندی انه الاشبه[2] اھ ورحم الله

نجس نہیں کرے گا کیونکہ اتصال کے وقت اس پر طہارت کا حکم لگ چکا ہے اھ یہ معقول بات ہے۔

ثانیاً نجس پانی کے پاک پانی میں پڑجانے کا کوئی اثر نہیں سوائے ملاقات کے، اور وہ ہمارے اس مسئلہ میں ابتداء سے حاصل ہے تو تفصیل کس چیز میں ہے، بخلاف منجمد پانی کے مسئلہ کے، کیونکہ یہ منجمد ہے اس لیے اس کی ملاقات نجس کے ساتھ نہ ہوگی صرف اس کی سطح ملے گی، اور باقی جب تدریجی طور پر پگھلے گا تو اس کے تھوڑے سے جزء سے ملاقات ثابت ہوگی، تو نجس ہوجائیگا، اور کثرہ متنجس کیلئے ہے تو پاک نہ ہوگا، اور جب یک دم پگھلے گا تو کثیر سے ملاقات ہوگی، تو ناپاک نہ ہوگا۔

ثالثاً معمول کے مطابق اوپر والا پانی اٹھا لیا جاتا ہے اور نیچے والا پانی باقی رہ جاتا ہے نہ یہ کہ اوپر والا نیچے والے میں گرتا ہے، کبھی یک دم اور کبھی تدریجی طور پر۔

رابعاً جب دونوں پانی ملے ہوئے ہوں اور اوپر والا نیچے والے میں نہ گرے تو اس پر زیادتی متصور نہ ہوگی صرف ایک صورت میں زیادتی ہوگی اور وہ یہ کہ اوپر والا نیچے والے کی جگہ میں گرے اور یہ تب ہی ہوگا جبکہ نیچے والا نکلے، کیونکہ تداخل محال ہے، تو اوپر والا نیچے والے میں کبھی نہیں گرے گا، نہ یک دم اور نہ تدریجی طور پر۔

---

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ١/٣٦

[2] رد المحتار ” مصطفی البابی مصر ١/١٤٣

العلامة الشلبی حیث نقل فی حاشیۃ الزیلعی کلام الخانیۃ الی ذکر القولین ورسم اھ ولم یعرج لذکر بحثھا اصلا واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

خامسا، گرنا فرض کیا جائے تو اس کے نکلنے اور اس کے داخل ہونے کی وجہ سے ہوگا، اور یہ سب حرکت ہے، تو یہ صرف تدریجی طور پر ہی ہوسکتا ہے، مثلاً یہ کہ نچلے میں کوئی سوراخ ہو جس کو کھولا جائے تو نیچے والا نکلنے لگے اور اُوپر والا اترنے لگے اور اس کا کوئی تصور نہیں کہ نیچے والا ایک دم نکلے اور اُوپر والا یکدم گر جائے اور خلاصہ یہ کہ میں اپنی ناقص رائے میں ان کی مراد سمجھنے سے قاصر رہا ہوں اور اللہ تعالٰی اپنے خواص کی مراد کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر انھوں نے فرمایا "در" میں ہے اگر اس میں نجس واقع ہو جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ دس کو پہنچ جائے، تو "ش" نے فرمایا جب وہ دس کو پہنچے تو جائز ہے اگرچہ اس کے اوپر والا مقدار میں زاید ہو، اور بحر میں سراج ہندی سے منقول ہے کہ یہی اقرب الی الحق ہے اھ اور اللہ تعالٰی علامہ شلبی پر رحم کرے کہ انھوں نے زیلعی کے حاشیہ میں خانیہ کا کلام نقل کیا قولین کے ذکر تک اور اھ کا نشان لگا دیا اور انکی بحث کا اصلا ذکر نہ کیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال دوم[5]

اسی صورت میں حوض کے بالائی حصے کے قریب ایک نالی ہے جب یہ اوپر کا پانی ناپاک ہوا نالی کھول کر نکال دیا گیا صرف نیچے کا پانی جہاں سے دہ دردہ ہے رہ گیا پھر پاک پانی سے بھر دیا گیا تو اب یہ سب حوض پاک ہوگیا یا نہیں، اگر نہیں تو کیا کیا جائے کہ پاک ہو بینوا توجروا۔

الجواب

اگر ناپاک پانی نکال دینے کے بعد اتنا انتظار کیا کہ حوض کی بالائی سطوح جو اُس پانی سے ناپاک تھیں خشک ہو کر پاک ہوگئیں اس کے بعد پاک پانی بھرا گیا اور اُوپر آجانے والی نجاست[1] باقی نہیں تو سارا حوض پاک ہے ورنہ بالائی حصہ پھر ناپاک ہوگیا، ردالمحتار میں ہے:

لوکانت النجاسۃ مرئیۃ باقیۃ فیہ او امتلأ قبل جفاف اعلی الحوض تنجس[1]۔

اگر حوض میں نجاست مرئیہ باقی رہے یا بھر جائے حوض کا اعلٰی حصہ خشک ہونے سے پہلے تو نجس ہو جائے گا۔ (ت)

---

[1] توضیح جواب سوم سے ہوگی خلاصہ یہ کہ تہ نشین نجاست اوپر آئے گی نہیں اور پانی ملے گا آب زیریں سے جو بوجہ کثرت ناپاک نہیں اور اُوپر آنے والی اگر غیر مرئیہ تھی یا مرئیہ نکال دی گئی کہ وہ بھی غیر مرئیہ رہ گئی تو ناپاک پانی کے ساتھ نکل گئی ہاں مرئیہ باقیہ ہے تو پھر ناپاک کر دے گی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

چارہ کار یہ ہے کہ نجاست مذکورہ نکال کر پاک پانی ڈالتے جائیں یہاں تک کہ کناروں سے چھلک کر کچھ دور بہ جائے اب وہ حوض کے کنارے بھی پاک ہوگئے اور یہ سب پانی بھی۔ درمختار میں ہے :

المختار طہارۃ المتنجس بمجرد جریانہ[1]

مختار مذہب پر نجس حوض صرف پانی کے جاری ہونے سے پاک ہوجاتا ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے :

یطہر الحوض بمجرد ما یدخل الماء من الانبوب و یفیض من الحوض ھو المختار لصیرورتہ جاریا[2]

مختار قول میں صرف نالی کے ذریعہ پانی داخل ہونے اور حوض سے بہہ جانے سے حوض پاک ہوجاتا ہے کیونکہ اب پانی جاری ہوچکا ہے۔ (ت)

فتاوی امام ظہیر الدین میں ہے :

الصحیح انہ یطہر وان لم یخرج مثل ما فیہ وان رفع انسان من ذلک الماء الذی خرج وتوضأ بہ جاز[3] اھ ذکرہ ش واقوالا اُخر وروایات مضطربۃ سیأتی الکلام علیہا ان شاء اللہ تعالٰی اعلم۔

صحیح قول پر حوض پاک ہوجائیگا اگرچہ اتنا پانی خارج نہ ہوا ہو جتنا اس میں ہے اگر کوئی آدمی وہ پانی اٹھائے جو خارج ہوچکا ہے اور اس سے وضو کرے تو جائز ہے۔ اس کو شامی نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ دیگر اقوال اور مضطرب روایات بھی ذکر کی ہیں جن پر کلام آئے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال سوم

اسی صورت میں اگر پانی صرف حصہ زیریں دہ در دہ میں تھا اور اس وقت نجاست پڑی کہ ناپاک نہ ہوا، پھر نجاست نکال کر یا بے نکالے بھر دیا تو اب اوپر کا حصہ پاک رہا یا ناپاک ہوگیا بینوا توجروا۔

الجواب

کتب حاضرہ سے اس صورت پر کلام اس[علہ] وقت ذہن میں نہیں وانا اقول وباللہ التوفیق

علہ نعم تعرض لہا السادۃ الثلثۃ ناظروا

ہاں تینوں سادات نے اس سے بحث کی ہے ط نے (باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[2] غنیۃ المستملی سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۰۳

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

نجاست چار قسم ہے، مرئیہ کہ نظر آئے اور غیر مرئیہ کہ پانی میں مل کر امتیاز نہ رہے جیسے پیشاب، اور ہر ایک دو قسم ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الدر فقال ط ان کان اعلاہ ضیقا واسفلہ عشرا فاذا بلغہا ووقعت فیہ نجاسۃ حینئذ جاز التطہیر بہ فاذا امتلأ حتی بلغ المکان الضیق قال الحلبی لم اجد حکمہ والظاہر التنجس لان النجاسۃ تحقق وقوعہا وانما جوزنا التطہیر بہ لسعتہ وقد ذہبت اھ

اقول وسیرد علیک ماحرر الفقیر ف۱ بتوفیق القدیر ویظہر بہ ان ھذا الحکم غیر ظاہر بل ولا مقبول فی راسبۃ مرئیۃ او غیرہا ولا فی طافیۃ مرئیۃ قد اخرجت او بقیت فی زاویۃ فی الاسفل ولا فی غیر مرئیۃ وفی الاسفل زوایا فانما یقبل فی ثنتین من سبع ان تکون مرئیۃ وقد طفت او غیر مرئیۃ ولا زاویۃ وذلک انہ انما یتحقق وصولہا الی الاعلی فی ہاتین فماذا یضرہ ضیقہ ولم یصل الیہ النجس ولم یتصل بماء متنجس۔ ھذا ونقلہ ش ھکذا بقی مالو وقعت فیہ النجاسۃ ثم نقص فی المسألۃ الاولی (ای اعلاہ کثیر) او امتلأ فی الثانیۃ (ای اسفلہ کثیر) قال ح لم اجد حکمہ اھ ثم تعقبہ بقولہ ھذا عجیب فانہ حیث حکمنا بطہارتہ ولم یعرض لہ ماینجسہ ھل یتوہم نجاستہ نعم لو کانت النجاسۃ مرئیۃ وکانت باقیۃ فیہ او امتلأ قبل جفاف اعلی الحوض تنجس اما اذا کانت غیر مرئیۃ او مرئیۃ واخرجت منہ او امتلأ بعد ما حکم بطہارۃ جوانب اعلاہ بالجفاف

فرمایا اگر اسکا بالائی حصہ تنگ اور نچلا دس ہاتھ ہو جب پانی سفل تک پہنچے اور اس میں نجاست گر پڑے تو اس سے طہارت جائز ہے اور جب وہ بھر جائے یہاں تک کہ تنگ جگہ کو پہنچ جائے تو حلبی کا بیان ہے کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا، بظاہر ناپاک ہو جائے گا، کیونکہ اس میں نجاست کا گرنا یقینی ہے اور ہم نے اس کی فراخی کے باعث اس سے پاکی کے جواز کا قول کیا ہے اور اس صورت میں فراخی ختم ہو گئی ہے اھ

میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں جو میں نے لکھا ہے وہ آپ دیکھ لیں گے، اس سے معلوم ہوگا کہ یہ حکم نہ ظاہر ہے اور نہ مقبول ہے، خواہ وہ حوض کی گہرائی میں نظر آتی ہو یا نہ آتی ہو اور نہ تیرنے والی مرئی میں جو نکال دی ہو یا کسی گوشہ میں نچلے حصہ میں باقی ہو اور نہ غیر مرئیہ کی صورت میں نچلے حصہ میں کئی زاویے ہوں سات میں سے دو صورتوں میں مقبول ہوگا اگر مرئیہ ہو، اور اوپر آ گئی ہے یا غیر مرئیہ ہو، اور زاویہ میں نہ ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اُوپر کی طرف آنا اس وقت متحقق ہوگا جب کہ اِن دو صورتوں میں ہو، تو اُس کی تنگی اُس کے لیے کیا مضر ہو گی حالانکہ نہ اُس تک نجاست پہنچی اور نہ وہ نجس پانی سے متصل ہوئی۔ اور "ش" نے اس کو اسی طرح نقل کیا، اب یہ صورت باقی رہ گئی کہ اگر اس میں نجاست گر گئی پھر پہلی صورت میں پانی گھٹ گیا

(باقی برصفحہ آئندہ)

طافیہ کہ اوپر تیرتی رہے اور راسبہ کہ تہ نشین ہو جائے اگر نجاست راسبہ تھی کہ پانی بھرنے سے اوپر نہ آئے گی جب تو سارا حوض پاک ہے مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ' نیچے کا حصہ یُوں کہ دہ در دہ ہے اثرِ نجاست قبول نہ کرے گا اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فلااذ لامقتضی للنجاسۃ هذا ما ظهر لی اھ

اقول رحم اللہ السید فاولاً (ف۱) انما الکلام فیما اذا وقع النجس فی الکثیر ثم انتقص بتسفل او امتلأ وحدیثا جفاف اعلی الحوض وعدمہ متعلقان بما اذا وقعت نجاسۃ فی الاعلی القلیل ثم بلغ الاسفل الکثیر ثم علی فبلغ القلیل فهما بمعزل عن المحل وثانیاً (ف۲) لایتنجس بمرئیۃ باقیۃ راسبۃ ولا بطافیۃ تعلقت بزاویۃ وثالثاً (ف۳) یتنجس بغیر المرئیۃ ایضا لو طافیۃ ولا زاویۃ هذا۔

ثم قول (ف۴) ح فی الاولی لم اجد حکمہ لایستقیم علی ما شرحنا بہ نظم الدر لکونہ اذن مصرحا بہ فیہ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

(یعنی اس کا اوپر والا کثیر ہو) یا دوسری صورت میں بھر گیا (یعنی اس کا نچلا حصہ کثیر ہو گیا) 'ح' نے فرمایا کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا، پھر بعد میں فرمایا "یہ عجیب ہے" کیونکہ جب ہم نے اس کی طہارت کا حکم لگایا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں آئی جو اس کو نجس کرے تو آیا اس کی نجاست متوہم ہے، ہاں اگر نجاست مرئی ہو اور اس میں باقی ہو یا حوض کے بالائی حصے کے خشک ہونے سے قبل بھر جائے تو ناپاک ہو جائیگا، اور اگر نجاست غیر مرئی ہو یا مرئی ہو اور اس سے نکال دی جائے یا اس کے بالائی حصے کے کناروں کے خشک ہونے کے بعد بھر گیا، تو نہیں کیونکہ نجاست کا کوئی مقتضی نہیں، یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔

میں کہتا ہوں اللہ سید پر رحم کرے، اول تو یہ کہ کلام اُس صورت میں ہے جبکہ نجاست کثیر پانی میں واقع ہو، اور پھر پانی کم ہو جائے یا بھر جائے، اور حوض کے بالائی حصے کے خشک ہونے اور نہ ہونے کی بات اس صورت سے متعلق ہیں جبکہ نجاست اعلیٰ قلیل میں گر کر نچلے کثیر میں پہنچے پھر حوض بھر کر قلیل کو پہنچے تو یہ دونوں صورتیں اس بحث سے الگ ہیں۔

اور دوسرا یہ کہ پانی کی تہ میں بیٹھی باقی نجاست مرئیہ سے نجس نہ ہوگا اور نہ ہی ایسی نجاست سے جو تیرتی ہوئی کسی گوشہ میں ٹھہر گئی ہو۔

تیسرا' غیر مرئیہ سے بھی نجس ہو جائیگا اگر تیرنے والی ہو اور کوئی گوشہ نہ ہو۔

پھر 'ح' کا پہلی صورت میں یہ فرمانا کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا' درست نہیں' جیسے کہ ہم نے در کی نظم کی اس کے ساتھ تشریح کی ہے، کیونکہ یہ تو اس میں بصراحت مذکور ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

نجاست اُس میں موجود ہے اور اوپر کا حصہ یُوں کہ نجاست اُس میں نہیں اور جس سے متصل ہے وُہ پاک ہے اور اگر نجاست طافیہ مرئیہ تھی اور اُسے پہلے نکال دیا جب بھی ظاہر ہے کہ ناپاکی کی کوئی وجہ نہیں اور اگر بے نکالے پانی بھردیا کہ پانی ڈالے سے اوپر آگئی تو بالائی حصہ ناپاک ہوگیا کہ نجاست اُس سے متصل ہُوئی اور وہ آب قلیل ہے رہی طافیہ غیر مرئیہ اُس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حوض کے حصۂ زیریں میں کوئی کنج ایسا نہ ہو جو اُس نجاست کو اوپر جانے سے روکے مثلاً یہ شکل ح ء دونوں حصوں میں خط ح ء فصل مشترک ہے ظاہر ہے کہ جو اُترانے والی چیز خط ح ء میں کہیں تھی وہ پانی بھرنے سے خط د ب پر آجائے گی دُوسرے یہ کہ ایسے کنج ہوں مثلاً یہ شکل اول میں خط ہ د دوم میں خط ح ہ پر جو ایسی چیز ہو وہ پانی بھرے سے خط د ب تک ضرور پہنچے گی لیکن دوم میں خط ہ ء یا یکم میں دو خط ح د خط س ۲ کے نیچے جو کچھ ہے وہ د ب تک نہیں جاسکتا پہلی صورت میں بالائی حصہ د ب ح ء ناپاک ہوجائے گا اور دوسری صورت میں سارا حوض پاک رہے گا و لہذا ہم نے طافیہ مرئیہ میں پانی ڈالے سے اوپر آجانے کی قید لگائی کہ اگر کسی کنج میں اُلجھ رہی تو اب بھی کوئی حصہ ناپاک نہ ہوگا۔

والوجه فيه ان غير المرئية لاتنعدم بل تكتتم وحيث هى طافية لابد لها من العلو ولذا منع العراقيون من مشايخنا التوضى من موقع غير المرئية فى الحوض الكبير لانه راكد فلا تنتقل وجوز ائمة بلخ وبخارى وما وراء النهر التوضى منه من اين يشاء وهو الصحيح وعللوه بانتقال المائع قال ملك العلماء فى البدائع وان كانت غير مرئية قال مشايخ العراق لايتوضؤ من ذلك الجانب لما ذكرنا فى المرئية (وهو قوله لانا تيقنا بالنجاسة فى ذلك الجانب) بخلاف الماء الجارى لانه ينقل النجاسة فلم يستيقن بالنجاسة فى موضع الوضوء ومشايخنا بما وراء النهر فصلوا بينهما (اى بين المرئية وغيرها) — فقط

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مرئیہ ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ چھپ جاتی ہے اور جب تیرتی ہوتی ہے تو اس کا اُوپر آنا لازمی ہے، اس لیے ہمارے عراقی مشایخ بڑے حوض میں گرجانے والی غیر مرئی نجاست کے مقام سے وضو کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ ٹھہری ہوتی ہے تو منتقل نہ ہوگی اور بلخ، بخاری اور ماوراء النہر کے مشایخ نے اجازت دی کہ جہاں سے جی چاہے وضو کرلے اور یہی صحیح ہے، اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ بہنے والی چیز منتقل ہوتی ہے، ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا کہ اگر نجاست غیر مرئیہ ہو تو مشایخ عراق کا قول ہے کہ اُس جانب سے وضو نہ کرے جیسا کہ ہم نے مرئیہ میں ذکر کیا ہے (اس سے مراد ان کا یہ قول ہے کہ ہم نے اُس جانب میں نجاست کا یقین کرلیا ہے) بخلاف جاری پانی کے کیونکہ وہ نجاست

غیر المرئیۃ یتوضؤ من ای جانب کان کما قالوا جمیعا فی الماء الجاری وھو الاصح لان غیر المرئیۃ لایستقر فی مکان واحد بل ینتقل لکونہ مائعا سیالا بطبعہ فلو نستیقن بالنجاسۃ فی الجانب الذی یتوضؤ منہ فلا نحکم بنجاسۃ بالشک اھ[1] وفی الحلیۃ قال مشایخ بلخ وبخارے یتوضؤ من ای جانب کان وفی محیط رضی الدین والتحفۃ والبدائع وغیرھا ھو الاصح لان غیر المرئیۃ ینتقل لکونہ مائعا سیالا۔[2]

کو منتقل کرتا ہے تو مقامِ وضو میں نجاست کا یقین نہیں اور ہمارے ماوراء النہر کے مشایخ نے دونوں میں تفصیل کی ہے (یعنی مرئیہ اور غیر مرئیہ میں) اور غیر مرئیہ میں جس جانب سے چاہے وضو کرے جیسا کہ جاری پانی میں سب کا اتفاق ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ غیر مرئیہ کسی ایک جگہ میں نہیں ٹھہرتی بلکہ منتقل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ طبعی طور بہنے والی ہے اس لیے وضو والی جانب میں نجاست کا یقین نہ ہوا، پس شک کی وجہ سے ہم نجاست کا حکم نہیں دیں گے اھ اور حلیہ میں ہے کہ بلخ اور بخارا کے مشایخ نے فرمایا ہے کہ جس جانب سے چاہے وضو کرلے اور رضی الدین کی محیط، تحفہ اور بدائع وغیرہ میں ہے کہ وہی اصح ہے کیونکہ غیر مرئیہ منتقل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ سیال مائع ہے (ت)

اقول احسن فی ترک بطبعہ وھو فی کلام البدائع متعلق بسیالا لابینتقل لان طبع المائع الانحدار الی صبب لا الانتقال فی سطح مستو بلاسبب نعم الریاح لاتزال تزعزع المیاہ ومن ضرورتہ انتقال المائع المختلط بہ ولیس لہ جھۃ معینۃ لاختلاف الریاح فیتطرق الاحتمال الی جمیع المحال اذا عرفت ھذا ففی الصورۃ الاولی حیث لاحاجز لھا عن العلو تطفو وتنجس الاعلی علی قول الجمیع بل لو لم تطف لنجست لاتصالھا بالماء الاعلی ولو من تحت اما فی الثانیۃ فعلی قول العراقیین ان کانت وقعت فی الماء السافل فی محاذاۃ

میں کہتا ہوں انہوں نے بطبعہ کو چھوڑ کر اچھا کیا اور یہ بدائع میں "سیالا لاینتقل" سے متعلق ہے کیونکہ بہنے والی چیز کی خاصیت نیچے کی طرف آنا ہے وہ مستوی سطح کی طرف بلاسبب نہیں جاتا ہے، ہاں ہوائیں مسلسل پانی میں لہر پیدا کرتی رہتی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہنے والی چیز جو اس میں شامل ہو جائے منتقل ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی ایک جہت متعین نہیں کیونکہ ہوائیں مختلف رخ سے چلتی ہیں، تو ہر جگہ میں احتمال پیدا ہو جائے گا، جب تم نے یہ جان لیا تو پہلی صورت میں جہاں اوپر جانے سے کوئی مانع نہ ہو نجاست تیر کر اوپر آجائے گی اور تمام علماء کے مطابق اوپر والا حصہ ناپاک ہو جائے گا، بلکہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی المقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[2] حلیۃ

خط ذب تنجس الاعلی لعدم انتقالہا من ثم وان وقعت فی حجاب عنہ مثل خط ۲ و ۴ لو تنجس لانہا لاتصل الی الماء العالی وعلی قول سائر الائمۃ الاصح لاتنجس مطلقا وان کانت وقعت حذاء ذب لاحتمال انتقالہا الی احدی الزوایا ولایزول الیقین بالشك ھذا ما ظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر نجاست تیر کر نہ بھی جائے تو بھی ناپاک ہوگا کیونکہ وہ اوپر والے پانی کے ساتھ متصل ہوجائے گی خواہ نیچے سے ہو اور دوسری صورت میں تو بقول عراقی مشایخ کے اگر نجاست نچلے پانی میں ذب خط کے مقابل گری ہے تو اوپر والا نجس ہوجائیگا، کیونکہ وہ وہاں سے منتقل نہیں ہوئی ہے اور اگر وہ اسکے حجاب میں گری ہے جیسے ۲ اور ۴ کا خط تو پانی نجس نہیں ہوگا کیونکہ وہ اوپر والے پانی تک نہ پہنچے گی اور باقی ائمہ کے قول کے مطابق اصح یہ ہے کہ مطلقاً ناپاک نہ ہوگا اگرچہ نجاست ذب کے مقابل گری ہو کیونکہ احتمال ہے کہ وہ کسی ایک زاویے کی طرف منتقل ہوگئی ہو اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ہے ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال ۵۲ چہارم

حوض اوپر دہ در دہ اور نیچے کم ہے بھرے ہوئے میں نجاست پڑی تو سب پاک رہا یا نیچے کا حصہ ناپاک ہوگیا جہاں سے مساحت سو ہاتھ سے کم ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

کلام علامہ سید طحطاوی سے ظاہر یہ ہے کہ حصہ زیریں ناپاک ہوجائیگا۔

حیث قال واذا وقعت فیہ نجاسۃ فی تلك الحالۃ فالاعلی طاھر الی ان یبلغ الاقل فینجس[1] اھ وحملہ علی انہ یتنجس بنجاسۃ اخری خلاف ظاھر سوق الکلام۔

جہاں فرمایا کہ "اور جب اس میں نجاست گر جائے اس حالت میں تو بالائی حصہ پاک ہے یہاں تک کہ اقل کو پہنچے تو وہ ناپاک ہوگا اھ اور اس کو اس پر محمول کرنا کہ وہ دوسری نجاست کے ساتھ نجس ہوجائیگا سیاق کلام کے ظاہر کے خلاف ہے۔ (ت)

اقول وکذا ھو ظاھر الدراف قدہ وقوع النجس بقرینۃ قرینہ فان نظم لواعلاہ

میں کہتا ہوں اور اسی طرح وہ دُرر کا ظاہر ہے اگر نجس گرنا مقدر کیا جائے اور اس پر قرینہ اس کا متصل

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۸

عشرا و اسفلہ اقل جاز حتی یبلغ الاقل ولو بعکسہ فوقع فیہ نجس لم یجز حتی یبلغ العشر[1] اھ فان ضمیر جاز الی رفع الحدث بہ ومعلوم ضرورۃ من الدین ان رفع الحدث جائز بکل ماء مطلق مطلقا ولو قلیلا مالم یسلب طہارتہ او طہوریتہ فکان المعنی کقرینہ لو اعلاہ عشرا و اسفلہ اقل فوقع فیہ نجس جاز التطہر بہ حتی یبلغ الاقل فاذا بلغہ لم یجز فقد غیا جواز التطہر بہ ببلوغہ الاقل فبنفس البلوغ لایجوز التطہر وحکم النجس الذی لم یحملہ الاعلی لکثرتہ وحملہ علی التقیید بوقوع النجاسۃ بعد بلوغ الاقل کما فعل ش حیث قال ای اذا بلغ الاقل فوقعت فیہ نجاسۃ تنجس کما فی المنیۃ[2] اھ

کلام ہے، کیونکہ ان کی عبارت اس طرح ہے، اور اگر اس کا بالائی حصہ دس ہاتھ ہے اور نچلا حصہ کم ہے تو وضو جائز ہے یہاں تک کہ وہ اقل کو پہنچے اور اگر اس کا عکس ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ دس ہاتھ کو پہنچے اھ کیونکہ جاز کی ضمیر "رفع الحدث بہ" کی طرف لوٹتی ہے اور یہ چیز دین کے ضروریات سے ہے کہ رفع حدث ہر مطلق پانی سے جائز ہے خواہ کم ہی ہو تا وقتیکہ اس کی طہارت یا طہوریت سلب نہ ہوتی ہو تو معنی اس کے قرین کی طرح یہ ہوئے کہ اگر اس کا بالائی حصہ دس ہاتھ ہو اور اس کا نچلا حصہ کم ہو اور اس میں نجس واقع ہو جائے تو اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اقل کو پہنچ جائے، اور جب اقل کو پہنچے تو جائز نہیں اس کے ساتھ طہارت کے جواز کی غایت اقل کو پہنچنا بیان فرمائی تو نفس بلوغ سے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس نجس کا حکم ظاہر ہے جس سے بالائی بالائی حصہ متاثر نہ ہوا کیونکہ وہ کثیر ہے اور اس کو اقل کو پہنچنے کے بعد نجاست کے واقع ہونے سے مقید کرنا جیسا کہ "ش" نے کیا انہوں نے فرمایا "یعنی جب اقل کو پہنچے اور اس میں نجاست گر جائے تو ناپاک ہو جائیگا جیسا کہ منیہ میں ہے اھ (ت)

فاقول خروج عن الظاھر واخراج للکلام الی قریب من العبث والاستناد الی

میں کہتا ہوں یہ ظاہر سے خروج ہے، اور کلام کو تقریبًا لغو قرار دینا ہے اور اس کو منیہ کی طرف

عہ فی الحلیۃ عند قول المنیۃ اذا سد الماء من فوقہ وبقی جریہ یجوز التوضی بہ ما نصہ کان علی المصنف ان یذکر

منیہ کے اس قول "جب اوپر سے پانی بند ہو جائے اور پانی جاری ہو تو وضو جائز ہے" پر حلیہ نے کہا کہ مصنف کو 'بہ' کی جگہ 'فیہ' کہنا چاہئے تھا (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

---

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[2] رد المحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۲

المنیۃ فی غیر محلہ فان عبارتہا لوان ماء الحوض کان عشرا فی عشر فتسفل فصار سبعا فی سبع فوقعت النجاسۃ فیہ تنجس فان امتلاء صار نجسا ایضا اھ فہو لم یذکر للاعلٰی حکما انما قصد بیان حکم المتسفل فاحتاج فی التصویر الی وقوع النجس فیہ لیکون توطئۃ لابانۃ حکم خفی وھو انہ بعد امتلائہ ایضا یبقی نجسا کما کان بخلاف نظم الدرر فانہ افرز الاعلٰی بحکم الجواز ولا معنی لہ الا بفرض وقوع الماء نعم والا فذکرہ عبث ثم حد لجوازہ حدا ینتہی دونہ وھو بلوغ الاقل فافادہ ما قلنا واین ھذا من عبارۃ المنیۃ وکلام الدرر من اولہ الی ھنا فی مافی الحد بہ لا فیہ ولو کان لصح حملا لہ علٰی معنی التوضی بغمس الاعضاء فیہ بناء علٰی ما ھو الحق من فرق الملاقی والملقی وان کان میل صاحب الدرر الٰی خلافہ فاذن کان

منسوب کرنا بے محل ہے کیونکہ منیہ کی عبارت یہ ہے کہ اگر حوض کا پانی دہ در دہ ہو اور پھر نیچے چلا جائے اور سات در سات ہو جائے پھر اس میں نجاست گر جائے تو ناپاک ہو جائے گا اور اگر بھر جائے تو بھی نجس ہو جائیگا تو انہوں نے بالائی کا کوئی حکم بیان نہیں، ان کا مقصود تو محض یہ تھا کہ وہ نچلے کا حکم بیان کریں تو اس کی وضاحت میں ان کو یہ کہنا پڑا کہ اس میں نجاست گر جائے، تاکہ یہ ایک مخفی حکم کے اظہار کی بنیاد بن جائے اور وہ یہ کہ یہ بھر جانے کے باوجود نجس ہی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا، اور درر کی نظم اس کے خلاف ہے کیونکہ انھوں نے بالائی پہ جواز کا حکم لگایا اور اس کا کوئی مفہوم نہیں، ہاں مانع کے وقوع کو فرض کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے، ورنہ تو اس کا ذکر عبث ہے، پھر انھوں نے اس کے جواز کی ایک حد مقرر کی جس سے پہلے وہ منتہی ہوتا ہے اور وہ اقل تک پہنچنا ہے تو جو ہم نے کہا اسی کا انھوں نے افادہ کیا، اور اس کو منیہ کی عبارت،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فیہ (ای مکان بہ) لان من الواضح جدا جواز الوضوء بہ جاریا کان او غیر جار خارجہ فلا یقع التقیید ببقاء جریان الماء موقعا ثم ھو اعلٰی کعبا من ذکر مثلہ اھ ۱۲ منہ غفر لہ۔ (م)

کیونکہ اس سے وضو کا جواز بہت واضح ہے خواہ پانی جاری ہو یا نہ ہو لہذا پانی کے جاری رہنے کی قید لگانا بے موقع ہوگا حالانکہ ان حضرات کا مقام ایسے کلام سے بلند و بالا ہے اھ (ت)

لہ منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

یؤل الی کلام البزازیۃ لو عشرا فی عشر ثم قل توضأ بہ لا فیہ لاعتبار اوان الوقوع[1] اھ لکن لامساغ لہ فی کلامہ ولذا احتاج ش الی اضافۃ قید لیس فیہ فترجح ما قلنا۔

سے کیا تعلق ہے؟ اور دُر کا کلام ابتداء سے یہاں تک اس کے ساتھ حدث کے رفع کرنے کی بابت ہے نہ کہ اُس میں، اور اگر ایسا ہوتا تو صحیح ہوتا اور اس کو اس پر محمول کیا جاتا کہ اس میں اعضاء کو ڈبو کر وضو کرنا جیسا کہ حق ہے کہ ملقی اور ملاقی میں فرق ہے اگرچہ صاحبِ در کا میلان اس کے خلاف ہے، ایسی صورت میں بزازیہ کے کلام کی طرف لوٹا جائیگا اگر دہ در دہ ہو پھر کم ہو گیا ہو تو اسکے ساتھ وضو کرے نہ کہ اس میں، کیونکہ وقوع کے زمانے کا اعتبار ہے اھ مگر اس کی ان کے کلام میں گنجائش نہیں، اور اس لیے "ش" نے لیس فیہ کا اضافہ کیا، تو جو ہم نے کہا وہ راجح ہے۔ (ت)

اور کلام علامہ سید شامی سے مفہوم کہ سب پاک رہے گا۔

حیث قال فی المسألۃ الاخری وھی ما اذا کان اعلاہ قلیلا واسفلہ کثیرا فوقع فیہ نجس لم یجز حتی یبلغ العشر فاذا بلغھا جاز ما نصہ وکانھم لم یعتبروا حالۃ الوقوع ھھنا لان ما فی الاسفل فی حکم حوض اٰخر بسبب کثرتہ مساحۃ وانہ لو وقعت فیہ النجاسۃ ابتداء لم تضرہ بخلاف المسألۃ الاولی تدبر[2] اھ فالفرق بین المسألتین ان نجاسۃ الاعلی القلیل لا تشمل الجزئین وطھارۃ الاعلی الکثیر تشملھما۔

جبکہ فرمایا دوسرے مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ جبکہ اس کا بالائی حصہ کم ہو اور نچلا زائد ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ دہ در دہ کو پہنچے تو جب اس مقدار کو پہنچے تو جائز ہے، اور ان کی عبارت یہ ہے اور گویا ان حضرات نے یہاں وقوع کی حالت کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ جو نچلے حصہ میں ہے وہ الگ حوض کے حکم میں ہے کیونکہ وہ پیمائش کے اعتبار سے کثیر ہے، اور یہ کہ اگر اس میں ابتداءً نجاست گرتی تو مضر نہ ہوتی بخلاف پہلے مسئلہ کے تدبر اھ تو دونوں مسئلوں میں فرق ہے کہ اوپر والے کی نجاست جو قلیل ہے دونوں جزؤں پر مشتمل نہیں اور اعلٰی کثیر کی طہارت دونوں کو شامل ہے۔ (ت)

اقول اوّلا اعتبار حالۃ الوقوع

میں کہتا ہوں اولاً حالتِ وقوع کا اعتبار

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی حاشیۃ الہندیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۵

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

مذكور في البدائع والتبيين والخانية والخلاصة والبزازية والحلية والغنية والبحر وغيرها من دون ثنيا ولا حاجة الى استثناء هذه فان الاسفل لم يزل كثيرا فقد اعتبرت حالة الوقوع الا ان يقال ان الماء كان واحدا ظاهرا ووجهه حين الوقوع قليلا وبه العبرة فكان ينبغي التنجس باعتباره لكن لم ينجسوه نظرا الى ان وجهه يصير كثيرا حين بلوغ الماء الى الاسفل **وثانيا** لقائل ان يقول لم لا يقال في تلك اعني مسألتنا هذه ان ما في الاسفل في حكم حوض اخر لسبب قلة مساحته وانه لو وقعت فيه النجاسة ابتداء لضرته **وقد** يمكن الجواب بان الكثير يستتبع القليل فيعد الاسفل القليل عمقا للاعلى الكثير ومعلوم ان الوجه ان كان كثيرا لم يتنجس شيئ من الماء لا وجهه ولا عمقه ولا يشترط مع ذلك كثرة العمق الا ترى لو كان الحوض على هذا الشكل نصف دائرة وكان د ب منه كثيرا لا يتنجس شيئ منه وان كان ما دونه قليلا حتى لا يبقى على ح الا نقطة بخلاف العكس فان القليل لا يستتبع الكثير فيعد حوضا برأسه.

بدائع، تبیین، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، حلیہ، غنیہ اور بحر وغیرہ میں بلا استثناء مذکور ہے اور اس میں استثناء کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نچلا تو کثیر تھا تو حالتِ وقوع کا اعتبار کیا گیا، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ پانی بظاہر ایک تھا، اور اس کی سطح وقوع کے وقت کم تھی اور اسی کا اعتبار ہے تو مناسب یہی تھا کہ اسی کے اعتبار سے ناپاک ہو، لیکن علماء نے اس کو نجس قرار نہیں دیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی سطح کثیر ہوجائے گی جبکہ پانی نچلے حصّہ کو پہنچے گا۔

اور ثانیاً کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نچلا حصہ ایک مستقل حوض کے حکم میں ہے کیونکہ اس کی پیمائش کم ہے اور یہ کہ اگر اس میں ابتداءً کوئی نجاست گرجاتی تو ناپاک ہوجاتا اور اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کثیر قلیل کو اپنا تابع بنالیتا ہے تو یہ سمجھا جائیگا کہ نچلا کم حصہ گویا اوپر کے کثیر حصہ کے لیے عمق ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اگر پانی کی سطح زائد ہوتی تو پانی قطعاً ناپاک نہ ہوتا نہ اُس کی سطح اور نہ اُس کی گہرائی، اور اس کے باوجود گہرائی کی کثرت شرط نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اگر حوض کی شکل یہ ہو یعنی آدھے دائرہ کی شکل اور د ب اس میں کثیر ہے اس میں کچھ ناپاک نہ ہوگا اگرچہ اس سے کم قلیل ہے اور ح پر صرف ایک نقطہ رہے گا، بخلاف عکس کے کیونکہ قلیل کثیر کو تابع نہیں بنا سکتا ہے تو یہ مستقل حوض شمار ہوگا۔ (ت)
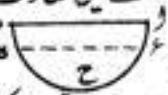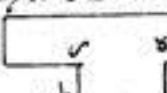
[1] یہ غایت توجیہ ہے۔

---

[1] وسياق الجواب عنه ١٢ منه غفر له (م)

عنقریب ان کی طرف سے اس کا جواب ذکر کیا جائے گا۔ (ت)

واقول وباللہ التوفیق نجاست اگر طافیہ ہے کہ حصہ زیریں تک پہنچی ہی نہیں جب تو ظاہر ہے کہ اس کی نجاست کی کوئی وجہ نہیں کہ اُس کا اتصال آبِ بالا سے ہے اور وُہ بوجہ کثرت نجس نہ ہوا اور اگر راسبہ ہے کہ اسفل تک پہنچی خواہ مطلقاً جیسے پتھر یا ابتداءً جیسے غرق شدہ جانور کہ تہ نشین ہو کر مرتا پھر اُترا آتا ہے یا انتہاءً جیسے وہ کپڑا کہ تیرتا رہے گا پھر پانی سے بوجھل ہو کر بیٹھ جائیگا تو اب دو صورتیں ہیں اُن کا بیان یہ کہ پانی کے لیے بلحاظ محل مثل حوض وغیرہ ایک تو صفت ہے یعنی کثرت وقلّت کہ مساحت محل کے سو ہاتھ یا کم ہونے سے حاصل ہوتی ہے دوسری صورت کہ جس فضا میں متمکن ہے اُس کی شکل سے پیدا ہوتی ہے یہ شکل کبھی واحد ہوتی ہے اگرچہ اس میں حصے فرض کرسکتے ہیں اگرچہ اُن حصص مفروضہ کا مساحت میں تفاوت اُن کے لیے منشاء انتزاع ہو جیسے اسی شکل نصف دائرہ میں کہ مثلاً خط ء ہ تک کثیر اور نیچے قلیل ہو تو دو حصے ممتاز ہوجائیں گے د ب ء ہ کثیر اور ء ہ ح قلیل مگر حقیقۃً د ب ح فضائے واحد ہے اور کبھی شکل خود ہی واقع میں متعدد ہوتی ہے جیسے حوض کے اندر حوض مثلاً اس شکل پر کہ حصہ بالا د ہ اور زیریں ء ط خود ہی ممتاز ہیں اس لحاظ سے حصص زیر و بالا کی چار قسمیں ہوگئیں ایک یہ کہ دونوں حصے صورۃً وصفۃً ہر طرح متحد ہوں جیسے دو گز گہرے مربع میں ایک گز اوپر ایک گز نیچے، دوم صورۃً متحد ہوں اور صفۃً مختلف جیسے وہی نصف دائرہ کی شکل کہ فضا واحد ہے اور د ہ کثیر اور ء ہ ح قلیل، سوم صفۃً متحد ہوں اور صورۃً مختلف جیسے اسی شکل د ط میں جبکہ ء ط بھی سو ہاتھ سے کم نہ ہو یا د ب بھی دہ در دہ سے کم۔ چہارم صورۃً وصفۃً ہر طرح جدا ہوں جیسے یہی شکل جبکہ د ب سو ہاتھ اور ء ط کم ہو۔

قسم اول کا حکم تو ظاہر ہے کہ وہ زیر و بالا شئے واحد ہے اگر نجس ہوگا سب نجس ہوگا پاک رہے گا سب پاک رہے گا۔

یونہی قسم دوم کہ بلاشبہ وہ محل واحد ہے اگرچہ حصص انتزاعیہ کی مساحت مختلف ہے۔

یونہی سوم کہ اگرچہ دو شئے ہے مگر دونوں متحد الصفۃ ہیں اگر کثیر ہیں تو زیریں بھی ناپاک نہ ہوگا اگرچہ نجاست راسبہ ہو اور قلیل ہیں تو یہ بھی نجس ہوجائیگا اگرچہ نجاست طافیہ ہو کہ نجس سے اتصال نہ ہوا تو متنجس سے ہوا کہ حصہ بالا ناپاک ہوگیا۔

شکل چہارم وہی محل نظر ہے جبکہ نجاست راسبہ اس تک پہنچی اور نظرِ حاضر میں ظاہر یہی ہے کہ ناپاک ہوجائے کلام ائمہ سے معہود یہی ہے کہ جب صورت وصفت دونوں مختلف ہوں تو ان کو دو محل جداگانہ ٹھہراتے ہیں اور فقط اتصال قلیل بکثیر کو کافی نہیں جانتے۔

نہر کے کنارے پانی لینے کے لیے تختہ بندی کرتے ہیں کہ اُن پر بیٹھ کر پانی لیں وضو کریں اس سے

خانے خانے ہوجاتے ہیں ہر خانہ مشرعہ کہلاتا ہے۔ اس صورت پر پانی اگر تختوں سے نیچا ہے جب تو محل کلام نہیں کہ تختوں سے پانی کا انقسام نہ ہوا لیکن اگر پانی تختوں سے ملا ہوا ہے تو ہر خانہ اب جداگانہ سمجھا جائیگا اور اگر اُن کا طول وعرض دس دس ہاتھ نہیں تو جن کے نزدیک دونوں امتداد ہونا شرط ہے اس میں نجاست پڑے تو جتنا پانی تختوں سے گھرا ہوا ہے ناپاک ہوجائیگا اور نہر کے پاک پانی سے اس کا متصل ہونا نفع نہ دے گا۔

یوں ہی اگر نہر یا بڑے تالاب کا پانی برف سے جم گیا اور ایک جگہ سے برف توڑ کر پانی کھول لیا اگر بہتا پانی اُس جمے ہوئے سے متصل نہیں تو ظاہر کہ پانی شئی واحد رہا اور اگر متصل ہے اور یہ حصہ کہ کھولا گیا دس دس ہاتھ طول وعرض میں نہیں تو یہ ان کے نزدیک نجاست سے ناپاک ہوجائیگا اور اُس میں اعضا ڈال کر وضو کرنے سے مستعمل ہوجائیگا اور بہتے پانی سے اُس کا اتصال فائدہ نہ دے گا ہاں باقی پانی بحال خود رہے گا مثلاً ایک مشرعہ میں نجاست پڑی یا کسی نے اعضاء بے وضو ڈال کر دھوئے تو صرف وہی مشرعہ ناپاک یا مستعمل ہوا برابر کے دوسرے مشرعہ سے پینا وضو کرنا ہوسکتا ہے کہ وہ تو ہر ایک اُن کے نزدیک حوض جُدا ہے یونہی برف سے ایک جگہ کھلا ہوا پانی نجس یا مستعمل ہوجائے تو اُس کے برابر دوسری جگہ سے کھول کر استعمال کرسکتا ہے یونہی اگر حوض کبیر سے کاٹ کر ایک حوض صغیر بنایا کہ اُس میں سے پانی اس میں آیا یہ نجاست یا اعضا بے وضو ڈالنے سے اُن کے نزدیک نجس ومستعمل ہوجائیگا اور بڑے حوض سے پانی ملا ہونا کام نہ دے گی یہ گویا بعینہٖ وہی صورت چہارم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صورت مجوزہ میں وہ حوض صغیر حوض کبیر کے نیچے ہے اور اس صورت میں اس کے برابر، پانی بہرحال ملا ہوا ہے، تو جس طرح صفت وصورت دونوں مختلف ہونے کے باعث اُن کے نزدیک برابر کا حوض صغیر حوض کبیر کا جز نہ ٹھہرا بلکہ مستقل قرار پایا۔ یونہی نیچے کا۔ ان مسائل پر نصوص کتب مذہب میں دائر وسائر ہیں اگرچہ فقیر کے نزدیک ان کی بنا اشتراط امتدادین طول وعرض پر ہے اور صحیح ومعتمد اعتبار محض مساحت ہے یہ خلافیہ جداگانہ ہے یہاں غرض اس قدر کہ بحال خلاف صورت صفت معاً قلیل کو تابع کثیر نہ مانا فتاوی امام اجل قاضیخان میں ہے:

حوض کبیر فیہ مشرعۃ توضأ انسان فی المشرعۃ او اغتسل ان کان الماء متصلا بالالواح بمنزلۃ التابوت لایجوز فیہ الوضوء واتصال ماء المشرعۃ بالماء الخارج منھا لاینفع کحوض کبیر تشعب منہ حوض

ایک بڑا حوض ہے جس میں سے ایک نالی نکلتی ہے اس میں کسی شخص نے وضو یا غسل کیا تو پانی اگر تختوں سے متصل ہے بمنزلہ تابوت کے تو اس میں وضو جائز نہیں اور نالی کے پانی کا خارجی پانی سے متصل ہونا نافع نہ ہوگا جیسے بڑا حوض جس سے

صغیر فتوضأ انسان فی الحوض الصغیر لایجوز وان کان ماء الحوض الصغیر متصلا بماء الحوض الکبیر کذا لایعتبر اتصال ماء المشرعۃ بما تحتہا من الماء اذا کانت الالواح مشدودۃ۔[1]

چھوٹا حوض نکالا گیا ہو پھر چھوٹے حوض سے کسی انسان نے وضو کیا تو یہ جائز نہیں اگرچہ چھوٹے حوض کا پانی بڑے حوض سے متصل ہو، اسی طرح نالی کے پانی کا نچلے پانی سے متصل ہونا معتبر نہیں جبکہ تختے بندھے ہوئے ہوں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو جمد حوض کبیر فنقب فیہ انسان نقبا فتوضأ فیہ ان کان الماء متصلا بباطن النقب لایجوز والا جاز وکذا الحوض الکبیر اذا کان لہ مشارع فتوضأ فی مشرعۃ او اغتسل والماء متصل بالواح المشرعۃ ولا یضطرب لایجوز وان کان اسفل منہا جاز لانہ فی الاول کالحوض الصغیر فیغترف ویتوضأ منہ لافیہ وفی الثانی حوض کبیر مسقف۔[2]

اگر بڑا حوض منجمد ہوجائے اور اس میں کوئی شخص سوراخ کرے اور اس میں وضو کرے تو اگر پانی سوراخ کے اندرونی حصے سے متصل ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے اور اسی طرح بڑے حوض میں جب نالیاں ہوں اور وہ کسی ایک نالی سے وضو کرے یا غسل کرے حالانکہ پانی تختوں سے متصل ہو اور اس میں حرکت و ارتعاش پیدا نہ ہو تو جائز نہیں اور اگر تختوں سے نیچے ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ پہلی صورت میں چھوٹے حوض کی طرح ہے تو چلّو بھر کر اس سے وضو کرے نہ کہ اس میں، اور دوسری صورت میں بڑا حوض چھت والا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جمد ماؤہ فنقب ان الماء منفصلا عن الجمد جاز لانہ کالمسقف وان متصلا لا لانہ کالقصعۃ حتی لوولغ فیہ کلب تنجس۔[3]

اگر اس کا پانی جم جائے اور کوئی اس میں سوراخ کیا تو اگر پانی برف سے جدا ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ چھت والے حوض کی طرح ہے اور اگر پانی متصل ہو تو جائز نہیں کیونکہ وہ بڑے پیالہ کی طرح ہوگا کہ اگر اس میں کتّا منہ ڈال دے تو ناپاک ہوجائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴
[2] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱
[3] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

ای موضع الثقب دون المتسفل فلو ثقب فی موضع اخر واخذ الماء منه و توضأ جاز کما فی التاترخانیة۔[1]

یعنی سوراخ کی جگہ نہ کہ نچلا حصّہ تو اگر کسی اور جگہ سوراخ کیا اور اُس سے پانی لیا اور وضو کیا تو جائز ہے جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔(ت)

غنیہ کی عبارت مذکورہ مسئلہ اولٰی نے اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا جو فقیر کے بیان میں آیا،

حیث قال اذا کان الماء تحت الجمد منفصلا عنہ یجوز لانہ عشر فی عشر ولم تنفصل بقعۃ منہ عن سائرہ کما فی الصورۃ الاولی۔[2]

وہ فرماتے ہیں کہ جب پانی برف کے نیچے ہو اور اس سے جدا ہو تو جائز ہے اس لیے کہ وہ دہ در دہ ہے اور اس کا کوئی بقعہ دوسرے سے الگ نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔(ت)

ہاں تالابوں نہروں میں چھوٹے چھوٹے کنج گوشے جابجا ہوتے ہیں اُن میں ہر ایک کو مستقل ماننے میں حرج اور خلاف متفاہم عرف ہے لہذا اُس کی تقدیر ڈھائی ہاتھ چوڑے سے کی ہے کہ دس ہاتھ کی چہارم ہے اور ربع کے لیے حکم کل دیا جاتا ہے جیسے نجاست خفیفہ میں کہ بدن یا کپڑے پر لگے، خلاصہ میں فرمایا،

النھر الذی ھو متصل بالحوض فکان اذا امتلأ الحوض یدخل الماء النھر فتوضأ انسان فیہ ان کان النھر قدر ذراعین و نصف لایجوز ولا یجعل تبعا للحوض وان کان اقل یجوز ویجعل تبعا للحوض وقیل لایجوز ولا یجعل تبعا للحوض وان کان قدر ذراع۔[3]

وہ نہر جو حوض سے متصل ہو، اور جب حوض بھر جائے تو پانی نہر میں چلا جاتا ہو اب اگر اس نہر سے کوئی انسان وضو کرے تو اگر نہر ڈھائی ہاتھ ہے تو وضو جائز نہیں اور اس کو حوض کے تابع نہیں کیا جائیگا، اور اگر کم ہے تو جائز ہے، اور اسکو حوض کے تابع سمجھا جائیگا ایک اور قول ہے کہ جائز نہیں اور اس کو حوض کے تابع نہیں سمجھا جائیگا۔ اگرچہ ایک ہاتھ کی مقدار ہو۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

النھر المتصل بالحوض الکبیر الممتلئ ان کان[عه]

وہ نہر جو بڑے بھرے حوض سے متصل ہو اگر ڈھائی ہاتھ

[عه] وقع فی نسخۃ الطبع ان کان الحوض وھو خطأ ۱۲منہ غفرلہ۔(م)

مطبوع نسخہ میں ان کان الحوض کا لفظ واقع ہے یہ درست نہیں ہے اھ(ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فی الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص۱۰۰

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۵

قدر ذراعين ونصف لايكون تبعا له لان الربع يحكى حكاية الكل فلا يتوضؤ منه وان اقل منه فتبعه وقيل ليس بتبع وان قدر ذراع[1]

ہو تو حوض کے تابع نہیں کیونکہ چوتھا کل کے قائم مقام ہوتا ہے تو اس سے وضو درست نہ ہوگا اور اگر اس سے کم ہو تو تابع ہے اور ایک قول ہے کہ تابع نہیں خواہ ایک ہاتھ ہو۔ (ت)

اقول یوں ہی تالابوں نہروں کی تہ میں گڑھے بھی ہوتے ہیں ہر گڑھے کو مستقل قرار دینے میں حرج و مخالفت عرف ہے لہذا ارشاد مذکور کی بنا پر اُس کی تقدیر بھی پچیس ہاتھ مساحت سے چاہیے لان الربع یحکی حکایۃ الکل (کیونکہ چوتھا کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ت) یہاں سے اُس تعلیل کا جواب بھی کُھل گیا کہ الکثیر یستتبع القلیل (کثیر قلیل کو تابع بناتا ہے۔ ت) اس تقدیر پر حکم یہ ہونا چاہیے کہ صورت مسئولہ میں اگر نجاست طافیہ ہے کہ حصۂ زیریں تک نہ پہنچی یا حصۂ زیریں حصۂ بالا کے ساتھ دو مختلف محل نہیں جیسے نصف دائرہ میں یا مختلف تو ہے مگر پچیس ہاتھ مساحت سے کم ہے تو ان سب صورتوں میں نجاست پڑنے سے کوئی حصہ نجس نہ ہوگا اور یہی محمل کلام علامہ شامی کا ہے اور اگر نجاست راسبہ ہے کہ حصۂ زیریں تک پہنچی اور اسفل اعلٰی سے مختلف الشکل ہے اور سو ہاتھ مساحت سے کم مگر پچیس ہاتھ سے کم نہیں تو اوپر کا حصہ بوجہ کثرت پاک رہے گا اور یہ حصۂ زیریں بوجہ حوض مستقل قلیل ہونے کے ناپاک ہوجائیگا اور یہی محمل کلام علامہ طحطاوی کا ہے یہ ہے وہ جو فقیر کے لیے ظاہر ہوا اور محل محتاج تحریر و تنقیح اور جزم بالحکم دست نگر تصریح ہے،

والعلم بالحق عند ربی ان ربی بکل شیئ علیم

اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، بیشک میرا رب ہر چیز کو جاننے والا ہے،

اما ما فی الحلیۃ تحت قول المنیۃ المار فی صدر ھذا الجواب الرابع حیث قال وھذا محکی فی البدائع عن ابی القاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی غیر ان فرض المسألۃ فیھا فی الحوض الکبیر وقعت فیہ النجاسۃ ثم قل ماؤہ حتی صار یخلص بعضہ الی بعض وقعت فیہ نجاسۃ ثم عاد ذلہ الماء حتی امتلأ ولم یخرج منہ شیئ اھ[2]۔

اور حلیہ میں منیہ کے قول کے تحت، جو اس چوتھے جواب کے شروع میں گزرا ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ قول بدائع میں ابو القاسم صفار سے منقول ہے مگر اس میں جو مسئلہ فرض کیا گیا ہے وہ بڑے حوض میں ہے جس میں نجاست گر گئی ہو پھر اس کا پانی اتنا کم ہوگیا کہ اس کا پانی ایک دوسرے سے متصل ہوگیا پھر اس میں نجاست گر گئی اور پھر اس کا پانی زاید ہوگیا یہاں تک

---

[1] بزازیہ علی الہندیۃ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷

[2] حلیہ

کہ حوض بھر گیا اور اس سے کچھ باہر نہ نکلا اھ۔ (ت)

فاقول اولا لیس ھذا مسوقا فی البدائع سیاقا واحدا فی تصویر واحد حتی یقال ان الماء الواقع فیہ النجاسۃ حین امتلائہ وکثرۃ مساحتہ بعد ما فرغ اعلاہ و بلغ السافل القلیل احتیج فی تنجیسہ الی وقوع النجاسۃ مرۃ اخری فافاد ان السافل القلیل لاینجس تبعا للعالی الکثیر وھو باطلاقہ لیشمل ما اذا کان السافل مختلف الصورۃ بل کل منھما فرع علیحدۃ ذکرھما فی البدائع علی التعاقب عن امامین فالاولی لاتؤخذ فی الاخری وھذا نصہ لوتنجس الحوض الصغیر بوقوع النجاسۃ ثم بسط ماؤہ حتی صار لایخلص بعضہ الی بعض فھو نجس لان المبسوط ھو الماء النجس ولوقیل فی الحوض الکبیر وقعت فیہ النجاسۃ ثم قل ماؤہ حتی صار یخلص بعضہ الی بعض انہ طاھر لان المجتمع ھو الماء الطاھر ھکذا ذکرہ ابوبکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالٰی واعتبر حالۃ الوقوع ولووقع فی ھذا القلیل نجاسۃ ثم عاودہ الماء حتی امتلاء الحوض ولم یخرج منہ شیئ قال ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز التوضوء بہ لانہ کلما دخل الماء فیہ صار نجسا[1] اھ وذلک ان لاعتبار حالۃ الوقوع

تو میں کہتا ہوں اوّلاً، یہ چیز بدائع میں صرف ایک ہی انداز میں مذکور نہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ جب کثیر پانی کے بھرے ہونے کی صورت میں نجاست گر جائے اور اس کا بالائی حصہ خالی ہو کر نیچے قلیل تک آجائے تو اُسی وقت ناپاک ہوگا جب اُس میں دوبارہ نجاست گرے، تو انہوں نے یہ بتایا کہ نچلا قلیل حصہ اوپر والے حصہ کی متابعت میں ناپاک نہ ہوگا، یہ اطلاق اس کو بھی شامل ہے جبکہ نچلے کی صورت مختلف ہو، بلکہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ فرع ہے، اس کو بدائع میں یکے بعد دیگرے ذکر کیا گیا ہے، اور دونوں اماموں کی طرف منسوب کیا ہے تو ایک صورت کو دوسری میں نہیں لیا جائیگا، ان کی عبارت اس طرح ہے "یا چھوٹا حوض جو نجاست کے گر جانے سے ناپاک ہوگیا ہو، پھر اُس کا پانی اتنا پھیل گیا کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض تک پہنچنے سے قاصر ہوگیا تو یہ نجس ہے کیونکہ مبسوط نجس پانی ہی ہے، اور وہ بڑا حوض جس میں نجاست گر گئی پھر اس کا پانی اتنا کم ہوگیا کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض تک پہنچنے لگا تو یہ پاک ہے کیونکہ جو اکٹھا ہے وہ پاک پانی ہے اسی طرح اس کو ابوبکر الاسکاف نے ذکر کیا اور حالتِ وقوع کا اعتبار کیا، اور اگر اس کم میں نجاست گری پھر اس میں پانی واپس آگیا یہاں تک کہ حوض بھر گیا اور اس میں سے کچھ باہر

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

محلين الاول تغير مساحة الماء مع بقائه ف۱
في ذاته كما كان بلا نقص ولا زيادة كأن
يكون الماء منبسطا في حوض كبير وفيه
منفذ مسدود دونه بئر مثلا قطرها ذراعان
فوقعت في الحوض نجاسة فلم يتنجس الماء
لانه عشر في عشر ثم اخرجت النجاسة و
فتح المخرج حتى انتقل ذلك الماء الى البئر
فصار في قطر ذراعين لم يعد نجسا لان
العبرة لحين الوقوع وهو اذ ذاك كان كثير ف۲
المساحة وان صار الأن قليلا وان كان
الماء في البئر فوقعت فيها نجاسة فنزح كلها
وجعل الماء في الحوض حتى انبسط وصار
عشرا في عشر لم يطهر اعتبارا بحال الوقوع
حيث كان عندئذ قليل المساحة وان صار
الأن كثيرا وهذا ما في البزازية[1] لو كان دون
عشر في عشر لكنه عميق وقع فيه مائع و
انبسط حتى عد كثيرا لا يتوضؤ منه ولو
عشرا في عشر ثم قل توضأ به لا فيه لا اعتبار
اوان الوقوع اھ وفي الخانية الماء الطاهر اذا
كان في موضع هو عشر في عشر وقعت فيه
نجاسة ثم اجتمع ذلك الماء في مكان
هو اقل من عشر في عشر يكون طاهرا ولو
كان الماء في مكان ضيق هو اقل من عشر في عشر

نہ نکلا، ابو القاسم الصفار نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز
نہیں کیونکہ جب اس میں پانی داخل ہوا تو نجس
ہوگیا، اھ کیونکہ وقوع کی حالت کے دو اعتبار ہیں
پہلا تو یہ کہ پانی کی پیمائش میں تغیر آجائے اور اس کی
ذات بحال رہے جیسی کہ تھی نہ کمی اور نہ زیادتی مثلاً
یہ کہ پانی بڑے حوض میں پھیلا ہوا ہو اور اس میں
ایک سوراخ ہو جو کنویں تک جاتا ہو اور یہ سوراخ
بند ہو، کنویں کا قطر مثلاً دو ہاتھ ہو اب حوض میں نجاست
گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا کہ یہ دہ در دہ ہے پھر
نجاست نکال لی جائے اور سوراخ کھول دیا جائے
اور وہ پانی کنویں کی طرف منتقل ہو جائے اور دو
ذراع کے قطر میں پہنچ جائے تو نجس نہ ہوگا، کیونکہ
یہاں اعتبار گرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت
اس کی پیمائش زیادہ تھی اگرچہ اب کم ہوگئی ہے اور
اگر پانی کنویں میں ہو اور اس میں نجاست گر جائے پھر کنویں کا تمام
پانی نکال کر ایک حوض میں جمع کر لیا جائے حتی کہ وہ پھیل جائے
اور پانی دہ در دہ ہو جائے تو پانی پاک نہ ہوگا کیونکہ نجاست کے
واقع ہونے کے وقت کا اعتبار ہے اور اس وقت پیمائش کم تھی
اگرچہ اب کثیر ہوگئی ہے یہ بزازیہ میں ہے اور اگر وہ دہ در دہ سے کم ہو لیکن
گہرا ہو اور اس میں کوئی بہنے والی چیز گر گئی اور پھیل گئی یہاں تک
کہ زیادہ ہوگئی تو اس سے وضو نہ کیا جائیگا اور اگر وہ دہ در دہ
ہو اور پھر کم ہو جائے تو اس سے وضو کر سکتا نہ کہ اس میں، یہاں
بھی گرنے کے وقت کا اعتبار ہے اھ اور خانیہ میں ہے کہ پاک پانی اگر
کسی ایسی جگہ میں ہے جو دہ در دہ ہو اور اس میں نجاست گر جائے
پھر وہ پانی ایسی جگہ جمع ہو جائے جو دہ در دہ سے کم ہو تو وہ پانی
پاک ہے اور اگر پانی تنگ جگہ میں ہو جو دہ در دہ سے کم ہے اس
میں نجاست گر جائے پھر وہ پھیل کر دہ در دہ ہو جائے تو
پانی ناپاک ہے اور اعتبار اس میں نجاست

ووقعت فیہ نجاسۃ ثم انبسط ذلك الماء و صار عشرا فی عشر کان نجسا والعبرۃ فی ھذا الوقت وقوع النجاسۃ اھ[1] ومثلہ فی الخلاصۃ وفی الدرر عن التاتارخانیۃ عن الظھیریۃ وفی غیرھا والثانی تغیر مساحتہ لزیادۃ فیہ او نقصہ کان یکون فی غدیر بطنہ اکثر انحدارا من حافاتہ کما وصفنا من نصف الدائرۃ اعلاہ عشر فی عشر ثم لم یزل یقل فاذا کان ممتلئا کان کثیرا لایقبل النجاسۃ فاذا وقعت واخرجت وقل الماء بالاستعمال او بحر الصیف حتی یبس فی الاطراف وبقی فی بطنہ اقل من عشر فی عشر کما ھو مشاھد فی کثیر من الغدران لم یعد نجسا لانہ کان حین وقعت کثیرا وان جف ماؤہ وبقی فی وسطہ قلیلا وعند ذلك وقع فیہ نجس ثم دخلہ الماء حتی امتلأ وصار کثیرا غیر انہ لم یفض من جوانبہ کی یطھر بالجریان فانہ یبقی کما کان نجسا لما مر وھذا ما فی المنیۃ کما تقدم و فی الخانیۃ حوض اعلاہ عشر فی عشر و اسفلہ اقل منہ جاز فیہ الوضوء یعتبر فیہ وجہ الماء فان قل ماؤہ وانتھی الی موضع ھو اقل من عشر لایجوز فیہ الوضوء[2] و

کے گرنے کے وقت کا ہے اھ اسی قسم کا کلام خلاصہ میں ہے، اور دُرر میں تتارخانیہ سے ظہیریہ وغیرہ سے منقول ہے اور دوسرا یہ کہ پانی کی پیمائش میں تغیر آجائے اس میں کمی یا زیادتی کے باعث مثلاً یہ کہ اُس کے گڑھے میں پانی کا بہاؤ بہ نسبت کناروں کے زائد ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا، یعنی دائرہ کا نصف جس کا بالائی حصہ دہ در دہ ہو پھر برابر کم ہوتا گیا، اور جب بھرا ہوا ہو تو زاید ہوگا نجاست کو قبول نہ کریگا اور جب نجاست گر جائے اور نکال لی جائے اور پانی استعمال کی وجہ سے کم ہو جائے یا گرمی کے باعث اُس کے کنارے خشک ہو جائیں اور اس کے گڑھے میں دہ در دہ سے کم رہ گیا ہو جیسا کہ بہت سے گڑھوں میں مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ نجس نہ ہوگا کیونکہ جب نجاست اُس میں گری تھی تو وہ زائد تھا اگر حوض کا پانی خشک ہو جائے حتی کہ اس کے وسط میں تھوڑا سا پانی باقی رہے اور اس وقت نجاست گر جائے پھر پانی داخل ہو حتی کہ وہ بھر جائے اور پانی کثیر ہو گیا مگر پانی اس کے کناروں سے نکلا نہیں ورنہ وہ پانی کے بہاؤ سے پاک ہو جاتا اب وہ حسبِ سابق نجس ہی رہے گا اسکی دلیل گزری اور یہ منیہ میں ہے جیسا کہ گزرا، اور خانیہ میں ہے کہ ایک حوض جس کا بالائی حصہ دہ در دہ ہے اور نچلا اس سے کم ہے، اس سے وضو جائز ہے، اور اس میں پانی کی سطح کا اعتبار ہوگا، اور اگر اس کا پانی کم ہوا اور وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جو دہ در دہ سے کم تر ہو تو اس میں وضو جائز نہیں، محقق نے فتح میں فرمایا کہ کوئی نجاست دہ در دہ حوض میں گری اور پھر پانی کم ہو گیا تو وہ طاہر ہے اور جب

---

[1] فتاوی قاضی خاں فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۳

[2] ایضاً

قال المحقق فی الفتح سقطت نجاسۃ فی عشر
فی عشر ثم صار اقل فهو طاهر واذا تنجس
حوض صغیر فدخل ماء حتی امتلأ ولم
یخرج منه شیئ فهو نجس[1] اھ وفی الغنیۃ الحاصل
ان الماء اذا تنجس حال قلته لایعود طاهرا
بالکثرۃ وان کان کثیرا قبل[عہ] اتصاله بالنجاسۃ
لایتنجس بها ولو نقص بعد سقوطها فیه
حتی صار قلیلا فالمعتبر قلته وکثرته وقت
اتصاله بالنجاسۃ سواء وردت علیه او ورد
علیها هذا هو المختار[2] اھ وبینه فی التبیین
باوجز لفظ فقال العبرۃ بحالۃ الوقوع فان
نقص بعده لایتنجس وعلی العکس لایطهر[3]
اھ فالامام ملک العلماء رحمه الله تعالٰی
ذکر الفصل الاول عن الامام ابی بکر الاسکاف
الاتری الی قوله ثم انبسط ماؤہ وقوله المبسوط
هو الماء النجس وقوله المجتمع هو الماء
الطاهر فقوله قل ای مساحۃ لاقدرا یقطع
به تعبیره بالمجتمع وذکر الفصل الثانی من
قوله ولو وقع فی هذا القلیل عن الامام

چھوٹا حوض ناپاک ہوگیا پھر اس میں پانی بھر گیا اور
اُس سے کچھ باہر نہ نکلا تو وہ حوض اُسی نجاست سے
ناپاک ہوگا اھ اور غنیہ میں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ پانی
جب کمی کی حالت میں ناپاک ہوگیا تو کثرت کی حالت میں
پاک نہ ہوگا، اور اگر اتصالِ نجاست کے وقت زاید تھا
تو نجاست سے نجس نہ ہوگا اور اگر نجاست کے گرجانے
کے بعد کم ہوا تو معتبر اس میں پانی کی قلت وکثرت ہے
جبکہ اس میں نجاست گری تھی خواہ نجاست پانی پر
وارد ہوتی ہو یا پانی نجاست پر وارد ہوا ہو یہی مختار ہے اھ
تبیین میں اسی کو بہت مختصر عبارت سے بیان کیا ہے
فرمایا' اعتبار وقوع کی حالت کا ہے تو اگر اس کے
بعد کم ہُوا تو ناپاک نہ ہوگا اور اگر برعکس ہے تو پاک نہ ہوگا
اھ امام ملک العلماء رحمہ اللہ نے پہلی فصل امام ابوبکر
الاسکاف سے نقل کی اس کے قول ثم انبسط ماؤہ
اور ان کا قول مبسوط، وہ نجس پانی ہے اور ان کا قول
مجتمع وہ پاک پانی ہے' کی طرف غور کریں تو ان کا قول قل یعنی
پیمائش کے اعتبار سے نہ کہ مقدار کے اعتبار سے جس کی وہ مجتمع سے تعبیر
کرتے ہیں اور دوسری فصل "ولو وقع فی هذا القلیل" سے ذکر کی
یہ امام ابوالقاسم الصفار سے منقول ہے' اور اس نے

عہ اقول الاولی حین کما لایخفی اھ منه غفرله (م)

میں کہتا ہوں قبل کی بجائے لفظ حین کا استعمال بہتر ہے اھ (ت)

---

[1] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱
[3] تبیین الحقائق بحث عشر فی عشر بولاق مصر ۱/۲۲

2 ابی القاسم الصفار ولذا قال عاودہ الماء حتی امتلأ ولیست مقالۃ ابی بکر ماخوذۃ فی مقالۃ ابی القاسم رحمہما اللہ تعالٰی و ان کان یوھمہ زیادۃ ھذا فی ھذا التعلیل وکذا قولہ ثم عاودہ وقولہ حتی امتلأ فان ھذا شان حوض کبیر نقص ماؤہ فبقی فی موضع قلیل ولم یسر لھذا ذکر سابقا لان الناقص لا یقال لہ المجتمع فالاشارۃ وقعت غیر موقعہ وثانیا علی تسلیمہ فلا شك ان کلامہ فی الصورۃ الثانیۃ من الصور الاربع اعنی الاختلاف صفۃ مع الاتحاد صورۃ دون الرابعۃ التی فیہا کلامنا یقطع بہ تعلیلہ کلما دخل الماء صار نجسا مع قولہ ولم یخرج منہ شیئ کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

فرمایا اس میں پانی لوٹا یہاں تک کہ حوض بھر گیا اور ابو بکر کا مقالہ ابو القاسم کے مقالہ میں ماخوذ نہیں ہے اگرچہ ھذا التعلیل میں ھذا کی زیادتی ہے اور اسی طرح ان کے قول ثم عاودہ اور ان کے قول حتی امتلأ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ بڑے حوض کا حال ہے جس کا پانی گھٹ گیا ہے اور کم جگہ میں رہ گیا اور اس کا ذکر شروع میں نہیں ہے، کیونکہ ناقص کو مجتمع نہیں کہا جاتا ہے تو اشارہ بے موقع ہے،

اور ثانیاً اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ان کا کلام چار صورتوں میں سے دوسری صورت میں ہے، میری مراد یہ ہے جب صفت میں اختلاف اور صورت میں اتحاد ہو، یہ چوتھی صورت نہیں ہے جس میں ہماری گفتگو ہے، جس کی تعلیل قطعی ہے، جب بھی پانی داخل ہوگا تو نجس ہو جائے گا پھر ساتھ ہی یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ اس سے کوئی چیز نکلی نہ ہو جیسا کہ آپ ان شاء اللہ تعالٰی پہچان لیں گے۔ (ت)

سوال پنجم[53]

اسی صورت میں پانی حصۂ زیریں قلیل میں تھا اور اس وقت نجاست پڑی اور اُسے نکال کر یا بے نکالے بھر دیا گیا یا بارش وسیل سے بھر گیا کہ آب کثیر ہوگیا تو اب بھی اوپر کا حصہ پاک ہے یا نہیں اور حصۂ زیریں کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

یہاں اکثر کتب میں منقول تو اس قدر ہے کہ اگر بھر کر اُبل گیا کہ کچھ پانی باہر نکل گیا جب تو پاک ہوگیا کہ جاری ہولیا

---

[2] فافاد زیادۃ القدر دون المساحۃ فقط اھ منہ غفرلہ۔ (م)

اس نے مقدار کی زیادتی کا فائدہ دیا ہے صرف پیمائش کا نہیں اھ (ت)

ورنہ اوپر کا حصہ بھی ناپاک ہے اگرچہ مساحت کثیر ہیں ہے کہ نیچے کا حصہ جبکہ ناپاک تھا تو اس میں جتنا پانی ملتا گیا ناپاک ہوتا گیا اگر بھر کر اُبل جاتا سب پاک ہوجاتا مگر ایسا نہ ہُوا تو ناپاک ہی رہا کہ ناپاک پانی کثرتِ مساحت سے پاک نہیں ہوسکتا اور بعض نے کہا پاک ہوجائیگا اور اس کی وجہ ظاہر نہیں بدائع سے امام ابوالقاسم صفار کا قول گزرا نیز عبارتِ مُنیہ فان امتلأ صار نجسا ایضا ای کان (اگر حوض بھر جائے تو وہ نجس ہوگا جیسا کہ وہ تھا۔ ت) اُسی میں اس کے بعد ہے وقیل لا یصیر نجسا[1] (اور بعض نے کہا کہ نجس نہیں ہوگا۔ ت) حلیہ میں ہے ووجہہ غیر ظاھر[2] (اور اس کی وجہ معلوم نہیں۔ ت) غنیہ میں اتنا فرمایا والاول اصح[3] (اور پہلا زیادہ صحیح ہے۔ت)

اقول وباللہ التوفیق خیال فقیر میں یہاں ابحاث جلیلہ ہیں جن کو بقدر مساعدت وقت چند تاصیلات و تفریعات میں ظاہر کرے واللہ المعین وبہ استعین۔

اصل ۱: ہر مائع یعنی بہتی چیز کہ ناپاک ہوجائے پانی یا اپنی جنس طاہر کے ساتھ بہنے سے پاک ہوجاتی ہے وقد حققہ فی رد المحتار بما لامزید علیہ (اور اس کی تحقیق ردالمحتار میں بطریق اتم کی ہے۔ ت)

اصل ۲: آب کثیر کے حکم جاری ہونے میں جس طرح طول عرض یا مساحت یا ایک مقدار عمق بھی ضرور ہے جاری ہونے کے لیے ان میں سے کچھ شرط نہیں مینہ کا پانی جب تک بہ رہا ہے جاری ہے اگرچہ گرہ بھر کے پرنالہ سے آرہا ہو کما نصوا علیہ فی ماء السطح (جیسا کہ چھت کے پانی میں فقہاء نے نص کی ہے۔ت) ولہذا یہ حکم ہر برتن کو شامل ہے مثلاً کٹورے یا تھالی میں ناپاک پانی ہو پانی اس پر ڈالیے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنے لگے پانی اور برتن سب پاک ہوجائیں گے امام ملک العلماء نے بدائع آخر فصل مایقع بہ التطہیر میں فرمایا:

الحوض الصغیر اذا تنجس قال الفقیہ ابوجعفر الھندوانی رحمہ اللہ تعالٰی اذا دخل فیہ الماء الطاھر وخرج بعضہ یحکم بطھارتہ بعد ان لا تستبین فیہ النجاسۃ لانہ صار جاریا وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث وعلی ھذا حوض الحمام والاوانی اذا تنجس[4]

چھوٹا حوض جب ناپاک ہوجائے، فقیہ ابوجعفر الہندوانی نے فرمایا جب اس قسم کے حوض میں پاک پانی داخل ہوجائے اور اس میں سے کچھ حصہ نکل جائے تو اس کے پاک ہونے کا حکم دیا جائیگا بشرطیکہ اس میں نجاست ظاہر نہ ہو کیونکہ وُہ جاری ہوجائیگا' اور یہی فقیہ ابواللیث کا قول ہے اور اس پر حمام کا

---

[1] مُنیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

[2] حلیہ

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

[4] بدائع الصنائع آخر فصل مایقع بہ التطہیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۷

حوض یا برتن[1] قیاس کیا جائے، یعنی نجس ہونے کی صورت میں۔ (ت)

اصل ۳: اس جریان کے تین رکن ہیں:

۱۔ دخول ۲۔ خروج ۳۔ معیت

یعنی مثلاً پانی ایک طرف سے داخل ہو اور دوسری طرف سے کچھ حصّہ خارج ہو اور وُہ نکلنا اُسی داخل ہونے کی حالت میں ہو اگرچہ ابتدائے دخول میں نہ ہو۔

لوٹے میں ناپاک پانی ہے اُس پر پاک پانی نہ ڈالیے۔ ٹونٹی سے وہی ناپاک پانی نکال دیجئے تو صرف خروج بلا دخول ہوا یا آدھے لوٹے میں ناپاک پانی ہے پاک پانی سے بھر دیجئے کہ کچھ نکلے نہیں تو محض دخول بلا خروج ہوا یا پاک پانی بھرنے کے بعد جھکا کر ٹونٹی سے کچھ نکال دیجئے تو خروج بحال دخول نہ ہوا۔ ان تینوں صورتوں میں طہارت نہ ہوگی بلکہ پاک پانی ڈالتے رہیے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنا شروع ہو اُس وقت پاک ہوگا کہ ایک وقت وُہ آیا کہ خروج و دخول کی معیت ہوگئی اگرچہ برتن بھرنے تک صرف دخول بلا خروج تھا۔ تبیین و فتح میں ہے:

ولو تنجس الحوض الصغیر بوقوع نجاسۃ فیہ ثم دخل فیہ ماء اٰخر وخرج الماء منہ طھر وان قل اذا کان الخروج حال دخول الماء فیہ لانہ بمنزلۃ الجاری[1]۔

اور اگر چھوٹے حوض میں نجاست گر گئی اور وہ نجس ہوگیا پھر اس میں اور پانی داخل ہوگیا اور نکل گیا تو حوض پاک ہوجائے گا خواہ کم ہی ہو جبکہ پانی داخل ہوتے ہی نکل گیا ہو کیونکہ وہ بمنزلہ جاری کے ہے۔ (ت)

بحر میں اسی کی مثل لکھ کر فرمایا:

صححہ فی المحیط وغیرہ وقال السراج الھندی وکذا البئر واعلم ان عبارۃ کثیر منھم تفید ان الحکم اذا کان الخروج حالۃ الدخول وھو کذلك فیما یظھر لانہ ح یکون فی المعنی جاریا لکن ایاك وظن انہ لو کان الحوض غیر ملاٰن فلم یخرج منہ شیئ فی اول الامر لایکون طاھرا اذ غایتہ[2] انہ عند امتلائہ قبل خروج الماء

محیط وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا اور سراج ہندی نے فرمایا اور اسی طرح کنوئیں کا حال ہے اور جاننا چاہئے کہ اکثر علماء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے جبکہ پانی داخل ہوتے ہی نکل جائے تو حکم بظاہر ایسا ہی ہے کیونکہ یہ جاری کے حکم میں ہے لیکن آپ یہ گمان نہ کریں کہ اگر حوض بھرا ہوا نہ ہو اور اس میں سے ابتداءً کچھ نہ نکلے تو وہ پاک نہ ہوگا کیونکہ حوض بھرنے تک نکلنے سے پہلے ناپاک ہوجائے گا پھر وہ اتنی مقدار کے نکلنے کے بعد پاک ہوجائیگا جس سے طہارت

---

[1] تبیین الحقائق بحث عشر فی العشر بولاق مصر ۱/ ۲۲-۲۳

منه نجس فیطھر بخروج القدر المتعلق به الطھارۃ اذا اتصل به الماء الجاری الطھور کما لوکان ممتلئا ابتداء ماء نجسا ثم خرج منه ذلك القدر لاتصال الماء الجاری به کذا فی شرح المنیة اھ[1] یرید حلیة الامام ابن امیرالحاج۔

متعلق ہو جبکہ اس کے ساتھ طاہر اور طہور پانی متصل ہو جو جاری ہو جیسا کہ ابتداءً بھرا ہونے کی صورت میں تھا، یعنی اس میں نجس پانی تھا پھر اس میں سے اتنی مقدار نکل گئی کیونکہ اس کے ساتھ جاری پانی متصل ہوا، کذا فی شرح المنیہ اھ اس سے ان کی مراد ابن امیرالحاج کی حلیہ ہے۔ (ت)

ہاں علماء نے مواضع ضرورت میں اخراج کو بھی خروج رکھا ہے جیسے حمام کا حوض کہ اُس میں کسی نے ناپاک ہاتھ ڈال دیا اگر لوگ اُس میں سے پانی لے رہے ہیں مگر نل سے پانی اُس میں نہیں آتا یا نل سے پانی آرہا ہے مگر لوگ اس میں سے پانی نکال نہیں رہے ہیں تو ناپاک ہو جائیگا کہ خروج یا دخول ایک پایا گیا اور اگر اُدھر نل سے پانی آرہا ہے اور اِدھر لوگوں کا اُس میں سے لینا برابر جاری ہے کہ پانی کی جنبش ساکن نہیں ہونے پاتی تو جاری کے حکم میں ہے ناپاک نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے ہندیہ میں ہے:

حوض الحمام طاھر فان ادخل رجل یدہ فی الحوض وعلیھا نجاسة ان کان الماء ساکنا لایدخل فیه شیئ من انبوبه ولا یغترف منه انسان بالقصعة یتنجس وان کان الناس یغترفون ولا یدخل من الانبوب ماء او علی العکس فاکثرھم علی انه یتنجس وان کان الناس یغترفون ویدخل من الانبوب فاکثرھم علی انه لایتنجس ھکذا فی فتاوی قاضی خان وعلیه الفتوی کذا فی المحیط[2]۔

حمام کا حوض پاک ہے اگر کسی شخص نے حوض میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ہاتھ پر نجاست تھی اگر پانی ساکن تھا ایسا کہ اس میں کوئی چیز اس کی نالی سے داخل نہ ہو اور کوئی انسان اس میں سے پیالہ سے نہ نکال رہا ہو تو وہ ناپاک ہو جائے گا اور اگر یہ لوگ اس میں سے چُلّو بھر کر پانی لیتے ہوں اور نالی سے پانی داخل نہ ہوتا ہو یا برعکس ہو تو اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ ناپاک ہو جائیگا اور اگر لوگ اس سے چلّو بھر کر لیتے ہوں اور نالی سے پانی داخل ہوتا ہو تو اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ ناپاک نہ ہوگا اسی طرح فتاوٰے قاضی خان میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق بحث عشر فی العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوزبہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

اسی طرح وضو کے حوض میں بھی اگر نالی سے پانی آرہا ہے اور لوگ برابر لے رہے ہیں کہ پانی ٹھہرنے نہیں پاتا ناپاک نہ ہوگا عالمگیریہ میں ہے:

حوض صغیر تنجس فدخل الماء الطاھر من جانب وسال ماء الحوض من جانب اٰخر کان الفقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ تعالٰی یقول کما سال یحکم بطھارۃ الحوض وھو اختیار الصدر الشھید رحمہ اللہ تعالٰی کذا فی المحیط وفی النوازل وبہ ناخذ کذا فی التتارخانیۃ وان دخل الماء ولم یخرج ولکن الناس یغترفون منہ اغترافا متدارکا طھر کذا فی الظھیریۃ والغرف المتدارک ان لایسکن وجہ الماء فیما بین الغرفتین کذا فی الزاھدی[1]۔

چھوٹا حوض ناپاک ہوگیا پھر اس میں ایک طرف سے پاک پانی داخل ہوا اور حوض کا پانی دوسری جانب سے نکلا تو فقیہ ابوجعفر اس حوض کی طہارت کا حکم دیتے تھے، اور یہی صدر الشہید کا مختار ہے کذا فی المحیط، اور فوازل میں ہے، اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں، اسی طرح تتارخانیہ میں ہے اور اگر پانی داخل ہوا اور نہ نکلا لیکن لوگ اس سے مسلسل چلو بھر لیتے رہے تو وہ پاک ہوگا کذا فی الظہیریہ اور مسلسل چلو بھرنا یہ ہے کہ دو چلوؤں کے درمیان پانی پُرسکون نہ ہو کذا فی الزاہدی۔ (ت)

اس کی دوسری سند فتاوٰی خلائے آتی ہے (یعنی فصل چہارم میں) علامہ خیر رملی نے کنواں بھی اسی حکم[2] میں داخل کیا جبکہ سوتوں سے پانی اُبل رہا اور اوپر سے برابر چرخ چل رہا اُدھر سے آتا اِدھر سے نکل رہا ہو اس حالت میں نجاست سے ناپاک نہ ہوگا ہاں نجاست مرئیہ اس میں رہنے دی اور پانی کھینچنا اتنی دیر موقوف ہوگیا کہ پانی ٹھہر گیا جنبش جاتی رہی تو اب ناپاک ہوجائے گا۔ منحۃ الخالق میں ہے:

والحقوا بالجاری حوض الحمام قال الرملی — اور جاری پانی سے علماء نے حمام کے حوض کو ملا دیا،

---

[1] یونہی اگر اُس کنارے پر کوئی نہا رہا ہے کہ پانی برابر نکل رہا ہے تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لوکان یدخلہ الماء ولایخرج منہ لکن فیہ انسان یغتسل ویخرج الماء باغتسالہ من الجانب الاٰخر متدارکا لاینجس[1] منہ غفرلہ (م)

اگر پانی حوض میں داخل ہو رہا ہو اور اس سے نکل نہ رہا ہو لیکن کوئی آدمی وہاں غسل کر رہا ہو اور اس کے غسل کا پانی مسلسل دوسری جانب نکل رہا ہو تو وہ نجس نہ ہوگا۔ (ت)

[2] اس کی کامل تائید تنبیہ جلیل کے آخر میں آتی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فیما یجوز بہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

اقول وبالاولی الحاق الأبار المعینة التی علیہا الدولاب ببلادنا اذ الماء ینبع من اسفلہا والغرف فیہا بالقوادیس متدارك فوق تدارك الغرف من حوض الحمام فلا شك فی ان حکم مائہا حکم الجاری فلو وقع فی حال الدوران فی البئر والحال ھذہ نجاسة لاینجس تأمل واللہ تعالٰی اعلم۔

رمیں کہتے ہیں میں کہتا ہوں وہ کنویں جن پر ہمارے ملک میں رہٹ ہوتا ہے ان کو جاری پانی سے ملانا بطریقِ اولٰی ہوگا، کیونکہ پانی ان کے نیچے سے نکلتا ہے اور ڈولوں کے ذریعے سے ان سے پانی کا نکالنا تسلسل کے ساتھ ہوتا ہے یہ تسلسل اس سے کہیں زاید ہے جو حوض کے حمام سے چلّو بھرنے سے ہوتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ ان کے پانی کا حکم جاری پانی کا ہے تو اگر اس حالت میں پانی کے چلتے وقت نجاست کنویں میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا تأمل واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اصل سم: اقول اگرچہ مذہب صحیح میں اس خروج کے لیے کوئی مقدار نہیں ادنٰی ابلنا کافی ہے جس پر سیلان صادق آئے،

کما تقدم عن البدائع وخرج بعضہ وعن التبیین والفتح والبحر وان قل وعن المحیط کما سال وھذہ کاف الفور۔

جیسا کہ بدائع سے گزرا کہ وخرج بعضہ اور تبیین، فتح، بحر میں ہے کہ وان قل اور محیط سے ہے کما سال یعنی فوراً بہنے پر، کما میں کاف فوراً کا معنی دیتا ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

فی المبتغی بالغین المعجمة ھو الصحیح وفی محیط رضی الدین ھو الاصح وکذلك البیر علی ھذا لان الماء الجاری لما اتصل بہ صار فی الحکم جاریا[2]۔

مبتغٰی میں ہے غین معجمہ سے اور یہی صحیح ہے اور محیط رضی الدین میں ہے ھو الاصح، اور اسی طرح کنویں کا حال ہے کیونکہ جب جاری پانی اس سے متصل ہوگیا تو جاری کے حکم میں ہوگیا۔ (ت)

مگر شک نہیں کہ یہ بہاؤ جب تک منتہی نہ ہوگا حکمِ جریان منقطع نہ ہوگا کہ وہ حرکت واحدہ مستمرہ ہے اُس کے بعض پر متحرک کو جاری اور باقی پر راکد و واقف ماننے کے کوئی معنی نہیں،

ولھذا اساغ لمن اراد ان یزید ای لم یکتف لحکم الجریان بمجرد السیلان بل شرط حرکة

اور اسی لیے جائز ہے اس شخص کے لیے جس نے زائد کیا کہ زائد ہو یعنی کافی نہ ہوا جاری ہونے کے حکم کیلیے

---

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۶/۱

[2] حلیہ

كثيرة يعتد بها فلولا ان هذا السائل من ذلك الماء المطلوب سيلانه لم تنفع الزيادة۔۔۔

صرف سیلان کا ہونا، بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ اس میں بکثرت حرکت ہو کہ جس کا اعتبار ہو کیونکہ اگر یہ بہنے والا پانی اس پانی سے نہ ہوتا جس کا بہاؤ مطلوب ہے تو اس اضافے کا کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ میں نقل فرمایا:

لو امتلأ الحوض وخرج من جانب الشط على وجه الجريان حتى بلغ المشجرة يطهر اما قدر ذراع او ذراعين فلا[1]

اگر حوض بھر گیا اور کنارے سے نکل کر پانی بہتا ہوا شجرہ تک پہنچ گیا تو وہ پاک ہو جائے گا بہرحال ایک ذراع یا دو ذراع تو نہیں۔ (ت)

ظہیریہ میں تصریح فرمائی کہ اس اُبال میں جو پانی نکل رہا ہے اندر کا پانی تو پاک ہو ہی گیا باہر نکلنے والا بھی طاہر مطہر ہے یہاں تک کہ پانی نکلتا جائے اور اُس سے کوئی وضو کرتا جائے یا کہیں جمع ہونے کے بعد کسی برتن میں لے کر وضو کرے تو وضو صحیح ہے ظاہر ہے کہ اول سیلان کا پانی اتنا نہ ہوگا جس سے وضو ہو جائے ردالمحتار میں ہے:

فى الظهيرية الصحيح انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه وان رفع انسان من ذلك الماء الذى خرج وتوضأ به جاز اھ قال ش لكن فى الظهيرية ايضا حوض نجس امتلأ ماء وفار ماؤه على جوانبه وجف جوانبه لايطهر وقيل يطهر اھ وفيها ولو امتلأ فتشرب الماء فى جوانبه لايطهر مالم يخرج الماء من جانب اخر اھ وفى الخلاصة المختار انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه فلو امتلأ الحوض وخرج من جانب الشط الى اخر ما نقلنا وانهى الكلام على قوله فليتأمل اھ وذكر بعده مسألة

ظہیریہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ پاک ہو جائے گا اگرچہ اس سے اتنا پانی نہ نکلے جو حوض میں تھا اور اگر کسی انسان نے وُہ پانی اٹھالیا جو خارج ہوا تھا اس سے وضو کرلیا تو جائز ہے اھ "ش" نے فرمایا لیکن ظہیریہ ہی میں ہے کہ ایسا حوض جو ناپاک ہو اگر پانی سے بھر جائے اور اس کا پانی کناروں سے بھر نکلے پھر خشک ہو جائے اور اُس کے کنارے بھی خشک ہو جائیں تو پاک نہ ہوگا" اور ایک قول ہے کہ پاک ہو جائیگا اھ اور اسی میں ہے کہ اگر کوئی حوض اتنا بھر گیا کہ اس کے کنارے پانی سے تر ہو گئے تو وہ اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ پانی دوسری طرف سے نہ نکلے اھ اور خلاصہ میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ وہ

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۵

طهارة الاوانی فقال هل یلحق نحو القصعة بالحوض فاذا کان فیها ماء نجس ثم دخل فیها ماء جار حتی طف من جوانبها هل تطهر هی والماء الذی فیها کالحوض ام لا لعدم الضرورة فی غسلها توقفت فیه مدة ثم رأیت فی خزانة الفتاوی اذا فسد ماء الحوض فاخذ منه بالقصعة وامسکها تحت الانبوب فدخل الماء وسال ماء القصعة فتوضأ به لایجوز اھ وفی الظهیریة فی مسألة الحوض لوخرج من جانب اٰخرلا یطهر مالم یخرج مثل مافیه ثلاث مرات کالقصعة عند بعضهم والصحیح انه یطهر وان لم یخرج مثل مافیه اھ فالظاھر ان ما فی الخزانة مبنی علی خلاف الصحیح یؤیده ما فی البدائع وعلی ھذا حوض الحمام او الاوانی اذا تنجس اھ ومقتضاه انه علی القول الصحیح تطهر الاوانی ایضا بمجرد الجریان فاتضح الحکم ولله الحمد وبقی شیئ

پاک ہوجائیگا اگرچہ اس میں سے اتنا پانی خارج نہ ہو جتنا کہ اس کے اندر ہے اور اگر حوض اتنا بھرا کہ جانب سے بہنے لگا الی اٰخر ما نقلنا پھر انھوں نے اپنا کلام فلیتأمل اھ پر ختم کیا اور اس کے بعد برتنوں کی طہارت کا مسئلہ ذکر کیا اور فرمایا آیا پیالہ جیسی چیز کو حوض پر قیاس کیا جائے گا؟ اور یہ کہ اگر اس میں ناپاک پانی ہو پھر جاری پانی اس میں داخل ہوجائے اور کناروں سے نکل جائے تو آیا وہ پیالہ اور جو پانی اس میں ہے پاک ہوگا؟ جس طرح حوض پاک ہوتا ہے، یا پاک نہ ہوگا کیونکہ اس کو دھو کر پاک کرنے میں ضرورت نہیں، تو میں نے اس مسئلہ میں ایک مدت تک توقف کیا، پھر میں نے خزانۃ الفتاوی میں دیکھا کہ جب حوض کا پانی فاسد ہوجائے اور اس سے کوئی شخص پیالہ بھر کرلے اور اس کو نالی کے نیچے روک کر رکھے پھر پانی داخل ہو اور پیالہ کا پانی بہہ نکلے اب اس پانی سے وضو کرے تو جائز نہ ہوگا اھ اور ظہیریہ کے حوض میں مسئلہ میں ہے، اگر پانی دوسری طرف سے نکل گیا تو اُس وقت

ف: اقول فی الاحتجاج بکلام الظهیریة علی الخزانة نظر فلقائل ان یقول مفادہ ان عدم الطهارة فی القصعة متفق علیه للاستشهاد به والتصحیح انما یرجع الی الحوض ١٢ منه ۔ (م)

میں کہتا ہوں ظہیریہ کے کلام سے جو استدلال خزانہ کے خلاف کیا ہے اس میں نظر ہے، کیونکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ پیالہ میں پاک نہ ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے کیونکہ اس سے استشہاد کر رہے ہیں اور تصحیح صرف حوض کی طرف راجع ہے ۔ (ت)

اخر[1] سئلت عنہ وھو[1] ان دلوا[2] تنجس فافرغ فیہ رجل ماء حتی امتلأ وسال من جوانبہ ھل یطھر بمجرد ذلك والذی یظھر لی الطھارۃ اخذا مما ذکرنا ھنا و[3] مما مر من انہ لایشترط ان یکون الجریان بمدد نعم علی ماقدمناہ عن الخلاصۃ من تخصیص الجریان بان یکون اکثر من[4] ذراع او

تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ جتنا اس میں تھا اس سے تین گنا زیادہ نہ نکلا ہو جیسا کہ پیالہ کا حکم ہے، یہ بعض حضرات کے نزدیک ہے، اور صحیح یہ ہے کہ پاک ہوجائیگا اگرچہ اتنا پانی نہ نکلا ہو جتنا کہ پیالہ میں تھا، تو بظاہر خزانہ میں جو ہے وہ صحیح کے برعکس ہے، بدائع میں اس کی تائید ہے اور اسی پر حمام کے حوض یا برتنوں کا قیاس ہے، یعنی ان کے ناپاک ہوجانے کی

---

[1] اقول ھو ھو بعینہ[2] لاشیئا اخر ولا احتمال لاختلاف الحکم باختلاف صورۃ القصعۃ والدلو ۱۲ منہ۔ (م)

[2] اقول لابد من التقیید بتنجسہ من داخل اذ لو تنجس من تحت لم یعمل فیہ السیلان علی ظاھرہ او من خارج فما لم یسل علی الموضع المتنجس منہ بحیث یذھب النجاسۃ کما روی عن الامام الثانی رضی اللہ تعالی عنہ فی ازار المغتسل ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[3] اقول رحمك اللہ لیس الجریان ھھنا الابمدد فای حاجۃ للبناء علی مختلف فیہ ۱۲ منہ۔ (م)

[4] اقول صوابہ الاقتصار علی ذراعین اذ عبارۃ الخلاصۃ اما قدر ذراع او ذراعین فلا ۱۲ منہ (م)

اقول یہ بعینہ وہی ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور پیالہ اور ڈول کی صورت کے مختلف ہونے کی وجہ سے حکم کے مختلف ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔ (ت)

اقول اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ وہ ڈول اندر سے ناپاک ہو کیونکہ اگر وہ نیچے سے ناپاک ہو تو اس میں پانی کے بہانے کا اسکے ظاہر پر کوئی اثر نہ ہوگا یا خارج سے ناپاک ہو تو ایسی صورت میں پانی کا اس جگہ پر بہانا لازم ہے جو ناپاک ہے اور اس موجود نجاست کا ختم ہوجانا ضروری ہے، جیسا دوسرے امام ابو یوسف سے منقول ہے غسل کرنے والے کے تہبند کی بابت۔ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ آپ پر رحم کرے یہاں پر جریان مدد سے ہے تو اس میں اختلاف کی بنا رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں عبارت کو ذراعین پر ختم کرنا مناسب ہے کیونکہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے اما قدر ذراع او ذراعین فلا۔ (ت)

ذراعين يتقيد بذلك هنا لكنه مخالف لاطلاقهم طهارة الحوض بمجرد الجريان[1] اھ مختصرا

صورت میں اھ اور اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ قول صحیح پر برتن محض پانی کے جاری ہوجانے سے پاک ہوجائیں گے، تو اب حکم واضح ہوگیا و ﷲ الحمد، اب صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے جس کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ڈول ناپاک ہوگیا اور اس میں پانی بہایا گیا یہاں تک کہ وہ بھر کر بہنے لگا تو کیا وہ محض اس طریقہ سے پاک ہوجائیگا؟ تو مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاک ہوجائیگا اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے یہاں ذکر کی اور جو گزری، یعنی یہ شرط نہیں کہ پانی کا جاری ہونا مدکے حساب سے ہو، ہاں جو ہم نے خلاصہ سے نقل کیا ہے یعنی کہ بہنے کو اس امر سے مقید کیا جائے کہ وہ ایک یا دو ذراع سے زیادہ ہو، تو یہی قید یہاں بھی معتبر ہوگی، مگر یہ چیز فقہاء کے اطلاقات کے مخالف ہے وہ فرماتے ہیں حوض محض پانی کے جاری ہونے سے ہی پاک ہوجائیگا اھ مختصراً۔ (ت)

اقول قد افاد واجاد، واوضح المراد، کما ھو دابہ علیہ رحمۃ الکریم الجواد، لکن عبارۃ الخلاصۃ ھکذا اما حوض الحمام اذا وقعت فیہ نجاسۃ قال فی التجرید عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انھا لاتستقر وھو کالماء الجاری فان تنجس حوض الحمام فدخل الماء من الانبوب وخرج من الجانب الاخر فھو کالحوض الصغیر وفیہ اقاویل ستأتی ولا باس بدخول الحمام للرجال والنساء وفی الفتاوی

میں کہتا ہوں اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق بڑی وضاحت سے اپنے مقصود کو ظاہر کردیا، لیکن خلاصہ کی عبارت اس طرح ہے" بہرحال حمام کا حوض جبکہ اس میں نجاست گر جائے، تجرید میں حضرت امام ابوحنیفہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایسی نجاست ٹھہرے گی نہیں اور یہ جاری پانی کی طرح ہے، اب اگر حمام کا حوض ناپاک ہوگیا اور اس میں ایک نالی سے پانی داخل ہو کر دوسری طرف سے خارج ہوگیا تو یہ چھوٹے حوض کی طرح ہے اس میں متعدد اقوال ہیں جو عنقریب آئیں گے، اور مردوں

---

[1] ردالمحتار بحث عشر فی عشر مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

حوض الماء اذا اغترف رجل منه وبیدہ نجاسۃ وکان الماء یدخل من انبوبۃ فی الحوض و الناس یغترفون من الحوض غرفا متدارکا لم یتنجس۔ الحوض الصغیر اذا تنجس فدخل الماء من جانب وخرج من جانب فیہ اقاویل قال الصدر الشہید رحمہ اللّٰہ تعالٰی المختار انہ طاھر وان لم یخرج مثل ما فیہ وکذا البئر ولو امتلأ الحوض و خرج من جانب الشط علی وجہ الجریات حتی بلغ المشجرۃ یطھر ما قدر ذراع او ذراعین فلا ولو خرج من النھر الذی دخل الماء فی الحوض لا یطھر اھ کلامہ الشریف بلفظہ المنیف فقولہ ولو امتلأ الحوض وھو کذلک بالواو لا بالفاء فی نسختی الخلاصۃ القدیمۃ جدا لیس تتمۃ قول الصدر الشہید ولا داخلا تحت المختار وقد قدمنا عن الھندیۃ عن المحیط عن الصدر الشہید انہ کما سال یطھر وقد وعدان فیہ اقاویل ستاتی فلو کان ھذا تتمتہ لم یذکر الا قولا واحدا فوجب ان یکون ھذا قولا اخر مقابل المختار ولا یمکن جعل ما ذکر عن الفتاوی قولا اخر لان الکلام فی حوض تنجس وتلک صورۃ عدمہ وقد قدمنا مثلھا عن

اور عورتوں کو حمام میں داخل ہونے میں حرج نہیں، اور فتاوٰی میں ہے کہ پانی کے حوض میں اگر کسی شخص نے اپنا ناپاک ہاتھ ڈالا اور اس حوض میں پانی نالی سے آرہا ہے اور لوگ اس حوض سے مسلسل چلّو بھر کر پانی لے رہے ہیں تو یہ حوض ناپاک نہ ہوگا۔ چھوٹا حوض جب ناپاک ہوا اور اس میں پانی ایک طرف سے داخل ہوکر دوسری طرف سے نکل گیا تو اس میں کئی اقوال ہیں، صدر الشہید نے فرمایا مختار یہ ہے کہ یہ پاک ہے خواہ اس سے اتنی مقدار میں پانی نہ نکلا ہو جتنا کہ اس میں موجود ہے، اور یہی حکم کنویں کا ہے اور اگر حوض بھر کر کنارے سے نکل گیا اور بہتا رہا یہاں تک کہ مشجرہ تک پہنچ گیا تو پاک ہوجائے گا، اور ایک ہاتھ یا دو ہاتھ پاک نہ ہوگا، اور اگر اس نہر سے پانی نکلا جس سے حوض میں داخل ہوا تھا تو پاک نہ ہوگا اھ تو ان کا قول "ولو امتلأ الحوض" میرے پاس خلاصہ کے قدیم نسخہ میں یہ ایسا ہی واؤ کے ساتھ ہے فاء کے ساتھ نہیں، یہ نہ تو صدر الشہید کے قول کا تتمہ ہے اور نہ مختار کے تحت داخل ہے اور ہم نے ہندیہ سے محیط سے صدر الشہید سے نقل کیا کہ وہ بہتے ہی پاک ہوجائے گا، اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اس میں کئی اقوال ہیں جو آئیں گے تو اگر یہ تتمہ ہوتا تو صرف ایک ہی قول ذکر کرتے تو لازم ہے کہ یہ قول مختار کے مقابل ہے اور جو فتاوٰی سے انہوں نے نقل کیا اس کو دوسرا قول قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ کلام اُس

لے خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیاض نولکشور لکھنؤ

التجرید فان کونہا لاتستقر لیس الا للغرف
المتدارك فلیس فی الخلاصة اختیار
تخصیص الجریان باکثر من ذراعین
حتی یعکر علیه بمخالفته اطلاقهم و
انما حکاه قولا وجعل المختار هو الاطلاق
اما عبارتا الظهیریة الاخیرتان **فاقول** هما
فیما دخل الماء الحوض وملأه حتی طش
منه علی جوانبه علی وجه الانتضاح الخفیف
اللازم للامتلاء بدخول قوی عنیف ولا
یصدق علیه السیلان من الجانب الآخر
فلیس فیهما ماینافی عبارته الاولی الا
تری الی قوله فی الثالثة لایطهر ما لم
یخرج من جانب اٰخر فناط الطهارة بمجرد
الخروج فعلمنا ان ماذکره لایسمی خروجا
من جانب اٰخر وما هو الا الانتضاح الذی
ذکرنا هکذا ینبغی ان یفهم کلام العلماء
ولله الحمد وبه ظهران قول العلامة ش
فی صدر المسألة حتی طف من جوانبها حقه

حوض میں ہے جو ناپاک ہوگیا اور وہ اُس کے ناپاک
نہ ہونے کی صورت ہے اور اسی کی مثل تجرید سے انہوں
نے نقل کیا، کیونکہ اس کا برقرار نہ رہنا تسلسل سے
چُلّو بھرنے کی ہی وجہ سے ہے، تو خلاصہ میں دو ہاتھ
سے زائد جاری ہونے کی تخصیص کو اختیار نہیں کیا، اگر
ایسا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ وہ ان کے اطلاقات
کی مخالفت کر رہے ہیں، انہوں نے تو اس کو محض
حکایت کیا ہے، اور مختار اطلاق ہی کو قرار دیا ہے،
اور ظہیریہ کی دو آخری عبارتوں کے متعلق میں کہتا ہوں
یہ دونوں اُس صورت سے متعلق ہیں جبکہ پانی حوض
میں داخل ہُوا اور اس کو بھر دیا اور اس کے کناروں سے
آہستہ آہستہ چھلکنے لگا یہ چیز عام طور پر اس وقت ہوتی ہے
جب حوض میں پانی یک دم سختی کے ساتھ داخل
ہوتا ہے، اور اس پر دوسری جانب سے بہنا صادق
نہیں آتا ہے، تو ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے
جو ان کی پہلی عبارت کے منافی ہو، چنانچہ وہ تیسری
صورت کے بارے میں فرماتے ہیں "وہ اس وقت
تک پاک نہ ہوگا جب تک دوسری طرف سے خارج

ف لم ار هذا الفعل ولا مصدره فی
الصحاح ولا الصراح ولا المختار ولا
القاموس ولا تاج العروس ولا مفردات الراغب
ولا نهایة ابن الاثیر ولا الدر النثیر
ولا مجمع البحار ولا المصباح المنیر
انما فی القاموس طُفّ المکوك والاناء

اس فعل اور اس کے مصدر کو میں نے صحاح،
صراح، مختار، قاموس، تاج العروس،
مفردات راغب، نہایہ ابن اثیر، درنثیر، مجمع البحار
اور مصباح المنیر میں نہیں پایا۔ قاموس میں اتنا ہی
ہے کہ برتن اور پیمانے کا طَف، طَفَف (حرکت کے
ساتھ) اور طُفاف (باقی برصفحہ آئندہ)

ان یقول حتی سال من الجانب الاٰخر فربما لایزین ماذکر علی الانتضاح اولا یبلغه ولا حاجة الی السیلان من جمیع الجوانب. انما اللازم الخروج من جهة المقابل للدخول فلوکان الاناء مائلا فی ارض غیر مستویة وادخل فیه الماء من جانبه العالی وخرج من السافل کفی نعم لوصب فی الجانب السافل فعاد منه لم یکف کما فی اٰخر عبارة الخلاصة وباللّٰه التوفیق۔

نہ ہوجائے، انہوں نے طہارت کا دارومدار محض خروج پر رکھا، تو معلوم ہوا کہ جو انھوں نے ذکر کیا ہے اس کو خروج نہیں کہتے ہیں وُہ تو محض چھینٹوں کا اُڑنا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور علماء کے کلام کو اسی طرح سمجھنا چاہئے وللّٰہ الحمد، اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ علامہ کرشی کی گفتگو مسئلہ کی ابتداء میں حتی طفح من جوانبہا اس کے بجائے یوں کہنا چاہئے تھا کہ حتی سال من الجانب الاٰخر، تو جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ چھینٹوں سے نہیں بڑھے گا یا اس تک نہیں پہنچے گا، اور تمام کناروں سے بہنے کی حاجت نہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ جس طرف سے پانی داخل ہوا ہو اس کی مخالف جہت سے بہہ نکلے، اب اگر برتن کسی ناہموار زمین پر ہے اور ایک طرف کو جھکا ہوا ہے اور اس میں پانی اوپر کی طرف سے داخل ہو کر نچلی طرف سے نکل جائے تو کافی ہے، ہاں اگر نچلے حصہ میں بہایا جائے اور اُس سے واپس آجائے تو کافی نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کی عبارت کے آخر میں ہے وباللّٰہ التوفیق۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وطففه محرکة وطفافه ویکسر ماملأ اصبارة اومابقی فیه بعد مسح رأسه اوهو جمامه اوملؤه واناء طفان بلغ الکیل طفافه اھ فی تاج العروس هذا طف المکیال وطفافه اذا قارب ملأه اھ وقوله اصبارة ای جوانبه وجمامه ماعلی رأسه فوق طفافه ویکون ذلك فی الدقیق ونحوه یعلو رأسه بعد امتلائه ۱۲ منه غفرله۔ (م)

(طا کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے) اس کو کہا جاتا ہے جو اس کے کناروں کو بھر دے یا جو برتن کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد باقی بچ جائے یا اس کا ابھرنا ہے یا بھرنا ہے اور اناء طفان اس برتن کو کہا جاتا ہے جو مقرر ناپ تک بھر جائے اھ تاج العروس میں ہے کہ کہا جاتا ہے "یہ پیمانے کا طف ہے اور اس کا طفاف ہے" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پیمانہ بھرنے کے قریب ہو اھ اور قاموس نے "اصبارة" جو کہا ہے تو اس سے مراد اس کے اطراف ہیں، اور "جمامه" سے مراد وہ ہے جو برتن بھرنے کے بعد اوپر ابھرا ہو اور یہ چیز آٹے وغیرہ میں پائی جاتی ہے کہ برتن بھرنے کے بعد اوپر تک اُٹھا ہوتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

اصل ۵ : اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ کسی محل کے جوف[1] میں پانی کی حرکت اگرچہ گزوں ہو اُس محل کے حق میں جریان نہ ٹھہرے گی اُس کے بطن میں پانی کی جنبش اگرچہ باہر سے داخل ہونے پر ہوتی مگر اُس سے خارج تو نہ ہوا تو جریان کے دو رکن نہ پائے گئے مگر اُس محل کے اندر اگر دوسرا محل صغیر اور ہوا اور پانی اس میں جاکر اُسے ابال دے تو اس کے حق میں ضرور جریان ہوجائیگا کہ اس میں سب ارکان متحقق ہوگئے اگرچہ دوسرے کے جوف سے خروج نہ ہوا مثلاً دیگ میں ایک کٹورا رکھا ہے کٹورے میں ایک مینگنی پڑگئی وہ نکال کر پھینک دی اور کٹورے پر پانی بہایا کہ اُبل کر نکل گیا مگر دیگ سے نکلنا کیا معنی وہ بھری بھی نہیں تو بے شک کٹورا اور اس کا پانی پاک ہوگیا کہ زمین پر یا دیگ کے اندر رکھے ہونے کو حکم میں کچھ دخل نہیں وھذا ظاھر جدا (اور یہ بہت واضح ہے۔ ت)

اصل ۶ : اقول اس جریان سے اگرچہ طہارت ہوجائے گی اور نجاست[2] مرئیہ تھی اور نکال لی یا غیر مرئیہ تھی تو مطلقاً ہمیشہ طہارت رہے گی جب تک دوبارہ نجاست عارض نہ ہو مگر اگر نجاست مرئیہ ہے اور نہ نکالی تو حکمِ طہارت اُس وقت تک ہے جب تک یہ جریان باقی ہے پانی تھمتے ہی ظرف اور اس کے اندر کا پانی پھر ناپاک ہوجائیں گے کہ سبب یعنی نجاست موجود ہے اور مانع کہ جریان تھا زائل ہوگیا وھذا ایضا بوضوحہ غنی عن الایضاح (اور یہ بھی اپنے واضح ہونے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ ت)

منحۃ الخالق میں شرح ہدیۃ ابن العماد سیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:

اذا وضع السرقین فی مقسم الماء الی البیوت وجری مع الماء فی القساطل[1] فالماء نجس	جب گوبر پانی میں ایسے مقام پر رکھ دیا جائے کہ وہاں سے پانی مختلف گھروں کو منقسم ہوکر جاتا ہو اور وہ گوبر پانی

---

[1] اعتید فی بلادنا القاء زبل الدواب فی مجاری الماء الی البیوت لسد خلل تلک المجاری المسماۃ بالقساطل اھ ش لایجری الماء الا بہ ای بالزبل لکونہ یسد خروق القساطل فلا ینفذ الماء منہا ویبقی جاریا فوقہ اھ شرح ھدیۃ ابن العماد قلت وھی لغۃ مستحدثۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

ہمارے ممالک میں چوپایوں کا گوبر وغیرہ پانی کی گزرگاہ میں ڈال دیتے ہیں تاکہ ان نالیوں کے سوراخ بند ہوجائیں، اس خلل کو قساطل کہتے ہیں اھ ش تو پانی اس گوبر کے ساتھ ہی جاری ہوگا کیونکہ یہ اُن سوراخوں کو بند کرتا ہے جن سے پانی جاری ہوتا ہے، تو پانی ان کے اندر سے نہیں نکلتا ہے بلکہ اوپر سے بہتا ہے اھ شرح ہدیہ ابن العماد، میں کہتا ہوں یہ جدید لغت ہے۔ (ت)

فاذا رکد الزبل فی وسط القساطل وجری الماء صافیا کان نظیر مالوجری ماء الثلج علی النجاسة اوکان بطن النهر نجسا وجری الماء علیہ ولم یتغیر احد اوصافه بالنجاسة فان ذالك الماء طاهر کله کذلك هذا فاذا وصل الماء الی الحیاض فی البیوت فان وصل متغیرا احد الاوصاف بالزبل اوعین الزبل ظاهرة فیه فهو نجس من غیر شك فاذا استقر فی حوض دون القدر الکثیر فهو نجس وان صفا بعد ذلك فی الحوض وزال تغیره بنفسه لانه ماء نجس والماء النجس لایطهر بزوال تغیره بنفسه لاسیما وقد رکد الزبل فی اسفله وان استقر فی حوض کبیر فهو نجس ایضا مادام متغیرا اوزال تغیره بنفسه ایضا واما اذا استمر الماء جاریا وزال تغیر الحوض بالماء الصافی یطهر الماء کله سواء کان الحوض صغیرا اوکبیرا وان کان الزبل فی اسفله راکدا مادام الماء الصافی فی ذلك الحوض یدخل من مکان ویخرج من مکان فاذا انقطع الجریان وکان الحوض صغیرا والزبل فی اسفله راکدا فالحوض نجس اھ[1]۔

کے ساتھ قساطل میں جاری ہُوا، تو پانی ناپاک ہوجائیگا، تو اگر گوبر قساطل کے درمیان جم گیا اور صاف پانی بہنے لگا، تو یہ ایسا ہے جیسا کہ برف کا پانی نجاست پر بہنے لگے یا نہر کا پیٹ ناپاک ہو اور اس پر پانی جاری ہو اور نجاست سے اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر نہ ہُوا تو یہ پورا پانی پاک ہے، اب پانی جب گھروں کے حوضوں میں پہنچے تو اگر پانی کا کوئی وصف متغیر ہو کر پہنچا ہے یا پانی میں بعینہٖ گوبر ظاہر ہے تو وہ بلاشبہ ناپاک ہے، اور اگر کثیر مقدار میں نہ ہو اور حوض میں ٹھہر جائے تو وہ ناپاک ہے، اگرچہ اس کے بعد حوض میں صاف ہوجائے اور اس کا تغیر خود بخود زائل ہوجائے کیونکہ وہ ناپاک پانی ہے اور ناپاک پانی تغیر کے از خود زائل ہونے کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا ہے خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ گندگی اس کے نیچے جمی ہوئی ہے، اور اگر گندگی بڑے حوض میں جم جائے تو جب تک متغیر رہے گا ناپاک رہے گا، یا اس کا تغیر خود بخود ختم ہوجائے، اور اگر پانی مسلسل جاری رہے اور حوض کا تغیر صاف پانی کی وجہ سے ختم ہوجائے، اس صورت میں کل پانی پاک ہوجائیگا خواہ حوض چھوٹا ہو یا بڑا، اگرچہ

---

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۵

گندگی اُس کی تہ میں جمی ہوئی ہو بشرطیکہ صاف پانی اس میں ایک جانب سے داخل ہوتا ہو اور دوسری جانب سے خارج ہوتا ہو، تو جب پانی کا جاری ہونا بند ہوجائے اور حوض چھوٹا ہو اور گندگی اس کی تہ میں جمی ہوئی ہو تو حوض ناپاک ہے۔ (ت)

اقول کلام طیب من طیب طیب اللہ تعالٰی ثراہ وقد اقرہ الشامی وغرضنا یتعلق ھٰھنا بجملتہ الاخیرۃ غیران قولہ وجرے مع الماء فالماء نجس یحمل علی ما اذا تغیرفان المحقق المعتمد ان الجاری لاینجس مالم یتغیر حتی موضع المرئیۃ و کذا الکثیر الملحق بہ علی المعتمد رجحہ المحقق علی الاطلاق وقال تلمیذہ قاسم انہ المختار در واستحسنہ تلمیذہ الاٰخر ابن امیر الحاج وایدہ بالحدیث وکذا ایدہ سیدی عبد الغنی وھو ظاھر المتون ش وفی الدر عن جامع الرموز عن جامع المضمرات عن النصاب علیہ الفتوٰی وفی ش عن البحر عن الحلیۃ عن النصاب بہ یفتی فاذا کان ھو الثابت بالحدیث وھو ظاھر المتون وعلیہ الفتوٰی فقد سقط ما سواہ ثم قولہ رحمہ اللہ تعالٰی الماء النجس لایطھر بزوال تغیرہ بنفسہ۔

فاقول ھذا کما ذکرہ فی غیر الجاری لقول الخلاصۃ ماء نجس یجعلونہ فی نھر کبیر ان کان کثیرا بحیث لایتغیر لایتنجس وان تغیر تنجس و یطھر

میں کہتا ہوں یہ بہت اچھا کلام ہے، اس کو شامی نے برقرار رکھا ہے اور یہاں ہماری غرض آخری جملہ سے متعلق ہے البتہ اتنی بات ہے کہ اس کا قول "وجری مع الماء فالماء نجس" اسکو اس پر محمول کیا جائیگا جبکہ پانی میں تغیر آجائے کیونکہ محقق معتمد قول یہ ہے کہ جاری پانی اس وقت تک نجس نہ ہوگا جب تک کہ اس میں تغیر نہ آجائے یہاں تک کہ نجاست مرئیہ کی جگہ بھی اور اسی طرح کثیر بھی قول معتمد پر اسی کے ساتھ ملحق ہے، اس کو محقق علی الاطلاق نے ترجیح دی اور ان کے شاگرد قاسم نے کہا کہ یہی مختار ہے (دُر) اور اس کو ان کے دوسرے شاگرد ابن امیر الحاج نے مستحسن قرار دیا اور اس کی تائید حدیث سے کی اور اس کی تائید سیدی عبد الغنی نے بھی کی اور متون سے بھی یہی ظاہر ہے "ش" اور دُر میں جامع الرموز سے جامع المضمرات سے نصاب سے یہ ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے اور شامی میں بحر سے حلیہ سے نصاب سے ہے بہ یفتی پھر جب حدیث سے یہی ثابت اور متون سے بھی یہی ظاہر اور فتوٰی بھی اسی پر ہے تو اس کے ہوتے ہوئے باقی سب ناقابلِ اعتبار رہے۔ پھر اُن کا قول "نجس پانی اس کے تغیر کے از خود زائل ہونے کی وجہ سے پاک نہ ہوگا" میں کہتا ہوں یہ اُس پانی میں ہے جو جاری نہ ہو، کیونکہ خلاصہ میں ہے کہ ایک نجس پانی کو اگر بڑی نہر میں کرلیں تو اگر وہ کثیر ہے اور متغیر نہیں ہوتا ہے تو ناپاک

بساعة یعنی اذا انقطع اللون والرائحة اھ زاد فی نسخة ما نصہ فی نسخة القاضی الامام سلمہ اللہ تعالٰی اھ اے ھذا مذکور فی نسختہ والمراد بہ الامام فقیہ النفس ولم ارہ فی فتاواہ واللہ تعالٰی اعلم اقول سیدی نفسہ اذا رکد الزبل فی وسط القساطل وجری الماء صافیا طھر[2] فی ردالمحتار فی دیارنا انہار الساقط تجری بالنجاسات وترسب فیہا لکنہا فی النہار تتغیر ولا کلام فی نجاستہا ح وفی اللیل یزول تغیرھا فیجری فیہا الخلاف لجریان الماء فیہا فوق النجاسة قال فی خزانة الفتاوی لوکان جمیع بطن النہر نجسا فان کان الماء کثیرا لایری ما تحتہ فھو طاھر والافلا وفی الملتقط قال بعض المشایخ الماء طاھر وان قل اذا کان جاریا اھ[2]

نہ ہوگا اور اگر متغیر ہوگیا تو ناپاک ہوجائے گا اور فوراً ہی پاک ہوجائے گا یعنی جُونہی رنگ اور بُوختم ہوگی اھ زاید کیا ایک نسخہ میں، اصل عبارت یہ ہے "قاضی امام سلمہ اللہ تعالٰی کے نسخہ میں اھ" یعنی یہ اُن کے نسخہ میں مذکور ہے اور اس سے مراد امام فقیہ النفس ہیں اور یہ چیز ان کے فتاوٰی میں نہیں دیکھی ہے واللہ تعالٰی اعلم اور سیّدی عبدالغنی خود فرماتے ہیں کہ جب گندگی قساطل کے درمیان جم جائے اور پانی صاف جاری ہو تو پاک ہوجائیگا، اور ردالمحتار میں ہے کہ ہمارے ملک میں گندگی گرنے کی جگہوں پر جو نہریں ہوتی ہیں ان میں نجاست جاری رہتی ہے اور پھر بہتی جاتی ہے اور یہ نجاست دن میں متغیر ہوجاتی ہے اور اس وقت انکی نجاست میں کوئی کلام نہیں اور رات کو اُن کا تغیر زائل ہوجاتا ہے تو اس میں اختلاف ہے کیونکہ اس میں پانی نجاست کے اوپر جاری رہتا ہے، خزانۃ الفتاوٰی میں فرمایا "اگر نہر کا کل پیٹ ناپاک ہو تو اگر پانی کثیر ہے کہ اس کی تہہ نظر نہ آتی ہو تو وہ پاک ہے ورنہ نہیں، اور ملتقط میں ہے کہ بعض مشایخ نے فرمایا پانی پاک ہے اگرچہ کم ہو جبکہ جاری ہو اھ (ت)

اقول ما فی الملتقط مبتنی علی الصحیح المفتی بہ وما فی الخزانة علی القول الاخر الدائر فی کثیر من الکتب ان الجاری ان جری نصفہ او اکثرہ علی نجاسة مرئیة تنجس وھی المرادة فی الخزانة

میں کہتا ہوں جو کچھ ملتقط میں ہے وہ صحیح مفتی بہ پر مبنی ہے، اور جو خزانہ میں ہے وہ دوسرے قول پر مبنی ہے جو بہت سی کتابوں میں مذکور ہے کہ جاری پانی اگر اس کا نصف یا زاید کسی نجاست مرئیہ پر جاری ہو تو ناپاک ہوجائے گا، اور یہی

---

[1] خلاصۃ الفتاوی جنس آخر فی التوضی الخ نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

لقول الهندية عن المحيط اذا كانت الجيفة ترى من تحت الماء لقلة الماء لا لصفائه كان الذي يلاقيها اكثر اذا كان سد عرض الساقية وان كانت لاترى او لم تأخذ الا الاقل من النصف لم يكن الذي يلاقيها اكثر[1] واياك ان تظن ان كلام الخزانة على ظاهر اطلاقه ولو تنجس بطن النهر بغير مرئية توهما ان بطن النهر اذا كان نجسا وهو يرى فقد مر الماء كله على نجاسة مرئية وان كان لا يرى لكثرة الماء لا لكدرته فانما جرى على غير مرئية فلا يتأثر بالتغير وذلك لان العبرة بالنجس لا المتنجس كما بيناه في فتاوٰنا لكن لقائل ان يقول ان العلة في غير المرئية انه اذا لم يظهر اثرها علم ان الماء ذهب بعينها كما في البحر وغيره اما ههنا فبطن النهر كله نجس فالماء اينما ذهب لايلاقي الا نجسا تأمل ولا حاجة فان الفتوى على اعتبار الاثر مطلقا في الجاري والكثير معا نعم ظاهر كلام سيدي وتقرير الشامي ههنا ان الكثير الملحق بالجاري لايلحق به في التطهير بزوال التغير لقوله وان استقر في حوض كبير فهو نجس وان زال تغيره بنفسه

خزانہ میں مراد ہے، اس لیے کہ ہندیہ میں محیط سے ہے کہ جب مردار پانی کے نیچے نظر آئے اس کی کمی کے باعث نہ کہ پانی کی صفائی کے باعث تو جو اُس مردار سے متصل ہو جائے وہ زیادہ ہوگا، جبکہ نہر کی چوڑائی کو بند کرے، اور اگر مردار نظر نہ آئے یا آدھے سے کم راستے کو بند کرے تو جو اُس سے ملاقات کرتا ہے وہ پانی اکثر نہیں ہوگا اھ اور خزانہ کے کلام کو اُس کے ظاہر پر محمول نہ کرنا چاہئے اور اگر نہر کی تہ نجاستِ غیر مرئیہ سے ناپاک ہوگئی اس توہم پر کہ نہر کی تہ جس وقت ناپاک ہو اور وہ نظر آتی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کل پانی نجاستِ مرئیہ پر جاری ہوگیا، اگرچہ وہ نظر نہ آتی ہو پانی کی کثرت کے باعث نہ کہ اس کے گدلے پن کے باعث، کیونکہ وہ پانی نجاستِ غیر مرئیہ پر جاری ہوا ہے تو وہ تغیر سے متاثر نہ ہوگا، کیونکہ اعتبار نجاست کا ہوگا نہ کہ ناپاک ہونے والی شے کا، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا، لیکن کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ علّت غیر مرئیہ میں یہ ہے کہ جب اس کا اثر ظاہر نہ ہُوا تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نجاست کو پانی بہالے گیا ہے جیسا کہ بحر وغیرہا میں ہے، اور یہاں نہر کا پیٹ تمام کا تمام ناپاک ہے تو پانی جہاں بھی جائیگا نجس سے ملاقات کرے گا تأمل، اور کوئی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ جاری اور کثیر پانی میں فتوٰی مطلقاً اثر کے اعتبار پر ہے، ہاں سیدی عبدالغنی

---

[1] ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

فلیحرر ولینظر وجہہ فان الذی فی المنیۃ من فصل الحیاض فی مسألۃ حوض الحمام مانصہ الاتری ان الحوض الکبیر الحق بالماء الجاری علی کل حال لاجل الضرورۃ[1] قال فی الحلیۃ الجملۃ من الذخیرۃ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور شامی کی تقریر کا ظاہر یہ ہے کہ یہاں کثیر جو جاری کے ساتھ ملحق ہے ــــــــ پاک ہونے میں اس کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائیگا پاک ہونے میں تغیر کے ختم ہو جانے کے باعث کیونکہ وہ فرماتے ہیں اور اگر وہ بڑے حوض میں ٹھہر جائے تو ناپاک ہے اگرچہ اس کا تغیر از خود زائل ہو جائے، اس کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور اس کی وجہ پر غور کرنا چاہئے کیونکہ منیہ میں حوضوں کی فصل میں حمام کے حوض کے بیان میں ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے "کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ بڑا حوض جاری پانی سے ملحق ہے اور یہ علٰی کل حال ہے اور اس کی وجہ ضرورت ہے، حلیہ میں فرمایا یہ تمام ذخیرہ سے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اصل ۸: فتوٰی اس پر ہے کہ پانی کا عرض میں پھیلنا اس کے جریان کو نہیں روکتا جبکہ پانی آگے نکل جاتا ہو، مثلاً دہ در دہ حوض ہے اُس میں پانی ایک طرف سے آیا دوسری طرف سے نکل گیا جاری ہو گیا اگرچہ عرض میں زیادہ پھیلنے کے لیے ضرور وقفہ درکار ہوگا اور اُتنی جلد پانی اُس سے نہ نکل سکے گا جس قدر جلد تین چار ہاتھ کے عرض سے نکل جاتا، ہندیہ میں ہے:

اذا کان الحوض صغیرا یدخل فیہ الماء من جانب ویخرج من جانب یجوز الوضوء من جمیع جوانبہ وعلیہ الفتوٰی من غیر تفصیل بین ان یکون اربعا فی اربع او اقل فیجوز او اکثر فلا یجوز کذا فی شرح الوقایۃ وھکذا فی الزاھدی ومعراج الدرایۃ[3]۔

جب حوض چھوٹا ہو اور اس میں پانی ایک طرف سے دوسری طرف سے نکل جاتا ہو تو اس کے تمام اطراف سے وضو جائز ہے' اور اسی پر فتوٰی ہے، اس میں یہ تفصیل بھی نہیں کہ وہ چار در چار ہو یا کم ہو تو جائز ہوگا اور اگر زائد ہو تو جائز نہ ہوگا کذا فی شرح الوقایہ والزاہدی ومعراج الدرایہ۔ (ت)

بحر میں ہے:

فی معراج الدرایۃ یفتی بالجواز مطلقا

معراج الدرایہ میں ہے جواز کا مطلقاً فتوٰی دیا جائیگا

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۷۰

[2] حلیۃ

[3] ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

4/4

واعتمدہ فی فتاوی قاضی خان[1] اور قاضی خان میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ (ت)

فتاوی ذخیرہ وتتمۃ الفتاوی الصغری پھر حلیہ میں ہے:

علیہ الفتوی لان ھذا ماء جار[2] اسی پر فتوی ہے کیونکہ یہ جاری پانی ہے۔ (ت)

بلکہ پانی کا گھومنا ایک دائرہ پر چکر کھانا جس طرح بھنور میں ہوتا ہے یہ بھی مانع جریان نہیں کہ بھنور پانی کو روک نہیں رکھتا چکر دے کر نکال دیتا ہے اوپر سے دوسرا پانی آتا اب اسے گھما کر چھوڑ دیتا ہے یہ سلسلہ قائم رہنے کے باعث گمان ہوتا ہے کہ ایک ہی پانی گھوم رہا ہے یہ بات غیر آب کے ڈالنے سے متمیز ہوسکتی ہے مثلاً اوپر سے لکڑی ڈالی جائے بھنور پر پہنچ کر چکر کھا کر اُس طرف نکل جائے گی اور اگر بھنور قوی ہوا اسے گھمانے میں دبا کر ڈونگڑے کرے گا اور چکر دے کر نکال دے گا، فسبحٰن من خلق ما شاء کیف شاء ولا یجری فی ملکہ الا ما یشاء (پاک وہ ذات جس نے پیدا کیا جو چاہا جیسے چاہا اور نہیں چلتی کوئی شے اس کے ملک میں مگر جیسے وہ چاہے۔ ت)

منیہ مسئلہ حوض چار درچار میں ہے:

الظاھر ان الماء لایستقر فی مثلہ بل یدور حولہ ثم یخرج فیکون کالجاری[3] ظاہر یہ ہے کہ پانی ایسی جگہ میں نہیں ٹھہرتا بلکہ اس کے اردگرد چکر کھاتا ہے پھر نکل جاتا ہے تو یہ جاری پانی کی طرح ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

کذا فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری حکایۃ عن الشیخ الامام ابی الحسن الرستغفنی[4] جیسے ذخیرۃ اور تتمۃ الفتاوی الصغری میں شیخ الامام ابی الحسن الرستغفنی سے حکایت ہے (ت)

اصل ۸: حوض وغیرہ کے جریان میں اگرچہ خروج لازم تھا مگر ملحق بالجاری یعنی وہ دردہ میں اس کی حاجت نہیں گرمیوں کے خشک تالاب میں جانوروں کے گوبر وغیرہ نجاستیں پڑی ہیں برسات میں پانی آیا اور اُسے بھر دیا اگر تالاب کے جوف میں جہاں سے پانی نے گزر کر اُسے بھرا نجاست ہے جب تو سارا تالاب نجس ہوگیا اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک بھر کر اُبل نہ جائے۔

---

[1] بحرالرائق عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۸/۱

[2] حلیہ

[3] منیۃ المصلی فصل فی الحیض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

[4] حلیہ

اقول اس لیے کہ جب بارش یا بہاؤ کا پانی اس کے جوف میں داخل ہوا اب جب تک کہ اُس کے بطن میں متحرک رہے گا جاری نہ کہلائے گا کہ جریان کے لیے خروج شرط ہے اور یہ غیر جاری پانی نجاست سے اُس وقت ملا کہ ہنوز دہ در دہ نہ تھا کہ جوف میں اس کے مدخل ہی پر نجاستیں تھیں تو نہ جاری ہے نہ کثیر لاجرم ناپاک ہوگیا یوں ہی جتنا پانی آتا گیا ناپاک ہوتا گیا اور نجس پانی کثیر ہوجانے سے پاک نہیں ہوسکتا جب تک جاری نہ ہوجائے اور اگر مدخل آب میں اتنی دُور تک نجاست نہیں کہ وہاں تک آنے والے پانی کے عرض طول کا مسطح سَو یا حقہ تک پہنچ گیا اُس کے بعد نجاست سے ملا تو اب ناپاک نہ ہوگا کہ کثیر ہوکر ملا اگرچہ جوف سے باہر نہ گیا۔

اقول وبما قررنا ظهران المسألة مبتنية على الاصل الثالث لا على خلافية مرور نصف الماء او اكثره على نجاسة مرئية فان الفتوى فيها على الطهارة مطلقا مالم يتغير نعم ان لقى الماء النجاسات فى طريقه على شاطئ الغدير قبل ان يدخله كان على الخلافية لانه جار بخلاف المتحرك فى بطن الغدير كما علمت۔

اقول اور جو تقریر ہم نے کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ تیسری اصل پر مبنی ہے، اس اختلافی مسئلہ پر مبنی نہیں ہے کہ آدھا پانی یا اکثر نجاست مرئیہ پر گزرے، کیونکہ اس میں فتوٰی مطلقاً طہارت پر ہے تاوقتیکہ تغیر نہ ہو، ہاں اگر پانی ملے اپنے راستہ میں ان نجاستوں کے ساتھ جو گڑھے کے کنارے پر ہے قبل اس کے کہ وہ گڑھے میں داخل ہو، تو یہ اختلافی مسئلہ ہوگا، کیونکہ وہ جاری ہے بخلاف اس پانی کے جو تالاب کی تہ میں حرکت کررہا ہو جیسا کہ تو نے جانا۔ (ت)

فتاوٰی خانیہ و خزانۃ المفتین اور محیط پھر حلیہ نیز خلاصہ و فتح القدیر میں فتاوٰی اور بحر و ہندیہ میں فتح اور غیاثیہ نیز ذخیرہ پھر حلیہ میں فتاوائے اہلِ سمرقند سے ہے:

واللفظ لفقیہ النفس غدیر عظیم یبس فی الصیف وراثت الدواب فیه (زاد فی الخلاصة والفتح والذخیرة والناس) ثم دخل فیه الماء وامتلأ ینظر ان کانت النجاسة فی موضع دخول الماء فالکل نجس وان انجمد ذلك الماء کان نجسا لان کل ما دخل فیه صار نجسا فلا

اور الفاظ فقیہ النفس کے ہیں، ایک عظیم تالاب جو گرمی میں خشک ہوگیا اور اس میں چوپایوں نے لید کردی (خلاصہ اور فتح میں اور ذخیرہ میں لوگوں کا بھی اضافہ ہے) پھر اس میں پانی داخل ہوگیا اور وہ گڑھا بھر گیا، تو دیکھا جائے گا اگر نجاست پانی کے داخل ہونے کی جگہ پر ہے تو کل پانی نجس ہے، اور اگر یہ پانی منجمد ہوگیا تو نجس ہوجائیگا، کیونکہ اس

يطهر بعد ذلك وان لوتكن النجاسة في موضع دخول الماء واجتمع الماء في مكان طاهر وهو عشر في عشر ثم تعدى الى موضع النجاسة كان الماء طاهرا والمنجمد منه طاهر ما لم يظهر فيه اثر النجاسة (قال في الذخيرة لان الماء صار كثيرا قبل ان يتنجس فلا يتنجس بعد ذلك لاتصال النجاسة به اھ زاد في الخانية) وكذا الغدير اذا قل ماؤه فصار اربعا في اربع ووقعت نجاسة ثم دخل الماء الى ان صار الماء الجديد[1] عشرا في عشر قبل ان يصل الى النجس كان طاهرا[2]۔

میں جو بھی داخل ہوگا وُہ نجس ہوجائیگا، اور اس کے بعد پاک نہ ہوگا، اور اگر نجاست پانی کے داخل ہونے کی جگہ نہ ہو اور پانی پاکیزہ جگہ پر جمع ہوجائے، اور وہ دَہ در دَہ ہو پھر پانی نجاست کی جگہ چلا گیا تو پانی پاک ہوگا اور جو منجمد ہوگیا وہ اس وقت تک پاک رہے گا جب تک نجاست کا اثر اس پر ظاہر نہ ہو (ذخیرہ میں فرمایا اس لیے کہ پانی نجس ہونے سے پہلے کثیر ہوگیا تو اس کے بعد نجس نہ ہوگا نجاست کے پانی کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے اھ خانیہ میں اضافہ کیا) اور اسی طرح تالاب کا پانی جب کم ہوجائے اور چار در چار ہوجائے اور اس میں نجاست داخل ہوجائے پھر اس میں نیا پانی آجائے یہاں تک کہ نجاست کو پہنچنے سے قبل دہ در دہ ہوجائے تو پاک ہوجائے گا۔ (ت)

ایسا ہی جواہر اخلاطی میں ہے۔

اصل ۹: اقول وباللہ التوفیق ایک فائدہ نفیسہ ہے کہ شاید اس کی تحریر فقیر کے سوا دوسری جگہ نہ ملے اثر نجاست قبول نہ کرنے کو پانی کا جریان چاہیے سیلان کافی نہیں سائل وجاری میں عموم وخصوص مطلق ہے ہر جاری سائل ہے اور ہر سائل جاری نہیں دیکھو بطنِ حوض میں جو پانی نل سے داخل ہوا اور دوسرے کنارے تک پہنچا اُس وقت ضرور سائل ہے مگر جاری نہ ٹھہرا جب تک دوسری طرف سے نکل نہ جائے اور اس پر دلیل

---

[1] ونصها حوض عشر في عشر قل ماؤه ثم وقعت النجاسة ثم دخل الماء حتى امتلأ الحوض ولم يخرج منه شئ لا يجوز التوضئ به لانه كلما دخل الماء يتنجس اھ منه غفرلہ (م)

اس کی عبارت یہ ہے کہ ایک حوض دہ در دہ ہو اس کا پانی کم ہوجائے پھر اس میں نجاست پڑ جائے پھر حوض بھر جائے اور اس سے کچھ نہ نکلے، تو اس سے وضو جائز نہیں اس لیے کہ جو پانی بھی داخل ہوگا وُہ ناپاک ہوجائے گا اھ (ت)

---

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴ والمزید من الذخیرۃ وھی لیست بموجودہ

قاطع آب وضو ہے کہ ضرور اعضائے وضو پر سائل ہے فانہ غسل ولا غسل الا بالاسالۃ (پس بیشک وضو دھونا ہے اور دھونا بغیر اسالہ کے ممکن نہیں۔ ت) مگر جاری نہیں ورنہ مستعمل نہ ہوتا کہ آب جاری استعمال تو استعمال نجاست سے متاثر نہیں ہوتا جب تک متغیر نہ ہو یونہی بدن یا کپڑے کی ناپاکی جس پانی سے دھوئی اس نے بدن یا ثوب پر سیلان ضرور کیا ورنہ استخراج نجاست نہ کرتا مگر جاری نہیں ورنہ ناپاک نہ ہوجاتا حالانکہ تین بار دھونے میں امام کے نزدیک تینوں پانی ناپاک ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو ناپاک ہیں تیسرا جب بدن یا کپڑے سے جدا ہوجائے پاک ہے، تنویر میں ہے:

ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ[1] پانی جو وارد ہوا نجس پر نجس ہے جیسا کہ اس کا عکس ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الورود یشمل ما اذا اجری علیہا وھی علی ارض او سطح وما اذا صب فوقہا فی اٰنیۃ بدون جریان[2]

ورود کا لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب پانی نجاست پر بہے اور وہ زمین یا سطح پر ہو اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب پانی نجاست کے اوپر بہایا جائے کسی برتن میں اور اس میں جریان نہ ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

القیاس یقتضی تنجس الماء باول الملاقاۃ للنجاسۃ لکن سقط للضرورۃ سواء کان الثوب فی اجانۃ واورد الماء علیہ او بالعکس عندنا فہو طاہر فی المحل نجس اذا انفصل سواء تغیر اولا وھذا فی الماءین اتفاق اما الثالث فہو نجس عندہ لان طہارتہ فی المحل ضرورۃ تطہیرہ وقد زالت طاہر عندھما اذا انفصل والاولی فی غسل الثوب النجس وضعہ فی الاجانۃ

قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی پہلی ہی ملاقات میں ناپاک ہوجاتا ہے نجاست کی وجہ سے لیکن ضرورت کی وجہ سے قیاس ساقط ہوگیا خواہ کپڑا ٹب میں ہو اور اس پر پانی وارد ہو یا بالعکس ہو یہ ہمارے نزدیک ہے، تو یہ اپنے محل میں طاہر ہے اور جب جدا ہوگا تو نجس ہوگا خواہ متغیر ہو یا نہ ہو، یہ دو پانیوں میں اتفاقاً ہے، اور تیسرا تو وہ ان کے نزدیک نجس ہے کیونکہ اس کی طہارت محل میں ضرورت کی وجہ سے ہے، اور یہ ضرورت محل کی طہارت کی ہے اور وہ ضرورت

---

[1] الدرالمختار فصل الانجاس مجتبائی دہلی ۱/۵۵

[2] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۸

من غیر ماء ثم صب الماء علیه لا وضع الماء اولاً خروجاً من خلاف الامام الشافعی فانه یقول بنجاسة الماء[1]۔

زائل ہوگئی، صاحبین کے نزدیک جُدا ہوتے ہی پاک ہوجائیگا نجس کپڑے کو دھونے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کو خشک ٹب میں رکھا جائے پھر اس پر پانی بہایا جائے یہ نہیں کہ پہلے ٹب میں پانی موجود ہو امام شافعی کے اختلاف سے بچنے کیلئے اس میں امام شافعی کا قول ہے کہ پانی نجس ہوجائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں اس کے بعد فرمایا:

ولا فرق علی المعتمد بین الثوب المتنجس والعضو اھ[2] ط اھ یشیر الی خلاف ابی یوسف لاشتراط الصب فی العضو کما فی البدائع۔

معتمد قول کے مطابق ناپاک کپڑے اور عضو کے درمیان کوئی فرق نہیں اھ ط اھ اس میں ابو یوسف کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے وہ عضو پر پانی بہانے کو شرط قرار دیتے ہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے۔ (ت)

اقول وظاھر التعلیل بضرورۃ تطھیر الثوب انہ طاھر فی حق ذلک الثوب لا غیر فلو وضع الثوب النجس فی اجانۃ وصب الماء فوقع فیہ ثوب اٰخر طاھر یتنجس وان لم ینفصل الماء عن الثوب الاول بعد لان ماکان بضرورۃ تقدر بقدرھا فمن کان یصلی ووقع طرف ردائہ فی الاجانۃ فاصابہ اکثر من الدرھم وھو یتحرک بتحرکہ لم تجز صلاتہ ھذا ما ظھر فلیحرر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں، اور بظاہر تعلیل یہ ہے کہ یہ کپڑا ضرورۃً پاک ہے تو یہ پاکی اسی کپڑے تک محدود رہے گی لہٰذا اگر ایک ناپاک کپڑا طشت میں رکھا گیا اور اس پر پانی بہایا گیا پھر اسی طشت میں کوئی اور پاک کپڑا گر گیا تو وہ ناپاک ہوجائے گا اگرچہ اب تک پہلے کپڑے سے پانی جُدا نہ ہُوا ہو کیونکہ جو چیز بوجہ ضرورت ہوتی ہے وہ بقدرِ ضرورت ہی رہتی ہے، اب اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اُس کے کپڑے کا کنارہ ٹب میں گر گیا تو اگر درہم سے زائد ہوا اور وہ کپڑا اس کے ہلنے سے حرکت کرے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی یہ وُہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہُوا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اس نفیس فائدہ سے اصل ۳ پر یہ توہم زائل ہوگیا کہ پانی تالاب کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

[2] ایضاً

بہتا پہنچا پھر جاری کیوں نہ ہُوا یہ سیلان ہے جریان نہیں اور وُہ فرق کھل گیا جو اصل ۸ میں ہم نے ذکر کیا کہ تالاب کے اندر مدخل آب کے قریب نجاست ہے اور پانی اس پر ہو کر گزرا ناپاک ہوگیا کہ وہ سائل ہے جاری نہیں اور تالاب کے باہر زمین پر کنارے کے قریب نجاست ہے اور پانی اُس پر گزرتا تالاب میں داخل ہوا تو ناپاک نہ ہوا جب تک وصف نہ بدلے کہ وہ جاری ہے اور اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے کہ جوف زخم کے اندر خون کا سیلان معتبر نہیں جوف سے باہر بہے تو ناقض وضو ہے فافہم یہی مبنی ہے اس مسئلہ کا کہ استنجا کرنے کو لوٹے سے پانی کی دھار ڈالی ہاتھ تک پہنچنے سے پہلے اُس دھار پر پیشاب کی چھینٹ پڑگئی دھار ناپاک نہ ہوگی کہ جاری ہے اور یہی دھار استنجا کرنے سے ناپاک ہوجائے گی کہ بدن پر جاری نہیں ردالمحتار میں ہے :

قال فی الضیاء ذکر فی الواقعات الحسامیۃ لواخذ الاناء فصب الماء علی یدہ للاستنجاء فوصلت قطرۃ بول الی الماء النازل قبل ان یصل الی یدہ قال بعض المشائخ لاینجس لانہ جار قال حسام الدین ھذا القول لیس بشیئ والالزم ان تکون غسالۃ الاستنجاء غیر نجسۃ قال فی المضمرات وفیہ نظر والفرق ان الماء علی کف المستنجی لیس بجار والنازل من الماء قبل وصولہ الی الکف جار ولایظھر فیہ اثر القطرۃ فالقیاس ان لایصیر نجسا وما قالہ حسام الدین احتیاط اھ ویؤید عدم التنجس ماذکرنا من الفروع واللہ تعالٰی اعلم اھ[1]

ضیاء میں کہا "واقعات حسامیہ میں ہے کہ اگر برتن سے استنجاء کرنے کے لیے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا، اور پیشاب کا کوئی قطرہ اس پانی تک کسی طرح پہنچ گیا جو اوپر سے آرہا ہے اور ابھی تک عضو تک نہیں پہنچا تھا تو بعض مشایخ فرماتے ہیں ناپاک نہ ہوگا کیونکہ یہ جاری پانی ہے حسام الدین نے فرمایا اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ورنہ تو لازم کہ استنجاء کا دھوون ناپاک نہ ہو۔ مضمرات میں فرمایا اس میں نظر ہے اور فرق یہ ہے استنجاء کرنے والے کے ہاتھ میں جو پانی ہے وُہ جاری نہیں اور اُوپر سے آنے والا پانی جو ہنوز ہاتھ تک نہیں پہنچا ہے جاری پانی ہے اس میں قطرہ کا اثر ظاہر نہ ہوگا تو قیاس یہی ہے کہ نجس نہ ہو اور حسام الدین نے جو فرمایا ہے وہ بطور احتیاط ہے اھ اور ناپاک نہ ہونے پر وہ فروع دلالت کرتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

اقول وقد جزم بہ فی الخلاصۃ عازیا للفتاوٰی وفی البزازیۃ ولم یحکوا

میں کہتا ہُوں اس پر خلاصہ میں جزم کیا اور اس کو فتاوٰی کی طرف منسوب کیا اور بزازیہ میں کسی اختلاف کا

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

خلافاو نصها فی ما یتصل بالماء الجاری فی الفتاوی رجل استنجی فلما صب الماء من القمقمة علی یدہ لاقی الماء الذی یسیل من القمقمة البول قبل ان یقع علی یدہ بعض ماخرج فھو طاھر[۱] اھ قال ش بخلاف مسألۃ الجیفۃ فان الماء الجاری علیھا لم یذھب بالنجاسۃ ولم یستھلکھا بل ھی باقیۃ فی محلھا وعینھا قائمۃ علی ان فیھا اختلافا ولھذا استدرک الشارح بقولہ ولکن قدمنا ان العبرۃ للاثر[۲] اھ کلام الشامی وقد منا ان ما استدرک بہ الشارح ھو المفتی بہ المعتمد واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

ذکر نہیں کیا، اور اس کی اصل عبارت، جو جاری پانی سے متصل ہے فتاوٰی میں یہ ہے، کہ ایک شخص نے استنجا کیا، تو جب اُس نے ٹونٹی سے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا تو وہ پانی ہاتھ پر گرنے سے قبل پیشاب کے قطرہ سے مل گیا، تو یہ پانی پاک ہے اھ ش نے فرمایا یہ مسئلہ مردار کے مسئلہ کے خلاف ہے کیونکہ جو پانی اس پر گرتا یا جاری ہوتا ہے وہ نجاست کو بہا کر نہیں لے جاتا ہے اور نہ ہی نجاست کو ختم کرتا ہے بلکہ نجاست کا عین اپنی حالت پر ہی باقی رہتا ہے، پھر اس میں اختلاف بھی ہے اس لیے شارح نے یہ کہہ کر استدراک کیا ہے ولکن قدمنا ان العبرۃ للاثر اھ شامی کا کلام ختم ہوا اور ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ جو استدراک شارح نے کیا ہے وہی مفتی بہ اور معتمد ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اصل ۱۰: ہماری کتابوں میں آتا فرماتے ہیں کہ پانی نجاست پر وارد ہو یا نجاست پانی پر، دونوں کا یکساں حکم ہے کما تقدم عن التنویر وذکر مثلہ الجم الغفیر وفی الغرر الوارد کالمورود (جیسا کہ تنویر سے گزرا اور اس کی مثل بہت سے لوگوں نے ذکر کیا ہے اور غرر میں ہے کہ وارد مورود کی طرح ہے۔ ت)

اقول وباللہ التوفیق یہاں ایک فرق ہے غامض و دقیق اور تحقیق انیق ہے قبول کی حقیق۔ نجاست حقیقیہ کے لیے ایک دفع ہے اور ایک رفع۔ دفع یہ کہ نجاست اثر نہ کرنے پائے اور رفع یہ کہ نجاست کا اثر موجود زائل ہوجائے دفع جاری وکثیر کے ساتھ خاص ہے اور رفع ہر مائع طاہر مزیل کے لیے اور ملاقات نجاست و آب کے ثمرے چار ہیں:

(۱) اعمال (۲) اہمال

(۳) انتقال (۴) استیصال

---

[۱] خلاصۃ الفتاوٰی وما یتصل بالماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/۱۰

[۲] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

اعمال یہ کہ نجاست اپنا عمل کرے ۔

اہمال یہ کہ عمل نہ کرسکے ۔

انتقال یہ کہ اُس کا اثر جس شے پر تھا اُس سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جائے ۔

استیصال یہ کہ نجاست سرے سے فنا ہو جائے ۔

نجاست جب آب قلیل راکد یعنی غیر جاری پر وارد ہو تو صرف اعمال ہے یعنی اُسے ناپاک کر دے گی اور خود اُس میں باقی رہے گی اور جب آب جاری[1] یا کثیر پر وارد ہو تو محض اہمال ہے یعنی باقی تو اس میں رہے گی مگر اثر کچھ نہ کر سکے گی ،

وما ذکرنا من انتقالھا عند ائمۃ بلخ وبخارٰی وماوراء النھر فی الجواب الثالث فذٰلک انتقال فی الماء لاعن الماء۔

اور جو ہم نے تیسرے جواب میں ذکر کیا کہ منتقل ہو جائیگی ائمہ بلخ و بخاری اور ماوراء النہر کے نزدیک ہے تو یہ پانی میں منتقل ہونا ہے نہ کہ پانی سے ۔ (ت)

اور جب آبِ راکد نجاست پر وارد ہو جیسے کپڑا یا بدن پاک کرنے میں تو یہاں انتقال ہے یعنی نجاست اُس کپڑے یا بدن سے منتقل ہو کر اس پانی میں آجائے گی وہ پاک ہو جائے گا اور یہ ناپاک ۔ اور جب آبِ جاری[2] نجاست پر وارد ہو جیسے حوض وغیرہ کی صورتوں میں گزرا تو یہ صورت استیصال کی ہے یعنی وہ بھی پاک ہو گیا اور یہ پانی بھی پاک رہا نجاست کہیں باقی ہی نہ رہی، ہاں جاری وکثیر اگر نجاست سے متغیر ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں قلیل راکد کی طرح ہیں بالجملہ ورودِ آب بر نجاست میں اگر یہ پانی صرف رافع ہے تو نجاست اُس شے سے دُور کرکے اپنے اُوپر لے لے گا کہ اس میں دفع کی قوت نہیں اور اگر دافع بھی ہے تو فنا کر دے گا کہ اُس ناپاک شدہ شے سے رفع کی اور اپنے اوپر سے دفع کی اس کے لیے کوئی محل ہی نہ رکھا اصل ۳ میں ظہیریہ کی عبارت گزری کہ حوض بھی پاک ہو گیا اور یہ پانی جو اُس سے باہر نکل گیا اُسے اُٹھا کر کسی نے وضو کیا تو وضو ہو گیا ظاہر ہے کہ یہاں اعمال ہوا نہ انتقال ہوا کہ پانی خود بھی پاک رہا نہ اہمال ہُوا کہ وُہ ہوتا تو اُس وقت تک ہوتا کہ پانی بہ رہا تھا جب ٹھہر گیا اور ہے قلیل تو نجاست اگر رہتی واجب تھا کہ عمل کرتی جیسا کہ اصل ۹ میں گزرا لیکن یہ بھی نہ ہوا اور اس پانی کو اٹھا کر اُس سے وضو جائز ہُوا تو یہ نہیں مگر نجاست کا استیصال ۔ اسی طرح تصریح فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین پر پانی بہایا کہ یا ہتھ بھر بہہ گیا زمین بھی پاک ہو گئی اور یہ پانی بھی پاک رہا ،

فی ردالمحتار عن الذخیرۃ عن الحسن بن ابی مطیع اذا اصب علیھا الماء فجری قدر ذراع طھرت الارض والماء طاھر

ردالمحتار میں ذخیرہ سے حسن بن ابی مطیع سے ہے کہ جب اس پر پانی بہایا گیا اور ایک ذراع کی مقدار اس پر جاری ہُوا تو زمین اور پانی پاک ہیں بمنزلہ جاری پانی کے

بمنزلۃ الماء الجاری قال ش فھذا نص فی المقصود وللہ الحمد[1] اھ۔ ش نے فرمایا "یہ عبارت ہمارے مقصود پر نص صریح ہے وللہ الحمد اھ (ت)

یُوں ہی تصریحات ہیں کہ دو برتن ہیں ایک میں مثلاً پانی یا دُودھ پاک ہے دوسرے میں ناپاک، دونوں کی دھار ہوا میں ملاکر چھوڑی کہ ایک ہوکر تیسرے برتن میں پہنچی یا دونوں کو ملاکر مثلاً پاک پکی چھت پر بہایا کہ ایک دھار ہوکر بہے سب پاک ہوگیا خزانہ وخلاصہ وبزازیہ وردالمحتار میں ہے:

انا آن ماء احدھما طاھر والاخر نجس فصبا من مکان عال فاختلطا فی الھواء ثم نزلا طھر کلہ ولو اجری ماء الانائین فی الارض صار بمنزلۃ ماء جار[2]۔ دو برتن ہیں ان میں سے ایک کا پانی پاک اور دوسرے کا ناپاک ہے، اب دونوں سے اوپر سے پانی بہایا پھر یہ دونوں پانی ہوا میں باہم مل گئے پھر نیچے آئے تو پاک ہیں، اور اگر دونوں برتنوں کا پانی زمین پر بہا دیا گیا تو دونوں بمنزلہ جاری پانی کے ہوگئے۔ (ت)

اشارات تقریر سابق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ثمرۂ استیصال علی الاطلاق نجاست غیر مرئیہ میں ہے مرئیہ جب تک باقی ہے معدوم نہیں کہی جاسکتی، ہاں کثیر وجاری میں اثر نہ کرسکے گی قلیل وراکد ہوتے ہی اپنا عمل دکھائے گی مگر یہ کہ اس سے پہلے نجاست نکال دی یا پانی میں مستہلک یا مٹی کی طرف مستحیل ہوگئی تھی کہ پہلی دو صورتوں میں مرئیہ نہ رہی غیر مرئیہ ہوگئی اور پچھلی میں نجاست ہی نہ رہی منحۃ الخالق میں ہے:

قال العلامۃ عبدالرحمٰن افندی العمادی مفتی دمشق فی کتابہ ھدیۃ ابن العماد قال صاحب مجمع الفتاوٰی فی الخزانۃ ماء الثلج اذا اجری علی طریق فیہ سرقین ونجاسۃ ان تغیبت النجاسۃ واختلطت حتی لایری اثرھا یتوضؤ منہ[3]۔ علامہ عبدالرحمٰن آفندی عمادی مفتی دمشق نے اپنی کتاب ہدیۃ ابن العماد میں فرمایا صاحب مجمع الفتاوٰی نے خزانہ میں فرمایا کہ برف کا پانی ایسے راستے میں بہا جس پر گوبر پڑا ہوا تھا اور نجاست بھی تھی اگر نجاست اس میں اس طرح گھُل مل گئی کہ اس کا اثر نظر نہیں آتا تو اُس سے وضو کیا جائے گا۔ (ت)

یُوں ہی بزازیہ وخلاصہ وفتاوٰی سمرقند میں ہے شرح ہدیہ میں بعد کلام مذکور اصل ۲ فرمایا:

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

[2] ردالمحتار باب الانجاس " ۱/۲۳۹

[3] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحرالرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۵

فالحوض نجس الی ان یصیر الزبل الذی فی اسفلہ حمأۃ وھی الطین الاسود فلا یکون نجسا حینئذ واذا کان الحوض کبیرا فالامر فیہ یسیر[1]۔

تو حوض اس وقت تک ناپاک ہے جب تک کہ جو گندگی اس کے نیچے ہے کیچڑ میں تبدیل ہو جائے تو اس وقت وہ ناپاک نہ ہوگا، اور اگر حوض بڑا ہو تو معاملہ آسان ہے۔ (ت)

منحہ میں ہے،

یعنی اذا اجری بعد ذلک لا بمجرد صیرورۃ الزبل حمأۃ کما یعلم مما مر[2] اھ

یعنی اس کے بعد پانی جاری بھی ہوا ہو کیونکہ محض کیچڑ بن جانا کافی نہیں، جیسا کہ سابقہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ (ت)

اقول تبین مما حققنا ان المراد بالماء فی قولھم ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ ھو الماء الراکد القلیل اذ بہ تستقیم القضیتان علی عمومھما وقد اشار الیہ ملک العلماء حیث قال لا خلاف ان النجس یطھر بالغسل فی الماء الجاری وکذا بالغسل بصب الماء علیہ واختلف ھل یطھر بالغسل فی الاوانی قال ابو حنیفۃ و محمد یطھر حتی یخرج من الاجانۃ الثالثۃ طاھرا وقال ابو یوسف لا یطھر البدن ما لم یصب علیہ الماء وفی الثوب عنہ روایتان وجہ قول ابی یوسف القیاس یابی الطھارۃ بالغسل اصلا لان الماء متی لاقی النجاسۃ یتنجس سواء ورد الماء علی النجاسۃ او وردت النجاسۃ علی الماء الا انا حکمنا بالطھارۃ لحاجۃ

میں کہتا ہوں جو تحقیق ہم نے کی اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کے قول ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ میں ماء سے مراد وہ تھوڑا پانی ہے جو ٹھہرا ہوا ہو، کیونکہ اسی تشریح سے دونوں قضیے درست ہوں گے اور ان کا عموم صحیح قرار پائیگا اور ملک العلماء نے اسی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نجس چیز جاری پانی میں دھونے سے پاک ہو جائے گی اور اسی طرح اگر اس پر پانی بہا کر اس کو دھو دیا جائے تو پاک ہو جائے گی، اس میں اختلاف ہے کہ کیا برتنوں میں دھو کر بھی پاک ہوگی یا نہیں؟ ابو حنیفہ اور محمد فرماتے ہیں پاک ہو جائے گی یہاں تک کہ تیسرے ٹب سے پاک نکلے گا اور ابو یوسف نے فرمایا بدن اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کے اوپر پانی نہ بہایا جائے اور کپڑے کے بارے میں ان سے

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۵
[2] ایضاً

الناس والحاجۃ تندفع بالحکم بالطھارۃ
عند ورود الماء علی النجاسۃ فبقی ماوراء
ذلک علی القیاس فعلی ھذا لایفرق بین
البدن والثوب ووجہ الفرق لہ علی روایۃ
ان فی الثوب ضرورۃ اذ کل من تنجس
ثوبہ لایجد من یصب ولا یمکنہ الصب
بنفسہ ووجہ قولھما ان القیاس متروک
فی الفصلین لتحقق الضرورۃ فی المحلین
اذ لیس کل من اصابت النجاسۃ بدنہ
یجد ماء جاریا او من یصب وقد لایتمکن
من الصب بنفسہ مع ان ماذکرہ من القیاس
غیر صحیح لان الماء لاینجس اصلا
مادام علی المحل النجس اھ[1] مختصرا فقد
افاد مرتین ان القضیتین فی غیر الجاری
ای وما فی حکمہ من الکثیر واعجب ان
المدقق العلائی حمل الکلام علی الجاری
فقال فی شرحہ (ورد) ای جری (نجس)
اذا ورد کلہ او اکثرہ ولو اقلہ
لا کجیفۃ فی نھر او نجاسۃ علی سطح لکن
قدمنا ان العبرۃ للاثر (کعکسہ) ای اذا
وردت النجاسۃ علی الماء تنجس الماء
اجماعا[2] اھ

دو روایتیں ہیں، ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے
کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دھونے سے طہارت
بالکل نہ ہو کیونکہ پانی جب نجاست سے ملاقی ہوگا
تو ناپاک ہوجائے گا خواہ پانی نجاست پر وارد ہو
یا نجاست پانی پر وارد ہو، مگر ہم نے لوگوں کی ضرورت
کی وجہ سے طہارت کا حکم دیا اور حاجت پانی کے نجاست
پر وارد ہونے کی صورت میں پاکی کے حکم کے ساتھ رفع ہوجاتی ہے تو
اُس کے علاوہ قیاس کے مطابق رہے گا، اس بنا
پر بدن اور کپڑے میں فرق نہیں کیا جائیگا، اور ان
کے نزدیک وجہِ فرق ایک روایت پر یہ ہے کہ
کپڑے میں ضرورت ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کا کپڑا
ناپاک ہوجائے اس کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی
کہ کوئی اس کے کپڑے پر اوپر سے پانی بہائے اور خود
کبھی وہ نہیں بہا سکتا ہے، اور طرفین کے قول کی
وجہ یہ ہے کہ قیاس دونوں صورتوں میں متروک
ہے کیونکہ دونوں جگہ ضرورت متحقق ہے کیونکہ ہر وہ
شخص جس کو نجاست لگ جائے نہ تو بہتا ہوا پانی پاتا
ہے اور نہ ہی کسی بہانے والے کو پاتا ہے، اور کبھی
ایسا ہوتا ہے کہ خود بھی نہیں بہا سکتا ہے، اور
اس کے علاوہ جو قیاس اُنھوں نے ذکر کیا ہے وہ
صحیح نہیں ہے کیونکہ پانی جب تک نجس جگہ پر رہے
ناپاک نہیں ہوتا ہے اھ مختصراً، تو دو مرتبہ انھوں نے

---

[1] بدائع الصنائع اما طریق التطہیر بالغسل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۷
[2] الدر المختار باب الانجاس مجتبائی دہلی ۱/۵۵

بتایا کہ دونوں قضیئے غیر جاری پانی میں ہیں یعنی اُس پانی میں جو جاری پانی کے حکم میں ہو، مثلاً کثیر پانی، تعجب ہے کہ مدقق علائی نے کلام کو جاری پانی پر محمول کیا ہے، اور اپنی شرح میں فرمایا ہے (ورد) یعنی جاری ہوا (ناپاک) جب وارد ہُوا اس کا کل یا اکثر، اگر جاری ہُوا تو یہ حکم نہیں ہوگا جیسا کہ نہر میں مُردار یا چھت پر نجاست، لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا کہ اعتبار اثر کا ہے (جیسا کہ اس کا عکس) یعنی جب کہ نجاست پانی پر وارد ہو تو پانی اجماعاً ناپاک ہو جائیگا اھ (ت)

اقول[1] بل لا یتنجس اجماعا اذا کان جاریا مالم یتغیر بها فالمراد الراکد القلیل قطعا ولو حمل علیه لم یحتج فی الاولی الی تقییدها ولا الاستدراك علیها والعجب ان السادات الثلثة ح ط و ش کلهم حملوه علی مایعم الراکد والجاری فاعترض الاولان علی الشارح قائلین علی قوله جری هذا خاص بما اذا جری علی ارض او سطح ولا یشمل ما اذا صب علی نجاسة لان الصب لایقال له جریان مع ان الحکم عام فالاولی ابقاء المصنف علی عمومه[1] اھ

میں کہتا ہوں بلکہ ناپاک نہ ہوگا اجماعاً جبکہ جاری ہو، جب تک متغیر نہ ہو، تو مراد تھوڑا سا ٹھہرا ہوا پانی ہے قطعاً، اور اگر اس پر محمول کیا جائے تو پہلی میں اس کی تقیید کی حاجت نہ ہوگی اور نہ ہی استدراک کی ضرورت ہوگی اور تعجب یہ ہے کہ سادات ثلثہ ح، ط اور ش نے اس کو ٹھہرے اور جاری پانی دونوں میں عام کر رکھا ہے تو پہلے دو نے شارح پر اعتراض کیا، اور کہا ہے کہ ان کا قول جری، یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ وُہ پانی زمین یا سطح پر جاری ہو اور اس صورت کو شامل نہیں ہے جبکہ کسی نجاست پر بہایا جائے کیونکہ بہانے کو جاری ہونا نہیں کہا جاتا ہے حالانکہ حکم عام ہے، تو اولیٰ وہی ہے کہ مصنف نے اس کو اس کے عموم پر باقی رکھا ہے اھ (ت)

اقول[2] اترون ماء جاریا او کثیرا ورد علی نجس او بالعکس هل یتنجس بالورود فاین العموم واشار الثالث الی جوابین فقال فسر الورود به لیتأتی له التفصیل والخلاف الذی ذکرهما والا فالورود اعم وایضا فالجریان

میں کہتا ہوں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جاری پانی یا کثیر پانی جو کسی نجاست پر وارد ہو یا بالعکس، صرف وارد ہونے سے نجس ہو جائے گا؟ تو عموم کہاں ہوا؟ اور تیسرے نے دو جوابوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ورود کی تفسیر اس کے ساتھ اس لیے کی گئی ہے تاکہ وہ اس کی تفصیل کر سکیں اور اس کے خلاف کا بھی ذکر کریں،

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الانجاس بیروت ۱/۱۶۱

ابلغ من الصب فصرح به مع علو حکم الصب منه بالاولی دفعا لتوهم عدم ارادته اھ[1]

جن کا انھوں نے ذکر کیا، ورنہ ورود اعم ہے اور نیز جاری ہونا ابلغ ہے بہانے سے، تو اس کی تصریح کر دی حالانکہ بہانے کا حکم اس سے معلوم ہوگیا تھا بطریقِ اولٰی، تاکہ ارادہ نہ کرنے کا وہم دفع ہوجائے اھ (ت)

اقول لاعموم وعلی فرضه کیف یصح تفسیره بخاص لیتأتی له تقییده وجعله خلافیة بل کان علیه ان یبقیه علی عمومه ویقول وان کان جاریا اذا ورد کله الخ

میں کہتا ہوں کوئی عموم نہیں ہے، اگر فرض کیا جائے تو اس کی تفسیر خاص سے کیسے صحیح ہوسکتی ہے تاکہ وہ اس کو مقید کرسکیں اور اس کو اختلافی بنا سکیں، بلکہ ان پر لازم تھا کہ وہ اس کو اس کے عموم پر باقی رکھیں، اور کہیں کہ اگرچہ جاری ہو جبکہ اس کا کل وارد ہو الخ (ت)

یہ جواہر زواہر بحمدہ تعالٰی عطیہ سرکار رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ ہیں والحمد للّٰہ علی تواتر اٰلائه ۔ وافضل الصلاۃ والسلام علی سید انبیائه ۔ وعلیهم وعلی اٰله وصحبه واولیائه ۔ باقیین دائمین بدوامه وبقائه ۔ اٰمین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

جب یہ اصول عشرہ ممہد ہولیے اب **تفریعات** کی طرف چلیے۔

فاقول وباللّٰہ التوفیق اس مسئلہ میں ۱۲۰ صورتیں ہیں، جواب چہارم میں حوض کی قسمیں مذکور ہوئیں۔ قسم دوم وہ کہ اسفل اُسی کا جُز ہو شکل و احاطہ میں متمیز نہ ہو جیسے نصف دائرہ۔ قسم چہارم وہ کہ اسفل شکل جداگانہ ہو۔ **صغیر تابع** وہ کہ پچیس یا تہ مساحت سے کم ہو **مستقل** وہ کہ پچیس یا تہ یا زائد ہو مگر سَو سے کم ہو، حوضِ زیریں **ناقابل اجرا** ایک وہ کہ پانی اُس کی حدود سے باہر تک حوضِ بالا کے بطن میں بھرا ہو کہ باہر سے جو پانی آئیگا اُس کا بہاؤ اُس حوضِ صغیر میں داخل ہوکر نکلنا نہ ٹھہرے گا کہ اُس کا اجرا ہو بلکہ حوضِ بالا ہی کے بطن میں متحرک سمجھا جائیگا کہ جریان نہیں (اصل ۳ و ۵) ظاہر ہے کہ اگر دیگ میں ایک کٹورا رکھا اور نصف دیگ میں ناپاک پانی بھرا ہے لبالب بھر دینے سے بھی کٹورے کا پانی پاک نہ ہوگا نہ دیگ کا کہ اُن میں کسی کا اجرا نہ ہوا بخلاف اس کے کہ صرف کٹورے میں پانی ہو اور اُس پر پاک پانی ڈالیں یہاں تک کہ بھر کر اُبلے ضرور کٹورا اور اُس کا پانی پاک ہوجائیگا کہ اُس کا اجرا ہوگیا اگرچہ جوفِ دیگ میں (اصل ۲) دوسرا وہ کہ آگے اُبل کر بہنے کو جگہ نہ ہو جیسے اس صورت میں [شکل] کہ اگرچہ پانی ط رف

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۸
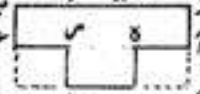
ح ہ تک ہو آگے منتہی تک بلندی ہے۔ **قابل اجراوہ** کہ پانی اُسی کے اندر اور آگے بہنے کو جگہ ہو **قلت منتہی** یہ کہ حوض بالا کی فضا کہ اس حوض زیریں کی محاذات میں ہے مع فضائے حوض زیریں دہ در دہ سے کم ہو جیسے اس شکل میں کہ ا ب سَو ہاتھ اور ح ء کم ہے **کثرت منتہی** یہ کہ یہاں بھی دہ در دہ ہو جیسے اسی شکل میں جب طح کہ سطح ح ء سَو ہاتھ اور سطح ا ب زاید ہو یا شکل سوم مذکور جواب چہارم میں کہ ا ب ء ح ء دونوں مساوی ہیں **کثرت مبدء** یہ کہ ناپاک پانی جہاں تک بھرا ہے مثلاً بحال قابلیت اجرا ہ سے م تک یا بحال عدم قابلیت ی سے م تک وہاں سے مدخل آب تک اتنی جگہ ہے کہ آنے والا پاک پانی دہ در دہ ہو کر ناپاک پانی سے ملے گا مثلاً اسے جو پانی ح پر آیا اور پہلی صورت میں ہ سے ناپاک پانی تھا تو ہ تک پہنچنے سے پہلے سطح ح ہ میں سَو ہاتھ مساحت ہو اور دوسری صورت میں ی سے نجس پانی تھا تو ی سے اوپر اوپر سطح ح ی میں دہ در دہ کی وسعت ہو **قلت مبدء** یہ کہ اتنی جگہ نہیں بلکہ دہ در دہ سے کم رہ کر اُس سے ملے بہرحال نجاست مرئیہ پاک پانی داخل ہونے سے پہلے نکال لی گئی تو مخرجہ ہے ورنہ **یا قیہ** راسبہ خواہ طافیہ ظاہر ہے کہ حوض زیر بحث قسم دوم سے ہوگا یا چہارم سے اور چہارم تابع یا مستقل اور دونوں قابل اجرا یا ناقابل یہ پانچ صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر پر مبدء کثیر ہوگا یا قلیل ہر تقدیر پر منتہی بھی قلیل ہوگا یا کثیر یہ تین ہو کر پندرہ[١٥] ہوئیں۔ بہرحال نجاست غیر مرئیہ ہوگی یا مرئیہ اور مرئیہ مخرجہ یا باقیہ اور باقیہ راسبہ یا طافیہ یہ چار ہو کر ساٹھ[٦٠] ہوئیں یہ صورت حوض بالا بھر کر اُبلا یا نہیں جملہ ایک سَو بیس[١٢٠]۔ اب ہم بتوفیقہ تعالٰی ان کا ضبط کریں کہ ہر تقسیم اُسی صورت میں آئے جس سے وہاں حکم مختلف ہو۔

فاقول وباللہ ربی استعین **اولاً** حوض اگر قسم دوم سے ہو یا قسم چہارم سے اور صغیر ناقابل اجرا تابع خواہ مستقل اور بہرحال نہ کثیر المبدء تھا نہ بھر کر اُبلا تو مطلقاً سب ناپاک ہوگیا عام ازیں کہ نجاست کسی قسم کی ہو اور منتہی قلیل ہو یا کثیر کہ جتنا پانی نجاست سے ملتا گیا نجس ہوتا گیا اور نجس کثیر ہو کر طاہر نہیں ہوسکتا یہ تین صورتیں ہوئیں بلکہ ایک ہی کہ ناقابل اجرا سب کو شامل ہے اور تفصیلاً بلحاظ کثرت وقلت منتہی و اقسام نجاست چوبیس[٢٤]۔

ثانیاً انہی صور ثلثہ سے پہلی دو صورتوں یعنی قسم دوم و ناجاری تابع میں اگر کثیر المبدء تھا یا بھر کر اُبلا تو مطلقاً سب پاک ہوگیا یہ چار صورتیں ہوئیں بلکہ دو ہی کہ نامستقل دونوں کو شامل اور تفصیلاً بتیس[٣٢] کہ کثیر المبدء اُبلے یا نہیں اور اُبلنے والے قلیل المبدء میں منتہی قلیل ہو یا کثیر اور ہر ایک قسم دوم سے ہو یا ناجاری تابع اور بہرحال نجاست کسی قسم کی۔

ثالثاً انہی کی صورت سوم ناجاری مستقل میں کثرت مبدء یا اُبلنے سے حوض بالا مطلقاً پاک رہے گا

4

کہ اُس کا پانی ناپاک پانی سے کثیر ہوکر ملا (اصل ۸) یا بعد کو بہ گیا (اصل ۱) اور صغیر مطلقاً ناپاک ہونا چاہیے۔ اگرچہ نجاست غیر مرئیہ ہو کہ بہا نہیں اور مستقل ہے (جواب ۴) تو نجاست موجود اور سبب تطہیر مفقود صورت کثرت مبدء تو واضح ہے اور صورت اجرا میں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس کا استقلال اس کے اجزا کو اس کا اجزا ہونے سے مانع ہوگا اگر کہیے کہ مانع نہ ہوگا شکل ج میں ج ح اور م ل ک زمین کے ٹکڑے جنھوں نے حائل ہو کر ہ ط کو د ء سے ممتاز شکل کر دیا اگر ہٹا دیے جائیں تو شک نہیں کہ د ب کا اجرا تمام شکل د ک کا اجرا ہوگا جس میں ہ ط بھی داخل تو اتنے ٹکڑے کم کر لینے سے اثر اجرا کہ ہ ط تک پہنچا تھا ہ م پر کیوں ختم ہوجائے گا تو جواب وہی ہے کہ وہ ٹکڑے ہٹ جائیں تو د ک شکل واحد میں سب پانی ایک ہے بخلاف اس صورت کے کہ اب دو شکلوں میں دو پانی ہیں فیلتأمل یہ دو صورتیں ہوئیں اور تفصیلاً اُسی طرح سولہ[16]۔

رابعاً صغیر قابلِ اجرا اور نہ ہوگا مگر قسم چہارم سے کہ قسم دوم اصلاً قابلِ اجرا نہیں جب تک سارا حوض بھر کر نہ بہے ظاہر ہے کہ اب جو پانی اُوپر سے آئیگا ضرور اُسے بھر کر بہا دے گا (اصل ۵) تو اُس وقت اس کی طہارت میں کلام نہیں (اصل ۱)، عام ازیں کہ مستقل ہو یا تابع کہ اجرا سے طہارت کے لیے کوئی مقدار شرط نہیں (اصل ۲)، اب اگر نجاست غیر مرئیہ یا مخرجہ ہے تو عود نجاست کی کوئی وجہ نہیں کہ جریان اس نجاست کو فنا کر دیتا ہے (اصل ۱۰) تو مطلقاً زیر و بالا دونوں حصے پاک ہیں اگرچہ نہ مبدء کثیر ہو نہ منتہے کہ جریان کے لیے کوئی حد خاص مقدر نہیں (اصل ۴) خواہ بھر کر اُبلے یا نہیں کہ طاہر کو اجرا کی حاجت نہیں یہ چار صورتیں ہوئیں کہ قابلِ اجرا تابع یا مستقل اور نجاست غیر مرئیہ یا مخرجہ بلکہ ایک ہی کہ قابلِ اجرا اور نجاست غیر مرئیہ کہ بعد اخراج مرئیہ بھی غیر مرئیہ ہے اور تفصیلاً چوبیس[24] کہ ہر تقدیر پر مبدء کثیر ہو یا قلیل اور منتہے کثیر یا وہ بھی قلیل اور ہر صورت پر اُبلے یا نہیں۔

خامساً اسی صورت قابل اجرا میں نجاست باقیہ ہو تو مبدء یا منتہے کثیر ہونے کی حالت میں اگر نجاست طافیہ ہے مطلقاً دونوں حصے پاک رہیں گے صغیر تابع ہو یا مستقل کبیر اُبلے یا نہ اُبلے کہ جریان صغیر نے اُسے پاک کر دیا اور وہ اگرچہ مستقل ہو نجاست کہ طافیہ تھی اس میں نہ رہی آبِ بالا کی طرف منتقل ہوگئی اور یہ آبِ بالا اُسے بہانے والا اُس سے متاثر نہ ہوا اگر کثیر تھا تو ظاہر (اصل ۸) اور قلیل تھا جب بھی بحالتِ جریان تو پاک تھا ہی (اصل ۴) اور یہ جریان منتہی نہ ہوا جب تک اُس فضائے حوض کبیر کو کہ محاذات صغیر میں ہے بھر نہ دیا (اصل ۴) کہ عرض میں پھیلنا جریان کا مانع نہیں (اصل ۷) اور اس وقت وہ دہ در دہ ہو چکا تھا بہرحال قابل قبول نجاست نہ ہوا یوں ہی اگر راسبہ ہے اور صغیر تابع کہ اگرچہ وقت جریان کے وقت نجاست اُس میں موجود تھی مگر آبِ بالا بوجہ کثرت متاثر نہ ہوا اور یہ بوجہ تبعیت اُس کے ساتھ شے واحد ہے تو پاک ہی رہیگا

اور جریان بالا کی حاجت نہیں جیسے حوض قسم دوم کا اسفل اگرچہ مساحت میں کتنا ہی کم رہ جائے اور اُس میں نجاست موجود ہو جب اوپر کثیر ہے یا اجرا ہو جائے کوئی حصہ ناپاک نہ رہے گا ہاں اس صورت میں اگر صغیر مستقل ہے تو کبیر کہ کثیر ہے پاک رہے گا اور صغیر پھر ناپاک ہوجانا چاہیے کہ اُس سطح کے بھرتے ہی جریان ٹھہر گیا اور اُس وقت نجاست خود اس میں موجود ہے اور یہ تابع نہیں تو جریان بالا بھی اگر ہوا ہے مفید نہیں اور اگر مبدء و منتہے دونوں قلیل ہیں اور حوض بالا بہا بھی نہیں تو مطلقاً دونوں حصے ناپاک رہیں گے صغیر تابع ہو یا مستقل اور نجاست طافیہ ہو یا راسبہ کہ اگرچہ اجرائے صغیر نے اسے پاک کیا اور اُس وقت تک وہ آنے والا پانی بھی پاک تھا مگر جریان ٹھہرا قلت پر تو آب قلیل ساکن میں نجاست موجود ہے خواہ بالا میں اگر طافیہ ہے یا زیریں میں اگر راسبہ تو وہ نجس ہوگیا (اصل ۶) اور دوسرا قلیل کہ اوّل میں زیریں اور دوم میں بالا ہے اس آبِ نجس سے متصل ہے تو دونوں نجس ہوگئے اور بعد کو جو پانی بڑھا بطنِ حوض میں متحرک ہوا تو دوبارہ اجرا نہ ہوا (اصل ۳ و ۵) اس بڑھنے میں سیلان سہی مگر وہ جریان کے لیے کافی نہیں (اصل ۹) اور اگر حوض بالا بہا اور صغیر تابع ہے تو سب پاک اگرچہ نجاست راسبہ ہو لما مر انفا (جیسے ابھی گزرا۔ ت) اور مستقل ہے تو صغیر بوجہ اتصال نجاست ناپاک ہونا چاہئے اگرچہ طافیہ ہو کہ وقوف جریان کے وقت بالا بسبب قلت ناپاک ہوگیا تھا اور یہ اُس سے متصل پھر جب بالا کا جریان ہوا وہ بوجہ استقلال اس کا جریان نہ ٹھہرنا چاہئے تو یہ نجس ہی رہا اور کبیر بوجہ جریان خود پاک ہوگیا یہ نو صورتیں ہیں کہ کثرت مبدء یا منتہے ہر ایک میں تین ہیں طافیہ مطلق اور راسبہ میں صغیر تابع یا مستقل یونہی قلت ہر دو میں تین ہیں عدمِ جریان بالا مطلق اور جریان میں تبعیت و استقلال بلکہ چھ ہی ہیں کہ دونوں کثرتیں وقوف علی الکثرۃ میں آگئیں اور تفصیلاً چوبیس کہ کثرتِ مبدء یا منتہے یا قلتِ ہر دو ہر ایک میں نجاست طافیہ ہے یا راسبہ۔ صغیر تابع ہے یا مستقل بالا بہا یا نہیں آٹھ آٹھ ہو کر چوبیس[۲۴] ہوئیں مجموع ایک سو بیس اور ضابطہ میں بیس[۲۰] ہی بلکہ صرف بارہ[۱۲]۔

اختصار ھذا الضابط

اقول ان کان جوف الحوض النجس لایجری بدخول الماء الطاھر فان کثر المبدء او جری الکبیر طھر الکل لو الصغیر تابعا والکبیر فقط لو مستقلا والا تنجس الکل وان کان یجری بہ و

ضابطہ کا اختصار

میں کہتا ہوں اگر ناپاک حوض کی تہ پاک پانی کے داخل ہونے سے جاری نہیں ہوتی ہے، تو اگر مبدء زاید ہوگیا یا بڑا جاری ہوا، تو کُل پاک ہے اگر صغیر تابع ہے اور کبیر فقط اگر مستقل ہو ورنہ سب ناپاک ہوگیا، اور اگر اس کے ساتھ جاری ہو اور

النجاسۃ غیر مرئیۃ طھر الکل وان باقیۃ فان وقف عن الجریان کثیرا وھی طافیۃ او الصغیر تابع طھر الکل والا فالکبیر وحدہ وان وقف قلیلا ولم یجر الکبیر تنجس الکل وان جری طھر الکل لو الصغیر تابعا و الکبیر فقط لو مستقلا۔

نجاست مرئیہ نہ ہو تو کُل پاک اور اگرچہ نجاست باقی ہو تو اگر جاری بہنے سے بہت دیر رک جائے اور نجاست اوپر تیرتی ہو یا صغیر تابع ہو تو کل پاک ورنہ کبیر صرف پاک ہوگا، اور اگر تھوڑی دیر ٹھہرا اور کبیر جاری نہ ہوا تو کل ناپاک ہوا، اور اگر جاری ہُوا تو کل پاک ہوا اگر صغیر تابع ہو اور کبیر فقط اگر مستقل ہو۔(ت)

ضابطہ بروجہ دوم متفرق کہ ہر حصہ کی طہارت کا جدا ضابطہ۔

اقول طہارت بالا کی چار صورتیں ہیں :

۱ - آب طاہر کثیر ہو کر نجس تک پہنچے ، یا

۲ - حوض بھر کر اُبل جائے ، یا

۳ - صغیر کو بہائے اور نجاست غیر مرئیہ رہ گئی ہو ، یا

۴ - صغیر کو بہا کر دہ در دہ پر ٹھہرے

اور طہارت زیریں تابع مطلقاً تابع طہارت بالا ہے اور طہارت زیریں مستقل کو تین شرطیں درکار :

اوّل : اس کا جاری ہونا۔

دوم : نجاست کا راسبہ نہ ہونا۔

سوم : یا تو نجاست غیر مرئیہ ہو یا طافیہ ہے تو جریان حدکثرت پر ٹھہرے انھی کے اجتماع وافتراق سے زیر و بالا کے احکام پیدا ہوں گے طہارت بالا کی اگر کوئی صورت نہ پائی جائے دونوں حصے مطلقاً نجس ہیں کہ اس مسئلہ میں نجاست بالا و طہارت زیریں معقول نہیں اور اگر ان میں سے کوئی صورت متحقق ہو اور اُس کے ساتھ صغیر مستقل نہ ہو یا ہو تو اُس کی تینوں شرطیں جمع ہوں تو سب پاک ہے اور اگر طہارت بالا کی کوئی صورت پائی گئی اور صغیر مستقل ہے اور اس کی کوئی شرط منتفی ہُوئی تو اسفل ناپاک اعلٰی پاک۔

ضابطہ بروجہ سوم کہ توزیع احکام کرے حکم تین ہیں :

۱ - سب پاک

۲ - سب ناپاک

۳ - صرف حصہ بالا پاک - اس ضابطہ میں ہر حکم کی صورتیں جُدا کی جائیں گی۔

فاقول اگر آب طاہر آب نجس سے نہ کثیر ہو کر ملا نہ بعد کو اُبلا نہ نجاست غیر مرئیہ میں صغیر کو بہایا

نہ باقیہ میں بہاکر دہ دردہ پر ٹھہرا تو ان[1] اٹھائیس[28] صورتوں میں دونوں حصّے مطلقاً ناپاک ہیں اور[2] اگر حوض قسم دوم سے ہو یا چہارم میں صغیر تابع قابل اجرا نہ ہو اور دونوں صورتوں میں آب طاہر کثیر ہو کر نجس سے ملا یا[3] بعد کو اُبلا، یا[4] آب نجس حوض صغیر تابع خواہ مستقل میں قابل اجرا تھا اور نجاست غیر مرئیہ[2] رہ گئی تھی اگرچہ دہ دردہ سے کم پر ٹھہرا، یا[5] مرئیہ میں وہ صغیر تابع تھا اگرچہ راسبہ ہو اور اُسے بہاکر کثرت[3] پر ٹھہرایا[4] بعد کو اُبلا، یا[6] صغیر مستقل تھا اور نجاست طافیہ اور بہاکر کثرت پر ٹھہرا[4]، ان[18] صورتوں میں دونوں حصے مطلقاً پاک ہیں اور اگر صغیر مستقل تھا اور آنے والے پانی نے اُسے نہ بہایا کہ جگہ نہ تھی خواہ نجس پانی اس کی حدود سے باہر تھا یا بہایا تو نجاست راسبہ تھی اور ان دونوں صورتوں میں پانی[2] اُس نجس سے کثیر ہو کر ملا خواہ صورت اخیرہ میں بہاکر کثرت پر ٹھہرایا دونوں صورتوں میں بعد کو اُبلا یا نجاست طافیہ تھی اور قلت پر ٹھہر کر آخر میں اُبلا ان[22] بائیس صورتوں میں اسفل ناپاک اعلیٰ پاک۔

---

[1] حوض قسم دوم سے ہے یا صغیر ناجاری تابع خواہ مستقل بہرحال مبدء یا مبدء و منتہی دونوں قلیل بہرصورت نجاست چاروں قسم سے کسی قسم کی۔ ۳۲ یہ ہوئیں اور صغیر جاری سے تابع خواہ مستقل اور نہ کثرت پر ٹھہرا نہ بعد کو اُبلا بہرتقدیر نجاست طافیہ ہے یا راسبہ چار یہ ہوئیں جملہ ۲۸ اور ضابطہ میں ایک ۱۲ منہ (م)

[2] غیر مرئیہ رہ جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ نجاست سرے سے غیر مرئیہ تھی یا تھی مرئیہ اور قبل جریان نکال دی گئی کہ غیر مرئیہ رہ گئی ۱۲ منہ (م)

[3] کثرت پر ٹھہرنا دونوں صورتوں کو شامل ہے ابتدا ہی سے کثیر ہو کر ملا یا کثیر ہو کر جریان پر ٹھہرا ۱۲ منہ (م)

[4] حوض قسم دوم سے یا صغیر ناجاری تابع۔ بہرحال اگر مبدء کثیر ہے تو بعد کو اُبلے نہ اُبلے یا[2] بعد کو اُبلا تو منتہی کثیر یا قلیل۔ یہ آٹھ صورتیں ہوئیں ہر صورت پر نجاست کی ہر قسم حاصل ۳۲۔ اور ضابطہ میں دو۔ اور[4] اگر صغیر جاری ہے تابع خواہ مستقل اور نجاست غیر مرئیہ خواہ مخرجہ۔ چار ہوئیں۔ بہرصورت مبدء کثیر ہے یا قلیل اور منتہی کثیر یا دونوں قلیل بارہ[12] ہوئیں بہرصورت اُبلا یا نہیں، حاصل ۲۴۔ اور ضابطہ میں ایک اور[5] صغیر جاری تابع میں مبدء کثیر ہے یا منتہی بہرحال اُبلا یا نہیں چار یہ اور پانچویں یہ کہ دونوں[5] قلیل اور اُبلا بہرصورت نجاست طافیہ یا راسبہ حاصل ۱۰۔ اور ضابطہ میں دو صغیر[6] جاری مستقل اور نجاست طافیہ اور منتہی کثیر اس میں ممکن کہ مبدء کثیر تھا یا قلیل بہرحال اُبلا یا نہیں حاصل ۴۔ اور ضابطہ میں ایک مجموع[18] اور ضابطہ میں چھ۔ ۱۲ منہ (م)

[5] صغیر[6] مستقل ناجاری میں اگر مبدء کثیر ہے تو اُبلے خواہ نہیں اور[6] اُبلا ہے تو منتہی کثیر ہو یا قلیل۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

اقول اولاً یہیں سے ظاہر ہُوا کہ کلام علمائے کرام حوض قسم دوم میں ہے ورنہ بانوے[۹۲] صورتوں سے نقض وارد ہو جن میں سے ستر میں طہارت کل یقینی ہے اور بائیس میں طہارتِ اعلٰی۔ تردد ہے تو نجاست اسفل میں اور حوض قسم دوم میں بیشک حکم یہی ہے کہ اعلٰی اسفل سب ناپاک صرف دو استثنا ہیں جن میں سب پاک ہوگا ایک یہ کہ بھر کر اُبل جائے یہ صراحۃً اُن کے کلماتِ عالیہ میں مذکور حلیہ و بدائع و فتح سے گزرا امتلأ و لم یخرج منہ شیئ (وُہ بھر گیا اور اس سے کوئی چیز خارج نہ ہوئی۔ ت) دُوسرے یہ کہ آنے والا پانی کثیر ہو کر اُس نجس سے ملے یہ بجائے خود معلوم و معہود کہ کثیر بے تغیر نجاست قبول نہیں کرتا تو اطلاق علمائے کرام صحیح و بے غبار رہے اور تحقیق بازغ و تنقیح بالغ یہ ہے جو بتوفیقہ عزوجل قلبِ فقیر پر القا ہُوئی۔

ثانیاً نیز یہ بھی واضح ہُوا کہ قول دوم بھی بے وجہ نہیں بلکہ وہ اُن ستر صور پر محمول جن میں سب پانی پاک رہتا ہے و باللہ التوفیق۔

ثالثاً یہ بھی لائح ہُوا کہ یہ محل ایک قول کی تصحیح دوسرے کی تضعیف کا نہیں بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں،

ولله الحمد كثيرا طيبا مباركا فيه كما يحب ربنا ويرضى، وصلى الله تعالى وبارك وسلم على المصطفى الارضى، وأله وصحبه وابنه وحزبه ما علت سماء ارضا، والحمد لله رب العلمين والله سبحنه وتعالى اعلم۔

اللہ ہی کے لیے بہت پاکیزہ حمد ہے اس میں برکت ہو جتنی ہمارے رب کو پسند ہے اور اتنے درود و سلام ہوں محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی آل اصحاب اولاد، گروہ سب پر جب تک آسمان زمین سے بلند رہے، والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحنہ و تعالٰی اعلم۔ (ت)

تنبیہ جلیل

تنبیہ جلیل

وتشييد التفريع والتاصيل، و على الله ثم على رسوله التعويل، جل وعلا

اور اصل بیان کرتے اور فروعی مسائل کا استنباط کرنے کی بنیاد، اور بھروسا اللہ عزّوجلّ پر ہے پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ چار ہوئیں اور بہر تقدیر نجاست کی ہر قسم۔ حاصل ۱۶ اور صغیر[۲] مستقل جاری میں مدد کثیر ہو یا فنتھی بہرحال اُبلے یا نہیں اور نجاست خاص راسبہ۔ یہ چار ہوئیں آور[۲] اگر دونوں قلیل ہیں اور ابلا تو نجاست راسبہ ہو خواہ[۱۲] طافیہ یہ دو مل کر چھ ہوئیں، حاصل ۲۲، اور ضابطہ میں ۵۔ مجموع ۱۲۰، اور ضابطہ میں ۱۲۔ ۱۲ منہ (م)

وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتبجیل ۔ اس کے رسول پر ہے، اللہ تعالٰی ان پر عظمت والا درود بھیجے۔ (ت)

اصل سوم میں گزرا کہ دخول وخروج دونوں اس جریان کے رکن ہیں اُن میں سے جو نپایا جائیگا جریان ہوگا اور اصل نہم میں رد المحتار و ضیاء و جامع المضمرات و بزازیہ و خلاصہ و فتاوی سے گزرا کہ لوٹے کی دھار جب تک ہاتھ پر نہ پہنچی جاری ہے حالانکہ یہ محض خروج بلا دخول ہے۔

اقول وباللّٰہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ ہی کی توفیق سے میں کہتا ہوں اور اسی کی مدد سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچنا ہے۔ ت) اس کی تنقیح وتطبیق ایک اور خلافیہ کی توضیح و توفیق پر مبنی ہے علما مختلف ہوئے کہ جاری ہونے کے لیے اوپر سے مدد آنا بھی ضرور ہے یا بلا مدد کسی مائع کا آپ بہنا بھی جریان ہے محقق علی الاطلاق نے اول کو ترجیح دی فتح میں فرمایا:

الحقوا بالجاری حوض الحمام اذا کان الماء ینزل من اعلاہ حتی لو ادخلت القصعۃ النجسۃ او الید النجسۃ فیہ لا ینجس وھل یشترط مع ذلک تدارک اغتراف الناس منہ فیہ خلاف ذکرہ فی المنیۃ ثم لا بد من کون جریانہ لمدد لہ کما فی العین والنھر ھو المختار اھ ثم ذکر مسألۃ الاستنجاء بالقمقمۃ ونقل عن التجنیس النظر فیہ بعین ما نظر الامام حسام الدین ثم قال قال ای المصنف فی التجنیس ونظیرھا ما اورد المشایخ فی الکتب ان المسافر اذا کان معہ میزاب واسع (ای یسع لان یتوضأ فیہ) واداوۃ ما یحتاج الیہ ولا یتیقن وجود الماء لکنہ[1] علی طمعہ قبل

جاری پانی کے ساتھ حمام کے حوض کو بھی شامل کیا گیا ہے، جبکہ پانی اس کے اُوپر سے اُتر رہا ہو یہاں تک کہ اگر اس میں ناپاک پیالہ یا ناپاک ہاتھ ڈالا تو ناپاک نہ ہوگا اور آیا اس میں یہ شرط بھی ہے کہ لوگ پے درپے اس میں سے چُلّو بھر کر پانی نکالتے ہوں؛ اس میں اختلاف ہے، اس کو منیہ میں ذکر کیا، پھر اس کے جاری رہنے کے لیے اس کو مدد دینے والی چیز ضروری ہے جیسا کہ چشمہ اور نہر میں ہوتا ہے یہی مختار ہے اھ پھر استنجاء، ٹونٹی کے ساتھ کا مسئلہ نقل کیا اور پھر تجنیس سے نقل کیا کہ اس میں نظر ہے یہ وہی نظر ہے جو حسام الدین نے کی تھی، پھر کہا کہ مصنف نے تجنیس میں کہا ہے اور اس کی نظیر مشایخ کا یہ قول ہے کہ مسافر کے پاس جب واسع پرنالہ ہو (یعنی اس میں اتنی گنجائش ہو کہ اس میں وضو کیا جا سکے)

---

[1] **اقول** لعل وجہ التقیید بہ التنصیص علی انہ یجوز ھذا الاحتیال وان کان علی ظن الماء فعند عدمہ اولی ۱۲ منہ غفر لہ (م)

اس قید کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس بات پر نص کرنا مقصود ہو کہ یہ حیلہ جائز ہے اگرچہ پانی ملنے کی امید ہو تو جب امید نہ ہو تو بدرجہ اولٰی جائز ہوگا۔ (ت)

لہ فتح القدیر بحث الماء الجاری نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹

ینبغی ان یأمر احدا یصب الماء فی طرف المیزاب وھو یتوضؤ وعند الطرف الاٰخر اناء طاھر یجتمع فیه الماء فانه یکون الماء طاھرا وطھورا لانه جار قال بعضھم ھذا لیس بشیئ لان الجاری انما لایصیر مستعملا اذا کان له مدد کالعین والنھر و ما اشبھه وما اشبھه حوضان صغیران یخرج الماء من احدھما و ید خل فی الاٰخر فتوضأ فی خلال ذلك جاز لانه جار وکذا اذا قطع الجاری من فوق وقد بقی جری الماء کان جائزا ان یتوضأ بما یجری فی النھر قبل استقرارہٖ[1] اھ بالتقاط۔

اور پانی کا برتن ہو جس کی ضرورت ہو، اور پانی کا پایا جانا یقینی نہ ہو لیکن ملنے کی امید ہو، تو ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی کو حکم دے کر وُہ پرنالے کے ایک کنارے سے پانی بہائے اور وہ شخص وضو کرے اور پرنالے کی دوسری طرف ایک پاک برتن ہو جس میں پانی جمع ہوتا ہو تو وُہ پانی طاہر اور طہور ہوگا کیونکہ وہ جاری ہے، بعض علمائنے فرمایا یہ کچھ نہیں کیونکہ جاری پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے جبکہ اس میں نیا پانی شامل ہو رہا ہو جیسے چشمہ اور نہر اور اس کے مشابہ چیزیں، اور اس کے مشابہ دو چھوٹے حوض ہیں جن میں سے ایک میں سے پانی نکل کر دُوسرے میں داخل ہو رہا ہو تو کسی نے اس کے درمیان کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ جاری ہے اور اسی طرح اگر اوپر سے جاری پانی کو قطع کیا اور پانی کا جاری بہنا باقی ہو تو یہ جائز ہے کہ جو پانی نہر میں جاری ہو اس سے وضو کرلے اس کے استقرار سے قبل اھ (ت)

اور علامہ حدادی نے سراج وہاج اور علامہ سراج ہندی نے توشیح میں دوم کی تصحیح کی بحر و تنویر و دُر وغیرہا میں اسی پر اعتماد کیا بحر میں بعد نقل ترجیح فتح فرمایا:

وفی السراج الوھاج ولایشترط فی الماء الجاری المدد وھو الصحیح[2] اھ ثم ذکر فی البحر عن التجنیس والمعراج وغیرھما مسألة جواز الوضوء بما یجری فی نھر سد من فوقه[3]۔

اور السراج الوہاج میں ہے کہ جاری پانی میں مدد کی شرط نہیں اور یہی صحیح ہے اھ پھر بحر میں تجنیس اور معراج وغیرہ سے یہ مسئلہ منقول ہے کہ وُہ نہر جو اُوپر سے بند ہو اس میں جاری پانی سے وضو جائز ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر بحث الماء الجاری نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹

[2] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۸۶

[3] ایضاً

اقول ای فیہ اوبہ اذا وقع فیہ نجس کما لایخفی ثم رأیت فی الحلیۃ اخذ بمثلہ علی متنہ اذ قال ظاھر عبارتھم فی ھذہ المسألۃ کما فی الذخیرۃ والواقعات الناطفی اذا سد من فوق فتوضأ بما یجری فی النھر جاز اھ ان یکون الوضوء فی النھر فکان علی المصنف ان یذکرفیہ لان من الواضح جدا جواز الوضوء بہ جاریا کان اوغیر جار خارجہ امابا غتراف او اخذ منہ باناء فلا یقع التقیید ببقاء جریان الماء موقعا ثم ھم اعلی کعبا من ذکر مثلہ[1] اھ

میں کہتا ہوں یعنی اس میں یا اُس سے جبکہ اس میں نجاست گر جائے کما لایخفی، پھر میں نے حلیہ میں دیکھا کہ متن میں انہوں نے اسی کو اختیار کیا ہے وُہ فرماتے ہیں ان کی عبارت کا ظاہر اس مسئلہ میں جیسا کہ ذخیرہ اور واقعات ناطفی میں ہے کہ جب نہر کو اُوپر سے بند کردیا جائے اور پھر کوئی شخص اس پانی سے وضو کرے جو نہر میں جاری ہے تو جائز ہے اور یہ کہ وضوء نہر میں ہو، تو مصنّف پر لازم تھا کہ "فیہ" کا ذکر کرتے کیونکہ اس سے وضوء کا جواز بہت واضح ہے، خواہ وہ جاری ہو یا نہ ہو، وضو کرنیوالا نہر سے باہر چلّو کے ذریعے نہر سے پانی لے کر یا کسی برتن کے ذریعے حاصل کرکے وضو کرے بہرصورت بقائے جریان کی قید درست نہیں پھر اُن کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ اس قسم کی چیزیں وہ ذکر کریں اھ (ت)

اقول ای عتب علی المصنف اذا کانوا ھم المعبرین بالباء دون فی فھذا محل التفسیر لا الاخذ کما فعل الفقیر قال البحر فھذا یشھد لما فی السراج[2] اھ

میں کہتا ہوں جب وہ خود "باء" سے تعبیر کرتے ہیں تو مصنّف پر کیا اعتراض ہے، تو یہ تفسیر کا محل ہے نہ کہ گرفت کرنے کا جیسا کہ فقیر نے کیا ہے، بحر نے فرمایا یہ اس چیز کی شہادت دیتا ہے جو سراج میں ہے اھ (ت)

اقول نعم لکن لا ینبغی عزوہ للتجنیس فانہ لیس جانحا الیہ بل ھو فی عداد مارد علیہ کما یظھر من عبارۃ الفتح حیث نقل عن التجنیس فی مسئلۃ القمقمۃ

میں کہتا ہوں، ہاں، لیکن اس کو تجنیس کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ اس کی طرف مائل نہیں ہیں بلکہ وہ اس پر رد کرتے ہیں جیسا کہ فتح کی عبارت سے ظاہر ہے کیونکہ انھوں نے ٹونٹی

---

[1] حلیہ

[2] بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

هذا ليس بشئ ثم قال ونظيره فذكر مسألة المیزاب ثم قال وما اشبهه وجعل منه مسألة الحوضين وهذه المسألة ثم قال في البحر وذكر السراج الهندي عن الامام الزاهد ان من حفر نهرا من حوض صغير واجرى الماء في النهر وتوضأ بذلك الماء في حال جريانه فاجتمع ذلك الماء في مكان فحفر رجل اخر نهرا من ذلك المكان واجرى الماء فيه وتوضأ به حال جريانه فاجتمع في مكان اٰخر ففعل رجل ثالث كذلك جاز وضوء الكل لان كل واحد انما توضأ بالماء حال جريانه والجاری لا يحتمل النجاسة مالم يتغير[1] اھ

کے مسئلہ میں تجنیس سے نقل کیا ہے "یہ کچھ نہیں" پھر فرمایا اور اس کی نظیر اس کے بعد انھوں نے پرنالہ کا مسئلہ ذکر کیا، پھر فرمایا و ما اشبهه اور اس میں دو حوضوں کے مسئلہ کو شامل کیا اور اس مسئلہ کو بھی، پھر فرمایا بحر میں" اور ذکر کیا سراج ہندی نے امام زاہد سے کہ اگر کسی شخص نے چھوٹے حوض سے ایک نہر نکالی اور نہر میں پانی چھوڑ دیا، اور جب پانی جاری ہوگیا تو اُس سے وضو کیا، پھر وُہ پانی ایک جگہ جمع ہوگیا تو پھر کسی دوسرے شخص نے اس جگہ سے نہر نکالی اور اس میں پانی چھوڑ دیا اور اس پانی سے وضو کیا اس حال میں کہ پانی جاری تھا پھر پانی کسی دوسری جگہ پر جمع ہوگیا پھر کسی تیسرے شخص نے بھی یہی عمل کیا تو سب کا وضو جائز ہے کیونکہ ہر ایک نے جاری پانی سے وضو کیا ہے

اور جاری اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک اس میں تغیر پیدا نہ ہو اھ (ت)

اقول ای ان وقعت او الحكمية ان توضأ فيه بغمس الاعضاء فلا يبتنى على نجاسة المستعمل ثم هذه مثل مسألة الحوضين بل هي هي بعبارة ابسط وقد ذكرها صاحب المنية عن المحيط وفي الذخيرة عن القاضي الامام علی السغدی وفي الخانية وغيرها وقال في الحلية المصنف نقل عن المحيط تقييد الجواز بما اذا كان بين المكانين مسافة وان كانت قليلة يوافقه ما في الخانية تاويله اذا كان بين المكانين قليل مسافة وفي مسألة الحفرتين (ای يخرج من احدهما الماء و

میں کہتا ہُوں یعنی اس صورت میں جبکہ نجاستِ حقیقیہ یا حکمیہ اس میں گر گئی ہو، اگر اس نے اس میں اعضاء ڈبو کر وضو کیا تو اس کی بناء مستعمل کی نجاست پر نہ ہوگی یہ دو حوضوں کے مسئلہ کی طرح ہے بلکہ مختصر عبارت کے ساتھ یہ بعینہٖ وہی مسئلہ ہے اس کو صاحبِ منیہ نے محیط سے نقل کیا ہے اور ذخیرہ میں قاضی علی السغدی سے اور خانیہ وغیرہ میں، اور حلیہ میں کہا کہ مصنف نے محیط سے جواز کی قید کو اس صورت میں نقل کیا ہے جبکہ دونوں جگہوں میں مسافت ہو خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، خانیہ میں بھی اسی کی موافق عبارت موجود ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ جبکہ دونوں جگہوں

[1] بحر الرائق الماء الجاری سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

يدخل فى الاخرى وهى مسألة الفتح) لوكان بينهما قليل مسافة كان الماء الثانى ذاك المجتمع فى الحفرة الاخرى) طاهرا كذا قاله خلف بن ايوب ونصير بن يحيى وهذا لانه اذا كان بين المكانين مسافة فالماء الذى استعمله الاول يرد عليه ماء جار قبل اجتماعه فى المكان الثانى فلا يظهر حكم الاستعمال (ای لایثبت) اما اذا لم تكن بينهما مسافة فالماء الذى استعمله الاول قبل ان يرد عليه ماء جار يجتمع فى المكان الثانى فيصير مستعملا فلا يطهر بعد ذلك انتهى وهذا كله بناء على نجاسة المستعمل[1] اھ

کے درمیان کم درجہ کی مسافت موجود ہو، اور دو گڑھوں کے مسئلہ میں (یعنی ایک گڑھے سے پانی نکلے اور دوسرے میں داخل ہو اور یہ فتح کا مسئلہ ہے) اگر دونوں کے درمیان کم مسافت ہے تو دوسرا پانی (یعنی جو دوسرے گڑھے میں اکٹھا ہے) پاک ہوگا، خلف بن ایوب اور نصیر بن یحیٰی نے ایسا ہی کہا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ جب دونوں جگہوں میں مسافت ہو تو وہ پانی جس کو پہلے نے استعمال کیا ہو اس پر دوسرا جاری پانی وارد ہوگا قبل اس کے کہ وہ دوسری جگہ جمع ہو، تو استعمال کا حکم ظاہر نہ ہوگا (یعنی ثابت نہ ہوگا) اور جب اُن دونوں کے درمیان مسافت نہ ہو تو وہ پانی جس کو پہلے نے استعمال کیا دوسرا جاری پانی کے وارد ہونے سے پہلے وہ دوسری جگہ اکٹھا ہو جائیگا تو مستعمل ہو جائیگا اور اب طاہر نہیں ہو سکتا ہے انتہی، اور یہ تمام اُس صورت میں ہے جب مستعمل پانی کو ناپاک قرار دیا جائے اھ (ت)

اقول حوض يكرى منه نهر فيجرى فيه ماء فيجتمع فى مكان اٰخر كيف يتصوّر هذا من دون مسافة بينهما نعم يمكن فى الحفرتين ان تكونا متجاورتين يكون خروج الماء من احدهما دخوله فى الاخرى۔

میں کہتا ہوں ایک ایسا حوض جس سے نہر نکالی جائے اور اس میں پانی چھوڑ دیا جائے، پھر وہ پانی دوسری جگہ جمع ہو جائے، یہ عمل دونوں میں مسافت کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ ہاں دونوں گڑھوں میں اس امر کا امکان ہے کہ قریب قریب ہوں، کہ ایک سے پانی نکلتے ہی دوسرے میں داخل ہوتا ہو۔ (ت)

فان قلت المراد مسافة فوق مايغمس فيها المتوضئ اعضاءه ليتحرك

اگر یہ کہا جائے کہ مسافت سے مراد ایسی مسافت ہے کہ جو وضوء کرنے والے کے اعضاء کے ڈوبنے

---

[1] حلیہ

علی الارض بعد انفصاله عن اعضائه فیأتی علیه ماء اٰخر قبل دخوله فی المکان الثانی۔

سے زائد ہو تاکہ پانی اس کے اعضاء سے جُدا ہونے کے بعد حرکت کرے، اور اس کے دوسری جگہ داخل ہونے سے پہلے دوسرا پانی اس پر آجائے۔ (ت)

اقول اذھو جار فلا یتاثر ولا یفتاق الی ان یجریه جار اٰخر فلو اجتمع من فورہ فی المکان الثانی لکان طهورا فالوجه ان لایجعل ھذا تقییدا ولا تاویلا بل بیانا لفائدۃ التصویر بکری النهر ویوجه بانه لولا ذلك لانقطع جریانه بدخوله فی بطن الثانی کما قدمنا تحقیقه ان الحرکة فی البطن سیلان لاجریان فیقع الوضوء فی الراکد فیفسد ثم البناء علی مسألة فرق الملاقی کما فعلنا فلا حاجة الی البناء علی مهجور لکن صاحب الحلیة مال الی التسویة ثم ذکر السراج مسألة المیزاب وعزاھا للشیخ الزاھد ابی الحسن الرستغفنی وقال فیها وھو یتوضؤ فیه اھ[1]

میں کہتا ہوں چونکہ وہ جاری ہے اس لیے متاثر نہ ہوگا اور نہ محتاج ہوگا اس بات کا کہ اسکو کوئی دوسرا جاری پانی جاری کرے اب اگر وہ فوراً ہی دُوسری جگہ جمع ہوجائے تو طہور ہوگا تو وجہ یہ ہے کہ اس کو قید نہ بنایا جائے اور نہ ہی اس کو تاویل قرار دیا جائے بلکہ وہ نہر کھودنے کے فائدے کا بیان ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا جاری ہونا دوسرے بطن میں داخل ہونے کے سبب منقطع ہوجاتا، جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی ہے کہ حرکت بطن میں سیلان کہلاتی ہے نہ کہ جریان، اور اس طرح وضو ٹھہرے ہوئے پانی میں ہوگا اور پانی فاسد ہوجائیگا، پھر ملاقی کے فرق کے مسئلہ پر اس کی بنا ہے جیسا کہ ہم نے کیا ہے، تو کسی مہجور و متروک چیز پر بنا کی حاجت نہیں، لیکن صاحبِ حلیہ کا میلان برابری کی طرف ہے، پھر سراج نے پرنالہ کا مسئلہ بیان کیا اور اس کو شیخ زاہد ابوالحسن الرستغفنی کی طرف منسوب کیا اور اس میں کہا" اور حالانکہ وہ اس میں وضو کررہا ہے اھ (ت)

اقول ای بالغمس وبه یتضح ما اجمل فی الفتح قال لان استعماله حصل حال جریانه والماء الجاری لایصیر مستعملا باستعماله ثم قال السراج ومن

میں کہتا ہوں یعنی وُہ اعضاء کو ڈبو کر وضو کررہا ہے اور اسی سے وہ چیز واضح ہوتی ہے جس کا انہوں نے فتح میں اجمال کیا ہے۔ فرمایا کہ اس کا استعمال پانی کے جاری رہنے کی صورت میں ہوا ہے اور جاری پانی

---

[1] بحرالرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

المشایخ من انکر ھذا القول وقال الماء الجاری انما لایصیر مستعملا اذا کان لہ مدد کالعین والنھر قال والصحیح القول الاول بدلیل مسألۃ واقعات الناطفی فذکر مسألۃ سد النھر من فوق قال فان ھناک لم یبق للماء مدد ومع ھذا یجوز التوضؤ بہ اھ[1]

کسی کے استعمال سے مستعمل نہیں ہوتا ہے، پھر سراج نے فرمایا" اور بعض مشایخ نے اس قول کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جاری پانی اس وقت مستعمل نہیں ہوتا ہے جبکہ اس کا سوتا ہو جیسے چشمہ یا نہر، فرمایا اور صحیح پہلا قول ہے، اس پر دلیل واقعات الناطفی کی عبارت ہے، پھر انھوں نے نہر کو بند کرنے کا مسئلہ ذکر کیا کہ اس صورت میں پانی کی مدد باقی نہ رہی لیکن اس کے باوجود اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

اقول ولاتنس ما قدمناہ (ہم نے جو پہلے ذکر کیا ہے اُسے نہ بھولیے۔ت) علامہ نے ردالمحتار میں اور مسائل سے اس قول دوم کی تائید کی فقال ویؤیدہ ایضا ما مرمن انہ لوسال دم رجلہ مع العصیر لاینجس خلافالمحمد[2] (فرمایا اور اس کی تائید یہ عبارت کرتی ہے کہ اگر کسی شخص کا خون پھلوں کے رس کے ساتھ جاری ہُوا تو نجس نہ ہوگا، اس میں محمد کا خلاف ہے اھ ت)

قلت المسألۃ فی الدرعن الشمنی وغیرہ وفی المنیۃ عن المحیط وفی الحلیۃ عن المجتبٰی وعن مختارات النوازل وھی مقیدۃ بأن کان العصیر لیسیل ولم یظھر فیہ اثرالدم کما نصوا علیہ قال وفی الخزانۃ (فذکرما قدمنا فی الاصل العاشر من مسألۃ اختلاط ماء الانائین فی الھواء اواجرائہ فی الارض قال ونظمھا المصنف فی تحفۃ الاقران قال وفی الذخیرۃ فذکر مامرفی العاشر عن الحسن بن ابی مطیع۔

میں کہتا ہوں مسئلہ دُر میں شمنی وغیرہ سے اور منیہ میں محیط اور حلیہ میں مجتبٰی سے اور مختارات النوازل سے ہے، اور یہ اس امر سے مقید ہے کہ عصیر بہ رہا ہو اور اس میں خون کا اثر ظاہر نہ ہو، جیسا کہ علماء نے صراحت کی ہے فرمایا، اور خزانہ میں ہے پھر اُنھوں نے وہ عبارت نقل کی جو ہم نے اصل عاشر میں ذکر کی یعنی دو برتنوں کا پانی جو ہوا میں آپس میں مل گیا یا زمین پر جاری کیا، فرمایا مصنف نے اس کو تحفۃ الاقران میں ذکر کیا فرمایا اور ذخیرہ میں ہے پھر وہ ذکر کیا جو فصل عاشر میں حسن ابن ابی مطیع سے ہے۔ (ت)

---

[1] البحرالرائق بحث الماء جاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶
[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

یہاں تک تائید قولِ دوم میں سات مسئلے ہوئے :

۱۔ حوض صغیر میں سے نہر کھود کر پانی بہا کر اُس میں وضو۔

۲۔ پرنالے میں پانی ڈلوا کر اس میں وضو۔

۳۔ نہر کا اوپر سے اُس کا مینڈھا باندھ دیا ہے اُس میں وضو۔

۴۔ شیرۂ انگور نچوڑ رہا ہے اور وہ جاری ہے کچھ خون اس میں ٹپک گیا جس کا اثر ظاہر نہ ہوا نجس نہ ہوگا۔

۵۔ پاک ناپاک برتنوں کے پانی ہوا میں ملا کر چھوڑے۔

۶۔ یا زمین میں بہائے دونوں پاک ہوگئے۔

۷۔ ناپاک زمین پر پانی بہایا یا تھ بھر بہ گیا زمین بھی پاک پانی بھی پاک۔

اقول ان سب سے صاف تر وہ مسئلہ ہے کہ برف پگھلا اور ایسے راستہ پر بہا جس میں گوبر وغیرہ نجاسات ہیں اگر نجاسات کا اثر اس میں ظاہر نہ ہوا اس سے وضو ہو سکتا ہے،

وھو ماقدمناہ فی الاصل العاشر عن المنحۃ عن الھدیۃ عن الخزانۃ وعن البزازیۃ وعن الخلاصۃ عن الفتاوٰی۔

یہ وہ ہے جو ہم پہلے اصل عاشر میں ذکر کر آئے ہیں منحہ سے، ہدیہ سے، خزانہ سے، بزازیہ سے، خلاصہ سے اور فتاوٰی سے۔ (ت)

شرح ہدیہ میں فرمایا :

ھذا مبنی علی عدم اشتراط المدد فی الماء الجاری[1] اھ۔

یہ اس بنا پر ہے کہ جاری پانی میں مدد کی شرط نہ ہو۔ (ت)

ثم اقول اولا ھذہ الفروع متوزعۃ علی انحاء منھا ماھو مؤید ولا شک وھی مسألۃ نھر سد من فوق والتی زدت ومنھا مالا تأیید فیہ اصلا وھما المسألتان الاولیان ولا ادری کیف اتفق الفریقان علی جعلھما مما لامدد لہ فانہ انما

پھر میں کہتا ہوں اوّلاً یہ فروع کئی قسم کی ہیں، بعض تو وہ ہیں جن کی تائید موجود ہے اور جس میں شک نہیں، اس میں وہ فرع ہے جس میں ایسی نہر کا ذکر ہے جس کو اوپر سے بند کر دیا گیا ہو اور اس کے ساتھ وہ اضافے جو میں نے کئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کی تائید بالکل نہیں ملتی ہے اور

---

[1] بحوالہ منحۃ الخالق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵

[ف۱] يتوضوء في النهر بين الحوضين او [ف۲] في الميزاب
ولا شك ان الحوض الاعلى والاداوة يمدان
ماءهما [ف۳] الا ترى كيف اتفقوا على الحاق
حوض الحمام بالماء الجاري اذا كان
الماء من الانبوب نازلا والغرف متداركا
وقد جزم به [ف۴] في الفتح ههنا كما رأيت و
نظيره ما قدمنا عن العلامة ش في
الاصل الرابع ان طهارة الدلو اذا افرغ
فيه ماء حتى سال مبني على عدم اشتراط
المدد ومنها ما للنزاع فيه مجال في ذوان
اومى الى التأييد فمن طرف خفي فان
[ف۵] الماء الممتزج في الهواء او [ف۶] الجاري على
الارض في الخامسة والسادسة يمده
الصب [ف۷] بل وكذلك في السابعة وان كان
لفظ الذخيرة صب عليها الماء فجرى
قدر ذراع لا حتى جرى كي يدل ظاهرا على
عدم انقطاع الصب الى هذه الغاية
فان الفاء وان لم تدل دلالة
حتى غيرانها لا تدل ايضا على الانقطاع
[ف۸] والاحتمال يقطع الاستدلال وكذلك
فرع العصير فان له مددا ما دام العصر
قائما فانقلت المسألة مرسلة فيشمل
ما اذا انقطع العصر قلت قالوا فيها و
العصير لبيل فالاستشهاد بها يتوقف
على كون السيلان الباقي بعد انقطاع

یہ پہلے دو مسئلے ہیں، اور میں نہیں سمجھتا کہ دونوں فریق
ان دونوں مسئلوں کو مدد نہ ملنے والے پانی سے بنا دینے پر کیونکر
متفق ہو گئے ہیں؟ کیونکہ وضو کرنے والا یا تو
نہر میں وضو کرے گا جو دو حوضوں کے درمیان ہے
یا پرنالہ سے کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ اوپر
والا حوض اور برتن دونوں پانی کو مدد پہنچاتے ہیں،
پھر مقامِ غور ہے کہ وہ حمّام کے حوض کو جاری پانی
سے لاحق کرنے پر کیوں راضی ہوئے جبکہ پانی
نالی کے ذریعہ اوپر سے اُتر رہا ہو اور چُلّو سے
مسلسل پانی لیا جا رہا ہو، اور فتح نے یہاں جزم کیا
جیسا کہ آپ نے دیکھا اور اس کی نظیر وہ ہے جو
ہم نے علامہ "ش" سے چوتھی اصل میں نقل کیا کہ
ڈول کی پاکی جب اس میں پانی بہایا جائے یہاں تک
کہ اس کے اوپر سے بہہ نکلے مدد کے شرط نہ ہونے
پر مبنی ہے اور ان فروع میں سے بعض وہ ہیں جن
میں نزاع کی گنجائش کافی ہے اور اس میں تائید کی طرف
ہلکا سا اشارہ ہے کیونکہ ہوا میں ملا ہوا پانی،
یا زمین پر جاری پانچویں چھٹی صورت میں اس کو
بہانا مدد دیتا ہے بلکہ ساتویں میں بھی ایسا ہی ہے
اگرچہ ذخیرہ کے الفاظ "صب علیہا الماء فجری قدر ذراع"
ہیں نہ کہ حتی جری، اگر حتی کہا ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ
بہانا اس غایت تک منقطع نہیں ہوا، کیونکہ فا "اگرچہ "حتی" کے مفہوم
پر دلالت نہیں کرتی تاہم وہ انقطاع پر بھی دلالت نہیں
کرتی اور جب احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال ختم
ہو جاتا ہے اور اسی طرح عصیر کی فرع کیونکہ اس کو

المدد جریانا وھو اول الکلام **فانقلت** نعم ھو جریان بالاتفاق الم تسمع ما نقل فی الفتح والتوشیح عن شارط المدد ان الماء الجاری انما لایصیر مستعملا اذا کان له مدد زاد السراج اما اذا لم یکن له مدد یصیر مستعملا اھ فقد سماہ جاریا **قلت** جعله فی حکم الراکد والمقصود الحکم فلا شك ان المراد بسیلان العصیر وجریان الماء ما لایقبل به اثر النجاسة ویطھر بعضه بعضا نعم قد یقال فی الخامسة والسادسة ان الامتزاج فی الھواء او علی الارض انما یکون بعد الصب فقدر ما یخرج بالصب یمتزج فیحصل المزج الاخیر بعد تمام الصب فلو لم یبق جاریا بعدہ نجس الممتزج الاخیر کله۔

اس وقت تک مدد ملتی رہتی ہے جب تک نچوڑنا برقرار رہتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مسئلہ تو مطلق ہے یہ اُس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ نچوڑنا ختم ہو جائے، اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ اس میں فقہاء نے فرمایا ہے اور عصیر بہہ رہا ہو تو اس سے استدلال اس امر پر موقوف ہے کہ باقی کا بہنا انقطاع مدد کے بعد جاری ہو اور یہی پہلی بات ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہاں یہ تو بالاتفاق جاری ہوتا ہے، کیا تم نے وہ نقل نہیں سُنی جو فتح اور توشیح میں مدد کے شرط کرنے والے سے منقول ہے کہ جاری پانی اس وقت مستعمل نہ ہوگا جبکہ اس کے لیے مدد ہو سراج نے اتنا اور اضافہ کیا کہ اگر اس کے لیے مدد نہ ہوئی تو وہ مستعمل ہو جائیگا اھ تو اس کو انھوں نے جاری ہی کہا، میں کہتا ہوں انھوں نے اس کو ٹھہرے ہُوئے کے حکم میں کیا ہے اور مقصود حکم ہے تو اس میں شک نہیں کہ عصیر کے بہنے اور پانی کے جاری ہونے سے مراد وہ ہے جو اثر نجاست کو قبول نہ کرے اور جس کا بعض حصہ بعض کو پاک کرے، ہاں پانچویں چھٹی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ہوا میں ملنا یا زمین پر جاری ہونا بہنے کے بعد ہی ہوگا تو جس قدر بہاتا ہوگا وہ مل جائے گا اور آخری ملنا مکمل بہانے کے بعد ہی متحقق ہوگا تو اگر وہ جاری نہ رہا اس کے بعد تو آخری ملنے والا مکمل طور پر نجس ہو جائے گا۔ (ت)

وثانیا الاشھر فی حد الجاری ما یذھب بتبنة والاظھر ما یعد جاریا کما فی الدر وھو الاصح کما فی البدائع و التبیین والبحر والنھر ولاشك انھما صادقان علی نھر سد من فوقه فانه یذھب بحزمة فضلا عن تبنة ولا یسوغ لاحد

اور ثانیاً جاری کی جو مشہور تعریف ہے وہ یہ ہے کہ جاری پانی وہ ہے جو تنکا بہا کرلے جائے اور اظہر یہ ہے کہ جس کو جاری سمجھا جائے جیسا کہ دُر میں ہے اور وہی صحیح ہے جیسا کہ بدائع، تبیین، بحر اور نہر میں ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دونوں تعریفات اُس نہر پر صادق ہیں جو اوپر سے

من اهل العرف ان يقول انه راكد فمن العجب بعد ذكره اختيار اشتراط المدد الا ان يقال ان الوضوء بغمس الاعضاء انما يكون فيما بعد السد منفصلا عنه لا فی الاجزاء الملاصقة له وما انفصل عن السد فله من فوقه مدد تأمل۔

وثالثا يظهر لی والله تعالٰی اعلم ان ليس جريان الماء الا حركته بطبعه فی فضاء وبقاؤه جاريا علی محل واحد هو الذی يحتاج الی المدد لان الجاری لا يقف فلو لم يمد لاخلی المحل وبالمدد يتجدد عليه امثاله فيستمر جاريا عليه مادام المدد غير ان الجريان دافع لاثر النجاسة عن الماء ما استمر جاريا لا رافع له عنه فلو جری الماء المتنجس بنفسه بان كان فی صبب سد مجراه ففتح ففاض لم يطهر ابدا بل لابد للطهارة من جريانه مع الطاهر فجريان الطاهر لا يحتاج الی المدد كنهر سد من فوقه و كما تری اذا اشتد المطر ووقف لا يزال الماء الواقع علی الارض والسطوح جاريا مدة بعده ولا يصح لاحد ان يقول وقف الواقع فور وقوف المطر وجريان النجس المطهر له يحتاج الی مدد من طاهر فليكن محمل

بند کر دی گئی ہو کیونکہ یہ تو پورا ایک گھٹا بہا کر لے جائے گی چہ جائیکہ تنکا اور اہل عرف میں سے کسی کو روا نہیں کہ وہ اس پانی کو ٹھہرا ہوا کہے، تعجب ہے کہ یہ بات ذکر کرنے کے بعد انہوں نے مدد کے شرط ہونے کو اختیار کیا ہے، تاہم یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اعضاء ڈبو کر وضو اسی پانی سے ہو سکتا ہے جو بندش کے بعد اس سے جدا ہو اس پانی میں نہیں ہو سکتا جس کے اجزاء بندش کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اور جو بندش سے جدا ہے اسکو اوپر سے مدد مل رہی ہے تأمل۔

اور ثالثًا، جو اللہ کے فضل سے مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پانی کے جاری ہونے سے فضا میں اس کی طبعی حرکت مراد ہے اور اس کا محل واحد پر جاری رہنا مدد کا محتاج ہے کیونکہ جو جاری ہے وہ ٹھہرے گا نہیں، تو اگر اس کو مدد نہ ملے تو وہ جگہ خالی ہو جائے گی اور مدد کی وجہ سے اس پر اس کے امثال کا تجدد ہوگا تو وہ اس پر جاری رہے گا جب تک مدد ملتی رہے گی، البتہ جریان پانی سے نجاست کے اثر کو دفع کرنے والا ہے جب تک کہ وہ جاری ہے اس سے رفع کرنے والا نہیں ہے تو اگر ناپاک پانی از خود جاری ہوا مثلاً کسی ڈھلوان میں تھا جو بند تھا پھر اس کو کھولا گیا تو وہ پانی جاری ہو گیا تو اس طرح وہ کبھی پاک نہ ہوگا بلکہ پاکی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پاک پانی کے ساتھ جاری ہو، تو پاک کا جاری ہونا مدد کا محتاج نہیں جیسے کوئی نہر کہ اوپر سے بند کر دی جائے، اور جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ شدید

القولین وباللّٰه التوفیق۔ بارش کے بعد چھتوں وغیرہ پر جمع شدہ پانی بہت دیر تک بہتا رہتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ گرنے والا پانی بارش کے ٹھہرنے کے فوراً بعد ٹھہر گیا اور ناپاک پانی کا بہنا جو اس کو پاک کردے، پاک پانی کی مدد کا محتاج ہے تو دونوں قولوں کا یہ محمل ہے و باللّٰه التوفیق۔ (ت)

ثم اقول هذا اذا کان الماء فی فضاء اما اذا کان فی جوف کحوض او ظرف فلابد مع ذلك من خروجه عنه لان الماء کان واقفا فیه والماء لایقف ما صادف منحدرا فدل وقوفه علی عدمه فاذا دخله ماء اٰخر فلابد فعه الی منحدر بل یعلیه الی فوق فلایکون جاریا الی ان یقطع العوائق بامتلاء المحل فیجد متسعا فینحدر فعند ذلك یصیر جاریا فمن اجل هذا شرط فیه مع الدخول الخروج فاذا کان حوض فی حوض والماء وراء الصغیر او ماؤه کان واقفا فیه لانعدام المنحدر فلا یجری مالم یخرج من الاعلی لما علمت اما اذا لم یکن الا فی الصغیر وورائه مسیل فدخل الطاهر وملأه وجعل الماء یخرج منه ویسیل فقد جری الی ان یصل الی ما یحاذیه من سطح الکبیر فیقف لانعدام المنحدر فما یدخل الیه بعده لایجریه بل یعلیه الی ان یملأ الاعلی ثم یفیض۔

پھر میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہے جبکہ پانی فضا میں ہو، لیکن پانی اگر کسی تہ میں ہے جیسے حوض یا برتن تو ضروری ہے کہ وہ اس برتن سے خارج بھی ہو کیونکہ پانی اس میں ٹھہرا ہوا تھا اور پانی اترتی ہوئی چیز سے متصل ہونے کے وقت ٹھہر نہیں سکتا ہے، تو اس کا ٹھہرنا اس کے عدم کی دلیل ہے تو اب جب اس میں دُوسرا پانی داخل ہوا تو اس کو ڈھلوان کی طرف دھکا نہیں دے گا بلکہ اس کو اوپر کی طرف بلند کرے گا تو وہ اس وقت تک جاری نہ ہوگا جب تک کہ وُہ رکاوٹوں کو محل کے پُر کرنے سے دُور نہ کردے، پھر وُہ کشادگی پائیگا اور اُترے گا اُس وقت وہ جاری ہوگا، اسی وجہ سے اس میں دخول کے ساتھ ہی خروج کی شرط بھی رکھی گئی ہے، تو جب ایک حوض دوسرے حوض میں ہو اور پانی چھوٹے حوض کے پیچھے ہو یا اس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو کیونکہ اس میں ڈھلوان موجود نہیں تو جب تک اوپر سے خارج نہ ہو جاری نہ ہوگا جیسا کہ آپ نے جانا اور اگر پانی صرف چھوٹے میں ہو اور اس کے پیچھے پانی کے بہنے کا راستہ ہو اور پاک اس میں داخل ہوگیا ہو اور اس کو بھر دیا ہو یہاں تک کہ پانی اُس میں سے بہہ کر نکل رہا ہو تو اب جاری ہوگا یہاں تک کہ بڑے حوض کی مقابل سطح تک جا پہنچے، اب ٹھہر جائیگا کیونکہ ڈھلوان موجود نہیں ہے

2 تو اب اس کے بعد جو آئے گا وہ اس کو جاری نہ کرے گا بلکہ اس کو بلند کرے گا یہاں تک کہ اُوپر والے کو بھر دے گا پھر بہے گا۔ (ت)

ثم اقول ھذا کلہ فی الجریان الحقیقی اما ما الحقوا بہ کحوض صغیر للحمام اوللوضوء ید خل فیہ الماء من الانابیب والمیازیب ویخرج بالغرف المتدارك والبئر ینبع فیھا الماء من تحت ویخرج بالاستقاء المتوالی اویفتح منفذ فیھا ان امکن کما مر[علہ] عن الھندیۃ عن الظھیریۃ وعن المنحۃ عن الخیر الرملی وفی البحر عن البدائع عن الامام الحسن بن زیاد عند تکرار النزح ینبع الماء من اسفلہ ویؤخذ من اعلاہ فیکون کالجاری[1] اھ وھو عندی محمل مافی الحلیۃ عن الامام محمد قال اجتمع رأیی ورأی ابی یوسف علی ان ماء البئر فی حکم الماء الجاری لانہ ینبع من اسفل ویؤخذ من اعلاہ فلا یتنجس بوقوع النجاسۃ فیہ[2] اھ ونقلہ فی العنایۃ بلفظ قال محمد الخ ثم رأیت الامام ملك العلماء نقلہ فی البدائع بعین لفظ الحلیۃ وذکر تمامہ کحوض الحمام

پھر میں کہتا ہوں یہ سب بحث جریان حقیقی میں ہے، لیکن فقہاء نے اس کے ساتھ جس کو لاحق کیا ہے جیسے چھوٹا حوض نہانے کے لیے یا وضو کے لیے جس میں پانی نلوں یا پرنالوں سے آتا ہے اور مسلسل چُلّو بھرنے سے نکلتا ہے، اور یا وہ کنواں جس میں نیچے پانی کے سوتے ہیں اور مسلسل بھرنے سے وہ پانی نکلتا رہتا ہے یا اس میں کوئی سوراخ کھول دیا گیا ہے اگر ممکن ہو، جیسا کہ ہندیہ سے ظہیریہ سے اور منحہ سے خیر رملی سے گزرا، اور بحر میں بدائع سے امام حسن بن زیاد سے منقول ہے کہ پانی بار بار نکالا جائے تو نیچے سے نکلتا ہے اور اوپر سے لے لیا جاتا ہے، تو یہ مثل جاری کے ہوگا اھ اور میرے نزدیک یہ اس چیز کا محل ہے جو حلیہ میں امام محمد سے منقول ہے، انھوں نے فرمایا میری اور ابو یوسف کی یہ رائے ہے کہ کنویں کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے کیونکہ وہ نیچے سے نکلتا ہے اور اوپر سے لے لیا جاتا ہے تو اس میں نجاست کے گرنے سے نجس نہ ہوگا اھ اور عنایہ میں اس کو "قال محمد" کے لفظ سے ذکر کیا الخ پھر بدائع میں اس کو بعینہٖ انہی الفاظ میں ذکر کیا جو حلیہ کے ہیں فرمایا

علہ نشر علی ترتیب اللف ۱۲ (م) — اجمال کی ترتیب پر تفصیل ہے۔ (ت)

---

[1] بحوالہ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] ایضاً ۱/۷۵

اذا کان یصب الماء فیہ من جانب و یغترف من جانب اٰخر انہ لاینجس بادخال الید النجسۃ فیہ اھ[1] وکذلک فی الفتح الی قولہ کحوض الحمام اھ[2] فاکد ذلک ما ذکرتہ من المحمل۔

جیسے حمام کا حوض کہ اس میں ایک جانب سے پانی ڈالا جائے اور دوسری جانب سے چُلّو کے ذریعہ نکالا جائے تو ناپاک ہاتھ کے ڈالے جانے سے نجس ہوگا اھ اور اسی طرح فتح میں "کحوض الحمام" تک ہے اھ تو اِس نے تاکید کردی اُس محمل کی جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

اقول وعند ھذا فھو فرع جید مقبول ولاوجہ لردہ کما یعطیہ کلام الحلیۃ تبعا للبدائع انہ کان القیاس فی البئر ان لاتنجس اصلا کما نقل عن محمد اولا تطھر ابدا کما قالہ بشر المریسی الا ان اصحابنا ترکوا القیاسین بالاٰثار ھذا حاصل مافیھما حملا منھما ایاہ علی الاطلاق ولیس الاولی بنا ان نرد ما جاء عن الائمۃ مع وجود محمل لہ صحیح فقد تظافرت کلماتھم علی قبول ھذا المعنی فی الحوض الصغیر فلو لا یقبل فی البئر ولا تخالفہ الا فی ھیأۃ ولامدخل لھا فی الحکم فکل صغیر سواء اوان الماء یدخل فیہ من اعلاہ وفیھا من اسفلھا ولا یختلف بہ الحکم فقد قال فی الفتح لو تنجست بئر فاجری ماؤھا بان حفر لھا منفذ فصار الماء یخرج

میں کہتا ہُوں اور اس وقت یہ اچھی فرع ہے مقبول ہے، اور اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں جیسا کہ حلیہ میں بدائع کی تبعیت میں ہے کہ کنویں میں قیاس یہ تھا کہ کبھی ناپاک نہ ہو جیسا کہ محمد سے منقول ہے یا یہ کبھی پاک نہ ہو جیسا کہ بشر مریسی سے منقول ہے، مگر ہمارے اصحاب نے دونوں قیاسوں کو آثار کی وجہ سے ترک کردیا، یہ اُن دونوں کتابوں کا حاصل ہے کہ انھوں نے اس کو اطلاق پر محمول کیا ہے، اور جو چیز ائمہ سے منقول ہو اور اس کا مناسب محمل بھی موجود ہو تو اس کو رَد کردینا مناسب نہیں، کیونکہ چھوٹے حوض میں وہ اس حکم کو قبول کرتے ہیں تو پھر اس کو کنویں میں کیوں نہ قبول کیا جائے حالانکہ کنواں چھوٹے حوض سے صرف صورت میں مختلف ہے یا صورت کا حکم میں کیا دخل ہے؟ ہر چھوٹا برابر ہے، اور یہ کہ حوض میں پانی اوپر سے آتا ہے اور اس میں نیچے سے آتا ہے، تو اس سے حکم مختلف نہ ہوگا، چنانچہ

---

[1] بحوالہ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

[2] فتح القدیر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۶

منه حتى خرج بعضه طهرت لوجود سبب الطهارة وهو جريان الماء وصار كالحوض اذا تنجس فاجرى فيه الماء حتى خرج بعضه اھ[1] واغترف منه فى البحر واقره وفى الدر يكفى نزح ما وجد وان قل و جريان بعضه اھ[2] قال ش بان حفر لها منفذ يخرج منه بعض الماء كما فى الفتح[3] اھ وقدمنا فى الاصل الثالث عن البحر فى مسألة جريان الحوض الصغير بدخول ماء اٰخر فيه وخروج البعض منه حال دخوله قال السراج الهندى وكذا البئر اھ[4] ومثله فى البزازية وقدمناه عن الخلاصة فلولا انهم اعتبروا نبع الماء من اسفله لم يكن له معنى فان الجريان دافع لارافع فالنجس لايطهر به ابدا مالم يجر مع الطاهر هذا وبالجملة فكل ما الحق بالجارى على هذا المنوال اعنى اقامة الاخراج مقام الخروج فقد زيد فيه قيد اٰخر وهو توالى الاخراج واستمرار تحركه به حتى لو سكن لم يلتحق وذلك لان لازم الجريان شأن تعاقب الاجزاء

فتح میں فرمایا کہ اگر کنواں ناپاک ہوجائے اور اس کا پانی جاری کیا جائے مثلاً اس میں کوئی سوراخ کردیا جس سے کنویں کا کچھ پانی نکل گیا تو کنواں پاک ہوگیا، کیونکہ سببِ طہارت پایا گیا اور وہ پانی کا جاری ہونا ہے اور یہ حوض کی طرح ہُوا کہ ناپاک ہوجائے اور اس میں پانی جاری کیا جائے یہاں تک کہ کچھ پانی نکل جائے اھ اس کو بحر میں ذکر کیا اور برقرار رکھا اور دُر میں ہے کہ جو پانی اس میں ہے اس کا نکال دینا کافی ہے خواہ کم ہی ہو اور جاری ہونا بعض کا اھ "ش" نے کہا کہ مثلاً کنویں میں کوئی سوراخ کردیا جس سے کچھ پانی نکال دیا جیسا کہ فتح میں ہے اھ اور ہم نے تیسری اصل میں بحر سے چھوٹے حوض کے جاری ہونے کے مسئلہ میں بیان کیا کہ اس میں نیا پانی داخل ہو اور اس کے داخل ہوتے وقت کچھ اس سے خارج ہو، سراج ہندی نے کہا کہ اسی طرح کنویں کا حال ہے اھ اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے اور ہم نے اس کو پہلے خلاصہ سے نقل کردیا ہے تو اگر وہ پانی کے نیچے سے پھُوٹنے کا اعتبار نہ کرتے تو یہ بے معنی بات ہوتی کیونکہ جاری ہونا دافع ہے رافع نہیں تو جب تک وہ نجس طاہر کے ساتھ جاری نہ ہو کبھی بھی پاک ہونے کا نہیں، اس کو اچھی طرح سمجھئے خلاصہ

---

[1] فتح القدیر آخر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۹۳/۱
[2] الدر المختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۹۳/۱
[3] رد المحتار " مصطفی البابی مصر ۱۶۰/۱
[4] بحر الرائق بحث عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۸/۱

يزول منه جزء فيخلفه آخر وعدم الاستقرار بدوام التحرك فاذا دخل الماء في الحوض والبئر من جانب واخرج من آخر بالغرف والاستقاء وجد الاول واذا استمر ذلك حصل الثاني فتم الشبه فساغ الالتحاق ولذا اعتبروا تدارك الغرفات بان لايسكن وجه الماء بين الغرفتين لا الموالاة الحقيقية اذ بهذا القدر يحصل دوام التحرك المحصل للشبه هذا ما عندي والله سبحٰنه وتعالیٰ اعلم۔

یہ کہ ہر وُہ پانی جس کو جاری کے حکم میں کیا گیا ہے اور اس میں اخراج کو خروج گردانا گیا ہے تو اس میں ایک اور قید کا اضافہ کیا گیا ہے اور وُہ تسلسل کے ساتھ اخراج کی قید ہے اور اس کی وجہ سے اس کا مسلسل متحرک رہنا، اور اگر وُہ ٹھہر گیا تو جاری کے حکم میں ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جاری ہونے کو دو چیزیں لازم ہیں ایک تو اجزاء کا تعاقب کہ ایک جزء زائل ہو اور دُوسرا جزء اس کے پیچھے آئے، اور مسلسل حرکت کی وجہ سے ایک جگہ نہ ٹھہرنا، تو جب حوض اور کنویں میں پانی ایک طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف سے چلّوؤں اور ڈولوں یا نالیوں کے ذریعہ نکالا جائے تو پہلی چیز حاصل ہوگی اور یہ سلسلہ جاری رہے تو دوسری چیز حاصل ہوگی اور مشابہت مکمل ہوجائیگی اور اس کا الحاق کیا جانا جائز ہوگا اور اس کے لیے چلّوؤں کا پے درپے ہونا معتبر ہوگا، اور پے درپے کا مطلب ہے کہ دو چلّوؤں کے درمیان پانی میں ٹھہراؤ نہ آئے حقیقی موالات مراد نہیں ہیں کیونکہ اس مقدار سے تحرک کا دوام حاصل ہوجاتا ہے جس سے مشابہت پوری ہوتی ہے ھذا ما عندی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم ۔ (ت)

اس تقریر سے واضح ہوا کہ ندی[1] کا پانی جس کا مینڈھا اوپر سے باندھ دیا ہو اور[2] کھلا ہوا برف کہ زمین پر بہ رہا ہو اور[3] مینہ کا پانی کہ بارش تھمنے پر ہنوز رواں ہو اور[4] دو پانیوں کی دھار جو ہوا میں مل کر اُتر رہی ہے یا[5] زمین پر ایک ہوکر بہ رہی ہے اور[6] انگور کا شیرہ کہ ابھی رواں ہے اگرچہ ان کی مدد منقطع ہوگئی ہو جب تک کسی ایسی شے تک نہ پہنچیں جو آگے مرور کو مانع ہو سب جاری ہیں تو لوٹے کی دھار کہ ابھی ہاتھ تک نہ پہنچی بدرجہ اولیٰ اور دخول وخروج دونوں کی شرط اُس مائع میں ہے جو کسی جوف میں رُکا ہوا ہے اور پانی ایک طرف سے آنا اور دوسری طرف سے جلد جلد کھینچا جانا کہ جنبش تھمنے نہ پائے یہ ملحق بآب جاری ہیں ہے

والحمد للہ علی توالی آلائہ وافضل صلوٰتہ واکمل تسلیمات علی افضل انبیائہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ واحبائہ والحمد للہ رب العٰلمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

تجدید النظر بوجہ اٰخر، وابانۃ ماھو احلی وازھر، واجلی واظھر۔

ایک اور طریقہ سے نظرِ ثانی، اور عمدہ، روشن اور اظہر طریقہ پر وضاحت

اللّٰھم لک الحمد، والیک الصمد، ارعبیدک الصواب، وقہ التباب، فی کل باب، یاوھاب، وصلّ وسلّم وبارک علی السید الاواب، الذی تحکی نفحۃ من کرمہ الریح المرسلۃ ورشحۃ من فیضہ ھامرالسحاب، وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ خیر حزب واٰل واصحاب، اٰمین۔

اے اللہ تیرے لیے یہ حمد ہے اور تُو بے نیاز ہے، اے وہاب! اپنے بندوں پر ہر معاملہ میں اچھا راستہ کھول اور ہلاکت سے بچا، اور صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہوں رجوع لانے والے آقا پر جس کے کرم کا ایک جھونکا چلتی ہُوئی ہوا کے مشابہ ہے اور جس کے فیض کا ایک چھینٹا بہت برسنے والے بادل کی طرح ہے اور آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور گروہ سب پر سلامتی ہو، آمین۔ (ت)

جماہیر مشاہیر کتب معتمدہ متداولہ مستندہ کی تصریحات واضحہ وتلویحات لائحہ کا یہی مفاد کہ جو پانی یا مائع کسی جوف میں ہو تازہ آمد کتنی ہی ہوا سے جاری نہ کرے گی جب تک ہر کر اُبلے حوض وغیرہ کے بطن میں پانی کا بہنا اُس کے پانی کے لیے جریان نہیں کتب کثیرہ سے فروع متکاثرہ وتصریحات متوافرہ اس معنی پر جوابات سابقہ میں گزریں، جواب سوم کے بعض احکام اور آخر چہارم کی تقریر اور پنجم کے اکثر مباحث اسی پر مبنی تھے اور اصل سوم تو خود یہی تھی اور یہی اصل پنجم کی تمہید اور ششم کا حصّہ اولیں اور نہم کا اول و اخیر پھر تفریعات میں جو کچھ ان پر متفرع ہے لیکن یہاں ایک قول یہ ہے کہ جریان کے لیے خروج شرط نہیں، حوضِ کبیر جس کی تہ میں نجاستیں یا نجس پانی تھا مجرد بھر جانے سے پاک ہوجائیگا منیہ میں اگرچہ اس قول کو بصیغہ ضعف نقل کیا کہ وقیل لایصیر نجسا (اور ایک قول یہ ہے کہ نجس نہیں ہوگا۔ ت) اور حلیہ میں اُس کا ضعف اور مستبعد کر دیا کہ اس کی کچھ وجہ ظاہر نہیں غنیہ میں اس کے خلاف کی تصریح تصحیح کی امام ابوالقاسم صفار و امام فقیہ ابوجعفر و امام فقیہ ابواللیث و امام صدر شہید و امام ابوبکر اعمش و امام علی سغدی و امام نصیر بن یحیٰی و امام خلف بن ایوب وغیرہم اجلّہ اکابر قدست اسرارہم ورحمنا اللہ تعالٰی بہم فی الدارین کے ارشادات واختیارات اور ظہیریہ[۱۳] وملتقی[۱۴] ومحیط برہانی[۱۵] ورضوی وغنیہ کی تصحیحات اس کے خلاف پر ہیں ان کتابوں اور ان کے سوا بدائع[۱۶] وفتح القدیر[۱۷] وتبیین[۱۸] وتوشیح[۱۹] وبحر[۲۰] وتاتارخانیہ[۲۱] وخانیہ[۲۲] وخلاصہ[۲۳] وذخیرہ[۲۴] وفتاوٰی اہل سمرقند[۲۵] وغیاثیہ[۲۶] وعلمگیریہ[۲۷] وخزانۃ المفتین[۲۸] وجواہر اخلاطی[۲۹] وشرح ہدیہ ابن العماد[۳۰] وغیرہا عامہ کتب جلیلہ نے فروع

کثیرہ وافرہ میں اصلاً اس کی طرف التفات بھی نہ کیا یہ امور بتاتے ہیں کہ وہ قول مہجور جمہور و نامقبول و نامنصور ہے ولہٰذا ہم نے بھی باتباع ائمہ اُس کی طرف میل نہ کیا مگر انصافاً وہ ساقط محض نہیں بجائے خود ایک قوت رکھتا ہے متعدد مشایخ اور کثیر یا اکثر فقہائے بخارا و بعض ائمہ بلخ نے اُسے اختیار کیا اور امام یوسف ترجمانی نے اسے بہ یفتی کہا۔ امام کردری نے وجیز میں اسے مقرر رکھا اور یہ آکد الفاظ فتوٰی سے ہے منیہ کی عبارت کہ ابھی مذکور ہوئی اس کے متصل ہی ہے:

حوض کبیر وفیه نجاسات فامتلأ قیل هو نجس وقیل لیس بنجس وبه اخذ اکثر مشایخ بخاری رحمهم اللّٰه تعالٰی ذکره فی الذخیرة۔[1]

حوض کبیر جس کی تہہ میں نجاستیں ہوں پھر وہ بھر جائے تو ایک قول کے مطابق نجس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نجس نہیں بخارا کے اکثر مشائخ (اللہ ان پر رحم کرے) نے اسی کو اختیار کیا ہے اس کو ذخیرہ میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

غنیہ میں قولِ اوّل کی تعلیل کی،

لتنجس الماء شیأ فشیأ۔[2]

کیونکہ پانی تھوڑا تھوڑا کرکے نجس ہوتا جاتا ہے۔ (ت)

اور دوم کی:

لکونه کبیرا فصار کما لوکان ممتلئا فوقعت فیه النجاسات۔[3]

کیونکہ یہ بڑا حوض ہے تو اسی حکم میں ہوگا کہ پہلے وہ بھر گیا ہو پھر اس میں نجاستیں واقع ہوئی ہوں۔ (ت)

حلیہ میں ذخیرہ کا نص یُوں ذکر کیا:

وفی نظم الزندویسی اذا کان الحوض کبیرا وفیه نجاسات فدخل الماء فامتلأ قال اهل بلخ و ابو سهل الکبیر البخاری هو نجس وقال الفقیه ابو جعفر البلخی و الفقیه اسمٰعیل وابن الحسن الزاهدی البخاری الکل طاهر وبه اخذ کثیر من

اور نظم زندویسی میں ہے کہ جب حوض بڑا ہو اور اس میں نجاسات ہوں، پھر پانی داخل ہوکر اس کو بھردے تو بلخ والوں اور ابو سہیل کبیر بخاری کا قول ہے کہ یہ نجس ہے اور فقیہ ابو جعفر البلخی، فقیہ اسمٰعیل اور ابن الحسن الزاہدی البخاری نے کہا کہ سب پاک ہے اور اس قول کو بخارا کے کثیر فقہائے نے

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۷۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

[3] ایضاً

فقہاء بخاری وھکذا افتی عبدالواحد مرارا وھکذا کان یفتی الفقیہ ابوبکر العیاضی وکان یقول الماء الکثیر فی حکم الماء الجاری انتہی[1]

اختیار کیا ہے، اور عبدالواحد نے بھی اس پر کئی بار فتوٰی دیا اور ابوبکر عیاضی بھی اسی طرح فتوٰی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کثیر پانی جاری پانی کے حکم میں ہے انتہی۔ (ت)

پھر فرمایا:

ونقل الزاھدی عن یوسف الترجمانی انہ قال وبہ یفتی[2]

زاہدی نے یوسف الترجمانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

تنجس الحوض ثم دخل فیہ ماء کثیر وخرج منہ ایضا قیل طھر الحوض وان قل الخارج وقیل لاحتی یخرج مثل ما فیہ وقیل مثلاہ اوثلثۃ امثالہ وقیل یطھر وان لم یخرج شیئ قال یوسف الترجمانی رحمہ اللہ تعالٰی وبہ یفتی اھ[3]

حوض ناپاک ہوگیا پھر اس میں بہت سا پانی داخل ہوگیا اور نکل گیا تو ایک قول ہے کہ حوض پاک ہوگیا خواہ نکلنے والا پانی کم ہی ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جب تک اتنا پانی نہ نکلے جتنا کہ حوض میں تھا پاک نہ ہوگا جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جب تک حوض کا دوگنا یا تین گنا پانی نہ نکلے پاک نہ ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ پاک ہوجائے گا خواہ کچھ بھی نہ نکلے، یوسف الترجمانی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

اقول تفرد بشیأین احدھما قید الکثیر فی الماء الداخل وھم قاطبۃ ارسلوہ وقال ش وان قل الداخل اھ[4] وکانہ واللہ تعالٰی اعلم رعایۃ للقول الاخیر اذ یختص بالحوض الکبیر فدل علی کبرہ بدخول الماء الکثیر والاٰخر زیادۃ

میں کہتا ہوں وہ دو چیزوں میں متفرد ہیں ایک تو داخل ہونے والے پانی میں کثرت کی قید لگانے میں، جبکہ تمام فقہاء نے یہ قید نہیں لگائی ہے اور "ش" نے فرمایا اگرچہ داخل ہونے والا پانی قلیل ہو اھ اور گویہ واللہ تعالٰی اعلم آخری قول کی رعایت ہے کیونکہ یہ بڑے حوض کے ساتھ خاص ہے

---

[1] حلیہ

[2] حلیہ

[3] بزازیہ علی الھندیۃ نوع فی الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸

[4] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

مثلیہ وانما یذکرون مثلا وثلاثا فالثانی
لتثلیث الغسل والاول قیاسا علی البئر
فان نزح ما فیہا لہا تطہیر افادہ فی البدائع
اما التثنیة فلا وجہ لہا ھذا ثم قال فی
الحلیة لکن فی الذخیرة قبل ھذہ
المسألة وفی فتاوی اھل سمرقند
غدیر کبیر لا یکون فیہ ماء فی الصیف
ویروث فیہ الناس والدواب (فذکر
ما قدمنا عن الخانیة وغیرھا عشرة
کتب فی الاصل الثامن) قال فعلی قیاس
الجواب فی ھذہ المسألة یکون الجواب
ایضا فی المسألة التی ذکرھا المصنف ان کان
الماء الذی یدخل اولا یدخل علی ماء
نجس او مکان نجس فھو نجس وان کان
یدخل علی طاھر ویستقر فیہ حتی یصیر
عشرا فی عشر ثم یتصل بالنجس فھو طاھر
قال فھذا قول ثالث فی المسألة
المذکورة تخریجا کما یمکن ان یتأتی
القولان المذکوران فیہا نصا فی ھذہ
المسألة التی ذکرناھا نحن عن الذخیرة
ایضا تخریجا اھ[1]

تو کثیر پانی کا داخل ہونا حوض کی بڑائی پر دلالت
کرے گا اور دوسری چیز دگنا ہونے کی زیادتی، اور
دوسرے فقہا ایک گنا اور تین گنا کا ذکر کرتے ہیں،
تو دوسرا دھونے میں تثلیث کے لیے ہے اور پہلا
کنویں پر قیاس کرتے ہوئے ہے، کیونکہ کنویں میں
جو کچھ ہے وہ اگر نکال لیا جائے تو کنواں پاک ہوجائیگا'
بدائع میں یہی ہے، اور دگنا ہونے کی کوئی معقول
وجہ موجود نہیں، ہذا۔ پھر حلیہ میں فرمایا "اور لیکن
ذخیرہ میں اس مسئلہ سے قبل اور اہل سمرقند کے
فتاوٰی میں ہے کہ اگر کوئی بڑا تالاب ایسا ہو جو
گرمیوں میں سُوکھ جاتا ہو اور اس میں انسان اور
چوپائے بول و براز کرتے ہوں (تو اس کا حکم وہ بیان
کیا جو ہم نے آٹھویں اصل میں خانیہ وغیرہا
دس کتب سے نقل کیا) فرمایا اس مسئلہ کے جواب
پر قیاس کرتے ہُوئے مصنف نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے
اس کا بھی جواب ہوگا، اور وُہ یہ کہ اگر داخل ہونے
والا پانی پہلے نجس پانی پر داخل ہوتا ہے یا نجس جگہ
پر تو وہ نجس ہے اور اگر پاک پر داخل ہوتا ہے اور
اس میں ٹھہرتا ہے یہاں تک کہ وہ دَردہ ہوجائے
پھر نجس سے متصل ہو تو وہ پاک ہے فرمایا یہ مسئلہ
مذکورہ میں بطور تخریج تیسرا قول ہے اور دو مذکور قول
اس میں بطور نص ہیں جس کو ہم نے ذخیرہ سے بطور تخریج نقل کیا ہے اھ (ت)

اقول رحم اللہ المحقق لا تثلیث

میں کہتا ہوں اللہ محقق پر رحم کرے نہ تو

---

[1] حلیہ

ف ۱
ولا تخریج اما الثانی فظاهر فان المسألة
المذکورة مسألة المتن حوض کبیر وفیه
نجاسات فامتلأ والتی اوردتموها عن
الذخیرة غدیر کبیر لا یکون فیه ماء فی
الصیف ویروث فیه الناس والدواب و
ای فرق بینهما الا فی اللفظ فلا قیاس ولا
تخریج بل القولان المذکوران فی المتن
منصوص علیهما فی مسألة الذخیرة والتفصیل
المذکور فیها منصوص علیه فی مسألة المتن
ف ۲
واما الاول فلانه لیس لاحد ان یقول الماء
وان کثر فی بطن الحوض قبل وصوله
الی النجس یتنجس حین یصل الیه وکیف
یتنجس وقد فرض کثیرا هذا خلاف الاجماع
فالتفصیل المذکور فی الذخیرة هو
المراد قطعا فی القول الاول وانما طووا ذکره
للعلم به کما قلتم ههنا ان من المعلوم حیث
قلنا فی هذه المسألة او امثالها ان الماء
طاهر فهو مشروط بکونه لا اثر للنجاسة
فیه فترک التقیید به فی ذلک للعلم به و
وایاک والذهول عنه فیذهب بک الوهم
الی تخطئتهم فی ذلک وهم من ذلک براء[۱]
ف ۳
اھ فهل یسوغ لاحد ان یجعل التقیید
بعدم ظهور الاثر قولا رابعا فی المسألة
وقد اشرنا الیه بعد ذکر الضابط الثالث
فما ثم الا قولان التفصیل المذکور

تثلیث ہے اور نہ تخریج، دوسرا تو ظاہر ہے کیونکہ مسئلہ
مذکورہ متن کا مسئلہ ہے کہ ایک بڑا حوض ہو جس میں
نجاستیں ہوں اور بھر جائے، اور جس کو تم نے ذخیرہ
سے نقل کیا ہے یعنی بڑا تالاب جو گرمیوں میں خشک
ہو جاتا ہے اور اس میں انسان اور جانور بول و براز
کرتے ہوں، ان دونوں میں لفظی فرق کے علاوہ اور
کیا فرق ہے، تو نہ قیاس ٹھیک ہے اور نہ تخریج
درست ہے بلکہ دونوں قول جو متن میں مذکور ہیں اور
ان کو ذخیرہ میں صراحت سے ذکر کیا ہے اور اس میں
جو تفصیل ہے وہ متن میں منصوص ہے لیکن پہلا تو
اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا جبکہ
پانی حوض میں کثیر ہو نجس تک پہنچنے سے پہلے، تو وہ نجس
ہو جائیگا جب وہ نجاست تک پہنچے گا،
اور نجس کیسے ہوگا حالانکہ اس کو کثیر فرض کیا گیا ہے
یہ اجماع کے خلاف ہے تو جو تفصیل ذخیرہ میں ہے
وہی قطعاً مراد ہے پہلے قول میں اور اس کو ذکر
اس لیے نہیں کیا کہ وہ پہلے ہی معلوم ہے، جیسا
کہ تم نے یہاں کہا ہے کہ یہ بات معلوم ہے جبکہ ہم
نے اس مسئلہ میں اور اس جیسے مسائل میں کہا کہ
پانی پاک ہے، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ نجاست
کا اثر اس میں ظاہر نہ ہو تو اس قید کو معلوم ہونے
کی بنا پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس سے آپ غافل
نہ ہوں ورنہ آپ ان کو خطا کار قرار دیں گے حالانکہ
وہ بے قصور ہیں اھ تو کیا کوئی اثر کے ظاہر نہ ہونے
کی قید لگانے کو چوتھا قول قرار دے سکتا ہے

---

[۱] حلیہ

فی الکتب العشرۃ واطلاق الطھارۃ و باللہ التوفیق۔

اور ہم نے تیسرے ضابطہ کے بعد اس کی طرف اشارہ کیا ہے، تو وہاں صرف دو ہی قول ہیں مذکورہ تفصیل دسوں کتب میں ہے اور طہارت کا اطلاق ہے۔ (ت)

ثم اقول و بہ استعین (اللہ سے مدد چاہتے ہوئے میں کہتا ہوں) یہاں دو بحثیں ہیں:

بحث اول ہم اوپر بیان کر آئے کہ جریان آب نہیں مگر فضا میں اس کا اپنے میل طبعی سے رواں ہونا اور فضائے غیر محدود غیر مقصود اور محدود و لطیف حوض میں بھی موجود بارش یا سیل وغیرہ کا پانی کہ اوپر سے بہتا ہوا آیا اور لطیف حوض میں داخل ہوا وہ قطعاً اب بھی بہ رہا ہے جب تک کنارۂ مقابل پر جاکر رک نہ جائے۔

اولاً جاری کی دونوں تعریفیں اشہر و اظہر اس پر صادق ہیں وہ ایک تنکا کیا ایک گٹھا بہالے جائیگا اور بے شک جب تک اُس کا بہاؤ نہ ٹھہرے بہتا ہی کہا جائیگا اہل عرف میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سیلاب حوض کے کنارے تک پہنچتے ہی تھم گیا اب اس میں روانی نہ رہی جب تک بھر کر اُبال نہ دے پہلے کنارے پر تھم جائے تو حوض کو بھرے کون اور اُبالے کیوں کر۔

ثانیاً نہر جاری میں سیلاب کی دھار آکر گری اب چاہئے کہ وہ نہر جاری نہ رہے جب تک بھر کر اُبل نہ جائے کہ اعتبار روئے آب کا ہے اور اب روئے آب یہ سیلاب ہے جسے جوف نہر میں داخل ہوتے ہی ساکن مان لیا گیا۔

ثالثاً مینہ کا پانی کہ چھت پر بہتا پرنالوں سے گرتا صحن خانہ میں رواں ہو قطعاً آب جاری ہے اگرچہ ابھی مکان کی نالی سے بھی نہ نکلے مکان کو چھت تک لبریز کرکے دیواروں پر سے اُبال دینا تو قیامت ہے، بدائع میں ہے:

ان کانت الانجاس متفرقۃ علی السطح ولم تکن عند المیزاب ذکر عیسٰی بن ابان (ای تلمیذ محمد رحمھما اللہ تعالٰی) انہ لایصیر نجسا مالم یتغیر و حکمہ حکم الماء الجاری وقال محمد ان کانت النجاسۃ فی جانب من السطح او جانبین لاینجس الماء و یجوز التوضؤ بہ وان کانت فی ثلثۃ جوانب ینجس اعتبارا

اگر نجاستیں چھت پر پراگندہ ہوں اور پرنالہ کے پاس نہ ہوں، تو عیسٰی بن ابان نے ذکر کیا (یعنی محمد کے شاگرد نے) کہ وہ نجس نہ ہوگا جب تک کہ متغیر نہ ہو اور اس کا حکم جاری پانی کی طرح ہے اور محمد نے فرمایا کہ اگر نجاست چھت کی ایک جانب یا دو جانب ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اس سے وضوء جائز ہے اور اگر نجاست تین کناروں پر ہو تو غالب کا اعتبار کرتے ہوئے پانی

للغالب[1] اھ — ناپاک ہوجائیگا اھ (ت)

ہندیہ میں ہے:

لوکان علی السطح عذرۃ فوقع علیہ المطر فسال المیزاب ان کانت النجاسۃ عند المیزاب وکان الماء کلہ یلاقی العذرۃ او اکثرہ او نصفہ فھو نجس والا فھو طاھر وان کانت العذرۃ علی السطح فی مواضع متفرقۃ ولم تکن علی رأس المیزاب لایکون نجسا وحکمہ حکم الماء الجاری کذا فی السراج الوھاج وفی بعض الفتاوی قال مشایخنا المطر مادام یمطر فلہ حکم الجریان حتی لو اصاب العذرات علی السطح ثم اصاب ثوبا لایتنجس الا ان یتغیر المطر اذا اصاب السقف وفی السقف نجاسۃ فوکف واصاب الماء ثوبا فالصحیح انہ اذا کان المطر لم ینقطع بعد فما سال من السقف طاھر ھکذا فی المحیط وفی العتابیۃ اذا لم یکن متغیرا کذا فی التاترخانیۃ واما اذا انقطع المطر وسال من السقف شیئ فما سال فھو نجس کذا فی المحیط وفی النوازل قال مشایخنا المتأخرون ھو المختار کذا

اگر چھت پر پاخانہ پڑا ہو اور بارش ہوجائے پھر پرنالہ بہے تو اگر نجاست پرنالہ کے پاس ہو اور کل پانی پاخانہ سے لگ کر آرہا ہو یا اکثر یا نصف تو وہ ناپاک ہے ورنہ پاک ہے اور اگر نجاست چھت پر متفرق جگہوں پر ہو اور پرنالہ کے سر پر نہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا اور اس کا حکم جاری پانی کا سا ہے۔ اسی طرح سراج الوہاج میں ہے اور بعض فتاوٰی میں ہے، کہ ہمارے مشایخ نے فرمایا اگر بارش ہورہی ہو تو جاری پانی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ اگر یہ پانی چھت پر پڑے ہوئے پاخانہ سے لگ کر بھی آئے اور پھر کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے، ہاں اگر بارش متغیر ہوجائے جبکہ چھت پر پہنچے اور چھت پر نجاست ہو اور پھر چھت ٹپکنے لگے اور یہ پانی کسی کپڑے پر لگ جائے تو صحیح یہ ہے کہ اگر بارش ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے تو جو پانی چھت سے بہا وہ پاک ہے، ھکذا فی المحیط۔ اور عتابیہ میں ہے کہ جبکہ متغیر نہ ہو اور اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے اور اگر بارش بند ہونے کے بعد چھت سے پانی ٹپکے تو جو بہا ہے وہ ناپاک ہے کذا فی المحیط، اور نوازل میں ہے کہ ہمارے متاخر مشایخ نے فرمایا یہی

---

[1] بدائع الصنائع — فصل فی بیان المقدار — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

فی التاتارخانیۃ اھ[1] مختار ہے کذا فی التاتارخانیہ اھ (ت)

اقول سال من السقف ای وکف کما قدمنا اما السائل من المیزاب فجار قطعا وان وقف المطر کما قدمنا۔

میں کہتا ہوں چھت سے بہنے کا مطلب چھت سے ٹپکنا ہے جیسا کہ گزرا اور جو پرنالے سے بہتا ہے وہ قطعاً جاری ہے خواہ بارش ٹھہری ہُوئی ہو۔ (ت)

بالجملہ آنے والے پانی کے بطن حوض میں جاری ہونے سے انکار ظاہر نہیں، ہاں جب حد مقابل پر پہنچے جہاں جا کر رک جائیگا یا تحریک پہنچی تو آگے نہ بڑھے گا بلکہ اُوپر چڑھے گا یہ حرکت طبعی نہ ہوگی بلکہ قسری خلاف طبع تو اُس وقت بیشک جریان جاتا رہے گا۔

بحث دوم آب نجس کی تطہیر کو آبِ طاہر سے مل کر اُس کا جاری ہونا درکار ہے یا آب طاہر جاری کا اُس پر آنا کافی اول نص محرر المذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے،

فی ردالمحتار عن جامع الرموز عن القہستانی عن محمد المائع کالماء والدبس وغیرھما طہارتہ باجرائہ مع جنسہ مختلطا بہ[2]۔

اور ردالمحتار میں جامع الرموز سے قہستانی سے محمد سے ہے کہ بہنے والا جیسے پانی اور شیرہ وغیرہ اس کی طہارت اس کو اسی کی جنس کے ساتھ ملا کر جاری کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

اقول اور اسی کے مؤید ہے اُسے قول دائر وسائر الماء الجاری یطہر بعضہ بعضا (کہ بعض جاری پانی بعض دوسرے پانی کو پاک کر دیتا ہے۔ ت) کے تحت میں لانا،

فانھما اذا جریا مختلطین کان بعض الجاری طاھرا وبعضہ نجسا فیطھر الاول الاٰخر بخلاف ما اذا لم یجر النجس وقد یمکن ان یستأنس للثانی بما قدمنا فی الاصل الرابع عن الحلیۃ عن المحیط الرضوی ان الماء الجاری لما اتصل بہ صار فی الحکم جاریا اھ[3] لکنہ ذکرہ

کیونکہ وہ دونوں جب مل کر بہیں تو بعض جاری پاک اور بعض نجس ہوگا تو پہلا دُوسرے کو پاک کر دے گا بخلاف اس صورت کے جبکہ نجس جاری نہ ہو اور دوسرے کے لیے جو ہم نے چوتھی اصل میں حلیہ سے محیط رضوی سے نقل کیا ہے استدلال ہو سکتا ہے کہ جب جاری پانی اس میں مل گیا تو جاری کے حکم میں ہوگا اھ لیکن اس کا تذکرہ انہوں نے وہاں کیا ہے جہاں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ — الفصل الاول فیما یجوز — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

[2] ردالمحتار — مطلب یطہر الحوض بمجرد الجریان — مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

[3] حلیہ

فی اشتراط الخروج من الجانب الاٰخر وان قل فالمراد الاتصال فی الجریان و معلوم ان الجاری بعضہ لاکل ما فیہ ویحکم بطہارۃ الکل فلذا قال صار فی الحکم جاریا فافہم۔

دوسری جانب سے نکل جانے کی شرط لگائی ہے خواہ کم ہی ہو تو مراد جاری ہونے میں اتصال ہے اور یہ معلوم ہے کہ جاری بعض ہی ہے کل نہیں ہے، اور حکم کل کی طہارت کا لگایا جائیگا اور اسی لیے فرمایا کہ یہ جاری کے حکم میں ہوگیا۔ (ت)

فقیر کے نزدیک منشاءِ اختلاف یہی ہے اُن بعض نے جبکہ دیکھا کہ نیا آنے والا پانی بہتا ہوا اس آب نجس سے ملا اس کی طہارت کا حکم دیا پھر اگر نجاست غیر مرئیہ ہے یا مرئیہ تھی اور نکال دی گئی جب تو ظاہر ہے کہ ان کے طور پر سب پانی پاک رہنا چاہیے اگرچہ حوض صغیر ہو کہ جاری میں کثیر کی شرط نہیں اور آب جاری جب نجاست غیر مرئیہ پر وارد ہو اُسے فنا کردیتا ہے کما حققناہ فی الاصل العاشر (جیسا کہ اسکی تحقیق ہم نے اصل عاشر میں کی ہے۔ت) تو بعد وقوف اگرچہ محل قلیل میں ٹھہرا نجاست ہی معدوم ہے ہاں نجاست مرئیہ باقیہ میں ضرور کبیر محل درکار کہ وقت وقوف بوجہ کثرت عود نجاست نہ ہوسکے اور جمہور نے یہ نظر فرمائی کہ آب داخل اگرچہ جاری ہو مگر آب نجس کو جاری نہ کیا کہ بطن حوض میں رُکا ہوا تھا اور اُس کا رُکنا ہی دلیل واضح تھا کہ اُسے آگے بڑھنے کو جگہ نہیں تو آب داخل اُسے آگے نہ بڑھائے گا بلکہ اوپر چڑھا ئیگا تو اُس کا اجرا نہ ہوگا جو اُس کی طہارت کو درکار ہے مگر یہ کہ حوض بھر جائے اُس وقت تک تو سب ناپاک ہے اب جو اُبلے گا پاک ہوجائے گا کہ اب آگے بڑھنے اور منحدر میں اُترنے کو جگہ وسیع ہے اگر کہیے مانا کہ بطن حوض میں آب نجس کا اجرا نہ ہوگا مگر غسل یعنی دھونا تو ہوجائیگا کہ آب جاری بہتا ہوا آکر اُس کے تمام اجزا پر چھا گیا۔

اقول اولاً پانی کو دھونا شرع سے معہود نہیں مگر وہی طاہر سے ملا کر اُس کا اجرا۔

ثانیاً غسل ہوگا تو فقط سطح بالائے آب نجس کا اور وہ کوئی جامد شئی نہیں کہ ضرورۃً غسل سطح قائم مقام غسل کل ہو،

وھذہ فائدۃ استنبطھا الفقیر مما فی فتح القدیر[1] فی بیان مذھب الصاحبین انکانت الانفحۃ جامدۃ تطھر بالغسل[2] اھ ای اذا اخذت من بطن جدی میت

یہ فائدہ خود فقیر نے جہاں صاحبین کا مذہب فتح القدیر میں بیان ہوا ہے میں نے مستنبط کیا ہے، اگر دودھ خشک ہو تو دھونے سے پاک ہوجائیگا اھ یعنی مُردہ بکری کے بچّے کے پیٹ سے نکالے گئے ہوں کیونکہ

---

[1] فتح القدیر المأالذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۸۳

لتنجسہا عندھما بوعائھا المتنجس بالموت واستظھرہ فی مواھب الرحمٰن وذکر طہارتہا جامدۃ بالغسل کالفتح وعند الامام طاھرۃ لانہ لا اثر للتنجس شرعا ما دامت فی الباطن النجاسۃ فضلا عن غیرھا فتح وھو الراجح درر والانفحۃ اللبن فی بطن الجدی الراضع۔

صاحبین کے نزدیک وہ ظرف کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نجس ہوجائیں گے کیونکہ اس کا ظرف موت کی وجہ سے ناپاک ہوگیا، اور مواہب الرحمٰن میں اس پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خشک ہوں (یعنی دودھ جم جائے) تو دھونے سے پاک ہوجائیں گے، جیسا کہ فتح میں ہے، اور امام صاحب کے نزدیک پاک ہیں کیونکہ جب باطن میں کوئی نجاست ہو تو شرعاً وہ نجاست نہیں چہ جائیکہ اور کوئی چیز فتح، اور یہی راجح ہے درر، اور انفحہ اس دُودھ کو کہتے ہیں جو بکری کے شیر خوار بچّے کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ (ت)

ثالثاً علی التسلیم (غسل (دھونا) اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو۔ت) غسل کے لیے تثلیث درکار ہوتی یا ذہاب نجاست پر غلبۂ ظن۔ بہرحال مائے غاسل کا مغسول پر سے زوال ضرور کہ جب تک جُدا نہ ہوا مغسول سے زوالِ نجاست نہ ہوا تو حکمِ طہارت نہ ہوا۔ یُوں بھی خروج لازم ہوگیا ظاہراً ان وجوہ سے جمہور نے حکمِ نجاست دیا۔

اقول مگر جس طرح قول دوم پر بحث دوم وارد ہوتی یونہی قول اول پر بحث اول وارد ہوگی۔ ان اکابر نے بطنِ حوض میں سیلانِ آب کو جریان ہی نہ ٹھہرایا شرطِ خروج کی تصریحات و تصحیحات کہ جوابِ دوم میں غنیہ[1] و ظہیریہ[2] اور جوابِ پنجم اصل دوم میں ملک العلماء[3] و فقیہ ہندوانی[4] و فقیہ سمرقندی[5] اور اصل سوم میں تبیین[6] و فتح[7] و بحر[8] و محیط[9] و توشیح[10] و امام حسام[11] شہید و تاتارخانیہ[12] و ظہیریہ[13] و ہندیہ[14] اور اصل چہارم میں ملتقی[15] و محیط رضوی[16] و حلیہ[17] و خلاصہ[18] و ردالمحتار[19] و دو عبارت ظہیریہ[20] و امام[21] ابوبکر[22] اعمش[23] وغیرہ اور اصل ششم میں شرح ہدیہ[24] و منحہ[25] سے گزریں ان کی توجیہ تو واضح ہے کہ جو نجس پانی حوض میں تھا اس کے جریان و تطہیر کے لیے خروج ضرور ہے تازہ پانی کہ اُوپر سے آیا ان سے اس کے جریان کی نفی نہیں ہوتی مگر ان نصوص کثیرہ کا کیا جواب جو صراحۃً اس آب داخل ہی کے جریان کا ابطال کرتے ہیں اگرچہ بطنِ حوض میں کتنی ہی دُور حرکت کرتا جائے مثلاً:

اولاً وہ تصریحیں کہ پانی اگر بطنِ حوض میں دہ در دہ ہونے سے پہلے نجاست سے ملے گا جتنا آتا جائیگا ناپاک ہوتا جائے گا جیسا کہ جوابِ چہارم میں امام صفار[1] سے گزرا امام[2] ملک العلماء نے اُسے مقرر رکھا اصل ہشتم فتاوٰی[3] امام قاضی خان و جواہر[4] اخلاطی سے اور ایسا ہی خزانۃ[5] المفتین و فتاوٰی[6] ذخیرہ میں ہے حلیہ[7] میں اُس پر تقریر ہے غنیہ[8] میں اس کے معنی ہیں اگر جاری مانا جاتا دہ در دہ ہونا کیا شرط ہوتا کہ جاری کتنا ہی قلیل ہو ناپاک

نہیں ہوسکتا جب تک نجاست سے اس کا کوئی وصف نہ بدلے لوٹے کی دھار کا مسئلہ اصل ۹ میں گزرا۔

ثانیاً یہ تعلیل و شرط نہ بھی ہوتی تو اس مسئلہ وارہ کا نفس حکم کہ کتب معتمدہ جماہیر مشاہیر میں دائر و سائر ہے خود اُسے جاری نہ ماننے پر برہان ظاہر ہے جواب چہارم میں منیہ[9] و بدائع[10] و صغار[11] و حلیہ[12] اور پنجم میں حلیہ[13] و غنیہ[14] اور اس کی اصل ہشتم میں خانیہ[15] و خزانۃ المفتین[16] و محیط[17] و حلیہ[18] و خلاصہ[19] و فتح[20] و فتاوٰی سمرقند[21] و بحر[22] و ہندیہ[23] و غیاثیہ[24] و ذخیرہ[25] و فرع آخر قاضی خان[26] و جواہر الاخلاطی[27] سے تصریحیں اور تصحیحیں گزریں کہ حوض کتنا ہی کبیر ہو جب اس میں قلیل پانی ناپاک تھا پھر پانی آیا اور لبالب بھر گیا ناپاک ہی رہا۔ بھلا جب تک حدِ قلت میں تھا یہ کہہ سکتے تھے کہ آنے والا پانی اگرچہ اپنے داخل ہونے سے دوسری جانب پہنچنے تک جاری رہا مگر وہاں جاکر تو رُک گیا اور ہے قلیل اور نجاست یا آبِ نجس سے متصل تو اب ناپاک ہوجائے گا اسی طرح جو پانی آتا جائے گا حدِ قلت تک یہی حکم پائیگا وھم انما قالوا کل ما دخل صار نجسا لا کما دخل تنجس مگر حوض تو کبیر ہے جب حدِ قلت سے آگے بڑھے گا کیا کہا جائے گا۔ آیا بہتا ہُوا اور ٹھہرا کثیر ہو کر تو کسی وقت قابلِ قبول نجاست نہ ہُوا پھر یہ حکم کیوں ہے کہ لبالب بھرنے پر بھی سب ناپاک۔ بلکہ لازم تھا کہ یا تو حصّہ بالا کو جہاں سے حدِ کثرت ہے (اور ممکن ہے کہ حوض کبیر کا معظم حصہ وہی ہو) پاک کہیں اور حدِ قلت سے نیچے تک ناپاک یا نظر بر آں کہ حصہ زیریں ممتاز صورت نہ رکھنے کے باعث بالا کا تابع ہے سب پاک۔

اقول اور ظاہرا یہی اقیس ہوتا آخر نہ دیکھا کہ حوض کتنا ہی عمیق ہو بلکہ گھرے سے گھرا کنواں اگر لبالب بھر کر اُبل جائے اوپر سے نیچے تک سب پاک ہوگیا کہ آب جاری ہوگیا حالانکہ یقیناً حرکت جریانی صرف اوپر کے قلیل حصہ کو پہنچے گی آنے والا پانی جہاں تک کے پانی کو دبا کر ساتھ بہا کر اُبلے اُبالے گا اُتنے ہی پر جریان واقع ہوگا نیچے گزوں تک کے پانی کو خبر بھی نہ ہوگی اور ٹھہرا سب پاک۔ اُسی لیے کہ صورت واحدہ و شئ واحد ہے، یُوں ہی آب کثیر کہ صورتِ واحدہ رکھتا اور اوپر قلیل حصہ کثیر اور نیچے سب قلیل ہے اور نجاست راسبہ پڑی کہ تہ تک پہنچی سب پاک رہے گا روئے آب کی کثرت و طہارت تہ تک عمل کرے گی کذا ھذا۔

فان قلت فی الجواب عنہما ان العبرۃ فی الکثرۃ والقلۃ لاوان الوقوع وھذا کان قلیلا عندہ والمستشھد بہ کثیرا فافترقا اما الجریان فمعتبر بنفسہ لالحاظ فیہ لکثرۃ او قلۃ وقت الوقوع فاذا جری وجھہ وھو شئ واحد

اگر تم ان دونوں کی طرف سے جواب میں یہ کہو کہ کثرت و قلت میں اعتبار گرنے کے وقت کا ہے اور یہ گرتے وقت قلیل تھا اور جس سے استدلال کیا جارہا ہے وہ کثیر ہے تو دونوں میں فرق ہوگیا، اور جاری ہونا تو وہ بنفسہ معتبر ہے اس میں کثرت و قلت کا کوئی اعتبار نہیں، وقوع کے وقت میں، تو جب وُہ جاری

فقد جری الکل فلا یقاس علیہ طہارۃ الاعلٰی لاستقرارہ علی الکثرۃ فانہا غیر الجریان۔

اقول اولا اذا حکمنا بطہارۃ الکل لاجل الجریان انقطع حکم وقت الوقوع فاذا وقف فکانما الاٰن وقع وھو حینئذ کثیر اذ العبرۃ للوجہ وما تحتہ تبعہ فما وقع الا فی الکثیر والفصل الاٰن بین الاعلی والاسفل بالکثرۃ والقلۃ خروج عن حکم الوحدۃ وعلی ھذا یلزم تنجس الاسفل المستشھد بہ ایضا لان النجس الراسب لم یصل الیہ الا حین قلتہ ھف

وثانیا لئن سلم فھذا مضر سیعود نافعا فان الماء الداخل حیث کان جاریا حتی الوصول الی المنتھی والصورۃ واحدۃ فقد جری الکل فانتفت النجاسۃ راسا ان کانت غیر مرئیۃ وکذا المرئیۃ وقد اخرجت فلا معنی لعودھا حین استقرارہ ولو علی القلۃ وانتقلت الی الاعلی الکثیر لو باقیۃ طافیۃ فلم یتنجس اذا استقر کثیرا وقد طھر ما تحتہ بالجریان فلا یبقی الا ما اذا کانت مرئیۃ باقیۃ راسبۃ وکلامھم مطلق حاو للصور قاطبۃ۔

ہوا اسکی سطح سے حالانکہ وہ شیئ واحد ہے تو گویا کل جاری ہوا، تو اس پر اوپر والے کی طہارت کو قیاس کرنا درست نہ ہوگا کہ وہ کثرت پر مستقر ہے کیونکہ یہ جریان نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اولاً جب ہم نے کل کی طہارت کا حکم لگایا جاری ہونے کی وجہ سے تو گرنے کے وقت کا حکم منقطع ہوگیا، تو جب ٹھہرا تو گویا وہ ابھی گرا ہے اور اس وقت وہ کثیر ہے کیونکہ اعتبار سطح کا ہے، اور جو اس کے نیچے ہے وہ اُس کے تابع ہے تو کثیر ہی میں واقع ہوا اور اعلیٰ اور اسفل میں اب کثرت وقلت کے اعتبار سے فرق کرنا وحدتِ حکم سے خروج ہوگا اور اس بنا پر نیچے والے کا نجس ہونا لازم آئیگا جس سے استشہاد بھی کیا گیا ہے کیونکہ نجاست راسبہ اس تک نہیں پہنچی ہے مگر قلت کے وقت یہ خلاف مفروض ہے۔

اور ثانیاً اگر تسلیم کرلیا جائے تو یہ ہمارے لیے مضر ہے اور عنقریب نافع ہوجائے گا، کیونکہ داخل ہونے والا پانی جاری تھا یہاں تک کہ وہ اپنی انتہا کو پہنچا اور صورت واحدہ ہے تو کل جاری ہوگیا اور نجاست اگر غیر مرئیہ ہو اور اسی طرح اگر مرئیہ نکال دی گئی ہو تو سرے سے ختم ہوجائیگی تو اس کے لوٹنے کے کوئی معنی نہیں جب کہ پانی ٹھہرا ہوا ہو اگرچہ کم ہی ہو اور وہ نجاست اوپر والے کثیر پانی کی طرف منتقل ہوگئی، اگرچہ وہ اوپر تیر رہی ہو، تو جب کثیر پانی ٹھہرا ہو تو وہ ناپاک نہ ہوگا اور اس کا نچلا حصہ پانی کے جاری ہونے کی وجہ سے پاک ہوگیا تو باقی نہ رہے گا مگر جو مرئی ہو اور تہ میں باقی ہو اور ان کا کلام مطلق ہے اور تمام صورتوں کو شامل ہے۔ (ت)

ثالثاً جواب چہارم میں عبارت فتح القدیر[۲۸] دربارۂ حوض صغیر کہ بھر کر بھی ناپاک رہے گا اُسی عدم تسلیم جریان پر وال ورنہ نجاست غیر مرئیہ یا مرئیہ کہ نکال دی ضرور زائل ہو جاتی۔

رابعاً تنبیہ جلیل میں منیہ[۲۹] و محیط[۳۰] و حلیہ[۳۱] و خانیہ[۳۲] و ہندیہ[۳۳] و ذخیرہ[۳۴] کی عبارات ائمہ اجلّہ علی سغدی[۳۵] و نصیر بن یحیٰی[۳۶] و خلف بن ایوب[۳۷] رحمہم اللہ تعالٰی کے ارشادات کہ ایک حوض سے دوسرے میں انتقال آب کے جریان ہونے کو اُن میں کچھ مسافت ہونا ضرور ورنہ اس میں سے نکل کر اُس کے جوف میں جاتے ہوئے اُس میں وضو کیا جائے تو وضو نہ ہوگا اگر نظر میں حرکت کو جریان مانتے تو جس وقت پانی اول سے دوم میں گر رہا اور یہاں سے منتہی تک بہ رہا ہے اُس میں وضو ضرور آبِ جاری میں وضو ہوتا بیچ میں فاصلۂ مسافت کی ضرورت نہ ہوتی کما اشرنا الیہ ثمہ ان ۳۷ عبارتوں سے روشن کہ جمہور اس سیلان کو خود اُس آب داخل ہی کا جریان نہیں مانتے اور یہ اُنھیں وجوہ سے کہ بحث اول میں گزریں اشکال سے خالی نہیں۔

اگر کہیے آبِ راکد کے کثیر و ناقابل نجاست ہونے کے لیے صرف مساحت سطح آب یا طول و عرض دہ در دہ کافی نہیں بلکہ اتنا عمق بھی درکار ہے کہ اس میں سے پانی ہاتھ سے لیں تو زمین کھل نہ جائے یہی صحیح ہے ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ اسی پر فتوٰی ہے ظہیریہ خلاصہ درایہ جوہرہ وغیرہا و لہٰذا فتاوٰی امام اجل قاضی خان پھر ہندیہ و غنیہ میں فرمایا: والفظ لہا یعنی الفاظ غنیہ کے ہیں:

ان علا الماء من ثقب الجمد وانبسط علی وجہ الجمد وکان عشرا فی عشر فان کان بحیث لوغرف منہ لاینحسر ما تحتہ من الجمد لم[1] یفسد بوقوع المفسد وان کان ینحسر اوکان دون عشر فی عشر یفسد[1] بہ۔

جب پانی برف کے سوراخ سے اوپر چڑھے اور پھیل جائے برف کی سطح پر اور پانی دہ در دہ ہو اس طور پر کہ اگر کسی نے چلّو بھر کر اس سے پانی لیا اور اس کے نیچے برف نہ کھلی تو مفسد کے گرنے سے فاسد ہوگا اور اگر نیچے والی برف کھل گئی یا وہ پانی دہ در دہ نہ تھا تو وہ پانی فاسد ہو جائے گا۔ (ت)

---

[1] ولفظا الاولین جاز فیہ الوضوء والافلا اھ فلیتنبہ فستأتیک فائدتہ فی الرسالۃ الاٰتیۃ ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پہلی دو کتابوں کے الفاظ یہ ہیں کہ اس میں وضو جائز ہے ورنہ نہیں اھ خبردار اس کا فائدہ آئندہ رسالہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث عشر فی عشر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۰

27
27

تحفۃ الفقہا و بدائع میں امام فقیہ ابوجعفر ہندوانی اور تبیین الحقائق میں دربارہ آب جاری امام ابویوسف سے اور عبدالحلیم علی الدرر و جامع الرموز میں تصریح کی کہ دونوں ہاتھوں سے پانی لینا مراد ہے یعنی لپ بھر کر لینے میں نہ کھلے اور قہستانی سے مفہوم کر اُس کا اندازہ پانچ انگل دَل ہے۔

حیث قال (انکان) وجہ الماء (عشرا فی عشر لاینحسر ارضہ بالغرفۃ) ای برفع الماء بالکفین وھذا قول بعض المشایخ فی تقدیر العمق وعلیہ الفتوی کما فی الخلاصۃ وھو علی ما اختارہ من المقادیر والعمق الذی ھو خمس اصابع تقریبا[1] الخ

قہستانی نے کہا کہ اگر پانی کا بالائی حصہ ایسا دہ در دہ ہو کہ چُلّو بھرنے سے پانی کی زمین نہ کھلے یعنی دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھانے سے۔ اور عمق کی مقدار میں یہ بعض مشائخ کا قول ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے، اور یہ وہ ہے جس کو مقداروں میں سے اختیار کیا ہے، اور عمق تقریباً پانچ انگل ہے الخ (ت)

اقول وھو تقریب قریب مشھود لہ بالتجربۃ (یہ اچھی تقریب ہے تجربہ اس پر گواہ ہے۔ ت) تو آب کثیر ہونے کو یہ چاہیے کہ سو ہاتھ مساحت میں تقریباً پانچ انگل دَل کا پانی پھیلا ہوا ہو کہیں اس سے کم دَل نہ ہو تالاب یا حوض کہ بارش کے بہاؤ یا چرخ وغیرہ سے بھرتے ہیں ان کی دھار کبھی اتنی نہیں ہوتی کہ تالاب یا حوض میں گر کر تمام سطح مطلوب پر اُس کنارے تک معاً پانچ اُنگل پانی چڑھا دے پانی بالطبع طالب مرکز ہے اُس کے اجزاء زیر و بالا اُسی وقت تک رہ سکتے ہیں کہ اوپر کے اجزاء ڈھلکنے کی جگہ نہ پائیں جب محل پائیں گے فوراً اتر کر پھیل جائیں گے پرنالے سے جتنے دَل کی دھار اُتر رہی ہے زمین پر آکر ہرگز اُتنے دل پر نہ رہے گی معاً پھیلے گی یہی سبب ہے کہ مثلاً حوض میں ایک پورے کنارے سے پانی جس حجم کا اتاریے باآنکہ مدد برابر جاری اور حوض کے سارے عرض میں معاً ساری ہے تو چاہیے تھا کہ یہی حجم آخر تک محفوظ رہتا اور دوسرے کنارے پر معاً اُتنے دَل کا پانی ہوجاتا مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ اُس کنارے پر بتدریج بڑھتا ہے اور اوپر گزرا کہ دوسرے کنارے پر پہنچ کر یہ جریان ٹھہر جاتا ہے تو مساحت کی کثرت کیا نفع دے گی جبکہ معاً پانچ انگل دَل نہ ہو بتدریج ہوا تو ہر وقت آب قلیل ہے اتنا ناپاک ہوگیا اور آیا وہ بھی یونہی کم تھا یونہی ناپاک ہُوا یہاں تک کہ حوض کبیر بھر گیا اور ناپاک ہی رہا۔ ہاں عظیم سیلابوں میں اتنے اور اس سے زیادہ حجم کا پانی اُس کنارے پر معاً چڑھتا ہے مگر وہ دم کے دم میں

---

[1] جامع الرموز بحث عشر فی عشر مطبعہ کریمیہ قزان، ایران ۱/ ۴۸

تالاب کو بھر کر اُبال دیں گے تو اس صورتِ نزاع میں رہے گا ہی نہیں اور بالفرض اگر کبھی ایسی صورت ہو کر اُتنے عظیم بہاؤ کا پانی آئے اور کنارے ہی پر رک رہے تو یہ بغایت نادر ہے اور احکامِ فقہیہ میں نادر کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہ ہے اُس حکم دائر سائر کا منشا اور یہ ہے اُس تعلیل کا مفاد کہ کل ما دخل صار نجسا یہ ہے وہ غایت عذر کہ تالاب میں باہر سے آنے والے پانی کو جاری مان کر بھی بحال نجاست مرئیہ باقیہ تمام تالاب کو ناپاک ٹھہرائے گئے، ہی کبیر ہو اگرچہ مسئلہ حوضین و مسئلہ نجاست غیر مرئیہ یا مرئیہ مُزجہ کا اب بھی جواب نہ ہوا۔

اقول مگر اس تقریر پر وہ صورت وارد ہے کہ اگر پانی تالاب میں داخل ہو کر پہلے دہ دردہ ہو لیا پھر نجاست سے ملا تو ناپاک نہ ہوگا کہ وہ دہ دردہ سہی پانچ اُنگل دَل بھی تو درکار۔

اگر کہیے ملنے سے پہلے اُس پُوری مساحت میں اُتنا دَل پیدا ہونا بعید نہیں کہ پھیلنا تو بہتے میں ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ملنے سے پہلے کہیں ٹھہر کر دَل پیدا کرلے پھر ملے۔ یہی سِر ہے کہ صورتِ مذکورہ خانیہ میں ان لفظوں سے ارشاد ہُوئی:

واجتمع الماء فی مکان طاھر وھو عشر فی عشر[1]	اور پانی پاک جگہ اکٹھا ہو گیا اور وہ دہ دردہ ہے۔ (ت)

خلاصہ میں:

ان کان الماء الذی یدخل فی الغدیر یستقر فی مکان طاھر حتی صار عشرا فی عشر[2]	اگر وُہ پانی جو تالاب میں داخل ہو رہا ہے پاک جگہ ٹھہر گیا یہاں تک کہ دہ دردہ ہو گیا۔ (ت)

فتح القدیر و بحرالرائق میں:

ان کان دخل فی مکان طاھر واستقر فیہ حتی صار عشرا فی عشر[3]	اور اگر پاک جگہ پانی داخل ہو کر ٹھہر گیا یہاں تک کہ وہ دردہ ہو گیا۔ (ت)

ذخیرہ و حلیہ میں:

ان کان الماء الذی یدخل الغدیر ان کان	اگر وُہ پانی جو تالاب میں داخل ہوتا ہے داخل ہوتے ہی پاک

---

[1] فتاوٰی قاضی خان — فصل الماء الراکد — نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی — فصل فی الحیاض — ″ ۱/۵

[3] فتح القدیر — القدیر العظیم — نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱

یستقر فی مکان طاھر حتی یصیر عشرا فی عشر[1] | جگہ نہیں ٹھہرتا ہے یہاں تک کہ دہ در دہ ہو جائے۔ (ت)

ورنہ صرف دہ در دہ ہونے کے لیے کسی مکان میں ٹھہر کر جمع ہو لینا کیوں درکار ہوتا۔

اقول اس وقت کا ذل کیا فائدہ دے گا جبکہ اُسے آگے بڑھ کر نجاستوں سے ملنا ہے بڑھے گا پھر اُسی بہنے پھیلنے سے جو اُس میں وہ حجم نہ رہنے دیں گے۔

اگر کہیے اتصال نجاست یوں بھی ممکن کہ آب نجس بڑھ کر اُس سے ملے۔

اقول یہ تصویر مفروض کے خلاف ہے اور خانیہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد تصریح ہے: ثم تعدی الی موضع النجاسۃ[2] (پھر نجاست کی جگہ تک تجاوز کر جائے۔ ت) بقیہ کتب مذکورہ میں ہے: ثم انتھی الی النجاسۃ[3][4] (پھر نجاست تک پہنچ جائے۔ ت) بالجملہ کلمات جمہور پر کسی طرح اُس آنے والے پانی کا بھی بطن حوض میں جریان درست نہیں آتا۔

وانا اقول وباللہ التوفیق تحقیق یہی ہے کہ وہ جاری نہیں ورنہ اگر مثلاً نصف لوٹے میں ناپاک پانی ہو جس میں نجاست غیر مرئیہ ہو یا مرئیہ تھی اور نکال دی اُس کے بعد لوٹا بھر دیا اور کناروں سے کچھ نکلا بلکہ بھرا بھی نہیں کچھ پانی ڈال دیا جو اُس کے ایک کنارے سے دوسرے تک بہ گیا تو چاہیے کہ سب پانی اور لوٹا پاک ہو جائے کہ جریان ہو گیا اور وہ نجاست غیر مرئیہ کو فنا کر دیتا ہے اور اُس میں کوئی مساحت شرط نہیں اور بعد فنائے نجاست قلت پر استقرار کیا مضر حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں یہ مشایخ کہ خروج اصلاً شرط نہیں کرتے اُن کا کلام بھی حوض کبیر میں ہے ولہذا تتمہ وذخیرہ ونظم زندویسی میں فرمایا اذا کان الحوض کبیرا[1]

---

[1] تنبیہ اس مسئلہ کی تحقیق جلیل رسالہ ھبۃ الحبیر میں آتی ہے وہاں سے بتوفیق الٰہی یہ توفیق ظاہر ہوگی کہ پانی کے فی نفسہ کثیر ہونے کے لیے عمق درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ زمین کہیں کھلی نہ ہو اور یہ جو اتنا عمق شرط کیا گیا کہ پانی لینے سے زمین نہ کھلے اُس حالت میں ہے کہ اُس کے اندر وضو وغسل کریں اس تقدیر پر توجیہ مذکور کی گنجایش ہی نہیں واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] حلیہ

[2] قاضی خان | الماء الراکد | نول کشور لکھنؤ | ۱/۴

[3] بحر الرائق | ابحاث الماء | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۷۷

[4] منیۃ المصلی | فصل فی الحیض | مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور | ص ۶۷

بزازیہ میں بظاہر حوض کو صفت کثرت سے مطلق رکھ کر فرمایا: ثم دخل ماء کثیر[1] (پھر کثیر پانی داخل ہو۔ت) غنیہ میں اُن کے حکم کی تعلیل یوں فرمائی:

(قیل لیس بنجس) لکونہ کبیرا[2] الخ کما تقدم کل ذلک۔

(کہا گیا ہے کہ یہ نجس نہیں ہے) کیونکہ یہ بڑا ہے الخ جیسا کہ یہ سب کچھ پہلے گزر چکا ہے۔(ت)

تو یہ اعتراض بھی اسی قول دوم پر رہا مگر یہ کہ اُن کا کلام مرئیہ باقیہ سے مخصوص کیا جائے۔ اب رہے وجوہ ثلثہ مذکورۂ بحث اول **اقول** وبہ استعین جو ظرف حبس وحفظ آب کے لیے ہو اُس میں پانی کی حرکت عرفاً جریان نہیں کہلاتی مشک کی تہ میں کٹورا بھر پانی ہو اُسے دبا نہ باندھ کر زیر وبالا کیجئے کہ پانی اِدھر سے اُدھر اُدھر سے ادھر جائے اسے کوئی جاری ہونا نہ کہے گا۔ جب دہانے سے نکل کر بہے گا اب کہیں گے کہ پانی بہا یہاں سے تینوں وجوہ کا جواب ہوگیا کہ بطن ظرف میں متحرک کو عرفاً جاری نہیں کہتے اور مکان اور اس کی دیواریں کوئی ظرفِ آب نہیں اور نہر ظرف ہے مگر نہ ظرف حبس بلکہ محلِ جریان بخلاف تالاب اور حوض کے، اگرچہ کبیر ہو، تو بحمد اللہ تعالٰی قول جمہور ہی پر عرش تحقیق مستقر ہوا اور کیوں نہ ہو کہ:

العمل علی قول الاکثر وید اللہ علی الجماعۃ ھذا کلہ ما فاض علی قلب الفقیر ٭ من فیض اللطیف الخبیر ٭ مع تشتت البال ٭ وتراکم البلبال ٭ وھجوم الحساد ٭ بانواع الفساد ٭ واللہ المستعان ٭ وعلیہ التکلان ٭ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ٭ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ٭ نعم المولٰی ونعم النصیر ٭

عمل اکثر کے قول پر ہی ہوتا ہے، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہی ہوتا ہے، یہ سب کچھ فقیر کے دل پر اُترا، مہربان باخبر خدا کے فیض کرم سے ہے' حالانکہ طبیعت پراگندہ اور پیہم مصائب میں گرفتار ہوں اور حاسدوں نے الگ کی قسم کے فساد برپا کر رکھے ہیں اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اور اسی پر بھروسا کیا جاتا ہے اور طاقت وقوت اللہ ہی سے ملتی ہے جو بلند اور باعظمت ہے، ہمیں اللہ کافی ہے اور معتبر کارساز ہے، بہترین آقا اور بہترین مددگار ہے

؎ عدت العادون وجاروا
ورجوت اللہ مجیرا
وکفٰی باللہ ولیا
وکفٰی باللہ نصیرا

دشمنوں نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ اور میں اللہ کے کرم کی امید کرتا ہوں حالتِ انکساری میں اور اللہ کافی کارساز ہے اور اللہ کافی مددگار ہے

---

[1] بزازیہ مع الہندیہ نوع فے الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸
[2] غنیۃ المستملی عشر فے عشر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

ومما **قلت** فیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مستجیرا بذیله الاکرم ؎

رسول اللہ انت المستجار

فلا اخشی الاعادی کیف جاروا

بفضلك ارتجی ان عن قریب

تمزّق کیدھم والقوم باروا

وقلت ؎

رسول اللہ انت بعثت فینا

کریما رحمة حصنا حصینا

تخوفنی العدٰی کیدا متینا

اجرنی یا امان الخائفینا

ومما **قلت** قدیما فی ربیع الاٰخر سنة الف وثلٰثمائة فرأیت الاجابة فوق العادۃ وفوق المطلب والارادۃ سریعا فی الساعة وللہ الحمد ابدا وارجو مثله سرمدا ؎

الحمد للمتوحد	بجلاله المتفرد
وصلاته دوما علی	خیر الانام محمد
والاٰل والاصحاب ھم	ماٴوای عند شد الدّد
فالی العظیم توسلی	بکتابه وباحمد
وبمن اتی بکلامه[1]	وبمن ھدی وبمن ھدی
وبطیبة وبمن ثوت	وبمنبر وبمسجد

میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں آپ کے دامن کی پناہ حاصل کرنے کے لیے یہ اشعار کہے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے، تو اب مجھے دشمنوں کا کچھ خوف نہیں کہ وہ کیا ظلم ڈھائیں گے، مجھے آپ کے فضل سے امید ہے کہ عنقریب ان کا مکر پارہ پارہ ہوجائیگا اور وہ ہلاک ہوجائیں گے۔

اور عرض کیا ہے اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں مبعوث کئے گئے رحمت بنا کر اور مضبوط قلعہ بنا کر۔ مجھے دشمن اپنی مضبوط چالوں سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اے خوفزدہ لوگوں کی پناہ! مجھے پناہ دیجئے۔

اور اس سے پہلے ربیع الآخر ۱۳۰۰ھ میں کہا تھا تو امید سے فزوں تر حیرت انگیز طور پر میری مرادیں پوری ہوگئیں وللہ الحمد، خدا کرے ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے۔

تمام تعریفیں خدائے یکتا کو سزاوار ہیں جو اپنے جلال میں یکتا ہے، اور اس کی رحمتیں مدام، بہترین مخلوق محمد پر نازل ہوں، اور آل واصحاب پر، جو سختیوں میں میری پناہ گاہ ہیں، تو خداوند عظیم کی بارگاہ میں، میں وسیلہ لاتا ہوں، اس کی کتاب اور احمد کا۔ اور ان کا جو اللہ کے کلام کو

[1] هو جبریل علیه الصلٰوۃ والسلام ونبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وحملة القرآن من اٰله وصحبه وامته صلی اللہ تعالٰی علیه وعلیهم وسلم ۱۲ منه غفرله (م)

اور وہ جبریل علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حاملین قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، اصحاب اور امت میں سے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وبکل حی وجد الرضا   من عند رب واجد

لٰاھُمَّ[1] قد ھجم العدای   من کل شاذٍ ابعد

فی خیلھم ورجالھم   مع کل عاد معتد

ھاوین زلۃ مثبتٍ   باغین ذلۃ مھتد

لکنّ عبدك اٰمن   اذ من دعاك یؤید

لا اختشی من باسھم   ید ناصری اقوی ید

لٰاھُمَّ فادفع شرھم   وقنی مکیدۃ کائد

وادِم صلاتك والسلا   م علی الحبیب الاجود

والاٰل امطار النّدا   والصحب سحب عوائد

ما غرّدتْ ورقا علٰی   بانٍ بخیرٍ مغرِّد

واجعل بھا احمد رضا

عبدا بحرز السید

واللہ تعالٰی وتبارك ؕ صلی وسلم وبارك ؕ علی المولی الکریم المبارك ؕ واٰلہ وصحبہ ؕ وابنہ وحزبہ ؕ صلاۃً تحل العقد ؕ تُحِلُّ المدد ؕ وتقینا شر حاسد اذا حسد ؕ ومکر حاقد اذا حقد ؕ وضوعان اذا عتد ؕ بحرمۃ قل ھو اللہ احد ○ اللہ الصمد ○ لم یلد ولم یولد ○ ولم یکن لہ کفوا احد ○ والحمد للہ رب العالمین الی الابد ؕ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

لائے اور جنھوں نے ہدایت دی اور جن سے ہدایت لی جاتی ہے، اور مدینہ منورہ کو اور ان کو جو مدینہ میں رہتے ہیں، اور منبر اور مسجد شریف کو اور ان تمام کو جنھیں خوشنودی میسر آئی رب کی جانب سے۔ اے اللہ! دشمنوں نے مجھ پر ہلّہ بول دیا ہے ہر دُوری سے ان کے پیادوں اور ان کے سواروں نے، ہر حد سے تجاوز کرنے والے ظالم نے، جو ثابت قدم کی لغزش کی امید کرتے ہیں، اور ہدایت یافتہ کی ذلت کے خواہاں ہیں، مگر آپ کا غلام بے خوف ہے کیونکہ جو آپ کو پکارتا ہے اس کی تائید کی جاتی ہے، میں ان کی طاقت وقوت سے خوفزدہ نہیں۔ میرے مددگار کا ہاتھ مضبوط تر ہے۔ یا اللہ! ان کے شر کو دفع کردے اور مکار کے مکر سے مجھے بچالے، اور اپنے صلٰوۃ وسلام کو سخی تر حبیب پر ہمیشہ نازل فرما، اور اُن کی آل پر جو جُود وسخا کی بارش ہیں، اور اصحاب پر جو فوائد کے بادل ہیں، جب تک قمریاں بان کے درخت پر بہترین گانے گاتی رہیں۔

اور اس صلٰوۃ وسلام کے طفیل احمد رضا کو، آقا کا امان یافتہ غلام بنادے۔

اور اللہ تبارک وتعالٰی صلٰوۃ وسلام اور برکتیں نازل فرمائے آقا، کریم اور مبارک پر، اور ان کی آل واصحاب اور بیٹے اور ان کی جماعت پر، وہ صلٰوۃ جو گرہوں کو کھول دے اور مدد عطا کرے، اور ہمیں حاسدوں کے حسد سے اور کینہ پروروں کے کینوں سے اور سرکشوں کی شرارت سے بچائے بطفیل قل ھو اللہ احد الخ کے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] لغۃ فی اللّٰھم ۱۲ منہ غفر لہ (م)

اَللّٰھُمَّ میں ایک لغت ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

فتوٰی مسمّٰی بہ

ھبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر ۱۳۳۴ھ

(ابرباراں کا عطیہ زیادہ پانی کی گہرائی میں) (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۵۴ ۴ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آب کثیر کے لیے جو مثل جاری نجاست قبول نہ کرے کتنا عمق درکار ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھلے اس سے چلّو مراد ہے یا لپ ، بیّنوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اُس کے عمق میں گیارہ قول ہیں :

(۱) کچھ درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ اُتنی مساحت میں زمین کہیں کُھلی نہ ہو۔

(۲) بڑا درہم کہ ۴۰ ماشے ہوتا ہے اُس کے عرض سے کچھ زیادہ گہرا ہو۔

(۳) اُس میں سے پانی ہاتھ سے اُٹھائیں تو زمین کُھل نہ جائے۔

(۴) پانی لینے میں ہاتھ زمین کو نہ لگے۔

اقول یہ اپنے سابق سے زائد ہے کما لایخفی۔

(۵) ٹخنوں تک ہو۔

(۶) چار اُنگل کشادہ

اقول یہ تقریباً نو انگل یعنی تین گرہ ہوا۔

(۷) ایک بالشت

(۸) ایک ہاتھ

(۹) دو ہاتھ

(۱۰) سفید سکہ اس میں ڈال کر مرد کھڑے سے دیکھے تو روپیہ نظر نہ آئے۔

اقول یعنی پانی کی کثرت سے نہ کہ اس کی کدورت سے۔

(۱۱) اپنی طرف سے کوئی تعیین نہیں ناظر کی رائے پر موقوف ہے۔

اقول یعنی جو جتنے گہراؤ پر سمجھے کہ آبِ کثیر ہوگیا، اس کے حق میں وہ کثیر ہے دوسرا نہ سمجھے تو اس کے لیے قلیل ہے۔

اقول وھو غیر الاول فھو سلب للتقدیر وھذا تفویضہ الی رأی المبتلی بہ و بالجملۃ فالاول حکم العدم وھذا عدم الحکم فان قلت انما التفویض فی ظاھر الروایۃ فی الطول والعرض اذ بھما الخلوص وعدمہ وفیم یفوض الیہ النظر فی العمق۔

میں کہتا ہوں وہ اول کا غیر ہے تو وہ سلبِ تقدیر ہے، اور یہ اُسی شخص کی رائے کی طرف سپرد کرنا ہے جو اس میں مبتلا ہو، اور خلاصہ یہ ہے کہ پہلا حکمِ عدم ہے اور یہ عدمِ حکم ہے۔ تو اگر تم کہو کہ تفویض ظاہرِ روایت میں صرف طول وعرض میں ہے کیونکہ انہی دونوں سے خلوص اور عدمِ خلوص کا علم ہوتا ہے تو عمق میں اس کی رائے کی طرف کیونکر سپرد کیا جائے گا۔ (ت)

اقول اختلفوا فی معیار عدم الخلوص ھل ھو التحریک وھی الروایۃ المتفقۃ عن اصحابنا ام الصبغ وھو قول الامام ابی حفص الکبیر البخاری ام التکدیر وھو قول الامام ابی نصر محمد بن محمد بن سلام ام المساحۃ وھو قول الامام ابی سلیمٰن الجوزجانی الکل فی البدائع ولا شك ان التکدیر یختلف باختلاف العمق فلعل ھذا القائل قائل بھذا القول۔

میں کہتا ہوں عدمِ خلوص کے معیار میں اختلاف ہے کہ آیا وہ تحریک ہے اور یہی متفقہ روایت ہمارے اصحاب کی ہے، یا صرف رنگنا ہے اور یہی قول امام ابو حفص الکبیر بخاری کا ہے، یا گدلا کرنا ہے، اور یہ امام ابو نصر محمد بن محمد بن سلام کا ہے، یا مساحت ہے اور یہ امام ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے۔ یہ تمام تفصیل بدائع میں ہے، اور اس میں شک نہیں کہ گدلا کرنا گہرائی کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، اور غالباً یہ قائل اسی قول کا ہے۔ (ت)

فغوضہ الی رای الناظر واللہ تعالٰی اعلم۔

مائل ہے اور اسی لیے انھوں نے امر معاملہ کو دیکھنے والوں کی رائے کی طرف سپرد کیا ہے۔ (ت)

ان میں قول سوم عامۂ کتب میں ہے اور اوّل و دوم وہفتم وہشتم بدائع وتبیین وفتح میں نقل فرماتے اور چہارم خانیہ وغنیہ پنجم جامع الرموز ششم غنیہ نیز مثل نہم ویازدہم قہستانی ونہم شرح نقایہ برجندی میں۔ ان میں صرف دو قول مصحح ہیں اوّل وسوم وبس۔

امامارأیت فی جواھر الاخلاطی من قولہ جمع الماء فی خندق لہ طول مثلا مائۃ ذراع وعرضہ ذراع او ذراعان فی جنس ھذہ المسألۃ اقوال فی قول یجوز التوضی منہ بغیر فصل وھو المأخوذ وفی قول لووقعت فیہ نجاسۃ یتنجس من طولہ عشرۃ اذرع وفی قول ان کان الماء مقدار مالوجعل فی حوض عرضہ عشرۃ فی عشرۃ ملئ الحوض وصار عمقہ قدر شبر یجوز التوضی بہ والافلا وھوالصحیح تیسیرا للامر علی الناس وقیل لایجوز التوضی فیہ وان کان من بخاری الی سمرقند[1] اھ

جواہر الاخلاطی میں ہے کہ کسی شخص نے کسی خندق میں پانی جمع کیا جس کا طول سو ہاتھ اور چوڑائی ایک ہاتھ یا دو ہاتھ ہو، تو اس مسئلہ میں چند اقوال ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے وضو مطلقاً جائز ہے اور یہی قول ماخوذ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس میں نجاست گرجائے تو وہ لمبائی میں دس ہاتھ ناپاک ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس میں اتنا پانی ہے کہ اگر اس کو ایک ایسے حوض میں کرلیا جائے جس کی چوڑائی دہ در دہ ہو تو حوض بھر جائے، اور اس کی گہرائی ایک بالشت ہو، تب تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں اور یہی صحیح ہے کہ اس میں لوگوں پر آسانی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں اگرچہ وہ بخارا سے سمرقند تک ہو اھ۔ (ت)

فاقول قولہ ھوالصحیح ناظر الی اعتبار المساحۃ وحدھا من دون اشتراط الامتدادین وبہ یوافق تصحیحہ الاول بقولہ ھوالمأخوذ لا الی اشتراط عمق شبر والدلیل علیہ قول البرجندی قال

میں کہتا ہوں ان کا قول ھوالصحیح صرف پیمائش کو دیکھتے ہوئے ہے، دونوں امتدادوں کی اس میں شرط نہیں، اور اسی کی وجہ سے یہ ان کی پہلی تصحیح کے مطابق ہوجائیگا، وہ فرماتے ہیں یہی ماخوذ ہے، اس میں ایک بالشت کی گہرائی کی

---

[1] جواہر الاخلاطی

الامام ابوبکر الطرخانی اذا لم یکن له عرض صالح وکان طوله من بخاری الی سمرقند لایجوز التوضی منه وقال محمد بن ابرهیم المیدانی ان کان بحال لوجمع ماؤه یصیر عشرا فی عشر وصار عمقه بقدر شبر جاز التوضی به الکل فی الفتاوی الظهیریة وذکر فی الخلاصة ان الفقیه ابااللیث اخذ به وعلیه اعتماد الصدر الشهید وفی الملتقط ان کان عرض الغدیر ذراعین وبلغ طوله فی عرضه عشرا فی عشر فبال فیه انسان فالماء طاهر[1] اھ فانما الضمیر فی قوله اخذ به وقوله علیه اعتماد الی اعتبار المساحة ولو بالجمع والا لم تکن الحوالة رائجة لان عبارة الخلاصة فی جنس فی النهر هکذا ان کان الماء له طول وعمق ولیس له عرض کانهار بلخ ان کان بحال لوجمع یصیر عشرا فی عشر یجوز التوضی به وهذا قول ابی سلیمان الجوزجانی وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلیه اعتماد الصدر الشهید وقال الامام ابوبکر الطرخانی لایجوز وان کان من هنا الی سمرقند[2] اھ فلیس فیه ذکر العمق

شرط نہیں اور اس کی دلیل برجندی کا قول ہے "امام ابوبکر طرخانی نے فرمایا جب اس کی چوڑائی مناسب نہ ہو اور اس کی لمبائی خواہ بخارا سے سمرقند تک ہو تو اُس سے وضو جائز نہیں"۔ اور محمد بن ابراہیم میدانی نے فرمایا اگر حوض اتنا بڑا ہو کہ اگر اس کا پانی اکٹھا کیا جائے تو وہ دہ در دہ ہو جائے اور اس کی گہرائی بقدر ایک بالشت ہو تو اس سے وضو جائز ہے، یہ سب فتاوٰی ظہیریہ سے ماخوذ ہے" اور خلاصہ میں ذکر کیا کہ فقیہ ابو اللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر صدر الشہید کا اعتماد ہے، اور ملتقط میں ہے کہ اگر تالاب کی چوڑائی دو ہاتھ ہو اور اس کی لمبائی چوڑائی میں دہ در دہ ہو اور اس میں کوئی انسان پیشاب کرے تو پانی پاک ہے اھ اور ضمیر ان کے قول اخذ بہ اور علیہ میں اعتبار مساحت کی طرف راجع ہے اگرچہ جمع کے اعتبار سے ہو ورنہ تو حوالہ رائج نہ ہوتا کیونکہ خلاصہ کی عبارت جنس فی النہر میں اس طرح ہے کہ اگر پانی کے لیے لمبائی گہرائی ہو اور چوڑائی نہ ہو جیسے بلخ کی نہریں، ان میں کا پانی اگر جمع کر لیا جائے تو وہ دہ در دہ ہو جائے تو اُس سے وضو جائز ہے اور یہ ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے اور فقیہ ابو اللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر صدر الشہید کا اعتماد ہے، اور امام ابوبکر الطرخانی نے فرمایا جائز نہیں اگرچہ یہاں سے

[1] نعایة برجندی کتاب الطہارت نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳
[2] خلاصۃ الفتاوٰی جنس فی الانہار ؍؍ ۱/۹

اصلا فضلا عن تقدیرہ بشبر کیف والامام الجوزجانی اخذ فی العمق بالقول الاول وھو نفی التقدیر اسا قال فی البدائع اما العمق فھل یشترط مع الطول والعرض عن ابی سلیمان الجوزجانی انہ قال ان اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم اعتبروا البسط دون العمق[1] اھ فالمیدانی اخذ بقولہ فی اعتبار المساحۃ دون الامتدادین وزاد من عند نفسہ قدر العمق فنقلاہ فی الجواھر وشرح النقایۃ وذکرا تصحیحہ باعتبار اصلہ مع قطع النظر عن الزیادۃ لان المحل محل الخلافیۃ الاصل لاخلافیۃ العمق واللہ تعالٰی اعلم۔

سمرقند تک ہوا اس میں گہرائی کا سرے سے کوئی ذکر نہیں، چہ جائیکہ ایک بالشت کے اندازے کا ذکر ہو، پھر امام جوزجانی نے گہرائی کے بابت پہلا قول ہی اختیار کیا ہے، جس میں اندازہ کو مطلقاً ترک کیا گیا ہے، بدائع میں فرمایا کہ گہرائی کی بابت سوال یہ ہے کہ اس کو طول و عرض کے ساتھ مشروط کیا جائے گا، ابوسلیمان الجوزجانی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہمارے اصحاب نے چوڑائی کا اعتبار کیا ہے گہرائی کا نہیں' اھ تو میدانی نے پیمائش میں ان کے قول کو لیا ہے کہ دو امتدادوں میں اور اپنی طرف سے انھوں نے گہرائی کی مقدار کا اضافہ کیا، تو ان دونوں نے اس کو جواہر اور شرح نقایہ میں ذکر کیا اور ان دونوں نے اس کی تصحیح اصل کے اعتبار سے کی ہے اور زیادتی سے قطع نظر کیا ہے، کیونکہ یہ محل ہے جس کے اصل میں اختلاف ہے نہ کہ جس کے عمق میں اختلاف ہے، واللہ اعلم۔ (ت)

قول اول کی تصحیح امام زیلعی نے فرمائی،

قال فی التبیین والصحیح اذا اخذ الماء وجہ الارض یکفی ولا تقدیر فیہ فی ظاھر الروایۃ[2]۔

تبیین میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ جب زمین کی سطح پر پانی پھیل جائے تو وہ کافی ہے ظاہر الروایۃ میں کسی مقدار کا ذکر نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ھو الاوجہ لما عرف من اصل ابی حنیفۃ[3]۔

یہی اوجہ ہے جیسا کہ ابوحنیفہ کی اصل سے معلوم ہوا۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس تصحیح کی تضعیف کی فقال قیل والصحیح اذا اخذ

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا ایچ۔ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[2] تبیین الحقائق بحث عشر فی عشر بولاق مصر ۱/۲۲

[3] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

الماء الیٰ[1] (وہ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا صحیح یہ ہے کہ جب پانی لے الخ۔ ت)

اقول یہاں دو نظریں ہیں ایک بظاہر قوی اس قول کی تزییف میں دوسری کمال ضعیف اس کی تائید میں اور شاید اسی لیے امام ابن الہمام نے اس تصحیح کو ضعیف کیا مگر نظر دقیق اس کی قوت پر حاکم و باللہ التوفیق

اما التائید فلعل زاعما یزعم ان الکثیر قد الحق بالجاری فی کل حکم کما حققہ فی الفتح والجاری لاتقدیر فیہ للعمق کما دلت علیہ فروع کثیرۃ منھا مسألۃ المطر النازل علی سطح فیہ نجاسات فکذا ھھنا۔

اور جہاں تک تائید کا تعلق ہے شاید کوئی گمان کرنے والا گمان کرے کہ کثیر کو جاری کے حکم میں کیا گیا ہے تمام احکام میں، جیسا کہ اس کی تحقیق فتح میں ہے اور جاری کی گہرائی میں کوئی مقدار نہیں ہے، اور اس پر فروع کثیرہ دلالت کرتی ہیں ایک فرع ان میں سے یہ ہے کہ بارش چھت پر ہو اور وہاں مختلف نجاستیں ہوں تو یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

اقول ھب ان الکثیر ملحق بالجاری فی جمیع الاحکام لکن الکلام انہ متی یکون کثیرا فلا یمکن الالحاق قبل اثبات ان الکثرۃ لاتحتاج الی العمق الاتری ان الجاری لاتقدیر فیہ بشیئ من الطول ولا العرض کما دلت علیہ فروع جمۃ ذکرناھا فی رحب الساحۃ منھا الماء النازل من الابریق علی ید المستنجی قبل وصولہ الیھا ولا یلزم منہ عدم التقدیر بھما ھھنا ایضا فکذا العمق واللہ تعالی اعلم و **اما** التزییف ففی الراکد الکثیر قولان معتمدان الاول ظاھر الروایۃ وھو اعتبار عدم الخلوص ظنا وتفویضہ الی رأی المبتلی بہ من دون تقدیر بشیئ ومعرف ذلک التحریک عند ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی

میں کہتا ہوں مان لیا کہ کثیر تمام احکام میں جاری کے ساتھ ملحق ہے لیکن اصل گفتگو تو اس میں ہے کہ وہ کب کثیر ہوگا تو اس کو اس کے ساتھ ملحق کرنا اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ کثرت گہرائی کی محتاج نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جاری میں طول وعرض کا کوئی اندازہ نہیں، اس پر بہت سی فروع دلالت کرتی ہیں جن کا ذکر ہم نے رحب الساحۃ میں کیا، ایک فرع یہ ہے کہ لوٹے سے پانی استنجا کرنے والے کے ہاتھ پر گرے اس تک پہنچنے سے قبل اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان دونوں کا اندازہ نہ ہو یہاں بھی، تو عمق کا بھی یہی حال ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ اور تزییف کا بیان یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں دو معتمد قول ہیں، پہلا ظاہر الروایۃ ہے اور وہ بطور گمان عدم خلوص کا اعتبار ہے اور اس میں کوئی مقدار نہیں بلکہ جو اس

---

[1] فتح القدیر بحث عشر فی عشر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱

عنهم وهو بالتوضی علی الاصح والثانی معتمد عامة المتاخرین وعلیه الفتوی وهو التقدیر بعشر فی عشر اعنی مساحة مائة علی الصحیح فعدم التقدیر الموافق لاصل الامام رضی الله تعالٰی عنه انما هو علی الروایة الاولی اما الاٰن فالکلام علی تقدیر التقدیر فکیف یلاحظ فیه اصل عدم التقدیر کما فعل البحر ام کیف یراعی فیه ظاهر الروایة کما فعل الامام الفخر ونفس العشر فی عشر لیست فی ظاهر الروایة۔

میں مبتلی ہے اس کی رائے پر چھوڑا گیا ہے اور اس کی پہچان ہمارے ائمہ ثلثہ کے نزدیک حرکت دینا ہے اور یہ حرکت اصح قول کے مطابق وضوء سے ہوگی، اور دوسرا قول عام متاخرین کا مختار ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور اس سے مراد دہ در دہ کی مقدار ہے، یعنی سو ہاتھ کی پیمائش صحیح قول پر ہے، اور اندازہ نہ ہونا جو امام کی اصل کے مطابق ہے وہ پہلی روایت کے مطابق ہے، اور اب گفتگو مقدار کی تقدیر پر ہے تو اس میں عدم تقدیر کی اصل کا لحاظ کیسے ہوگا جیسا کہ بحر نے کیا ہے یا اس میں ظاہر روایۃ کی رعایت کیسے ہوگی؟ جیسا کہ امام فخر نے کیا ہے جبکہ دہ در دہ ظاہر روایۃ میں کوئی قول نہیں۔ (ت)

ف اقول والتحقیق عندی ان التقدیر بعشر فی عشر لیس حکما [illegible] ف۲ فیحتاج الی ابداء اصل له کما تجشمه الامام ف۳ صدر الشریعة ویطعن فیه بانه لا یرجع الی اصل فی الشرع کما قاله فی البحر وتبعه فی الدر ویرد بمخالفته لقول الامام المصحح من کثیرین اعلام کما یتوهم بل هو تقدیر منهم رحمنا الله تعالٰی بهم لما فی ظاهر الروایة من عدم الخلوص وجدوا هذا القدر لا یخلص فحکموا به قال فی البدا ئع ذکر ابوداؤد ولا یکاد یصح لواحد من الفریقین حدیث عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی تقدیر الماء ولهذا رجع اصحابنا فی التقدیر الی الدلائل

میں کہتا ہوں میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ دہ دردہ کا اندازہ مستقل حکم نہیں ہے کہ اس کیلئے کوئی اصل تلاش کرنا ہو، جیسا کہ صدر الشریعۃ نے اس کی کوشش کی ہے، اور اس پر یہ اعتراض کہ یہ چیز شریعت کی کسی اصل پر متفرع نہیں، جیسا کہ بحر میں فرمایا اور دُر نے اس کی متابعت کی، اور اسکو اس بنا پر رد کردیا جائے کہ یہ قول اکثر علماء کے مطابق امام کے صحیح قول کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے جیسا کہ وہم ہوتا ہے بلکہ یہ اُن کی طرف سے اندازہ ہے، کیونکہ ظاہر روایت میں عدم خلوص ہے اور اس مقدار میں انہوں نے خلوص نہ پایا تو اُنھوں نے اس پر یہ حکم لگایا۔ بدائع میں فرمایا ابوداؤد نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث جو پانی کے اندازہ سے متعلق ہے فریقین میں سے کسی کیلئے کوئی حدیث

الحسیۃ دون السمعیۃ ثم اختلفوا فی تفسیر الخلوص فاتفقت الروایات عن اصحابنا انہ یعتبر بالتحریک وابو حفص الکبیر اعتبر الخلوص بالصبغ وابو نصر بالتکدیر والجوزجانی بالمساحۃ فقال ان کان عشرا فی عشر فھو مما لا یخلص وان کان دونہ فھو مما یخلص[1] اھ فقد جعل ھذا تفسیرا لما فی المذھب وقال فی الغنیۃ تحت قولہ الحوض اذا کان عشرا فی عشر المقصود من ھذا التقدیر حصول غلبۃ الظن بعدم خلوص النجاسۃ[2] اھ فاذا کان ھذا تفسیر ما فی ظاھر الروایۃ وجبت رعایتہا فیہ وبقی عمقہ علی اصل الامام لان ھذا انما ھو تقدیر ما لا یخلص وما لا یخلص لم یعتبر فیہ عمق فی ظاھر الروایۃ فلا داعی الی اعتبارہ ھنا اللھم الا ان یثبت ان للعمق مدخلا فی خلوص الحرکۃ وعدمہ ایضا فح یقال ان ظاھر الروایۃ حیث احالت الامر علیہ ارسلت الامتدادات ارسالا وکان ذلک الواجب حینئذ اما انتم فقدرتم الامتدادین ولیس ان کل عمق

صحیح نہیں، اور اسی لیے ہمارے اصحاب نے اندازہ میں دلائلِ حسیہ کی طرف رجوع کیا نہ کہ سمعیۃ کی طرف۔ اب خلوص کی تفسیر میں اختلاف ہے تو ہمارے اصحاب کی متفقہ روایت میں ہلانے کا اعتبار ہے، اور ابو حفص کبیر نے خلوص رنگنے کو کہا اور ابو نصر نے گدلا ہونے کو کہا اور جوزجانی نے پیمائش کو کہا، فرمایا کہ اگر وہ دہ در دہ ہو تو اس میں خلوص نہیں اور اگر اس سے کم ہے تو اس میں خلوص ہے اھ انہوں نے یہ مذہب کی تفسیر بنائی ہے غنیہ میں مصنف کے قول الحوض اذا کان عشرا فی عشر کے تحت ہے کہ اس تقدیر سے مقصود نجاست کے عدم خلوص کی بابت ظنِ غالب کا حصول ہے اھ اور جب یہ ظاہر روایت کی تفسیر ہے تو اس کی رعایت اس میں لازم ہے، اور امام کی اصل کے مطابق عمق باقی رہا کیونکہ یہ اسکی تقدیر ہے جس میں خلوص نہ ہو اور جس میں خلوص نہ ہو ظاھر الروایۃ کے مطابق اس میں عمق معتبر نہیں، تو یہاں اس کے اعتبار کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اگر عمق کا دخل خلوصِ حرکت اور عدمِ خلوص میں ثابت کردیا جائے، تو اس وقت کہا جائیگا کہ ظاہر روایت نے جہاں معاملہ کا دارومدار اس پر رکھا ہے تو امتدادات کو مطلق رکھا ہے اور اس وقت یہی لازم تھا اور تم نے دونوں امتدادوں کی تقدیر کی ہے اور ان دونوں کے بعد ہر عمق برابر نہیں تو تم پر لازم ہے کہ ایک ایسے عمق کی تقدیر کرو کہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] غنیۃ المستملی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۸

بعدھما سواء فیجب علیکم تقدیر عمق لایقبل معه الامتداد ان الخلوص فافھم وح لایضاد القول الحادی عشر للقول الاول اذ ترك التقدیر فی ظاھر الروایة لایکون اذن لنفیه بل لعدم تعینه و اختلافه باختلاف الامتدادات فیصح التفویض الی رأی الناظر لکنه شیئ یحتاج الی ثبت ودونه خرط القتاد بل یدفعه ان لوکان کذلك لم یصح تعیین عشر فی عشر فانه یختلف الامتدادات المانعات للخلوص علی ھذا باختلاف الاعماق فکیف یجوز التحدید علی شیئ منھا وھو عود علی المقصود بالنقض فترجح ان الاوجه ھو ظاھر الروایة بل ھی الوجه ھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم۔

کہ اس کے ہوتے ہوئے دونوں امتداد خلوص کو قبول نہ کریں فافہم، اس صورت میں گیارھواں قول پہلے قول کی ضد نہ ہوگا کہ ظاہر روایت میں تقدیر کا ترک کرنا اس کی نفی کے لیے نہ ہوگا بلکہ اس کی عدمِ تعیین کے لیے ہوگا اور اس کا اختلاف امتدادات کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا تو دیکھنے والے کی رائے کی طرف اس کو سپرد کرنا صحیح ہوگا، مگر یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو دلیل کی ضرورت ہے حالانکہ اسکی دلیل مشکل ہے بلکہ اس کا رَد یہ ہے کہ اگر بات یہی ہوتی تو دہ در دہ کی تعیین صحیح نہ ہوتی، کیونکہ جو دو امتداد خلوص کے مانع ہیں اس بنا پر گہرائیوں کے اختلاف سے مختلف ہونگے تو ان میں سے کسی ایک کی تحدید کیونکر درست ہوگی اور یہ تو نقض کے سبب مقصود کی طرف عود کرنا ہے تو راجح یہی قرار پایا کہ ظاہر روایت ہی درست ہے بلکہ صرف ایک یہی وجہ ہے ھذا ما عندی الخ (ت)

اس قول کی تصحیح امام زیلعی کے سوا دوسرے سے نظر میں نہیں،

اما ما فی البحر فی البدائع اذا اخذ الماء وجه الارض یکفی ولا تقدیر فیه فی ظاھر الروایة وھو الصحیح[1] اھ

اور جو بحر میں ہے کہ بدائع میں ہے جب پانی زمین کی سطح کو چھپالے یہ اس کے لیے کافی ہے اور ظاہر الروایۃ میں کوئی تقدیر متعین نہیں، اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

فاقول ھذا کما تری کلام التبیین ولیس فی البدائع انما ذکر قید عن الجوزجانی ما تقدم ثم قال وعن الفقیه ابی جعفر

میں کہتا ہوں یہ تبیین کا کلام ہے اور یہ بدائع میں نہیں اس میں تو جوزجانی سے جو منقول ہے وہ بیان ہوچکا ہے، پھر فرمایا فقیہ ابو جعفر

---

[1] بحر الرائق بحث عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

الهندوانی ان کان بحال لورفع انسان الماء بکفیه انحسر اسفله ثم اتصل لا یتوضؤ به ثم ذکر الزیادة علی عرض الدرھم والشبر والذراع ولم یصحح شیئا منھا نعم قال قبله فی الماء الجاری اختلف المشایخ فی حد الجریان قال بعضھم ھو ان یجری بالتبن والورق وقال بعضھم ان کان بحیث لو وضع رجل یدہ فی الماء عرضا لم ینقطع جریانه فھو جار والا فلا وروی عن ابی یوسف ان کان بحال لو اغترف انسان الماء بکفیه لم ینحسر وجه الارض بالاغتراف فھو جار والا فلا وقیل ما یعدہ الناس جاریا فھو جار وما لا فلا وھو اصح الاقاویل[۱] اھ فقد افاد تصحیح عدم التقدیر بعمق لکنه فی الجاری وھو کذٰلک فیه بلا شك والکلام ھھنا فی الراکد الکثیر

ہندوانی کہتے ہیں کہ اگر پانی ایسا ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے تو اسکی تہ کھل جائے پھر جُڑ جائے تو اُس سے وضو نہیں ہوسکتا ہے، پھر درہم، بالشت اور ایک ہاتھ سے زائد کی چوڑائی کا ذکر کیا اور ان میں سے کسی کی تصحیح کا ذکر نہیں کیا ہاں اس سے قبل جاری پانی کی بابت کہا کہ مشایخ کا حدِ جریان میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ پانی میں چوڑائی میں ڈالے تو پانی کا جاری رہنا ختم نہ ہو تو وہ جاری ہے ورنہ نہیں، بعض نے فرمایا کہ اگر اس پانی میں کوئی تنکا ڈالا جائے یا پتہ ڈالا جائے تو بہا لے جائے، اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ ایسا پانی ہو کہ اگر کوئی شخص اس میں سے چُلّو بھر کر پانی لے تو زمین کھلنے نہ پائے، ایسا پانی جاری ہے ورنہ نہیں، ایک قول ہے کہ جس کو لوگ جاری سمجھیں وُہ جاری ہے اور جس کو جاری نہ سمجھیں وُہ جاری نہیں اور سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے اھ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے گہرائی کا تعین نہیں فرمایا، لیکن یہ جاری پانی میں ہے اور اس میں شک نہیں، اور گفتگو یہاں ٹھہرے ہوئے کثیر پانی میں ہے۔

اما قول البحر ھو الاوجه فاقول ھو رحمه اللّٰه تعالٰی مع علو کعبه الرجیح لیس من ارباب الترجیح کما یعرفه من رزق حظا من النظر الصحیح وخدمة ھذا

لیکن بحر کا قول معقول تر ہے، میں کہتا ہُوں وہ بلندی مقام کے باوجود اصحابِ ترجیح سے نہیں ہیں جیسا کہ صاحبِ نظر اور فن کا ماہر جانتا ہے، ابن عابدین نے اپنی منظوم کی شرح عقود رسم المفتی میں بحر سے نقل کے

---

[۱] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[۲] ایضاً ۱/۷۱

الفن بفکر نجیح ؂ وقال سیدی محمد بن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح منظومتہ عقود رسم المفتی بعد ما نقل عن البحر فیما نقلوا عن اصحابنا انہ لایحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا ان ھذا الشرط کان فی زمانھم اما فی زماننا فیکتفی بالحفظ کما فی القنیۃ وغیرھا فیحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم نعلم من این قال فینتج من ھذا انہ یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشایخ بخلافہ[1] اھ ما نصہ یؤخذ من قول صاحب البحر یجب علینا الافتاء بقول الامام الخ انہ نفسہ لیس من اھل النظر فی الدلیل فاذا صحح قولا مخالفا لتصحیح غیرہ لایعتبر فضلا عن الاستنباط والتخریج علی القواعد خلافا لما ذکرہ البیری عند قول صاحب البحر فی کتابہ الاشباہ النوع الاول معرفۃ القواعد التی ترد الیھا وفرعوا الاحکام علیھا وھی اصول الفقہ فی الحقیقۃ وبھا یرتقی الفقیہ الی درجۃ الاجتھاد ولو فی الفتوٰی واکثر فروعہ ظفرت بہ[2] الخ فقال البیری بعد ان عرف المجتھد فی المذھب بما

بعد جو اصحاب سے نقل کیا وہ یہ کہ کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتوٰی دے تاوقتیکہ اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے یہ قول لیا، اس کے بعد فرمایا یہ اُن کے زمانہ میں تھا، مگر ہمارے زمانہ میں صرف یاد پر اکتفاء کرنا کافی ہے، جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے تو امام کے قول پر فتوٰی حلال ہے بلکہ واجب ہے خواہ یہ معلوم نہ ہو کہ انھوں نے کہاں سے یہ قول لیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر قولِ امام پر فتوٰی دینا واجب ہے خواہ یہ قولِ مشایخ کے خلاف ہو اھ صاحب بحر کا قول یہ ہے "ہم پر قولِ امام پر فتوٰی واجب ہے الخ وہ خود دلیل میں غور وفکر کی اہلیت نہیں رکھتے، اب اگر وہ کسی قول کی تصحیح کریں جو غیر کی تصحیح کے خلاف ہو تو اعتبار نہ ہوگا چہ جائیکہ استنباط وتخریج جو قواعد کے مطابق ہو، بیری نے اس کے خلاف کیا ہے، یہ صاحب بحر کے اس قول کے پاس ہے جہاں وُہ اپنی کتاب 'الاشباہ' میں فرماتے ہیں' پہلی قسم اُن قواعد کی معرفت میں جن پر فقہاء نے احکام متفرع کئے ہیں، اور یہی حقیقۃ میں اصولِ فقہ ہیں' اور ان کے ذریعہ فقیہ درجہ اجتہاد تک پہنچتا ہے خواہ یہ اجتہاد فتوٰی میں ہو' اور اُس کی اکثر فروع پر مجھے کامیابی ہوتی ہے الخ بیری نے مجتہد فی المذہب کی تعریف کی جو ہم نے

---

[1] شرح المنظومۃ المسماۃ بعقود رسم المفتی من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۸

[2] الاشباہ والنظائر بکون ہذا النوع الثانی منہا ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۵

قد مناه عنه وفی هذا اشارة الی ان المؤلف قد بلغ هذه المرتبة فی الفتوی وزیادة وهو فی الحقیقة قد من الله تعالی علیه بالاطلاع علی خبایا الزوایا وکان من جملة الحفاظ المطلعین انتهی اذ لا یخفی ان ظفره باکثر فروع هذا النوع لا یلزم منه ان یکون له اهلیة النظر فی الادلة التی دل کلامه فی البحر علی انها لم تحصل له وعلی انها شرط الاجتهاد فی المذهب فتأمل اھ

بیان کی پھر فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ مصنف فتوی میں خود اس مرتبہ پر فائز ہے، بلکہ اس سے زیادہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اسرار و رموز پر مطلع فرمایا تھا اور وہ حفاظ میں سے تھے انتہی ، یہ مخفی نہ رہے کہ اُن کا اس کی اکثر فروع پر مطلع ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ صاحبِ فکر و نظر بھی ہیں کہ یہ مقام ان کو حاصل نہیں ، یہ مجتہد فی المذہب کی شرائط ہیں فتأمل اھ (ت)

اقول ای بالمعنی الذی عرفه به بیری زاده شاملا للمجتهد فی المسائل و اهل التخریج والمجتهد فی الفتوی حیث قال المجتهد فی المذهب عرف بانه المتمکن من تخریج الوجوه علی منصوص امامه والمتبحر فی مذهب امامه المتمکن من ترجیح قول له علی اٰخر اھ لا المجتهد فی المذهب الذی هی الطبقة الثانیة الفائقة علی الثلثة الباقیة لقول البحر ولو فی الفتوی۔

میں کہتا ہوں، یعنی اُس معنی کے اعتبار سے جو بیری زادہ نے کیے ہیں یہ مجتہد فی المسائل کو بھی شامل ہے اور اہل تخریج اور مجتہد فی الفتوی کو بھی، انھوں نے فرمایا کہ مجتہد فی المذہب کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ ایسا عالم ہوتا ہے جو اپنے امام کے بیان کردہ مسئلہ کی وجوہ کی تخریج پر قادر ہو، اور مذہبِ امام کا متبحر عالم ہو اس کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دے سکتا ہو، نہ کہ مجتہد فی المذہب، جو دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے جو باقی تین پر فائق ہوتا ہے، کیونکہ بحر نے فرمایا "اگرچہ فتوی میں"۔ (ت)

واقول لم یدع البحر ان من عرف

میں کہتا ہوں بحر نے یہ دعوی نہیں کیا کہ جو

۱؎ بیری زادہ

۲؎ بیری زادہ

الفروع ارتقی الی مرتبۃ الاجتہاد واین جمعہا من اھلیۃ النظر فی الدلیل و الصید لہ من الطب وانما اراد ان تلک القواعد من ادرک حقا لفقہہا وان الفروع کیف تستنبط منہا وترد الیہا کان ذلک سلما لہ یرتقی بہا الی ادنی درجات الاجتہاد ولم یدع ھذا لنفسہ انما ذکر الظفر [ف ۱] باکثر الفروع فاین ھذا من ذاک والعجب کیف خفی ھذا علی العلامۃ بیری مع وضوحہ ثم ھو ایضا [ف ۲] لم یشھد بحصول درجۃ الاجتہاد فی الفتوی لہ رحمہما اللہ تعالی انما زعم ان فی کلام البحر اشارۃ الیہ وشھد بکونہ من الحفاظ المطلعین وھذا لاشک فیہ وقد قال السید ابو السعود الازھری فی فتح اللہ المعین لا یعتمد علی فتاوی ابن نجیم ولا علی فتاوی[۱]

شخص بھی فروع کو جانے گا وہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہوجائے گا، فروع کا یاد کرنا اور ہے اور فکر و نظر چیزے دگر است، یہ بالکل ایسا ہے جیسے دوافروش اور طبیب کا فرق ہوتا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان قواعد کو پہچاننے لگے اور اُن سے استنباطِ مسائل کا طریقہ معلوم کرلے، تو یہ اجتہاد کے ادنٰی درجہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور انھوں نے خود اپنے لیے اس مقام کا دعوٰی نہیں کیا ہے انھوں نے تو محض یہ کہا ہے کہ وہ اکثر فروع کے جاننے میں کامیاب ہوئے ہیں دونوں میں بڑا فرق ہے تعجب ہے کہ یہ حقیقت علامہ بیری پر کیسے مخفی رہی حالانکہ بالکل واضح ہے، پھر اُنھوں نے اپنے لیے درجۂ اجتہاد فی الفتوٰی کا دعوٰی کبھی نہیں کیا ہے رحمہما اللہ تعالٰی، صرف یہ کہا ہے کہ بحر کے کلام میں اس طرف اشارہ ہے اور انھوں نے اس امر کی شہادت دی ہے

---

[۱] اقول کذا قال ولم اطلع علیہا لاعلم حالہا لکن قال فی کشف الظنون من الذال تحت ذخیرۃ الناظر فی الاشباہ والنظائر انہا للعالم الفاضل علی الطوری المصری الحنفی المتوفی سنۃ ۱۰۰۴ اربع والف ثم قال قال الامینی فی خلاصۃ الاثر اخذ عن الشیخ زین الدین بن نجیم وغیرہ حتی برع وتفنن والف مؤلفات ورسائل فی الفقہ کثیرۃ کان یفتی وفتاواہ جیدۃ

میں کہتا ہوں انھوں نے یہی فرمایا ہے لیکن میں اس پر مطلع نہیں ہوا، مگر کشف الظنون میں ذال کی تختی میں ذخیرۃ الناظر فی الاشباہ والنظائر کے تحت ہے کہ یہ کتاب عالم فاضل علی الطوری المصری الحنفی المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ کی ہے پھر انھوں نے کہا کہ امینی نے خلاصۃ الاثر میں کہا کہ انہوں نے شیخ زین الدین بن نجیم وغیرہ سے علم حاصل کیا یہاں تک کہ وہ عظیم المرتبت عالم ہوگئے اور علم فقہ میں بہت سی کتب و رسائل تصنیف کیے وہ فتوے دیتے تھے اور ان کے فتوے (باقی برصفحہ آئندہ)

الطوری اھ[1] واقرہ ش فی غیر موضع من رد المحتار وفی ط عنہ سمعت کثیرا من شیخنا (یرید اباہ السید علیا رحمہما اللہ تعالٰی) فتاوی الطوری کفتاوی الشیخ زین لا یوثق بہما الا اذا تائیدت بنقل اخر اھ[2] وکیف یصح لمجتہد فی الفتوی ان یمنع العمل بفتاواہ۔

کہ وہ حفاظ میں سے ہیں، اور اس میں شک کی گنجائش نہیں، ابوالسعود الازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا نہ تو ابن نجیم کے فتاوٰی پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی طوری کے فتاوی پر اھ اور اس کو "ش" نے برقرار رکھا یہ چیز ردالمحتار کے کئی مقامات پر مذکور ہے اور "ط" میں انہی سے منقول ہے کہ ہم نے اپنے شیخ سے بکثرت سنا ہے (اس سے مراد ان کے باپ سید علی ہیں) وہ فرماتے تھے فتاوٰی طوری شیخ زین کے فتاوٰی کی طرح ہیں، ان دونوں کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر کسی اور نقل سے ان کی تائید ہو جائے تو اور بات ہے، اور ایک مجتہد فی الفتوٰی کو یہ بات کب زیب دے سکتی ہے کہ وہ اپنے فتوی پر عمل کی مخالفت کرے۔ (ت)

قول سوم کی ترجیح عامہ کتب میں ہے وقایہ[1] ونقایہ[2] واصلاح[3] وغرر[4] وملتقی[5] متون وتنویر[6] کردرے وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا امام اجل قاضی خان[7] نے اسی کو مقدم رکھا اور امام اعظم سے امام ابو یوسف کی روایت بتایا ہدایہ[8] ودرر[9] ومجمع الانہر[10] ومسکین[11] ومراقی الفلاح[12] وہندیہ[13] میں اسی کو صحیح اور ذخیرۃ العقبٰی[14] میں اصح اور غیاثیہ[15] وغنیہ[16] وخزانۃ[17] المفتین میں مختار کہا معراج[18] الدرایہ وفتاوٰی[19] ظہیریہ وفتاوٰی[20] خلاصہ وجوہرہ[21] نیرہ وشلبیہ[22] وغیرہا میں علیہ الفتوٰی فرمایا اس قول میں عبارات علماء تین طور پر آئیں:

اول مطلق اغتراف یا غرف کہ ہاتھ سے پانی لینا ہے ایک سے ہوخواہ دونوں سے دونوں کو شامل ہے عام عبارات اسی طرح ہیں جیسے خانیہ وخزانہ کے سوا اکثر کتب مذکورہ اور بحر وشامی وغیرہا۔

دوم لفظ کف یا ید بصیغۂ مفرد سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں ہی مروی ہوا فتاوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقبولۃ وبالجملۃ فہو فی فقہ الحنفیۃ الجامع الکبیر لہ الشہرۃ التامۃ فی عصرہ والصیت الذائع انتہی ۱۲ منہ غفر لہ (م)

بہت عمدہ اور مقبول ہوتے تھے، خلاصہ یہ کہ یہ کتاب فقہ حنفی میں جامع ہے اور اسے اپنے زمانہ میں شہرت تام حاصل ہے۔ (ت)

---

[1] فتح المعین بحوالہ ردالمحتار رسم المفتی مصطفی البابی مصر ۱/۵۲

[2] طحطاوی

امام قاضی خان میں ہے :

انکان بحال لورفع الماء بکفہ لا ینحسر ما تحتہ من الارض فھو عمیق رواہ ابویوسف عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔[1]

اگر پانی اس حال پر ہے کہ اگر ہتھیلی سے پانی اٹھائے تو زمین نیچے سے نہ کھلے تو وہ گہرائی والا ہے اس کو ابویوسف نے ابوحنیفہ سے روایت کیا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے :

وعمقہ بحال لورفع الماء بکفہ لاینحسر ما تحتہ من الارض وھو المختار۔[2]

پانی کی گہرائی یہ ہے کہ اگر ہتھیلی سے پانی اٹھائے زمین نیچے سے نہ کھلے یہی مختار ہے۔ (ت)

چلپی علی صدرالشریعۃ میں ہے :

والغرف اخذ الماء بالید للتوضی وھو الاصح۔[3]

غرف ہاتھ کے ذریعے وضو کے لیے پانی لینے کو کہتے ہیں اور یہی اصح ہے۔ (ت)

سوم کفین بصیغہ تثنیہ یہ امام ابویوسف سے مروی آیا اور اسی کو امام فقیہ ابوجعفر ہندوانی نے اختیار فرمایا زیلعی علی الکنز میں ہے :

عن ابی یوسف اذا کان لا ینحسر وجہ الارض بالاغتراف بکفیہ فھو جار[4] اھ وقد مناہ عن ملک العلماء واذا کان ھذا فی الجاری حقیقۃ ففی الملحق[علہ]

اور ابویوسف سے مروی ہے کہ جب دو چلّو بھر کر پانی اٹھانے سے زمین کی سطح نہ کھلے تو یہ پانی جاری ہے اھ ہم اس کو ملک العلماء سے پہلے ہی نقل کر آئے ہیں، جب یہ بات حقیقی جاری پانی میں ہے تو

علہ اقول وھذا بخلاف ما فعل فی البحر فان تصحیح الاطلاق فی الجاری لا یستلزم تصحیحہ فی الملحق بہ واشتراط العمق فیہ یستلزم اشتراطہ فی الملحق بالاولٰی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں یہ اسکے خلاف ہے جو بحر میں کیا ہے کیونکہ جاری میں اطلاق کی تصحیح سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو جاری سے ملحق ہو اس میں بھی یہی تصحیح ہوگی اور گہرائی کی شرط اس میں اس امر کو مستلزم ہے کہ یہی شرط ملحق میں بھی ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] خزانۃ المفتین

[3] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الطہارۃ مطبعہ اسلامیہ لاہور ۱/۶۸

[4] تبیین الحقائق " مطبعہ الازہریہ مصر ۱/۲۳

به بالاولی۔

جو جاری پانی سے ملحق ہوگا اس میں بطریق اولٰی ہوگی۔ (ت)

بدائع میں ہے:

عن الفقیہ ابی جعفر الہندوانی انکان بحال لورفع انسان الماء بکفیہ انحسر اسفلہ ثم اتصل لایتوضؤ بہ وانکان لاینحسر اسفلہ لاباس بالوضوء منہ[1]۔

فقیہ ابو جعفر ہندوانی سے منقول ہے کہ وہ پانی ایسا ہو کہ اگر کوئی اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے تو اس کے نیچے زمین کھل جائے اور پھر مل جائے، ایسے پانی سے وضو نہیں ہوگا اور اگر اس کے نیچے سے زمین نہ کھلتی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

بالغرفۃ ای برفع الماء بالکفین[2]۔

بالغرفۃ یعنی دو ہتھیلیوں سے پانی اٹھانا۔

عبد الحلیم الدرر میں ہے:

ای باخذ الماء بالکفین[3]۔

یعنی دو ہتھیلیوں میں پانی لینا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قولہ بالغرف منہ ای بالکفین کما فی القہستانی وفی الجوہرۃ علیہ الفتوی[4]۔

اقول ربما یتوھم منہ ان الفتوی علی الکفین ولیس کذلك فانما عبارۃ الجوہرۃ اما مقدار العمق فالاصح ان یکون بحال لاتنحسر الارض بالاغتراف وعلیہ الفتوی[5] اھ فکان ینبغی ان یقدم

بالغرف منہ یعنی دو ہتھیلیوں سے، جیسا کہ قہستانی میں ہے اور جوہرہ میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے یہ وہم پیدا ہو کہ فتوٰی کفین پر ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ جوہرہ کی عبارت یہ ہے "اور گہرائی کی مقدار میں اصح یہ ہے کہ چُلّو بھرنے سے زمین نہ کھلتی ہو، اسی پر فتوٰی ہے اھ تو ان کو جوہرہ کی عبارت پہلے لانی چاہئے تھی

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ سعید کمپنی کراچی ۷۳/۱

[2] جامع الرموز بحث عشر فی عشر الکریمیہ قزان ایران ۴۸/۱

[3] حاشیۃ علی الدرر للعبد الحلیم مطبعہ عثمانیہ مصر ۱۷/۱

[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶

[5] الجوہرۃ النیرۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۶/۱

عبارتہا و یقول قولہ بالغرف علیہ الفتوی جوھرۃ ای بالکفین قہستانی۔[1]

اور یوں کہنا چاہئے تھا قولہ بالغرف علیہ الفتوٰی جوھرۃ یعنی بالکفین قہستانی۔ (ت)

علامہ برجندی نے کف واحد کو مرجح اور کفین کو محتمل رکھا:

حیث قال بالکف الواحد علی ماھو المفھوم من اطلاقات الکتب ویحتمل ان یکون المراد بالغرف الاخذ بالکفین معا علی ما ھو المتعارف اھ[1]

اس لیے فرمایا کہ بالکف الواحد، یہی کتابوں کے اطلاقات سے مفہوم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بالغرف سے مراد دونوں چلّوؤں سے لینا ہو، جیساکہ متعارف ہے اھ (ت)

اقول وقد یؤخذ ترجیح لہ من فحوی الدرر فان نصہا الصحیح ان یکون بحیث لاتنکشف ارضہ بالغرف للتوضی وقیل للاغتسال اھ[2] وذلک لان المراد ھھنا الغرف بالایدی دون الاوانی ولا یظہر الفرق بین الغرف للوضوء والاغتسال بالایدی الا ان الاول بکف والاٰخر بالکفین کما ھو المعتاد فی الغسل وح یعود الیہ تصحیح ذخیرۃ العقبی المذکور ویزیدہ قوۃ انہ المروی عن الامام ھذا کلہ ظاھر النظر۔

میں کہتا ہُوں کبھی اس کی ترجیح درر کے فحوی سے بھی معلوم ہوتی ہے اس کی عبارت یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وضُو کے لیے چلّو سے پانی لیتے وقت اس کی زمین نہ کھلتی ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ غسل کے لیے پانی لیتے ہوئے نہ کھلتی ہو اھ کیونکہ یہاں چلّو سے مراد ہاتھ کا چلّو بھرنا ہے نہ کہ برتن کا چلّو، اور وضو کے لیے چلّو سے پانی لینے اور ہاتھ سے غسل کرنے میں صرف یہی فرق ہے کہ وضو ایک ہاتھ سے اور غسل دو ہاتھ سے ہوتا ہے، جیساکہ عادتًا غسل میں کیا جاتا ہے اور اس وقت اس کے لیے ذخیرۃ العقبٰی کی تصحیح ہوگی، اور اس کو مزید تقویت اس سے ہوتی ہے کہ امام سے مروی ہے یہ جو کچھ ہے ظاہر نظر میں ہے۔ (ت)

واقول وباللہ التوفیق ترجیح علامہ برجندی میں نظر ہے،

اولاً اذا اعترف انہ المتعارف فلو لاینصرف المطلق الیہ۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہی متعارف ہے تو مطلق اسی کی طرف کیوں نہیں پھرتا۔ (ت)

ثانیاً وہ عند التحقیق منعکس ہے اطلاقات متون وعامہ کتب سے اغتراف کفین ہی مستفاد،

---

[1] قہستانی برجندی کتاب الطہارۃ نولکشور بالسرور ۱/۳۳

[2] الدرر فرض الغسل دار السعادۃ مصر ۱/۲۲

وذلك لان الغرف کما قلتم مطلق شامل باطلاقه الغرفة بکف وکفین غیرانه لیس ھھنا فی کلام موجب بل سالب والمطلق وان کان یوجد بوجود فرد لا ینتفی الا بانتفاء الافراد جمیعا فی التحریر ثم فواتح الرحموت من بحث النکرۃ المنفیۃ نفی المطلق یوجب نفی کل فرد اھ[1]

بل اقول اللام فی الغرف والاغتراف لیس للعھد ضرورۃ فان کان للاستغراق فذاك فانه لکل فرد لا لمجموع الافراد والا فللجنس وھو الوجه المفھوم و نفی الجنس فی العرف واللغة لا یکون الا بنفی جمیع الافراد[2] فواتح فافھم ولا شك ان من اغترف بکفیه فانحسرت الارض یقول انھا ارض تنحسر بالغرف وان کانت لا تنحسر بکف واحدۃ واذا صدق به الانحسار لا یصدق عدمه الا اذا لم تنحسر بشیئ من الغرفات وتوجیه الدرر بما مر فیه ان المعتاد فی الوضوء ایضا الاغتراف بالکفین فی غسل الوجه مطلقا وفی غسل الرجلین اذا لم یکن بالغمس لاجرم ان اطلق البرجندی تعارفه علی

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا آپ نے کہا غرف مطلق ہے، خواہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے، البتہ یہ کلام موجب میں نہیں ہے کلام سالب میں ہے، اور مطلق اگرچہ ایک فرد کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے مگر اس کا انتفاء اسی وقت ہوگا جب تمام افراد کا انتفاء ہوگا تحریر میں پھر فواتح الرحموت میں نکرہ منفیہ کی بحث سے ہے کہ مطلق کی نفی ہر فرد کی نفی کو ثابت کرتی ہے۔ (ت)

بلکہ میں کہتا ہوں لام "الغرف" اور "الاغتراف" میں عہد کے لیے نہیں، اور اگر یہ استغراق کے لیے ہو تو درست ہے کہ وہ ہر فرد کے لیے ہے مجموعۂ افراد کے لیے نہیں، ورنہ یہ جنس کے لیے ہوگا، اور یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے، اور جنس کی نفی عرف ولغت میں تمام افراد کی نفی سے ہی ہوتی ہے، فواتح فافہم اور اس میں شک نہیں کہ جس نے دونوں ہتھیلیوں سے پانی لیا اور زمین کھل گئی تو یہی کہا جائیگا کہ چلو بھرنے سے زمین کھل جاتی ہے، اگرچہ ایک ہتھیلی سے نہ کھلے اور جب اس کی وجہ سے کھلنا صادق آگیا تو نہ کھلنا صادق نہیں آئے گا، صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ کسی چلو سے زمین نہ کھلے اور درر میں یہ توجیہ ہے کہ وضو میں بھی عام طور پر دونوں ہاتھ سے چلو بھرا جاتا ہے چہرے کے دھونے میں مطلقاً اور دونوں پیروں کے دھونے میں جبکہ ڈبو کر نہ دھویا جائے، برجندی نے تعارف کو مطلق

[1] فواتح الرحموت بحث النکرۃ المنفیۃ مطبعۃ امیر قم ۱/۲۶۱
[2] ایضاً ۱/۲۶۰

الی لم ار من فرق ھھنا بالوضوء والغسل انما المعروف ذلك فی معرفۃ الخلوص من جانب الی آخر بالتحریك ولم یتکلم علیہ محشوہ الشرنبلالی وعبد الحلیم والحسن العجیمی والخادمی رحمھم اللہ تعالٰی ورد ہ الثانی بقولہ ان کلا منھما (ای من الوضوء والغسل محتاج الی اخذہ بھما (ای بالیدین) قال فظھر ان لا وجہ لتضعیف الثانی اھ[1]

رکھا ہے علاوہ ازیں میں نے نہیں دیکھا کہ یہاں کسی نے وضو اور غسل میں فرق کیا ہو، اس سلسلہ میں معروف یہ ہے کہ خلوص کی معرفت ایک جانب سے دُوسری جانب تک حرکت کے ذریعے ہوگی اس پر اس کے حاشیہ نگاروں، شرنبلالی، عبدالحلیم، حسن العجیمی اور خادمی رحمہم اللہ نے کلام نہیں کیا، اور دوسرے نے اس کی تردید اس طرح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک (یعنی غسل و وضوء میں سے) محتاج ہوتا ہے پانی کے لیے (دونوں ہاتھوں کی طرف) فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی تضعیف کی کوئی وجہ نہیں ہے اھ (ت)

اقول والوجہ عندی ان یراد بالغرف للوضوء الغرف بالایدی وللغسل بالقصاع والاباریق واللہ تعالٰی اعلم اما المروی عن الامام فلیس نصا فی الوحدۃ قال فی غمز العیون اطلق الید واراد الیدین لانہ اذا کان الشیاٰن لایفترقان من خلق او غیرہ اجزأ من ذکرھما ذکر احدھما کالعین تقول کحلت عینی وانت ترید عینیك ومثل العینین المنخران والرجلان والخفان والنعلان تقول لبست خفی ترید خفیك کذا فی شرح الحماسۃ اھ[2] وقد بسطت الکلام علی ھذا فی رسالتی صفائح اللجین فی

میں کہتا ہُوں میرے نزدیک وجہ یہ ہے کہ وضو کے لیے چلّو بھر لینے سے مراد ہاتھوں سے چلّو بھرنا مراد ہو اور غسل کے لیے پیالوں اور لوٹوں کے ذریعہ پانی کا لینا مراد ہو واللہ تعالٰی اعلم، اور جو چیز امام سے مروی ہے وہ وحدت میں نص نہیں ہے، غمز العیون میں فرمایا ید بول کر یدین کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ جو دو چیزیں پیدائشی طور پر جُڑی ہوئی ہوں یا کسی اور سبب سے تو ان میں سے ایک کا ذکر دوسری کے ذکر کو بھی کافی ہوگا، جیسے عین، کہا جاتا ہے کحلتُ عینی، اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں میں سُرمہ لگایا اور آنکھ کی طرح نتھنے، پیر، موزے اور جُوتے ہیں لبست خفی کہا جاتا ہے اور

---

[1] حاشیۃ علی الدرر للعبد الحلیم بحث عشر فی عشر عثمانیہ مصر ۱/۱۷

[2] غمز العیون مع الاشباہ الفن الاول قواعد کلیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹

کون التصافح بکفی الیدین۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے دونوں موزے پہنے، کذا فی شرح الحماسۃ اھ، میں نے اس پر مکمل تفصیلی گفتگو اپنے رسالہ "صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین" (چاندی کی تختیاں، اس مسئلے میں کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ ت) میں کی ہے۔ (ت)

تو راجح یہی ہے کہ دونوں ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے،

اوّلاً یہی متون کا مفاد

ثانیاً یہی عامہ کتب سے مستفاد

ثالثاً کتب متعددہ میں اُس پر تنصیص اور کف واحد پر کوئی نص نہیں۔

رابعاً کف سے کفین مراد لے سکتے ہیں نہ بالعکس تو اس میں توفیق ہے اور وُہ نصب خلاف سے اولیٰ۔

خامساً زمین نہ کھلنے سے مقصود یہ ہے کہ مساحت برقرار رہے ورنہ دو پانی جُدا ہوجائیں گے۔

تبیین میں ہے:

المعتبر فی العمق ان یکون بحال لاینحسر بالاغتراف لانہ اذا انحسر ینقطع الماء بعضہ عن بعض ویصیر الماء فی مکانین وھو اختیار الھندوانی[1] ثم ذکر التصحیح السابق۔

گہرائی میں معتبر یہ ہے کہ وہ حوض ایسا ہو کہ چلّو بھرنے سے کُھل نہ جاتا ہو کیونکہ اگر کھلا تو پانی کا ایک حصہ دوسرے حصے سے جُدا ہوجائیگا، اور پانی دو جگہوں میں ہوجائیگا، ہندوانی نے اسی کو اختیار کیا ہے اھ پھر اس نے گزشتہ تصحیح کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

مثلاً حوض پورا دہ در دہ ہے اُس کے وسط میں سے پانی اٹھایا اور زمین کُھل گئی تو اُس وقت وہ کسی طرف دس ہاتھ نہیں بلکہ طول وعرض ہر ایک کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ ہر ٹکڑا پانچ ہاتھ سے بھی قدرے کم تو آب قلیل ہوگیا لہٰذا لازم ہوا کہ پانی لینے سے زمین نہ کھلنے پائے اور اس کی ضرورت وضو وغسل دونوں کے لیے ہے بلکہ غسل کے لیے زاید۔ ہدایہ میں فرمایا:

الحاجۃ الی الاغتسال فی الحیاض اشد منہا الی التوضی[2]۔

حوضوں میں نہانے کی ضرورت بہ نسبت وضو کے زیادہ ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق عشر فی عشر بولاق مصر ۱/۲۲
[2] الہدایۃ الغدیر العظیم مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۲۰

عنایہ میں فرمایا :

لان الوضوء یکون فی البیوت عادۃً[1] کیونکہ وضو عام طور پر گھر میں ہوتا ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ حوض یا تالاب میں نہاتے ہوئے پانی لپوں سے لیتے ہیں نہ چلّوؤں سے تو ضرور ہوا کہ دونوں ہی ہاتھ سے لینا مراد واللہ تعالٰی اعلم بالحق والسداد۔

توفیق انیق وتحقیق دقیق بحسن التوفیق، والحمد ﷲ علٰی تیسیر الطریق۔

اقول وباللہ استعین، وھو نعم المعین، یہ سب تنقید وتنقیح وتصحیح وترجیح اُس ظاہر خلاف پر تھی جو عبارات کتب سے مفہوم اور بعونہٖ عزّ جلالہ وعمّ نوالہ قلب فقیر پر القا ہوتا ہے کہ ان اقوال میں اصلاً خلاف نہیں قول اول کی نسبت ہم بیان کر آئے کہ وہی ظاہر الروایۃ اور وہی اقوی من حیث الدرایۃ ہے اور مذیّل بطراز تصحیح بھی اور ظاہر الروایۃ اوجد و مصحح سے عدول کی کوئی وجہ نہیں قول دیگر کہ عامہ کتب میں مختار و مرجح و مفتی بہ ہے اسی ظاہر الروایۃ پر متفرع اور اُسی کے حکم کے تحفظ کو ہے ظاہر ہے کہ مساحت معینہ ہو مثلاً دہ در دہ یا عدم خلوص پر مفوضہ بہرحال اُتنی مقدار میں پانی کا اتصال ضرور ورنہ وہ مساحت نہ رہے گی ولہٰذا ظاہر الروایۃ نے فرمایا کہ کہیں سے زمین کُھلی نہ ہو تو اُس قدر کا شرط کثرت ہونا بداہۃً ثابت، مگر کثرت وقت استعمال چاہیے پہلے کثیر تھا اور استعمال کرتے وقت قلیل ہوگیا تو کثرت سابقہ کیا مفید ہوگی اب اس میں پانی لیتے ہوئے زمین اگر کُھل گئی تو ظاہر الروایۃ نے جو امر کثرت کے لیے شرط کیا تھا کب باقی رہا اتنی دیر کو پانی قلیل ہوگیا پہلے سے اگر نجاست پڑی تھی اور بوجہ کثرت مؤثر نہ ہوئی تھی اب قلیل ہوتے ہی مؤثر ہوگئی اور پھر پانی مل جانا طاہر نہ کردے گا کہ آب نجس کثیر ہو کر پاک نہیں ہوجاتا اور جن کے نزدیک مائے مستعمل نجس ہے پہلے سے کسی نجاست پڑی ہونے کی حاجت نہیں پہلے لپ کا پانی بدن پر ڈالا یہ مستعمل ونجس ہو کر پانی میں گرا دوبارہ لپ لیا پانی قلیل ہو کر اسی مائے مستعمل سے نجس ہوگیا۔ یوں ہی جن کے نزدیک آب مستعمل اگرچہ پاک ہے مگر مائے مطلق سے اُس کا اختلاط مطلقاً اُسے ناقابلِ طہارت کردیتا ہے اگرچہ مغلوب ہو لہٰذا وقت اغتراف حفظ کثرت کے لیے یہ شرط لگائی کہ اغتراف آب کثیر سے ہو اُس وقت بھی ظاہر الروایۃ کا ارشاد یأخذ الماء و جد الارض صادق ہو کہ زمین کہیں سے کُھلی نہ ہو تو یہ علق شرط کثرت نہیں بلکہ وقت اغتراف شرط بقائے کثرت۔

اس توفیق رفیق کے مؤیدات **اقول اولا** خود یہی تبیین مبین تعلیلِ تبیین کہ اتنا عمق اس لیے رکھا گیا کہ پانی لیتے وقت زمین کُھل کر دو پانی نہ ہوجائیں کہ مساحت نہ رہے گی قلیل ہوجائیگا معلوم ہُوا کہ تا بقائے

---

[1] العنایۃ علٰی حاشیۃ فتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۰

مساحت کثیرہ ہے تفریق مساحت تقلیل کرے گی۔

ثانیاً اگر کثرت فی نفسہٖ اس پر موقوف ہو تو یہ شرط بھی کام نہ دے گی اور وقت اغتراف وہی دقت پیش آئے گی۔ شرط ہے تو ساری مساحت میں نہ کہ بعض میں۔ غیاثیہ میں ہے:

المختار ان لا ینحسر بالاغتراف مطلقا غیر مقید بکونہ من اعمق المواضع[1]۔	مختار یہ ہے کہ چلّو لینے سے زمین نیچے سے نہ کھلے مطلقاً اس میں زیادہ گہرا ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔ (ت)

اب کہ پانی لیا اور زمین کھلی تو نہیں مگر اُتنی جگہ صرف جو بھر عرض کا پانی رہ گیا تو اب کیا آب قلیل نہ ہوگیا کہ اتنی دیر ساری مساحت میں اُتنا عمق نہیں۔ ظاہر ہُوا کہ یہ عمق مطلوب نہ تھا بلکہ وہی زمین کا کہیں سے کھلا نہ ہونا کہ وقت اغتراف یہی باقی رہے گا نہ وہ عمق۔

ثالثاً اسی پر شاہد ہے سیدنا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے وہ روایت کہ بدائع و تبیین سے گزری کہ خود جاری پانی میں بھی اتنا عمق شرط فرماتے ہیں یہ ہرگز نفس جریان کی شرط نہیں ہوسکتا کون عاقل کہے گا کہ مینہ کا پانی جو چھت یا زمین پر بہ رہا ہے جاری نہ ہوگا جب تک چار پانچ انگل دَل نہ ہوجائے امام ابویوسف کی شان اس سے ارفع و اعلٰی ہے وہ قطعاً عرفاً و شرعاً ہر طرح جاری ہے اگرچہ صرف جو بھر دَل ہو[2]۔ لاجرم کوئی شبہ نہیں کہ یہ وقت اغتراف بقائے جریان کے لیے شرط فرماتی ہے کہ اگر پانی لیتے وقت زمین کھل گئی دو پانی ہوگئے اور اس وقت جریان جاتا رہا کہ اُتنی دیر اُوپر کا پانی رک گیا اور نیچے کا مدد بالا سے منقطع ہوگیا اور ہم رسالہ حب الساحۃ میں بیان کرچکے کہ جریان کے لیے مدد کا اشتراط بھی ایک قول مصحح ہے امام ابن الہمام نے اسی کو ترجیح دی اور یہی امام برہان الدین صاحب ہدایہ کی کتاب تجنیس اور امام حسام الدین کے

---

[2] بلکہ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

الجنب اذا قام فی المطر الشدید متجردا بعد ما تمضمض واستنشق حتی اغتسلت اعضاؤہ جاز لانہ جار یعنی جب جنب اگر کلی کرکے ناک میں پانی موضع فرض تک چڑھا کر زور کے مینہ میں ننگا کھڑا ہو کہ سارا بدن دُھل گیا غسل ہوگیا کہ مینہ جاری پانی ہے ظاہر ہے کہ مینہ کی دھاریں متفرق ہوتی ہیں اور اُن میں کوئی دھار آدھا انگل بھی دَل نہیں رکھتی بلکہ اکثر جَو بھر سے زیادہ نہیں ہوتا مگر وہ بلاخلاف جاری پانی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ باب المیاہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۵

واقعات سے مستفاد یہ روایت امام ابو یوسف اسی قول پر مبنی تو یہ شرط اس لیے فرمائی کہ پانی لیتے وقت بھی جاری رہے نہ کہ ہر جاری میں یہ عمق درکار ریُوں ہی یہاں نفسِ کثرت اس سے مشروط نہیں بلکہ وقت اغتراف کثیر رہنا و للہ الحمد۔

س [بعاً] اسی کے مؤید ہے وہ کہ ہمارے رسالہ رحب الساحۃ میں کتب کثیرہ جلیلہ معتمدہ سے منقول ہوا کہ بڑے تالاب کے بطن میں نجاستیں پڑی ہیں بارش کا پانی آیا اگر ان نجاستوں تک پہنچنے سے پہلے یہ پانی تالاب کے اندر دہ در دہ ہوگیا اُس کے بعد نجاستوں کی طرف بڑھ کر اُن سے ملا ناپاک نہ ہوا یوں سارا تالاب پاک رہے گا۔ ظاہر ہے کہ بڑھتے وقت ساری مساحت میں پانچ انگل دل ہونا ضرور نہیں بلکہ نادر ہے جس کا بیان اُسی رسالہ میں گزرا مگر اس کا لحاظ نہ فرمایا اور مطلقاً حکم طہارت دیا اس کا وہی مبنی ہے کہ فی نفسہٖ کثرت کے لیے دَل کی حاجت نہیں بالجملہ روشن ہوا کہ کثرت کے لیے صرف اس قدر درکار کہ مساحت بھر میں کوئی جگہ پانی سے کھلی نہ ہو یہی ظاہر الروایۃ و تصحیح اول ہے اسی بنا پر پانی لیتے وقت کثرت باقی رہنے کے لیے لازم کہ اُس سے زمین کھل نہ جائے ورنہ قلیل ہو جائے گا یہی مطلب عامۂ کتب و تصحیح دوم ہے۔

ثم اقول یہ توفیق انیق بعض فیصلے اور کرے گی۔

اوّل اغتراف مطلق رہے گا جس طرح متون وہدایہ وعامۂ کتب میں ہے کہ پانی فی نفسہٖ ہر طرح کثیر ہے مقصود اُس وقت زمین کا بالفعل نہ کھلنا ہے نہ کوئی صلاحیت عامہ تو چلّو ہو یا لپ جس طرح پانی لیا اُس سے نہ کھلنا چاہیے اگرچہ دوسری طرح انکشاف ہو سکے بلکہ ہاتھ کی بھی تخصیص نہیں برتن سے لیں خواہ کسی سے اُس وقت زمین کھلے نہیں۔

دوم ساری مساحت میں اس عمق کی حاجت نہیں صرف وہیں کافی ہے جہاں سے پانی لیا گیا۔

سوم یہ شرط دہ در دہ میں فرمائی ہے پانی اگر اس درجہ کثیر ہے کہ جہاں سے لیا گیا اگر زمین کھل بھی جائے تو ہر طرف کا ٹکڑہ دہ در دہ رہے تو کھلنا مضر نہ ہوگا کہ اگرچہ دو پانی ہو گئے مگر دونوں کثیر ہیں۔

چہارم مذہب معتمد یہ ہے کہ آبِ مستعمل طاہر ہے اور آبِ مطلق میں اُس کا اختلاط مانع طہارت نہیں جب تک مقدار میں اُس سے زائد نہ ہو جائے اور آبِ قلیل کتنا ہی کثیر ہو بدن محدث اُس میں پڑنے سے سب مستعمل ہو جاتا ہے مگر بضرورتِ اغتراف ہاتھ ڈالنا معاف ہے یہ سب مسائل ہمارے رسائل الطرس المعدل والنمیقۃ الانقی میں مبرہن ہو چکے تو وہ پانی جس میں سے وقتِ اغتراف زمین کھل کر اُس کے ٹکڑے دہ در دہ نہ رہیں اگر اس میں پہلے سے نجاست موجود تھی اس کھلنے سے ضرور ناپاک ہو جائیگا

یوں ہی اگر ضرورت چُلّو کی تھی اور لپ سے لیا سب پانی مستعمل ہو جائیگا کہ دُوسرا بے دُھلا ہاتھ بے ضرورت پڑا عام ازیں کہ چلّو سے بھی زمین کھلتی یا نہیں اگر کھلے استعمال بعد انفصال ید ہو گا اور اس وقت اتصال آب ہو کر کثیر ہو جائیگا۔

اقول انفصال سے استعمال کی بعدیت ذاتیہ ہے کہ وہ علت استعمال کا جزءِ اخیر ہے تو تخلف محال اور اتصالِ آب کی بعدیت زمانیہ ہے کہ جتنی جگہ کھلی تھی بعد انفصال ید حرکتِ آب سے بھرے گی

لہ **اقول** ظھر بھذا التحقیق ان مسألۃ الخانیۃ وغیرھا من الکتب المعتمدۃ ان خرج الماء من النقب وانبسط علی وجہ الجمد بقدر مالو رفع الماء بکفہ لاینحسر ما تحتہ من الجمد جاز فیہ الوضوء والا فلا اھ نقلھا فی الغنیۃ بالمعنی فاقام مقام جواز الوضوء فیہ وعدمہ فسادہ بوقوع المفسد وعدمہ ولیس کذلک عند التحقیق فانہ اذا کان کثیر المساحۃ لایفسد بوقوع شیئ مالم یتغیر او ینحسر بوقوعہ فیبقی ماءین قلیلین بخلاف الوضوء فیہ بغمس الاعضاء فانہ یفسد بہ مطلقا لان الفرض انہ ینحسر بالغرف فبالغمس اولی وبہ ظھر ان الاولی ترك النقل بالمعنی مطلقا فلربما یحصل بہ تغیر دقیق فی غایۃ الخفاء وباللہ التوفیق اھ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں کہ ہماری اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ فتاوٰی خانیہ وغیرہ کتب معتبرہ میں جو یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر پانی سوراخ سے نکلا اور منجمد پانی پر اتنا پھیل گیا کہ اگر کوئی شخص ہاتھ سے پانی اٹھائے تو نیچے کا جامد پانی منکشف نہیں ہوتا اس صورت میں اس پانی میں وضو کرنا جائز ہے ورنہ اس سے وضو جائز نہیں (اھ) اس مسئلہ کو غنیہ میں معنیً نقل کرتے ہوئے وضو کے جواز اور عدمِ جواز کی جگہ پلیدی کے واقع ہونے سے اس پانی کے پلید ہونے اور نہ ہونے کو رکھ دیا حالانکہ تحقیق کی رُو سے اس طرح نہیں ہے، کیونکہ جب پانی کی پیمائش زیادہ ہو تو کسی چیز کے واقع ہونے سے وہ فاسد نہیں ہو گا جب تک اس میں تغیر نہ آئے یا پلیدی کے گرنے سے نیچے کی سطح منکشف نہ ہو جائے، اس صورت میں پانی دو تھوڑے حصّوں میں تقسیم ہو جائیگا برخلاف اس صورت کے کہ اس پانی میں اعضاء ڈبو کر وضو کیا جائے تو اس سے پانی مطلقاً فاسد ہو جائیگا کیونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ چُلّو میں پانی لینے سے نیچے کی سطح منکشف ہو جاتی ہے تو ڈبونے سے بطریق اولٰی منکشف ہو جائیگی، اس بیان سے واضح ہو گیا کہ بہتر یہ ہے کہ مسئلہ معنیً مطلقاً نقل نہ کیا جائے، ورنہ اس سے بہت ہی پوشیدہ اور باریک فرق پیدا ہو جائے گا، اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ (ت)

اور حرکت تدریجیہ ہے تو بفور انفصال قبل اتصال حکم استعمال نازل ہو جائے گا فافہم اور اگر پہلے سے کوئی نجاست نہیں اور چلّو یا لپ حسبِ ضرورت لیا اور زمین کھل گئی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ وسط حوض میں جا کر پانی لیا ہو کر اگرچہ زمین کھلنے سے پانی قلیل ہو گیا مگر ضرورت اغتراف تو مشکے میں بھی معاف ہے جبکہ کوئی چھوٹا برتن پانی لینے کے لیے نہ ہو اور اس وقت اگرچہ اس کے پاؤں اُس قلیل پانی میں ہیں مگر اندر جاتے ہوئے دُھل چکے ہیں ہاں اُس زمین کے کُھلتے وقت اسے حدث واقع ہو تو ضرور پاؤں کی وجہ سے سارا پانی مستعمل ہو جائے گا ان وجوہ کی نظر سے وہ شرط کی گئی تو ظاہر الروایۃ اور یہ قول مفتی بہ دونوں متوافق اور باہم اصل و فرع ہیں وللہ الحمد۔

هذا كله ما ظهر لكثير السيأت ؎ وبه تجتمع الكلمات ؎ وتندفع الشبهات ؎ والحمد لله واهب المرادات ؎ وصلى الله تعالى وسلم وبارك على مصحح الحسنات ؎ مقيل العثرات ؎ واله وصحبه الاكارم السادات ؎ وابنه وحزبه الاجلة الاثبات ؎ وعلينا معهم ؎ وبهم ولهم ؎ الى يوم جيبنا فيه بالشفاعات ؎ عليه وعليهم الصلوات الزاكيات ؎ والتسليمات النامیات ؎ والتحيات المباركات ؎ امين ؎ والحمد لله رب العلمين ؎ ومع ذلك لا اقول ان الحكم هذا انما اقول هذا ما ظهر لي فان كان صوابا فمن الوهاب الكريم وله الحمد وان كان خطأ فمني ومن الشيطان وانا ابرؤ الى الله منه والحمد لله رب العلمين والله تعالى اعلم

یہ تمام وہ ہے جو اس کثیر المعاصی پر ظاہر ہُوا اور اسی سے ائمہ کے ارشادات جمع ہو جاتے ہیں اور شبہات دفع ہو جاتے ہیں، تمام تعریفیں مرادیں دینے والے اللہ تعالٰی کے لیے اور اللہ تعالٰی رحمتیں نازل فرمائے نیکیوں کے صحیح کرنے والے اور غلطیوں کو معاف فرمانے والے پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ سادات کرام پر اور آپ کے بیٹے اور جلیل القدر راسخ علم والی جماعت پر اور ان کے ساتھ ہم پر، ان کی بدولت اور ان کے وسیلے سے اس دن تک جب ہمارے حبیب شفاعتوں کے لیے کھڑے ہوں گے، ان پر اور ان کے تمام متبعین پر پاکیزہ رحمتیں، نشوونما پانے والے سلام اور بابرکت تحفے، آمین، سب تعریفیں اللہ رب العلمین کے لیے، اس کے باوجود میں یہ نہیں کہتا کہ حکم یہ ہے، میں تو صرف اتنا کہتا ہُوں کہ یہ وہ ہے جو مجھے ظاہر ہوا، اگر درست ہے تو اللہ تعالٰی وہاب کریم کی طرف سے اور اس کے لیے حمد ہے، اور اگر خطا ہے تو میری طرف سے اور شیطان سے ہے، میں اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں شیطان سے برأت کا اظہار کرتا ہُوں، تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لیے، اللہ بہتر جانتا ہے۔

بشارة ما تقدم من قول البحر ان العمل والفتوى ابدا بقول الامام الاعظم رضي الله تعالى عنه

بشارت: اس سے پہلے بحر کا جو قول بیان ہُوا کہ عمل

وان افتی المشایخ بخلافه اقرہ الشامی فی مواضع ونازعه فی مواضع وکنت اردت ان اذکر ھذا البحث ثمه ثم رأیت ان الکلام یطول ویقع بالاجنبی الفصل الطویل فطویته ثمه وافردته بحمد اللہ تعالٰی رسالۃ مھمۃ ورأیت الحاقہا ھھنا اتماما للکلام واسعافا بالمرام وھاھی ذہ والحمد للہ ولی الانعام۔

اور فتوٰی ہمیشہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف پر فتوٰی دیں، علامہ شامی نے متعدد مقامات میں اس قول کی تائید کی اور کئی جگہوں میں اس سے اختلاف کیا، میرا ارادہ تھا کہ اس بحث کو اس جگہ ذکر کرتا، پھر خیال ہُوا کہ کلام طویل ہوجائے گا اور غیر متعلق گفتگو سے فاصلہ طویل ہوجائے گا، لہذا اس جگہ میں نے گفتگو سمیٹ لی اور بحمد اللہ تعالٰی اسے اہم رسالے کی صورت میں الگ کردیا، گفتگو کی تکمیل اور مقصد کے پورا کرنے کے لیے اس جگہ اس کے لاحق کرنے کا فیصلہ کیا، اور وہ رسالہ یہ ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی مالک انعام کے لیے۔(ت)

(نوٹ: اصل کتاب میں یہاں رسالہ "اجلی الاعلام" تھا جسے رسم المفتی کے طور پر جلد اول میں شامل کردیا گیا ہے)

فتوی مسمّٰی بہ

۱۳۳۴ھ

النور والنورق[1] لاسفار الماء المطلق

(آبِ مطلق کا حکم روشن کرنے کے لئے نور اور رونق)

مسئلہ ۵۵ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مطلق کہ وضوء وغسل کے لیے درکار ہے اُس کی کیا تعریف ہے آبِ مقید کسے کہتے ہیں بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی انزل من السماء ماء طھورا لیطھرنا بہ تطھیرا ، حمدا مطلقا غیر مقید بعد داوامد دائما ابدا کثیرا کثیرا والصلاۃ والسلام علی الطیب الطاھر الطھور المطھر المفضل علی الخلق فضلا کبیرا ، وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ ما امطرت السحب ماء نمیرا امین اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے آسمان سے پاک پانی اتارا کہ اس کے ذریعے ہمیں پاک صاف کرے مطلق تعریفیں بغیر کسی قید عددی اور غائی کے ہمیشہ ہمیشہ بہت زیادہ اسی کے لیے ہیں طیب ، طاہر ، پاک کرنیوالے اور مخلوق پر فضیلت رکھنے والے پر اور آپ کے آل ، اصحاب ، بیٹے اور گروہ پر بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں جب تک بادل وافر پانی برساتے رہیں ، آمین ۔ اے اللہ ہمیں سچے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما ۔ (ت)

یہ سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت طول چاہتا ہے یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآرا ہے ۔ فقیر بتوفیق القدیر اوّل جزئیاتِ منصوصہ ذکر کرے پھر تعریفِ مطلق و مقید کہ اصالۃً ضابطہ جامعہ کلیہ ہے اور دیگر ضوابط کے لیے معیار پھر ضوابط جزئیہ متون پھر ضوابط کلیۂ متاخرین پھر جزئیات جدیدہ کے احکام وما توفیقی الا باللہ

---

[1] اگرچہ تمام مطبوعہ نسخوں میں لفظ "النورق" ہے مگر کتبِ لغت میں یہ لفظ نہیں ملا ۔ میری رائے میں یہ "الرونق" ہونا چاہیے اس سے عدد اور معنی دونوں درست رہتے ہیں ۔ (دائم)

علیہ توکلت والیہ انیب

یوں یہ کلام پانچ فصل پر منقسم ہوا:

فصل اول جزئیات منصوصہ، اور وہ تین قسم ہیں:

قسم اول وہ پانی جن سے وضو صحیح[1] ہے:

(۱) مینہ، دریا، نہر، چشمے، جھرنے، جھیل، بڑے تالاب، کنویں کے پانی تو ظاہر ہیں بالخصوص قابل ذکر مائے مبارک زمزم شریف[2] ہے کہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک اُس سے وضو و غسل بلاکراہت جائز ہے اور ڈھیلے کے بعد استنجا مکروہ اور نجاست دھونا ممنوع۔ تنویر و درمختار میں ہے:

یرفع الحدث مطلقا بماء مطلق کماء سماء واودیۃ وعیون وابار وبحار وماء زمزم بلاکراھۃ وعن احمد یکرہ۔[1]

حدث مطلق پانی سے رفع ہوتا ہے جیسے آسمان کا پانی، وادیوں، چشموں، کنووں، نہروں، سمندروں اور زمزم کا پانی، زمزم کے پانی سے رفع حدث بلاکراہت ہوتا ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک کراہت کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ت)

نیز درمیں ہے:

یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال۔[2]

زمزم کے پانی سے استنجا مکروہ ہے غسل کرنا مکروہ نہیں۔ (ت)

شامی میں ہے:

وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک اھ۔[3]

اور اسی طرح بدن یا کپڑے سے نجاست حقیقیہ کا دور کرنا، یہاں تک بعض علماء نے تو اس کو حرام تک لکھ دیا ہے اھ۔ (ت)

---

[1] یعنی اُن سے طہارت کی جائے تو ہوجائے گی اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ اُس پانی کا استعمال مکروہ بلکہ حرام ہو جیسا کہ مفصلاً بیان ہوگا ۱۲ (م)

[2] سب سے اعلیٰ سب سے افضل دونوں جہان کے سب پانیوں سے افضل، زمزم سے افضل، کوثر سے افضل وہ مبارک پانی ہے کہ بارہا براہِ اعجاز حضور اقدس سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا اور وضو کیا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وہ پانی زمزم و کوثر سب سے افضل مگر اب وہ کہاں نصیب اور آگے ہر قسم کے پانی مذکور ہوں گے اُن کے سلسلے میں بلاضرورت اس کا نام لینا مناسب نہ جانا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] درمختار، باب المیاہ، مجتبائی دہلی ۱/۳۴ [2] درمختار، آخر کتاب الحج، مجتبائی دہلی ۱/۱۸۴

[3] ردالمحتار، آخر کتاب الحج، مصطفی البابی مصر ۲/۲۷۸

اقول مطلق الکراھۃ للتحریم و اطلاق الحرام علی المکروہ تحریما غیر بعید فلا خلف نعم اذا استنجی بالنمر فالصحیح انہ مطھر فلا یبقی الا اساءۃ ادب فیکرہ تنزیھا بخلاف الاغتسال ففرق بیّن بین القصدی والضمنی ھذا ما ظھر لی۔

میں کہتا ہُوں مطلق کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے، اور حرام کا اطلاق مکروہ تحریمی پر کوئی بعید امر نہیں، تو کوئی مخالفت نہیں، ہاں اگر کسی نے ڈھیلے سے استنجا کرلیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ پاک کرنے والا ہے تو ایسی صورت میں صرف سوءِ ادبی رہے گی اور مکروہِ تنزیہی ہوگا بخلاف غسل کے تو ارادی اور ضمنی کاموں میں واضح فرق ہوتا ہے ھذا ما ظھر لی (ت)

اقول یہی دلیل واضح ہے کہ ہمارے ائمہ سے روایت صحیحہ طہارت بائے مستعمل ہے ورنہ غسل و استنجا میں فرق نہ ہوتا۔

(۲) سمندر کا پانی بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول کہ اُس سے وضو نا جائز جانتے اور ہمارے ائمہ اور جمہور امت کا اُس سے جوازِ وضو پر اجماع ہے،

فی البحر وفی قولہ والبحر رد قول من قال ان ماء البحر لیس بماء حتی حکی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ قال فی ماء البحر التیمم احب الی منہ کما نقل عنہ فی السراج الوھاج[1] اھ وقال السید ط فی حاشیۃ المراقی قال ابن سیدہ فی المحکم البحر الماء الکثیر ملحا او عذبا و غلب علی الملح فالتنصیص علیہ دفع لتوھم عدم جواز التطھیر بہ لانہ مرمنتن کما توھم بعض الصحابۃ[2] اھ

اور اس کے قول والبحر میں اُن لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں "ماء البحر" پانی نہیں ہے یہاں تک کہ ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے سمندری پانی سے میرے نزدیک تیمم کرلینا زیادہ پسندیدہ عمل ہے" سراج الوہاج میں نقل کیا ہے، اور "ط" نے حاشیہ مراقی الفلاح میں فرمایا کہ ابن سیدہ نے محکم میں فرمایا بحر سے مراد کثیر پانی ہے خواہ میٹھا ہو یا نمکین، لیکن عام طور پر اس کا استعمال نمکین کے لیے ہوتا ہے، اس کی تصریح اس وہم کو دفع کرنے کے لیے ہے کہ اس سے پاکی کا حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کڑوا اور بدبودار ہوتا ہے جیسے کہ بعض صحابہ نے توہّم کیا اھ

اقول ھذا اللفظ بعید عن الادب فلیجتنب قال وفی الخبر من لم یطھرہ ماء البحر فلا طھرہ اللہ[3] اھ

میں کہتا ہوں یہ لفظ بے ادبی کے ہیں، ان سے بچنا چاہئے۔ فرمایا ایک روایت میں ہے کہ جس کو سمندر کا پانی پاک نہ کرسکے تو خدا اسکو کبھی پاک نہ کرے (ت)

قلت رواہ الدارقطنی والبیھقی

میں کہتا ہوں اس کو دارقطنی اور بیہقی نے

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ بحث الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶
[2] و [3] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

کلاھما فی السنن بسند واہ بدون لفظ ماء عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالاولی الاقتصار علی ماتمسك بہ شارحہ اعنی العلامۃ الشرنبلالی حیث قال لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھو الطھور ماؤہ الحل میتتہ[1] اھ

قلت رواہ احمد والاربعۃ وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح واحمد وابن ماجۃ والاخیران والدارقطنی والطبرانی فی الکبیر عن جابر وابن ماجۃ عن ابی الفراسی والدارقطنی والحاکم عن علی ومن ابن عمرو وعبد الرزاق عن انس والدارقطنی عنہ وایضا عن ابن عمرو وایضا عن جابر عن ابی بکر الصدیق وابنا مردویہ والنجار عن ابی الطفیل عن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھم کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی اخری لابن مردویہ کالدارقطنی عن ابی الطفیل عن الصدیق من قولہ ولعبد الرزاق وابی بکر بن ابی شیبۃ عن عکرمۃ ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سئل عن الوضوء من ماء البحر فقال سبحٰن اللہ فای ماء اطھر من ماء البحر وفی لفظ اطیب[2] ولھذا وابن عبد الحکم فی فتوح مصر والبیھقی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اغتسلوا

اپنی سنن میں کمزور سند سے روایت کیا، یہ ابوہریرہ کی روایت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس میں ماء کا لفظ نہیں ہے تو زیادہ بہتر ہے کہ اسی پر اکتفاء کیا جائے جس سے اسکے شارح نے استدلال کیا ہے، یعنی علامہ شرنبلالی نے، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مُردہ حلال ہے۔"(ت)

میں کہتا ہوں اس کو احمد اور چاروں نے اور ابن حبان، حاکم نے ابوہریرہ سے بسند صحیح روایت کیا ہے اور احمد ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور طبرانی نے کبیر میں جابر سے اور ابن ماجہ نے ابوالفراسی سے اور دارقطنی اور حاکم نے علی سے اور ابن عمرو سے اور عبد الرزاق نے انس سے اور دارقطنی نے انس اور ابن عمرو سے نیز جابر سے ابوبکر صدیق سے اور ابن مردویہ اور ابن نجار نے ابوالطفیل سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سب نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، دوسری سند میں ابن مردویہ نے دارقطنی کی طرح ابوالطفیل سے ابوبکر صدیق سے ان کے قول سے۔ اور عبد الرزاق اور ابوبکر ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سمندر سے وضو کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ، سمندر کے پانی سے زیادہ کون سا پاک ہے، اور ایک روایت میں اطیب کا لفظ ہے اور ابوبکر ابن ابی شیبہ اور ابن عبد الحکم نے فتوح مصر میں اور بیہقی نے اُن سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا سمندر کے پانی سے غسل کرو کیونکہ وہ مبارک ہے

[1] مراقی الفلاح، بحث ماء البحر، ص ۱۳ مطبعہ ازہریہ مصر [2] مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من ماء البحر ۱/۹۵ مکتبۃ الاسلامی بیروت

من ماء البحر فانه مبارک[1] قال ط ومن الناس
من کرہ الوضوء من البحر الملح[2] لحدیث
ابن عمر انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم
قال لایرکب البحر الا حاج او معتمر او غاز فی
سبیل الله فان تحت البحر نارا او تحت النار
بحرا تفرد به ابوداؤد[3] اھ

اقول لم یتفرد به بل رواہ قبله
سعید بن منصور فی سننه واٰخرون الا
ان یرید التفرد من بین الستة ثم لیس ھذا
حدیث ابن عمر الفاروق رضی الله تعالٰی
عنهم انما رواہ د عن مطرف ھو ابن طریف
ثقة فاضل عن بشر ابی عبدالله ھو الکندی
مجهول قال الذھبی لایکاد یعرف[4] عن بشیر
بن مسلم ھو ابو عبدالله الکندی الکوفی مجهول
عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما
یعنی ابن العاص قال خ لم یصح حدیثه
واوردہ ابن حبان علی قاعدته فی ثقات
اتباع التابعین وقال روی عن رجل عن
ابن عمرو[5] والله تعالٰی اعلم نعم فی مسند

"ط" نے کہا کچھ لوگ نمکین سمندر سے وضو کو مکروہ
قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال ابن عمر رضی اللہ عنہ
کی حدیث سے ہے کہ سمندر میں صرف حاجی یا عمرہ
کرنے والا یا غازی سفر کرے غیر نہیں کیونکہ سمندر کے
نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے، اس کی
روایت میں ابوداؤد متفرد ہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں وہ متفرد نہیں ہیں بلکہ اُن سے قبل
اسی کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور دوسرے محدثین نے
روایت کیا ہے، ہاں چھ کے درمیان تفرد کا دعوٰی
ہو تو درست ہے۔ پھر یہ حدیث ابن عمر فاروق رضی اللہ
عنہما کی نہیں ہے اس کو "د" نے مطرف سے جو
ابن طریف ہیں روایت کیا اور وہ ثقہ ہیں فاضل ہیں،
بشر ابو عبداللہ الکندی سے، یہ مجہول ہیں، ذہبی نے
کہا کوئی نہیں جانتا بشیر بن مسلم سے وہ ابو عبداللہ الکندی
الکوفی مجہول ہیں، عبداللہ بن عمرو سے یعنی ابن العاص
سے، خ نے کہا ان کی حدیث صحیح نہیں اور اس کو
ابن حبان نے اپنے قاعدہ کے مطابق اتباع تابعین
کے ثقات میں ذکر کیا اور فرمایا ایک شخص سے مروی
ہے ابن عمرو سے واللہ تعالٰی اعلم، ہاں مسند فردوس

۱؎ بحوالہ کنز العمال فصل فی المیاہ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۵۷۲
۲؎ طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث الماء البحر مطبوعہ ازہریہ مصریہ ص ۱۳
۳؎ " " " " "
۴؎ میزان الاعتدال بشر عبداللہ بیروت ۱/ ۳۲۶
۵؎ " بشیر بن مسلم " ۱/ ۳۲۹

الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی
عنهما رفعه تحت البحر نار وتحت النار
بحر وتحت البحر نار[1] اھ ویمکن ان تکون
فی قوله تعالٰی والبحر المسجور اشارة
الیه واللہ تعالٰی اعلم قال ط وکان ابن عمر
لایری جواز الوضوء به ولا الغسل عن جنابة[2] اھ
اقول یذکر عنه رضی اللہ تعالٰی
عنه انه قال ماء البحر لا یجزئ من وضوء
ولا جنابة ان تحت البحر نارا ثم ماء ثم
نارا حتی عد سبعة ابحر وسبع انیار[3] ولم
اقف له علی اصل فاللہ اعلم به وانما الذی
فی الحلیة ان کون الطهارة جائزا بهذه
المیاه سواء کانت عذبة او مالحة مما دل
علیه الکتٰب والسنة ولم یعرف فی شیئ
منها خلاف نعم نقل عن بعض الصحابة
کراهة الوضوء بماء البحر منهم عبداللہ
بن عمرو الجمهور علی عدم الکراهة[4] اھ وفی
هامش الانقرویة عن مختارات النوازل
حکی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالٰی
عنهم انهما قالا الوضوء بماء البحر مکروه[5]

میں ابن عمر سے مروی ہے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے
اور آگ کے نیچے سمندر ہے اھ اس کو انھوں نے
مرفوعاً روایت کیا، اور ممکن ہے کہ اللہ کے قول
والبحر المسجور میں اسی طرف اشارہ ہو، واللہ
تعالٰی اعلم "ط" نے فرمایا، ابن عمر سمندر سے وضو
اور غسلِ جنابت کو جائز نہیں سمجھتے تھے اھ (ت)
میں کہتا ہوں ابن عمر سے یہ روایت منسوب
ہے کہ سمندر کا پانی وضوء اور غسلِ جنابت کے لیے
کافی نہیں بے شک سمندر کے نیچے آگ ہے پھر
پانی پھر آگ ہے یہاں تک کہ انھوں نے سات
سمندروں اور سات آگوں کا ذکر کیا، اور مجھے اس
کی کسی اصل پر اطلاع نہیں ہے واللہ اعلم، حلیہ
میں یہ ہے کہ ان پانیوں سے طہارۃ جائز ہے خواہ
میٹھے ہوں یا نمکین ہوں، اس پر کتاب وسنت
دلالت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی خلاف معروف
نہیں، ہاں بعض صحابہ سے کراہت منقول ہے کہ
ان سے وضو مکروہ ہے، اُن میں عبداللہ بن عمر بھی
شامل ہیں، اور جمہور کا قول ہے کہ کراہت نہیں ہے
اھ اور انقرویہ کے حواشی میں مختارات النوازل سے
ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر سے مروی ہے کہ دونوں

---

[1] مسند فردوس
[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳
[3] یذکر عن ابن عمر
[4] حلیہ
[5] علی حاشیۃ فتاوٰی انقرویہ بحث ماء البحر دار الاشاعۃ العربیہ قندھار ۱/۲

اھ قال ط وکذا روی ابی ھریرۃ اھ[1]

حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے اھ ط، اسی طرح ابوہریرہ سے مروی ہے اھ (ت)

اقول وھذا اعجب مع ما صح عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما سمعناک نعم فی البدائع روی عن ابی العالیۃ الریاحی انہ قال کنت فی جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفینۃ فی البحر فحضرت الصلاۃ ففنی ماؤھم ومعھم نبیذ التمر فتوضأ بعضھم بنبیذ التمر وکرہ التوضؤ بماء البحر وتوضأ بعضھم بماء البحر وکرہ التوضؤ بنبیذ التمر وھذا[علہ] حکایۃ الاجماع فان من کان یتوضؤ بماء البحر کان یعتقد

میں کہتا ہوں یہ زیادہ عجیب ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بروایت صحیح جو تھا وہ ہم نے نقل کیا، ہاں بدائع میں ابوالعالیۃ الریاحی سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سمندری سفر میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا کشتی والوں کے پاس پانی ختم ہوچکا تھا ان کے پاس شیرۂ کھجور تھا تو بعض نے اسی سے وضو کرلیا اور سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ سمجھا اور بعض نے سمندر کے پانی سے وضو کرلیا، یہ اجماع کی حکایت ہے کیونکہ جو حضرات سمندر کے پانی سے وضو کررہے تھے تو وہ اس کے پانی سے وضو کے جواز کے قائل تھے اور انھوں نے

عـلہ اقول لم یبلغ فھمی القاصر کیف کان ھذا حکایۃ الاجماع علی جواز الوضوء بنبیذ التمر عند عدم الماء فان من توضأ بماء البحر جاز ان لم یر الوضوء بالنبیذ فی الحالۃ الراھنۃ لوجود الماء وجاز ان لم یر الوضوء بہ اصلا حتی لو وجدہ وعدم الماء تیمم کما ھو المفتی بہ عندنا والکراھۃ فی عرف السلف لا یدل علی الجواز ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میں کہتا ہوں میری ناقص سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ یہ اجماع کیونکر ہوگیا کہ پانی نہ ہونے کے وقت نبیذ تمر سے وضو جائز ہے، کیونکہ جن حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کیا ممکن ہے کہ وہ موجودہ حالت میں نبیذ تمر سے وضو کو جائز نہ سمجھتے ہوں کیونکہ پانی موجود ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نبیذ تمر سے وضو کو بالکل جائز نہ سمجھتے ہوں یہاں تک کہ اگر نبیذ موجود ہو اور پانی نہ موجود ہو تو وہ تیمم کے قائل ہوں جیسا کہ یہ ہمارے نزدیک مفتی بہ ہے اور سلف کی عرف میں کراہت جواز پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ (ت)

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳

جواز التوضؤ بماء البحر فلم یتوضأ بنبیذ التمر لکونه واحدا الماء المطلق ومن کان یتوضؤ بالنبیذ کان لایری ماء البحر طھورا اوکان یقول ھو ماء سخطة ونقمة کانه لم یبلغه قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی صفة البحر ھو الطھور ماؤہ الحل میتته فتوضأ بنبیذ التمر لکونه عادما للماء الطاھر[۱] ام فھذا اما ابداہ احتمالا وانما لفظ الروایة ما سمعت۔

نبیذ تمر سے وضوء اس لیے نہ کیا کہ انھوں نے ماءِ مطلق کو پایا اور جو نبیذ تمر سے وضوء کرتے تھے وہ سمندر کے پانی کو طہور نہیں سمجھتے تھے، یا وہ یہ کہتے تھے کہ یہ پانی ناراضگی اور عذاب کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا ہے شاید ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے تو پانی نہ ہونے کی صورت میں انھوں نے نبیذ تمر سے وضو کیا اھ تو یہ انھوں نے بطور احتمال فرمایا ورنہ روایت کے الفاظ وہ ہیں جو آپ نے سُنے۔ (ت)

اقول ویجوز ان یکونوا معتقدین جواز الوضوء بھما اذا کان الماء غالبا فی النبیذ کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی فمن توضأ به کرہ التوضؤ بماء البحر کراھة تنزیه ولم یشك ان النبیذ الذی عندہ ماؤہ غالب ومن توضأ بماء البحر شك فی النبیذ الذی عندہ فکرہ التوضؤ به کراھة امتناع وتوضأ بماء البحر واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں سے وضوء کے جواز کے قائل ہوں جبکہ نبیذ پر پانی غالب ہو جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا، تو جس نے اس سے وضو کیا اس نے سمندری پانی سے وضوء کو مکروہ تنزیہی سمجھا اور اس میں شک نہیں جانا کہ جو نبیذ اس کے پاس ہے اس کا پانی غالب ہے اور جس نے سمندری پانی سے وضو کیا اس کو اس نبیذ میں شک تھا جو اس کے پاس موجود تھا تو اس نے بطور کراہتِ تحریمی اس سے وضوء نہ کیا اور سمندری پانی سے وضو کرلیا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳ و ۴) پالا اولے جب پگھل کر پانی ہوجائیں کہ یہ بھی وہی آسمانی پانی ہیں کہ کُرۂ زمہریر کی سردی سے

---

[۱] ھکذا فی نسختی البدائع وکانھا زلة من قلم الناسخ والوجه الطھور ۱۲ منه غفر له (م)

میرے پاس بدائع کا جو نسخہ ہے اس میں اسی طرح ہے شاید کاتب نے غلط لکھ دیا مناسب الطھور ہے۔ (ت)

بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶

یخ بستہ ہوگیا،

فی الدر یرفع الحدث بماء مطلق کثلج مذاب وبرد وجمد وندی[1] اھ وفی البحر والنھر وعن ابی یوسف یجوز وان لم یکن متقاطرا والصحیح ولفظ النھر الاصح قولھما[2] اھ ونسبہ فی جامع الرموز للصاحبین حیث قال لایتوضؤ بالثلج الا اذا تقاطر وعن الصاحبین انہ یتوضؤ بہ والاول ھو الصحیح کما فی الظھیریۃ[3] اھ وما اُثبتنی کتبت علی ھامشہ اقول لیس ھذا محل خلاف وتصحیح اذ لا وضوء الا بالغسل ولا غسل الا بالاسالۃ ولا اسالۃ الا بالتقاطر فھو المراد اھ ماکتبت علیہ اقول نعم یروی عن الثانی ان الغسل بل المسح وان لم یسل کما فی البحر[4] وھذا لایختص بالثلج والبرد وقد منا فی تبیان الوضوء ان مرادہ سال من العضو قطرۃ او قطرتان ولم یتدارک فلا خلاف[5] قال ش الظاھر ان معنی لم یتدارک لم یتقاطر علی الفور بان قطر بعد مُھلۃ[6] اھ

دُر میں ہے حدث کو دُور کیا جاسکتا ہے مطلق پانی سے جیسے برف یا اَولوں کا پگھلا ہُوا پانی، منجمد پانی یا تری اھ اور بحر و نہر میں ابویوسف سے منقول ہے کہ وضو جائز ہے اگرچہ ٹپکنے والا نہ ہو یہ صحیح ہے اور لفظ نہر اصح ہے ان دونوں کا قول اھ اور جامع الرموز میں اس کو صاحبین کی طرف منسوب کیا ہے، فرمایا کہ برف سے اس وقت تک وضو کرے جب تک وہ ٹپکنے نہ لگے اور صاحبین سے مروی ہے کہ اس سے وضو کرے، اور پہلا ہی صحیح ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے اھ میں نے اس کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ یہ محل خلاف اور تصحیح نہیں ہے کیونکہ دھوئے بغیر تو وضو ہو نہیں سکتا ہے اور دھونا بہائے بغیر نہ ہوگا اور بہانا بغیر تقاطر کے نہ ہوگا، اور یہی مراد ہے اھ میں کہتا ہوں ہاں دوسرے امام سے یہ مروی ہے کہ دھونا جگہ کے تر کرنے کو کہتے ہیں خواہ نہ بہے، جیسا کہ بحر میں ہے اور یہ چیز برف اور اَولوں کے ساتھ خاص نہیں ہے اور ہم نے تبیان الوضوء میں بیان کیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ عضو سے ایک یا دو قطرے بہہ جائیں

---

[1] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴
[2] بحرالرائق آخر الماء البحر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷
[3] جامع الرموز بحث الماء السماء مطبعہ کریمیہ قزان ایران ۱/۴۶
[4] بحرالرائق فرض الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱
[5] و [6] ردالمحتار فرض الوضوء البابی مصر ۱/۷۱

اور تدارک نہ ہو اس میں اختلاف نہیں"ش" نے فرمایا کہ لم یتدارك کے معنی یہ ہیں کہ فوراً قطرات نہ بہیں، بلکہ مہلت کے بعد قطرات بہیں اھ (ت)

اقول بل الظاهر ان المعنی لم تتتابع القطر کثرۃ یقال تدارك القوم ای تلاحقوا ومنه قوله تعالٰی حتی اذا دارکوا فیها کما فی الصحاح[1] ومعلوم انه لم یثبت القول فی دخول طائفة منهم بعد اخری واللّٰه تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ قطرات کثرت سے نہ بہیں، کہتے ہیں "تدارك القوم" یعنی ایک دوسرے سے ملے اور اسی سے فرمانِ الٰہی ہے "حتی اذا ادارکوا فیها" صحاح میں بھی ایسا ہی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کا دوسری جماعت کے فوراً بعد داخل ہونا مراد نہیں، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۵) یوں ہی کل کا برف جب پگھل جائے کہ وہ بھی پانی ہی تھا کہ گیس کی ہوا سے جم گیا ومر عن الدرو جمد وهو محرکا الماء الجامد ط عن ح عن القاموس (اور در سے گزرا ہے کہ الجَمَد حرکت کے ساتھ جما ہوا پانی (برف) ہے یہ ط سے ح سے قاموس سے ہے۔ ت)

(۶) شبنم

اقول یعنی جبکہ پتوں پھولوں پر سے یا پھیلے ہوئے کپڑے نچوڑ کر اتنی جمع کر لی جائے کہ کسی عضو یا بقیہ عضو کو دھو دے مثلاً روپے بھر جگہ پاؤں میں باقی ہے اور پانی ختم ہوگیا اور شبنم جمع کئے سے اتنی مل سکتی ہے کہ اُس جگہ پر بہ جائے تو تیمم جائز نہ ہوگا یا اوس میں سر برہنہ بیٹھا اور اس سے سر بھیگ گیا مسح ہوگیا اگر ہاتھ نہ پھیرے گا وضو ہو جائے گا اگرچہ سنت ترک ہوئی یوں ہی شبنم سے تر گھاس میں موزے پہنے چلنے سے موزوں کا مسح ادا ہو جائے گا جبکہ شبنم سے ہر موزہ ہاتھ کی چھنگلیا کے طول و عرض کے سہ چند بھیگ جائے،

ومر عن الدر و ندا قال ش قال فی الامداد وهو الطل وهو ماء علی الصحیح وقیل نفس دابة اھ[2]

اور دُر سے گزرا و ندا "ش" نے امداد میں کہا یہ شبنم ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ پانی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چوپائے کا سانس ہے (ت)

---

[1] صحاح الجوہری درک بیروت ۴/۱۵۸۲

[2] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/۱۳۲

اقول لا اعلم له اصلا ولوکان کذا لم یجز الوضوء به لانہ لیس بماء ولوجاز به لکان بریق الانسان وعرقہ احق بالجواز ثم رأیت فی مسح الخفین من الفتح ہ لافرق بین حصول ذلك بیدہ او باصابة مطر او من حشیش مشی فیه مبتل ولو بالطل علی الاصح وقیل لا یجوز بالطل لانہ نفس دابۃ لاماء و لیس بصحیح[1] اھ۔

میں کہتا ہوں مجھے اس کی اصل معلوم نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اس کے ساتھ وضو جائز نہ ہوتا کیونکہ وہ پانی نہیں اور اگر اس سے وضو جائز ہوتا تو انسان کے تھوک اور پسینہ سے بطریق اولٰی جائز ہوتا، پھر فتح کے مسح علی الخفین میں ہے کہ اس میں کچھ فرق نہیں کہ یہ ہاتھ سے ہو یا بارش کی وجہ سے ہو یا تر گھاس میں چلنے کی وجہ سے ہو یا شبنم سے ہو اصح قول کے مطابق، اور ایک قول یہ ہے کہ شبنم سے جائز نہیں کیونکہ وہ چوپائے کا سانس ہے، پانی نہیں اور یہ صحیح نہیں اھ (ت)

(۷) زلال

اقول لغۃً و عرفاً مشہور یہی ہے کہ زلال میٹھے ٹھنڈے ہلکے خوشگوار صاف خالص پانی کو کہتے ہیں،

فی القاموس ماء زلال کغراب و امیر وصبور وعلابط سریع المر فی الحلق بارد عذب صاف سهل سلس[2] اھ ولم یعرج علی معنی غیرہ وفی صحاح الجوهری ماء زلال ای عذب[3] اھ وفی حیاۃ الحیوان الکبری المشهور علی الالسنة ان الزلال هو الماء البارد[4]۔

قاموس میں ہے ماء زلال، زلال غراب کے وزن پر بھی آتا ہے اور امیر، صبور اور عُلابط کے وزن پر بھی (یعنی زلیل زلول زلازل) اس پانی کو کہا جاتا ہے جو حلق سے بآسانی گزرے اور ٹھنڈا، میٹھا، صاف، لطیف اور رواں ہو اھ اور اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں بتائے، اور صحاح جوہری میں ماء زلال یعنی میٹھا اھ اور حیوۃ الحیوان میں ہے زبانوں پر مشہور یہ ہے کہ زلال ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر مسح الخفین رضویہ سکھر ۱/۱۳۲
[2] القاموس المحیط (زلت) مصطفی البابی مصر ۳/۴۰۰
[3] صحاح الجوہری (زل) بیروت ۴/۱۷۱۸
[4] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۷

اس تقدیر پر تو اس کے شمار کی کوئی وجہ نہیں مگر علامہ شامی نے امام ابن حجر مکی سے نقل کیا کہ برف میں ایک چیز جانور کی شکل پر ہوتی ہے اور حقیقۃً جانور نہیں اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے،

حیث قال عقیب ذکر الطل اقول وکذا الزلال قال ابن حجر ھو ما یخرج من جوف صورۃ توجد فی نحو الثلج کالحیوان ولیست بحیوان[1]

انھوں نے طل کے ذکر کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں اُسی طرح "زلال" ہے، ابن حجر فرماتے ہیں کہ برف میں حیوانی شکل کی ایک چیز پائی جاتی ہے جو در اصل حیوان نہیں ہوتی ہے اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے۔ (ت)

اقول یہ اگر ثابت ہو تو اُس کے جانور ہونے سے انکار محتاج دلیل ہے اُس کی صورت جانور کی ہے اور کتابوں اور خود ائمہ شافعیہ کی کتب میں اُسے حیوان کہا انگلی برابر قد سفید رنگ زرد چتیاں اور خود اُس جانور ہی کا نام زلال بتایا تاج العروس میں ہے:

الزلال بالضم حیوان صغیر الجسم ابیضہ اذا مات جعل فی الماء فیبردہ ومنہ سمی الماء البارد زلالا[2]

زُلال پیش کے ساتھ سفید جسم کا ایک چھوٹا سا جانور ہے، جب مر جاتا ہے تو اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں یہ پانی کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور اسی لیے ٹھنڈے پانی کو ماءِ زُلال کہتے ہیں۔ (ت)

حیاۃ الحیوان امام دمیری شافعی میں ہے:

الزلال بالضم دودیتربی فی الثلج وھو منقط بصفرۃ یقرب من الاصبع یأخذہ الناس من اماکنہ لیشربوا ما فی جوفہ لشدۃ بردہ[3]

زُلال پیش کے ساتھ، ایک کیڑا جو برف میں پلتا ہے اس پر پیلے رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں، تقریباً ایک انگلی کے برابر ہوتا ہے لوگ اس کو پکڑتے ہیں تاکہ اس کے پیٹ میں سے جو نکلتا ہے وہ پی سکیں، کیونکہ یہ پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے (ت)

اُس کے حیوان ہونے کی تقدیر پر امام ابن حجر شافعی نے اُس پانی کو قے ٹھہرا کر ناپاک بتایا۔

قال ش عن ابن حجر بعد ما مر فان تحقق

ش نے ابن حجر سے نقل کیا پس اگر متحقق ہو (یعنی

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲

[2] تاج العروس فصل الزاء من باب اللام مطبوعہ احیاء التراث العربی ۷/۳۵۹

[3] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/۵۳۶

(ای کونہ حیوانا) کان نجسا لانہ قے[1] | اس کا حیوان ہونا ثابت ہوجائے) تو وہ نجس ہوگا اس لیے کہ وہ قے ہے۔ (ت)

اقول قے کی تعریف اس پر صادق آنے میں کلام ہے اور کتب شافعیہ میں اُس سے جوازِ وضو مصرح شرح وجیز ابوالفرج عجلی شافعی میں ہے :

الماء الذی فی دود الثلج طھور[2] | وہ پانی جو برف والے کیڑے میں ہوتا ہے پاک طہور ہے۔ (ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے :

الذی قالہ یوافق قول القاضی حسین فیما تقدم فی الدود[3] | جو انہوں نے کہا وہ قاضی حسین کے قول کے موافق ہے جیساکہ دود کے ذکر میں پہلے گزرا۔ (ت)

علامہ شامی نے جب تک اُس جانور کا دموی ہونا ثابت نہ ہو پانی پاک مگر ناقابلِ وضو بتایا۔

حیث قال نعم لایکون نجسا عندنا مالم یعلم کونہ دمویا اما رفع الحدث بہ فلا یصح وان کان غیر دموی[4] | انہوں نے فرمایا جب تک اس کا دموی ہونا معلوم نہ ہو ہمارے نزدیک نجس نہیں، رہا اس سے پاکی حاصل کرنا تو یہ صحیح نہیں اگرچہ وہ غیر دموی ہو۔ (ت)

اقول ظاہراً اُس پانی کی طہارت محلِ اشتباہ نہیں جیسے ریشم کا کیڑا کہ خود بھی پاک ہے اور اس کا پانی بلکہ بیٹ بھی پاک۔ عالمگیریہ میں ہے :

ماء دود القز وعینہ وخرؤہ طاھر کذا فی القنیۃ[5] | ریشم کا کیڑا اس کا پانی اور اس کی بیٹ پاک ہے جیساکہ قنیہ میں ہے۔ (ت)

بلکہ خلاصہ میں ہے :

الدودۃ اذا تولدت من النجاسۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی انھا لیست | کیڑا جو نجاست میں پیدا ہو تو شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ وہ ناپاک نہیں ہے اور یہی حال ہر حیوان کا ہے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/۱۳۲
[2] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/۵۳۶
[3] ایضاً
[4] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/۱۳۲
[5] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی الاعیان النجسۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۶

بنجسۃ وکذا کل حیوان حتی لو غسل ثم وقع فی الماء لا ینجسہ و تجوز الصلاۃ معھا۔[1]

تو اگر کسی حیوان کو دھویا جائے پھر وُہ پانی میں گر جائے تو اس کو ناپاک نہیں کرے گا، اور اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ (ت)

اور جب ظاہر ہے تو جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ پانی نہیں بلکہ اُس کیڑے ہی کے پیٹ کی رطوبت ہے یا اُس کی رطوبت اس میں نصف یا زائد مل ہوتی ہے ناقابلِ وضو ہونے کی کوئی وجہ نہیں ظاہراً وہ برف ہی کا پانی ہے کہ اس کے جوف میں ملتاہے اور پاک پانی کے غیر طہور ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو خلط غیر سے ماتے مطلق نہ رہے یا اسقاط فرض خواہ اقامت قربت سے مستعمل ہوجائے ثانی یہاں قطعاً منتفی اور اول کا ثبوت نہیں اور کوئی مطلق بلا ثبوت مقید نہیں ہوسکتا۔

الا تری ان النجاسۃ لا تثبت بالشك وھی تسلب الطھوریۃ والطھارۃ معا فضلا عن التقیید۔

نجاست شک سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور یہ طہوریت کو سلب کرتی ہے اور طہارت کو بھی چہ جائیکہ تقیید۔ (ت)

(۸) گرم پانی

وھذا وفاق الا ما یحکی عن مجاھد من کراھتہ۔ (اس بات میں اتفاق ہے مگر وہ جو مجاہد سے اسکی کراہت منقول ہے۔ ت)

اقول مگر اتنا گرم کہ اچھی طرح ڈالا نہ جائے تکمیل سنت نہ کرنے دے مکروہ ہے یونہی اتنا سرد اور اگر تکمیل فرض سے مانع ہو تو حرام اور وہ وضو نہ ہوگا وفی صحیح البخاری توضأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بالحمیم[2] (صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گرم پانی سے وضو فرمایا۔ ت)

(۹) اُپلوں سے گرم کیا ہُوا اور بچنا بہتر، درمختار میں ہے، وکرہ احمد المسخن بالنجاسۃ[3] (نجاست کے ذریعے گرم شدہ پانی کو امام احمد نے مکروہ گردانا ہے۔ ت)

(۱۰) دھوپ کا گرم پانی مطلقاً مگر گرم ملک گرم موسم میں جو پانی سونے چاندی کے سوا کسی اور دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم ہوجائے وہ جب تک ٹھنڈا نہ ہولے بدن کو کسی طرح پہنچانا نہ چاہیے وضو سے نہ غسل سے نہ پینے سے یہاں تک کہ جو کپڑا اس سے بھیگا ہو جب تک سرد نہ ہوجائے پہننا مناسب نہیں کہ اُس پانی کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی — الفصل السابع فیما یکون نجساً الخ — نولکشور لکھنؤ — ۱/۴۴

[2] جامع للبخاری — باب وضوء الرجل مع امرأتہ — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۳۲

[3] الدرالمختار — باب المیاہ — مجتبائی لاہور — ۱/۳۴

بدن کو پہنچنے سے معاذ اللہ احتمالِ برص ہے اختلافات اس میں بکثرت ہیں اور ہم نے اپنی کتاب منتہی الآمال فی الاوفاق والاعمال میں ہر اختلاف سے قول اصح وارجح چنا اور مختصر الفاظ ہیں اُسے ذکر کیا اُسی کی نقل بس ہے

وھو ھذا قط (ای الدارقطنی) عن عامر والعقیلی عن انس مرفوعا قط والشافعی عن عمر الفاروق موقوفا لا تغتسلوا بالماء الشمس فانہ یورث البرص[1] قط وابو نعیم عن ام المؤمنین انہا سخنت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماء فی الشمس فقال لا تفعلی یا حمیراء فانہ یورث البرص[2] وقیدہ العلماء بقیود ان یکون فی قطر ووقت حارین وقد تشمس فی منطبع صابر تحت المطرقۃ کحدید ونحاس علی الاصح الا المنقدین علی المعتمد دون الخزف والجلود والاحجار والخشب ولا للشمس فی الحیاض والبرك قطعا وان یستعمل فی البدن ولو شربا لا فی الثوب الا اذا لبسہ رطبا او مع العرق وان یستعمل حارا فلو برد لا باس علی الاصح وقیل لا فرق علی الصحیح ووجہ ورد فالاول الاوجہ قیل وان لا یکون الاناء متکشفا والراجح ولا فالحاصل منع ایصال الماء المشمس فی اناء منطبع من غیر النقدین الی البدن فی وقت وبلد حارین

دارقطنی نے عامر سے اور عقیلی نے انس سے مرفوعاً روایت کی، دارقطنی اور شافعی نے عمر فاروق سے موقوفاً روایت کی کہ تم آفتاب سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے، دارقطنی وابونعیم نے ام المؤمنین سے روایت کی کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے آفتاب سے پانی گرم کیا تو آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا اے حمیراء کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔ اور علمائے اس میں کچھ قیود لگائی ہیں مثلاً یہ کہ گرم پانی گرم علاقہ میں ہو، گرم وقت میں ہو، یہ کہ پانی کسی دھات کے بنے ہوئے برتن میں جیسے پانی لوہے یا تانبے کے برتن میں گرم ہوا ہو اصح قول کے مطابق مگر سونے چاندی کے برتن میں گرم نہ کیا گیا ہو معتمد قول کے مطابق مٹی کھال پتھر اور لکڑی کے برتنوں کو دھوپ میں رکھ کر گرم نہ کیا گیا ہو۔ حوض اور گڑھے میں سورج کا گرم شدہ پانی قطعاً نہ ہو، یہ پانی بدن میں استعمال ہوا ہو، اگرچہ پی لیا تو بھی یہی خطرہ ہے، کپڑے دھوے تو حرج نہیں، ہاں اگر کپڑا دھو کر تر ہی پہن لیا تو خطرہ ہے یا کپڑا پہنا اور جسم پر پسینہ تھا، یہ پانی گرم استعمال کیا جائے اگر ٹھنڈا ہونے کے بعد استعمال کیا تو حرج نہیں، اصح قول یہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے

---

[1] سنن الدارقطنی باب الماء المسخن نشر السنۃ ملتان ۱/۳۹

[2] " " " " ۱/۳۸

ما لم یبرد واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ کہ فرق نہیں، اور یہی صحیح ہے، اس کی توجیہ بھی ہے اور اس پر رد ہے، تو اول کی وجہ زیادہ درست ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ برتن کھلا ہوا نہ ہو اور راجح ولوکان الاناء منکشفا ہے (یعنی اگرچہ برتن کھلا ہو) تو خلاصہ یہ ہے کہ دھوپ کے گرم پانی کا سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن سے جسم پر پہنچانا، گرم وقت میں اور گرم علاقہ میں بلا ٹھنڈا کیے ممنوع ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اُس پانی سے وضو وغسل مکروہ ہے کما صرح بہ فی الفتح والبحر والدرایۃ والقنیۃ والنہایۃ (جیسا کہ فتح، بحر، درایہ، قنیہ اور نہایہ میں صراحت کی گئی ہے۔ ت)

اور یہ کراہت شرعی تنزیہی ہے

کما اشار الیہ فی الحلیۃ والامداد ھذا اما حققہ ش خلافا للتنویر والدر حیث نفیا الکراھۃ اصلا ویمکن حمل التنویر علی التحریم اما الدر فصرح انھا طبعیۃ عند الشافعیۃ وھو خلاف نصھم۔

جیسا کہ حلیہ اور امداد میں اشارہ کیا "ش" نے یہی تحقیق کی، تنویر اور دُر میں اس کے خلاف ہے، ان دونوں حضرات نے مطلقًا کراہت کا انکار کیا ہے، اور تنویر کی عبارت کو مکروہ تحریمی پر محمول کرنا ممکن ہے مگر دُر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک وہ کراہت طبعیہ ہے اور یہ ان کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (ت)

اقول وزیادۃ التنویر قید القصد حیث قال وبماء قصد تشمیسہ لیس اتفاقیا بل للدلالۃ علی الاول واشارۃ الی نفی ما وقع فی المعراج ان الکراھۃ مقیدۃ عند الشافعی بالقصد فافھم۔

میں کہتا ہوں تنویر میں ارادہ کی قید کا اضافہ ہے انھوں نے فرمایا "اور اس پانی سے جس کو دھوپ میں قصدًا گرم کیا گیا ہے"، یہ قید اتفاقی نہیں ہے بلکہ پہلی پر دلالت کے لیے ہے اور جو معراج میں فرمایا ہے اس کی نفی کے لیے ہے کہ شافعیوں کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب بالقصد ہو فافہم۔ (ت)

(۱۱) عورت کی طہارت سے بچا ہوا پانی اگرچہ جنب یا حائض ہو اگرچہ اس پانی سے خلوتِ تامہ میں اُس نے طہارت کی ہو، خلافا لاحمد والمالکیۃ (اس میں احمد اور مالکیہ کا اختلاف ہے۔ ت) ہاں مکروہ ضرور ہے۔

بل فی السراج لایجوز للرجل ان یتوضأ و یغتسل بفضل وضوء المرأۃ اھ[۱] و ھو نص

بلکہ سراج میں ہے کہ مرد کو جائز نہیں کہ وہ عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے اھ

---

[۱] رد المحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/۹۸

فی کراھۃ التحریم واستظھرھا ط من قول الدر من منھیاتہ التوضی بفضل ماء المرأۃ قال فیہ نظر واجاب ش بانہ یشمل المکروہ تنزیھا فانہ منھی عنہ اصطلاحا حقیقۃ کما قدمناہ عن التحریر اھ[2] وعللہ ط بخشیۃ التلذذ وقلۃ توقیھن النجاسات لنقص دینھن قال وھذا یدل علی ان کراھتہ تنزیھیۃ۔[3]

اور یہ مکروہ تحریمی میں نص ہے، اور طحطاوی نے اس پر دُر کے قول "عورت کے باقیماندہ پانی سے وضو نہ کیا جائے" سے استدلال کیا ہے، فرمایا اس میں نظر ہے، اور ش نے جواب دیا کہ یہ مکروہ تنزیہی کو شامل ہے کہ یہ منہی عنہ ہے اصطلاحی طور پر حقیقۃً جیسا کہ ہم نے تحریر سے نقل کیا اھ اور طحطاوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں ایک تو تلذذ کا خطرہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے دینی نقصان کی وجہ سے نجاستوں سے نہیں بچتی ہیں، فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد کراہت تنزیہی ہے اھ (ت)

اقول علی الاول یعم النھی عکسہ اعنی توضؤ المرأۃ من فضل طھورہ وفیہ کلام یاتی اما الثانی فاولا یقتضی تعمیمہ رجال البدو والعبید والجھلۃ واشد من الکل العمیان فلا تبقی خصوصیۃ للمرأۃ۔

وثانیا لا یتقید بطھورھا فضلا عن اختلائھا بہ بل اذن یکفی مسھا۔

وثالثا فی قلۃ توقیھن النجاسات نظر ونقص دینھن ان احدٰیھن تقعد شطر دھرھا لا تصوم ولا تصلی کما فی الحدیث وھذا لیس من صنعھا الا ان یعلل بغلبۃ

میں کہتا ہوں پہلے ... قول کے مطابق نہی اُس کے عکس کو شامل ہے یعنی عورت کا مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا، اس میں کچھ بحث ہے جو آئے گی۔ رہا دوسرا قول تو اس میں پہلی چیز یہ ہے کہ یہ دیہاتی، غلام اور جاہل سب کو عام ہے اور سب سے زیادہ نابینا لوگوں کو۔ تو اس میں عورت کی کوئی خصوصیت نہیں۔

اور ثانیا، یہ قید نہیں کہ اس کا طہور ہو چہ جائیکہ عورت کا خلوت میں اس کو استعمال کرنا، بلکہ اس کا محض پانی کو چھُو لینا بھی کافی ہوگا۔

اور تیسرا یہ کہ اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نجاستوں سے کم بچتی ہیں اس میں اعتراض ہے،

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار — مکروہات الوضوء — بیروت — ۱/۷۶
[2] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر — ۱/۹۸
[3] طحطاوی علی الدر المختار — " — بیروت — ۱/۷۶

الجہل علیھن فیشارکھن العبید والاعراب۔

اور ان کے دین کا نقص محض یہ ہے کہ وہ ایک زمانہ تک گھر میں بیٹھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے اور نہ نماز پڑھتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، اور اس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں، ہاں اس کی تعلیل یہ ہوسکتی ہے کہ ان میں جہل کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ بات غلاموں اور دیہاتی لوگوں میں بھی ہوتی ہے۔

ورابعا العلۃ توجد فی حق المرأۃ الاخری والکراھۃ خاصۃ بالرجل وجعل ش النھی تعبدیا۔

چوتھے، یہ علت دوسری عورت کے حق میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ کراہت مرد کے ساتھ خاص ہے اور "ش" نے اس مخالفت کو محض تعبدی امر قرار دیا ہے۔ (ت)

اقول وھوالاولی لما عرفت عدم انتھاض العلل وبہ صرحت الحنابلۃ ولا بدلھم عن ذلک اذعدم الجواز لایعقل لہ وجہ اصلافکونہ تعبدیا لما رواہ الخمسۃ[1] انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یتوضأ الرجل بفضل طھور المرأۃ ثم ذکرعن غرر الافکار نسخہ بحدیث مسلم[2]

میں کہتا ہوں یہی بات بہتر ہے، کیونکہ دوسری علتیں درست نہیں ہیں، اور حنبلی حضرات نے بھی یہ علت بیان کی ہے، اور ایسا کرنا ان کے لیے ضروری تھا، کیونکہ عدم جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں، اور اس کے تعبدی ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو پانچوں محدثین نے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء

---

[1] اقول المعروف فی اطلاق الخمسۃ ارادۃ الستۃ الا البخاری وھذا انمارواہ احمد والاربعۃ نعم ھواصطلاح عبدالسلام ابن تیمیۃ فی المنتقی لانہ ادخل الامام احمد فی الجماعۃ فاذارواہ غیرالشیخین قال رواہ الخمسۃ۔ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہوں عام طور پر خمسہ کا اطلاق بخاری کے علاوہ باقی اصحاب ستہ پر ہوتا ہے جبکہ اس کو امام احمد اور اربعہ نے روایت کیا ہے۔ ہاں منتقی میں عبدالسلام ابن تیمیہ کی یہ اصطلاح ہے کہ کیونکہ وہ امام احمد کو بھی اصحاب صحاح کی جماعت میں داخل کرتے ہیں جس حدیث کو شیخین کے علاوہ باقی اصحاب صحاح نے روایت کیا ہو تو کہتے ہیں رواہ الخمسہ منہ غفرلہ (ت)

---

[2] ردالمحتار مکروہات الوضوء البابی مصر ۱/۹۸

میمونة قالت اغتسلت من جفنة ففضلت فیها فضلة فجاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغتسل فقلت انی اغتسلت منه فقال الماء لیس علیه جنابة قال ش مقتضی النسخ انه لایکرہ عندنا ولا تنزیها وفیه ان دعوی النسخ تتوقف علی العلم بتأخر الناسخ ولعله ماخوذ من قول میمونة رضی اللہ تعالٰی عنها انی قد اغتسلت فانه یشعر بعلمها بالنهی قبله قال وقد صرح الشافعیة بالکراهة فینبغی کراهته وان قلنا بالنسخ مراعاة للخلاف فقد صرحوا بانه یطلب مراعاة الخلاف وقد علمت انه لایجوز التطهیر به عند احمد اھ[1]

کرنے کی ممانعت فرمائی، پھر غرر الافکار کے حوالہ سے اس کا منسوخ ہونا نقل کیا۔ اس میں مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک ٹب سے غسل کیا اس میں کچھ پانی بچ گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے غسل کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ "ہم نے اس سے غسل کیا ہے۔" آپ نے فرمایا "پانی پر جنابت کا اثر نہیں ہوتا۔" ش نے فرمایا نسخ کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ مکروہ تحریمی ہے نہ مکروہ تنزیہی، اس میں اعتراض ہے کہ نسخ کا دعوٰی اس پر موقوف ہے کہ ناسخ کے متاخر ہونے کا علم ہو، اور شاید یہ حضرت میمونہ کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ میں نے غسل کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس سے قبل ہی نہی کا علم تھا، اور شافعیہ نے کراہت کی تصریح کی ہے تو چاہیے کہ یہ مکروہ ہو، اگرچہ ہم اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے نسخ کا قول کریں، کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خلاف کی رعایت کی جائے اور یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ احمد کے نزدیک اس پانی سے طہارت جائز نہیں اھ (ت)

اقول والاقرب الی الصواب ان لا نسخ ولا تحریم بل النهی للتنزیه والفعل لبیان الجواز وهو الذی مشی علیه القاری فی المرقاة نقلا عن السید جمال الدین الحنفی وبه اجاب الشیخ عبد الحق الدهلوی فی لمعات التنقیح ان النهی تنزیه لا تحریم فلامنافاة اھ[2] وقال فی الباب قبله اجیب

میں کہتا ہوں زیادہ صحیح بات یہ ہوگی کہ نہ تو نسخ ہے اور نہ ہی تحریم ہے بلکہ نہی محض تنزیہی ہے اور فعل بیانِ جواز کے لیے ہے ملا علی قاری نے بھی مرقاۃ میں سید جمال الدین حنفی سے یہی نقل کیا ہے اور لمعات التنقیح میں محدث عبد الحق دہلوی نے بھی یہی جواب دیا ہے کہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں

---

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء البابی مصر ۱/ ۹۸
[2] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۱۲۲

ان تلك عزیمة وھذا رخصة[1] اھ وبھذا اجزم فی الاشعة من باب مخالطة الجنب وقال الامام العینی فی عمدۃ القاری اما فضل المرأۃ فیجوز عند الشافعی الوضوء بہ للرجل سواء خلت بہ اولا قال البغوی وغیرہ فلا کراھة فیہ للاحادیث الصحیحة فیہ وبھذا قال مالك وابو حنیفة وجمھور العلماء وقال احمد وداود لایجوز اذا خلت بہ وروی ھذا عن عبداللہ بن سرجس والحسن البصری وروی عن احمد کمذھبنا وعن ابن المسیب والحسن کراھة فضلھا مطلقا[2] اھ واذا حملنا المنفیة علی کراھة التحریم لم ینات ثبوت کراھة التنزیہ وکیفما کان فما فی السراج غریب جدا ولم یستند لمعتمد وخالف المعتمدات والنقول الثقات ولایظھر لہ وجہ وقد قال فی کشف الظنون السراج الوھاج عدہ المولی المعروف ببرکلی جملة الکتب المتداولة الضعیفة غیر المعتبرۃ اھ قال چلپی ثم اختصر ھذا الشرح وسماہ الجوھر النیر[3] اھ۔

تو کوئی منافاۃ نہیں، اس پہلے باب میں فرمایا کہ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ عزیمۃ تھی اور یہ رخصۃ ہے اھ اور اشعۃ اللمعات میں اسی پر جزم کیا ہے عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے عورت کا بچے ہُوئے پانی سے امام شافعی کے نزدیک مرد کیلئے وضو جائز ہے خواہ اُس عورت نے اس سے خلوت کی ہو یا نہ کی ہو بغوی وغیرہ نے فرمایا تو اس میں کراہت نہیں ہے کہ صحیح احادیث اس بارے میں موجود ہیں یہی قول مالک، ابو حنیفہ اور جمہور علماء کا ہے' اور احمد اور ابو داؤد نے فرمایا کہ جب عورت اس پانی کے ساتھ خلوت کرے تو جائز نہیں، یہ قول عبد اللہ بن سرجس اور حسن بصری سے منقول ہے' اور احمد کی ایک روایت مذہب ابی حنیفہ کے مطابق ہے، اور ابن المسیب اور حسن سے اس بچے ہُوئے کی کراہت مطلقاً منقول ہے اور اگر ہم منفی کو کراہتِ تحریم پر محمول کریں تو اس سے کراہت تنزیہی کے ثبوت کی نفی لازم نہ آئے گی، بہر صورت جو سراج میں ہے وُہ بہت ہی غریب ہے اور کسی معتمد کتاب کی سند اس پر موجود نہیں، بلکہ کتب معتمدہ اور نقول مستندہ کے صریح خلاف ہے' اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی ہے، کشف الظنون میں ہے کہ سراج الوہاج کو مولی المعروف برکلی نے کتبِ متداولہ ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اھ اور چلپی نے فرمایا پھر اس کتاب کو مختصر کیا گیا اور اس کا نام جوہر نیّر ہوا اھ (ت)

اقول بل الجوھرۃ النیرۃ وھی من

میں کہتا ہُوں بلکہ جوہرہ نیرہ ہے' اور وہ کتب معتبرہ سے

---

[1] لمعات التنقیح، باب الغسل، المعارف العلمیہ لاہور ۲/۱۱۲ [2] عمدۃ القاری، وضوء الرجل مع امرأتہ، مصر ۳/۸۳
[3] کشف الظنون، ذکر مختصر القدوری بغداد ۲/۱۶۳۳

الکتب المعتبرۃ کما نص علیہ فی رد المحتار ونظیرہ ان مجتبی النسائی المختصر من سننہ الکبری من الصحاح دون الکبری۔

ہے جیسا کہ اس کی صراحت ردالمحتار میں موجود ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ نسائی کی مجتبٰی جو ان کی سنن کبرٰی سے مختصر ہے صحاح میں شمار ہوتی ہے جبکہ کبرٰی صحاح میں شمار نہیں ہوتی۔ (ت)

ثم اقول ههنا اشیاء یطول الکلام علیہا ولنشر الی بعضہا اجمالا **منہا** لا تبتنی کراھتہ مطلقا علی قول الامام احمد بعدم الجواز لانہ مخصوص عندہ بالاختلاء **ومنہا** ان مراعاۃ الخلاف انما هی مندوب الیہا فیما لایلزم منہا مکروہ فی المذہب کما نص علیہ العلماء منہم العلامۃ ش نفسہ وترک المندوب لایکرہ کما نصوا علیہ ایضا منہم نفسہ فی ھذا الکتاب فکیف تبتنی الکراھۃ علیہا لاسیما بعد تسلیم ان نسخ التحریم ینفی کراھۃ التنزیہ ایضا **ومنہا** ھل الحکم مثلہ فی عکسہ ای یکرہ لہا ایضا فضل طہورہ روی احمد وابوداؤد والنسائی عن رجل صحب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اربع سنین وابن ماجۃ عن عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالٰی عنہما نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان تغتسل المرأۃ بفضل الرجل او یغتسل بفضل المرأۃ[1] لکن قال الشیخ ابن حجر

پھر میں کہتا ہوں یہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے کلام میں طوالت ہوگی تاہم کچھ کا ذکر اجمالی طور پر کیا جاتا ہے، کراہت کی بنیاد مطلقاً امام احمد کے عدمِ جواز کا قول نہیں، کیونکہ اُن کے نزدیک یہ قول خلوت کے ساتھ مختص ہے، خلاف کی رعایت ایسے امور میں مندوب ہے جن میں اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہ آئے جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت کی ہے، خود علامہ ''ش'' نے ایسا ہی کیا ہے اور مندوب کا ترک مکروہ نہیں جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے خود ''ش'' نے اس کتاب میں صراحت کی ہے، تو پھر کراہت اس پر کیسے مبنی ہوگی؟ خاص طور پر جبکہ اس امر کو تسلیم کر لیا گیا کہ تحریم کا منسوخ ہوجانا تنزیہی کراہت کی بھی نفی کرتا ہے، کیا اس کے عکس میں بھی ایسا ہی حکم ہوگا؟ یعنی عورت کے لیے بھی مرد کا چھوڑا ہوا پانی استعمال کرنا مکروہ ہوگا؟ تو احمد، ابوداؤد اور نسائی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جو چار سال تک آپ کے ساتھ رہے سے روایت کی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن سرجس سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع کیا کہ عورت

---

[1] مشکوۃ المصابیح باب مخالطۃ الجنب مجتبائی دہلی ص ۵۰

المکی فی شرح المشکوٰۃ لاخلاف فی ان لہا الوضوء بفضلہ اھ[1] وقال ایضاً احد لم یقل بظاہرہ ومحال ان یصح وتعمل الامۃ کلہا بخلافہ اھ[2] وتعقبہ الشیخ المحقق الدہلوی فی اللمعات بقولہ قد قال الامام احمد بن حنبل مع ما فیہ من التفصیل والخلاف فی مشایخ مذھبہ[3] الی اخر ما ذکر من خلافیاتھم۔

مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ مگر شیخ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرسکتی ہے اھ نیز فرمایا کہ کسی ایک نے بھی اس کے ظاہر کے خلاف نہیں فرمایا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز صحیح بھی ہو اور تمام اُمّت اس کے خلاف عمل پیرا ہو اھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں اس پر رد کیا اور فرمایا احمد بن حنبل نے جو فرمایا ہے اس میں تفصیل ہے اور ان کے مذہب کے مشایخ میں بھی اختلاف رہا ہے، پھر وہ اختلاف ذکر کیا۔ (ت)

اقول رحم اللہ الشیخ ورحمنا بہ کلام ابن حجر فی وضوئہا بفضلہ وقول الامام احمد وخلافیات مشایخ مذھبہ فی عکسہ نعم قال الامام العینی فی العمدۃ حکی ابو عمر خمسۃ مذاھب الثانی یکرہ ان یتوضأ بفضلہا وعکسہ والثالث کراھتہ فضلہا لہ والرخصۃ فی عکسہ والخامس لا باس بفضل کل منہما وعلیہ فقہاء الامصار[4] اھ ملتقطا فھذا یثبت الخلاف واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں اللہ رحم کرے شیخ پر اور ہم پر، ابن حجر نے مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کے وضو کرنے کی بابت جو کلام کیا ہے اور امام احمد کا قول اور انکے مشایخ مذہب کے اختلافات اسکے برعکس صورت میں ہیں، ہاں عینی نے عمدہ میں فرمایا کہ ابو عمر نے پانچ مذاہب گنائے ہیں، ان میں دوسرا یہ ہے کہ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے اور اسکا عکس بھی مکروہ ہے اور تیسرا یہ ہے کہ عورت کا بچا ہوا مرد کے لیے مکروہ ہے اور اس کے عکس میں رخصت ہے اور پانچواں یہ ہے کہ دونوں کے بچے ہوئے پانی میں کچھ حرج نہیں، اور اسی پر شہروں کے فقہاء ہیں اھ ملتقطاً اس سے خلاف ثابت ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱۲) اُس کنویں یا حوض کا پانی جس سے بچے عورتیں گنوار جاہل فسّاق ہر طرح کے لوگ اپنے میلے کچیلے

---

[1] شرح المشکوٰۃ لابن حجر [2] ایضاً [3] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیۃ لاہور ۲/۱۳۰
[4] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۳/۸۵

گھڑے ڈال کر پانی بھریں جب تک نجاست معلوم نہ ہو فتح القدیر میں ہے :

یتوضؤ من البئر التی یدلی فیہ الدلاء و الجرار الدنسۃ یحملہا الصغار و العبید الذین لایعلمون الاحکام و یمسہا الرستاقیون بالایدی الدنسۃ مالم تعلم نجاسۃ۔[1]

جس کنویں میں بچے اور غلام میلے ڈولوں اور ٹھلیوں سے پانی بھرتے ہوں اور جن کو ستھے میلے ہاتھ لگاتے ہوں ایسے کنوؤں سے وضو کرنے میں حرج نہیں، ہاں اگر نجاست کا یقین ہو تو جائز نہیں۔(ت)

اشباہ والنظائر میں ہے :

قال الامام محمد حوض تملؤ منہ الصغار و العبید بالایدی الدنسۃ والجرار الوسخۃ یجوز الوضوء منہ مالم تعلم نجاسۃ۔[2]

امام محمد نے فرمایا وہ حوض جس سے چھوٹے بچے اور غلام پانی بھرتے ہوں، اُن کے ہاتھ اور ٹھلیاں میلی ہوں تو جب تک نجاست کا یقین نہ ہو اس سے وضو جائز ہے۔(ت)

(۱۴) وہ پانی جس میں ایسا برتن ڈالا گیا ہو جو زمین پر رکھا جاتا ہے جس کے پیندے کی طہارت پر یقین نہیں جب تک نجاست پر یقین نہ ہو فتح القدیر میں ہے :

قالوا ولاباس بالتوضی من حب یوضع کوزہ فی نواحی الدار ویشرب منہ مالم یعلم بہ قذر۔[3]

فقہاء نے فرمایا وہ تالاب جس کے کوزے گھر کے گوشے میں رکھے جاتے ہوں اور اس سے پانی پیا جاتا ہو تو اُس سے وضو کرنے میں حرج نہیں، جب تک اس کی گندگی کا علم نہ ہو۔(ت)

حدیقہ ندیہ میں جامع الفتاوی سے ہے :

وکذا الکوز الموضوع فی الارض اذا ادخل فی الحب للشرب منہ یعنی یجوز مالم یعلم النجاسۃ۔[4]

اسی طرح وہ لوٹا جو زمین پر رکھا ہوا ہو جب اس کو تالاب میں ڈال کر اس سے پینے کے لیے پانی نکالا جائے تو اس سے وضو جائز ہے، یعنی جب تک نجاست کا علم نہ ہو۔(ت)

(۲) یہی حکم اُن لوٹوں کے پیندوں کا ہے جو زمین پر رکھے جاتے بلکہ بیت الخلا میں لے جاتے ہیں جبکہ موضع نجاست

---

[1] فتح القدیر، غدیر عظیم، سکھر ۱/۷۲ [2] الاشباہ والنظائر، الیقین لایزول بالشک، ادارۃ القرآن کراچی ۱/۸۷
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ [4] حدیقہ ندیہ، صنف ثانی من المصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۶۷

سے جُدا ہوں۔

(۱۴) ہنود وغیرہم کفار کے کنوؤں یا برتنوں کا پانی اس سے طہارت ہوسکتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت رہے گی جب تک طہارت نہ معلوم ہو کہ وہ مظنّۂ ہرگونہ نجاست ہیں عینی شرح بخاری میں زیرِ اثر توضأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من بیت نصرانیۃ (حضرت عمر نے ایک نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا۔ ت) فرمایا:

الذی یدل ھذا الاثر جواز استعمال میاھھم ولکن یکرہ استعمال اوانیھم و ثیابھم سواء فیہ اھل الکتاب وغیرھم وقال الشافعیۃ فان تیقن طہارتھا فلا کراھۃ ولا نعلم فیھا خلافا واذا تطھر من اناء کافر ولم یتیقن طھارتہ ولا نجاستہ فان کان من قوم لا یتدینون باستعمالھا صحت طھارتہ قطعا والا فوجہان اصحھما الصحۃ وممن کان لا یری باسا بہ الاوزاعی والثوری وابو حنیفۃ والشافعی واصحابھما وقال ابن المنذر لا اعلم احدا کرھہ الا احمد وابن اسحٰق قلت وتبعھما اھل الظاہر واختلف قول مالک ففی المدونۃ لا یتوضؤ بسؤر النصرانی ولا بما ادخل یدہ فیہ وفی العتبیۃ اجازہ مرۃ وکرھہ اخری[1] اھ

اس اثر سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے پانیوں کا استعمال جائز ہے لیکن ان کے برتنوں اور کپڑوں کا استعمال مکروہ ہے اس میں اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب برابر ہیں اور شافعی حضرات فرماتے ہیں اگر ان کی پاکی کا یقین ہو تو کراہت بھی نہیں، اور ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے اور جب کسی برتن سے کسی کافر نے پاکی حاصل کی اور اس کی طہارت و نجاست میں سے کسی کا یقین نہیں، تو اگر وہ ایسے لوگوں کا برتن ہے جو نجاست کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے، تو اس کی طہارت قطعاً ثابت ہے ورنہ اس میں دو صورتیں ہیں، دونوں میں اصح صحت ہے، امام اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ، امام شافعی اور دونوں کے اصحاب اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور ابنِ منذر فرماتے ہیں میں کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہو سوائے احمد اور ابن اسحاق کے، میں کہتا ہوں اہلِ ظاہر نے ان دونوں کی متابعت کی اور مالک کے قول میں اختلاف پایا جاتا ہے، مدوّنہ میں ہے نصرانی کے جھوٹے سے اور اس پانی سے جس میں اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو وضو نہ کیا جائے، اور عتبیہ میں ایک قول جواز کا ہے اور ایک کراہت کا۔ (ت)

---

[1] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۳/ ۸۲

اقول افاد کراھۃ التحریم لمقابلتہا بالاجازۃ وھی محمل قول احمد واسحٰق ونفی الباس مرجعہ الی خلاف الاولی وقد بینا المسألۃ بابسط مماھنا فی فتاونا۔

میں کہتا ہوں اس سے کراہت تحریمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کا مقابلہ اجازت سے ہے، اور اسی پر احمد اور اسحاق کے قول کو محمول کیا گیا ہے اور جہاں باس کی نفی ہے اس کا مطلب خلاف اولیٰ ہے، ہم نے اس مسئلہ کو بہ نسبت اس مقام کے اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ت)

ذخیرہ میں ہے:

یکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل لان الغالب الظاھر من حال اوانیھم النجاسۃ۔[1]

مشرکین کے برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے کیونکہ ان کے برتن بظاہر ناپاک ہوتے ہیں۔ (ت)

(۱۵) جس پانی میں بچّہ نے ہاتھ یا پاؤں ڈال دیا یہاں بھی وہی حکم ہے کہ قابلِ طہارت ہے جب تک نجاست پر یقین نہ ہو مگر اولیٰ احتراز ہے جب تک طہارت پر یقین نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

اذا ادخل الصبی یدہ فی کوز ماء او رجلہ فان علم ان یدہ طاھرۃ بیقین یجوز التوضؤ بہ وان کان لایعلم انھا طاھرۃ او نجسۃ فالمستحب ان یتوضأ بغیرہ ومع ھذا لو توضأ اجزأہ کذا فی المحیط۔[2]

بچّے نے پانی کے کُوزے میں اگر ہاتھ یا پیر ڈالا تو اگر یقین سے یہ معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ یا پَیر پاک ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر معلوم نہیں کہ وہ پاک ہے یا ناپاک، تو مستحب یہ ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کیا جائے، لیکن اگر وضو کر ہی لیا تو جائز ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

(۱۶) یوں ہی جس میں مشکوک کپڑا گر گیا حتی کہ بچّے کے نہالچے کی روئی جبکہ نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت ہے کہ مظنہ زیادہ ہے، جواہر الفتاوٰی باب اول فتاوٰی امام رکن الدین ابوالفضل کرمانی میں ہے:

قطعۃ قطن من فراش صبی وقعت فی بئر ولا یدری انھا نجسۃ ام طاھرۃ

بچّے کے بچھونے سے رُوئی کا ایک ٹکڑا کنوئیں میں گر گیا اور یہ معلوم نہیں کہ یہ پاک ہے یا ناپاک، تو محض شک

---

[1] حدیقہ ندیہ — نوریہ رضویہ فیصل آباد — ۲/۱۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ — فصل فیما لایجوز بہ التوضؤ — پشاور — ۱/۲۵

قال لا یحکم بکونہا نجسۃ بالشك والاحتمال ولو احتیط ونزح کان اولی۔[1]

اور احتمال کی بنا پر اس کی نجاست کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اگر احتیاط سے کام لیا جائے اور تمام پانی نکال دیا جائے تو بہتر ہے۔ (ت)

(۱۷) وُہ پانی جس میں استعمالی جُوتا گر گیا جبکہ نجاست نہ معلوم ہو یہاں پر بھی وہی حکم ہے تاتارخانیہ پھر طریقہ وحدیقہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی عن رکیۃ وھی البئر وجد فیہا خف ای نعل تلبس و یمشی بہا صاحبہا فی الطرقات لایدری متی وقع فیہا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا اھ ملخصا۔[2]

امام خجندی سے ایسے کنوئیں کی بابت دریافت کیا گیا جس میں ایسا موزہ (ہلکا جوتا) پایا گیا جسے پہن کر عام راستوں پر چلا جاتا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کب گرا ہے، اور اس پر بظاہر نجاست کا اثر بھی نہیں تو کیا کنواں ناپاک ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں اھ (ت)

(۱۸ تا ۲۱) شکاری پرندوں اور حشرات الارض اور بلّی اور چھوٹی ہوئی مرغی کا جھوٹا جبکہ طہارت یا نجاست پر یقین نہ ہو اُس وقت مکروہ ہے جبکہ دوسرا صاف پانی موجود ہو وقد بیناہ فی فتاوٰنا (ہمارے فتاوٰی میں بیان کردیا گیا ہے۔ ت)

(۲۲) اُس جانور کا جھوٹا جس میں خون سائل نہیں جیسے بچھو وغیرہ اس میں کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

سؤر مالادم لہ طاھر طہور بلاکراھۃ۔[3]

اس جانور کا جُھوٹا جس میں خون سائل نہیں بلاکراہت پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ (ت)

(۲۳) حوض کا پانی جس میں بدبُو آتی ہو جبکہ اُس کی بُو نجاست کی وجہ سے ہونا معلوم نہ ہو۔ خانیہ میں ہے:

یجوز التوضؤ فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم تعلم نجاسۃ لان تغیر الرائحۃ

بڑے حوض میں اگر بدبو ہو تو بھی اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست معلوم نہ ہو کیونکہ

---

[1] جواہر الفتاوی

[2] حدیقہ ندیہ صنف ثانی من الصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۷۴

[3] الدر المختار فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

قد یکون بطول المکث[1] اھ

پانی کے ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بھی کبھی بدبُو پیدا ہوجاتی ہے اھ (ت)

اقول وکذا الصغیر وانما قید بالکبیر لاجل فی معناہ ان الکبیر اذا تغیر احداوصافہ بنجس ینجس فالحوض الکبیر المنتن قد یتوقاہ الموسوس توھما ان نتنہ بالنجس فافاد انہ وھم لایعتبر۔

میں کہتا ہُوں چھوٹے حوض کا بھی یہی حکم ہے، بڑے کی قید محض اس لیے لگائی ہے کہ بڑے حوض کا پانی جب نجاست کی وجہ سے متغیر ہوجائے اور اس کا کوئی وصف بدل جائے تو نجس ہے اگر بڑے حوض میں بدبو پائی جائے تو وہمی شخص اس سے پرہیز کرسکتا ہے کہ شاید اس کی بدبو نجاست کے باعث ہے لیکن اس عبارت سے یہ بتا دیا کہ یہ وہم معتبر نہیں ہے۔ (ت)

(۲۴) مولٰی کریم رؤف رحیم عزجلالہٗ اپنے حبیب اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وجاہت کریمہ کے صدقہ میں اپنے غضب سے دونوں جہان میں بچائے جس بستی پر عیاذاً باللہ عذاب اُترا اُس کے کنوؤں تالابوں کا پانی کہ اُس کا استعمال کھانے پینے طہارت ہر شے میں مکروہ ہے یُوں ہی اس کی مٹی سے تیمم، ہاں زمین ثمود کا وہ کنواں جس سے ناقۂ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی پیتا اُس کا پانی مستثنٰی ہے، صحاح میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمراہ رکاب اقدس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم زمین ثمود پر اُترے وہاں کے کنوؤں سے پانی بھرا اُس سے آٹے گوندھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پانی پھینک دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیں چاہِ ناقہ سے پانی لیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ینبغی کراھۃ التطہیر ایضا اخذا مما ذکرناہ وان لم ارہ لاحد من ائمتنا بماء وتراب من کل ارض غضب علیھا الابئرالناقۃ بارض ثمود وقد صرح الشافعیۃ بکراھتہ ولایباح عند احمد ثم نقل الحدیث عن شرح المنتھی الحنبلی وانہ قال ظاھرہ منع الطہارۃ

جس زمین پر بھی غضب نازل ہوا ہو، اس کے پانی اور مٹی سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہونا چاہئے سوائے ناقہ کے کنویں کے جو زمین ثمود میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات اس تحقیق سے معلوم ہوتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، اگرچہ میری نظر سے نہیں گزرا کہ ہمارے ائمہ میں سے کسی نے یہ بات کہی ہو، البتہ شافعیہ نے اس کے مکروہ ہونے کی

---

[1] قاضی خان الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۳

به قال و بئر الناقة هی البئر الکبیرة التی یردها الحجاج فی ھذہ الازمنة[1] اھ وقولہ اخذا مما ذکرنا یشیر الی ما قدمہ من تعلیل الکراھة بمراعاة الخلاف۔

تصریح کی ہے، اور امام احمد کے نزدیک مباح نہیں ہے، پھر حدیث نقل کی شرح منتہی حنبلی سے، اور فرمایا اس سے بظاہر طہارت کا ممنوع ہونا مفہوم ہوتا ہے، فرمایا اونٹنی کے کنویں سے مراد وہ بڑا کنواں ہے جس پر آج کل حاجی آتے ہیں اور اسکے قول اخذا مما ذکرنا سے مراد کراہت کی علت ہے جو انھوں نے بیان کی کہ اختلاف کی رعایت مقصود ہے۔ (ت)

اقول وفیہ ما قدمنا لکن الکراھة ھھنا واضحة فقد کرہ الاٰجر فی القبر مما یلی المیت لاثر النار کما فی البدائع وغیرھا فھذا اولی بوجوہ کما لا یخفی علی من اعتبر فجزاہ اللہ تعالٰی خیرا کثیرا فی جنات الفردوس کما نبہ علی ھذہ الفائدة الفاذة۔

میں کہتا ہوں اس پر وہ اعتراض ہے جو ہم نے ذکر کیا، لیکن کراہت یہاں واضح ہے، کیونکہ آگ میں پکی ہوئی اینٹ قبر میں میت سے لگا کر استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہوتا ہے، جیسا کہ بدائع وغیرہ میں ہے تو یہ بطریق اولٰی مکروہ ہے کئی وجوہ سے جیسا کہ عبرت حاصل کرنے والے پر مخفی نہیں اللہ تعالٰی اسے جنۃ الفردوس میں خیر کثیر عطا فرمائے جیسا کہ اس عمدہ فائدہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ (ت)

(۲۵) آبِ مغصوب۔ آبِ مغصوب میں تو کراہت ہی تھی آبِ مغصوب کا استعمال صرف کھانے پینے میں ہو خواہ طہارت میں محض حرام ہے مگر وضو و غسل صحیح ہو جائیں گے اور ان سے نماز ادا ہو جائے گی لان المنع للمجاور (یہ ممانعت ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ ت) ردالمحتار میں زیر قول شارح یجوز رفع الحدث بما ذکر (حدث کا دور کرنا جائز ہے ان چیزوں سے جو ذکر کی گئیں) فرمایا ای یصح وان لم یحل فی نحو الماء المغصوب[2] (یعنی صحیح ہے اگرچہ حلال نہیں مغصوب پانی کی شکل میں۔ ت)

(۲۶) وہ پانی کہ کسی کے مملوک کنویں سے بے اس کی اجازت بلکہ باوصفِ ممانعت کے بھرا اس کا پینا وضو وغیرہ میں خرچ کرنا سب جائز ہے یہ مغصوب کی حد میں نہیں کہ کنویں کا پانی جب تک کنویں میں ہے کسی کی ملک نہیں آبِ باراں کی طرح مباح و خالص بملک الٰہی عز جلالہ ہے۔ ردالمحتار میں ہدایہ سے ہے: الماء فی البئر غیر مملوک[3] (کنویں کے اندر کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ ت) اُسی میں ولوالجیہ سے ہے:

---

[1] ردالمحتار | مکروہات الوضوء | مصطفی البابی مصر | ۱/۹۸
[2] ردالمحتار | باب المیاہ | " | ۱/۱۳۵
[3] ردالمحتار | فصل الشرب | " | ۲/۱۸۶

او نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ حتی یبست لاشیئ علیہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء[1]

اگر کسی شخص کے کنویں کا پانی اس کی اجازت کے بغیر نکالا اور اتنا نکالا کہ وہ کنواں خشک ہوگیا تو اس شخص پر کوئی ضمان نہیں، کیونکہ وہ شخص پانی کا مالک نہیں۔ (ت)

اُسی میں ذخیرہ سے ہے:

الماء قبل الاحراز بالاوانی لایملك فقد اتلف مالیس بمملوك لغیرہ[2]

پانی کو جب تک برتنوں میں نہ بھرلیا جائے ملک ثابت نہیں ہوتی ہے، تو اس نے وہ چیز تلف کی ہے جو غیر کی مملوک نہیں۔ (ت)

اُسی میں درمختار سے ہے:

الماء تحت الارض لایملك[3]

زمین کے نیچے جو پانی ہے اس پر کسی کی ملک نہیں۔ (ت)

اسی طرح کُتب کثیرہ میں ہے،

اقول والعبرۃ للمنقول وان بحث البحر تبعاللفتح لزوم کون ماء البئر مملوکا للحافر بناء علی احد قولین فی الکلاء۔

میں کہتا ہوں اعتبار منقول کو ہے، اگرچہ بحر نے اس پر فتح کی متابعت میں بحث کی ہے، اور فرمایا ہے کہ جس نے کنواں کھودا ہے پانی بھی اسی کی ملکیت میں ہے اس بناء پر کہ گھاس میں بھی ایک قول یہی ہے۔ (ت)

اقول وقد کان یخالج صدری نظرا الی ان من نصب شبکۃ لیتعلق بھا صید ملکہ لالو نصبھا للجفاف تنویر وغیرہ وان من وضع اناء لجمع ماء المطر ملکہ اما اذا لم یضع لذلك واجتمع فالماء لمن رفع خیریۃ وغیرھا

میں کہتا ہوں میرے دل میں یہ خلجان تھا کہ جس شخص نے جال لگایا کہ اس میں کوئی شکار پھنس جائے تو شکار اسی کی ملکیت ہوگا بشرطیکہ اس نے جال خشک کرنے کےلیے نہ لگایا ہو، تنویر وغیرہ۔ اور اگر کسی شخص نے برتن رکھا کہ اس میں بارش کا پانی جمع ہوجائے، پھر پانی جمع ہوا تو وہ اسی کی ملک ہے،

---

[1] فتاوٰی خیریہ مسائل الشرب بیروت ۲/۱۸۶
[2] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۷
[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات " ۵/۳۰۸

وظهر الجواب بحمدہ تعالٰی ان ملك[1] المباح بالاستیلاء والاستیلاء بالاحراز وقدتم فی الشبکۃ والاناء بخلاف البئر ففی ش عن جامع الرموز ملاء الدلو من البئر ولم یبعدہ من رأسھا لم یملکہ عند الشیخین اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین اھ اما ما بحثہ الفتح فقد اجاب عنہ فی النھر فراجع ش من البیع الفاسد مسألۃ بیع المراعی۔

جب برتن پانی جمع کرنے کیلئے رکھا ہو اور پانی جمع ہوجائے تو وہ پانی اس کی ملکیت میں ہوگا جس نے اٹھایا، خیریہ وغیرہ۔ اور یہ جواب معلوم ہوا کہ مباح چیز پر ملکیت استیلاء اور غلبہ سے ہوتی ہے اور استیلاء اس چیز کو قبضہ میں لے لینے سے ہوتی ہے، اور یہ چیز جال اور برتن کی شکل میں تو پائی جاتی ہے لیکن کنویں کی صورت میں نہیں 'ش' میں جامع الرموز سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کنویں سے ڈول بھرا لیکن اس کو کنویں کے منہ سے دُور نہ کیا تو وہ اس کی ملک میں نہ ہوگا، یہ شیخین کے نزدیک ہے، کیونکہ احراز کسی چیز کو محفوظ جگہ رکھنے کو کہا جاتا ہے اھ اور جو بحث فتح میں ہے تو اس کا جواب نہر میں ہے اس سلسلہ میں بیع فاسد کا باب تحت مسئلہ چراگاہوں کے بیچنے 'ش' میں ملاحظہ کیجئے۔ (ت)

اقول ویؤیدہ[2] ما فی الھندیۃ عن المبسوط ما انبتہ صاحب الارض بان[3] سقی ارضہ وکربھا لینبت فیھا الحشیش لدوابہ فھو احق بذلك ولیس لاحد ان ینتفع بشیئ منہ الا برضاہ لانہ کسبہ والکسب للمکتسب اھ فلا یقاس علیہ ماء البئر فانہ لیس من کسب حافرھا انما صنعہ فیہ رفع الحجاب کالفصاد قال تعالٰی الم تران اللہ انزل من السماء ماء فسلکہ ینابیع فی

میں کہتا ہوں اس کی تائید ہندیہ کے اُس حوالہ سے ہوتی ہے جو انھوں نے مبسوط سے نقل کیا ہے' حوالہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی زمین میں جانوروں کو کھلانے کے لئے گھاس اگائی تو وہ اسی کی ہے اور کوئی شخص اُس سے اس کی مرضی کے بغیر استفادہ نہیں کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی کمائی ہے' اور ہر شخص کی کمائی اسی کی ہوتی ہے اھ مگر اس پر کنویں کے پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں کیونکہ پانی کنویں کے کھودنے والے کی کمائی نہیں ہے اُس نے تو صرف اتنا کام کیا کہ پانی پر جو حجاب تھا وہ رفع کردیا'

---

[1] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۷

[2] الفتاوی الھندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/ ۳۹۲

الارض[1] وتقریر الاٰیۃ فی میاہ الدرر واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسے فصد کے عمل میں ہوتا ہے فرمانِ الٰہی ہے: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو اللہ تعالٰی نے اس کو چشموں میں جاری کردیا، اس آیت کی تقریر درر کے باب المیاہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲۷) یونہی کسی کا برتن صحن میں تھا مینہ برسا، برتن بھر گیا، پانی بھی اسی کی ملک نہ ہوا اپنی اصل اباحت پر باقی ہے اگرچہ برتن اور مکان اس کی ملک ہے جو اس پانی کو لے لے وہی اس کا مالک ہو جائے گا اگرچہ برتن کا مالک منع کرتا ہے ہاں اس کے برتن کا استعمال بے اجازت جائز نہ ہوگا۔

(۲۸) اگر اس نے برتن اسی نیت سے رکھا تھا کہ آبِ باراں اس میں جمع ہو تو اب وہ پانی اُس کی ملک ہے دوسرے کو بے اس کی اجازتِ صحیحہ کے حرام ہے ہاں طہارت یُوں بھی ہوجائے گی گناہ کے ساتھ فتاوٰے کبرٰی پھر ہندیہ میں ہے:

وضع طستا علی سطح فاجتمع فیہ ماء المطر فجاء رجل ورفع ذلک فتنازعا ان وضع صاحب الطست لذلک فھو لہ لانہ احرزہ وان لم یضعہ لذلک فھو للرافع لانہ مباح غیر محرز۔[2]

کسی شخص نے چھت پر پانی کا طشت رکھا تو اس میں بارش کا پانی جمع ہوگیا، اب ایک شخص نے آکر وہ طشت اٹھالیا، تو اگر طشت کے مالک نے یہ طشت اسی مقصد سے رکھا تھا تو وہ مالک کا ہی ہے اور اگر اس نے یُوں ہی رکھ دیا تھا تو جس نے طشت اٹھایا پانی اسی کا ہوا کیونکہ احراز کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا۔ (ت)

(۲۹) سبیل جو پینے کے لئے لگائی گئی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اُس سے وضو، غسل اگرچہ صحیح ہوجائیں گے جائز نہیں یہاں تک کہ اگر اُس کے سوا اور پانی نہ ملے اور اسے وضو یا غسل کی حاجت ہے تو تیمم کرے اس سے طہارت نہیں کرسکتا۔

اقول مگر جبکہ مالکِ آب کی اجازت مطلقاً یا اس شخص خاص کے لیے صراحۃً خواہ دلالۃً ثابت ہو صراحۃً یہ کہ اُس نے یہی کہہ کر سبیل لگائی ہو کہ جو چاہے پئے وضو کرے نہائے، اور اگر فقط پینے اور وضو کے لیے کہا تو اُس سے غسل روا نہ ہوگا اور خاص اس شخص کے لیے یوں کہ سبیل تو پینے ہی کو لگائی مگر اُسے اُس سے وضو یا غسل کی اجازت خود یا اس کے سوال پر دے دی اور دلالۃً یُوں کہ لوگ اس سے وضو کرتے ہیں اور وہ منع نہیں

---

[1] القرآن ۳۹/۲۱

[2] فتاوٰی خیریۃ بالمعنی مسائل الشرب بیروت ۲/۱۸۶

کرتا یا سقایہ قدیم ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے یا پانی اس درجہ کثیر ہے جس سے ظاہر ہے کہ صرف پینے کو نہیں مگر جبکہ ثابت ہو کہ اگرچہ کثیر ہے صرف پینے ہی کی اجازت دی ہے فان الصریح یفوق الدلالۃ (کیونکہ صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ ت) اور شخص خاص کے لیے یوں کہ اس میں اور مالکِ آب میں کمال انبساط واتحاد ہے یہ اُس کے ایسے مال میں جیسا چاہے تصرف کرے اُسے ناگوار نہیں ہوتا۔

لان المعروف کالمشروط کما ھو معرّف فی مسائل لاتحصی وفی الھندیۃ عن السراج الوھاج ان کان بینھما انبساط یباح والا فلا[1]

کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے، اور یہ چیز بے شمار مسائل میں ہے، اور ہندیہ میں سراج الوہاج سے ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان بے تکلفی کا رشتہ ہو تو یہ مباح ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

محیط وتجنیس وولوالجیہ وخانیہ وبحر ودرمختار میں ہے:

واللفظ لہ الماء المسبل فی الفلاۃ لایمنع التیمم مالم یکن کثیرا فیعلم انہ للوضوء ایضا قال ولیشرب ماللوضوء[2]

لفظ درمختار کے ہیں وہ پانی جو جنگل میں سبیل کے طور پر ہو مانع تیمم نہیں تاوقتیکہ کثیر نہ ہو، اگر کثیر ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ وضو کے لیے بھی ہے۔ نیز فرمایا: جو پانی وضو کے لیے ہے وہ پیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ المسبل ای الموضوع فی الجباب لابناء السبیل قولہ لایمنع التیمم لانہ لم یوضع للوضوء بل للشرب فلا یجوز الوضوء بہ وان صح قولہ مالم یکن کثیرا قال فی شرح المنیۃ الاولی الاعتبار بالعرف لابالکثرۃ الا اذا اشتبہ[3] اھ کلام ش

ان کا قول مسبل یعنی وُہ پانی جو مشکوں میں ہو مسافروں کے لیے، ان کا قول "لایمنع التیمم" کیونکہ وُہ وضو کے لیے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ پینے کے لیے ہے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں اگرچہ صحیح ہے ان کا قول مالم یکن کثیرا، شرح منیہ میں ہے بہتر یہ ہے کہ اعتبار عرف کا ہے نہ کہ کثرۃ کا، مگر جب مشتبہ ہو اھ کلام ش۔ (ت)

اقول وانت تعلم ان ماذکر الفقیر

میں کہتا ہوں جو کچھ فقیر نے ذکر کیا ہے

---

[1] سراج الوہاج

[2] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۵

[3] ردالمحتار باب التیمم مصر ۱/۱۸۵

اجمع واشمل وانفع واکمل۔ وہ جامع، مانع، زیادہ مفید اور مکمل ہے۔ (ت)

تنبیہ: یہ جو شخص خاص کی اجازت صراحۃً خواہ دلالۃً ہم نے ذکر کی اُس حالت میں ہے کہ پانی وقتِ اجازت بھی اجازت دہندہ کی مِلک ہو اور اگر وقف کا پانی ہے تو اس میں نہ کسی کو تغیر کا اختیار نہ کسی کی اجازت کا اعتبار،

فی البحر ثم الدر من الوضوء مکروھہ الاسراف فیہ لو بماء النھر والمملوک لہ اما الموقوف علی من یتطھر بہ ومنہ ماء المدارس فحرام[1] اھ وفی ش عن الحلیۃ لانہ انما یوقف ویساق لمن یتوضؤ الوضوء الشرعی ولم یقصد اباحتھا لغیر ذلک[2] اھ وفی ط تحت عبارۃ الدر السابقۃ قولہ المسبل ای الموقوف الذی یوضع علی السبل قولہ مالم یکن کثیرا محل ذلک عند عدم التیقن بانہ للشرب اما اذا تیقن انہ للشرب فیحرم الوضوء لان شرط الواقف کنص الشارع قولہ وشرب ماللوضوء ظاھرہ وان لم یکن للضرورۃ وفیہ انہ یلزم مخالفۃ شرط الواقف[3] اھ واشار ش الی الجواب عن ھذا بقولہ کأن الفرق ان الشرب اھم لانہ لاحیاء النفوس بخلاف الوضوء لان لہ بدلا فیأذن صاحبہ بالشرب منہ عادۃ[4] اھ

بحر اور دُر کے باب الوضوء میں ہے وضوء میں پانی کا اسراف مکروہ ہے خواہ نہر کا پانی ہو یا اپنا مملوک پانی ہو، اور جو پانی پاکی حاصل کرنے والوں کے لیے وقف ہوتا ہے، جس میں مدارس کا پانی بھی شامل ہے' اس کا اسراف حرام ہے اھ اور "ش" میں حلیہ سے منقول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی انہی لوگوں کے لیے وقف ہے جو شرعی وضوء کرنا چاہتے ہیں' اور دوسروں کے لیے مباح نہیں ہے اھ اور "ط" میں در کی سابقہ عبارت کے تحت فرمایا "مسبل" وہ پانی جو راستوں میں وقف رکھا جاتا ہے اور انکے قول مالم یکن کثیرا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب یہ یقین نہ ہو کہ یہ پینے کے لیے ہے، اگر یہ یقین ہو کہ یہ پینے کے لیے ہے تو اس سے وضو حرام ہے کیونکہ شرط واقف نص شارع کی طرح ہوتی ہے۔ اور ان کا قول "شرب ماللوضوء" کا بظاہر یہ مفہوم ہے کہ اگرچہ وُہ پانی ضرورت کے لیے نہ ہو، اور اس میں یہ قباحت ہے کہ اس میں شرط واقف کی مخالفت ہے اھ اور "ش" نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، غالباً اس میں

---

[1] الدرالمختار مکروہات الوضوء مجتبائی دہلی ۱/۲۴

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۹۸

[3] طحطاوی علی الدر باب التیمم بیروت ۱/۱۲۳

[4] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۵

فرق یہ ہے کہ پانی کا پینا اہم ہے کیونکہ اس میں زندگی بچانا ہے جبکہ وضوء میں یہ چیز نہیں، کیونکہ وضوء کا متبادل ہوتا ہے اس لیے مالک عام طور پر پینے کی اجازت دے دیتا ہے اھ (ت)

اقول ای یکون ذلک منویا عند الوقف بحکم العادۃ فلا یلزم خلاف الشرط ولیس المراد حدوث الاذن الاٰن کما یوھمہ تعبیرہ یأذن فان الوقف اذا تم خرج عن ملکہ [ف۱] فلا یعمل فیہ اذنہ کما ھو ظاھر لکن ھھنا تحقیق شریف للعبد الضعیف فی بحث صحۃ وقف الماء لابد من التنبہ لہ قال فی التنویر والدر (و) صح [ف۲] وقف کل (منقول) قصدا (فیہ تعامل للناس (کفاس وقدوم) بل (ودراھم ودنانیر) [ف۳] ومکیل وموزون فیباع ویدفع ثمنہ مضاربۃ او بضاعۃ فعلی ھذا لو وقف [ف۴] کرا علی شرط ان یقرضہ لمن لا بذر لہ لیزرعہ لنفسہ فاذا ادرک اخذ مقدارہ ثم اقرضہ لغیرہ وھکذا جاز خلاصۃ وفیھا وقف [ف۵] بقرۃ علی ان ما خرج من لبنھا او سمنھا للفقراء ان اعتادوا ذلک رجوت ان یجوز (وقدر [ف۶] وجنازۃ) وثیابھا ومصحف وکتب لان التعامل یترک بہ القیاس[1] اھ قال ش قال الرملی لکن فی الحاقھا بمنقول فیہ تعامل نظر

میں کہتا ہوں یعنی یہ چیز عادۃً وقف کے وقت واقف کی نیت میں ہوتی ہے تو ایسی صورت میں شرطِ واقف کی خلاف ورزی لازم نہ آئے گی، یہ مراد نہیں کہ اب اجازت دی ہے، جیسا کہ "یأذن" کے لفظوں سے ظاہر ہے، کیونکہ وقف جب مکمل ہوجاتا ہے تو ملکِ واقف سے نکل جاتا ہے تو اس کی اجازت کا کوئی اثر نہ ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے میں نے پانی کے وقف کے سلسلہ میں ایک تحقیق کی ہے، اس کا جاننا ضروری ہے، تنویر اور دُر میں فرمایا (اور) صحیح ہے وقف ہر (منقول کا) قصدًا جس میں لوگوں کا تعامل ہو (جیسے پھاوڑا اور کلھاڑی) بلکہ (دراہم ودنانیر کا) اور ناپ تول والی چیز کا، تو اس کو بیچا جائے گا اور اس کی قیمت بطور مضاربت دی جائے گی یا بطور سامان۔ اس بنا پر اگر کسی شخص نے ایک بوری غلّہ اس شرط پر وقف کیا کہ یہ ایک ایسے شخص کو قرض دیا جائے جو اپنے لیے کاشت کرتا ہو، اور جب اس کی کھیتی پک جائے تو اس سے یہ مقدار واپس لے لی جائے اور کسی دوسرے کو قرض دے دیا جائے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے تو یہ جائز ہے، خلاصہ۔ اسی کتاب میں ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک گائے

---

[1] الدر المختار باب الوقف مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

اذ هی مما لا ینتفع بہا مع بقاء عینہا وما استدل بہ فی المنح فی مسألۃ البقرۃ ممنوع بما قلنا اذ ینتفع بلبنہا وسمنہا مع بقاء عینہا اھ قلت ان الدراھم لا تتعین بالتعیین فھی وان کانت لا ینتفع بہا مع بقاء عینہا لکن بدلہا قائم مقامہا لعدم تعینہا فکانہا باقیۃ ثم قال عن الفتح عن الخلاصۃ عن الانصاری وکان من اصحاب زفر فیمن وقف الدراھم او مایکال او یوزن ایجوز قال نعم قیل وکیف قال یدفع الدراھم مضاربۃ ثم یتصدق بہا فی الوجہ الذی وقف اھ[1] ورأیتنی کتبت علیہ ما نصہ **اقول** ھذا التعلیل من العلامۃ الرملی لمنع وقف الدراھم وجواب المحشی بانہا لا تتعین فکانہا باقیۃ ببقاء بدلہا وما ذکر الامام الانصاری وتبعہ فی الخلاصۃ والفتح والدر وکثیر من الاسفار الغر من طریق الابقاء فی الدراھم والمکیل والموزون وما مر (ای فی رد المحتار) من ان التابید معنی شرط صحۃ الوقف بالاتفاق علی الصحیح وقد نص علیہ محققو المشایخ کل ذلک یقضی بان الماء المسبل لا یکون وقفا لعدم امکان

اس شرط پر وقف کی کہ اس کا دُودھ اور گھی فقراء کے استعمال میں لایا جائے، تو اگر یہ چیز ان کی عرف میں ہے تو امید ہے کہ جائز ہے (دیگ اور جنازہ کی چارپائی) اور جنازہ کی چادریں اور مصحف اور کتب ہیں، کیونکہ تعامل کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے اھ "ش" نے کہا کہ رملی نے فرمایا اس کو منقول سے ملانے میں جس میں تعامل ہو اعتراض ہے کہ اس کے عین کے باقی رہتے ہوئے اس سے انتفاع نہیں ہوتا ہے اور گائے کا مسئلہ جس سے منح میں استدلال کیا ہے ناقابلِ تسلیم ہے، کیونکہ اس کے دودھ اور گھی سے گائے کو باقی رکھتے ہوئے نفع حاصل کیا جاتا ہے اھ میں کہتا ہوں دراہم متعین کردینے سے متعین نہیں ہوتے ہیں، تو ان کو باقی رکھتے ہوئے اگرچہ ان سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، لیکن ان کا بدل ان کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ خود متعین نہیں، تو گویا کہ یہ باقی ہیں۔ پھر فتح سے خلاصہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انصاری جو اصحاب زفر سے تھے ان سے پُوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے دراہم یا کیلی یا وزنی چیز وقف کی تو کیا جائز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔ اُن سے دریافت کیا گیا کہ اس کی شکل کیا ہوگی؟ تو انہوں نے فرمایا دراہم مضاربت پر کسی کو دے دے پھر اُن کو اُس مقصد پر خرچ کرتا رہے جس کے لیے ان کو صدقہ کیا گیا تھا اھ میں نے ان کی بیان کردہ نص

---

[1] رد المحتار باب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۱۰

الانتفاع بہ الا باستھلاکہ فیکون من باب الاباحۃ دون الوقف نعم السقایۃ بناء تعورف وقفہ کالقنطرۃ فیصح ولا یقال ان فی السقایۃ الموقوفۃ یصیر الماء وقفا تبعا للسقایۃ وھو جائز وفاقا کما تقدم فی الشرح و ذلک لان الماء ھو المقصود بالسقایۃ وھی تبع فلا یعکس الامر ولای شیئ تجعل السقایۃ وقفا مقصودا فیتبعہ الماء علی انہ ان تبع تبع ما فیھا دون الابد الی النفاد ولیس الماء مما لا یتعین حتی یجعل بقاء الابدال بقاءہ مع ان لی نظرا فی ھذا العد فقد افاد ش فی فصل فی التصرف فی المبیع والثمن ان عدم تعین النقد لیس علی اطلاقہ[1] بل ذلک فی المعاوضات الخ و ذکر تفصیلا وقع فیہ خلط وخبط من الناسخین نبھت علیہ فیما علقت علیہ و قال قبلہ فی البیع الفاسد الدراھم والدنانیر تتعین فی الامانات والھبۃ و الصدقۃ والشرکۃ والمضاربۃ والغصب[2] اھ فالوقف اشبہ شیئ بالصدقۃ بل ھو منھا عند الامام ویظھر لی واللہ تعالٰی اعلم ان النقدین والتجارات نامیات

پر لکھا ہے **اقول** عدم تسلیم کی یہ علت جو رملی نے بیان کی ہے دراہم کے وقف کے ممنوع ہونے کی بابت ہے اور محشی کا یہ جواب دینا کہ دراہم متعین نہیں ہوتے، تو اپنے بدل کے باقی رہنے کی وجہ سے باقی رہیں گے، اور جو امام انصاری نے ذکر کیا اور خلاصہ اور فتح اور درر اور بہت سی کتب میں اس کی متابعت کی گئی ہے کہ کس طرح دراہم اور مکیل و موزون باقی رہتے ہیں اور جو گزرا (یعنی درمختار میں) یعنی صحت وقف کے شرائط میں سے اس کا ہمیشہ کے لیے ہونا ہے، یہی صحیح ہے اور اس پر اتفاق ہے اور محققین مشائخ نے اس پر نص کیا ہے، اور اس تمام بحث کا تقاضا یہی ہے کہ سبیل کا پانی وقف نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس کو ختم کیے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، تو یہ اباحت قرار پائے گا نہ کہ وقف، ہاں سقایہ جو عمارت ہوتی ہے اس کا وقف کرنا متعارف ہوگیا ہے جیسا کہ پُل ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب سقایہ وقف ہوا تو پانی بھی اس کی متابعت میں وقف ہوگیا، اور اس پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح میں گزرا، کیونکہ سقایہ میں مقصود تو پانی ہی ہے اور سقایہ تو تابع ہے تو معاملہ برعکس نہیں کیا جائے گا، اور پھر سقایہ کیونکر وقف مقصود ہوسکتا ہے تاکہ پانی اس کا تابع ہو

---

[1] ردالمحتار فصل فی التصرف فی المبیع البابی مصر ۴/۱۸۵

[2] ایضاً

شرعا وحسا فبقاؤھا بنماءھا اذھی الاصل المتولد منہ فتشبہ مالیتہا شجرۃ تبقی فتؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا وکیفما کان لایقاس علیہا الماء وقد عللوا ما اذا ملاء صبی کوزا من حوض ثم صبہ فیہ لایحل لاحد شربہ بان الصبی ملک ما اخذہ من ماء الحوض المباح فاذا صبہ فیہ اختلط ملکہ بہ فامتنع استعمالہ[1] کما فی الحدیقۃ الندیۃ اخرنوع العشرین من اٰفات اللسان وغمز العیون من احکام الصبیان والطحطاوی من فصل فی الشرب وفی ھذا الکتاب اعنی ش من الفصل المذکور عن ط عن الحموی عن الدرایۃ عن الذخیرۃ والمنیۃ وقد جعلوا ماء الحوض مباحا ولوکان وقفا لم یملکہ الصبی باخذہ فی کوزہ فان الوقف لایملک وقد عرفہ شمس الائمۃ السرخسی بانہ حبس المملوک عن التملیک عن الغیر اھ[2] کما فی ش بخلاف غلۃ ضیعۃ موقوفۃ علی الذراری فانہم یملکونہا عند ظہورھا فمن مات منہم بعدہ یورث عنہ قسطہ کما یأتی فی الکتاب فان الوقف ھی الضیعۃ وھذہ نماؤھا۔

علاوہ ازیں یہ کہ اگر پانی تابع ہو بھی تو اسی قدر تابع ہوگا جو سقایہ میں موجود ہے نہ کہ اس کے بدل جو بار بار لوٹ کر آتے ہیں اس کے تابع ہوں، اور پانی ایسی چیز نہیں جو متعین نہ ہو تاکہ بدل کے باقی رہنے کو اس کی بقاء قرار دیا جائے۔ مجھے اس عذر پر اعتراض ہے" ش" نے "تصرف فی المبیع والثمن" کی بحث میں فرمایا کہ نقود کا غیر متعین ہونا مطلق نہیں، یہ صرف معاوضات میں ہے الخ پھر انھوں نے اس میں ایک تفصیل ذکر کی جس میں ناقلین سے کچھ خلطِ مبحث ہوگیا، میں نے اس پر جو تعلیقات کی ہیں ان میں اس پر تنبیہ کی ہے، اور اس سے قبل باب "بیع فاسد" میں فرمایا: دراہم ودنانیر، امانات، ہبہ، صدقہ، شرکۃ، مضاربۃ اور غصب میں متعین ہوجاتے ہیں اھ وقف صدقہ سے بہت مشابہ چیز ہے بلکہ امام کے نزدیک صدقہ ہی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں (واللہ تعالٰی اعلم) کہ سونا چاندی اور تجارتی معاملات شرعاً اور حساً نامی چیزیں ہیں تو ان کی بقاء ان کی نماء کے باعث ہوگی، کیونکہ ان سے جو چیز متولد ہوتی ہے وہ یہی ہے، تو ان کی مالیت اُس درخت کی طرح ہوگی جو باقی رہتا ہے اور مرسم پر اس کا پھل آتا رہتا ہے اور جو بھی صورت ہو بہرحال اس پر پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں۔ اگر کسی بچے نے ایک حوض سے پانی کا ایک کوزہ بھرا

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع العشرین من آفات اللسان رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۹
[2] رد المحتار کتاب الوقف البابی مصر ۳/۳۹۲

پھراس کواسی میں انڈیل دیا، تواب اس حوض کا پانی کسی کو پینا جائز نہیں اور اس کی علت فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ بچے نے مباح حوض سے جو پانی لیا' وہ پانی اس کی ملکیت میں آگیا' اور پھر اس پانی کو جب اسی حوض میں ڈال دیا تو اس کی ملک اس کے ساتھ مخلوط ہوگئی تو اب اس کا استعمال ممنوع ہوگیا، حدیقہ ندیہ آفات اللسان' بیسویں فرع کا آخر - غمز العیون' بچوں کے احکام - طحطاوی، فصل شرب - اور 'ش' میں' مذکور فصل میں 'ط' سے 'حموی' سے 'درایہ' سے 'ذخیرہ' سے' اور مفید سے ہے کہ فقہاء نے حوض کے پانی کو مباح قرار دیا ہے' اگر یہ پانی وقف ہوتا تو بچہ اس کو کوزہ میں لینے سے اس کا مالک نہ ہوجاتا' کیونکہ وقف پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے - شمس الائمہ سرخسی نے وقف کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ مملوک کو تملیک سے روکنا ہے، یعنی غیر اس کا مالک نہیں ہوسکتا ہے اھ جیسا کہ "ش" میں ہے' یہ اس کے خلاف ہے کہ کوئی شخص ذریت پر کسی زمین کی آمدنی وقف کرے' کیونکہ جب یہ آمدنی ظاہر ہوگی تو ذریت اس کی مالک ہوجائے گی، ذریت میں سے جو اس کے بعد وفات پائے گا اس کی میراث جاری ہوگی' جیسا کہ کتاب میں آئے گا' کیونکہ وقف تو زمین ہے اور یہ اس کا "ثمار" ہے (ت)

فان قلت الیس قد تقدم فی وضوء الکتاب مانصہ مکروھہ الاسراف فیہ الی آخر مامرنقلہ اقول و باللہ التوفیق المراد بہ الماء المسبل بمال الوقف کماء المدارس و المساجد والسقایات التی تملؤ من اوقافھا فان ھذا الماء لایملکہ احد ولایجوز صرفہ الا الی جھۃ عینھا الواقف وھذا ھو حکم الوقف اما الماء الذی یسبلہ المرء من ملکہ فلایصیر وقفا سواء کان فی الحباب او الجرار او الحیاض او السقایات انما غایتہ الاباحۃ یتصرف فیھا الناس وھو علی ملکہ فلا تتأتی فیہ مسألۃ کوز الصبی المذکورۃ ھذا ماظھر لی وارجو ان یکون ھو الصواب؛ باذن الملک الوھاب ؛ ولہ الحمد وعلی حبیبہ الکریم والاٰل والاصحاب، صلاۃ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتاب کے وضو کی بحث میں گزرا ہے، اس وضو کے مکروہات میں اسراف ہے الی آخر ما نقلہ میں کہتا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد سبیل کا پانی ہے جو وقف ہو، جیسا کہ مدارس، مساجد، سقایات کا پانی جو ان کے اوقاف کی آمدنی سے بھرا جاتا ہے، کیونکہ اس پانی کا کوئی مالک نہیں' اور اس کو فقط اُسی جہت میں صرف کیا جاسکتا ہے جو اُس کے واقف نے اس کے لیے متعین کی ہے' اور یہی وقف کا حکم ہے - اور اگر کوئی شخص اپنی ملک سے پانی کی سبیل لگائے تو وہ وقف نہ ہوگی' خواہ وہ مٹکوں میں ہو یا چھوٹے گھڑوں میں یا حوضوں اور سقایوں میں، کیونکہ اُس سے تو صرف اتنا مقصود ہے کہ پانی مالک کی ملک میں رہتے ہوئے لوگوں کے لیے مباح کردیا جائے تو اس میں بچے کے کوزہ کا مذکورہ مسئلہ نہیں چلے گا' مجھ پر یہی ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی

وسلامہ ید ومان بلاعدد ولا حساب ۔ آمین۔ صحیح ہوگا....(ت)

(۳۰) اقول یوں ہی مسجد کے سقائے یا حوض جو اہل جماعتِ مسجد کی طہارت کو بھرے جاتے ہیں اگر مالِ وقف سے بھرے گئے ہوں تو مطلقاً جب تک ابتداء سے واقف کی اجازت ثابت نہ ہو اور کسی نے اپنی مِلک سے بھروائے ہوں تو بے اس کی اجازت قدیم خواہ جدید کے گھروں میں اُن کا پانی اگرچہ طہارت ہی کے لیے لیجانا روا نہیں طہارت ہوجائیگی مگر گناہ ہوگا اجازت واقف ومالک کی وہی تفصیل ہے جو آب سبیل میں گزری والدلیل الدلیل (اور دلیل بھی وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے) جاڑوں میں کہ سقائے گرم کئے جاتے ہیں بعض لوگ گھروں میں پانی لے جاتے ہیں اس میں بہت احتیاط چاہیے کہ غالباً بے صورتِ جواز واقع ہوتا ہے۔

اما ما فی الخانیة ثم الھندیة من کتاب الشرب یجوز ان یحمل ماء السقایة الی بیتہ لیشرب اھلہ اھ فھو فی المعد للشرب بدلیل اٰخرہ وصدرہ اختلفوا فی التوضی بماء السقایة جوز بعضھم وقال بعضھم ان کان الماء کثیرا یجوز والا فلا وکذا کل ماء اعد للشرب حتی قالوا فی الحیاض التی اعد للشرب لایجوز فیہ التوضی ویمنع منہ وھو الصحیح ویجوزان یحمل[1] الخ بناء علی ان الذی یعد للشرب لایمنع منہ مخدرات الحجال وبالجملة لاشك ان المبنی العرف فان علمنا ان المسبل للشرب خص بہ الواردین ولایرضی بحملہ الی البیوت لم یجز ذلك قطعا بل لو علم خصوص فی المارة لم یجز لغیرھم من الواردین کما یفعلہ بعض الجھلة فی عشرة المحرم بسبل

پھر خانیہ اور ہندیہ کے کتاب الشرب میں ہے کہ اگر کوئی شخص سقایہ کا پانی اپنے گھر بیوی بچّوں کو پلانے کے لیے لے جائے تو جائز ہے اھ تو اس سے مراد وہ پانی ہے جو خاص پینے ہی کے لیے رکھا گیا ہو، عبارت کا اول وآخر یہی بتاتا ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ "سقایہ" کے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں۔ بعض نے جواز کا قول کیا، اور بعض نے کہا کہ اگر پانی زائد ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور یہی حکم ہر اُس پانی کے لیے ہے جو پینے کے لیے رکھا گیا ہو، یہاں تک فقہاء نے اُس حوض کی بابت بھی یہی فرمایا ہے جو پینے کے لیے بنایا گیا ہو کہ اُس میں وضو جائز نہیں، اور اگر کوئی کرے تو اس کو منع کیا جائیگا، اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ وہ پانی گھر لے جائے الخ اسکی بنیاد یہ ہے کہ جو پانی پینے کیلئے رکھا جائے اس سے پردہ نشینوں کو محروم نہ رکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اصل دارومدار عُرف پر ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ سبیل کا پانی پینے کے لیے ہے اور وہی لوگ اس سے

[1] ہندیة الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/۳۹۱

الماء اوالشربة لمن مع الضريح المختلق بدعة محدثة یسمونها تعزیة فلا یجوز شربه لغیرھم وان جعلوہ لمن مع الضریح الفلانی لو یجز لاھل ضریح غیرہ واللہ تعالٰی اعلم لاجرم ان قال فی متفرقات کراھیة البزازیة حمل ماء السقایة الٰی اھلہ ان ماذونا للحمل یجوز والا لا [1] اھ و ھذا عین ما قررت وللہ الحمد۔

استفادہ کرسکیں گے جواس پر وارد ہوں تو ایسے پانی کو گھر نہیں لے جایا جاسکتا ہے بلکہ اگر بطورِ خاص گزرنے والوں کے لیے ہے تو دوسرے وارد ہونے والوں کو اُس کا استعمال جائز نہ ہوگا، چنانچہ بعض جاہل محرّم کے عشرہ میں پانی یا دُودھ کی سبیل تعزیہ کے ساتھ گزرنے والوں کے لیے بطورِ خاص لگاتے ہیں، یہ بدعت محدثہ ہے، اس کا استعمال دوسروں کو جائز نہیں بلکہ اگر ایک تعزیہ کے لیے جائز ہے تو دوسرے تعزیہ کے شرکاء کو اس کا استعمال جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ بزازیہ میں ہے (متفرقات کراہیۃ میں) (ت) سقایہ کا پانی گھروالوں کے لیے لے جانا اگر اُس کی اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اھ اور یہ بعینہٖ وہی ہے جو میں نے کہا تو خدا کی حمد ہے۔

(۳۱) سفر میں طہارت کو پانی پاس ہے مگر اس سے طہارت کرتا ہے تو اب یا بعد کو یہ یا اور کوئی مسلمان یا اُس کا جانور اگرچہ وہ کُتّا جس کا پالنا جائز ہے پیاسا رہ جائے گا یا آٹا گوندھنے یا اتنی نجاست پاک کرنے کو جس سے مانع نماز نہ رہے پانی نہ ملے گا تو ان صورتوں میں اُس پانی سے طہارت اگرچہ ہوجائے گی منع ہے بلکہ اپنے یا دُوسرے مسلمان کے ہلاک کا خوف غالب ہو تو سخت حرام ہے ان سب صور میں تیمم کرے اور پانی محفوظ رکھے ہاں جانور کی پیاس کے لیے اگر وضو یا غسل کا پانی کسی برتن میں رکھ سکتا ہے تو طہارت فرض ہے اور تیمم باطل۔

اقول یوں ہی اگر طہارت اس طرح ممکن ہو کہ پانی مستعمل نہ ہونے پائے جس کا طریقہ پرنالے وغیرہ میں وضو کرنے کا ہم نے رحب الساحۃ میں بیان کیا تو اعذار مذکورہ سے کوئی عذر مبیح تیمم نہ ہوگا اور طہارت فرض ہوگی کما لایخفٰی۔ بحر الرائق و دُرمختار میں ہے:

والنظم للدر (من عجز عن استعمال الماء لخوف عدو او عطش) ولو لکلبہ او رفیق القافلۃ حالا او مآلا وکذا العجین اوازالۃ نجس وقید ابن الکمال عطش

عبارت دُر کی ہے (جو شخص بوجہ خوفِ دشمن یا پیاس پانی کے استعمال سے عاجز ہو) خواہ اپنے کُتّے یا رفیق قافلہ کے لیے، اب یا آئندہ، اور اسی طرح آٹا گوندھنے کے لیے یا نجاست دور کرنے کے لیے، اور

[1] بزازیہ مع الہندیۃ التاسع فی المتفرقات من الکراہیۃ پشاور ۶/۳۷۲

دوابه بتعذر حفظ الغسالة لعدم الاناء (تیمم[1])۔

ابن الکمال نے یہ قید لگائی کہ اس کے جانور پیاسے رہ جائیں گے کہ برتن نہ ہونے کی وجہ سے وہ دھوون کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے (تو ایسی صورتوں میں وہ تیمم کرے)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو لکلبه قیده فی البحر والنهر بکلب الماشیة والصید ومفاده انه لو لم یکن کذلك لایعطی هذا الحکم والظاهر ان کلب الحراسة للمنزل مثلهما ط قوله اورفیق القافلة سواء کان رفیقه المخالط له او اٰخر من اهل القافلة بحر وعطش دابة رفیقه کعطش دابته نوح قوله حالا اومالا ظرف لعطش اوله ولرفیق علی التنازع کما قال ح ای الرفیق فی الحال او من سیحدث له قال سیدی عبدالغنی فمن عنده ماء کثیر فی طریق الحاج اوغیره وفی الرکب من یحتاج الیه من الفقراء یجوز له التیمم بل ربما یقال اذا تحقق احتیاجهم یجب بذله الیهم لاحیاء مهجهم قوله وکذا العجین فلو احتاج الیه لاتخاذ المرقة لایتیمم لان حاجة الطبخ دون حاجة العطش بحر قوله اوازالة نجس ای اکثر من قدر الدرهم وفی الفیض لو معه مایغسل بعض النجاسة

اس کا قول اور اگرچہ اپنے کُتّے کے لیے، اس کتے کو بحر ونہر میں، اُس کُتّے سے مقید کیا گیا ہے جو مویشی کی حفاظت یا شکار کے لیے رکھا گیا ہو، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ حکم نہ ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ گھر کی حفاظت کے لیے جو کتا پالا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے ط، اس کا قول یا رفیقِ قافلہ کے لیے عام ازیں کہ وہ اس کا اپنا شریک رفیق ہو یا دوسرا ہو اہلِ قافلہ سے (بحر) اور اس کے ساتھی کی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خود اس کی اپنی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ہے (نوح) اس کا قول حالاً او مالاً، عطش کا ظرف ہے یا اس کا اور رفیق کا بر سبیل تنازع ہے جیسا کہ "ح" نے فرمایا یعنی رفیق فی الحال یا من سیحدث له، عبدالغنی نے فرمایا جس کے پاس حاجیوں وغیرہ کے راستے میں زائد پانی ہو، اور قافلہ میں کوئی فقیر پانی کا ضرورت مند ہو، تو اس کو تیمم جائز ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اُس پانی کی ضرورت واقعی اہلِ قافلہ کو ہو تو ان کی زندگیاں

---

[1] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۱

لایلزمه اھ قلت وینبغی تقییدہ بما اذا لم تبلغ اقل من قدر الدرھم فاذا کان فی طرفی ثوبہ نجاسۃ وکان اذا غسل احد الطرفین بقی ما فی الطرف الاٰخر اقل من قدر الدرھم یلزمہ اھ[1]۔

بچانے کے لیے پانی صرف کرنا واجب ہے قولہ وکذا العجین، تو اگر کسی کو شوربہ بنانے کے لیے پانی کی ضرورت ہو تو تیمم جائز نہ ہوگا کیونکہ کھانا پکانے میں جو ضرورت ہے وہ پیاس سے کم ہے، بحر، قولہ او ازالۃ نجس' اس سے مراد وہ نجاست ہے جو ایک درہم سے زائد ہو، اور فیض میں ہے" اگر اس شخص کے پاس اتنا پانی موجود ہو کہ کچھ نجاست کو دھو لے گا تو دھونا لازم نہیں اھ میں کہتا ہوں اس میں یہ قید لگانی چاہیے کہ یہ نجاست درہم سے کم نہ ہو' تو اگر اس کے کپڑے کے دونوں جانب نجاست ہو، اور ایک طرف دھونے سے دوسری طرف باقی رہتی ہو، مگر ایک درم سے کم رہتی ہے تو اس کا دھونا لازم ہے اھ (ت)

اقول ھھنا ابحاث الاول کلب حراسۃ المنزل مساو لکلب الماشیۃ بل اولی ولکلب الصید ان کان الحاجۃ الیہ للاکل فان المال شقیق النفس والا فاولٰی وعلی کل ھو ثابت منھما بالفحوی فلیس ھذا المحل الاستظھار ولذا عبرت بکلب یحل اقتناؤہ وفی الحدیث الصحیح الا کلب صید او زرع او ماشیۃ[2] الثانی قید رفیق القافلۃ وفاق فربما تسایر قافلتان او اکثر ولا یعد من فی احدھما رفیق من فی الاخری والحکم لایختص بمن فی قافلتہ فان احیاء مھجۃ المسلم فریضۃ علی الاطلاق فلذا غیرتہ وبمسلم عبرتہ۔

میں کہتا ہوں یہاں کئی بحثیں ہیں:

پہلی بحث: گھر کی حفاظت کے لیے جو کتا پالا گیا وہ ریوڑ کی حفاظت کے کتے کے برابر بلکہ اس سے اولٰی ہے، اسی طرح شکار کے کتے کی مانند ہے، جبکہ شکار کھانے کی ضرورت ہو کیونکہ مال جان کا ہم پلہ ہے ورنہ تو وہ اولٰی ہے، اور بہرصورت یہ چیز دونوں کے منطوق سے ثابت ہے، اور یہ محل استظہار نہیں اور اس لئے میں نے کہا ہے، وہ کتا جس کا پالنا جائز ہو، اور حدیث صحیح میں ہے مگر شکار، کھیتی یا جانوروں کا کتا۔

دوسری بحث: "رفیق قافلہ" کی قید اتفاقی ہے کیونکہ عام طور پر دو یا دو سے زیادہ قافلے چلتے ہیں اور ایک قافلے کا آدمی دوسرے کا رفیق شمار نہیں ہوتا، اور یہ حکم اس کے ساتھ خاص نہیں جو اس کے قافلہ

---

[1] ردالمحتار باب التیمم البابی مصر ۱/۱۷۳

[2] صحیح للمسلم باب الامر بقتل الکلاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۱

میں ہو، کیونکہ مسلمان کی جان بچانا علی الاطلاق فرض ہے اس لیے اس کو بدل کر وبمسئلہ کر دیا۔ (ت)

اقول ویدخل فی الحکم الذمی فیما یظھر فان لھم مالنا وعلیھم ماعلینا نعم الحربی لاحرمۃ لروحہ بل امرنا بافنائہ فکیف یلزمنا السعی فی ابقائہ ولذا صرحوا ان لو وجد فی بریۃ کلبا وحربیا یموتان عطشا ومعہ ماء یکفی لاحدھما یسقی الکلب ویخلی الحربی یموت ومن الحربیین کل رجل یدعی الاسلام وینکر شیئا من ضروریات الدین لان المرتد حربی کما نصوا علیہ وھم مرتدون کما حققناہ فی المقالۃ المسفرۃ ۱۲۹۹ھ عن حکم البدعۃ المکفرۃ۔

میں کہتا ہوں، بظاہر اس میں ذمی بھی شامل ہے، کیونکہ جو حقوق ہمارے لیے ہیں وہی ذمیوں کے لیے بھی ہیں، اور جو فرائض ہم پر ہیں وہ ذمیوں پر بھی ہیں، ہاں حربی کی جان کی کوئی حرمت نہیں ہے، بلکہ ہمیں اُس کے فنا کردینے کا حکم ہے، تو ہم پر اس کی زندگی بچانے کی سعی کیونکر لازم ہوگی؟ اس لیے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی جنگل میں ایک کتا اور ایک حربی ملے اور دونوں پیاس سے مر رہے ہیں اور اس کے پاس صرف اتنا پانی ہو کہ ایک بچ سکتا ہو تو کتے کو پلادے اور حربی کو مرنے کے لیے چھوڑ دے، اور جو شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہو وہ حربی ہے، کیونکہ فقہاء کی تصریح کے مطابق مرتد حربی ہے، اور یہ سب حربی ہیں ہم نے اس کی تصریح المقالۃ المسفرۃ عن حکم البدعۃ المکفرۃ میں کردی ہے۔

الثالث التیمم لعطش رفیق سیحدث یجب تقییدہ بما اذا تیقن لحوقہ وانہ لاماء معہ والا فلا یجوز التیمم للتوھم الرابع تحقق الاحتیاج بمعنی ثبوتہ عینا لایتوقف علیہ وجوب البدل الاتری الی قولھم لخوف عطش وبمعنی ثبوتہ ذھنا ان ارید بہ الیقین فکذا فان الظن الغالب ملتحق بہ فی الفقہ اوما یشملہ فلا محل للتوقف اذ علیہ یدور الحکم والظن المجرد مثل الوھم الخامس حاجۃ الطبخ لیست دون حاجۃ العطش اذا لم یتأت الاکل

تیسری بحث: کسی دوست کی پیاس کے لیے تیمم کرنا جس کی ملاقات متوقع ہو، اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ اس دوست کا قافلے کے ساتھ ملنا یقینی ہو، اور اس کے پاس پانی نہ ہو، ورنہ محض وہم کی بنیاد پر تیمم جائز نہیں۔

چوتھی بحث: ضرورت کا یہ مفہوم لینا کہ وہ ضرورت محسوس طور پر موجود ہو، درست نہیں، اور نہ ہی اس پر پانی کا خرچ کرنا موقوف ہے، چنانچہ فقہاء کا قول ہے "لخوف عطش" اور اس کا ذہناً ثابت ہونا، اگر اس سے یقین مراد ہو تو ایسا ہی ہے، کیونکہ فقہ میں ظن غالب کا حکم وہی ہے جو یقین کا ہے یا جو یقین کو

الا بالطبخ الاترى ان حاجة العجن ساوت حاجة العطش لان عامة الناس لايمكنهم التعيش باستفاف الدقيق فما العجن الا للخبز وماهو الا من الطبخ فالاولی ان یقال ان حاجة المرقة دون حاجة العطش السادس قید الزیادة علی درهم مساحة او مثقال زنة فی النجاسة الغلیظة اما الخفیفة فمقدرة بالربع فلذا اعبرت بالقدر المانع السابع ما بحث السید ش فی تقلیل النجاسة حسن وجیه فلذا اعبرت بما لایبقیها مانعة۔

شامل ہو، تو ترقی کا کوئی محل نہیں، کیونکہ حکم کا دارومدار اسی پر ہے اور محض ظن تو وہم کے حکم میں ہے۔

پانچویں بحث: پکانے کی حاجت پیاس کی حاجت سے کم نہیں جبکہ وہ چیز بلا پکائے نہ کھائی جاسکتی ہو، مثلاً آٹا گوندھنا پیاس کے برابر ہے، کیونکہ عام لوگ آٹا پھانک کر زندہ نہیں رہ سکتے ہیں، تو آٹا گوندھنا روٹی پکانے کے لیے ہے اور یہ بھی پکانے کا ایک حصہ ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے کہ شوربہ کی ضرورت پیاس کی ضرورت سے کم ہے۔

چھٹی بحث: ایک درہم سے زیادہ ہونے کی قید پیمائش میں اور ایک مثقال سے زیادہ کی قید وزن میں، نجاست غلیظہ میں ہے اور خفیفہ میں اس کی تقدیر چوتھائی سے ہے اسی لیے میں نے یہ تعبیر کی ہے کہ "جس سے مانع نماز نہ رہے"۔

ساتویں بحث: سید محشی نے نجاست کی کمی میں جو بحث کی ہے وہ بہت اچھی ہے اس لیے میں نے اس کی تعبیر "ما لایبقیها مانعة" سے کی ہے۔ (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(رسالہ ضمنیہ) عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی[34][13]

(بچّے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ)

(۳۲ تا ۳۸) نابالغ کا بھرا ہُوا پانی[2] یہ مسئلہ بہت طویل الذیل وکثیر الشقوق ہے کتابوں میں اس کی تفصیل تمام درکنار بہت صورتوں کا ذکر بھی نہیں فقیر بتوفیق القدیر اُمید کرتا ہے کہ اُس میں کلام شافی وکافی ذکر کرے فاقول وباللہ التوفیق پانی تین قسم ہیں[3] (۱) مباح غیر مملوک (۲) مملوک غیر مباح (۳) مباح مملوک

اوّل دریاؤں نہروں کے پانی تالابوں جھیلوں ڈبروں کے برساتی پانی مملوک کنویں کا پانی کہ وہ بھی جب تک بھرا نہ جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا جس کی تحقیق ابھی گزری مساجد وغیرہا کے حوضوں سقایوں کا پانی کہ مالِ وقف سے بھرا گیا اس کا بیان بھی گزرا یہ سب پانی مباح ہیں اور کسی کی مِلک نہیں۔

دوم برتنوں کا پانی کہ آدمی نے اپنے گھر کے خرچ کو بھرا یا مجھوا کر رکھا وہ خاص اس کی مِلک ہے اس کی

اجازت کے کسی کو اس میں تصرف جائز نہیں۔

سوم سبیل یا سقایہ کا پانی کہ کسی نے خود بھرا یا اپنے مال سے بھروایا بہر حال اس کی ملک ہوا اور اس نے لوگوں کے لیے اس کا استعمال مباح کردیا وہ بعد اباحت بھی اُسی کی ملک رہتا ہے یہ پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی۔ ظاہر ہے کہ قسم اخیر کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ کچھ تفاوت احکام نہ ہوگا کہ لینے والا اس کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ یوں ہی قسم دوم میں جبکہ مالک نے اسے بطور اباحت دیا ہاں اگر مالک کیا تو اب فرق احکام آئے گا اور اگر بے اجازت مالک لیا یا دونوں قسم اخیر میں مالک بوجہ صغر یا جنون اجازت دینے کے قابل نہ تھا تو وہ آب مغصوب ہے زیادہ تفصیل طلب اور یہاں مقصود بالبحث قسم اوّل ہے اس کے لیے **تنقیح اول** ان اصول پر نظر لازم جو اموال مباحہ جیسے آبِ مذکور یا جنگل کی خود رو گھاس پیڑ پھل پھول وغیرہا پر حصول ملک کے لیے ہیں کتب میں اس کے جزئیات متفرق طور پر مذکور ہوئے جن سے نظر حاضر ایک ضابطہ تک پہنچنے کی امید رکھتی ہے واللہ الہادی۔

فاقول وبہ استعین یہ تو ظاہر ہے کہ مباح چیز احراز و استیلا سے ملک ہو جاتی ہے اول بار جس کا ہاتھ اُس پر پہنچا اور اس نے اپنے قبضے میں کر لیا اُسی کی ملک ہو جائیگی مگر یہ قبضہ کبھی دوسرے کی طرف منتقل ہوتا اور اُس کا قبضہ ٹھہرتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال مباح کا لینے والا دو حال سے خالی نہیں اُس شے کو اپنے لیے لے گا یا دُوسرے کے لیے بر تقدیر ثانی بطور خود یا اس کے کہے سے بر تقدیر ثانی بلا معاوضہ یا باجر بر تقدیر ثانی اُس دوسرے کا اجیر مطلق ہے جیسے خدمت گار یا خاص اسی مباح کی تحصیل کے لیے اجیر کیا بر تقدیر ثانی اجارہ وقت معین پر ہوا مثلاً آج صبح سے دوپہر تک یا بلا تعین بر تقدیر ثانی وہ شے مباح متعین کر دی تھی۔ مثلاً یہ خاص درخت یا یہاں سے یہاں تک کے یہ دس پیڑ یا اس قطعہ مخصوصہ کا سبزہ یا اس حوض کا سارا پانی یا یہ تعیین بھی نہ تھی بر تقدیر ثانی اجیر قبول کرتا ہے کہ یہ شے میں نے مستاجر کے لیے لی یا نہیں بر تقدیر ثانی اگر اس شے کا احراز مثلاً کسی ظرف میں ہوتا ہو تو وہ ظرف مستاجر کا تھا یا نہیں یہ نو صورتیں ہوئیں۔ ان میں صورت اولیٰ میں تو ظاہر ہے کہ وُہ شے اُسی قبضہ کرنے والے کی ملک ہوگی دوسرے کو اس سے علاقہ ہی نہیں، یوں ہی صورت دوم میں بھی کہ شرع مطہر نے سبب ملک استیلا رکھا ہے وہ اس کا ہے دوسرے کے لیے محض نیت اس ملک کو منتقل نہ کرے گی۔ فتح القدیر میں ہے:

لو قیل علیہ ھذا اذا استولی علیہ بقصدہ لنفسہ فاما اذا قصد ذلک لغیرہ فلم لایکون للغیر یجاب بان اطلاق نحو قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الناس

اگر اس پر کہا جائے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس پر استیلا رکیا اور قصداً اپنے نفس کے لیے کیا، اور اگر کسی دوسرے کے لیے اس کا ارادہ کیا، تو یہ غیر کے لیے کیوں نہ ہوگا، اس کا یہ جواب ہے کہ حضور

شرکاء فی ثلاث لایفرق بین قصد وقصد[1] اھ وکتبت علیہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں" ایک قصد اور دوسرے قصد میں فرق نہیں کرتا ہے اھ اس پر میں نے لکھا ہے کہ

اقول الاحراز سبب الملك وقد تم لہ فملك ولا ینتقل لغیرہ بمجرد القصد کمن شری غیر مضاف الی زید ونیتہ انہ یشتریہ لزید لم یکن لزید۔

میں کہتا ہوں حاصل کرلینا اسبابِ ملک میں سے ہے اور ملک اس کے لیے تام ہوچکی ہے اور وُہ مالک ہوگیا اور یہ ملک دوسرے کی طرف محض قصد کی وجہ سے منتقل نہ ہوگی، جیسے کوئی شخص کوئی چیز خریدے اور اس کو زید کی طرف مضاف نہ کرے اور نیت یہ ہو کہ وُہ زید کے لیے ہے، تو وہ زید کے لیے نہ ہوگی۔ (ت)

اسی طرح صورتِ سوم میں بھی کہ تحصیل مباح کے لیے دوسرے کو اپنا نائب ووکیل وخادم ومعین بنانا باطل ہے درمختار کتاب الشرکۃ فصل شرکت فاسدہ میں ہے:

التوکیل فی اخذ المباح لایصح[2]۔

مباح چیز کو لانے کے لیے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ (ت)

جامع الصغار فصل کراہیت میں ہے:

الاستخدام فی الاعیان المباحۃ باطل[3]۔

اعیان مباحہ میں استخدام باطل ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الشرع جعل سبب ملك المباح سبق الید الیہ فاذا وکلہ بہ فاستولی علیہ سبق ملکہ لہ ملك الموکل[4]۔

شریعت نے مباح اشیاء میں ملک کا سبب سبقت ید کو بتایا ہے، توجب کسی نے اس پر کسی کو وکیل بنایا اور اس نے اس پر استیلاء حاصل کرلیا موکل کی ملک اس پر ثابت ہوجائیگی تو وکیل مالک ہوجائیگا۔ (ت)

ہندیہ اجارات باب ۱۶ میں قنیہ سے ہے:

---

[1] فتح القدیر فصل فی شرکۃ فاسدہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۱۰
[2] الدرالمختار شرکۃ فاسدہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۴
[3] جامع احکام الصغار مع جامع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷
[4] فتح القدیر فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ سکھر ۵/ ۴۱۰

قال نصير (هو ابن يحيى) قلت (اى للامام ابى سليمٰن الجوزجانى رحمهما الله تعالٰى) فان استعان بانسان يحتطب او يصطاد له (اى من دون اجر) قال الحطب والصيد للعامل وكذا ضربة القانص قال استاذنا (وهو البديع استاذ الزاهدى) وينبغى ان يحفظ هذا فقد ابتلى به العامة والخاصة ليستعينون بالناس فى الاحتطاب والاحتشاش وقطع الشوك والحاج[1] واتخاذ المجمدة فيثبت الملك للاعوان فيها ولا يعلم الكل بها فينفقونها قبل الاستيهاب بطريقه او الاذن فيجب عليهم مثلها او قيمتها وهم لا يشعرون لجهلهم وغفلتهم اعاذنا الله عن الجهل ووفقنا للعلم

نصیر (ابن یحیٰی نے) کہا، میں نے کہا (یعنی امام ابوسلیمان الجوزجانی نے) اگر کسی شخص نے لکڑیاں جمع کرنے یا شکار کرنے کے لیے دوسرے شخص کی مدد حاصل کی (یعنی بلا اجر) فرمایا اس صورت میں لکڑیاں اور شکار اُسی کا ہے جس نے کیا ہو، اور اسی طرح شکاری کا ایک مرتبہ جال ڈال کر شکار نکالنا، ہمارے استاذ نے فرمایا (یعنی بدیع استاذ الزاہدی) اور اِسے یاد کرلینا چاہئے کیونکہ اس میں ہر عام وخاص مبتلا ہے، لوگ دوسروں سے لکڑیاں جمع کرانے کانٹے اکٹھے کرانے اور گھاس جمع کرانے میں مدد لیتے ہیں، اسی طرح ایک قسم کا درخت منگواتے ہیں یا آسمانی برف جمع کراتے ہیں، تو جو لوگ عملاً یہ کام کرتے ہیں ان پر انہی لوگوں کی ملک ثابت ہوجائے گی، لوگ یہ مسئلہ نہیں جانتے، وہ ان لوگوں سے نہ تو اجازت

---

[1] الحاج باهمال اوله واعجام اٰخره جمع حاجة وهى الشوك وقيل نبت من الحمض وقال ابن سيده ضرب من الشوك وقيل شجر وقال ابو حنيفة الدينورى الحاج مما تدوم خضرته وتذهب عروقه فى الارض بعيدا يتداوى بطبيخه وله ورق دقاق طوال كانه مساو للشوك فى الكثرة اھ من تاج العروس ۱۲ منه غفرله۔ (م)

الحاج، حاءِ مہملہ اور جیم کے ساتھ، جمع حاجہ کی ہے، کانٹوں کو کہتے ہیں، ایک قول کے مطابق ترش گھاس ہے۔ ابن سیدہ کے مطابق کانٹوں کی ایک قسم ہے۔ ایک قول کے مطابق درخت ہے۔ اور ابوحنیفہ الدینوری نے فرمایا یہ ایسا درخت ہے جو سدابہار رہتا ہے اور اُس کی جڑیں زمین میں دور تک چلی جاتی ہیں اس کو ابال کر دوا کے کام میں لایا جاتا ہے، اس کے پتے باریک اور لمبے ہوتے ہیں اور کانٹوں کی طرح زیادہ ہوتے ہیں اھ تاج العروس ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

2
2

والعمل[1] اھ لیتے ہیں اور نہ ہی بطور ہبہ لیتے ہیں اور ان اشیاء کو خرچ کر بیٹھتے ہیں، تو ان پر ان کا مثل واجب ہوگا یا قیمت لازم آئے گی، ان کو جہالت کی وجہ سے اس کا علم نہیں، اللہ ہمیں جہل سے محفوظ رکھے اور ہمیں علم وعمل کی توفیق دے (آمین) اھ (ت)

اقول وقولہ لایعلموا الکل بھا اشارۃ الی الجواب عن سؤال وھو انھم اذا اتوا بہ الی المستعین واعطوہ واخذ کان ھبۃ بالتعاطی فاجاب بانہ ھذا یکون لو علموا ان الملك قد ثبت للاعوان فیکون الاعطاء والاخذ ایجاب الھبۃ وقبولھا لکنھم جمیعا عنہ غافلون وانما یحسبون المعونۃ فی کفایۃ المؤنۃ کمن ارسل احدا الی دارہ لیحمل منھا کرسیا مثلا یأتیہ بہ۔

میں کہتا ہوں اس کا قول "لا یعلموا الکل بھا" ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کارندے ان اشیاء کو اس شخص کے پاس لے آئیں جس نے ان کو جمع کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ اسکو دے دیں اور یہ حاصل کرلے تو گویا انکی طرف سے دینا شمار ہوگا اور اسکی طرف سے لینا ہوگا، اور یہ ہبہ کا ایجاب وقبول شمار ہوگا تو اس کا جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے کہ جب انہیں علم ہو کہ اعوان کے لیے ملک ثابت ہے تو یہ دینا لینا ہبہ کا ایجاب قبول ہوگا لیکن وہ سب کے سب اس سے غافل ہیں، اور وہ مدد کفایت مؤنت میں سمجھتے ہیں مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو گھر میں بھیجا کہ وہاں سے کرسی اٹھا لائے۔ (ت)

اقول ھو کما قال لکن الاذن ثابت لاشك وھم انما یسوقون الاخذ لہ ولا یؤدونہ الیہ لا لیتصرف فیہ ولا غصب منہ حتی یجب الضمان۔

میں کہتا ہوں وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انھوں نے فرمایا لیکن اِذن بلاشبہ ثابت ہے اور ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اُس شخص کے لیے لیں، اور اس کو دیتے بھی اس لیے ہیں کہ وہ اُس میں تصرف کرے، وہ غصب تو نہیں کر رہا ہے کہ ضمان واجب ہو۔ (ت)

فان قلت لا یحسبون انفسھم ملاکہ وھو یاخذہ بجعل نفسہ کانہ ھو المستولی علیہ بدء فیتصرف فیہ علی انہ ملکہ فلم یتحقق الاذن لانھم لا یدرون انہ لھم ویجعلھم یصیولہ حتی یأذنوا لہ فی التصرف وانما یظن ویظنون انہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو ان اشیاء کا مالک نہیں سمجھتے ہیں، اور وہ شخص ان چیزوں پر اس طرح قابض ہوتا ہے گویا وہ ان چیزوں کا پہلا مالک ہے، اور اس طرح تصرف کرتا ہے گویا وہ ان چیزوں کا مالک ہو تو ایسی صورت میں اذن متحقق نہ ہوگا کیونکہ ان کو تو پتا ہی نہیں کہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/۴۵۱

المالك له ولا عبرة بالظن البین خطؤه کمن حسب ان الشیئ الفلانی من ودائع زید عند ابیه فاداه الی وارثیه فتصرفوا ثم تبین انه لابیه لا لزید فان له ان یرجع علیهم به قائما او بضمانه هالکا فی العقود الدریة من کتاب الشرکة من دفع شیئا لیس بواجب علیه فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض کما فی شرح النظم الوهبانی وغیره من المعتبرات[1] اھ وفیها وفی الخیریة من کتاب الوقف قد صرحوا بان من ظن ان علیه دینا فبان خلافه یرجع بما ادی ولو کان قد استهلکه رجع ببدله[2] اھ

یہ چیز ان کی ملکیت میں ہے اور اُس کی مِلک میں اُسی وقت ہوگی جب وہ اِذن دیں، اور اِس صورت میں اس کو گمان ہے کہ وُہ مالک ہے اور ان کو بھی گمان ہے کہ وہی مالک ہے، اور جس گمان کا خطا ہونا ظاہر ہو اُس کا کوئی اعتبار نہیں، مثلاً کوئی شخص یہ گمان کر بیٹھے کہ فلاں چیز زید کی امانتوں میں سے اس کے باپ کے پاس ہے اور اس گمان پر وہ یہ چیز زید کے وارثوں کو دے دیتا ہے اور وہ اُس میں تصرف کرلیتے ہیں پھر بعد میں اس کو پتا چلتا ہے کہ وُہ چیز تو اس کے باپ ہی کی ہے زید کی نہیں ہے، تو اگر وُہ چیز موجود ہو تو وہ ان سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ہلاک ہوگئی ہے تو اس کا ضمان لے سکتا ہے، العقود الدریہ کے کتاب الشرکۃ میں ہے کہ جس نے کوئی ایسی چیز دی جو اُس پر واجب نہ تھی تو وہ اس کو واپس لے سکتا ہے، ہاں اگر بطور ہبہ دی ہو اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی ہو تو واپس نہیں لے سکتا ہے، یہی چیز شرح نظم وہبانی وغیرہ معتبر کتب میں ہے اھ اور اس میں اور الخیریہ کے کتاب الوقف کے حوالہ سے ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ گمان کیا کہ اُس پر دین ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ غلط ہے، تو جو دیا ہے وہ واپس لے گا، اور اگر وہ ہلاک ہوگیا ہو تو اس کا بدل لے گا اھ (ت)

اقول ھذا فیما لو علم انه لیس للمدفوع الیه لم یدفع الیه اما ھنا فانما یأتون به له ولو علموا ان الملك یقع لهم لم یتخلفوا عن اعطائه له فرضاهم بتصرفه فیه ثابت علی کل تقدیر ولهذا لم یکترث

میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہے جبکہ اس کو یہ علم ہوا ہو کہ یہ مدفوع الیہ کے لیے نہ تھا تو اُس کو نہ دے گا، اور یہاں تو وُہ اُسی کے لیے لاتے ہیں اور اگر ان کو یہ علم ہو کہ مِلک ان کے لیے واقع ہوگی تو اس کے دینے سے تخلف نہ کریں گے، تو

---

[1] عقود الدریة کتاب الشرکة قندھار افغانستان ۱/۹۱
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف بیروت ۱/۱۳۰

به الخاصة فضلا عن العامة كما اعترف به فلا وجه لنسبتهم الى الجهل و الغفلة و اقامة النكير ۴ هذا ما عندی و العلم بالحق عند اللطيف الخبير۔

اُن کا اُس کے تصرف پر راضی ہونا بہر تقدیر ثابت ہے اور اس لیے خاص لوگ بھی اس کی پروا نہیں کرتے چہ جائیکہ عام لوگ، جیسا کہ خود انہوں نے اعتراف کیا، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو جہل، غفلت کی طرف منسوب کیا جائے یا انہیں نکیر کی جائے ہذا ما عندی الخ (ت)

تنبیہ اقول یہ بلا معاوضہ[1] تین صورتوں کو شامل ہے:

ایک یہ کہ وہ اس کا اجیر ہی نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ اس کا اجیر تو ہے مگر اُس کام پر نہیں کسی اور خاص کام پر ہے تو یہ بلا معاوضہ ہی ہوا۔

تیسرے یہ کہ مطلق کام خدمت پر نوکر ہے جس میں یہ کام بھی داخل مگر نوکری کے غیر وقت میں اُس سے اس کام کے لیے کہا مثلاً دن کا نوکر ہے اُس سے رات کو پانی بھروایا کہ یہ وقت بھی بلا معاوضہ ہے ولہذا ہم نے ان صورتوں کو تشقیق میں نہ لیا۔

صورت چہارم میں وہ مباح آقا کی ملک ہوگا یعنی جب کہ اُس کی نوکری کے وقت میں یہ کام لیا ورنہ صورت سوم میں داخل ہے کما مر اس صورت میں ملک آقا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نوکری کے وقت میں نوکر کے منافع اُس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں اور اُس کا اُس کے حکم سے قبضہ بعینہ اُس کا قبضہ ہے۔ ہدایہ[2] میں ہے:

(الاجير الخاص الذی يستحق الاجرة بتسليم نفسه فی المدة وان لم يعمل كمن استؤجر شهرا للخدمة اولرعی الغنم) وانما سمی اجير وحد لانه لايمكنه ان يعمل لغيره لان منافعه فی المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بالمنافع ولهذا يبقى الاجر مستحقا وان نقض العمل (لاضمان على ما تلف من عمله) لان المنافع متى صارت مملوكة للمستأجر فاذا امره بالتصرف فی ملكه صح ويصير نائبا منابه فيصير فعله منقولا اليه

وہ خاص اجیر جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے کہ ایک مدت کے لیے اپنے آپ کو سپرد کر دے خواہ کام نہ کرے (مثلاً کسی شخص کو ایک ماہ کے لیے خدمت یا بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر لیا) اسکو اجیر وحد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے کا کام نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس مدت میں اس کے منافع سب اس کے لیے مخصوص ہوگئے ہیں اور اجر منافع کے مقابل ہوتا ہے اس لیے اجیر مستحق رہتا ہے اگرچہ کام ختم ہو جائے (اس کے عمل سے اگر کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں) کیونکہ منافع جب مستاجر کی ملک ہوگئے تو اب جب اُس نے اپنی ملک میں تصرف کا حکم دیا تو صحیح ہوگیا، اور وہ

کأنہ فعلہ بنفسہ فلھذا لایضمنہ[1]۔ اس کا قائم مقام ہوگا اور اس کا فعل اس کی طرف منقول ہوگا گویا یہ فعل اس نے خود کیا ہے، اس لیے وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔ (ت)

یُوں ہی صورت پنجم میں اور اجیر اجر مقرر کا مستحق ہوگا کہ یہ اجارہ صحیحہ ہے اور صورت ششم میں بھی وہ شے مباح ملک مستاجر ہوگی مگر اجیر اجر مثل پائے گا جو مسمّے سے زائد نہ ہو کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

اقول ویظھر لی ان الوجہ فیہ و اللہ تعالٰی اعلم ان الاجارۃ اما علی العمل اعنی التصرف فی شیئ من النقل والحمل والقطع والقلع وغیر ذلک وھو فی الاجیر المشترک والمقصود فیہ حصول ذلک التصرف کیفما کان ولذا لم یتقید بعمل الاجیر نفسہ واما علی منافع الاجیر وھو فی الاجیر الخاص والاجارۃ فی المباحات لاتعقل علی الوجہ الاول لانہا لاتختص بالمستأجر ونسبتہا الی الکل سواء فکیف یکون حصول تصرف فیہا موجبا للاجر علی المستأجر بل انما الاجر مقابل فیہا بمنافع الاجیر حیث یرید المستأجر ان یستعملہ فی حاجتہ فلایکون الا اجیر وحد ولا تتقدر منافعہ الا بتعیین المدۃ فاذا لم تذکر بقی المعقود علیہ مجہولا ففسدت ولذا لو کان الشیئ ملک المستأجر کان یقول اقطع شجرتی ھذہ بدرھم جاز کما یأتی واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں مجھے اس کی جو وجہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالٰی اعلم وہ یہ ہے کہ اجارہ یا تو عمل پر ہوگا یعنی کسی چیز میں تصرف کرنا، نقل وحمل، کاٹنے یا اکھاڑنے کے طور پر اور اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں، اور مقصود اس میں اس تصرف کا حاصل ہونا ہے خواہ کسی طرح ہو لہٰذا اس میں یہ قید نہیں کہ اجیر خود ہی عمل کرے اور یا اجارہ اجیر کے منافع پر ہوگا یہ اجیر خاص میں ہوتا ہے، اور مباح چیزوں میں پہلی صورت میں اجارہ متصور نہیں کیونکہ وہ مستاجر کے ساتھ مخصوص نہیں، اور سب کی طرف اس کی نسبت یکساں ہے، تو اس میں تصرف کا حصول مستاجر پر اجر کو کیونکر لازم کرے گا، بلکہ ان میں اجر اجیر کے منافع کے مقابل ہے کہ مستاجر چاہتا ہے کہ اس کو اپنی حاجت میں استعمال کرے، تو یہ اجیر وحد ہوگا، اور اس کے منافع کا اندازہ مدۃ کی تعیین وتحدید سے ہی ہوگا اور جب مدۃ کا ذکر نہیں کیا گیا تو معقود علیہ مجہول رہے گا اور اجارہ فاسد رہے گا، اور اسی لئے اگر کوئی چیز مستاجر کی ملک ہو، مثلاً مستاجر یہ کہے کہ میرا یہ درخت ایک درہم میں کاٹ دو تو جائز ہے جیسا کہ آئے گا، واللہ اعلم۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب ضمان الاجیر مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۰۸

فتاوٰی عالمگیریہ میں قنیہ سے ہے:

قال نصیر سألت ابا سلیمٰن عمن استأجرہ لیحتطب لہ الی اللیل قال ان سمی یوما جاز والحطب للمستأجر ولو قال ھذا الحطب فالاجارۃ فاسدۃ والحطب للمستأجر وعلیہ اجر مثلہ ولو کان الحطب الذی عینہ ملک المستأجر جاز[1]۔

نصیر نے فرمایا میں نے ابوسلیمان سے پوچھا کہ ایک شخص کسی مزدور سے معاہدہ کرے کہ وہ رات تک اس کے لیے لکڑیاں جمع کرے، تو فرمایا کہ اگر ایک دن کا نام لیا تو جائز ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہوں گی، اور اگر اشارہ کرکے کہا کہ یہ لکڑیاں تو اجارہ فاسد ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہیں اور اس پر اجرِ مثل ہے، اگر وہ لکڑیاں مستاجر کی ملک ہیں تو جائز ہے۔ (ت)

اقول والمراد اجر المثل بالغا ما بلغ ان لم یسم معینا والا فالاقل منہ و من المسمی کما ھو الاصل المعروف و لذا عولت علیہ وسیأتی التصریح بہ۔

میں کہتا ہوں مراد اجرِ مثل ہے خواہ جتنا بھی ہو اگر اس نے معین نہ کیا ہو ورنہ اجرِ مثل اور اجرِ معین سے جو کم ہو وہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ کلیہ معروف ہے، اس لیے میں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کی تصریح بھی آجائے گی۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(استأجرہ لیصید لہ او یحتطب لہ فان وقت) لذلک وقتا (جاز والا) فلو لم یوقت وعین الحطب فسد (الا اذ عین الحطب وھو) ای الحطب (ملکہ فیجوز) مجتبی وبہ یفتی صیرفیۃ اھ[2] قال العلامۃ ش قولہ والا ای والحطب للعامل ط قولہ فسد قال فی الھندیۃ ولو قال ھذا الحطب الی اٰخر ما نقلنا قال قولہ و بہ یفتی صیرفیۃ قال فیہا ان ذکر الیوم

(اس کو اس لیے مزدوری پر لیا کہ وہ اس کے لیے شکار کرے یا لکڑیاں چنے تو اگر اس کا وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں) اور اگر وقت مقرر نہ کیا، اور لکڑیاں مقرر کردیں تو یہ عقد فاسد ہے (ہاں اگر لکڑیاں متعین کردیں اور وہ لکڑیاں اسی کی ملک میں تو جائز ہے) مجتبٰی اسی پر فتوٰی ہے "صیرفیۃ اھ" علامہ ش نے فرمایا" اور اس کا قول" والا" یعنی لکڑیاں عامل کی ہوں گی ط ان کا قول" فسد" ہندیہ میں ہے ولو قال ھذا الحطب الی اٰخر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱
[2] الدر المختار اجارہ فاسدہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

فالعلف للاٰمر والا فللمامور وھذہ روایۃ الحاوی وبہ یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبٰی ومن ثم عولنا علیہ فی المختصر[1] اھ

جو ہم نے نقل کیا ہے فرمایا ان کا قول و بہ یفتی صیرفیہ اس میں ہے کہ اگر مستاجر نے دن کا ذکر کیا تو چارہ حکم دینے والے کے لیے ہوگا ورنہ اس کا ہوگا جس کو حکم دیا گیا، اور یہ حاوی کی روایت ہے اور اس پر فتوٰی ہے۔ منح میں ہے اور یہ اُس کے موافق ہے جو ہم مجتبٰی سے نقل کر آئے ہیں اور اس لیے ہم نے اس پر مختصر میں اعتماد کیا اھ (ت)

اقول ھھنا تنبیھان الاول کون الحطب للعامل اذا لم یوقت علی ما فی الصیرفیۃ وتبع اطلاقھا الفاضلان ط وش محلہ ما اذا لم یعین الحطب ایضا والاکان للاٰمر کما قدمنا عن الھندیۃ عن القنیۃ عن نصیر عن ابی سلیمٰن وقد نقلاہ ایضا واقراہ وفی غمز العیون استاجرہ لیصید لہ اولیحتطب جاز ان وقت بان قال ھذا الیوم او ھذا الشھر ویجب المسمی لان ھذا اجیر وحد وشرط صحتہ بیان الوقت وقد وجد وان لم یوقت ولکن عین الصید والحطب فالاجارۃ فاسدۃ لجھالۃ الوقت فیجب اجر المثل وما حصل یکون للمستاجر کذا فی الولوالجیۃ[2] اھ وفی خزانۃ المفتین رجل استاجر اجیرا لیخیط لہ الی اللیل بدرھم جاز وکذا لیصطاد لہ الی اللیل اولیحتطب

میں کہتا ہُوں یہاں دو تنبیہات ہیں:

پہلی تنبیہ: لکڑیوں کا عامل کے لیے ہونا جبکہ اس نے وقت کا تعین کیا ہو، جیسا کہ صیرفیہ میں ہے، اور دو فاضلوں یعنی ط اور ش نے اس کے اطلاق کی متابعت کی ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب لکڑیوں کا تعین بھی نہ کیا ہو ورنہ لکڑیاں آمر کی ہوں گی، جیسا کہ ہم نے ہندیہ اور قنیہ کے حوالے سے نقل کیا، یہ روایت نصیر کی ابو سلیمان سے ہے، اور اُن دونوں نے اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا، اور غمز العیون میں ہے کسی شخص نے مزدور کو اُجرت پر لیا کہ اُس کے لیے شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس نے وقت کا تعین کردیا ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ اِس دن یا اِس ماہ میں، اور جو طے کیا ہو وہ واجب ہوگا کیونکہ یہ اجیر محض ہے، اور اس کی صحت کی شرط وقت کا بیان ہے جو پائی گئی ہے اور اگر وقت کا تعین نہ کیا ہو لیکن شکار اور لکڑیوں کا تعین کیا ہو تو اجارہ فاسدہ ہے کہ وقت کی جہالت ہے، تو اس صورت میں اجرِ مثل

---

[1] ردالمحتار اجارہ فاسدہ البابی مصر ۵/۴۳

[2] غمز العیون مع الاشباہ کتاب الاجارۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۶

جاز ویکون الحطب والصید للمستأجر ولو قال
لیصطاد ھذا الصید او لیحتطب ھذا الحطب
فھو اجارۃ فاسدۃ والحطب والصید للمستأجر
وعلیہ للاجیر اجر المثل ولو استعان من
انسان فی الاحتطاب والاصطیاد فان الصید
والحطب یکون للعامل[1] اھ وفی الھندیۃ عن
محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی
فیمن قال لغیرہ اقتل ھذا الذئب او ھذا الاسد
ولک درھم والذئب او الاسد صید فلہ
اجر مثلہ لا یجاوز بہ درھما والصید
للمستأجر[2] اھ وبالجملۃ النقول فیہ مستفیضۃ
فما کان ینبغی اطلاق کون الحطب للعامل
عند عدم التوقیت لشمولہ صورۃ تعیین
الحطب وقد ذکرھا الشارح تفریعا علیہ
بل اشار الیھا الماتن ایضا کما تری والثانی
وقع فی الھندیۃ عن القنیۃ قبل ما نقلناہ
متصلا بہ ما نصہ استأجر
لیقطع لہ الیوم حاجا ففعل
لا شیئ علیہ والحاج للمأمور قال نصیر سألت
ابا سلیمٰن[3] الخ وکتبت علیہ ما نصہ۔

واجب ہوگا، اور جو حاصل ہوگا وہ مستأجر کو ملے گا کذا
فی الولوالجیہ اھ اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ کسی شخص
نے ایک اجیر لیا کہ وہ رات تک اس کے لیے سلائی
کرے اور ایک درہم لے، تو جائز ہے، یا رات تک
شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے، اور یہ لکڑیاں اور شکار
مستاجر کا ہوگا، اور اگر کہا کہ یہ شکار کرے یا یہ لکڑیاں
اکٹھی کرے' تو اجارہ فاسد ہے، اور لکڑیاں اور شکار
مستاجر کا ہوگا اور اس کے ذمہ اجیر کے لیے اجر مثل ہوگا'
اور اگر کسی انسان سے لکڑیاں اکٹھی کرنے یا شکار میں
مدد طلب کی تو شکار اور لکڑیاں عمل کرنے والے کی ہونگی
اھ اور ہندیہ میں محیط السرخسی سے محمد رحمۃ اللہ علیہ سے
منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ یہ بھیڑیا
ہلاک کردو یا یہ شیر اور تم کو ایک درہم ملے گا۔ تو بھیڑیا
اور شیر شکار شمار ہوگا اور اُس کو اجر مثل ملے گا جو ایک
درہم سے زائد نہ ہوگا' اور شکار مستاجر کا ہوگا اھ
خلاصہ یہ کہ اس میں نقول مشہور ہیں تو وقت کی تعیین نہ ہونے
کی صورت میں لکڑیوں کا مطلقاً عامل کے لئے قرار
دینا درست نہیں، کیونکہ یہ لکڑیوں کے متعین کرنے
کی صورت کو بھی شامل ہے، اور اس کو شارح نے
اس کی تفریع کے طور پر ذکر کیا ہے، بلکہ جیسا کہ آپ
دیکھتے ہیں ماتن نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے ـــــــ دُوسری تنبیہ: ہندیہ نے قنیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے

---

[1] خزانۃ المفتین
[2] ہندیۃ　الباب السادس عشر　پشاور　۴/۴۵۱
[3] ایضاً

کسی نے کوئی مزدور اس کام کے لئے لیا کہ وہ آج اُس کے لئے گھاس کاٹے گا اُس نے ایسا ہی کیا تو اس کے لیے کوئی اُجرت لازم نہیں، اور گھاس اُسی کی ہوجائے گی۔ نصیر نے کہا میں نے ابوسلیمٰن سے دریافت کیا۔ الخ (ت)

اقول اظهر ما وجهه فانه اجیر وحد و شرطه بیان المدة وقد وجد کما فی الغمز و ش وقد قال عن ابی سلیمٰن بعده ان سمی یوما جاز و ذکر بعده باسطر عن محیط السرخسی لو استأجر لیصید له او لیغزل له او للخصومة او تقاضی الدین او قبض الدین لایجوز فان فعل یجب اجر المثل ولو ذکر مدة یجوز فی جمیع ذلک[1] اھ و یظهر لی فی تأویله ان لیس المراد بالیوم الوقت المعلوم الممتد الی غروب الشمس بل هو فیه بمعنی الظرفیة ای یقع القطع فی هذا الیوم فهو للاستعجال مثل خطه لی الیوم بدرهم فی الهدایة من استأجر رجلا لیخبز له هذه العشرة المخاتیم من الدقیق الیوم بدرهم فهو فاسد عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد رضی اللہ تعالٰی عنهم جاز لانه یجعل المعقود الیه عملا و ذکرا لوقت للاستعجال تصحیحا للعقد وله ان المعقود علیه مجهول لان ذکر الوقت یوجب کون المنفعة معقودا علیها و ذکر العمل یوجب کونه معقودا علیه

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض اجیر ہے، اور اس کی شرط بیانِ مدۃ ہے جو پائی گئی کما فی الغمز و ش، اور اس کے بعد ابوسلیمان سے کہا کہ اگر ایک دن کا کہا تو جائز ہے اور چند سطور بعد محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اگر کسی کو اجرت پر لیا تاکہ اس کے لیے شکار کرے یا سُوت کاتے یا اُس کی وکالت کرے یا قرض طلب کرے یا قرض وصول کرے تو جائز نہیں، تو اگر ایسا کیا تو اجرِ مثل واجب ہوگا اور اگر مدۃ کا ذکر کیا تو ان تمام صورتوں میں جائز ہے اھ اور اس کی تاویل مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یوم سے مراد دن کا وہ معین وقت نہیں ہے جو غروبِ آفتاب تک دراز ہو، بلکہ اس میں ظرفیت کے معنی ہیں یعنی گھاس کا کاٹنا اس دن میں واقع ہو، تو یہ جلدی کے اظہار کے لئے ہے، جیسے یہ کہا کہ آج ہی یہ چیز مجھے سی کردو، ایک روپے میں، ہدایہ میں ہے جس نے کسی شخص کو اُجرت پر لیا تاکہ آج ایک درہم میں یہ دس بوری آٹا پکا دے تو یہ اجارہ ابوحنیفہ کے نزدیک فاسد ہے، اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے، صاحبین معقود علیہ عمل کو قرار دیتے ہیں اور ذکرِ وقت عجلت کے لئے قرار دیتے ہیں تاکہ عقد صحیح ہو، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے کیونکہ

---

[1] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

ولا ترجیح ونفع المستأجر فی الثانی ونفع الاجیر فی الاول فیفضی الی المنازعة[1] وعن ابی حنیفة انه یصح الاجارة اذا قال فی الیوم وقد سمی عملا لانه للظرف فکان المعقود علیه العمل بخلاف قوله الیوم وقد مر مثله فی الطلاق اھ[1] اوالامران القنیة ذکرت ھذا برمز ثم رمزت لأخر وذکرت ما عن نصیر فیکون ھذا قول بعض علی خلاف ما علیه الناس وعلی خلاف ما علیه الفتوی کما فی الصیرفیة[2] ومن عادة الھندیة نقل عبارة القنیة بحذف الرموز فتصیر الاقوال کقول واحد کما نبھت علیه فی بعض المواضع ھوامشھا والله تعالٰی اعلم۔

وقت کا ذکر منفعت کو معقود علیہا بناتا ہے، اور عمل کا ذکر اس کو معقود علیہ کرتا ہے، اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے، مستاجر کا نفع دوسرے میں ہے اور اجیر کا پہلے میں ہے، تو اس میں جھگڑا پیدا ہوگا، اور ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ اجارہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ "دن میں" کہا اور کسی عمل کا نام لیا، کیونکہ یہ ظرف ہے تو معقود علیہ عمل ہوا بخلاف اس کے قول "الیوم" کے اور اسی کی مثل طلاق کے باب میں گزرا اھ یا معاملہ اس طرح ہے کہ قنیہ نے اسکو ثم کے رمز سے ذکر کرکے دوسرے کی طرف اشارہ کیا، اور جو کچھ نصیر سے مروی ہے وہ نقل کیا، یہ بعض کا قول ہے اور بعض کے خلاف ہے، اور فتوٰی بھی اس کے خلاف ہے کما فی الصیرفیۃ اور ہندیہ کی عادت ہے کہ وہ قنیہ کی عبارت رموز کے بغیر ہی نقل کردیتے ہیں، تو چند اقوال ایک ہی قول کے مانند ہوجاتے ہیں، اس پر میں نے اس کے بعض حواشی پر تنبیہ کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

صورت ہفتم خود ظاہر ہے کہ اس کے اقرار سے ملک مستاجر ہے۔

اقول وذلك لان الاجیر عامل لغیرہ وقد اعترف انه عمل علی وجه الاجارة واخذہ لمن استأجرہ۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اجیر دوسرے کا عامل ہوتا ہے اور اس نے یہ اعتراف کیا ہے کہ وہ بطور اجیر کام کر رہا ہے اور وہ چیز مستاجر کے لئے لے رہا ہے۔ (ت)

یوں ہی صورت ہشتم میں کہ ظرف مستاجر میں احراز دلیل ہے کہ مستاجر کے لئے ہے، جامع الفصولین میں ہے:

---

[1] الہدایۃ اجارہ فاسدہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۰۳/۲

الاجیراذا حمل الماء بکوز المستأجر یکون محرزاً للمستأجر[1]

اجیر جب مستاجر کے کُوزے میں پانی لائے تو وُہ مستاجر کا ہوگا۔ (ت)

رہی صورت نہم ظاہر ہے کہ اس میں ملک اجیر ہے۔

اقول اور اس پر تقریر دلیل یُوں کہ یہ اجیر نہ بیان مدت کے ساتھ اپنے منافع بیچ چکا ہے کہ اس وقت میں اُس کا کام خواہی نخواہی آمر کے لئے ہو نہ شئی کی تعیین ہُوئی کہ بوجہ قبول اُس کا پابند ہو تو وُہ اپنی آزادی پر ہے کیا ضرور ہے کہ اس وقت جو اُس نے لیا بربنائے اجارہ بغرض مستاجر لیا ہو نہ وہ مقر ہے نہ ہشتم کی طرح کوئی دلیل ظاہر ہے لہٰذا ملک اجیر ہی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول ویتراأی لی ان مثل الاستیلاء عند الفقہاء کمثل الشراء مهما وجد نفاذ انفذ فاذا وکلہ بشراء عبد والموکل لم یعین العبد ولا الوکیل اضاف الیہ العقد ولا وقع من مالہ النقد ولا اقر انہ شراہ لہ فانہ یکون للشاری لالمن وکلہ والمسألۃ فی الھدایۃ والدرر وعامۃ الاسفار الغر فالتوقیت ھھنا کالاضافۃ ثمہ لانتقال فعلہ الی الأمر کما مر والاحراز بظرفہ کالنقد من مالہ والاقرار الاقرار والتعیین التعیین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اور مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ استیلاء کی مثال فقہاء کے نزدیک شراء کی سی ہے جب نفاذ پایا جائیگا اس کو نافذ کردیا جائیگا۔ اب کسی نے کسی شخص کو غلام خریدنے کے لیے کہا اور موکل نے غلام کی تعیین کی اور نہ وکیل نے عقد کو اس کی طرف مضاف کیا اور نہ اس کے مال سے ادائیگی کی اور نہ یہ کہا کہ اُس نے اس کے لیے خریدا ہے، تو یہ غلام خریدنے والے کا ہوگا نہ کہ حکم دینے والے کا، یہ مسئلہ ہدایہ، درر اور عام کتب میں مذکور ہے، تو یہاں توقیت کی حیثیت وہاں اضافت کی طرح ہے کیونکہ اس کا فعل آمر کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور اُس کے ظرف کا حاصل کرلینا اس کے مال سے ادائیگی کی طرح ہے اور یہ اقرار اس اقرار کی طرح اور یہ تعیین اس تعیین کی طرح ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ یہ نو صورتیں ہیں جن میں سے چار میں وُہ شے مباح لینے والے کی ملک ہے اور باقی پانچ میں دوسرے کی۔ یہ جبکہ لینے والا حُر ہو ورنہ مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اس کا جو کچھ ہے اس کے مولٰی کا ہے ھذا

---

[1] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

ما ظهر لی نظرًا فی کلماتھم وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا ان کے کلمات کو دیکھتے ہوئے اور مجھے امید ہے کہ یہی صحیح ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ ت)

تنقیح دوم یہ اصول مطلق استیلائے مباح میں ہُوئے یہاں کہ گفتگو نابالغ میں ہے یہ بھی دیکھنا ضرور کہ اُس کے والدین اگر اُس سے کوئی شے مباح مثلاً کنوئیں سے پانی یا جنگل سے پتے منگائیں تو اُس نسبت بنوت کے سبب احکام مذکورۂ استیلاء میں کوئی تفاوت آئے گا یا نہیں، اگر آئے گا تو کیا۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں:

اوّل کہ زیادہ مشہور ہے یہ کہ والدین کو بھی مباحات میں استخدام کا اختیار نہیں صبی اگرچہ ان کے حکم سے انھیں کے لیے انھیں کے ظرف میں لے خود ہی مالک ہوگا اور والدین کو اُس میں تصرف حرام مگر بحالتِ محتاجی۔

اقول یعنی بحالتِ فقر بلاقیمت اور بحالتِ احتیاج حاضر مثلاً سفر میں ہوں اور مال گھر میں بوعدۂ قیمت تصرف کرسکتے ہیں ذخیرہ و منیہ پھر معراج الدرایہ پھر حموی کنز پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

لوامر صبیا ابوہ اوامہ باتیان الماء من الوادی اوالحوض فی کوز فجاء بہ لایحل لابویہ ان یشربا من ذلک الماء اذا لم یکونا فقیرین لان الماء صار ملکہ ولا یحل لھما الاکل ای والشرب من مالہ بغیر حاجۃ[1]۔

اگر کسی بچّہ کو اپنے باپ یا ماں نے وادی یا حوض سے لوٹے میں پانی لانے کو کہا پھر وہ پانی لے آئے تو اس کے ماں باپ کے لیے اس پانی کو پینا جائز نہیں بشرطیکہ وہ فقیر نہ ہوں، کیونکہ پانی اُس بچّہ کی ملک ہوگیا اور اُن دونوں کے لئے اس کے مال سے بلاحاجت کھانا پینا جائز نہیں۔ (ت)

جامع احکام الصغار پھر حموی اشباہ اور تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

اذا احتاج الاب الی مال ولدہ فان کانا فی المصر واحتاج لفقرہ اکل بغیر شیئ وان کانا فی المفازۃ واحتاج الیہ لانعدام الطعام معہ فلہ الاکل بالقیمۃ[2]۔

جب باپ کو بچّہ کے مال کی حاجت ہو اور وُہ شہر میں ہوں اور فقر کی وجہ سے بچّہ کا مال کھانے کا محتاج ہو تو کھائے اور اس پر کوئی شے نہیں، اور اگر یہ صورت حال جنگل میں پیش آئے اور باپ کے پاس کھانا موجود نہ ہو اور اس کو کھانے کی ضرورت ہو تو وہ قیمت کے ساتھ کھا سکتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ مصطفی البابی مصر ۴/۵۷۳

جامع الفصولین میں فوائد امام ظہیر الدین سے ہے:

لوکان الاب فی خلاۃ ولہ مال فاحتاج الی طعام ولدہ اکلہ بقیمتہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف والمعروف ان یتناولہ بغیر شیئ لوفقیرا والا فبقیمتہ[1]۔

اگر باپ جنگل میں ہو اور اس کے پاس مال ہو اور پھر اس کو اپنے بیٹے کا مال کھانے کی ضرورت لاحق ہو تو وہ اس کی قیمت دے کر کھا سکتا ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے کے مال کا معروف طریقہ کے مطابق زیادہ حق ہے اور معروف طریقہ یہی ہے کہ بلاقیمت استعمال کرے اگر فقیر ہو ورنہ قیمت کے ساتھ استعمال کرے۔ (ت)

مگر اس اجازت سے احکام مذکورۂ استیلا میں کوئی تغیر نہ ہوا کہ ملک نابالغ ہی کی قرار پائی۔ ماں باپ کو قیمتاً یا مفت اُس میں تصرف کی اجازت کچھ اسی مال استیلاء سے خاص نہیں صبی کی ہر ملک میں ہے۔

دوم فقیر والدین کی طرح غنی ماں باپ کو بھی بچہ سے ایسی خدمت لینے کا حق ہے اور وہ پانی روا کہ عرف و رواج مطلق ہے یہ امام محمد سے ایک روایت ہے ذخیرہ اور اس کے ساتھ کی کتابوں میں بعد عبارت مذکورہ ہے: وعن محمد یحل لھما ولو غنیین للعرف والعادۃ[2] (امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان دونوں کے لیے حلال ہے اگرچہ دونوں غنی ہوں کیونکہ عرف اور عادت کا اعتبار ہے۔ ت)

اقول اس تقدیر پر ظاہر یہ ہوتا کہ جو مباح صبی نے فرمائش والدین سے لیا اس کے مالک والدین ہی ٹھہریں ورنہ بحالِ غنا ان کو تصرف ناروا ہوتا قال تعالٰی من کان غنیا فلیستعفف[3] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے۔ ت) تو یہ روایت صورت نہ گانۂ استیلاء سے صورت سوم کے حکم میں والدین کا استثناء کرتی مگر امام محمد ہی سے ایسی ہی نادرہ روایت آئی ہے کہ اگر بچہ کھانے پینے کی چیز اپنے ماں باپ کو ہدیۃً دے تو وہ والدین کے لئے مباح ہے تو یہ روایت بھی احکامِ مذکورہ پر کچھ اثر نہ ڈالے گی کہ مالک صبی ہی ٹھہرا۔ جامع احکام الصغار میں ہے:

فی ھبۃ فتاوی القاضی ظھیر الدین

قاضی ظہیر الدین کے فتاوٰی کی ہبہ کی بحث میں ہے

---

[1] جامع الفصولین — الفصل السابع والعشرون — اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۱۹

[2] ردالمحتار — فصل فی الشرب — مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

[3] القرآن ۴/۶

رحمه الله تعالٰی اذا اھدی الصغیر شیئا من الماکولات روی عن محمد رحمه الله تعالٰی انه یباح لوالدیه وشبه ذٰلك بضیافة الماذون واکثر مشایخ بخارٰی انه لایباح[1]

کہ جب بچّہ کھانے کی کوئی چیز بطور ہدیہ دے تو امام محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو اس میں سے کھانا جائز ہے، اور انہوں نے اس کو ماذون کی ضیافت کے مشابہ قرار دیا اور بخارا کے اکثر مشائخ کہتے ہیں کہ مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح شامی میں تاتارخانیہ وذخیرہ سے ہے اس روایت کی تحقیق بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہے اور یہ کہ وہ اس مقام سے بے علاقہ ہے مگر اقرب یہی ہے کہ یہ روایت والدین کے لیے اباحتِ تصرف کرتی ہے نہ کہ اثباتِ مِلک تو ضابطہ بحال ہے۔

سوم: اگر ماں باپ کے برتن میں لیا تو وہ مالک ہوں گے ورنہ صبی جیسے اجیر۔

اقول یعنی جس کا نہ وقت معین کیا نہ کسی معین شے کے لیے اجیر نہ اُس نے مستاجر کے لیے اقرار کہ ان حالتوں میں ظرف پر لحاظ نہیں، جامع الصغار میں ہے:

فی بیوع فوائد صاحب المحیط الاب او الام اذا امر ولدہ الصغیر لینقل الماء من الحوض الی منزل ابیه ودفع الیه الکوز فنقل قال بعضھم الماء الذی فی الکوز یصیر ملکا للصبی حتی لایحل للاب شربه الاعند الحاجة لان الاستخدام فی الاعیان المباحة باطل وقال بعضھم ان کان الکوز ملکا للاب یصیر ملکا للاب ویصیر الابن محرز الماء لابیه کالاجیر اذا حمل الماء بکوز المستاجر یکون محرزا للمستاجر کذا ھذا[2]۔

صاحب محیط کی فوائد کے باب البیوع میں ہے کہ ماں باپ نے چھوٹے بچے کو حوض سے اپنے گھر پانی لانے کو کہا اور اس کو لوٹا بھی دیا چنانچہ وہ پانی لے آیا، تو ایسی صورت میں بعض علماء کے نزدیک لوٹے کا پانی بچہ کی مِلک ہے یہاں تک کہ باپ بلا ضرورت اس میں سے پی بھی نہیں سکتا کیونکہ مباح اشیاء کے حصول کے لئے اس سے خدمت لینا باطل ہے' اور بعض نے کہا کہ اگر لوٹا باپ کی مِلک ہے تو پانی بھی باپ کی مِلک ہوگا اور بیٹا مزدور کی طرح پانی کو اپنے باپ کے لیے جمع کرنے والا قرار پائے گا کیونکہ اجیر اگر مستاجر کے لوٹے میں پانی لائے تو وہ پانی مستاجر ہی کا ہوگا' یہی حال اس کا ہے۔ (ت)

---

[1] جامع احکام الصغار مع الفصولین اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶

[2] ایضاً ۱/۱۴۷

اول کو وہ سید علامہ طحطاوی و شامی نے نقل کرکے فرمایا اس میں حرج عظیم ہے اور واقعی حرج ہے اور حرج نص قرآنی سے مدفوع ہے،

وحاول ش ان یوجهه بالدلیل فنازعه بان للاب ان یستخدم ولده قال فی جامع الفصولین وللاب ان یعیر ولده الصغیر لیخدم استاذه لتعلیم الحرفة وللاب او الجد او الوصی استعماله بلاعوض بطریق التهذیب والریاضة اھ[1] قال الا ان یقال لایلزم من ذٰلك عدم ملکه لذلك الماء المباح وان امره به ابوه واللّٰه تعالٰی اعلم اھ[2]

اور ش نے اس کو دلیل کے ذریعہ کمزور دکھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ باپ کو تو ویسے بھی حق ہے کہ بلا معاوضہ بیٹے سے کام لے۔ جامع الفصولین میں فرمایا کہ باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو استاد کی خدمت کے لیے متعین کرسکتا ہے تاکہ استاد اس کو صنعت و حرفت سکھائے، اور باپ دادا اور وصی بچے سے کام لے سکتے ہیں تاکہ اس کو ادب و تہذیب سکھائیں اور اس کو کام کرنے کی عادت ہو اھ فرمایا مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پانی کا مالک نہیں ہوگا، خواہ اس نے اپنے باپ کے حکم سے پانی لیا ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اقول الجواب صحیح لطیف ما کان یستاهل التزییف بل کان واضحا من قبل فلم یکن للسؤال محل بل السؤال ساقط من رأسه فهم لاینکرون جواز الاستخدام للاب لکن ذلك حیث یصح ویتحقق فان الشیئ انما یجوز بعد ما یصح والباطل لا وجود له وقد علمت انه فی الاعیان المباحة باطل وبه انکشف ایهامان وقعا فی کلامه فی کتاب الشرکة حیث کان فی التنویر والدر لاتصح شرکة فی احتطاب

میں کہتا ہوں، جواب بالکل درست ہے اس کو ضعیف قرار دینا درست نہ ہوگا، بلکہ پہلے سے واضح تھا، تو سوال کی گنجائش ہی نہ تھی، بلکہ سوال کی بنیاد ہی ساقط ہے، کیونکہ مشائخ اس امر کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ باپ بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے، لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہے جبکہ متحقق ہو اور صحیح ہو، کیونکہ شے اسی وقت جائز ہوتی ہے جبکہ صحیح ہو اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور آپ جان چکے ہیں کہ یہ اعیان مباحہ میں باطل ہے، ان کی کتاب کی کتاب الشرکۃ میں دو وہم تھے وہ بھی اس

---

١ رد المحتار فصل فی الشرب البابی مصر ٥/٣١٢

٢ ایضاً

واحتشاش واصطیاد واستقاء و سائر مباحات لتضمنها الوکالة والتوکیل فی اخذ المباح لا یصح وما حصله احدھما فله وما حصلاہ معا فلھما نصفین ان لم یعلم ما لکل وما حصله احدھما باعانة صاحبه فله ولصاحبه اجر مثله[1] فکتب رحمه الله تعالٰی علی قوله وما حصلاہ فلھما یؤخذ من ھذا ما افتی به فی الخیریة لو[ف1] اجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیھم ونما المال فھو بینھم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرأی اھ قال ثم ھذا فی غیر الابن مع ابیه لما فی القنیة الاب[ف2] وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لھما شیئ فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معینا له[2] اھ

گفتگو سے ختم ہوگئے، دُر اور تنویر میں ہے لکڑیاں اکٹھی کرنے، گھاس جمع کرنے، شکار کرنے اور پانی بھرنے میں شرکت جائز نہیں، اور یہی حال دوسری مباحات کا ہے کیونکہ یہ وکالت کو متضمن ہے اور مباح کے لینے میں توکیل جائز نہیں، دو میں سے کسی ایک نے جو حاصل کیا وُہ اسی کا ہوگا اور جو دونوں نے مل کر حاصل کیا ہو تو وہ آدھا آدھا ہے، اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کتنا لیا تھا اور جو کچھ ایک نے اپنے ساتھی کی مدد سے لیا وہ اُسی ایک کا ہوگا اور ساتھی کو اجر مثل ملے گا اھ تو انہوں نے اس کے قول وما حصلاہ فلھما پر لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خیریہ میں جو فتوٰی ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے اگر کچھ بھائی مل کر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کریں، اور پھر کچھ مال حاصل ہُوا تو وہ ان کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوگا خواہ عمل اور رائے میں اختلاف ہی کیوں نہ رہا ہو اھ فرمایا یہ حکم اُس صورت میں نہیں ہے جبکہ بیٹا باپ کے ساتھ مصروفِ عمل ہو، کیونکہ قنیہ میں ہے اگر باپ بیٹا ایک ہی صنعت میں کام کرتے ہوں اور اُن کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کل کمائی باپ کی شمار ہوگی بشرطیکہ بیٹا باپ کے عیال میں ہو، کیونکہ وہ اس کا مددگار رہے اھ (ت)

اقول[ف3] فایرادہ ھذا الفرع فی ھذا البحث ربما یوھم ان لو اجتمع رجل وابنه فی عیاله فی تحصیل مباح کان[ف] کله للاب ویجعل الابن معینا له ولیس کذلک فان الشرع المطھر جعل فی المباح

میں کہتا ہوں ان کا اِس فرع کو اس بحث میں لانا یہ وہم پیدا کرتا ہے اگر بیٹا باپ کے عیال میں ہو اور باپ بیٹا کسی مباح چیز کے حاصل ہونے میں مل کر کام کریں تو حاصل شدہ چیز پوری کی پوری باپ کی ہوگی اور بیٹا اُس کا مددگار قرار پائے گا،

---

[1] الدر المختار شرکت فاسدہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۴
[2] رد المحتار ” البابی مصر ۳/ ۳۸۳

سبب الملك الاستیلاء فمن استولی فھو المالك ولا ینتقل الملك الٰی غیرہ الابوجہ شرعی کھبۃ وبیع ولاینسب اخذہ لغیرہ الابوجہ شرعی ککونہ عبدہ او اجیرہ علیہ اما الاعانۃ مجانا فھی الخدمۃ وقد علمت بطلان الاستخدام فی تلك الاعیان وکتب علی قولہ باعانۃ صاحبہ سواء کانت الاعانۃ بعمل کما اذا اعانہ فی الجمع و القلع او الربط او الحمل اوغیرہ او باٰلۃ کما لودفع لہ بغلا اوراویۃ لیستقی علیھا اوشبکۃ لیصید بھا حموی وقھستانی طاھ[1]

حالانکہ بات یہ نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مباح اشیاء میں ملك کا سبب استیلاء کو قرار دیا ہے تو جو بھی کسی مباح پر قابض ہوجائے وہی مالك ہے اور دوسرے کی طرف اب اس کی ملك شرعی طریقوں سے ہی منتقل ہوسکتی ہے جیسے ہبہ اور بیع وغیرہ اور اس کا لینا اس کے غیر کی طرف صرف شرعی سبب سے ہی منسوب ہوگا، مثلاً یہ کہ وہ اس کا غلام ہو، یا مزدور ہو، اور مفت کی اعانت تو یہ خدمت ہے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مباح چیزوں میں خدمت لینا باطل ہے، اور "باعانۃ صاحبہ" پر لکھا کہ عام ازیں اعانت عملی ہو، جیسے کسی چیز کے جمع کرنے، اکھاڑنے، باندھنے، اٹھانے وغیرہ میں مدد کرے، یا آلہ کے ذریعہ مدد ہو جیسے اس کو خچر دیا، پانی بھرنے کا بڑا ڈول دیا یا شکار کے لئے جال دیا، حموی وقہستانی ط اھ (ت)

اقول [ف۱] فلایتوھمن منہ الاعانۃ فی قلع الحطب بان یقلع البعض ھذا والبعض ھذا لانہ ھو تحصیلھما [ف۲] بل المعنی انہ وضع یدہ مع یدہ فی القلع حتی ضعف تعلقہ فقلعہ المعان او عمل ھذا اولا وترکہ قبل ان ینقلع ثم عمل ذالك فقلعہ یکون الاول معینا والملك للقالع [ف۳] کمن استقی من بئر فاذا دنا الدلو من رأسہ اخرجھا ونحاھا عن رأس البئر غیرہ فان الملك للثانی وکذلك اذا

میں کہتا ہوں اس سے یہ وہم پیدا نہ ہو کہ لکڑیاں اکھاڑنے میں مدد دینا بھی اسی طرح ہے، مثلاً بعض لوگ اس طرف سے اور بعض اُس طرف سے لکڑیاں اکھاڑیں اس لیے یہ اُن دونوں کا حاصل کرنا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایك ہی لکڑی پر ہاتھ رکھیں اور دونوں ایك ساتھ اس کو اکھاڑیں، یا یہ کہ پہلے ایك شخص نے ایك درخت پر زور آزمائی کی اور ہٹ گیا پھر دوسرے نے زور آزمائی کی اور اس کو اکھاڑ لیا، تو پہلا مددگار قرار پائے گا اور ملك اکھاڑنے والے کی ہوگی، جیسے کوئی شخص ڈول بھر کر کنویں سے

---

[1] رد المحتار شرکت فاسدۃ البابی مصر ۳/ ۳۸۳

اثار احدهما صیدا وجاء به علی الأخر فاخذه کان للأخذ وما احسن وابعد عن الایهام عبارة الهدایة حیث قال وان عمل احدهما واعانه الأخر فی عمل بان قلعه احدهما وجمعه الأخر او قلعه وجمعه وحمله الأخر فللمعین اجر المثل[1]

پانی نکالے اور جب ڈول کنوئیں کے دہانے تک آجائے تو دوسرا شخص نکال کر رکھ دے۔ اس صورت میں ملک دوسرے کی ہوگی، اسی طرح کسی نے شکار کو ہنکایا اور دوسرے شخص کے قریب آیا اور دوسرے شخص نے پکڑلیا، تو جس نے پکڑا اسی کا ہوگا۔ مگر ہدایہ کی عبارت ہر قسم کے وہم سے پاک صاف ہے اس میں ہے کہ اگر عمل ایک نے کیا اور دوسرے نے اس عمل میں معاونت کی، مثلاً یہ کہ درخت ایک شخص نے اکھاڑے اور دوسرے نے جمع کئے یا اکھاڑے اور جمع کئے لیکن اٹھائے دوسرے نے، تو مددگار کو اجرِ مثل ملے گا۔ (ت)

دوم کہ نص محرر المذہب سے مروی نظر ظاہر گمان کرے گی کہ بہت کتب معتمدہ مشہورہ نے اُس پر اعتماد کیا فتاوٰی اہل سمرقند پھر فتاوٰی خلاصہ میں اُس کے حوالہ سے ہے:

رجل وهب للصغیر شیئا من المأکول یباح للوالدین ان یأکلا منه کذا روی عن محمد رحمه الله تعالٰی۔[2]

اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کے لیے وہ چیز بھی کھانا جائز ہے محمد رحمہ اللہ سے یہی مروی ہے۔ (ت)

وجیز کردری[3] میں ہے:

وهب للصغیر من المأکول شیئا یباح للوالدین ان یاکلاه۔

اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کو اس چیز کا کھانا صحیح ہے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ[4] میں ہے:

اذا وهب للصبی شیئا من المأکول قال محمد رحمه الله تعالٰی مباح لوالدیه ان یأکلا منه وقال اکثر مشایخ

اگر کسی نے بچہ کو کھانے کی کوئی چیز ہبہ کی تو محمد نے فرمایا اسکے والدین کے لیے اس میں سے کھانا مباح ہے اور بخارا کے اکثر مشائخ نے فرمایا

---

[1] الہدایۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ جز ثانی المکتبۃ العربیۃ کراچی ۶۱۴/۱

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الہبۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳۰۰/۴

[3] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ کتاب الہبۃ پشاور ۲۳۷/۶

بخاری لایحل اھ[1]

والدین کو کھانا حلال نہیں اھ (ت)

اقول وتفرد بتعبیر قال محمد فان عبارۃ العامۃ روی عنہ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں "قال محمد" کی عبارت تنہا انہوں نے ہی استعمال کی ہے کیونکہ عام کتب کی عبارت یہ ہے کہ ان سے مروی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

فتاوٰی ظہیریہ پھر غمز العیون میں ہے:

اذا اھدی للصغیر شیئ من الماکولات روی عن محمد انہ یباح لوالدیہ وشبہ ذلک بالضیافۃ واکثر مشایخ بخاری علی انہ لایباح بغیر حاجۃ[2]

جب بچہ کو کسی نے کھانے کی چیزیں ہدیہ میں دیں، تو محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو ان کا کھانا مباح ہے اور یہ ضیافت کی طرح ہے اور بخاری کے اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ بغیر حاجت جائز نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

یباح للوالدین ان یاکلا من الماکول الموھوب للصغیر کذا فی الخلاصۃ فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الا عند الاحتیاج کما لایخفی[3]

والدین کو بچہ کی موہوبہ چیز کا کھانا مباح ہے کذا فی الخلاصہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ماکول کو استعمال میں لانا مباح نہیں، ہاں ضرورۃً جائز ہے کما لایخفی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وفیہا ای فی السراجیۃ یباح لوالدیہ ان یاکلا من ماکول وھب لہ وقیل لاانتھی فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الالحاجۃ اھ[4]

سراجیہ میں ہے بچہ کے والدین کو مباح ہے کہ بچہ کو ہدیہ کی گئی چیز سے کھائیں اور ایک قول ہے کہ جائز نہیں انتہی، اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول سے بلاحاجت استفادہ جائز نہیں اھ (ت)

اقول وکانہ اخذہ من ان العمل

میں کہتا ہوں شاید انہوں نے یہ فتوٰی اس اصول سے

---

[1] فتاوٰی سراجیۃ مسائل متفرقۃ من ہبۃ لکھنؤ ص ۹۶
[2] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶
[3] بحرالرائق کتاب الھبۃ سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۸
[4] الدرالمختار " مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

بقول اصحاب الامام اذا لم يوجد عنه قول ولا يوافق يه قول المشايخ وان كثروا كما ذكرنا نصوصه فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام لاسیما وقد عبره بقال محمد والافلیس فی السراجیة قیل کما اسمعناك نصها۔

اخذ کیا ہے کہ امام کے اصحاب کے قول پر اس وقت عمل ہوگا جب امام سے کوئی قول نہ پایا جائے اور امام کے قول کے ہمسر مشائخ کے اقوال نہیں ہوسکتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں اسکے نصوص ہم نے اپنے رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام میں ذکر کئے ہیں خاص طور پر انہوں نے اس کو "قال محمد" سے تعبیر کیا ہے ورنہ سراجیہ میں قیل نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی نقل ذکر کی ہے۔ (ت)

"تاتارخانیہ[1] پھر ردالمحتار[2] میں ہے:

روی عن محمد نصا انه یباح وفی الذخیرة واکثر مشایخ بخاری علی انه لایباح[1]۔

محمد سے مروی ہے بطور نص کہ یہ مباح ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ اکثر مشائخ بخاری اس پر ہیں کہ مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح جواہر[11] اخلاطی وہندیہ[12] میں ہے جامع الصغار[13] کی عبارت اوپر گزری۔

اقول مگر نظر دقیق حاکم ہے کہ دونوں روایتیں اگرچہ امام محرر المذہب رحمہ اللہ تعالٰی سے ہیں لیکن اس روایت اور ان عبارات کو اس روایت سے علاقہ نہیں یہاں وہ شے ملک صبی نہیں بلکہ دوسرے نے صبی کے نام ہدیہ بھیجی ہے اور عادت فاشیہ جاری ہے کہ کھانے پینے کی تھوڑی چیز بچوں ہی کے نام کرکے بھیجتے ہیں اور مقصود ماں باپ کو دینا ہوتا ہے اور یہ توقطعاً نہیں ہوتا کہ ماں باپ پر حرام سمجھتے ہوں اس عرف کا انتشار تام و عام دیکھ کر مطلق حکم فرمایا یا کہیں تفصیل و توضیح فرمادی۔ فتاوی سمرقند[1] پھر تاتارخانیہ[2] پھر شرح[3] میں نیز کتاب التجنیس و المزید پھر جامع الصغار[4] میں ہے:

اذا اهدی الفواکه الی الصبی الصغیر یحل للاب والام الاکل اذا ارید بذلك بر الاب والام لکن اهدی الی الصغیر استصغارا للهدیة[2]۔

جب چھوٹے بچے کو کسی نے میوہ جات ہدیہ کئے تو اس کے ماں باپ کو اس میں سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس ہدیہ کا مقصد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ہو اور بچہ کو محض اس لیے ہدیہ کیا گیا ہو کہ ہدیہ کو چھوٹا سمجھا گیا ہو۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

[2] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۶

ملتقط[6] پھر اشباہ[7] کی تعبیر اور احسن ہے جس سے اس عادت کا فاشیہ ہونا روشن ہے۔

حیث قالا اذا اھدی للصبی شیئ وعلم انہ لہ فلیس للوالدین الاکل منہ لغیر حاجۃ اھ[1]۔

انہوں نے فرمایا کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہو اور معلوم ہو کہ وہ صرف بچے کے لیے ہے تو والدین اس میں سے بلا حاجت نہیں کھا سکتے اھ (ت)

اقول بنی المنع علی علم انہ للصغیر فافاد الاباحۃ اذا لم یعلم شیئ ردا الی العادۃ الفاشیۃ۔

میں کہتا ہوں والدین کے لیے اس کا استعمال جائز نہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ اُسے علم ہو کہ یہ بچہ کا ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ جب علم نہ ہو تو مباح ہے عرف کا لحاظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے۔ (ت)

امام ظہیر الدین نے اُن عبارات مطلقہ کی دلیل بیان فرما کر اس امر کا تصفیہ فرما دیا، ظہیریہ[8] پھر علمگیریہ[9] میں ہے:

اھدی للصغیر الفواکہ یحل لوالدیہ اکلھا لان الاھداء الیھما وذکر الصبی لاستصغار الھدیۃ اھ[2]۔

بچہ کو پھل ہدیہ کیے گئے تو اس کے والدین کو اُن کا کھانا جائز ہے کیونکہ ہدیہ دراصل والدین کو ہی تھا بچہ کے یا تھ میں اس لیے دیا گیا کہ ہدیہ کو معمولی سمجھا گیا۔ (ت)

اقول ومن ھھنا ظھر ان ما تقدم عن جامع الصغار عن الظھیریۃ اذا اھدی الصغیر شیئا من الماکولات ان لم یکن عن نقلہ بالمعنی لان المسألۃ فی سائر الکتب فیما وھب شیئ للصغیر وقد نقل عن الظھیریۃ نفسھا فی الغمز بلفظ اذا اھدی للصغیر شیئ کما سمعت فلیس مرادہ الا اھداؤہ مما اھدی الیہ لا ان یبتدئ الصبی فیھدی من ملکہ شیئا

میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جو عبارت جامع صغیر سے ظہیریہ سے گزری کہ جب بچہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہدیہ کرے اگر یہ اس کی نقل بالمعنے نہیں ہے کیونکہ تمام کتب میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے کہ کوئی چیز بچہ کو ہبہ کی گئی اور خود ظہیریہ میں غمز سے ان الفاظ میں منقول ہے کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہبہ کی گئی جیسا کہ تم نے سنا، تو ان کی مراد یہ ہے کہ بچہ اس چیز سے ہدیہ کرے جو اسکو ہدیہ کی گئی ہو یہ نہیں کہ بچہ ابتداء کرے اور اپنی ملک سے کچھ ہدیہ کرے، اور اس کی دلیل

---

[1] الاشباہ والنظائر   احکام الصبیان   ادارۃ القرآن کراچی   ۲/۱۳۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ   الباب الثالث من الھبۃ   پشاور   ۴/۳۸۱

والدلیل علیہ قولہ وشبہ ذلک بضیافۃ المأذون فالمأذون لایضیف[1] من مال نفسہ بل مولاہ و مولاہ انما اذن فی التجارۃ لکن العوائد قضت ان امثال الضیافات لابد منہا فی التجارات فکان اذنہ فی التجارۃ اذنا فیہا کذلک الصبی لایھدی من مال نفسہ بل مال المُہدی و المُہدی انما سمی الصبی لکن فشت العوائد ان امثال الھدایا لایمنع عنہا ابواہ فکان اھداؤہ الیہ اھداء الیہما۔

ان کا یہ قول ہے کہ اور یہ مشابہ ماذون کی ضیافت کے ہے کہ ماذون اپنے مال سے ضیافت نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے مولیٰ کے مال سے کرتا ہے اور اس کے مولیٰ نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے، لیکن عرف میں یہ عادت ہے کہ تجارت میں اس قسم کی ضیافتیں ہوتی ہی رہتی ہیں، تو تجارت کی اجازت دینا ضیافت کی اجازت کے مترادف ہے، اسی طرح بچہ اپنے مال سے ہدیہ نہیں دیتا ہے بلکہ ہدیہ دینے والے کے مال سے ہی ہدیہ دیتا ہے اور ہدیہ دینے والے نے بچہ کا نام لیا مگر عام طور پر عادت یہ ہے کہ اس قسم کے ہدایا سے ماں باپ کو منع نہیں کیا جاتا ہے تو بچوں کو ہدیہ دینا ماں باپ کو ہدیہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ (ت)

اقول والوجہ فیہ ان المأکولات مما یتسارع الیہا الفساد فیکون اذنا من المہدی لہما فی التناول دلالۃ و ذلک بان یقع الملک لہما بخلاف ما یدخر فظہر اصابۃ البحر والدر فی قولہما افادان غیر المأکول لایباح لہما الا لحاجۃ[2] واندفع ما وقع للعلامۃ ش حیث قال بعد نقل ما مر عنہ عن التتارخانیۃ عن فتاوی سمرقند قلت وبہ یحصل التوفیق ویظہر ذلک بالقرائن وعلیہ فلافرق بین المأکول وغیرہ بل غیرہ اظہر[3]

میں کہتا ہوں کھانے پینے کی چیزیں عام طور پر جلدی گل سڑ جاتی ہیں تو ہدیہ دینے والے کی طرف سے والدین کو اشارۃً کھانے کی اجازت سمجھی جائے گی، اور اس طرح مِلک والدین کے لیے ثابت ہوگی اور جو اشیاء جلد خراب ہونے والی نہیں ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے، تو بحر اور دُر کے قول کی صحت ظاہر ہوگئی ان کا قول ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی نہیں ان کا استعمال والدین کے لیے جائز نہیں، ہاں حاجت کے وقت جائز ہے، اور علامہ "ش" کا اعتراض ختم ہوا انہوں نے تو وہ عبارت نقل کی جو تتارخانیہ، فتاوی سمرقند سے گزری، پھر فرمایا میں کہتا ہوں

---

[1] الدر المختار کتاب الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] رد المحتار " مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

ای فان ارادة الولد بهبة المأکول اظهر واکثر فاذا ساغ الاکل ثمه عند عدم دلیل یقضی باختصاص الهدیة بالولد فهذا اولی وقد عرفت الجواب وبالله التوفیق۔

اس سے موافقت ظاہر ہوگئی اور یہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے اس میں ماکول اور غیر ماکول کا کوئی فرق نہیں بلکہ اس کا غیر اظہر ہے اھ یعنی ماکول کے ہبہ سے بچہ کا ارادہ اظہر ہے اور اکثر ہے تو جب وہاں کھانا جائز ہوا کسی ایسی دلیل کے نہ ہونے کے وقت جو ہدیہ کے بچے کے ساتھ مختص ہونے کا تقاضا کرتی ہو تو یہ اولٰی ہے اور آپ کو اس کا جواب مل چکا ہے وباللہ التوفیق۔ (ت)

بالجملہ یہ روایات غیر ملک صبی میں ہیں اور یہاں کلام ملک صبی میں کہ مباح پانی بلاشبہہ بھرنے والے کی ملک ہوگا جبکہ بروجہ اجارہ نہ ہو اور صبی کی ملک والدین کو بے احتیاج حلال نہیں مقتضائے نظر فقہی تو یہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق مگر شک نہیں کہ عرف وعادت اس کے خلاف ہے اور وُہ بھی دلائل شرعیہ سے ہے تو مناسب کہ اسے قلیل عفو قرار دیں جس پر قرآن وحدیث سے دلیل ہے قال اللہ عزوجل:

ویسئلونك عن الیتٰمی قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم فاخوانکم والله یعلم المفسد من المصلح[1]۔

اور وہ آپ سے یتیموں کی بابت پُوچھتے ہیں فرما دیجئے ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ اپنا مال ملا رکھا تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔ (ت)

اس آیت میں احد التفسیرین پر یتیم کے ساتھ جواز مخالطت مال ہے اور ظاہر کہ بحال مخالطت کامل امتیاز قریب محال ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے:

وفی الزاهدی قال ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما المخالطة ان تاکل من ثمرة ولبنه وقصعته وهو یاکل من ثمرتك ولبنك وقصعتك والاٰیة تدل علی جواز المخالطة فی السفر والحضر یجعلون النفقة علی السواء ثم لا یکره ان یاکل احدهما اکثر لانه لما جاز

اور زاہدی میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ مخالطت یہ ہے کہ تم اس کے پھل اس کا دودھ اور اس کے پیالہ میں کھاؤ اور وہ بھی اسی طرح تمہارے ساتھ تمہارے پھل کھائے اور تمہارا دودھ پیئے اور تمہارے پیالے میں کھائے اور یہ آیت مخالطت کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں سوجبکہ نفقہ کو

---

[1] القرآن ۲/۲۲۰

فی اموال الصغار فجوازہ فی اموال الکبار اولی ھذا لفظہ فاحفظہ فانہ نافع وحجۃ علی کثیر من المتعصبین فی زماننا[1]

برابر کار رکھیں، پھر اس میں کوئی کراہت نہیں کہ ان میں سے کوئی زائد کھالے کیونکہ یہ چیز جب بچوں کے مال میں جائز ہے تو بڑوں کے اموال میں بطور اولیٰ جائز ہے، یہ ان کے الفاظ ہیں ان کو بخوبی یاد رکھیں، یہ مفید بھی ہیں اور ہمارے عہد کے بہت سے متعصبین پر حجت بھی ہیں اھ (ت)

اقول فاذن مافی جامع الصغار عن فتاوی رشید الدین من باب دعوی الاب والوصی لو لم تکن الام محتاجۃ الی مالہ ولکن خلطت مالھا بمال الولد واشترت الطعام واکلت مع الصغیر ان اکلت مازاد علی حصتھا لایجوز لانھا اکلت مال الیتیم[2] اھ معناہ الزیادۃ المتبینۃ ففی جامع الرموز عن الباب المذکور من فتاوی المزبورۃ قبیل ھذا صبی یحصل المال ویدفع الی امہ والام تنفق علی الصبی وتأکل معہ قلیلا نحو لقمۃ او لقمتین من غیر زیادۃ لایکرہ[3]۔

میں کہتا ہوں، تو جامع الصغار میں فتاوی رشید الدین سے (دعوی الاب والوصی میں) جو منقول ہے اگر ماں بچہ کے مال کی محتاج نہ ہو، لیکن اس نے بچہ کا مال اپنے مال کے ساتھ ملاکر کھانا خریدا اور بچہ کے ساتھ کھایا تو اگر اپنے حصہ سے زیادہ کھایا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے یتیم کا مال کھایا اھ اس سے مراد یہ ہے کہ اتنی زیادتی جو بالکل واضح اور ظاہر ہو، اسی فتاوی کے مذکور باب سے جامع الرموز میں منقول ہے، اس سے کچھ ہی پہلے، کہ ایک بچہ ہے جو مال لاتا ہے اور ماں کو دیتا رہتا ہے اور ماں اس پر خرچ کرتی رہتی ہے اور لقمہ دو لقمہ خود بھی اس کے ساتھ کھاتی رہتی ہے زیادہ نہیں، تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عباس سے ہے:

قال کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتواریت خلف

فرمایا میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں

---

[1] تفسیرات احمدیہ بیان اصلاح کریمی کتب خانہ بمبئی ص ۱۰۳
[2] جامع الصغار مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸
[3] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ " ۱/۱۴۸

باب فجا، فحطأنی حطأۃ وقال اذھب ادع لی معٰویہ۔[1]

ایک دروازہ کے پیچھے چھپ گیا تو آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے (پیار سے) تھپکی دی اور کہا کہ معٰویہ کو بلا لاؤ۔ (ت)

امام نووی شرح میں فرماتے ہیں:

فیہ جواز ارسال صبی غیرہ ممن یدل علیہ فی مثل ھذا ولایقال ھذا تصرف فی منفعۃ الصبی لان ھذا قدر یسیر ورد الشرع بالمسامحۃ فیہ للحاجۃ واطرد بہ العرف وعمل المسلمین۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بچہ کو اس جیسے کام کے لیے بھی بھیجا جا سکتا ہے اور اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ بچہ کی منفعت میں تصرف کیا کیونکہ یہ معمولی چیز ہے اور شریعت نے ضرورتًا اس قسم کی چیزوں کی اجازت دی ہے اور عام طور پر مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔ (ت)

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ نے حدیقہ ندیہ میں اسے مقرر رکھا۔

سوم میں امرا بوین کو اجارہ پر قیاس کیا۔

اقول اوّلا یہ صحت توکیل کو چاہتا ہے اور اعیان مباحہ میں توکیل خلاف نصوص ہے وعلّلوہ بوجوہ (اور انہوں نے اس کی کئی علتیں بیان کی ہیں)

الاول ان صحۃ التوکیل تعتمد صحۃ امر الموکل بما وکل بہ وصحۃ الامر تعتمد الولایۃ ولا ولایۃ للموکل علی المباح ونقض بالتوکیل بالشراء فان الموکل لا ولایۃ لہ علی المشری۔

اول: توکیل کی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ جو کام موکل نے وکیل کو سپرد کیا ہے وہ درست ہے اور اس کام کی صحت کا مدار ولایت پر ہے اور مباح کام پر موکل کو کوئی ولایت نہیں ہے اور اس پر توکیل بالشراء سے اعتراض وارد ہے، کیونکہ موکل کو خریدی جانے والی چیز پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

والثانی ان التوکیل احداث ولایۃ للوکیل ولا یصح ھنا لانہ یملك اخذ المباح بدون تملیکہ ونقض بالتوکیل

دوم: توکیل کے معنی وکیل کے لیے ولایت

علی حطأنی بحاء ثم طاء مھملتین وبعدھما ھمزۃ وھو الضرب بالید مبسوطۃ بین الکتفین اھ حدیقۃ ندیہ۔

حطأنی حاء پھر طاء دونوں بغیر نکتہ کے اور ان کے بعد ہمزہ ہے، معنٰی ہے دو کندھوں کے درمیان ہاتھ سے تھپکی دینا اھ حدیقہ ندیہ۔ (ت)

---

[1] صحیح لمسلم باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۵

[2] شرح للنووی " " " " " "

بشراء شیئ لابعینہ فان الوکیل یملکہ قبل التوکیل وبعدہ واجاب فی العنایۃ ان معناہ یملکہ بدون امر الموکل بلا عقد وصورۃ النقض لیست کذلک فانہ لایملکہ الا بالشراء اھ۔[1]

کا ایجاد کرنا ہے اور وہ یہاں درست نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی تملیک کے بغیر ہی مباح کو لے سکتا ہے اور اس پر یہ نقض ہے کہ کسی کو غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا، کیونکہ وکیل تو توکیل سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس کا مالک ہے۔ اور عنایہ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہے موکل کے حکم کے بغیر، اور بغیر عقد کے۔ اور نقض کی صورت یہ نہیں ہے، کیونکہ وُہ خریدے بغیر اس کا مالک نہیں ہے اھ (ت)

اقول رحمک اللہ تعالٰی لیس المراد ملك العین بل ولایۃ ذلك الفعل کالاخذ ثمہ والشراء ھھنا وھو لایملکہ بالعقد بل العقد ناشئ عن ملکہ ثم رأیت سعدی افندی اومأ الیہ اذ قال فیہ تأمل فان الموکل بہ ھو الشراء فالوکیل یملکہ فلا یندفع النقض اھ[2] والصواب فی الجواب انہ لم یکن لہ من قبل ولایۃ ان یشغل ذمۃ الموکل بالثمن وردہ المحقق فی الفتح بان حاصل ھذا ان التوکیل بما یوجب حقا علی الموکل یتوقف علی اثباتہ الولایۃ علیہ فی ذلك والکلام فی التوکیل بخلافہ اھ[3] ای باخذ المباح فانہ لایثبت فیہ حق علی الموکل۔

میں کہتا ہوں اس سے مراد ملکِ عین نہیں ہے، بلکہ اُس کام کے کرنے کا اختیار ہے جیسے وہاں لینا اور یہاں خریدنا، اور وُہ عقد کی وجہ سے اس کا مالک نہیں، بلکہ عقد تو خود اس کی ملک سے پیدا ہوتا ہے پھر میں نے دیکھا کہ سعدی افندی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں تامل ہے، کیونکہ جس چیز کا وکیل بنایا ہے وہ "شراء" ہے تو وکیل اس کا مالک ہے، تو نقض مرتفع نہ ہوگا اھ تو اس کا صحیح جواب یہ ہوگا کہ موکل کو پہلے یہ ولایت حاصل نہ تھی کہ وہ موکل کے ذمہ کو ثمن کے ساتھ مشغول رکھے، اور محقق نے اس کا فتح میں رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی چیز کی توکیل جو موکل پر حق ثابت کرے اس امر پر موقوف ہے کہ وہ اس پر ولایت کو ثابت کرے اور گفتگو توکیل میں اس کے برخلاف ہے اھ یعنی مباح کے لینے میں، کیونکہ اس میں موکل پر حق ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] عنایۃ مع الفتح القدیر　الشرکۃ الفاسدۃ　نوریہ رضویہ سکھر　۵/۳۰۹

[2] حاشیۃ چلپی　〃　〃　〃

[3] فتح القدیر　〃　〃　۵/۳۱۰

اقول هذا اعتراف بالمقصود فان التوکیل مطلقا اثبات ولایۃ للوکیل لم تکن من قبل ولا یوجد ھھنا فلا یصح التوکیل بہ بخلاف الشراء ولیس ان احداث الولایۃ مطلوب خصوصا فی التوکیل بما یوجب حقا علی الموکل حتی یقال لیس التوکیل باخذ المباح من ھذا الباب فلا یحتاج الی احداث الولایۃ۔

میں کہتا ہوں یہ مقصود کا اعتراف ہے کیونکہ توکیل مطلقاً وکیل کے لیے ولایت کا اثبات ہے ایسی ولایت جو اس کو پہلے حاصل نہ تھی، اور وُہ یہاں پائی نہیں جاتی ہے، تو اس کی توکیل صحیح نہ ہوگی اور شراء میں یہ چیز نہیں ہے' اور ولایت کا ایجاد و احداث مطلوب نہیں ہے خاص طور پر اس توکیل میں، جو موکل پر کسی حق کو واجب کرتی ہو، اگر ایسا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ مباح کے لینے پر وکیل بنانا اس باب سے نہیں ہے، تو اس میں ولایت کی ایجاد کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

والثالث ان المقصود بالتوکیل نقل فعل الوکیل الی الموکل ولا یتحقق ھھنا فان الشرع جعل سبب ملك المباح سبق الید الیہ والسابقۃ ید الوکیل فیثبت الملك لہ ولا ینتقل الی الموکل الا بسبب جدید اشار الیہ المحقق۔

سوم: توکیل سے مقصود یہ ہے کہ وکیل کے فعل کو موکل کی طرف نقل کیا جائے اور یہ چیز یہاں متحقق نہیں کیونکہ شریعت نے مباح کی ملکیت کا سبب قبضہ میں پہل کو قرار دیا ہے، اور یہاں وکیل نے قبضہ میں پہل کی ہے' تو ملك اس کے لیے ثابت ہوگی اور موکل کی طرف اسی وقت منتقل ہوگی جبکہ اس کا سبب جدید ہو' محقق نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

ثانیاً یہ قیاس صحیح ہو تو صرف ظرف پر حکم نہ رہے بلکہ والدین کی نیت سے لینا ہی اُن کے لیے مثبت ملك ہو اگرچہ اُن کے ظرف میں نہ لے کہ مقیس علیہ اعنی اجارۂ مذکورہ میں حکم یہی ہے اصل مدار نیت پر ہے جبکہ نہ اجیر کا یہ وقت بکا ہے نہ شئی معین ہے تو وہ اپنے لیے بھی لے سکتا ہے اور اپنے مستاجر کے لیے بھی جس کے لیے لے گا اسی کی ملك ہوگی' ہاں اگر لیتے وقت کسی کی نیت نہ تھی یا وہ کہے میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور مستاجر کہے میرے لیے کی تھی تو اُس وقت ظرف پر فیصلہ رکھیں گے اُس کے ظرف میں لی تو اُس کے لیے ہے ورنہ اپنے لیے۔

واصل ذلك الوکیل بشراء شیئ لا بعینہ الحکم فیہ للاضافۃ فان لم توجد فللنیۃ فان لم توجدا وتخالفا فیھا فللنقد ای ان اضاف العقد الی مال الموکل فالشراء للموکل

اور اس کی اصل یہ مسئلہ ہے کہ کسی شخص کو غیر معین شئی کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس میں حکم اضافت کا ہے، اگر اضافت نہ پائی گئی تو نیت معتبر ہوگی، اگر نیت بھی نہ پائی گئی یا دونوں میں اختلاف ہوا تو حکم

وان زعم انه اشتری لنفسه او الی مال نفسه فلنفسه او الی مطلق مال فلا یهما نوی کان له فان لم تحضرہ النیۃ عند الشراء اوقال نویت لی وقال الموکل لی او بالعکس حکم النقد فی الثانی بالاجماع وفی الاول عند ابی یوسف خلافا لمحمد فانه یجعله اذن للعاقد[1] ووقع فی رد المحتار عکس ھذا او ھو سھو۔

نقد کا ہے، یعنی اگر عقد کو موکل کے مال کی طرف مضاف کیا تو خریدنا موکل کے لیے ہوا اگرچہ اس نے یہ گمان کیا کہ اُس نے اپنے لیے خریدا ہے، اور اگر اضافت خود اس کے مال کی طرف ہے تو خریدنا اس کے لیے ہوا، اور اگر مطلق مال کی طرف اضافت ہے تو دونوں میں سے جس کی نیت کی اس کے لیے ہوگا، اور اگر خریدنے کے وقت کوئی نیت ہی نہ تھی یا کہا کہ میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور موکل نے کہا کہ میرے لیے کی تھی یا بالعکس تو دوسرے میں بالاجماع نقد کو حکم بنایا جائیگا اور پہلے میں صرف ابو یوسف کے نزدیک ہوگا، امام محمد اس کو اس صورت میں عاقد کے لیے قرار دیتے ہیں، اور رد المحتار میں اس کا برعکس کہا ہے اور یہ سہو ہے۔ (ت)

اقول وقدم قاضی خان قول ابی یوسف واخر فی الھدایۃ دلیله فافادا ترجیحه وقال فی البحر تحت قول الکنز ان کان بغیر عینه فالشراء للوکیل الا ان ینوی للموکل او یشتریه بماله مانصه ظاھر مافی الکتاب ترجیح قول محمد من انه عند عدم النیۃ یکون للوکیل لانه جعله للوکیل الا فی مسألتین[2] اھ ای النیۃ للموکل واضافۃ العقد الی ماله اذ ھو المراد من الشراء بماله کما فی الھدایۃ فاذا لم یضف ولم ینو کان للعاقد کما ھو

میں کہتا ہوں قاضی خان نے ابو یوسف کا قول مقدم کیا ہے اور ہدایہ میں اس کی دلیل کو موخر کیا ہے جس سے اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور بحر نے کنز کے اس قول کے تحت فرمایا کہ اگر غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو شراء وکیل کے لیے ہے، مگر یہ کہ موکل کی نیت کرلے یا اس کو اپنے مال سے خریدے۔ ان کی عبارت یہ ہے کتاب میں جو ہے اس سے بظاہر محمد کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ کہ نیت نہ ہونے کی صورت میں وہ شراء وکیل کے لیے ہوگی، کیونکہ انہوں نے شراء وکیل کے لئے ہی کی ہے سوائے دو مسئلوں کے اھ یعنی یہ کہ نیت

---

[1] عنایۃ مع فتح القدیر وکالۃ بالشراء سکھر ۷/ ۳۵
[2] بحر الرائق وکالۃ بالبیع والشراء سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۰

مذھب محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔ موکل کے لیے ہو اور اضافت اُس کے مال کی طرف ہو، اس لیے کہ اس کے مال سے خریدنے کا یہی مطلب ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، تو جب اضافت نہ کی اور نیت بھی نہ کی تو عاقد کے لیے ہوگی جیسا کہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے۔ (ت)

اقول لکن الامام ابا یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انما حکم النقد لانہ دلیل النیۃ قال فی الھدایۃ[1] عند ابی یوسف یحکم النقد لان مع تصادقھما یحتمل النیۃ للاٰمر وفیما قلناہ حمل حالہ علی الصلاح کما فی حالۃ التکاذب قال فی العنایۃ[2] (یحتمل) انہ کان نوی للاٰمر ونسیہ (وفیما قلنا) یعنی تحکیم النقد (حمل حالہ علی الصلاح) لانہ اذا کان النقد من مال الموکل والشراء لہ کان غصبا (کما فی حالۃ التکاذب) اھ فعلم ان تحکیم النقد داخل فی اعتبار النیۃ ولا یستغرب مثلہ فی ایجاز الکنز۔

میں کہتا ہوں، لیکن امام ابو یوسف نے نقد کو حکم بنایا کیونکہ وُہ نیت کی دلیل ہے۔ ہدایہ میں فرمایا ابو یوسف کے نزدیک نقد کو حکم بنایا جائیگا، کیونکہ اگر وہ دونوں اتفاق کرلیں تو احتمال ہے کہ نیت حکم دینے والے کی ہو، اور جو ہم نے کہا ہے اس میں اُس کے حال کو صلاح پر محمول کیا گیا ہے، جیسے کہ دونوں ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے، عنایہ میں فرمایا (احتمال ہے) کہ اُس نے حکم دینے والے کے لیے نیت کی ہو اور پھر بھُول گیا ہو (اور جو ہم نے کہا اُس میں)، اس سے مراد نقد کو حکم بنانا ہے (اس کے حال کو صلاح پر محمول کرنا ہے) کیونکہ جب ادائیگی موکل کے مال سے ہو اور خریدنا اس کے لیے ہو تو یہ غصب ہوگا (جیسے کہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے) اھ تو معلوم ہوا کہ نقد کو حکم بنانا نیت کے اعتبار میں داخل ہے اور کنز کے ایجاز میں ایسی بات عجیب نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ قول سوم خلاف اصول و مخالف منقول ہے اور قول اول میں حرج بشدت اور دوم کہ نص محرر المذہب سے ماثور مؤید بعرف وکتاب وسنت لہٰذا فقیر اُسی کے اختیار میں اپنے رب عزوجل سے استخارہ کرتا ہے و باللہ التوفیق تو ثابت ہوا کہ احکام مذکورہ صور استیلاء[2] میں نسبت ابوت و بنوت سے کوئی تغیر نہیں آتا جب یہ اصل بعونہ تعالٰی ممہد ہولی واضح ہُوا کہ نابالغ کا بھرا ہوا پانی ایک نہیں بہت سے پانی ہیں جن کا سلسلہ شماریوں ہے۔

(۳۲) وُہ پانی کہ نابالغ نے آبِ مملوک مباح سے لیا۔

---

[1] الھدایۃ وکالۃ بالبیع والشراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۱۸۳

[2] عنایۃ مع الفتح القدیر وکالۃ بالبیع والشراء نوریہ رضویہ سکھر ۷/۴۶

(۳۳) وہ کہ مملوک غیر مباح سے بے اجازت لیا۔

(۳۴) وہ کہ اس سے باجازت لیا مگر مالک نے اسے ہبہ نہ کیا صرف بطور اباحت دیا۔

(۳۵) نابالغ خدمت گار نے آقا کے لیے نوکری کے وقت میں بھرا۔

(۳۶) خاص پانی ہی بھرنے پر اُس کا اجیر بتعیین وقت تھا اُسی وقت میں بھرا۔

(۳۷) مستاجر نے پانی خاص معین کردیا تھا مثلاً اس حوض یا تالاب کا کل پانی۔

اقول اور یہ تعیین نہ ہوگا کہ اس حوض یا کنوئیں سے دس مشکیں کہ دس مشک باقی سے جدا نہیں جس کی تعیین ہوسکے۔

(۳۸) اس نے باذن ولی یہ مزدوری کی اور کہتا ہے کہ یہ پانی مستاجر کے لیے بھرا۔

(۳۹) اسی صورت میں اگرچہ زبان سے نہ کہا مگر اُس کے برتن میں بھرا۔

(۴۰) نابالغ کسی کا مملوک ہے ان نو صورتوں میں وہ نابالغ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوا پہلی تین صورتوں میں مالکِ آب کا ہے پھر ۳۵ سے ۳۹ تک پانچ صورتوں میں مستاجر کا۔ اخیر میں اگر باذنِ مولیٰ کسی کے لیے اجارہ پر بھرا او روہی صورتیں ملک مستاجر کی پائی گئیں تو پانی مستاجر کا ورنہ بہرحال اس کے مولےٰ کا یہاں تک کہ خاص اپنے لیے جو بھرا ہو وہ بھی تو اسی کی ملک ہوگا۔ یہ پانی جس جس کی ملک ہو اُسے تو جائز ہی ہیں اُس کی اجازت سے ہر شخص کو جائز ہیں جبکہ وہ عاقل بالغ مختار اجازت ہو بلکہ بحال انبساط[1] اجازت لینے کی بھی حاجت نہیں مثلاً کسی کے نابالغ نوکر اجیر یا غلام نے پانی بھرا اس کے بھائی یا دوست جو اس کے ایسے مال میں تصرف کرتے اور وہ پسند رکھتا ہے اُس سے بے پُوچھے بھی نابالغ مذکور کا بھرا ہوا پانی اُس سے لے کر اپنے صرف میں لاسکتے بلکہ غلام سے مطلقاً اور اُس کے نوکر سے وقت نوکری میں بھروا سکتے ہیں کہ بہرحال اُس دوست کی ملک میں تصرف[2] ہے نہ نابالغ کی۔

(۴۱) نابالغ حُر کو مالکِ آب نے پانی تملیکاً دیا۔

(۴۲) حُر غیر اجیر نے آبِ مباح غیر مملوک سے اپنے لیے بھرا۔

(۴۳) دوسرے کے لیے بطور خود۔

(۴۴) اُس کی فرمائش سے بلامعاوضہ۔

(۴۵) اجیر کے آقا کے کہنے سے بھرا اگر اس کے یہاں کسی اور خاص کام کے لیے نوکر تھا جس میں پانی بھرنا داخل تھا۔

(۴۶) داخل تھا جیسے خدمت گاری مگر نوکری کے وقتِ مقرر سے باہر بھروایا۔

(۴۷) خاص پانی ہی بھرنے پر اسے اجیر کیا نہ وقت مقررہ ہوا نہ پانی معین نہ یہ مقرر کہ اُس کے لیے بھرا نہ اُس کا برتن تھا جس میں بھرا۔

(۴۸) وقت مقرر ہوا اور اُس سے باہر یہ کام لیا ان آٹھ صورتوں میں وہ پانی اُس نابالغ کی ملک ہے اور اُس میں غیر والدین کو تصرف مطلقاً حرام حقیقی بھائی اُس پانی سے نہ پی سکتا ہے نہ وضو کر سکتا ہے ہاں طہارت ہو جائے گی او رناجائز تصرف کا گناہ اور اُتنے پانی کا اُس پر تاوان رہے گا مگر یہ کہ اس کے ولی سے یا بچہ ماذون ہو جس کے ولی نے اسے خرید فروخت کا اذن دیا ہے تو خود اس سے پُورے داموں خرید لے ورنہ مفت یا غبن فاحش کے ساتھ نابالغ کی ملک دوسرے کو نہ خود وہ دے سکتا ہے نہ اُس کا ولی۔ رہے والدین وہ بحالت حاجت مطلقاً اور بے حاجت حسب روایت امام محمد اُن کو جائز ہے کہ اُس سے بھروائیں اور اپنے صرف میں لائیں باقی صورتوں میں اُن کو بھی روا نہیں مگر وہی بعد شرا۔

تنبیہ ۱ یہاں سے اُستاد سبق لینی معلموں کی عادت ہے کہ بچے جو اُن کے پاس پڑھنے یا کام سیکھنے آتے ہیں اُن سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا وصی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس سے بچے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ اُن سے پانی بھروا کر استعمال کر سکتے ہیں نہ اُن کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں

اقول وعرفهم الحادث على خلاف الشرع لا يعبؤ به فانه لم يكن فيمن مضى من اهل الخير و مر الامام الكسائی رحمه الله تعالى على سكة عطشان فاستسقى من بعض بيوتها ثم تذكر انه اقرأ بعض اهلها فرد و لم يشرب۔

اقول اور ان کی نئی اصطلاح جو شریعت کے برخلاف ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں یہ اصطلاح سلف صالحین کے زمانہ میں نہ تھی۔ ایک مرتبہ امام کسائی کا گزر ایک گلی سے ہوا آپ پیاسے تھے تو ایک گھر سے پانی طلب کیا، پھر انہیں یاد آیا کہ انھوں نے اس گھر کے کچھ لوگوں کو پڑھایا ہے، چنانچہ آپ نے پانی واپس کر دیا اور پیاسے ہی وہاں سے گزر گئے۔ (ت)

تنبیہ ۲ کنویں کا پانی جب تک کنویں سے باہر نکال لیا جائے کسی کی ملک نہیں ہوتا فان سبب الملك الاحراز ولا احراز الا بعد التنحية عن رأس البئر[1] (سبب ملک احراز ہے اور احراز پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ت) تو استاد جسے بچے سے خدمت لینے کا اختیار ہے یہ کر سکتا ہے کہ پانی بچے سے بھروائے یہاں تک کہ ڈول کنویں کے لب تک آئے اُس کے بعد خود اسے نکال لے کہ یہ پانی بچے کی ملک نہ ہوگا بلکہ خود اُس کی۔

فی الهندية عن القنية والساقی

ہندیہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ جو شخص

---

[1] اس کی تحقیق نمبر ۲۰ میں گزر رہا (دم)

من البئر لایملك بنفس ملاء الدلو حتی ینحیه عن رأس البئر[1] وفی رد المحتار لو احرزه فی جرة او جب او حوض مسجد من نحاس او صفر او جص وانقطع جریان الماء فانه یملکه وانما عبر بالاحراز لا الاخذ اشارة الی انه لوملأ الدلو من البئر ولم یبعده عن رأسها لم یملك عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھما اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین[2] اھ

کنویں سے پانی بھرتا ہے وہ محض ڈول کے بھرنے سے پانی کا مالک نہیں ہوجائے گا، اُس وقت مالک ہوگا جب اُس پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرکے رکھ دے اھ اور ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے مٹکیا، مٹکے یا مسجد کے حوض میں پانی جمع کیا، یہ حوض تانبے، پیتل یا گچ کا ہو، اور اس طرح پانی کا بہنا بند ہوگیا ہو تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا، انہوں نے اس کو احراز سے تعبیر کیا اخذ سے نہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر ڈول کنویں سے بھرا مگر وہاں سے ہٹایا نہیں تو شیخین کے نزدیک وہ اس کا مالک نہ ہوگا کیونکہ "احراز" کے معنی کسی چیز کو محفوظ جگہ پر رکھنے کے ہیں اھ (ت)

اقول فاذا لم یملکه کان باقیا علی اباحته فالذی نحاه هو الذی احرز المباح فیملکه اھ

میں کہتا ہوں جب یہ شخص اس طرح اس کا مالک نہ ہوا تو پانی اپنی اباحت پر ہی باقی رہا، تو جس نے اس کو کنویں سے ایک طرف ہٹا کے رکھا اس نے محفوظ کیا تو وہی اس کا مالک ہوا۔ (ت)

تنبیہ ۳ بہشتیوں کے بچے اکثر کنویں پر پانی بھرتے ہیں لوگوں کی عادت ہے کہ ان سے وضو یا پینے کو لے لیتے ہیں یہ حرام ہے اور عوام کو اس میں ابتلائے عام ہے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اقول مگر یہاں ایک دقیقہ ہے یہ بچے داموں پر پانی بھرتے ہیں اور کہیں مشکیں مقرر ہوتی ہیں کہیں گھر کے برتن معین یہ شخص جس نے نابالغ بہشتی سے پانی لیا اگر وہ اس کے یہاں نہیں بھرتا تو اسے مطلقاً جائز نہیں اور اگر بھرتا ہے مگر یہ مشک جسے وہ بھر رہا تھا اور اُس کے ڈول سے پانی اس نے لیا دوسرے کے یہاں لے جائے گا تو ناجائز ہے اور اگر اسی کے یہاں لے جانے کو ہے مگر قرارداد برتنوں کا بھرنا ہے اور وہ پورے بھر دئے جائیں گے تو ناجائز ہے کہ یہ پانی اُس سے زائد ہے یونہی اگر مشکوں کا قرارداد ہے اور یہ مشک بھی اُسی سے پوری ہی تو ناجائز ہے ہاں اگر یہ مشک اتنی خالی لی تو ایسا ہوا کہ اتنا پانی گھر پر نہ پہنچایا یہیں لے لیا یا برتنوں کا قرارداد ہے اور اتنا خالی رکھنے کو کہہ دیا یا جس دوسرے کے یہاں یہ مشک لے جاتا ہے اُس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۹۲
[2] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۱

اس قدر پانی کی اجازت لے لی اور اُس نے مشک یا برتن اتنے خالی رکھوائے تو جائز ہونا چاہئے کہ اگرچہ پانی[1] ابھی سقا ہی کی ملک تھا جب برتنوں میں ڈالے گا اُس وقت اس کی بیع ہوگی اور جس کے یہاں بھرا گیا اُس کی ملک ہوگا یہ اس لئے کہ بہشتی اجیر مشترک ہیں نہ اُن کا وقت معین ہوتا ہے نہ اتنا پانی قابل تعین ہے اور اپنے ڈول سے بھرتے ہیں اور جب تک مشک کہیں ڈال نہ دیں پانی اپنا ہی جانتے ہیں اُس میں جو چاہیں تصرف کرتے ہیں لہذا اُس وقت تک پانی انہی کا ہوتا ہے مگر مقصود اس مول لینے والا کا قبضہ ہے اور اس کی اجازت سے جو تصرف ہو وہ اسی کا قبضہ ہے اگر دس مشکیں اس کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں اور وہ کہے کہ اُن میں سے دو کا چھڑکاؤ یہیں سڑک پر کردو ضرور بیع صحیح ہوجائے گی اسی طرح اگر اُس میں سے ایک لوٹا یا جس قدر چاہا زید کو دلوا دیا '
ھذا ما ظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تنبیہ[2] معتوہ بوہرا جس کی عقل ٹھیک نہ ہو تدبیر مختل ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کہے کبھی پاگلوں کی مگر مجنون کی طرح لوگوں کو محض بے وجہ مارتا گالیاں دیتا اینٹیں پھینکتا نہ ہو وہ تمام احکام میں صبی عاقل کی مثل ہے تو یہ سب احکام بھی اُس میں یُوں ہی جاری ہوں گے۔

اقول مگر غنی ماں باپ کا اُس کے بھرے ہُوئے سے انتفاع امام محمد سے دربارۂ صبی مروی اور اُس کا مبنٰی عرف وعادت اور معتوہ میں اس کی عادت ثابت نہیں اور منع میں بوجہ ندرت عتہ لزوم حرج نہیں تو یہاں ظاہر قول اول ہی مختار ہونا چاہئے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

فائدہ یہاں تک وُہ پانی تھے جن میں اُن کا غیر نہ ملا آگے خلط غیر کی صورتیں ہیں۔

(۴۹ تا ۶۵) کتب کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے کہ اگر نابالغ نے حوض میں سے ایک کوزہ بھرا اور اس میں سے کچھ پانی پھر اُس حوض میں ڈال دیا اب اُس کا استعمال کرنا کسی کو حلال نہ رہا۔

فی ش عن ط عن الحموی عن الدرایۃ عن الذخیرۃ والمنیۃ وفی غمز العیون عن شرح المجمع لابن الملک عن الذخیرۃ وفی الاشباہ من احکام الصبیان وفی الحدیقۃ الندیۃ عن الاشباہ فی النوع العشرین من اٰفات اللسان وفی غیرھا من الکتب الحسان عبد او صبی او امۃ ملأ الکوز من ماء الحوض واراق

ش میں ط سے حموی سے درایہ سے ذخیرہ سے اور منیہ سے ہے اور غمز العیون میں شرح مجمع سے (یہ ابن ملک کی کتاب ہے) ذخیرہ سے ہے، اور اشباہ میں (احکام الصبیان میں) اور حدیقہ ندیہ میں اشباہ (آفات اللسان کی بیسویں نوع میں) اور دوسری کتب میں ہے کسی غلام بچے یا باندی نے حوض کے پانی سے لوٹا بھرا پھر اس میں سے کچھ اُسی کے اندر انڈیل دیا تو اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس حوض

بعضہ فیہ لایحل لاحد ان یشرب من ذٰلک الحوض لان الماء الذی فی الکوز یصیر ملکا للاٰخذ فاذا اختلط بالماء المباح ولا یمکن التمییز لایحل شربہ[1]۔

سے پانی پئے کیونکہ حوض کا پانی لینے والے کی ملک ہوجاتا ہے تو جب یہ ملکِ مباح سے مل گیا اور اس میں تمییز ممکن نہیں تو اس کا پینا حلال نہ ہوگا[2]۔ (ت)

علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اسے نقل کرکے فرمایا اس حکم میں حرج عظیم ہے۔

اقول یہاں بہت استثنا وتنبیہات ہیں:

اول مراد آبِ مباح غیر مملوک ہے تو حکم نہ ہر حوض کو شامل نہ حوض سے خاص بلکہ کنوؤں کو بالعموم حاوی ہے کہ کنواں اگرچہ مملوک ہو اس کا پانی مملوک نہیں کما تقدم تحقیقہ (جیسا کہ اسکی تحقیق گزر چکی ہے۔ت) اور وہ حوض جس کا پانی مملوک ہے اُس کا مالک اگر عاقل بالغ ہے تو بچہ ہزار بار اس میں سے پانی بھر کر اس میں پلٹ دے کچھ حرج نہ آئے گا کہ مال جس کا تناول اس کے مالک نے مباح کیا ہو بعد اخذ تصرف بھی ملکِ مالک سے خارج نہیں ہوتا یہاں تک کہ دعوت کا کھانا کھاتے وقت بھی میزبان ہی کی ملک پر کھایا جاتا ہے تو بچہ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوگا اصل مالک کی ملک پر رہے گا اور ڈال دینے سے اُسی کی ملک میں جائیگا۔

دوم ہماری تحقیقاتِ بالا سے واضح ہوا کہ ہر مباح بھی مطلقاً آخذ کی ملک نہیں ہوجاتا تو پانی کو مباح و مملوک کو شامل لے کر وہی سترہ صورتیں یہاں بھی پیدا ہوں گی جو نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں گزریں نو صورتوں میں وہ پانی اُس بھرنے والے کی ملک نہ ہوگا بلکہ اصل مالکِ آب یا مستاجر یا مولٰی کی ملک ہوگا وہ اگر عاقل یا

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۲

[2] حکم کی شدت نے اس مسئلہ کو مشکل بنا دیا ہے کیونکہ عوام وخواص کے ابتلاء کی وجہ سے یہ حکم موجب حرج اور تنگی ہے جبکہ ابتلاءِ عوام داعی یُسر و آسانی ہے اللہ تعالٰی بے حساب رحمتیں نازل فرمائے فقہاءِ کرام پر جنہوں نے اللہ تعالٰی کی مخلوق پر شفقت فرمائی اور ایسے پیچیدہ اور مشکل مسائل کو حل فرمایا جس سے عوام الناس کیلئے آسانی اور سہولت کی راہ ہموار ہوئی چنانچہ امام احمد رضا بریلوی (مصنف) نے اس مسئلہ کی شدت کو محسوس فرمایا اور انہوں نے فقہاءِ احناف کے اقوال کی روشنی میں اسکا حل صفحہ ۵۳۲ پر خود بیان فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے مسئلہ مذکورہ اگرچہ نجاست وطہارت کا نہیں بلکہ اسکا تعلق حظر واباحت سے ہے، تاہم پاک پانی میں نجس پانی کے اختلاط کے مسئلہ میں فقہاءِ احناف کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں اسکو حل کیا جاسکتا ہے عراقی فقہاء نے پاک پانی میں نجس پانی گرنے سے متعلق فرمایا کہ بڑے حوض کے کثیر پانی میں جس جگہ نجس پانی گرا ہو اس جگہ کو چھوڑ کر باقی حوض سے وضو جائز ہے کیونکہ باقی جگہوں تک نجاست کا پہنچنا مشکوک ہے لہٰذا شک کی بناء پر باقی پانی کی طہارت زائل نہ ہوگی جبکہ جمہور فقہاء نے ایسی صورت میں تمام حوض حتی کہ جس جگہ نجاست گری ہے اس جگہ پر بھی وضو کو جائز فرمایا کیونکہ پانی طبعی طور پر سیال ہے اور ہواؤں وغیرہ کی تحریک کی وجہ سے پانی ایک جگہ ساکن نہیں رہتا لہٰذا حوض کے باقی حصوں میں نجاست پہنچنے نہ پہنچنے کے احتمال کی وجہ سے باقی بلکہ تمام پانی کو بالیقین نجس نہیں کہہ سکتے لہٰذا نجاست کا یقین زائل ہوجانے پر پانی کا اصل حکم یعنی طہارت باقی رہے گا اس طرح حوض کے ہر حصہ کے پانی کو پاک قرار دیا جائیگا، عراقی یا جمہور فقہاءِ کرام کے ضابطہ پر نابالغ بچے کی ملکیت پانی کو قیاس کرتے ہوئے مذکورہ مشکل مسئلہ کا حل واضح ہوجاتا ہے، عراقی ضابطہ کے پیشِ نظر جہاں نابالغ بچے کا پانی گرا اس جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام پانی کا استعمال مباح ہوگا جبکہ جمہور فقہاء کے ضابطہ کے تحت نابالغ کے پانی گرنے کی جگہ سمیت تمام پانی مباح ہوگا مصنف کی اصل عبارت میں تفصیل موجود ہے۔ عبدالستار سعیدی

بالغ نہیں تو البتہ یہی وقت عود کرے گی ورنہ اُس عاقل بالغ کی اجازت پر توقف رہے گا۔

سوم صبی کی خصوصیت نہیں معتوہ بھی اسی کے حکم میں ہے کما تقدم۔

چہارم جس طرح کلام علما میں پینے کا ذکر مثالی ہے مراد کسی قسم کا استعمال ہے اسی طرح کچھ یہی شرط نہیں کہ حوض یا کنویں سے پانی لے کر ہی ان میں ڈالے یا جس حوض یا چاہ سے لیا اس میں واپس دے یا وہ نابالغ ہی اپنے ہاتھ سے ڈالے بلکہ مقصود اُسی قدر ہے کہ مال مباح میں نابالغ کی مِلک کا اس طرح مل جانا کہ جُدا نہ ہوسکے تو اگر صبی کی مِلک کا پانی اُس کے گھر سے لا کر کسی شخص اگرچہ خواہ اُس کے ولی نے کسی کنویں یا مباح حوض میں ڈال دیا اس کا استعمال تا بقائے آب مذکور ناجائز ہوگیا۔

پنجم ظاہر ہے کہ یہ عدم جواز اوروں کے حق میں بوجہ اختلاطِ مِلکِ صبی ہے خود صبی استعمال کرسکتا ہے کہ وہ نہیں مگر اُس کی مِلک یا مباح۔

ششم اُس کے ماں باپ بھی بشرطِ حاجت بالاتفاق اور بلا حاجت روایت امام محمد پر استعمال کرسکتے ہیں تو لایحل لاحد (کسی کے لیے جائز نہیں۔ ت) عام مخصوص ہے۔

ہفتم اگر وہ کنواں یا حوض ترک کردیں اور صبی بلوغ کو پہنچے اور اُس وقت اس پانی کو مباح کردے تو اب کوئی مانع نہیں۔

ہشتم اگر وہ صبی انتقال کرجائے اس کے سب ورثہ عاقل بالغ ہوں تو اب ان کی اجازت پر وقت نہ رہے گی اور اگر ایک ہی وارث ہے تو اسے خود حلال خالص ہے کسی کی اجازت کی بھی حاجت نہیں۔

نہم اگر وہ پانی کہ صبی کی مِلک سے اُس میں مخلوط ہوا باقی نہ رہے تو اب سب کو مباح ہوجائیگا کہ مانع زائل ہوگیا۔

دہم مسئلہ سابقہ یعنی نابالغ کے بھرے ہُوئے پانی میں جو ایک صورتِ جواز اُس سے اگر ماذون ہو ورنہ اُس کے ولی سے خرید لینے کی تھی یہاں جاری نہیں ہوسکتی کہ مِلکِ صبی کا پانی جب اُس آبِ مباح میں مل گیا قابلِ بیع نہ رہا کہ مقدور التسلیم نہیں۔

یازدہم آبِ مباح کی ضرورت بھی اُس حالت میں ہے کہ بچّہ کا اُس میں سے بھر کر اُس میں ڈال دینا لیں کہ مباح پر مِلک یُوں ہی ہوگی ورنہ مِلک نابالغ کا پانی اگر کسی کے مملوک پانی میں مل جائے گا تو اُس کا استعمال بھی حرام ہوجائے گا حتی کہ اُس مالک آب کو۔

دوازدہم ایک یا دونوں طرف کچھ پانی کی خصوصیت نہیں بلکہ کسی کے مملوک پانی میں بچے کی مِلک کا عرق یا دودھ یا کسی کے مملوک عرق یا دُودھ میں بچّے کی مِلک کا پانی یا چاول میں چاول گیہوں میں گیہوں مل جائیں

جب بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تصرف خود مالک کو بھی حرام ہوگیا تو مسئلہ کی تصویر[1] یُوں ہونی چاہیے کہ اگر کسی شے مباح یا مملوک میں کسی غیر مکلف کی مِلک اس طرح خلط ہوجائے کہ تمیز ناممکن ہو اگرچہ یُونہی کہ مثلاً مباح غیر مملوک پانی سے صبی یا معتوہ حرغیر اجیر نے بھرا اور اگر وُہ کنواں ہے تو اُس سے بھر کر باہر نکال لیا اور اگر اجیر ہے تو نہ وقت معین نہ وہ مباح معین نہ یہ مستاجر کے لیے لینے کا مقرر نہ اُس کے ظرف میں لیا پھر ان صورتوں میں اُس کا کوئی حصہ اُس میں کسی نے ڈال دیا یا پڑگیا تو جب تک اُس غیر مکلف کی مِلک اُس مباح یا مملوک میں باقی ہے اور وہ غیر مکلف ہے اور مِلک اُس سے منتقل نہ ہوگئی اُس وقت اُس غیر مکلف یا بحالِ حاجت خواہ ایک روایت پر بانی میں مطلقاً اُس کے ماں باپ کے سوا کسی کو اُس میں تصرف حلال نہیں۔

سیزدہم حدیث العبد والامۃ ش ۵ ش بان العبد لایملک وان ملك فیکون لمالکہ لانہ مالك اکسابہ اھ۔[1]

سیزدہم: غلام اور باندی کے مسئلہ کو "ش" نے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ غلام پانی کا مالک نہیں بنے گا اور اگر مالک ہوگا بھی تو وُہ پانی اُس کے مالک کی ملکیت میں آجائے گا کیونکہ اس کی تمام کمائی کا مالک اُس کا مالک ہی ہے۔ (ت)

اقول[2] ماکانوا لیذھلوا عن مثل ھذا وانما القصد ابانۃ الفرق بین الحر العاقل البالغ وبین الصبی والمعتوہ والرقیق فان الاول اذا ملأ ملك فاذا صب اباح وھؤلاء لایملکون الاباحۃ فلایحل بصبھم ولیس المراد تأبید التحریم بل الٰی ان تلحق الاجازۃ ممن ھی لہ ففی الصبی اوالمعتوہ حتی یبلغ او یعقل فیجیزو فی[3] الرقیق حتی یجیز المالك المکلف الحاضر حالا اومآلا او یبلغ الغائب او یبلغ الصبی او یفیق المعتوہ فیجیزوا۔

میں کہتا ہُوں فقہا سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ اتنی معمولی سی بات اُن کے ذہن میں نہ آئی ہو، دراصل ان کا مقصود آزاد عاقل بالغ اور بچہ، بیوقوف اور غلام کے درمیان فرق کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ آزاد شخص جب پانی بھرے گا تو مالک ہوجائیگا اور جب بہائے گا تو مباح کرے گا، اور یہ لوگ اباحت کا حق نہیں رکھتے ہیں، لہذا پانی ان کے انڈیل دینے سے مباح نہ ہوگا اور مراد یہ نہیں کہ حرمت ہمیشہ رہے گی، بلکہ یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کا مالک اجازت نہ دے دے، چنانچہ بچہ اور بیوقوف کی صورت میں بلوغ یا عقل کی درستی کے بعد اجازت دینے سے اس کا پینا حلال ہوجائے گا اور غلام کی صورت میں اس کے آقا کی اجازت سے جو مکلف حاضر ہو

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

فی الحال یا فی المآل، یا غائب پہنچ جائے یا بچہ بالغ ہوجائے یا بے وقوف عاقل ہوجائے، اور وہ اجازت دے دیں۔ (ت)

چاردہم عدّ ش من اشکالاتہ انہ لم یبین متی یحل الشرب منہ[1] اھ واشرت الی جوابہ بقولی ما بقی فیہ ذلک الماء لان المنع لاجلہ فاذا ذھب ذھب۔

چہاردہم: "ش" نے اس پر یہ اشکال محسوس کیا ہے کہ انھوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس کا پینا کب حلال ہوگا اھ میں نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک اس میں یہ پانی باقی ہے کیونکہ حرمت اسی کی وجہ سے ہے جب یہ ختم ہوجائیگا تو حرمت بھی ختم ہوجائے گی۔ (ت)

پانزدہم قال وھل ثم فرق بین الحوض الجاری او ما فی حکمہ وبین غیرہ[2] اھ

پندرھواں: کیا حوض جاری اور جو اس کے حکم میں ہے اس میں اور دوسرے پانیوں میں اس سلسلہ میں فرق ہے؟ (ت)

اقول تعبیرھم بالحوض ظاھر فی رکودہ فان الجاری یسمی نھرالاحوضا والاطلاق یشمل الصغیر والکبیر وھو الوجہ فان الماء الجاری یذھب ذلک الماء یقینا فیزول السبب ولا کذلک الراکد۔

میں کہتا ہوں فقہا کا حوض سے تعبیر کرنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اُن کی مراد ٹھہرا ہوا پانی ہے کیونکہ جاری پانی کو نہر کہا جاتا ہے حوض نہیں کہتے ہیں اور اطلاق چھوٹے بڑے دونوں کو شامل ہے اور یہی معقول وجہ ہے کیونکہ جاری پانی اس پانی کو جو پھینکا گیا ہے بہالے جائے گا، تو سببِ حُرمت زائل ہوجائیگا اور ٹھہرے ہوئے پانی کی یہ صورت نہیں۔ (ت)

شانزدہم قال وینبغی ان یعتبر غلبۃ الظن بانہ لم یبق مما القی فیہ شئی منہ بسبب الجریان او النزح والا یلزم ھجر الحوض وعدم الانتفاع بہ اصلا[3] اھ

سولھواں: فرمایا غلبۂ ظن کا اعتبار بھی کیا جانا چاہیے یعنی یہ کہ پانی کے جاری رہنے یا اُس میں سے پانی کے نکالے جانے کے باعث جو پانی کہ اس میں ڈالا گیا تھا اُس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا ورنہ تو پھر حوض کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنا پڑیگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

[2] " " " " "

[3] " " " " "

اقول ف۱ لاینبغی الشک فی الجواز بعد النزح لما سیأتی انما الشأن فی جواز النزح ف۲ وکیف یحل مع ان فیہ اضاعۃ ملک الصبی ان صب فی الارض او الانتفاع بہ ان سقی بہ نحو زرع او بستان وکذلک الاجراء وان ابیح ذلک الآن فلم لایباح الشرب والاستعمال من رأس اذ لیس فیہ فوق ف۳ ھذا باس نعم ان جرے بمطر او سیل فذاک حل من دون اثم۔

میں کہتا ہوں، جب اس حوض کا پانی نکل جائے تو پھر جواز میں کوئی شک نہیں لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ آیا اُس تمام پانی کا نکال دینا جائز ہے؟ اس میں اشکال یہ ہے کہ نکال کر اگر یوں ہی بہا دیا جائے تو بچہ کا مال ضائع ہوجائیگا اور کسی باغ یا کھیت وغیرہ کو لگا دیا جائے تو اُس سے نفع حاصل کرنا لازم آئیگا، اسی طرح جاری کرکے بہا دینا بھی درست نہیں اور اگر اس سے یہ تمام کام کرنا جائز ہیں تو شروع ہی سے اس کا پینا اور اس کو استعمال کرنا کیوں جائز نہیں، اُس میں اس سے زیادہ کیا حرج تھا؟ ہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بارش یا سیلاب کی وجہ سے حوض کا پانی بہہ نکلا تو وہ بلا حرج حلال ہوجائیگا۔ (ت)

ہفدہم قال ویمکن ان یعتبر بالنجاسۃ فیحل الشرب من نحو البئر بالنزح ومن غیرھا بالجریان بحیث لوکان نجاسۃ لحکم بطھارتھا فلیتأمل[۱] اھ

سترھواں: فرمایا یہ ممکن ہے کہ نجاست کا اعتبار کیا جائے، تو کنویں سے پانی نکال کر پینا جائز ہوگا اور کنویں کے علاوہ دوسری چیزوں سے اُس پانی کے جاری ہونے کی وجہ سے پینا جائز ہوجائیگا، گویا اگر اس میں نجاست بھی ہوتی تو اس کی طہارت کا حکم دیا جاتا، فلیتامل اھ (ت)

اقول ف۴ عرفت ف۵ مافیہ والنزح فی النجاسۃ معدول بہ عن سنن القیاس فکیف یعتبر بہ وکأنہ رحمہ اللہ تعالٰی الٰی ھذہ الابحاث اشار بقولہ فلیتأمل۔

میں کہتا ہوں، اس پر جو اعتراض ہے وہ معلوم ہوچکا ہے، اور کل پانی کا نجاست کی صورت میں نکالنا برخلاف قیاس ہے تو اس پر آگے قیاس کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور غالباً انہوں نے ان ابحاث کی طرف فلیتأمل سے اشارہ کیا ہے (ت)

ہیجدہم سب سے زیادہ اہم اس کا علاج ہے کہ یہ پانی قابلِ استعمال کیونکر ہو سید طحطاوی ف۶ نے تو اتنا فرمایا کہ اس میں حرج عظیم ہے سید شامی نے جو علاج بتائے دفع اثم کو کافی نہیں ہوتا،

---

[۱] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/۳۱۲

واشار سیدی العارف باللہ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ فی الحدیقۃ الی ان تفریجہ باذن الولی حیث قال فی النوع العشرین من اٰفات اللسان بعد ما نقل المسألۃ عن الاشباہ وعللھا بما قدمنا مانصہ وظاھرہ الا ان یأذن الولی قال ونظیرہ عدم حل الشرب من کیزان الصبیان الا باذن الولی وکذلک فی اکل ما معھم اذا اعطوہ لاحد اھ[1]

عارف باللہ سید عبدالغنی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا حل یہ ہے کہ اگر ولی اجازت دے تو جائز ہے یہ بات انہوں نے آفات اللسان کی بیسویں نوع میں اس مسئلہ کو اشباہ سے نقل کرنے اور اس کی علت بیان کرنے کے بعد کہی ہے جس کی عبارت ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ "مگر یہ کہ ولی اجازت دے دے" اور اس کی مثال یہ ہے کہ بچوں کے کوزوں سے پانی پینا ولی کی اجازت ہی سے جائز ہے، اور اسی طرح دوسری کھانے والی اشیاء کا حال ہے بچے جب وہ کسی کو دیں۔ (ت)

اقول رحم اللہ سیدی ورحمنا بہ انما الولایۃ نظریۃ ولیس للولی اتلاف مالہ ولا ان یأذن بہ غیرہ کیف وقد تقرر ان التصرفات ثلثۃ نفع محض کقبول الھبۃ فیستبد بہ الصبی العاقل ودائر بین النفع والضرر کالبیع والشراء فیحتاج الی اذن الولی وضرر محض کالطلاق والعتاق والھبۃ فلا وجہ لصحتہ ولا باذن الولی وھذا من الثالث ووجہ ھذا السھو منہ رحمہ اللہ تعالٰی قول الماتن فی الطریقۃ المحمدیۃ حیث ذکر السؤال المنھی عنہ ثم قال حرمۃ السؤال لاتقتصر علی المال بل تعم الاستخدام خصوصا اذا کان صبیا او مملوکا للغیر اما صبی نفسہ

میں کہتا ہوں اللہ عبدالغنی پر رحم کرے اور ہم پر بھی ولی کی ولایت صرف نظری (بچہ کی بھلائی کے لیے) ہے ولی بچہ کا مال تلف نہیں کرسکتا ہے اور نہ دوسروں کو دے سکتا ہے، یہ بات طے شدہ ہے کہ تصرفات تین قسم کے ہیں نفع محض جیسے بچہ کا ہبہ کا قبول کرنا، عاقل بچہ بذات خود ہبہ قبول کرسکتا ہے اور ایک وہ جس میں نفع کا بھی احتمال ہے اور نقصان کا بھی۔ جیسے خرید و فروخت اس میں ولی کی اجازت ضروری ہوگی اور سراسر نقصان والی بات جیسے طلاق، آزاد کرنا اور ہبہ کرنا، تو اس کی صحت کی کوئی صورت نہیں، ولی کی اجازت سے بھی نہیں، اور یہ تیسری قسم ہی میں شامل ہے۔ ان کو یہ سہو اس لیے لاحق ہوا کہ ماتن نے طریقہ محمدیہ میں منہی عنہ کے سوال کو ذکر کیا ہے پھر یہ لفظ کہے ہیں "حرمۃ السؤال لاتقتصر علی المال الخ" سوال جو بے ضرورت شرعیہ حرام ہے یہ صرف مال

---

[1] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من آفات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۹

فیجوز) للاب والام والجد والجدۃ (استخدامہ ان کان) المستخدم (فقیرا لاقدرۃ لہ علی شراء خادم او استئجارہ (اوارادتھذیبہ وتادیبہ[علہ] بخلاف[۱] استخدام مملوکہ واجیرہ وزوجتہ فی مصالح البیت وتلمیذہ) فی تعلیم قراٰن اوعلم اوصنعۃ (باذنہ) یعنی برضاہ (ان کان بالغا اوباذن ولیہ ان کان صبیا) فان الصبی محجور علیہ من التصرف فی مالہ فی منافع نفسہ الا باذن الولی اھ[۱] ملتقطا مزیدا من شرحہ رحمہ اللہ تعالٰی فالاذن[۲] الذی ذکرہ الماتن فی استخدامہ عداہ الی مالہ و شتان ماھما فان فی الاول نفعہ من تادیبہ وتھذیبہ مع ضرر استعمالہ فکان من القسم الثانی فجاز باذن الولی بخلاف[۳] الثالث والذی افاد من حل الشرب من کوز الصبی واکل مامعہ باذن الولی۔ (ت)

مانگنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ اجنبی سے کسی خدمت کا کہنا بھی حرام سوال ہی میں داخل ہے خصوصاً دوسرے کے نابالغ بچے یا غلام سے۔ اگر کسی کا اپنا بچہ ہے تو باپ، ماں، دادا اور دادی کے لیے (اس سے خدمت لینا جائز ہے، اگر) خدمت لینے والا (فقیر ہو) خادم نہ خرید سکتا ہو یا کسی کو ملازم نہ رکھ سکتا ہو (یا بچہ کی تہذیب وتربیت کا ارادہ ہو مگر اس شرط میں غلام، مزدور، بیوی سے گھر کا کام کاج کرانا شامل نہیں کہ ان سے بغیر احتیاج کے گھر کا کام لینا جائز ہے اور شاگرد سے خدمت لینا درست ہے مثلاً طالبعلم سے قرآن سکھانے یا کوئی علم سکھانے یا کسی حرفت کے سکھانے کا کام لیا جائے (اسکی مرضی سے اگر وہ بالغ ہے ورنہ اس کے ولی کی رضا سے اگر وہ بچہ ہے) کیونکہ بچہ اپنی منفعت کے لیے بھی اپنے مال میں ولی کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا ہے اھ ملتقطاً اور شرح سے اضافہ ہے تو وہ اجازت جس کا ذکر ماتن نے کیا ہے اسے استخدام میں تو شارح نے اس کو مال تک بڑھا دیا ہے اور دونوں میں بہت فرق ہے، کیونکہ پہلی صورت میں اس کا نفع ہے کہ اس کی تادیب وتہذیب ہے جبکہ اس سے کام کرانے میں ضرر بھی ہے، تو یہ دوسری قسم میں داخل ہُوا، اس لیے ولی کی اجازت سے جائز ہوگا، جبکہ تیسرا ایسا نہیں ہے، اور جس کا انھوں نے فائدہ دیا ہے وہ بچہ کے کُوزہ سے پانی پینے کا جواز ہے یا جو چیز بچہ کے پاس ہے اس کے کھانے کا جواز ہے ولی کی اجازت سے۔ (ت)

[علہ] ناظراً الی قولہ اذاکان صبیا او مملوکا للغیر ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس کے قول اذاکان صبیا او مملوکا للغیر کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ (ت)

---

[۱] حدیقہ ندیہ النوع الشرین من آفات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۷

[۲] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من آفات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۶۸

فاقول محلہ اذا کان الماء والطعام للولی اعطاھا الصغیر علی وجہ الاباحۃ دون الھبۃ فحینئذ یکون للولی ان یأذن لمن شاء لبقائھما علی ملکہ بخلاف ما اذا کان الشیئ مملوکا للصغیر فلا معنی اذا لاذن الولی باستھلاکہ من دون عوض وقد تقدمت مسألۃ الذخیرۃ والمنیۃ ومعراج الدرایۃ فی ماء جاء بہ الصبی من الوادی لا یجوز لابویہ الشرب منہ الا فقیرین[1]۔

تو میں کہتا ہوں اگر پانی اور کھانا ولی کا ہے اور بطور اباحت (نہ بطور ہبہ) اس نے بچہ کو دے رکھا ہے تو ایسی صورت میں ولی کسی کو بھی اجازت دے سکتا ہے، کیونکہ یہ دو چیزیں اب بھی ولی کی ملکیت میں باقی ہیں یہ اس صورت سے مختلف ہے جبکہ یہ اشیاء بچہ کی ملکیت میں ہوں تو ایسی صورت میں ولی کی اجازت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ولی کی اجازت سے صغیر کے مال کو بغیر عوض ضائع کرنا لازم آئیگا اور جائز نہیں اور ذخیرہ، منیہ اور معراج الدرایہ کا مسئلہ گزر چکا ہے کہ بچہ وادی سے جو پانی لائے اس کو والدین کے لیے پینا جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ فقیر ہوں۔ (ت)

غرض مسئلہ مشکل ہے اور اس میں ضرور حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص ہے۔

وانا اقول وباللہ التوفیق پانی کہ ملک صبی ہوا نجس نہیں کہ اس کے گرنے سے اور پانی ناپاک ہوجائے حرمت اس وجہ سے ہے کہ مباح ومحظور مختلط ہوگئے ہیں یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ مباح استعمال کیا جائے اور اس میں کوئی حصہ محظور کا نہ آنے پائے تو بلا شبہہ جواز ہوگا اور ہم نے رحب الساحہ جواب سوال سوم میں بیان کیا ہے کہ مشایخ عراق کے نزدیک حوض کبیر میں نجاست غیر مرئیہ کے موقع وقوع سے وضو جائز نہیں کہ پانی ٹھہرا ہوا ہے منتقل نہ ہوگی اور مشایخ بلخ وبخارا اور ماوراء النہر کے نزدیک سب جگہ سے جائز کہ پانی بالطبع سیال ہے ہواؤں وغیرہا کی تحریک سے اُسے ایک جگہ نہ رہنے دے گا تو جہاں کہیں وضو کیا جائے وہاں نجاست ہونے کا یقین نہیں اگرچہ خاص موقع وقوع سے ہو تو پانی کہ بالیقین طاہر تھا شک سے نجس نہ ہوگا اب یہاں اگر قول عراقیاں لیا جائے جب تو خاص اُسی جگہ کا پانی ممنوع الاستعمال ہوگا جہاں نابالغ کی ملک کا پانی گرا ہے باقی اپنی اباحت پر باقی ہے لماعلمت انہ لاتعدیۃ فیہ فکان کغیر مرئیۃ فی حوض کبیر (جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس میں تجاوز نہیں تو ایسا ہے جیسا حوض کبیر میں نجاست غیر مرئیہ ہو۔ ت) اور اگر قول جمہور لیا جائے اور وہی صحیح ہے تو بوجہ احتمال انتقال اختلاط ملک صبی کا یقین کسی موضع معین میں نہیں بلکہ موضع مجہول ومبہم میں ہے اور ایسے یقین پر جب اُس شے کے بقا وزوال میں شک طاری ہو یقین زائل اور حکم اصل حاصل ہوتا ہے جیسے دائیں چلانے میں بیل ضرور پیشاب کرتے اور اناج کا ایک حصہ یقیناً ناپاک ہوتا ہے مگر متعین نہ رہا

---

[1] رد المحتار بالمعنی باب الشرب البابی مصر ۵/۳۱۲

تو بعد تقسیم یا اُس میں سے کچھ ہبہ یا صدقہ کرنے سے سب پاک ہو جائیگا کہ ہر ایک کہے گا ممکن کہ ناپاک دانے دوسرے حصے میں رہے یا گئے ہوں، یوں ہی چادر پر ناپاکی یقین ہے اور جگہ معلوم نہیں یا یاد نہ رہی اور تحری کسی طرف نہیں پڑتی کہیں سے پاک کر لی جائے پاک ہو جائے گی کہ اب اس تیقن مبہم کی بقا میں شک ہو گیا اور سب سے زائد وہ مسئلہ ہے کہ محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اتنا معلوم ہے کہ اس میں ایک ذمی ہے مگر اُسے پہچانتے نہیں اُن کفار کا قتل حرام ہے ہاں اگر اُن میں سے بعض نکل جائیں یا کوئی قتل کر دے تو اب باقیوں کا قتل جائز ہو گیا کہ وہ یقین مجہول اس شک سے زائل ہو گیا۔

وقد حققه العلامة ابراھیم الحلبی فی الغنیة فافاد واجاد علیه رحمة الجواد فراجعه فانه من اھم مایستفاد ویکفینا منه ھنا قوله تنجس طرف من الثوب فنسیه فغسل طرفا منه بتحر او بلا تحر طھر لان بغسل بعضه مع ان الاصل طھارة الثوب وقع الشك فی قیام النجاسة لاحتمال کون المغسول محلھا فلا یقضی بالنجاسة بالشك کذا اوردہ الاسبیجابی فی شرح الجامع الکبیر قال وسمعت الشیخ الامام تاج الدین احمد بن عبد العزیز یقوله ویقیسه علی مسألة فی السیر الکبیر ھی اذا فتحنا حصنا وفیھم ذمی لایعرف لایجوز قتلھم لقیام المانع بیقین فلو قتل البعض او اخرج حل قتل الباقی للشك فی قیام المحرم کذا ھنا۔[1]

اس کی تحقیق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں بہت اعلٰی اور مفید طریق پر کی ہے جس کو دیکھنا ہو وہاں ملاحظہ کرے، یہاں اس کی صرف یہ عبارت نقل کرنا کافی ہوگی" اگر کپڑے کا ایک کنارہ ناپاک ہو گیا مگر بھول گیا کہ کون سا کنارہ ہے تو تحری کر کے یا بلا تحری ایک کنارہ دھولیا تو کپڑا پاک ہو جائے گا" کیونکہ کپڑے میں اصل طہارت ہے اور جب ایک کنارہ دھولیا تو اب نجاست کے ہونے میں شک ہو گیا، کیونکہ جو حصہ دھویا گیا ہے اس میں امکان ہے کہ وہی ہو جو نجس تھا، تو شک کی بنیاد پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جائیگا، اسبیجابی نے شرح جامع کبیر میں ایسا ہی لکھا ہے، فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ تاج الدین احمد بن عبد العزیز کو فرماتے ہوئے سنا وہ اس کو سیر کبیر کے اس مسئلہ پر قیاس کرتے تھے کہ اگر ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں ایک ذمی ہے مگر معلوم نہیں کہ کون ہے، تو اس قلعہ کے لوگوں کا قتل جائز نہیں، کیونکہ یقین کرنے کا مانع موجود ہے، اور اگر بعض کو قتل کر دیا گیا یا نکال دیا گیا تو باقی کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ مُحرِّم کی موجودگی میں شک ہے۔ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی فروع من النجاستہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

جب یہ قاعدہ نفیسہ معلوم ہولیا یہاں بھی اُس کا اجرا کریں جتنا پانی اُس نابالغ نے ڈالا ہے اسی قدر یا اُس سے زائد اُس حوض یا کنوئیں سے نکال کر اُس نابالغ[1] کو دے دیں یہ دینا یقیناً جائز ہوگا کہ اگر اس میں مِلکِ صبی ہے تو صبی ہی کے پاس جاتی ہے بخلاف بہادینے یا ڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ مِلکِ صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں اب کہ اُس قدر یا زائد پانی اُس صبی کو پہنچ گیا اُس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہوگیا تو وہ یقین کہ موضع مجہول کے لیے تھا زائل ہوگیا اور حوض و چاہ کا باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا۔

ثم اقول اس پر واضح دلیل مثلیات مشترکہ[2] مثلاً گیہوں وغیرہ میں وارث کبیر کا اپنا حصہ وارث نابالغ کے حصّے سے جدا کرلینے کا جواز ہے اور اس کی یہ تقسیم جائز و مقبول رہے گی اگر نابالغ کا حصہ اُس کے لیے سلامت رہے تلف نہ ہوجائے جامع الفصولین میں فتاوٰی اور جامع الصغار میں ذخیرہ سے ہے:

کیلی او وزنی بین حاضر وغائب او بین بالغ وصبی اخذ الحاضر او البالغ نصیبه فانما تنفذ قسمته بلاخصم لوسلم نصیب الغائب والصبی حتی لو هلك مابقی قبل ان یصل الی الغائب او الصبی هلك علیهما۔[3]	کوئی مکیل یا موزون شئے حاضر و غائب کے درمیان یا بالغ اور بچّہ کے درمیان مشترک ہے تو حاضر یا بالغ نے اپنا حصّہ لے لیا اور اس کی تقسیم بلاخصم نافذ ہوجائے گی بشرطیکہ غائب اور بچہ کا حصہ باقی رہا اور اگر غائب اور بچّہ تک پہنچنے سے قبل ہی وہ حصہ ہلاک ہوگیا تو ان کا حصہ ہی ہلاک ہوگا۔ (ت)

[1] اگر کہیے مائے مباح سے جو لے گا مالک ہوگا تو یہ پانی کہ کوئی شخص کنوئیں یا مباح حوض سے بھر کر نابالغ کو دے گا اپنی مِلک دے گا اور ایک شے پر دو مِلکیں جمع نہیں ہوسکتیں تو یہ پانی مِلکِ صبی نہ تھا پھر اس کے نکلنے سے مِلکِ صبی کا نکل جانا کیونکر محتمل ہوا۔

اقول جبکہ اس پانی میں مِلکِ صبی مخلوط ہے تو اب مائے مباح نہیں مائے محظور ہے بھرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا کہ جو بھرا محتمل ہے کہ وہی مائے مملوک صبی ہو یا مائے مباح کا حصہ اول پر بھرنے والا اُس کا مالک نہیں ہوسکتا اور دوم ہے تو ہوگا اور مِلک شک و احتمال سے ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا وہ احتمال قائم رہا کہ یہ وہی پانی ہے جو مِلکِ صبی تھا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[2] اقول بلکہ اگر خود نابالغ نے دوبارہ اُتنا یا اُس سے زائد پانی اُس میں سے بھر لیا تو اب بھی رفع مانع ہوجانا چاہیے کہ اگرچہ نابالغ کے لیے پانی ممنوع نہیں جیسا کہ تنبیہ پنجم میں گزرا اور وہ جو دوبارہ بھرے گا ضرور اس کا مالک ہوگا مگر یہ اُس احتمال کا مانع نہیں کہ اس بار وہی پانی آیا جو اس نے پہلے ڈال دیا تھا اور یہی احتمال رفع منع کو بس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[3] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۰

ظاہر ہے کہ یہاں بھی ملک صبی ایسی ہی مختلط تھی کہ جُدا کرنا ممکن نہ تھا اور بالغ کو اس میں تصرف ناروا تھا بقدر حصۂ صبی اُس میں سے الگ کردینا حصۂ صبی کا جدا ہوجانا اور بالغ کے لیے جواز تصرف کا سبب ہوا۔

أقول ولاشك ان الماء مثلی بمعنی ان اجزاءه لاتتفاوت وبه جزم کثیرون کما فی الخیریة من احیاء الموات فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لوصب ماء رجل کان فی الحب یقال له املأ الماء فان صاحب الحب مالك للماء وھو من ذوات الامثال فیضمن مثله[1] اھ وان کان قیمیا لانه لایکال ولایوزن کما فی الخیریة من البیوع عن جامع الفصولین عن فوائد صاحب المحیط وفتاوی رشید الدین الماء قیمی عند ابی حنیفة وابی یوسف رضی الله تعالی عنهما وفیه عن مختلفات القاضی ابی القاسم العامری عن ابی یوسف عن ابی حنیفة الماء لایکال ولایوزن قال الطحاوی معناه لایباع بعضه ببعض وعن محمد رحمه الله تعالی الماء مکیل[2] اھ وبالجملة لاشك انه یقبل الافراز کالحب بل ابلغ فربما تتفاوت قبلیات طعام واحد بخلاف قطرات ماء واحد۔

اقول اور اس میں شک نہیں کہ پانی مثلی ہے یعنی اس لیے کہ اُس کے اجزاء میں تفاوت نہیں، اور بہت سے مشائخ نے اسی پر جزم کیا ہے، جیسا کہ خیریہ (احیاء الموات) میں اور ولوالجیہ میں ہے اور بہت سی کتب میں ہے، اگر کسی شخص نے مٹکے کا پانی گرادیا تو اس سے کہا جائے گا کہ مٹکا بھرے کیونکہ مٹکے کا مالک پانی کا بھی مالک تھا، اور پانی مثلی اشیاء میں سے ہے تو وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا اھ اگرچہ وُہ قیمت والی چیز ہے اس لیے کہ وہ نہ مکیل ہے اور نہ موزون ہے جیسا کہ خیریہ کی بیوع میں جامع الفصولین سے فوائد صاحب المحیط سے اور فتاوٰی رشید الدین میں ہے کہ پانی ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک قیمت والی چیز ہے اور اس میں مختلفات ابی القاسم العامری سے ابویوسف سے ابوحنیفہ سے ہے کہ پانی نہ کیلی ہے نہ وزنی ہے۔ طحاوی نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ پانی کا بعض، بعض سے بیچا نہیں جاتا ہے اور محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پانی کیلی ہے اھ خلاصہ یہ کہ پانی کو الگ کیا جاسکتا ہے جیسے مٹکے میں، بلکہ زیادہ ہے کیونکہ بسا اوقات کھانے کی ایک ہی چیز کے دانوں میں فرق ہوتا ہے لیکن پانی کے قطرات میں نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی الشرب بیروت ۲/۱۸۶

[2] " " کتاب البیوع " ۱/۲۲۸

ثم اقول یہ طریقہ اثم سے بچنے کو ہے اور اگر بغیر اس کے کوئی شخص نادانستہ یا دیدہ ودانستہ براہِ جہالت خواہ بے پرواہی احکام شریعت اُس میں سے اُتنا پانی یا اُس سے زائد بھر لے گیا تو اگرچہ وہ گنہگار رہو باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا کہ اُتنا نکل جانے سے حوض وچاہ میں اُس کی بقا پر یقین نہ رہا کما قال محمد لا یجوز قتلهم فلو قتل البعض حل قتل الباقی (جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں ان کا قتل جائز نہیں اگر بعض قتل ہو جائیں تو باقی کا قتل جائز ہوگا۔ ت)

تنبیہ اقول یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جریان نہ ضرور نہ کافی اگر صبی کا پانی اتنا قلیل تھا کہ چھلکنے میں نکل سکتا ہے تو جریان کی حاجت نہیں۔ اور اگر اتنا کثیر تھا کہ جتنے خروج پر جریان صادق آتا ہے اس میں نہ نکلے گا تو یہ جریان کافی نہیں جب تک اُس قدر نکل نہ جائے۔

اقول وبه فارق النجاسة لان زوال وصفها وحصول ضدها بالجریان لمعنی فیه وهو انه لا یقبل النجاسة بحکم النص وما قام به طهر بعضه بعضا ولا یلزم منه حل الانتفاع بملك الصبی فلابد من خروج قدر المصبوب، هذا ما ظهر لی وقد انکشفت به الغمة علی احسن وجه مطلوب، والحمد لله سبحٰنه کاشف الکروب، والصلٰوة والسلام علی اکرم محبوب، وعلی اٰله وصحبه هداة القلوب، اٰمین۔

میں کہتا ہوں اور اسی وجہ سے نجاست سے جُدا ہوگیا، کیونکہ نجاست کے وصف کا زائل ہونا اور جاری ہونے کی وجہ سے اسکی ضد کا حاصل ہونا ایک معنی سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ وصف یعنی جریان نجاست کو قبول نہیں کرتا ہے، کیونکہ نص میں یہی ہے، اور جو اس کے ساتھ قائم ہے اس کے بعض نے بعض کو پاک کر دیا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بچہ کی ملک سے نفع حاصل کرنا جائز ہو، تو جتنا بہا ہے اُس کی مقدار میں نکلنا ضروری ہے، یہ بحث وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی، اور اس سے عمدہ طور پر پریشانیاں دُور ہوگئیں۔ اللہ تعالٰی کیلئے حمد ہے جو مصیبتوں کو دُور کرنے والا ہے اور اس کے محبوب ترین پر اور اس کی آل وصحابہ پر صلوٰۃ وسلام۔ آمین (ت)

الحمدللہ نمبر ۳۲ سے یہاں تک نابالغ کے پانی کا بیان جس تفصیل وتحقیق سے ہوا کتابوں میں اُس پر چند سطروں سے زائد نہ ملے گا۔ ممکن ہے کہ اسے رسالہ مستقلہ کیجیے اور عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی نام رکھیے، وللہ الحمد۔ رسالہ ضمنیہ عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی تمام ہوا۔

(۶۶) جس پانی میں ماءِ مستعمل کے واضح قطرے گرے خصوصاً جبکہ اس کی دھار پہنچی جب تک مطہر پانی سے کم رہے ہاں بوجہ خلاف بچنا مناسب تر ہے جبکہ وہ چھینٹیں وضو وغسل کرتے میں نہ پڑی ہوں۔

وذلك انه روی الافساد مطلقا وان قل الاما ترشش فی الاناء عند التطهر فهو عفو

یہ اس لئے کہ مستعمل پانی کے بارے میں ایک روایت ہے کہ مستعمل مطلقاً خواہ قلیل ہو، پانی کو فاسد کر دیتا ہے

۱؎ غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

دفعا للحرج ولا عبرۃ لمن اطلق وقد نص فی
البدائع انه فاسد[1] وروی الافساد بالکثیر
ثم الکثرۃ باستبانۃ مواقع القطر فی الماء
الطهور ام ان یسیل فیه سیلانا قولان ففی
الجامع الصغیر للامام قاضی خان انتضاح
الغسالۃ فی الماء اذا قل لایفسد الماء
یروی ذلک عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی
عنهما ولان فیه ضرورۃ فیعفی القلیل و
تکلموا فی القلیل عن محمد ما کان مثل رؤس
الابر فهو قلیل وعن الکرخی ان کان یستبین
مواقع القطر فی الماء فکثیر وان کان لایستبین
کالطل فقلیل[2] اھ نقله فی زهر الروض و
فی الخلاصۃ جنب اغتسل فانتضح من غسله
شیئ فی انائه لم یفسد علیه الماء اما اذا
کان یسیل فیه سیلانا افسده وکذا حوض
الحمام علی هذا وعلی قول محمد لایفسده
مالم یغلب علیه یعنی لایخرجه من الطهوریۃ[3]
اھ ثم علله بعضهم بان الماء مفروض راکدا
قلیلا فلا ینتقل الماء المستعمل الواقع
فیه من موقعه الیه اشار فی وجیز الکردری
اذ یقول التوضی من سردابه لایجوز لانه

مگر طہارت کے وقت جو چھینٹے پانی والے برتن میں پڑیں تو
وُہ معاف ہیں تاکہ حرج لازم نہ آئے، ان چھینٹوں کے
بارے میں اطلاق کا اعتبار نہیں ہوگا حالانکہ بدائع میں
اس کو فاسد کہا ہے اور ایک روایت میں کثیر کو فاسد
کرنے والا کہا گیا، پھر کثیر کی تعریف میں دو قول ہیں،
یا تو پاک پانی میں وہ نمایاں طور پر معلوم ہو یا مستعمل
پاک پانی میں بہہ کر داخل ہو، پھر امام قاضی خان کی شرح
جامع صغیر میں ہے کہ دھوون اگر کم مقدار میں پانی میں گرا تو
پانی کو فاسد نہیں کرے گا یہی حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نیز ضرورت کی بنا پر
قلیل معاف ہوگا۔ اب انہوں نے قلیل کے بارے
میں بحث کی ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ اگر مستعمل
پانی کے چھینٹے سوئی کے سوراخ کے برابر ہوں تو قلیل ہے
اور امام کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر پانی میں گرنے کی جگہ نمایاں
معلوم ہو تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے جیسے شبنم کے قطرے، اس مضمون
کو زہر الروض میں نقل کیا ہے، اور خلاصہ میں ہے کہ
اگر جنبی شخص سے غسل کرتے وقت اپنے برتن میں چھینٹے
پڑ گئے تو اس سے پانی نجس نہ ہوگا۔ اگر غسالہ بہہ کر برتن
میں پڑا تو پھر برتن کا پانی ناپاک ہو جائیگا۔ حمام کے
حوض کا بھی یہ حکم ہے۔ اور امام محمد کے قول کے مطابق اس
صورت میں ناپاک نہ ہوگا تاوقتیکہ مغلوب نہ ہو جائے

---

[1] بدائع الصنائع طہارۃ حقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸
[2] جامع صغیر لقاضی خان
[3] خلاصۃ الفتاوٰی مع الہندیۃ الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

ینکر الاستعمال اھ[1] یعنی اس کو طہوریت سے نہیں نکالے گا اھ پھر بعض نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو پانی فرض کیا گیا ہے وہ ٹھہرا ہوا قلیل ہے تو مستعمل پانی جو اس میں گرا ہے اپنے گرنے کی جگہ سے اس کی طرف منتقل نہ ہو گا ۔ امام کردری کی وجیز میں اسی صورت کی طرف اشارہ کیا ہے، جب انھوں نے یہ کہا کہ چھوٹے حوض میں وضوء کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ پانی دوبارہ استعمال میں آتا ہے اھ (ت)

اقول ویلزمھم التجویز اذا حرك الماء عند کل غرفة او اغترف کل مرة من غیر موقع الغسالة و آخرون بان الماء المستعمل من جنس المطلق فلا یستھلك فیه فیؤثر فی کله نقلته بخلاف اللبن او بول الشاة علی قول محمد بطھارته ھکذا اختلفوا والصحیح المعتمد فی المذھب الاعتبار بالغلبة فلا یخرج عن الطھوریة مادام اکثر من المستعمل ھو الذی اعتمدہ الائمة وصححه الائمة۔

میں کہتا ہوں انکو یہ قول کرنا لازم ہوگا کہ اگر ہر چُلو پر پانی کو حرکت دے یا ہر دفعہ غسالہ کی بجائے دوسری جگہ سے چُلو لے تو وضو جائز ہونا چاہئے۔ بعض نے کہا کہ مستعمل پانی مطلق پانی کا ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس میں فنا نہیں ہوگا اور اس کے کل میں اثر کرے گا کیونکہ وہ کم ہے بخلاف دودھ یا بکری کے پیشاب کے بقول امام محمد، کیونکہ وہ اس کی طہارت کے قائل ہیں اس طرح مستعمل پانی کے بارے میں یہ اختلاف ہے لیکن صحیح اور مذہب قابلِ اعتماد یہ ہے کہ اس میں غلبہ کا اعتبار ہے لہذا جب تک مطلق پانی غالب اور زیادہ ہے تو مستعمل پانی کے ملنے سے ناپاک نہ ہوگا اور قابلِ طہارت رہے گا، یہی اُمت کا معمول اور ائمہ کرام کا صحیح کردہ مسلک ہے ۔ (ت)

یہ ۶۶ وُہ پانی تھے جن میں شئ غیر کا اصلاً خلط نہ تھا یا تھا تو آب غیر کا نہ غیر آب کا ۔ اب وہ پانی ہیں جن میں غیر آب کا خلط ہے ۔

(۶۷ و ۶۸) وہ پانی جس میں آبِ دہن یا آبِ بینی یعنی تھوک یا کھنکار یا ناک کی ریزش پڑجائے اس سے وضو جائز مگر مکروہ ہے ۔ فتاوٰی امام قاضی میں ہے :

الماء اذا اختلط بالمخاط او بالبزاق جاز به التوضؤ و یکرہ[2]۔

اگر پانی میں تھوک یا ناک کا پانی گرے تو اس سے وضو جائز ہے مگر مکروہ ہے ۔ (ت)

(۶۹) وُہ پانی جس میں مٹی، ریتا، کیچڑ کسی قدر مل جائے جب تک اس کی روانی باقی ہو اعضا پر پانی کی

---

[1] فتاوٰی بزازیہ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لایجوز به التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

طرح ہے۔

(۷۰) یونہیں اہلے کا پانی اگرچہ کتنا ہی گدلا ہو اگرچہ رنگ کے ساتھ مزہ بھی بدلا ہو اگر ریتے مٹی کے سوا کچھ بھی بہا کر لایا ہو جب تک نجاست سے رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے۔

(۷۱) یونہیں وہ ندیاں جو برسات میں گدلی ہوجاتی ہیں۔ امام ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

لو تغیر الماء المطلق بالطین او بالتراب یجوز التوضؤ بہ[1]۔

اگر مطلق پانی کیچڑ یا مٹی سے تبدیل ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

لاباس بالوضوء بماء السیل مختلطا بالطین ان کانت رقۃ الماء غالبۃ فان کان الطین غالبا فلا[2]۔

سیلاب کا پانی جس میں کیچڑ کی آمیزش ہو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں پانی کی رقت غالب ہو اور اگر کیچڑ غالب ہو تو جائز نہیں۔ (ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

خصہ بالذکر لانہ یاتی بغثاء واشجار و اوراق[3]۔

بطورِ خاص اس کو ذکر کیا کیونکہ سیلاب کے پانی میں میل کچیل، درخت اور پتّے وغیرہ بھی بہہ کر آتے ہیں (ت)

وجیز کردری میں ہے:

ماء السیل لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز التوضی بہ[4]۔

سیلاب کا پانی اگر اتنا رقیق ہو کہ اعضاء پر بہتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

منیہ میں ہے:

یجوز الطہارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر فغیر احد اوصافہ کماء المد والماء الذی اختلط بہ الزعفران بشرط ان

اس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی

---

[1] بدائع الصنائع | الماء المقید | سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۵

[2] فتح القدیر | باب الماء الذی یجوز الخ | سکھر | ۱/۶۵

[3] جوہرۃ نیرۃ | کتاب الطہارۃ | امدادیہ ملتان | ۱/۱۴

[4] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ | نوع المستعمل الخ | پشاور | ۴/۱۰

يكون الغلبة للماء من حيث الاجزاء ولم يزل عنه اسم الماء وان يكون رقيقا بعد فحكمه حكم الماء المطلق[1]

جس میں زعفران مل گئی ہو، بشرطیکہ اجزا کے اعتبار سے غلبہ پانی کو ہی ہو اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا ہو اور یہ کہ رقیق ہو، تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

المد السيل وانما خصه بالذكر لانه يجئ بغثاء ونحوه الا ان قوله غير احد اوصافه و قد سبقه الى هذه العبارة القدوری فی مختصرہ يفيد ان الجواز مقيد بما اذا غير وصفا واحدا لا غير وحينئذ لا يحتاج الى ان يقول بشرط ان يكون الغلبة للماء من حيث الاجزاء ولم يزل عنه اسم الماء وان يكون رقيقا بعد مع ان قوله بشرط ان تكون الغلبة للماء من حيث الاجزاء مغن عن الثاني كما هو ظاهر لان المخالط المذكور اذا لم يغير سوى وصف واحد لا يكون بحيث يغلب الماء من حيث الاجزاء ليقع الاحتراز عنه ويجعل شرطا اھ[2]

" المد" سیلاب کو کہتے ہیں اور اس کو بطور خاص ذکر کرنا اس لیے ہے کیونکہ سیلاب کا پانی کوڑا کرکٹ بھی ساتھ لاتا ہے مگر یہ کہ ان کا قول " اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدل دیا" اور ان سے پہلے قدوری بھی اپنی مختصر میں یہ عبارت لا چکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے جواز اس صورت سے مقید ہے کہ جب صرف ایک وصف بدل جائے اس وقت یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "شرط یہ ہے کہ غلبہ پانی کو ہو اجزاء کے اعتبار سے" اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہو، اور یہ کہ رقیق ہو، باوجودیکہ ان کا قول بشرطیکہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو ہو، یہ دوسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، اس لیے کہ ملنے والی مذکورہ شے پانی کا اگر صرف ایک ہی وصف بدلے تو وہ پانی کے اجزاء پر غالب نہ ہوگی تاکہ اس سے احتراز ہو اور اس کو شرط کیا جائے اھ۔ (ت)

اقول اولا سياق الكلام ان شاء الله تعالى على مقتضى التعبير باحد وحسبك ان الزعفران يغير اوصاف الماء الثلثة وكذا السيل ربما يتغير له وصفان

میں کہتا ہوں اولاً 'احد' سے تعبیر کرنے پر کلام آگے آئیگا، اور پھر یہ دلیل کافی ہے کہ زعفران جو پانی کے تینوں اوصاف تبدیل کر دیتی ہے، اور اسی طرح سیلاب کہ اس سے کبھی دو وصف بدل جاتے ہیں

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ، لاہور ص ٦٣

[2] حلیہ

35
35

بل الکل وثانیا الماء قد یخالطہ شیئ لایخالفہ الا فی وصف واحد فلا یغیر الا ایاہ وان زاد علی الماء اجزاء والوضوء بہ باطل وفاقا فلیس فی التعبیر باحدغنی عن شرط غلبۃ الماء من حیث الاجزاء کما ذھب الیہ وھلہ رحمہ اللہ تعالٰی وثالثا قد لایغلب الشیئ علی الماء اجزاء ویزیل اسمہ عنہ کما یأتی فی الزعفران والزاج والعفص والنبیذ فلا یغنی الشرط الاول عن الثانی ورابعا لایخفی ان الثانی مغن عن الثالث لان بزوال الرقۃ لایسمی ماء قال فی الفتح ما خالط جامدا فسلب رقتہ لیس بماء مقید بل لیس بماء اصلا کما یشیر الیہ قول المصنف فی المختلط بالاشنان الا ان یغلب فیصیر کالسّویق لزوال اسم الماء عنہ اھ فالعجب تعرضہ بحکم الاغناء حیث لم یکن وترکہ حیث کان ثم راجعت الغنیۃ فرأیتہ عکس فاصاب وافاد ان الثالث تفسیر قال و اشتراط عدم زوال اسم الماء یغنی عن اشتراط الرقۃ فان الغلیظ قد زال عنہ اسم الماء بل زوال الرقۃ یصلح ان یکون تفسیرا لزوال اسم الماء۲ۃ

اور کبھی تمام اوصاف بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔

دوم: پانی میں کبھی ایسی چیز مل جاتی ہے جو صرف ایک وصف میں اُس کے مخالف ہوتی ہے اور اسی ایک وصف کو بدلتی ہے خواہ اجزاء کے اعتبار سے وُہ پانی سے زائد ہی ہو، ایسے پانی سے بالاتفاق وضو باطل ہے، لہذا "ایک وصف بدلنے" کا ذکر اس قید سے بے نیاز نہیں کرتا ہے کہ پانی کا اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہو، جیسا کہ وھلہ رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا۔

سوم: بعض چیزیں اجزاء کے اعتبار سے پانی پر غالب نہیں آتیں اور اس سے پانی کا نام سلب ہوجاتا ہے جیسے زعفران، پھٹکڑی، مازو اور نبیذ میں ہوتا ہے تو پہلی شرط دوسری سے بے نیاز نہیں کرے گی۔

چہارم: مخفی نہ رہے کہ دوسرا تیسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے کیونکہ جب رقت زائل ہوگئی تو اب اس کو پانی نہیں کہا جائیگا، فتح میں فرمایا پانی کسی جامد سے ملا اور اس کی رقت ختم ہوگئی تو یہ مقید پانی نہیں بلکہ سرے سے پانی ہی نہیں جیسے کہ مصنف نے مختلط بالاشنان میں اشارہ کیا ہے، مگر یہ کہ اتنا غالب ہوجائے کہ ستوؤں کی شکل بن جائے کہ اب اس پر پانی کا نام

۱؎ فتح القدیر   الماء الذی یجوز بہ الوضوء   سکھر   ۶۵/۱

۲؎ غنیۃ المستملی   المیاہ   سہیل اکیڈمی، لاہور   ص ۹۰

نہیں بولا جائے گا اھ تو تعجب اس پر ہے کہ جہاں اغناء نہ تھا وہاں وہ اغناء کا ذکر کر رہے ہیں اور جہاں تھا وہاں چھوڑ دیا ہے، پھر آپ نے خود غنیہ کو دیکھا تو وہاں اُلٹ نکلا، تو انہوں نے مفید اور درست بات کہی کیونکہ وہ فرماتے ہیں تغییر التفسیر ہے، اور پانی کا نام زائل نہ ہونے کی شرط رقت کی شرط لگانے سے بے نیاز کرتی ہے، کیونکہ گاڑھے سے پانی کا نام ختم ہوگیا، بلکہ زوالِ رقت میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پانی کے نام کے زوال کی تفسیر بن سکے۔ (ت)

(۷۲) وہ پانی کہ کاہی کی کثرت سے جس کی بُو وغیرہ میں تغیر آگیا، جوہرۂ نیرہ میں ہے:

لو تغیر الماء بالطحلب کان حکمہ حکم الماء المطلق[1]	اگر پانی کاہی (پانی میں سبز دھاریاں ہوتی ہیں) سے متغیر ہوجائے تو اس کے لیے مطلق پانی کا حکم ہے (ت)

(۷۳) کچی کنیاں کا پانی جس میں بھرا رہ کر بدبو آجاتی بلکہ رنگ و مزہ سب متغیر ہوجاتا ہے۔

(۷۴) وہ تالاب جس میں سن گلائی گئی اور اس کے سبب اس کے تینوں وصف بدل گئے۔ فتاوٰی شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

سئل عن الوضوء والاغتسال بماء تغیر لونہ و طعمہ وریحہ بحبل المعلق علیہ لاخراج الماء منہ فھل یجوز ام لا اجاب یجوز عند جمھور اصحابنا[2] اھ ملتقطا۔	اُن سے اُس پانی سے وضو اور غسل کی بابت دریافت کیا گیا کہ جس کا رنگ، مزا اور خوشبو اُس رسّی کے باعث بدل گئے جس پر کہ اُس رسّی کو لٹکایا گیا تھا، تاکہ اُس سے پانی نکالا جائے، تو کیا جائز ہے یا نہیں؟

تو جواب دیا کہ ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک جائز ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

(۷۵) کُونڈے میں آٹے کا لگاؤ ہو اُس میں پانی رکھنے سے مزے وغیرہ میں تغیر آجاتا ہے اس پانی سے وضو روا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

قد اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم یوم الفتح من قصعۃ فیھا اثر العجین رواہ النسائی والماء بذلک یتغیر ولم یعتبر للمغلوبیۃ[3]	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایسے پیالے میں وضو فرمایا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا اس کو نسائی نے روایت کیا، اس سے پانی میں تغیر آتا ہے اور مغلوبیت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہ فرمایا۔ (ت)

---

[1] جوہرۃ نیرۃ طہارت امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[2] فتاوی غزی تمرتاشی

[3] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/۶۴

(۷۶) حوض کے کنارے درخت ہیں موسمِ خزاں میں پتّے کثرت سے گرے کہ حوض کا پانی دیکھنے میں سبز معلوم ہوتا ہے مگر ہاتھ میں لینے سے صاف نظر آتا ہے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

(۷۷) پتّے اتنے گرے کہ واقعی پانی سبز ہوگیا چلّو میں بھی سبز معلوم ہوتا ہے صحیح مذہب میں اب بھی قابلِ وضو ہے جب تک گاڑھا ہو کر اپنی رقت سے نہ اُتر جائے۔

اقول ہاں مگر اس حالت میں اُس سے احتراز بہتر ہے کہ ایک جماعتِ علما اُس سے وضو صحیح نہ ہونے کی قائل ہے۔ امام صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں فرمایا:

اما الماء الذی تغیر بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی اذا رفع فی الکف یظھر فیہ لون الاوراق فلا یجوز بہ الوضوء لانہ کماء الباقلی[1]

وہ پانی جو پتّوں کے زیادہ گرنے کی وجہ سے بدل گیا، اتنا کہ ہاتھ میں اٹھایا جائے تو پتّوں کا رنگ آئے تو اُس سے وضو جائز نہیں جیسے کہ باقلی (لوبیا) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

فتاوٰی غزی میں ہے:

وبعضھم ذھب الی عدم الجواز بالماء الذی غیرتہ کثرۃ الاوراق بحیث یظھر لونھا فی کف عند رفعہ کما جزم بہ فی الکنز وغیرہ اھ[2]

اور بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ اُس پانی سے وضو جائز نہیں جس کو پتّوں کی کثرت نے بدل دیا ہو تو ہاتھ میں اٹھانے سے اس میں پتّوں کا رنگ نظر آتا ہو، جیسے کنز وغیرہ میں اس پر جزم کیا ہے اھ (ت)

اقول انما نص الکنز لا بما تغیر بکثرۃ الاوراق اھ[3] ولیس فیہ ذکر ظھور اللون بالرفع فی الکف وانما ضمیر تغیر للماء والماء عبارۃ عن العین وتغیر عینہ بذھاب رقتہ لاجرم ان قال فی البحر محمول علی ما اذا زال عنہ اسم الماء بان

میں کہتا ہوں کنز کا نص تو یہ ہے کہ نہ اُس پانی سے جو پتّوں کی کثرت سے متغیر ہوگیا ہو اھ اور اس میں یہ ذکر نہیں کہ ہاتھ میں اٹھانے سے پتوں کا رنگ اس میں ظاہر ہوتا ہو، اور تغیر کی ضمیر پانی کی طرف لوٹتی ہے، اور پانی ایک عین ہے اور اُس کے عین کا تغیر اس وقت ہوگا جب اس کی رقت

---

[1] شرح وقایۃ — مایجوز بہ الوضوء — المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی — ۱/۸۶
[2] فتاوٰی غزی
[3] کنز الدقائق — میاہ الوضوء — سعید کمپنی کراچی — ص ۱۱

صار ثخینا[1] ورحم اللہ العلامۃ الحلبی اذ اوضح المرام وازاح الاوھام بقولہ فی متنہ الملتقی لابماء خرج عن طبعہ بکثرۃ الاوراق اھ[2] قال فی مجمع الانھر طبعہ ھو الرقۃ والسیلان[3] اھ

ختم ہوجائے، اس لیے بحر میں فرمایا یہ اس پر محمول ہے جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہوگیا ہو، مثلاً یہ کہ وہ گاڑھا ہوگیا اھ اللہ تعالٰی حلبی پر رحم فرمائے کہ انھوں نے شبہات کو دُور فرماکر وضاحت مقصود کردی، وہ ملتقی کے متن میں فرماتے ہیں "نہ اس پانی سے جو پتوں کی کثرت کی وجہ سے پانی کی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو" اھ مجمع الانھر میں فرمایا پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے اھ۔ (ت)

اقول ولم یکن بعدہ محل لان یعللہ بتغیر اوصافہ جمیعا ویقول وان جوزہ الاساتذۃ امامانقل عن الفرائد عن اخی چلپی انہ لایمکن الحمل الاعلی اختلاف الروایتین ثم قال لکن یمکن الحمل علی ما بینا اھ[4]

میں کہتا ہوں اس کے بعد اس کا موقع نہ تھا کہ اس کی علت یہ بیان کریں کہ اس کے تمام اوصاف بدل جائیں اور یہ فرمائیں کہ "اگرچہ اس کو اساتذہ نے جائز قرار دیا ہے" اور اخی چلپی سے فرائد سے جو منقول ہے کہ "اس کو صرف اختلاف روایتین پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے" پھر فرمایا اس کا حمل اس پر ممکن ہے جس کو انھوں نے ابھی بیان کیا ہے اھ (ت)

فاقول اولاً مابین صریح منطوق المتن فتعبیرہ بالحمل ثم تضعیفہ بیمکن لامحل لھما **وثانیا** لامحل لھذا الحمل فی کلام صدر الشریعۃ وما یأتی من کلام المیدانی فلا محید عن الاختلاف ومن المسامحۃ تعبیرہ باختلاف الروایتین فان قول المشائخ لایقال لہ روایۃ۔

میں کہتا ہوں اوّلاً جو انھوں نے بیان کیا ہے وہ متن کی صریح عبارت ہے تو اس کو حمل سے تعبیر کرنا پھر اس کی تضعیف یمکن کے لفظ سے، ان دونوں باتوں کا یہ محل نہیں۔

دوم، اس حمل کا صدر الشریعۃ کے کلام میں کوئی محل نہیں، اور اسی طرح میدانی کے کلام میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں، تو اختلاف سے تو کوئی مفر نہیں، اور اس کو اختلاف روایتین سے تعبیر کرنا اس میں مسامحت ہے کہ قولِ مشائخ کو روایت نہیں کہا جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق   میاہ الوضوء   سعید کمپنی کراچی   ۱/۶۸

[2] الملتقی الابحر شرح مجمع الانہر   الطہارۃ بالماء المطلق   عامرہ مصر   ۱/۲۸

[3] ایضاً

[4] عقد الفرائد

منیہ میں ہے:

اذا تغیر لون الماء او ریحہ او طعمہ بطول المکث اوبسقوط الاوراق تجوز بہ الطھارۃ الا اذا غلب لون الاوراق فیصیر مقیدا۔[1]

جب پانی کا رنگ، بُو یا مزہ تبدیل ہوجائے زیادہ ٹھہرا رہنے کی وجہ سے، یا اس میں پتوں کے گرنے کی وجہ سے، تو اس سے طہارت جائز ہے ہاں اگر پتّوں کا رنگ غالب ہوگیا تو اب یہ پانی مقید ہوگیا۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

اخذہ مما فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری سئل الفقیہ احمد بن ابراھیم المیدانی عن الماء الذی تغیر لونہ لکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی یظھر لون الاوراق فی الکف اذا رفع الماء منہ ھل یجوز التوضی بہ قال لا ولکن یجوز شربہ وغسل الاشیاء بہ اما شربہ وغسل الاشیاء فلانہ طاھر واما عدم جواز التوضی بہ فلانہ لما غلب علیہ لون الاوراق صار مقیدا کماء الباقلاء وغیرہ لکن نص فی تحفۃ الفقہاء علی انہ عند الضرورۃ یجوز التوضی بماء تغیر بامتزاج غیرہ من حیث اللون والطعم بان وقع الاوراق والثمار فی الحیاض حتی تغیر لانہ تتعذر صیانۃ الحیاض عنھا۔[2]

اس کو ذخیرہ اور فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ سے لیا ہے، فقیہ احمد بن ابراہیم المیدانی سے اُس پانی کی بابت دریافت کیا گیا جس کا رنگ پتّوں کی کثرت کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو یہاں تک کہ جب پانی کو ہاتھ میں اٹھایا جائے تو اس میں پتّوں کا رنگ ظاہر ہوتا ہو، آیا اس پانی سے وضو جائز ہے؟ تو فرمایا "نہیں" لیکن اس کو پی سکتے ہیں اور اس سے دوسری اشیا کو دھو سکتے ہیں، اس کا پینا اور دوسری اشیا کا دھونا اس لئے جائز ہے کہ یہ پانی پاک ہے اور وضو اس لیے جائز نہیں کہ اس پر پتّوں کا رنگ غالب ہوچکا ہے اور یہ مقید پانی ہوگیا ہے جیسے باقلی (لوبیا) وغیرہ کا پانی۔ مگر تحفۃ الفقہاء میں صراحت ہے کہ ایسے پانی سے جس میں کسی چیز کے مل جانے کی وجہ سے رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو ضرورت کے وقت وضو جائز ہے جیسے حوضوں میں پھل اور پتّے گرتے رہتے ہیں اور پانی متغیر ہوجاتا ہے کہ ان چیزوں سے حوضوں کا بچانا متعذر ہے اھ (ت)

اقول فاذن یکون ھذا قولا ثالثا

میں کہتا ہوں اس صورت میں یہ تیسرا قول

---

[1] منیۃ المصلی مکتبہ قادریہ لاہور ص ۶۴

[2] حلیہ

انہ انما یجوز الوضوء بہ عند الضرورۃ و الا لا وتبعہ فی مجمع الانھر ولیس ھکذا وانما نص البدائع شرح التحفۃ وھو عین نصھا و لو تغیر الماء المطلق بالطین او بالتراب او بالجص او بالنورۃ او بوقوع الاوراق او الثمار فیہ اوبطول المکث یجوز التوضؤ بہ لانہ لم یزل عنہ اسم الماء وبقی معناہ ایضا مع ما فیہ من الضرورۃ الظاھرۃ لتعذر صون الماء عن ذلک اھ[1] فلم یقیدہ بالضرورۃ ولم یقصر وجھہ علیھا بل عللہ بانہ ماء مطلق باق علی اطلاقہ وایدہ بانہ ساقط الحکم للضرورۃ وفرق بین بین بناء الحکم علی الضرورۃ بحیث یتقید بھا وبین اسقاط حکم ما اسا لضرورۃ لازمۃ وھذا من ذلک الاتری انہ نظمہ مع المخلوط بالتراب ونحوہ فی سلک واحد وھل یسوغ لاحد ان یقول انما یجوز الوضوء بماء کدر اذا لم یجد غیرہ والا لم یصح ثم لا نظیر لھذا فی المذھب ان یجوز الوضوء بماء عند الضرورۃ لا فی السعۃ اما نبیذ التمر فانما الحکم فیہ علی خلاف المعتمد المفتی بہ لاجل ورود النص فعدل بہ عن سنن القیاس عند عدم الماء المطلق کما نصوا علیہ و

ہوگا یعنی یہ کہ بوقتِ ضرورت اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں، اور مجمع الانہر میں اس کی متابعت کی، اور بات ایسی نہیں ہے اور بدائع شرح تحفہ کا نص بعینہٖ یہی ہے اور وُہ یہ ہے کہ "اگر مطلق پانی کیچڑ، مٹی، گچ یا نورہ سے بدل گیا یا اس میں پتّے اور پھل گرے اور بدل گیا یا زیادہ عرصہ تک کھڑا رہنے کی وجہ سے بدل گیا تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل نہیں ہوا، اور اس کے معنی بھی باقی ہیں، اور بظاہر اس میں ضرورت بھی ہے کیونکہ پانی کو ان اشیاء سے بچانا متعذر ہے اھ تو اس کو ضرورت سے مقید نہیں کیا اور اس کی وجہ اس پر مقصور نہ کی بلکہ اس کی تعلیل اس طرح کی کہ وہ مطلق پانی ہے اور اپنے اطلاق پر باقی ہے اور اس کی تائید میں فرمایا کہ اس کا حکم بوجہ ضرورت ساقط ہوگیا، اور اس میں کہ حکم ضرورت کی وجہ سے لگایا جائے اور وہ ضرورت سے متقید ہوجائے اور اس میں کہ حکم ضرورت لازمہ کی وجہ سے بالکل ساقط کیا جائے، بڑا فرق ہے، اور یہ اُسی قبیل سے ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے اس کو مخلوط بالتراب اور اس کی مثل کے ساتھ ملایا ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے، اور کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ گدلے پانی کے ساتھ وضو جائز ہے بشرطیکہ دُوسرا موجود نہ ہو ورنہ نہیں، پھر اس پر مذاہب میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں کہ

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

سیاتی ولامساغ لھذا ھھنا وباللہ التوفیق ثم اورد علیہ فی الحلیۃ نفسھا بما حاصلہ ان لا معنی للتفرقۃ بین السعۃ و الضرورۃ فان الشرع لم ینقل المکلف عن الماء المطلق عند عدم القدرۃ علیہ الی الماء المقید فی حالۃ دون حالۃ بل نقلہ عند العجز عنہ الی التیمم فی سائر الحالات اعنی سواء کان یجد مع ذلک الماء المقید اولم یجدہ ایضا فان کان ھذا ماء مطلقا جاز الوضوء مطلقا و الالم یجز مطلقا[1] اھ بمحصلہ **اقول** ھذا ایراد علی ما فھمہ رحمہ اللہ تعالٰی من کلام التحفۃ لا علیہ کما علمت وللہ الحمد۔

کسی پانی سے ضرورت کے وقت تو وضو جائز ہو اور بلاضرورت جائز نہ ہو، اور جہاں تک نبیذ تمر کا معاملہ ہے سو اس میں جو حکم ہے وہ معتمد مفتی بہ کے خلاف ہے، کیونکہ نص وارد ہے لہٰذا وہاں قیاس سے عدول کیا گیا ہے جبکہ مطلق پانی نہ ہو، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہ عنقریب آئے گا، اور یہ چیز یہاں نہیں چل سکتی ہے، پھر انھوں نے خود حلیہ میں اعتراض کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ گنجائش اور ضرورت کی صورتوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ شریعت نے مکلف کو مطلق پانی سے قدرت نہ ہونے کی صورت میں مقید پانی کی طرف منتقل نہیں کیا ہے کسی خاص حالت میں، بلکہ ایسی صورت میں اس کو تیمم کرنے کا حکم دیا ہے تمام حالات میں، خواہ اس کو مقید پانی مل رہا ہو یا نہ مل رہا ہو، تو اگر یہ مطلق پانی ہے تو وضو مطلقاً جائز ہے ورنہ مطلقاً وضو جائز نہیں اھ میں کہتا ہوں یہ اعتراض اُس مفہوم پر ہے جو انہوں نے تحفہ سے سمجھا خود تحفہ پر نہیں ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا وللہ الحمد۔ (ت)

(۷۸) پھلوں کے گرنے

(۷۹) تالاب میں سنگھاڑے کی بیل سڑ جانے سے پانی کے سب اوصاف بدل جائیں جب بھی حرج نہیں جب تک رقیق وسیال رہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(یجوز بماء خالطہ طاھر جامد) مطلقا (کفاکھۃ و ورق شجر) وان غیر کل اوصافہ (فی الاصح ان بقیت رقتہ) ای واسمہ[2] اھ **اقول** احتاج الی زیادۃ واسمہ لکلامہ

(وضو ایسے پانی سے جائز ہے جس میں کوئی جامد پاک چیز مل گئی ہو) مطلقاً (جیسے خشک میوہ اور درخت کے پتے) خواہ اس کے تمام اوصاف کو بدل دیا ہو (اصح یہی ہے بشرطیکہ اس کی رقت باقی رہی ہو) یعنی

---

[1] بدائع الصنائع | الماء المقید | سعید کمپنی کراچی | ۱/۱۵

[2] الدرالمختار | باب المیاہ | مجتبائی دہلی | ۱/۳۵

فی کل طاهر جامد ومنه ما یزیل الاسم مع بقاء الرقة کما یأتی فی الزعفران ونحوه فلا یجوز الوضوء به مع بقاء رقته ونحن فی غنی من هذا القید هنا فانه هنا لایتبدل الاسم مادامت الرقة فلذا لم نعرج علیه۔

اس کا نام بھی آئے میں کہتا ہُوں ہر طاہر جامد کے ساتھ نام کے باقی رہنے کی قید ضروری ہے، اسی میں وُہ بھی ہے جس کا نام تو ختم ہوگیا مگر رقت باقی رہی ہو جیسا کہ زعفران وغیرہ میں آئے گا تو رقت کے باقی رہتے ہُوئے بھی وضو جائز نہ ہوگا، اور ہمیں یہ قید لگانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں نام اس وقت تک تبدیل ہوتا ہی نہیں جب تک کہ رقت باقی رہتی ہے، اسی لیے ہم نے یہ قید نہیں لگائی۔ (ت)

غرر و درر میں ہے:

وان غیر اوصافه فی الاصح[1] (اصح یہ ہے کہ اگرچہ وُہ پانی کے اوصاف کو بدل دے۔ ت)

عبد الحلیم میں ہے:

هو الاصح بل الصحیح کما قال فی المنبع[2] (یہی اصح ہے بلکہ صحیح ہے، جیسا کہ منبع میں فرمایا۔ ت)

سراج الوہاج و عالمگیریہ و جوہرہ نیرہ و فتاوٰی غزی میں ہے:

فان تغیرت اوصافه الثلثة بوقوع اوراق الاشجار فیه وقت الخریف فانه یجوز به الوضوء عند عامة اصحابنا رحمهم الله تعالٰی[3]۔

اگر اس کے تینوں اوصاف موسم خزاں کے پتوں کے گرنے کی وجہ سے تبدیل ہوگئے، تو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔ (ت)

مجتبٰی، شرح قدوری پھر فتاوٰی غزی میں ہے:

لو غیر الاوصاف الثلثة بالاوراق ولم یسلب اسم الماء عنه ولا معناه فانه یجوز التوضوء به[4]

اگر پانی کے تینوں اوصاف پتّوں کے گرنے کی وجہ سے متغیر ہوگئے اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا اور نہ اس کے معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضوء جائز ہے۔ (ت)

---

[1] درر غرر ملّا خسرو فرض الغسل مطبعہ کاملیۃ بیروت ۱/۲۱

[2] درر غرر عبد الحلیم فرض الوضو مطبعہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۷

[3] ہندیۃ فیما لایجوز بہ الوضو پشاور ۱/۲۱ [4] فتاوٰی غزی

نہایہ امام سغناقی پھر عنایہ وحلیہ وغنیہ وبحر ونہر ومسکین و رد المحتار کتب کثیرہ میں ہے:

المنقول عن الاساتذہ انہ یجوز حتی لوان اوراق الاشجار وقت الخریف تقع فی الحیاض فیتغیر ماؤھا من حیث اللون و الطعم والرائحۃ ثم انھم یتوضؤن منہا غیر نکیر[1]

اساتذہ سے یہ منقول ہے کہ جائز ہے، یہاں تک موسم خزاں میں درختوں کے پتّے حوضوں میں گرنے کی وجہ سے پانی کا رنگ، مزہ، بُو بدل جاتا ہے پھر بھی وہ ایسے پانی سے وضو کرلیتے تھے، اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔

رد المحتار میں زیر قول مذکور وان غیر کل اوصافہ فی الاصح فرمایا:

مقابلہ ماقیل انہ ان ظھر لون الاوراق فی الکف لایتوضؤ بہ لکن یشرب والتقیید بالکف اشارۃ الی کثرۃ التغیر لان الماء قد یری فی محلہ متغیرا لونہ لکن لورفع منہ شخص فی کفہ لایراہ متغیرا تأمل اھ[2]۔

اس کے مقابل یہ قول ہے کہ اگر پتّوں کا رنگ چُلو کے پانی میں ظاہر ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہیں، لیکن یہ پانی پیا جاسکتا ہے، اور ہتھیلی کی قید لگانا یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ تغیر بہت زیادہ واقع ہُوا ہے، کیونکہ پانی اپنے محل میں کبھی متغیر نظر آتا ہے لیکن اگر اسے چُلو میں اٹھایا جائے تو متغیر نظر نہیں آتا ہے تأمل اھ۔ (ت)

اقول لاادری لم امر بالتأمل وھو امر صحیح مشاھد ھذا وزعم یوسف چلپی فی ذخیرۃ العقبی الاصح ماذکرہ الشارح یرید صدر الشریعۃ لانہ بغلبۃ لون الاوراق صار مقیدا اھ[3]۔

میں کہتا ہُوں کہ معلوم نہیں، انہوں نے تأمل کا حکم کیوں دیا، یہ ایک صحیح بات ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، اور یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی میں فرمایا کہ اصح وہ ہے جس کو شارح نے ذکر کیا ان کی مراد صدر الشریعۃ ہیں، کیونکہ وہ پتّوں کے رنگ کے غلبہ کی وجہ سے مقید پانی ہوگیا ہے۔ (ت)

اقول ھو[1] رحمہ اللہ تعالٰی لیس من اھل الترجیح [2] ولم یسندہ لمعتمد فلا یعارض

میں کہتا ہُوں وہ (رحمہ اللہ) اصحاب ترجیح سے نہیں ہیں اور انہوں نے کسی قابل اعتماد شخصیت کی طرف نسبت

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۷

[2] ایضاً

[3] ذخیرۃ العقبٰی المبحث فی الموجبات للغسل مطبع الاسلامیہ لاہور ۱/۱۳۵

ما علیہ الجمھور ونصوا انہ الاصح ونص الامام النسفی فی المستصفی عن شیخہ شمس الائمۃ الکردری انہا الروایۃ الصحیحۃ کما سیأتی فی ۷۹ اما ما استدل بہ فمصادرۃ علی المطلوب وکفی ردا علیہ قول المحقق فی الفتح تقع الاوراق فی الحیاض زمن الخریف فیمر الرفیقان ویقول احدھما للاٰخر ھنا ماء تعال نشرب نتوضأ فیطلقہ مع تغیر اوصافہ بانتقاعہا فظہر لنا من اللسان ان المخالط المغلوب لا یسلب الاطلاق[1] اھ و قال المحقق فی الحلیۃ لعل ما نقل من وضوء الاساتذۃ من الماء المذکور کان فیہ ادنی تغیر فی صفاتہ الثلثۃ عـہ بحیث لم یزل عنہ اسم الماء المطلق اذ لیس کل تغیر فی مجموع الصفات الثلاث یوجب جعل ذلک الماء مقیدا بل ھذا ھو الظاھر من حالھم اذ لا یظن بھم الوضوء بالماء المقید[2] اھ

بھی نہیں کی تو یہ جمہور کے قول سے متعارض نہ ہوگا، جمہور نے تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے، اور امام نسفی نے مستصفی میں اپنے شیخ شمس الائمہ کردری سے نقل کیا کہ یہی صحیح روایت ہے، جیسا کہ عنقریب ۷۹ میں آئیگا اور جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے تو وہ مصادرہ علی المطلوب ہے اور محقق نے اس کی تردید فتح میں کر دی ہے کہ موسم خزاں میں پتے حوضوں میں گرتے ہیں اب وہاں سے دو دوست گزرتے ہیں ایک دُوسرے سے کہتا ہے کہ آؤ یہاں پانی موجود ہے اسے پیتے ہیں اور اس سے وضو کرتے ہیں تو وہ اس پر پانی کا اطلاق کرتا ہے حالانکہ اُس کے اوصاف متغیر ہو چکے ہیں تو معلوم ہوا کہ عام محاورہ میں اس سے پانی کا نام سلب نہیں ہوتا ہے اھ محقق نے حلیہ میں فرمایا اساتذہ کا جو اس پانی سے وضوء کرلینا مذکور ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس پانی کے اوصاف میں زیادہ تغیر واقع نہ ہوا ہوگا اتنا کہ اُس سے مطلق پانی کا نام ہی مسلوب ہو جائے کیونکہ اوصافِ ثلثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بناتا ہے بلکہ اُن کے حال سے یہی ظاہر ہے، کیونکہ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وُہ مقید پانی سے وضو کرلیا کرتے تھے۔ (ت)

اقول ان اراد ان کثرۃ تغیر الاوصاف

میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد یہ ہے کہ پانی کے

عـہ کذا ھو فی نسختی الحلیۃ باثبات التاء فی الثلثۃ ۱۲ منہ غفر لہ۔

میرے پاس موجود حلیہ کے نسخہ میں اسی طرح ثلثۃ میں تا کو ثابت رکھا گیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء سکھر ۱/ ۶۴

[2] حلیہ

بوقوع الاوراق یجعل الماء مقیدا مع بقاء رقته فغیر مسلم ولا واقع فبوقوع الاوراق مع بقاء الرقة لایزول اسم الماء ابدا وان تغیرت الاوصاف مهما تغیرت وان اراد بالتغیر الکثیر زوال الرقة فلا حاجة الی الترجی بل ھو المراد قطعا قال فی العنایة بعد نقل النہایة وکذا اشار فی شرح الطحاوی الیہ لکن شرطہ ان یکون باقیا علی رقتہ اما اذا غلب علیہ غیرہ وصار بہ ثخینا فلا یجوز[1] اھ ثم قال فی الحلیة کما ان الظاھر ان محل جواب المیدانی المذکور ما بلغ بہ بما وقع فیہ من الاوراق الی حد التقیید فان تغیر لون الماء بکثرۃ الاوراق الواقعة فیہ یوجب تغیر الطعم بل والرائحة ایضا ان کانت الاوراق ذات رائحة[2] اھ۔

اوصاف میں پتّوں کے وقوع سے زیادہ تغیر پیدا ہونے سے پانی مقیّد ہوجاتا ہے باوجودیکہ اُس کی رقت باقی رہتی ہے، تو یہ بات نہ تو مسلّم ہے اور نہ ایسا واقع ہے، کیونکہ پتّوں کے گرنے سے جبکہ رقت باقی ہو ہمیشہ پانی کا نام تبدیل نہیں ہوتا ہے اگرچہ اوصاف تبدیل ہوتے رہیں۔ اور اگر ان کی مراد کثرتِ تغیر سے یہ ہے کہ رقت زائل ہوجائے، تو ترجی (لفظ لعل) کی حاجت نہیں، بلکہ قطعیت کے ساتھ یہی کہنا ہوگا، عنایہ میں نہایہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ طحاوی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی رقت باقی ہو، اور اگر پانی پر کوئی دوسری چیز غالب ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ گاڑھا ہوگیا تو اُس سے وضو جائز نہیں پھر حلیہ میں فرمایا جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ میدانی کا مذکور جواب پتّوں کی اُس مقدار سے متعلق ہے جس کی وجہ سے پانی مقید ہوجائے، کیونکہ پتّوں کی کثرت کے باعث جب پانی کا رنگ تبدیل ہوتا ہے تو ساتھ ہی مزہ بلکہ بُو بھی تبدیل ہوجاتی ہے بشرطیکہ پتّوں میں کوئی خاص بُو موجود ہو۔ (ت)

اقول[1] فکان ماذا فقد ذکرتم ان لیس کل تغیر فی الصفات الثلاث جمیعا یوجب جعل الماء مقیدا ولا تقید ھھنا الا زوال الرقة والامام المیدانی انما بنی الجواب علی ظھور لون الاوراق فی الکف وبھذا

میں کہتا ہوں اس سے کیا ثابت ہوا؟ آپ نے خود بھی ذکر کیا ہے کہ اوصاف ثلثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بنادیتا ہے، اور یہاں کوئی تقید زوالِ رقت کے سوا نہیں ہے اور میدانی کے جواب کی بنیاد یہ ہے کہ پتّوں کا رنگ چُلّو میں ظاہر ہوجائے، اور

---

[1] عنایۃ مع الفتح — الماء الذی یجوز بہ الوضوء — سکھر ۱/۶۳
[2] حلیہ

القدر جعله مقیدا وبه صرح صدر الشریعة و معلوم انه لایستلزم الثخانة فافی ینفع التاویل، وعلی اللّٰہ ثم علی رسوله التعویل، جل جلاله وعلیه الصلٰوۃ والسلام بالتبجیل۔

اس مقدار سے انہوں نے پانی کو مقید بنا دیا، اور اسی کی تصریح صدر الشریعۃ نے کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس سے اس کا گاڑھا ہونا لازم نہیں، تو تاویل کا کچھ فائدہ نہیں ....(ت)

(۸۰ و ۸۱) شنجرف یا کسم زردی کاٹنے کے لیے پانی میں بھگو دیتے ہیں جب زردی کٹ آئی پانی پھینک دیتے ہیں یہ پانی اگرچہ اس کی رنگت وغیرہ بدل گئی قابلِ وضو ہے جبکہ گاڑھا نہ ہوگیا ہو، خانیہ میں ہے:

التوضؤ بزردج العصفر یجوز ان کان رقیقا والماء غالب[1] اھ۔

پیلے رنگ کے زردج کے پانی سے وضو جائز ہے اگر پتلا ہو اور پانی غالب ہو اھ (ت)

اقول والحاصل واحد فکانه اضیف الیه بالعطف علیه تعلیلا له۔

میں کہتا ہوں حاصل ایک ہی ہے، تو غالباً یہ چیز بطور عطف اس کے ساتھ اس کی تعلیل کے لئے ملائی گئی ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

ماء الزردج والصابون والعصفر لو رقیقا لیسیل علی العضو یجوز[2]۔

زردج، صابون اور عُصفر کا پانی اگر اتنا پتلا ہو کہ عضو پر بہہ سکے تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

وھو الصحیح کذا اختارہ الناطفی والامام السرخسی رحمہما اللّٰہ تعالٰی[3]۔

اور یہی صحیح ہے، اسی کو ناطفی اور امام سرخسی رحمہما اللہ نے پسند کیا ہے۔ (ت)

مُغرب میں ہے:

ماء الزردج ھو ماء یخرج من العصفر المنقوع فیطرح ولا یصبغ به[4]۔

زردج کا پانی وہ ہے جو نچوڑے ہُوئے عصفر سے نکلتا ہے پھر اس کو پھینک دیتے ہیں اور یہ رنگنے کے کام نہیں آتا ہے۔ (ت)

---

[1] قاضی خان — فیما لایجوز به التوضی — نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ — الماء المقید وغیرہ — پشاور ۴/۱۰

[3] الہدایۃ — الماء الذی یجوز به الوضوء — مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸

[4] جوہرۃ نیرۃ — کتاب الطہارۃ — امدادیہ ملتان ۱/۱۴

اسی طرح جوہرہ وغنیہ وحلیہ وعنایہ میں ہے۔

اقول انما الزردج معرب زردہ وھی الصفرۃ التی تخرج من العصفر فی الماء المنقوع فیہ فیسمی ذلک الماء ماء الزردج لان مایخرج من العصفر یسمی ماء الزردج ھذا ھو الوجہ عندی فی اللفظ وتبعوا فیہ المطرزی وکانہ لم یتقن لخلو کتب اللغۃ عنہ حتی القاموس المدعی الاحاطۃ وتاج العروس المستدرک علیہ بکثیر ولا الکلمۃ من لسان العرب واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں "زردج" زردہ کا معرب ہے، یہ وہ زردی ہے جو عُصفر سے نکل کر اس پانی میں آجاتی ہے جس میں اسے ڈبویا گیا ہو اس کو ماءِ زردج کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خود عصفر سے جو پانی نکلتا ہے اس کو ماءِ زردج کہا جاتا ہو، میرے نزدیک اس لفظ کا صحیح مفہوم یہی ہے، جبکہ دوسرے حضرات نے اس میں مطرزی کی پیروی کی ہے، غالباً مطرزی نے اس کو اچھی طرح نہیں سمجھا، کیونکہ لغۃ کی کتب میں یہ موجود نہیں، یہاں تک کہ قاموس جس کا دعوی ہے کہ اس نے تمام کلمات کا احاطہ کیا ہے اس سے خالی ہے، اور پھر تاج العروس جس میں اس سے بھی زیادہ کلمات کا احاطہ ہے اس میں بھی یہ موجود نہیں، اور نہ ہی یہ کلمہ لسان العرب میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۸۲ و ۸۳) جس پانی میں گچ یا چُونا مل جائے لقولہ لم یزل عنہ اسم الماء وبقی معناہ ایضا (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور معنی بھی باقی ہے۔ ت)

(۸۴) چُونے کا پانی، گٹی بجھنے کے بعد تہ نشین ہوتی اور اوپر نتھرا پانی رہ جاتا ہے جس میں قدرے سپیدی متفرق طور پر رہتی ہے اسے چُونے کا پانی کہتے ہیں قابلِ وضو ہے اذ لم یزل اسم الماء ولا طبعہ (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور طبیعت بھی زائل نہیں ہوئی۔ ت)

(۸۵) ریشم بنانے کے لیے کیسوں کو پانی میں جوش دیتے ہیں اور اُن میں ریشم کے کیڑے ہوتے ہیں اُس پانی سے وضو جائز ہے کیڑے تر ہوں یا خشک جب تک اس کثرت سے نہ ہوں کہ اُن کے اجزا پانی پر غالب آجائیں۔ جواہر الفتاوٰی باب ثانی فتاوی امام جمال الدین بزدوی میں ہے:

الفیلق اذا طرح فی الماء الذی اغلی بالنار لسد الابریسم وفی الفیلق دودمیتۃ یابسۃ اوغیر یابسۃ بقیت فی الماء یکون طاھرا لانہ لیس لہ دم سائل وان غلب

کیسوں کو جب آگ پر جوش دیے ہُوئے پانی میں ڈالا جائے تاکہ ابریشم کا تار حاصل کیا جاسکے، اور ان کیسوں میں مُردہ کیڑے بھی موجود ہوں، خواہ خشک حالت میں یا غیر خشک حالت میں تو یہ پانی جس میں

اجزاؤھا علی الماء یمنع التوضی بہ کما لوغلب شیئ اٰخر[1]۔

یہ کیڑیاں ڈالی گئی ہوں پاک رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کیڑوں میں سیال خون نہیں ہوتا ہے، اور اگر ان کیڑوں کے اجزاء پانی پر غالب ہوجائیں تو دوسری اشیاء کی طرح اس سے وضوء جائز نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فی الوھبانیۃ دود القز وماؤہ وبذرہ وخرؤہ طاھر کدودۃ متولدۃ من نجاسۃ[2]۔

وہبانیہ میں فرمایا ریشم کا کیڑا، اس کا پانی، اس کا انڈا اور اس کی بیٹ اُسی طرح پاک ہے جس طرح نجاست سے پیدا ہونے والے دوسرے کیڑوں کا حکم ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں شرح وہبانیہ للعلامہ عبدالبر سے ہے:

یحتمل ان المراد مایوجد فیما یھلک منہ قبل ادراکہ وھو شبیہ باللبن او الذی یغلی فیہ عند حلہ حریرا[3]۔

ہوسکتا ہے کہ پانی سے مراد وہ پانی ہو جو ان کیڑوں میں پایا جاتا ہے جو کیڑیوں کے پکنے سے پہلے ہی ہلاک ہوجاتے ہیں، یہ پانی دودھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ یا وہ پانی ہوسکتا ہے جس میں انکو ریشم نکالتے وقت اُبالا جائے۔ (ت)

فائدہ

(۸۶) پانی میں مینڈک یا کوئی آبی جانور یا وہ غیر آبی جس میں خون سائل نہ ہو جیسے زنبور، کژدم، مکھی وغیرہا مرجائے اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ ریزہ ریزہ ہوکر اس کے اجزاء پانی میں ایسے مل جائیں کہ جُدا نہ ہوسکیں بشرطیکہ پانی اپنی رقت پر رہے، ہاں اس حالت میں اس کا پینا یا شوربا کرنا حرام ہوگا جبکہ وُہ جانور حرام ہو اور اگر ٹڈی یا غیر طافی مچھلی ہے تو یہ بھی جائز۔ درمختار میں ہے:

لوتفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ قال ش عن البحر لانہ صارت اجزاؤہ فی الماء فیکرہ الشرب تحریما اھ[4]۔

اور اگر پانی میں مینڈک کی قسم کی کوئی چیز پھُول پھٹ جائے تو اُس سے وضو جائز ہے پینا جائز نہیں کہ اس کا گوشت حرام ہے، "ش" نے بحر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس لئے کہ اس کے اجزاء پانی میں شامل ہوگئے تو اس کا پینا مکروہ تحریمی ہوگا۔ (ت)

---

[1] جواہر الفتاوی

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[3] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۵

[4] درمختار 〃 مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[5] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۶

اقول۱ کل مالادم فیہ حرام غیرالجراد والسمك الغیر الطافی واذا اختلطت اجزاؤہ بالماء فازدرادھا فی شربہ متیقن فای وجہ للنزول من الحرمۃ الی کراھۃ التحریم وراجعت البحر فوجدت نصہ ھکذا روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی اذا تفتت الضفدع فی الماء کرھت شربہ لاللنجاسۃ بل لحرمۃ لحمہ وقد صارت اجزاؤہ فی الماء وھذا تصریح بان کراھۃ شربہ تحریمیۃ وبہ صرح فی التجنیس فقال یحرم شربہ۔

میں کہتا ہوں ہر وہ جانور جس میں خون نہ ہو وہ حرام ہے سوائے ٹڈی اور اُس مچھلی کے جو مُردہ حالت میں سطحِ سمندر پر تیرتی ہُوئی نہ پائی گئی ہو، اور جب اس کے اجزا پانی میں مل جائیں تو ان کا پیتے وقت پانی میں شامل ہونا یقینی امر ہے تو پھر حرمت سے گھٹ کر کراہت تحریم کا حکم کیوں لگایا گیا؟ میں نے بحر کو دیکھا تو اس میں یہ تھا" امام محمد سے مروی ہے جب مینڈک پانی میں پھُول پھٹ جائے تو میں اس پانی کے پینے کی کراہت کا قول کروں گا اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے گوشت کی حرمت کی وجہ سے اور اس حرام گوشت کے اجزاء پانی میں بھی شامل ہو گئے ہیں، یہ اس امر کی صراحت ہے کہ اس کے پینے کی کراہت تحریمی ہے اور اسی کی تصریح تجنیس میں ہے، فرمایا کہ اس کا پینا حرام ہے۔ (ت)

اقول۲ الکراھۃ فی عرف القدماء اعم من الحرمۃ یقولون اکرہ کذا والمعنی احرمہ راجع کتابی فصل القضاء فی رسم الافتاء فمعنی قول البحران الکراھۃ فی کلام الامام للتحریم الاتری۳ الی قولہ وبہ صرح فی التجنیس وانما صرح بانہ حرام۔

میں کہتا ہوں کراہت کا لفظ متقدمین کے عرف میں حُرمت کو بھی عام ہے وہ فرماتے ہیں میں اس کو مکروہ سمجھتا ہُوں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اس کو حرام سمجھتا ہُوں۔ دیکھئے میری کتاب "فصل القضاء فی رسم الافتاء" تو بحر کی مراد یہ ہے کہ امام کے کلام میں کراہت سے مراد تحریم ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا وبہ صرح فی التجنیس اور اس میں ان کی تصریح یہ ہے کہ حرام ہے۔ (ت)

(۸۷) چاول کھچڑی دال دھو کر ڈالے جاتے ہیں ان کے دھونے سے جو پانی بچا قابلِ وضو ہے جبکہ بے وضو یا تھ سے نہ دھوئے ہوں اگرچہ اس کے رنگ میں ضرور تغیر آجاتا ہے بلکہ اگرچہ مزہ و بُو بھی بدل جائیں۔

اقول وھذا عندی وفاقا حتی ممن یجعل ماء الحمص والباقلاء المنقوعین

میں کہتا ہوں یہ میرے نزدیک متفقہ طور پر ہے، یہاں تک کہ جو حضرات چنوں اور باقلی (لوبیا)

۱؎ بحرالرائق موت مالادم لہ سعید کمپنی کراچی ۸۹/۱

36

فیه مقید الان بمجرد الغسل لایسری الیه مایسری بالنقع والتغیر الذی یحدث به لیس للحب بل لما علیه من نحو الغبار واللّٰه تعالٰی اعلم۔

کے صاف کئے ہُوئے پانی کو مقید قرار دیتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیونکہ صرف دھونے سے پانی میں وُہ اثر پیدا نہیں ہوتا ہے جو صاف کرنے سے ہوتا ہے، اور جو تغیر پانی میں پیدا ہوتا ہے وہ دانہ کے باعث نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر غبار کی وجہ سے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۸۸) جس پانی میں چنے بھگوئے کتنی ہی دیر بھیگے رہیں تحقیق یہ ہے کہ اُس سے وضو جائز ہے مگر یہ کہ ناج کے اجزا اُس میں مل کر اُسے گاڑھا کردیں کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی نہ رہے۔

(۸۹) یُوں ہی جس میں باقلا بھگوئیںعہ یونہی ہر ناج۔ مختصر امام ابوالحسن قدوری میں تھا:

لا (ای لایجوز الوضوء) بماء غلب علیه غیره فاخرجه عن طبع الماء کماء الباقلا والمرق[1]

نہیں (یعنی وضو جائز نہیں) اُس پانی سے جس پر اُس کے غیر کا غلبہ ہوگیا ہو، اور اس وجہ سے پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کردیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ۔ (ت)

اس پر ہدایہ میں فرمایا:

المراد بماء الباقلاء وغیره ماتغیر بالطبخ فان تغیر بدون الطبخ یجوز التوضی به[2] اھ واقره علیه فی الفتح والعنایة وتبعه فی الجوهرة فقال قوله وماء الباقلاء المراد المطبوخ بحیث اذا برد ثخن وان لم یطبخ فهو من قبیل وتجوز الطهارة بماء خالطه شیئ طاهر[3] اھ

باقلاء کے پانی سے مراد وُہ پانی ہے جو پکائے جانے کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو اور اگر بلا پکائے متغیر ہوگیا ہو تو اُس سے وضو جائز ہوگا اھ اور اس کو اس پر برقرار رکھا فتح اور عنایہ میں اور جوہرہ میں اس کی متابعت کی اور فرمایا، ان کا قول "اور باقلی کا پانی" اس سے مراد پکا ہُوا پانی ہے جو ٹھنڈا کئے جانے پر گاڑھا ہوجاتا ہے، اور اگر اس کو پکایا نہ گیا ہو تو یہ اس پانی کی طرح ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

عہ یہ بھی ایک معروف غلہ ہے اگرچہ یہاں اس کا رواج نہیں اس کی پھلیاں پکاتے ہیں سالن کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ (م)

---

[1] قدوری کتاب الطہارت مطبع مجیدی کانپور ص ۶
[2] الہدایۃ " مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸
[3] جوہرۃ نیرۃ " امدادیہ ملتان ۱/۱۴

اقول رحم اللّٰه الشیخ الامام ورحمنا به کلام ابی الحسن(عہ) فیما اذا اخرجه عن طبع الماء بان اختلطت فیه اجزاؤه فثخن ولم یبق رقیقا وحینئذ لایجوز التوضی به وان لم یطبخ وقد قال فی الوقایة لابماء زال طبعه بغلبة غیره اجزاء او بالطبخ کماء الباقلی والمرق فقال الامام الشارح المراد به ان یخرجه عن طبع الماء وهو الرقة والسیلان و ماء الباقلی نظیر ما غلب علیه غیره اجزاء والمرق نظیر ما غلب علیه بالطبخ[1] اھ وفی الاصلاح والایضاح لابماء زال طبعه وهو الرقة والسیلان بغلبة غیره اجزاء کماء الباقلا[2] اھ نعم الظاهر مامر عن الذخیرة والتتمة عن السیدانی وتبعه صدر الشریعة من قیاس ماتلون بوقوع الاوراق علی ماء الباقلی ان المراد ما نقع فیه فغیره وصفا لاذاتا وهو خلاف المعتمد ففی الخانیة یجوز التوضؤ بماء القی فیه حمص او باقلاء لیبتل وتغیر لونه وطعمه

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی شیخ الامام پر اور ہم پر رحم فرمائے، ابو الحسن کی گفتگو اس صورت سے متعلق ہے جب کہ پانی کو اس کی طبیعت سے نکال دے مثلاً یہ کہ اس میں اس کے اجزاء مل جائیں اور وہ گاڑھا ہوجائے اور اس کی رقّت باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں اس سے وضوء جائز نہ ہوگا خواہ پکایا نہ گیا ہو، اور وقایہ میں فرمایا "نہ کہ اُس پانی سے جو دوسری شیئ کے غلبہ کی وجہ سے اپنی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو یا پکائے جانے کی وجہ سے طبیعت ماء سے خارج ہوگیا ہو، جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی یا شوربہ۔ امام شارح نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردے اور پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے اور باقلی (لوبیا) کا پانی اُس پانی کی نظیر ہے جس پر دوسرے اجزاء غالب آگئے ہوں اور شوربہ اُس پانی کی مثال ہے جس کو پکایا گیا ہو تو اس پر دوسری شیئ غالب آجائے اھ اور اصلاح اور ایضاح میں ہے کہ نہ اُس پانی سے کہ جس کی طبیعت زائل ہوگئی ہو یعنی رقت اور سیلان، اور یہ دوسری

عہ الحمد للّٰه فتح المولی سبحنه وتعالٰی بما یصحح الکلام ویوضح المرام و یزیل الاوهام کما یأتیک فی سادس ضوابط الفصل الثالث ان شاء اللّٰه تعالٰی ۱۲ منه غفرله وحفظ ربه

اللہ تعالٰی کے لیے حمد ہے اللہ پاک نے وہ کھول دیا ہے جس کے ذریعے کلام صحیح ہوتا ہے، مقصود واضح ہوتا ہے اور وہم ختم ہوتے ہیں جیسا کہ فصلِ ثالث کے چھٹے ضابطہ میں آئے گا۔ (ت)

---

[1] شرح وقایة کتاب الطہارت رشیدیہ دہلی ۱/۸۵

[2] اصلاح والایضاح

ولکن لم تذھب رقتہ اھ[1] وفی الفتح فی الینابیع لونقع الحمص والباقلاء وتغیر لونہ وطعمہ وریحہ یجوز التوضی بہ اھ[2] ومثلہ عنہا فی فتاوی الغزی ومثلہ فی المنیۃ وعزاہ فی الحلیۃ للملتقط وتجنیس الملتقط والظھیریۃ۔

اشیاء کے اجزاء کے غلبہ کی وجہ سے ہوا ہو جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی اھ ہاں ذخیرہ اور تتمہ کی گزشتہ عبارت جو میدانی سے منقول ہے اور جس کی متابعت صدر الشریعۃ نے کی ہے، جس پانی میں پتے گرے ہوں اور اس کا رنگ بدل گیا ہو اس کو باقلی کے پانی پر قیاس کیا، اور کہا کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جس میں کسی چیز کو صاف کیا گیا ہو، جس سے پانی کا وصف بدل گیا ہو نہ کہ ذات بدل ہو، اور یہ معتمد کے خلاف ہے۔ خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے وضوء جائز ہے جس میں چنے ڈال دیے گئے ہوں یا باقلی (لوبیا) ڈال دیا ہو تاکہ تر ہوجائے اور اس سے اس کا رنگ اور مزا بدل گیا ہو لیکن اس کی رقت ختم نہ ہوئی ہو اھ اور فتح میں ہے ینابیع میں ہے کہ اگر چنوں اور باقلی کو پانی میں صاف کیا جس سے پانی کا رنگ، مزا اور بُو بدل گئی تو اس سے وضو جائز ہے اور اسی کی مثل اس سے فتاوٰی غزی میں ہے اور اسی کی مثل منیہ میں ہے اور حلیہ میں اس کو ملتقط اور تجنیس ملتقط اور ظہیریہ کی طرف منسوب کیا۔ (ت)

فائدہ: اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ گھوڑے کے دانے سے جو پانی توبڑے میں بچ رہے قابلِ وضو ہے جبکہ رقیق سائل ہو اور اسے بے وضو یا نہ لگا ہو کہ مذہب صحیح میں گھوڑے کا جھوٹا قابلِ وضو ہے۔ درمختار میں ہے:

وسؤر ماکول لحم ومنہ الفرس فی الاصح طاھر طھور بلاکراھۃ[3]۔

وہ جانور جن کا گوشت حلال ہے ان کا جھوٹا پاک ہے اور اس سے بلاکراہت طہارت حاصل ہوتی ہے اور گھوڑا بھی انہی میں سے ہے اصح قول کے مطابق۔ (ت)

(۹۰) یہ ہوا اور ۲

(۹۱) گائے بھینس بکری وغیرہ حلال جانوروں کا جھوٹا جبکہ اس وقت اُن کے منہ کی نجاست نہ معلوم ہو اگرچہ نر ہو اور بعض نے کہا نر کا جھوٹا ناپاک ہے کہ اُس کی عادت ہوتی ہے کہ جب مادہ پیشاب کرے اپنا منہ وہاں لگا کر سُونگھتا ہے نیز زمین پر اگر اس کا پیشاب پڑا پائے تو اُسے مگر صحیح طہارت ہے۔ درمختار

---

[1] قاضی خان — فیما لایجوز بہ التوضی — نولکشور لکھنؤ — ۱/۹
[2] فتح القدیر — " — سکھر — ۱/۶۵
[3] درمختار — فصل فی البئر — مجتبائی دہلی — ۱/۴۰

میں ہے:

سؤر حمار اھلی ولو ذکراً فی الاصح مشکوک فی طھوریتہ لاطھارتہ[1]

پالتو گدھے کے جُھوٹے کی طہوریت مشکوک ہے طہارت مشکوک نہیں اصح قول کے مطابق۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الاصح قالہ قاضیخان ومقابلہ القول بنجاستہ لانہ ینجس فمہ بشم البول قال فی البدائع وھو غیر سدید لانہ امر موھوم لایغلب وجودہ فلایؤثر فی ازالۃ الثابت بحر[2] اھ

اس کا قول "فی الاصح" یہ قاضی خان کا قول ہے اور اس کے مقابل اس کی نجاست کا قول ہے اس لیے کہ اس کا منہ پیشاب کو سُونگھنے کی وجہ سے نجس ہوجاتا ہے، بدائع میں فرمایا یہ درست نہیں کیونکہ یہ بات محض وہم ہے، عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ہے تو جو ثابت ہے اس کے ازالہ میں موثر نہ ہوگا بحر اھ۔ (ت)

اقول ان کان المناط الندرۃ یظھر تنجیس سؤر التیس فان شمہ بول العنز ان کان نادرا فانہ یتکرر منہ کل یوم مرارا انہ یدلی ذکرہ والمذی والبول نابعان فیمصہ بل الوجہ عندی واللہ تعالٰی اعلم ان الجفاف سبب الطھارۃ فی ابدان الحیوانات کما فی الارض وقد حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی باب الانجاس من فتاوٰنا واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں اگر مناط (علت) نادر ہونا ہے تو بکرے کے جُھوٹے کا نجس ہونا بھی ظاہر ہوگا، کیونکہ وہ بکری کے پیشاب کو تو کم ہی سُونگھتا ہے مگر یہ عمل دن میں کئی بار اس سے سرزد ہوتا ہے کہ وہ اپنا ذکر لٹکاتا ہے اور مذی اور پیشاب دونوں اس سے نکلتے ہیں، تو وہ بکرا اس ذکر کو چوستا ہے بلکہ اس کی وجہ میرے نزدیک (واللہ اعلم) یہ ہے کہ خشک ہونا حیوانات کے بدن میں سببِ طہارت ہے جیسا کہ زمین کا حال ہے اور ہم نے بتوفیق اللہ اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کے باب الانجاس میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اقول ہاں اگر دیکھیں کہ بیل وغیرہ نے مادہ کا پیشاب سُونگھا یا بکرے نے اپنا آلۂ تناسل نکال کر چُوسا اور اُس وقت مذی اور بول نکل رہے تھے اور قبل اس کے کہ اس کا منہ پاک ہوجائے پانی میں ڈال دیا تو

---

[1] درمختار | فصل فی البئر | مجتبائی دہلی | ۱/۴۰

[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۱/۱۶۵

اب بیشک پانی ناپاک ہوجائیگا[1] اور اگر چار برتنوں میں منہ ڈالا تو پہلے تین ناپاک ہیں چوتھا پاک و قابلِ وضو۔ اسے نمبر ۲۲ کے ساتھ لکھنا تھا مگر ارادۂ الٰہیہ یونہی واقع ہوا و لہ الحمد علی ما صنع، وعلی ما اعطی وعلی ما منع، وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی الشفیع المشفع، واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمع۔

(۹۲) پانی میں کولتار پڑ گیا جس سے اس میں سخت بدبُو آگئی مگر گاڑھا نہ ہوگیا اس سے وضو جائز ہے۔

فتاوٰی زینیہ میں ہے:

سئل عن الماء المتغیر ریحہ بالقطران ھل یجوز الوضوء منہ ام لا اجاب نعم یجوز[1] اھ والقطران بالفتح وبالکسر کظربان عصارۃ الابھل والارز[2] قاموس والارز ثمر الصنوبر قالہ ابو حنیفۃ[3] تاج العروس ومثلہ فی بلادنا ما ذکرت۔

سوال کیا گیا کہ وہ پانی جس کی بُو کولتار کی وجہ سے متغیر ہوگئی ہو، کیا اس سے وضو جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں، اور قطران بالفتح اور بالکسر ظربان کی طرح ابہل اور ارز کا نچوڑ ہے قاموس اور ارز صنوبر کے درخت کا پھل ہوتا ہے، یہ ابو حنیفہ کا قول ہے تاج العروس۔ اس قسم کا ہمارے ملک میں ہوتا ہے جیسا میں نے ذکر کیا۔ (ت)

اقول[2] مگر بوجہ خبث رائحہ مکروہ ہونا چاہئے خصوصاً اگر اس کی بدبُو نماز میں باقی رہی کہ باعث کراہت تحریمی ہوگی۔

(۹۳) پانی میں روٹی بھگوئی اس کے تو اجزا جلد منتشر ہوجاتے ہیں مگر جب تک پانی کو ستو کی طرح گاڑھا نہ کردیں رقیق وسیال رہے قابلِ وضو ہے اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں، خانیہ میں ہے:

لو بل الخبز بالماء وبقی رقیقا جاز بہ الوضوء[4]۔

اگر روٹی کو پانی میں بھگویا اور وہ پانی پتلا رہا تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۹۴) یونہی جس میں آم بھگوئے۔

(۹۵) اقول[2] اسی طرح گوشت کا دھوون اگرچہ پانی میں ایک گونہ سُرخی آجائے کہ صحیح مذہب میں

---

[1] فتاوٰی زینیۃ علی حاشیہ فتاوٰی غیاثیۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳

[2] قاموس المحیط باب الراء فصل القاف مصر ۲/۱۳۲

[3] لسان العرب بیروت ۵/۳۰۶

[4] قاضی خان فیما لا یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

گوشت کا خون بھی پاک ہے نہ کہ وہ سُرخی کہ بعض جگہ اُس کی سطح پر ہوتی اور پانی میں دُھل جاتی ہے۔ ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

الدم الخارج من اللحم المهزول عند القطع ان منه فطاهر وکذا دم مطلق اللحم[1]۔

دبلے گوشت سے نکلنے والا خون کاٹتے وقت، اگر اُس سے نکلے تو پاک ہے اور اسی طرح مطلق گوشت کے خُون کا حکم ہے۔ (ت)

(۹۶) صابون

(۹۷) اُشنان کہ ایک گھاس ہے اُسے حُرض بھی کہتے ہیں۔

(۹۸) ریحان جسے آس بھی کہتے ہیں۔

(۹۹) بابونہ

(۱۰۰) خطمی

(۱۰۱) بیری کے پتے کہ یہ چیزیں میل کاٹنے اور زیادتِ نظافت کو آبِ غسل میں شامل کی جاتی ہیں اس سے غسل و وضو جائز ہے اگرچہ اوصاف میں تغیر آجائے جب تک رقت باقی رہے مختصر امام ابوالحسن میں ہے:

یجوز الطهارة بماء خالطه شیئ طاهر فغیر احد اوصافه کماء المد والماء الذی اختلط به اللبن او الزعفران او الصابون او الاشنان[2]۔

اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل کر اُس کے کسی وصف کو بدل دے جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں دودھ، زعفران، صابون یا اُشنان ملی ہو۔ (ت)

اس پر جوہرہ نیرہ میں ہے:

فان غیر وصفین فعلی اشارة الشیخ لایجوز الوضوء ولکن الصحیح انه یجوز کذا فی المستصفی[3]۔

تو اگر وہ اس کے دو اوصاف کو بدل دے تو شیخ کے اشارہ کے مطابق اس سے وضوء جائز نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے کذا فی المستصفی۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

التقیید باحد الاوصاف الثلٰثة فیه

تین میں سے ایک وصف کے ساتھ مقید کرنے

---

[1] بزازیہ مع الہندیۃ — السابع فی النجس — پشاور — ۴/۲۱

[2] قدوری — الطہارت — مجیدی کانپور — ص ۶

[3] جوہرۃ نیرۃ — ؍؍ — امدادیہ ملتان — ۱/۱۴

نظر فقد نقل الشیخ حافظ الدین فی المستصفی عن شیخه العلامۃ الکردری ان الروایۃ الصحیحۃ خلافہ[1]

میں نظر ہے، کیونکہ شیخ حافظ الدین نے مستصفٰی میں اپنے شیخ علامہ کردری سے نقل کیا ہے کہ صحیح روایت اس کے برخلاف ہے۔ (ت)

مجتبٰی شرح قدوری میں ہے:

قول المصنف فغیر احد اوصافہ لایفید التقیید بہ حتی لو تغیرت الاوصاف الثلثۃ بالاشنان او الصابون او الزعفران ولم یسلب اسم الماء عنہ ولا معناہ فانہ یجوز التوضؤ بہ[2]

مصنف کا قول "فغیر احد اوصافہ" اس کے ساتھ تقیید مفید نہیں ہے یہاں تک کہ اگر تینوں اوصاف اُشنان، صابون یا زعفران سے بدل گئے اور اُس سے نہ تو پانی کا نام سلب ہوا اور نہ معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

ماء صابون وحرض ان بقیت رقتہ ولطافتہ جاز التوضؤ بہ[3]

صابون اور حرض (اُشنان جس سے کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے ہیں) کے پانی کی رقّت ولطافت اگر باقی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۱۰۲ تا ۱۰۷) یہی چھ چیزیں اگر پانی میں ڈال کر جوش دی جائیں جب بھی وضو جائز ہے جب تک رقت باقی ہے، ہدایہ میں ہے:

ان تغیر بالطبخ بعد ما خلط بہ غیرہ لایجوز التوضی بہ الا اذا طبخ فیہ ما یقصد بہ المبالغۃ فی النظافۃ کالاشنان ونحوہ لان المیت قد یغسل بالماء الذی اغلی بالسدر بذلک وردت السنۃ الا ان یغلب ذلک علی الماء فیصیر کالسویق

اگر پانی دوسری چیز کی ملاوٹ کے بعد پکانے سے متغیر ہوگیا تو اس سے وضو جائز نہیں، ہاں اگر اس میں ایسی چیز ڈال کر پکائی گئی جس سے نظافت میں زیادتی مطلوب ہو جیسے اُشنان وغیرہ کیونکہ مُردہ کو کبھی بیری (کے پتّے) ڈال کر اُبلے ہُوئے پانی سے غُسل دیا جاتا ہے، اور یہ حدیث میں بھی مذکور ہے،

---

[1] حلیۃ

[2] البنایۃ شرح ہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۹

[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

المخلوط لزوال اسم الماء عنه[1]۔ ہاں اگر اس قسم کی چیزیں پانی پر غالب آجائیں اور وہ پانی ستوؤں کی طرح ہوجائے تو وضوء جائز نہیں کہ اب اس پر پانی کا اطلاق نہ ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی شیخ الاسلام غزی میں ہے:

ماء الصابون لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز الوضوء بہ وکذا لو اغلی بالاشنان وان ثخن لا کما فی البزازیۃ[2]۔

صابون کا رقیق پانی جو اعضاء پر بہے اس سے وضو جائز ہے، اسی طرح اگر پانی میں اُشنان ڈال کر جوش دیا گیا تو وضوء جائز ہے اگر وہ گاڑھا ہوجائے تو وضو جائز نہیں کما فی البزازیہ۔ (ت)

خانیہ میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے:

وکذا لو طبخ بالماء مایقصد بہ المبالغۃ فی التنظیف کالسدر والحرض وان تغیر لونہ ولکن لم تذھب رقتہ یجوز وان صار ثخینا مثل السویق لا[3]۔

اور اسی طرح اگر پانی میں ایسی چیز کو جوش دیا گیا جس سے نظافت میں مبالغہ مقصود ہو جیسے بیری (کے پتّے) اور حرض، خواہ اس کا رنگ بدل جائے لیکن اس کی رقّت ختم نہ ہو تو اس سے وضوء جائز ہے اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھی ہوجائے تو جائز نہیں۔ (ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(ذکر فی المحیط لو توضأ بماء اغلی باشنان او بآس جاز الوضوء بہ مالم یغلب علیہ) بان اخرجہ عن رقتہ[4]۔

(محیط میں ذکر کیا کہ اگر کسی نے ایسے پانی سے وضوء کیا جس کو اُشنان یا آس (ایک درخت جو ریحان کے نام سے مشہور ہے) میں جوش دیا گیا تو اس سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ وہ پانی پر غالب نہ ہو کہ اس کو اس کی رقّت سے نکال دے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری نقلا

ذخیرہ اور تتمہ فتاوٰی صغرٰی میں ابو یوسف سے

---

[1] الہدایۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸
[2] فتاوٰی غزی
[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[4] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

عن ابی یوسف رحمه الله تعالی اذا طبخ الآس
او البابونج فی الماء فان غلب علی الماء حتی
یقال ماء البابونج والآس لا یجوز التوضی
به انتهی وعزی الی الاجناس بما نصه قال
محمد رحمه الله تعالی فی الماء الذی یطبخ
فیه الریحان او الاشنان اذا لم یتغیر لونه حتی
یحمر بالاشنان او یسود بالریحان وکان
الغالب علیه الماء فلا باس بالوضوء به فمحمد
یراعی لون الماء وابو یوسف غلبة الاجزاء
ثم فی التتمة والذخیرة والحاصل من
مذهب ابی یوسف ان کل ماء خلط بشیء
یناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء
وهو التطهیر فالتوضی به جائز بشرط ان
لا یغلب ذلک المخلوط علی الماء حتی لا تزول
به الصفة الاصلیة وهی الرقة وذلک مثل
الصابون او الاشنان وان کان ذلک المخلوط
لا یناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء
ففی بعض الروایات اشترط لمنع جواز
التوضی غلبة ذلک الشیء الماء وفی بعض
الروایات لم یشترط ومحمد اعتبر فی
جنس هذه المسألة غلبة المخلوط الماء
لمنع جواز التوضی ولکن فی بعضها اشار الی
الغلبة من حیث اللون وفی بعضها اشار الی
الغلبة من حیث الاجزاء بحیث تسلب صفة
الرقة من الماء ویبدلها بضدها

منقول ہے جب آس یا بابونہ کو پانی میں ابالا جائے اور وہ پانی پر غالب آجائے
یہاں تک کہ بابونہ یا آس (ایک درخت جو ریحان کے
نام سے مشہور ہے) کا پانی کہلانے لگے تو اس سے
وضوء جائز نہیں انتہٰی، اور اجناس کی طرف منسوب
کیا گیا ہے کہ امام محمد نے اُس پانی کی بابت فرمایا جس
میں ریحان (پھول) یا اُشنان کو جوش دیا گیا ہو
اور اس کا رنگ تبدیل نہ ہوا ہو، یعنی نہ تو اشنان
کی وجہ سے سرخ ہوا ہو اور نہ ریحان کی وجہ سے سیاہ
ہوا ہو اور اس پر پانی ہی کا غلبہ ہو تو اس سے وضوء
کرنے میں حرج نہیں، تو امام محمد پانی کے رنگ کا
اعتبار کرتے ہیں اور ابو یوسف غلبۂ اجزاء کا اعتبار
کرتے ہیں، پھر تتمہ اور ذخیرہ میں ہے کہ ابو یوسف کے
مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو پانی سے مناسبت
رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے جو مقصود ہے اس کے مطابق ہو
اگر وہ پانی میں مل جائے تو وہ مطہر ہے اس سے وضوء
جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ مخلوط شے پانی پر غالب ہو
تاکہ پانی کی صفت اصلیہ یعنی رقت زائل نہ ہو۔ اس
کی مثال صابون اور اُشنان ہے اور اگر یہ مخلوط پانی
سے مناسبت نہ رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے
جو مقصود ہے اس سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو بعض
روایات کے مطابق اس سے وضوء کا عدم جواز اس شرط
کے ساتھ مشروط ہوگا کہ یہ شیئ پانی پر غالب آجائے
اور بعض روایات میں کوئی شرط نہیں، اور امام محمد
اس طرح کے مسئلہ میں پانی پر مخلوط شیئ کے غلبہ کا اعتبار
کرتے ہوئے اس سے وضوء جائز قرار نہیں دیتے

وھی الثخونة انتھی[1] لیکن بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہے کہ غلبہ سے مراد رنگ میں غلبہ ہے اور بعض میں اشارہ غلبہ من حیث الاجزاء مراد ہے کہ پانی کی صفت رقّت سلب ہوجائے اور اس کے بدلے میں گاڑھاپن اس میں پیدا ہوجائے انتہٰی۔ (ت)

نیز حلیہ میں ایک کلام بدائع نقل کرکے فرمایا:

ذکر فیھا وفی التحفة ومحیط رضی الدین وفتاوی قاضی خان وغیرھا اذا کان المخالط مما یطبخ الماء بہ او یخلط لزیادة التطھیر لایمنع التوضی بہ ولو تغیر لون الماء وطعمہ وذلک کالصابون والاشنان والسدر الا اذا صار غلیظا بحیث لایجری علی العضو فانہ حینئذ لایجوز لانہ زال عنہ اسم الماء اھ[2]

اس میں اور تحفہ اور محیط رضی الدین اور فتاوٰی قاضیخان وغیرہ میں ذکر کیا کہ پانی میں مخلوط شئی اگر اس قسم کی ہے کہ اس کو پانی میں پکانے یا خلط کرنے سے مقصود تطہیر میں زیادتی ہوتی ہے تو اس سے وضوء جائز ہے اگرچہ پانی کا رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو، جیسے صابن، اشنان اور بیری (کے پتے)، ہاں اگر پانی اتنا گاڑھا ہوگیا کہ اس کا سیلان ختم ہوگیا اور وہ عضو پر بہنے کے لائق بھی نہ رہا، تو اس صورت میں اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ہی سلب ہوگیا ہے اھ۔ (ت)

اقول واضفت الخطمی اخذا مما قالوہ فی الجنائز یغسل رأسہ ولحیتہ بالخطمی ان وجد والا فبالصابون ونحوہ[3] تنویر وفی التبیین اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغسل رأسہ بالخطمی وھو جنب واکتفی بہ ولم یصب علیہ الماء[4]

میں کہتا ہوں میں نے مذکورہ اشیاء میں خطمی کا اضافہ کیا ہے، یہ فقہاء کے اُن اقوال کی روشنی میں ہے، جو اُنہوں نے جنائز میں ذکر کئے ہیں فرماتے ہیں میّت کے سر اور داڑھی کو خطمی سے دھویا جائے اگر میسر ہو، ورنہ صابن وغیرہ سے دھوئیں اور یہ تنویر میں ہے اور تبیین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور جنابت کی حالت میں اپنے سر کو خطمی سے دھویا اور اسی پر اکتفا کیا اور اس پر مزید پانی نہ بہایا۔ (ت)

---

[1] حلیہ

[2] حلیہ

[3] درمختار صلوٰۃ الجنائز مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[4] تبیین الحقائق کتاب الطہارت بولاق مصر ۱/۲۱

(۱۰۸ و ۱۰۹) اقول دوا یا غذا پانی میں پکانے کو ڈالی اور آنچ کی مگر وُہ شے ابھی کچی ہے اور پانی گاڑھا نہ ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے،

لانہ لم یوجد الطبخ ولا زوال الطبع فلا الاسم قال ش عن القاموس الطبخ ھوالانضاج استواء اھ[1] وقال فی الغنیۃ القاعدۃ فی المخالطۃ بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء[2] علٰہ۔

کیونکہ اس میں نہ تو پکانا پایا گیا ہے اور نہ ہی طبیعت مار زائل ہُوئی تو اسم کبھی زائل نہ ہوا، "ش" نے قاموس سے نقل کرتے ہوئے فرمایا طبخ کے معنی استواء پکانے کے ہیں اھ اور غنیہ میں فرمایا مخالطۃ بالطبخ میں قاعدہ یہ ہے کہ مطبوخ پانی میں پک جائے۔ (ت)

(۱۱۰) اقول یونہی چائے دم کرنے کو گرم پانی میں ڈالی یا جوش ہی میں شریک کی اور جلد نکال لی کہ اثر نہ کرنے پائی اس قابل نہ ہُوا کہ اُسے چائے کہہ سکیں اگرچہ ہلکی سے ہلکی، تو اُس سے بھی وضو میں حرج نہیں لبقاء الاسم والطبع وایضا عدم الانضاج والطبخ (کیونکہ پانی کا نام اور طبیعت باقی ہے اور پکنا پکانا بھی نہیں پایا گیا۔ ت) یہاں پانی کی رنگت پر نظر ہوگی اور صورت سابقہ میں اُس کی رقت اور شے جوشاندہ کی حالت پر۔

(۱۱۱ تا ۱۱۴) عرق گاؤزبان یا اُترے ہوئے گلاب کیوڑا بید مشک جن میں خوشبو نہ رہی اور اتنے ہلکے ہیں کہ کوئی مزہ بھی محسوس نہیں ہوتا پانی میں کسی قدر مل جائیں جب تک پانی سے مقدار میں کم ہوں گی مثلاً لبالب گھڑے میں وہی گھڑا گلے تک بھرا تو اُس سے وضو ہوسکتا ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

ان کان مائعا موافقا للماء فی الاوصاف الثلثۃ کالماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان الثور وماء الورد الذی انقطعت رائحتہ علٰہ

اگر کوئی مائع پانی کے ساتھ اوصافِ ثلثہ میں مطابقت رکھتا ہے اور رقیق ہے جیسے وُہ پانی جو عمل تقطیر کے ذریعہ گاؤ زبان سے حاصل کیا جائے اور گلاب کا

علٰہ سیأتی مافیہ فی الفصل الثالث بیان الطبخ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس میں ایک اعتراض ہے جو فصل ثالث میں طبخ کے بیان میں آئے گا۔ (ت)

علٰہ وزدت انقطاع الطعم لما ستعلم ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اور میں نے انقطاعِ طعم کا اضافہ کیا ہے اسکی وجہ ان شاء اللہ تعالٰی آپ جان لیں گے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۵
[2] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

اذا اختلط بالمطلق فالعبرۃ للاجزاء فان کان الماء المطلق اکثر جاز الوضوء بالکل وان کان مغلوبا لایجوز وان استویا لم یذکر فی ظاھر الروایۃ وفی البدائع قالوا حکمہ حکم الماء المغلوب احتیاطا[1] اھ وعبارۃ الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر تعتبر فیہ الغلبۃ بالاجزاء[2] اھ

پانی جس کی خوشبو جاتی رہی ہو جب وہ مطلق پانی کے ساتھ ملایا جائے تو اعتبار اجزاء کا ہوگا تو اگر مطلق پانی زیادہ ہو تو سب سے وضوء جائز ہے اور اگر مغلوب ہو تو جائز نہیں اور اگر دونوں برابر ہوں تو ظاہر روایت میں اس کا حکم مذکور نہیں اور بدائع میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی احتیاطاً وہی ہے جو مغلوب پانی کا ہے اھ اور درر میں ہے کہ جڑی بوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے اس میں اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

اقول [ف1] واطلاقہ ینافی ضابطتہ التی تبع فیہا الامام الزیلعی فان من المستقطر ما یخالف الماء فی وصف او وصفین او الثلثۃ کما لایخفی۔

میں کہتا ہوں ان کا اس کو مطلق رکھنا ان کے اس ضابطہ کے منافی ہے جس میں انہوں نے امام زیلعی کی متابعت کی ہے، کیونکہ عمل تقطیر سے جو پانی حاصل ہوتا ہے وہ عام پانی سے ایک وصف یا دو یا تینوں میں مختلف ہوتا ہے کما لایخفی۔ (ت)

(۱۱۵) یونہی ہر عرق کہ پانی سے رنگ و مزہ و بو کسی میں ممتاز نہ ہو جیسے عطاروں کے یہاں کے اکثر عرق۔

ثم اقول کمی بیشی میں اعتبار مقدار کا ہے اور ان میں بہت چیزیں پانی سے ہلکی ہوتی ہیں تو اگر وزن میں کمی لی جائے بارہا مقدار میں بیشی ہوجائے گی لہذا ہم نے لبالب گھڑے اور گلے تک بھرے سے تمثیل دی

[ف2] وبہ ظہر ما فی عبارۃ المنحۃ حیث فسر العبرۃ للاجزاء بقولہ ای القدر والوزن[3] اھ وفی عبارۃ ابی السعود اذ قال الغلبۃ من حیث الوزن[4] [ف3] وقد نص محمد ان الماء کیلی

اور اسی سے وہ ظاہر ہوا جو منحہ کی عبارت میں ہے، جہاں انہوں نے اجزاء کی تعبیر مقدار اور وزن سے کی ہے، اور جو ابوالسعود کی عبارت میں ہے اس لئے کہ غلبہ وزن کے اعتبار سے ہے اور امام محمد نے

۱؎ بحرالرائق — کتاب الطہارۃ — سعید کمپنی کراچی — ۱/۶۹

۲؎ درر علی الغرر — فرض الغسل — کاملیہ بیروت — ۱/۲۳

۳؎ منحۃ الخالق علی البحر — الطہارۃ — سعید کمپنی کراچی — ۱/۶۹

۴؎ فتح المعین — " — " — ۱/۶۴

واجمع ائمتنا انه لیس وزنیا وقال العینی ثم ابن الشلبی لوکان الماء رطلین والمستعمل رطلا فحکمه حکم المطلق وبالعکس کالمقید[1] اھ ولکن العجب من العلامة الشرنبلالی قال فی نور الایضاح وشرحه الغلبة فی مائع لا وصف له یخالف الماء تکون بالوزن فان اختلط رطلان من المستعمل او ماء الورد الذی انقطعت رائحته برطل من الماء المطلق لایجوز به الوضوء وبعکسه جاز[2] اھ فذکر الوزن وعاد الی الکیل۔

تصریح کی ہے کہ پانی کیلی چیز ہے اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ پانی وزنی چیز نہیں، اور عینی نیز ابن الشلبی نے فرمایا کہ اگر پانی دو رطل ہے اور مستعمل ایک رطل ہے تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے اور اگر بالعکس ہو تو اس کا حکم مقید کا سا ہے اھ لیکن علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے انہوں نے نور الایضاح اور اس کی شرح میں فرمایا کہ سیال چیز جس کا کوئی وصف ایسا نہ ہو جو پانی کے مخالف ہو، تو غلبہ وزن کے اعتبار سے ہوگا تو اگر دو رطل مستعمل پانی یا گلاب کا پانی جس کی خوشبو ختم ہوچکی ہو ایک رطل مطلق پانی میں ملے گا تو اس سے وضوء جائز نہ ہوگا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وضو جائز ہے اھ تو ذکر وزن کا کیا اور لوٹ کر کیل کی طرف آئے۔ (ت)

نوع آخر اس نوع میں وہ اشیاء مذکور ہوں گی جن کی بعض صورتوں میں حکم منقول عہ کتب کچھ ہے اور

عہ **تنبیہ ضروری**: واضح ہو کہ مائے مقید میں ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول صرف دو قول ہیں:

اول قولِ امام ابو یوسف جنہوں نے تبدلِ اوصافِ آب کا اعتبار ہی نہ فرمایا صرف غلبۂ اجزاء اُن معانی پر کہ فصل ثالث میں بیان ہوں گے معتبر رکھا اور یہی صحیح ومعتمد ومختار جمہور ہے۔

دوم قولِ امام محمد جس میں تبدل اوصاف پر بھی لحاظ فرمایا یہاں ہم کو ضابطۂ امام زیلعی رحمہ اللہ تعالٰی پر کلام کرنا منظور ہے انہوں نے بھی لحاظِ اوصاف کیا ہے تو قول امام ابی یوسف کا خلاف تو ابتدا ہی سے ہُوا قولِ امام محمد پر جو احکام کتب میں منقول ہیں اُن سے ضابطۂ زیلعیہ کا موازنہ کرنا ہے کہ اتنی جگہ اس کے موافق پڑا اور ان مواضع میں اس کے بھی خلاف رہا تو اقوالِ ائمہ مذہب سے یکسر خارج ہُوا ان مباحث میں اتفاق اختلاف سے یہی مراد ہے کہ مذہب امام محمد پر احکام منقولہ اور مقتضائے زیلعیہ کا توافق یا تخالف ورنہ اصل
(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] الشلبی علی التبیین — الطہارۃ — بولاق مصر — ۱/۲۰

[2] مراقی الفلاح — " — " — ص ۱۷

ضابطۂ امام زیلعی جس کا بیان بعونہ تعالٰی فصل چہارم میں آتا ہے اس کا مقتضٰی کچھ۔ ان اشیاء کی جس صورت میں حکم منقول مقتضائے ضابطہ جواز پر متفق ہیں وہ اس قسم اول میں مذکور ہوگی اور جس میں عدم جواز پر متفق ہیں وہ قسم دوم میں اور جہاں دونوں مختلف ہیں وہ صورتیں قسم سوم کے لیے ہیں۔ یہ اشیاء دو صنف ہیں :

صنف اوّل خشک چیزیں۔

(۱۱۶) پانی میں چھوہارے ڈالے اور ابھی تھوڑی دیر گزری کہ نبیذ نہ ہوگیا اگرچہ خفیف سی شیرینی اس میں آگئی اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے کتاب المفید والمزید پھر عینی شرح صحیح بخاری و تبیین و حلیہ و ہندیہ وغیرہا میں ہے :

الماء الذی القی فیہ تمیرات فصار حلوا ولم یزل عنہ اسم الماء وھو رقیق یجوز بہ الوضوء بلاخلاف بین اصحابنا اھ[1]

وہ پانی جو کھجوروں کے ڈالے جانے کی وجہ سے میٹھا ہوگیا مگر اس کو پانی ہی کہا جاتا ہو اور اس کی رقت بھی زائل نہ ہوئی تو اس سے وضو کے جواز میں ہمارے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اھ (ت)

اقول اما فی البدائع لابد من معرفۃ نبیذ التمر الذی فیہ الخلاف وھو ان یلقی شیئ من التمر فی الماء فتخرج حلاوتہ الی الماء وھکذا ذکر ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی تفسیر نبیذ التمر الذی توضأ بہ

میں کہتا ہوں بدائع میں ہے کہ وہ نبیذ تمر جس میں اختلاف ہے اس کی معرفت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں تو ان کی مٹھاس پانی میں آجائے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبیذ تمر کی یہی تفسیر منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مذہب صحیح معتمد کہ مذہب امام ابو یوسف ہے وہ تو صور عدم جواز میں ان کے اتفاق سے بھی بعض جگہ خلاف پڑے گا جسے ہم آخر میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی نیز ان نقول کے لانے میں بڑا فائدہ مذہب امام محمد پر اطلاع ہے کہ وہ بھی بجائے خود ایک باقوت قول ہے تو بنظر احتیاط اُس کا لحاظ مناسب وباللہ التوفیق ۱۲ منہ غفرلہ وحفظ ربہ عزوجل (م)

عــہ عزاہ للحلیۃ فی الھندیۃ ولم ارہ فیھا لافی التیمم ولافی المیاہ فلعلہ ساقط من نسختی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ہندیہ میں حلیہ کی طرف نسبت کی ہے اور مجھے اس میں یہ بات نہیں ملی نہ باب التیمم میں نہ باب المیاہ میں شاید یہ میرے نسخہ سے ساقط ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ فیما لایجوز بہ التوضوء پشاور ۱/۲۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ الجن فقال تمیرات القیتھا فی الماء[1] اھ فیحمل علی ماحلا وخرج عن الاطلاق کیف وفی صدر الحدیث عند ابن ابی شیبۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لہ ھل معك من وضوء قال قلت لاقال فما فی اداوتك قلت نبیذ تمر قال تمرۃ حلوۃ وماء طیب[2] فلولا انہ خرج من الاطلاق لما قال لا۔

نے اسی سے لیلۃ الجن میں وضوء فرمایا تھا، آپ نے فرمایا میں نے کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی تھیں اھ تو اس کو اس پانی پر محمول کیا جائے جس میں مٹھاس پیدا ہوگئی ہو اور مطلق پانی سے نکل گیا ہو، جیسا اس حدیث کی ابتدا میں بروایت ابن ابی شیبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کیا تمہارے پاس وضو کا پانی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے توشہ دان میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا نبیذ تمر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو میٹھی کھجوریں اور پاک پانی ہے، تو اگر وہ پانی مطلق ہوتا تو آپ جواب میں نہ نہ فرماتے۔ (ت)

اقول وبھذا یضعف مااجاب بہ ابنا حجر فی شرحی البخاری والمشکوۃ انہ محمول علی ماء القیت فیہ تمرات یابسۃ لم تغیر لہ وصفا قال العسقلانی وانما کانوا یصنعون ذلك لان غالب میاھھم لم تکن حلوۃ[3] اھ و استشعر المکی ان ھذا لا یسمی نبیذا فقال وتسمیۃ ابن مسعود لہ نبیذا من مجاز الاول مرادا والمراد بہ الوضع اللغوی و ھوما ینبذ فیہ شیئ وان لم یغیرہ[4] اھ

میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ دو شرحوں (شرح بخاری وشرح مشکوۃ) میں ابن حجر نے جو جواب دیا ہے وہ ضعیف ہے وہ جواب یہ ہے کہ۔۔۔۔۔ اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جس میں خشک کھجوریں ڈال دی گئی ہوں جس نے پانی کا وصف نہ بدلا ہو، عسقلانی نے فرمایا اہلِ عرب ایسا اس لیے کرتے تھے کہ عام طور پر اُن کا پانی میٹھا نہیں ہوتا تھا اھ اور مکی نے فرمایا کہ اس کو نبیذ نہیں کہا جاتا ہے، اور فرمایا ابن مسعود نے اس کو مجازاً نبیذ کہا تھا اول نے مزید فرمایا کہ یا اس سے مراد اس کے لغوی وضعی معنی ہیں، یعنی وہ پانی جس میں کوئی چیز ڈال دی جائے خواہ وہ اس پانی کو متغیر نہ کرے اھ۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع المار المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ وضوء بالنبیذ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۶

[3] فتح الباری لایجوز الوضوء بالنبیذ بیروت ۱/۳۰۵

[4] شرح المشکوۃ لملا علی قاری باب احکام المیاہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۶۰

اقول[ف۱] وکل ھذا کما تری خروج عن الظاھر غیر ان ملک العلماء قال بعد ما قدمنا عنہ لان من عادة العرب انھا تطرح التمر فی الماء الملح لیحلو[۱] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ تمام تاویلات ظاہر کے برخلاف ہیں، تاہم ملک العلماء نے اس تمام گفتگو کے بعد جو ہم نے اوپر ذکر کی، فرمایا، عرب کی عادت تھی کہ وُہ کھاری پانی میں کھجوریں ڈالتے تھے تاکہ پانی میٹھا ہوجائے۔ (ت)

اقول[ف۲] فھذا میل الی ما قالاہ ولا اراہ یستقیم اذ لو کان کذا لبقی علی مائیتہ وکان مطلقا فجاز بہ الوضوء مطلقا وقد قال الشیخ الامام فی اٰخر الکلام الجواز فی نبیذ التمر ثبت معدولا بہ عن القیاس لان القیاس یابی الجواز الا بالماء المطلق وھذا لیس بماء مطلق بدلیل انہ لایجوز التوضؤ بہ مع القدرة علی الماء المطلق الا انا عرفنا الجواز بالنص[۲] اھ ولذا احتجنا الی الجواب عن الحدیث بانہ منسوخ باٰیة التیمم ونوزع ولذا مال[ف۳] الاتقانی الی قول محمد انہ یجمع بینھما لیقع الطھر بالیقین۔

میں کہتا ہوں یہ جواب بھی اُن دو حضرات کے قول کی طرف میلان ہے، مگر میرے نزدیک یہ جواب درست نہیں، کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو پانی کا نام باقی رہتا اور مطلق رہتا اور اس سے مطلقاً وضوء جائز ہوتا۔ شیخ نے آخر میں فرمایا نبیذ تمر سے وضوء کا جواز قیاس کے برخلاف ثابت ہے، کیونکہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ وضوء صرف مطلق پانی سے ہی جائز ہو، اور یہ مطلق پانی نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ماءِ مطلق پر قدرت ہوتے ہوئے اُس سے وضوء جائز نہیں، لیکن اس کا جواز ازروئے نص ثابت ہے، اھ اس لیے ہمیں ضرورت ہوئی کہ ہم حدیث کا جواب دیں، اور جواب یہ ہے کہ یہ آیت تیمم سے منسوخ ہے، اور اس لیے اتقانی امام محمد کے قول کی طرف مائل ہُوئے کہ وضوء اور تیمم دونوں کو جمع کیا جائے تاکہ طہارت بالیقین حاصل ہوجائے۔ (ت)

اقول وھو حسن جدا واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ جواب بہت اچھا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۱۷) اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ اگر پانی میں شکر یا بتاشے اتنے کم پڑے کہ شربت کی حد تک

۱؎ بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷
۲؎ ایضاً

نہ پہنچا اگرچہ ایک ہلکی سی مٹھاس آگئی تو اُس سے وضوء روا ہے۔

(۱۱۸) اقول یُوں ہی دوا پانی میں بھگوئی جب تک پانی میں اُس کا اثر نہ آجائے کہ اب اسے دوا کہیں پانی نہ کہیں اُس وقت تک اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ پانی کے اوصاف بدل جائیں وکفی شاھدا علیه مسألة الاوراق فی الحیاض (اس پر دلیل حوضوں میں پتّوں کا مسئلہ کافی ہے۔ ت)

(۱۱۹) کُسم

(۱۲۰) کیسر

(۱۲۱) کسیس

(۱۲۲) مازو

یہ چیزیں اگر پانی میں اتنی کم حل ہُوئیں کہ پانی رنگنے یا لکھنے حرف کا نقش بننے کے قابل نہ ہوگیا تو اُس سے بالاتفاق وضوء جائز ہے۔

وذلك ان العبارات جاءت فیها علی اربعة مسالك الاول یجوز مطلقا مالم تغلب علی الماء بالاجزاء قال فی الهدایة قال الشافعی رحمه الله تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباهه ممالیس من جنس الارض لانه ماء مقید الاتری انه یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلو عنها عادة ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الاتری انه لم یتجدد له اسم علیحدة واضافته الی الزعفران کاضافته الی البئر والعین ولان الخلط القلیل لامعتبر به لعدم امکان الاحتراز عنه کما فی اجزاء الارض فیعتبر الغالب والغلبة بالاجزاء لابتغیر اللون هو الصحیح اھ[1]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عبارات اس سلسلہ میں چار مسالک پر مشتمل ہیں:

پہلا مسلک: وضوء مطلقا جائز ہے تاوقتیکہ اُس کے اجزاء پانی پر غالب نہ ہوجائیں، ہدایہ میں ہے امام شافعی نے فرمایا زعفران اور اسی کی مثل دوسری اشیاء کے پانی سے وضوء جائز نہیں یعنی وُہ اشیاء جو زمین کی جنس سے نہیں، کیونکہ یہ مقید پانی ہے۔ اس لئے کہتے ہیں زعفران کا پانی' اور زمین کے اجزاء کا معاملہ اس کے برعکس ہے' کیونکہ پانی عام طور پر ان اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے کیونکہ اس کا کوئی نیا نام نہیں ہے' اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کنوئیں اور چشمے کی طرف ہوتی ہے اور تھوڑی ملاوٹ کا

---

[1] ہدایہ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

وفی الانقرویۃ یجوز التوضی بماء الزعفران عندنا وعند الشافعی لایجوز[1] اھ وفی الظھیریۃ ثم البحر وفی الخانیۃ اذا طرح الزاج فی الماء حتی اسود (زاد فی الخانیۃ لکن لم تذھب رقتہ) جاز بہ الوضوء[2] اھ ومثل الخانیۃ فی المنیۃ عن الملتقط وزاد وکذا العفص اھ قال فی الغنیۃ[عـه] جاز مع تغیر لونہ وطعمہ وریحہ[3] اھ وفی الخانیۃ لابماء ورد و زعفران اذا ذھبت رقتہ و صار ثخینا وان بقیت رقتہ ولطافتہ جاز[4] اھ وفی جواھر الاخلاطی اذا خالط شیئ من الطاھرات ولم یطبخ کالزعفران والزردج یجوز التوضی بہ[5] اھ ای وقید بقاء الرقۃ معلوم لاحاجۃ الی ابانتہ وفی مسکین علی الکنز لایجوز بما غلب علیہ

کوئی اعتبار نہیں کہ اُس سے بچنا ممکن نہیں، جیسا کہ زمین کے اجزاء میں ہوتا ہے، تو غالب کا اعتبار رہیگا اور غلبہ باعتبارِ اجزاء ہوتا ہے نہ کہ رنگ کے بدلنے سے، یہی صحیح ہے اھ اور فتاوٰی انقرویہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک زعفران کے پانی سے وضوء جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اھ، ظہیریہ، بحر اور خانیہ میں ہے کہ جب زردج پانی میں ڈالا گیا اور پانی سیاہ ہوگیا (خانیہ میں اضافہ بھی ہے مگر اسکی رقت زائل نہ ہوئی) تو اس سے وضوء جائز ہے اھ اور خانیہ کی طرح غنیہ میں ملتقط سے منقول ہے اس میں عفص کا اضافہ بھی ہے اھ غنیہ میں ہے اس کے مزے بُو اور رنگ کے بدل جانے کے باوجود وضوء جائز ہے اھ اور خانیہ میں ہے نہ کہ گلاب اور زعفران کے پانی سے جبکہ اس کی رقّت ختم ہوجائے اور گاڑھا ہوجائے، اور اگر اس کی رقّت ولطافت باقی رہے تو اُس سے وضوء جائز ہے اھ جواہر اخلاطی میں ہے کہ جب کوئی پاک شیئ پانی میں مل جائے اور اس کو

عـه وفی صغیرہ القلیل من الزعفران یغیر الاوصاف الثلثۃ مع کونہ رقیقا فیجوز الوضوء والغسل بہ ۱۲ منہ (م)

اور اسکی شرح صغیر میں ہے کہ تھوڑی زعفران پانی کے تینوں اوصاف کو بدل دے مگر پانی رقیق ہو تو اس سے وضوء اور غسل جائز ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] رسائل الارکان بالمعنی فصل فی المیاہ مطبع علوی ص ۲۴
[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹
[3] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰
[4] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۹
[5] جواہر الاخلاطی

غیرالماء مثل الزعفران اجزاء وھو احتراز عن الغلبۃ لونا وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی اھ[1] وفی وجیز الکردری ماء المزردج والصابون والعصفر والسیل لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز التوضی بہ اھ[2] بل فی الغرر یجوز وان غیر اوصافہ جامد کزعفران وورق فی الاصح[3] وفی نورالایضاح لایضر تغیراوصافہ کلھا بجامد کزعفران[4] اھ فھذہ نصوص متظافرۃ اما ما فی الخانیۃ التوضؤ بماء الزعفران وزردج العصفر یجوز ان کان رقیقا والماء غالب فان غلبتہ الحمرۃ وصار متماسکا لا یجوز اھ[5]۔

پکایا نہ گیا ہو جیسے زعفران اور زردج، تو اس سے وضوء جائز ہے اور رقت کے بقاء کی قید سب کو معلوم ہے لہذا اظہار کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور مسکین علی الکنز میں ہے کہ جب پانی پر کسی دوسری شے کا غلبہ ہو جائے تو اس سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران جبکہ یہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہو، اور اجزاء کی قید سے لون (رنگ) اس سے خارج ہو گیا اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اھ اور وجیز کردری میں ہے کہ زردج، صابون، عصفر اور سیلاب کا پانی اگر رقیق ہو اور یہ پانی عضو پر بہہ سکتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے اھ بلکہ غرر میں ہے کہ اگرچہ کوئی جامد چیز اس کے اوصاف کو بدل دے تو بھی وضو جائز ہے جیسے زعفران اور پتے، اصح قول کے مطابق۔ اور نور الایضاح میں ہے کہ کسی جامد چیز کا پانی کے اوصاف کو متغیر کر دینا مضر نہیں، جیسے زعفران اھ تو یہ نصوص ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں، اور جو خانیہ میں ہے کہ زعفران، زردج، عصفر کے پانی سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ رقیق ہو اور پانی کا غلبہ ہو پس اگر اس پر سرخی غالب ہو جائے اور گاڑھا ہو جائے تو وضوء جائز نہیں اھ (ت)

فاقول اولہ صریح فی اعتبار الرقۃ وفی اٰخرہ وان ذکر الحمرۃ فقد تدارکہ بقولہ وصار متماسکا فلم یکتف بغلبۃ اللون مالم یثخن ثم اکدہ بان قال

میں کہتا ہوں اس کی ابتداء رقت کے اعتبار میں صریح ہے اور اس کے آخر میں اگرچہ سرخی کا ذکر ہے لیکن اس کا تدارک اس لفظ سے کر دیا کہ وہ گاڑھا ہو جائے، تو جب تک گاڑھا نہ ہو رنگ کے غلبہ کا

---

[1] فتح المعین کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۳/۱

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی الہندیۃ نوع المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰/۲

[3] الغرر متن الدرر کتاب الطہارۃ مطبعۃ کاملیہ بیروت ۲۱/۱

[4] نورالایضاح کتاب الطہارت مطبعۃ علیمیہ لاہور ص ۳

[5] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی مطبعۃ نولکشور لکھنؤ ۹/۱

متصلا به اما عند ابی یوسف رحمه الله تعالٰی تعتبر الغلبة من حیث الاجزاء لا من حیث اللون هو الصحیح[1] اھ ومثل هذا ما فی الخلاصة رجل توضأ بماء الزردج او العصفر او الصابون ان کان رقیقا یستبین الماء منه یجوز وان غلبت علیه الحمرة وصار نشاستج لا یجوز[2] اھ فصرح بالبناء علی الثخونة وبقی ذکر الحمرة فی الکتابین کالمستدرك[عه]۔

اعتبار نہیں پھر اس کی تائید میں متصلاً فرمایا کہ ابو یوسف کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے غلبہ معتبر ہے رنگ کے اعتبار سے نہیں، یہی صحیح ہے اھ اور اسی کی مثل خلاصہ میں ہے کہ کسی شخص نے زردچ، عصفر یا صابن کے پانی سے وضو کیا، اگر وہ رقیق ہو جس سے پانی واضح ہوتا ہو تو وضو جائز ہے اور اگر اس پر سُرخی غالب ہوگئی ہو اور نشاستہ بن گیا ہو تو وضو جائز نہیں اھ تو اس میں اس کی تصریح ہے کہ دارومدار گاڑھے پن پر ہے اور دونوں کتابوں میں سرخی کا ذکر مستدرک کی طرح ہے۔ (ت)

الثانی لا یجوز مطلقا فی شرح الطحاوی ثم خزانة المفتین المقید مثل ماء الاشجار والثمار وماء الزعفران[3] اھ وفی المنیة لا تجوز بالماء المقید کماء الزعفران[4] اھ قال فی الحلیة محمول علی ما اذا کان الزعفران غالبا[5] اھ

اقول هذا مبهم یحتمل الغلبة

دُوسرا مسلک: مطلقاً جائز نہیں،

شرح طحاوی اور خزانۃ المفتین میں ہے مقید جس طرح درخت اور پھلوں کا پانی اور زعفران کا پانی اھ اور منیہ میں ہے کہ مقید پانی سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران کا پانی اھ حلیہ میں کہا کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ زعفران غالب ہو اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں یہ مبہم ہے اس میں اجزاء کے

عه ستأتی فائدة له اٰخر الضابطة السادسة من الفصل الثالث ولذا قال کالمستدرك ای فی النظر الظاهر ۱۲ منه غفر له (م)

تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ کے آخر میں اس کے لیے ایک فائدہ بیان کیا ہے اس لیے فرمایا کالمستدرك یعنی نظر ظاہر میں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فیما لا یجوز به التوضی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[2] خلاصة الفتاوٰی بیان الماء المقید " " ۱/۸
[3] خزانة المفتین
[4] منیة المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳
[5] حلیة

بالاجزاء وباللون وافصح فی الغنیۃ فقال المراد ماخثربہ وخرج عن الرقۃ او ما یستخرج منہ رطباکما یستخرج من الورد اھ[1]

اعتبار سے بھی غلبہ کا احتمال ہے اور رنگ کے اعتبار سے بھی ہے، اور غنیہ میں وضاحت ہے، فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو گاڑھا ہوگیا ہو اور رقت ختم ہوگئی ہو، یاوہ ہے جواس سے تر نکلتا ہو جیسا کہ گلاب سے نکلتا ہے اھ (ت)

اقول فعلی الثانی یخرج من البین و علی الاول یرجع الی الاول وھو الذی نص علیہ فی المنیۃ نفسہا من بعد اذ قال تجوز الطہارۃ بالماء الذی اختلط بہ الزعفران بشرط ان تکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنہ اسم الماء اھ[2]۔

میں کہتا ہوں تو دوسری صورت میں یہ اختلافی صورت سے الگ ہوجائیگا، اور پہلی صورت میں پہلی کی طرف رجوع کرے گا یہ وہ ہے جس پر منیہ میں صراحت ہے، انہوں نے کہا کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں زعفران ملائی گئی ہو بشرطیکہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو غلبہ ہو، اور پانی کا اطلاق اس پر ہوتا ہو۔ (ت)

الثالث یجوز[عہ] مالم یصلح للصبغ والنقش فی الفتح والحلیۃ صرح فی التجنیس

تیسرا مسلک: اس سے وضو جائز ہے جو رنگنے اور نقش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو یہ فتح اور

عہ فی الارکان الاربعۃ للمولی بحر العلوم اللکنوی لایجوز التوضی بماء الزعفران و العصفر والزردج اذا کان بحیث یلون البدن او الثوب لانہ ذھب اسم الماء حقیقۃ واما اذا صار بلیدا فلیس ماء مطلقا ولاماء مقیدا فلا یطلق علیہ الماء لاحقیقۃ ولا مجازا اھ

بحر العلوم کی ارکان اربعہ میں ہے زعفران، عصفر اور زردج کے پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں جبکہ وہ بدن یا کپڑے کو رنگ دے کیونکہ اب حقیقۃً پانی کا نام اس سے ختم ہوگیا اور جب وہ گاڑھا ہوجائے تو نہ مطلق پانی ہے اور نہ مقید پانی ہے اور اس پر نہ تو پانی کا حقیقۃً اطلاق ہوتا ہے اور نہ مجازاً اھ

اقول فیہ **اولاً** ان ماصلح منہ للصبغ لم یتبدل ذاتا فی الحقیقۃ انما تغیر وصف لہ فھو ماء حقیقۃ نعم لم یبق ماء

میں کہتا ہوں **اولاً** اگر پانی رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پانی ذات کے اعتبار سے حقیقۃً نہیں بدلا، صرف اس کا وصف بدلا ہے، تو وہ حقیقۃً پانی ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] غنیۃ المستملی فصل احکام المیاہ مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۹

[2] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مطلقا الا ان یرید الحقیقۃ العرفیۃ المفہومۃ عند الاطلاق۔

وثانیا سیحصل عنہ الثخین بانہ لیس ماء مطلقا ولا مقیدا فقد افاد ان ھذا ماء مقید فکیف لایکون ماء حقیقۃ فان المطلق والمقید صنفان من الماء۔

وثالثا الثخین وان لم یبق ماء اصلا علی ما افادہ فی الفتح فلا مانع من اطلاق الماء مجازا باعتبار ما کان۔

ورابعا الحکم المنقول فی ماء الزردج ماقدمنا فی ۸۱ من ان العبرۃ بالرقۃ ولم ار ما وقع ھھنا لغیرہ ویظھرلی ان لامحل لہ لانہ لیس مما یصبغ بہ کما تقدم ثمہ وکونہ مما یلون الثوب ان اصابہ لایجعلہ نوعا اٰخر غیر الماء مادام رقیقا اذ الانواع عندنا بالاغراض الاتری ان التمر والزبیب اذا القیا فی الماء یغیران لونہ وطعمہ قبل ان یصیرا نبیذا ویجوز الوضوء بہ بالاجماع کما مر فی ۱۱۶ مع انھما لواصابا ثوبا ابیض لوناہ وذلک لان المقصود ھھنا النبیذ دون الصبغ فلایزول الاسم الابحصول المقصود علیہ الرحمۃ۔ اربع معروضات علی المولٰی بحرالعلوم عبدالعلی اللکنوی۔ (ت)

صرف مطلق پانی نہیں رہا، ہاں اگر حقیقۃ عرفیہ کا ارادہ کیا جائے جو اطلاق کے وقت سمجھی جاتی ہے تو اور بات ہے۔

ثانیاً گاڑھا ہونے سے وہ نہ مطلق پانی رہا اور نہ مقید، تو انہوں نے بتایا کہ یہ مقید پانی ہے، اس صورت میں وہ حقیقۃً پانی کیوں نہ ہوگا کیونکہ مطلق اور مقید دونوں ہی پانی کی اقسام ہیں۔

ثالثاً گاڑھا اگرچہ فتح کے بقول پانی نہ رہا تو باعتبار ماکان مجازاً اس پر پانی کے اطلاق میں کوئی مانع نہیں۔

رابعاً وہ حکم جو زردج کے پانی کی بابت منقول ہے جو ہم نے ۸۱ میں نقل کیا کہ اعتبار رقت کا ہے اور میں نے دوسروں کا بیان نہیں دیکھا اور مجھے لگتا ہے کہ اس کا یہاں محل نہیں، کیونکہ اس سے رنگا نہیں جاتا ہے جیسا کہ وہاں گزرا اور اس کے کپڑے کو رنگنے سے اگر کپڑے کو لگ جائے اسکا ایک مستقل نوع بنانا لازم نہیں آتا جب تک وہ رقیق ہے دوسری نوع نہیں بنے گا کیونکہ ہمارے نزدیک انواع اغراض سے وجود میں آتی ہیں، مثلاً کھجور اور منقی جب پانی میں ڈالے جائیں تو وہ اس کے رنگ اور مزے کے بدل دیتے ہیں، اور ابھی وہ نبیذ نہیں بنا ہوتا ہے اور اس سے وضو بالاجماع جائز ہوتا ہے جیسا کہ ۱۱۶ میں گزرا حالانکہ اگر یہ دونوں چیزیں سفید کپڑے کو لگ جائیں تو اس کا رنگ بدل دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود نبیذ ہے نہ کہ رنگ، تو اس کا نام اس وقت تک نہ بدلے گا جب تک مقصود حاصل نہ ہو۔ یہ چار معروضات بحرالعلوم پر ہیں۔ (ت)

قول الجرجانی اذا طرح الزاج او العفص فی الماء جاز الوضوء بہ ان کان لا ینقش اذا کتب فان نقش لا یجوز والماء ھو المغلوب[1] اھ و مثلہ فی الھندیۃ عن البحر عن التجنیس من قولہ اذا طرح الی قولہ لا یجوز و فی القنیۃ ثم معراج الدرایۃ ثم البحر ثم الدر ثم فتح اللہ المعین الزعفران اذا وقع فی الماء ان امکن الصبغ فیہ فلیس بماء مطلق[2] اھ

اجزاء کے جرجانی کا قول ہے جب زاج یا عفص پانی میں ڈالا جائے تو اس سے وضوء جائز ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب اس کے ذریعہ لکھنے سے نقش نہ آتا ہو اگر نقش آئے تو جائز نہیں، جبکہ پانی مغلوب ہو اھ، اور اسی کی مثل ہندیہ میں بحر سے تجنیس سے ہے، ان کے قول اذا طرح سے لا یجوز تک اور قنیہ، معراج، بحر، در پھر فتح اللہ المعین میں ہے کہ اگر زعفران پانی میں پڑجائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے اھ

الرابع یجوز مالم یغلب لونہا لون الماء فی الشلبیۃ عن یحیی عن الامام القاضی الاسبیجابی الماء ان اختلط بہ طاھر فان غیر لونہ فالعبرۃ للون فان کان الغالب لون الماء جاز الوضوء بہ والا فلا وذلک مثل اللبن والخل والزعفران یختلط بالماء[3] اھ ومثلہ فی خزانۃ المفتین والبرجندی۔

چوتھا مسلک: وضوء جائز ہے جب تک اس کا رنگ پانی کے رنگ پر غالب نہ ہو، شلبیہ میں یحیٰی سے امام قاضی اسبیجابی سے منقول ہے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے رنگ کو بدل دے تو اعتبار رنگ کا ہوگا اگر پانی کا رنگ غالب ہو تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں، مثلاً دودھ، سرکہ اور زعفران پانی میں مل جائے اھ اسی کی مثل خزانۃ المفتین اور برجندی میں ہے۔ (ت)

اقول قدمنا ۱۱۶ اجماع اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم علی جواز الوضوء بماء القی فیہ تمیرات فحلا ولم یصر نبیذا ومعلوم قطعا ان اللون اسبق تغیرا فیہ من الطعم فاستقر الاجماع علی ان تغیرا للون و

میں کہتا ہوں ہم نے ۱۱۶ میں اپنے اصحاب کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں تو نبیذ بننے سے پہلے پہلے اس میں مٹھاس آجائے اور یہ قطعی معلوم ہے کہ رنگ مزہ کے متغیر ہونے سے پہلے بدل جاتا ہے تو اجماع اس پر قائم ہے کہ

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵
[2] دُرمختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۳۵
[3] شلبی علی التبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

الطعم بجامد لایضر مالم یزل الاسم فیجب
حمل هذا الرابع وکذا الثانی علی الثالث ثم
قد انعقد الاجماع والاطباق ۞ من جمیع
الحذاق ۞ بغیر خلف وشقاق ۞ ان زوال
الاسم لیسلب الاطلاق ۞ کیف وانما عین
الشرع للوضوء الماء ۞ وهذا اذا زال الاسم
لیس بماء ۞ فهذا الشرط ملحوظ ابدا بلا
امتراء ۞ وان کان یطوی ذکره ۞ للعلم بالعلم
به اذ شاع امره ۞ فیجب حمل الاول علی ایضا

رنگ اور مزے کا کسی جامد سے بدلنا اس وقت تک
مضر نہیں جب تک کہ نام نہ بدل جائے تو اس
چوتھے اور دوسرے کا تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے۔
پھر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جب نام زائل ہوجائے
تو اطلاق باقی نہیں رہتا کیونکہ شریعت نے وضوء
کے لیے پانی کو متعین کر رکھا ہے اور جب نام زائل
ہوگیا تو پانی نہ رہا یہ شرط اگرچہ
مذکور نہ ہو معتبر رہے گی، تو پہلے کو بھی
تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے، اس طرح

علٰی ولکن العجب من العلامة الخادمی
اذ رد الثالث بالاول حیث قال عند قول
الغرر الماء یجوز وان غیر اوصافه جامد
کزعفران فی الاصح مانصه قیل عن
البحر ان امکن الصبغ به لم یجز کنبیذ
التمر لکن الظاهر انه علی الروایة المشار
الی نفیها بقوله فی الاصح اذ هذا القول اشارة
الی نفی ماعن الفقیه احمد بن ابرهیم انه
لوظهر لون المخالط فی الکف لایجوز اھ فقد
علمت انه لامساس له بنفی الثالث بل یجب
رده الی هذا نعم نفی قول الفقیه صحیح
وجیه لان ظهور لون الاوراق فی الکف
فی ماء الحوض لایزیل عنه اسم الماء بخلاف
الزعفران اذا جعله صالحا للصبغ ثم
من العجب کلام الفقیه انما کان فی الاوراق

لیکن علامہ خادمی پر تعجب ہے کہ انہوں نے پہلے سے
تیسرے کا رد کیا ہے۔ جہاں انہوں نے غرر کے
گزشتہ قول "وان غیر اوصافه جامد الخ" کے
تحت فرمایا کہ بحر سے منقول ہے اگر وہ رنگنے کے قابل
ہو تو جائز نہیں، جیسے نبیذِ تمر سے، لیکن ظاہر میں
روایت مشار پر اس کی نفی ہے اس کے قول فی
الاصح سے، کیونکہ یہ قول اشارہ ہے اس کی نفی
پر جو فقیہ احمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ اگر ملنے
والی چیز کا رنگ ہتھیلی میں ظاہر ہو تو اس پانی سے
وضو جائز نہیں اھ آپ جانتے ہیں کہ تیسرے کی نفی
سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کی طرف اس کا
رد واجب ہے۔ ہاں فقیہ کے قول کی نفی درست
ہے، کیونکہ حوض سے پانی لینے میں ہتھیلی پر پتوں کے رنگ کے
ظہور سے پانی کا نام زائل نہیں ہوتا، زعفران کا حکم اس کے برخلاف
ہے جبکہ وہ پانی کو رنگنے کے قابل کردے، پھر تعجب ہے کہ فقیہ کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

على الثالث فيزول الشقاق؛ ويحصل الوفاق؛ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

یہ مسئلہ متفقہ ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۲۳) **اقول** یونہی رنگت کی پڑیاں کہ اب چلی ہیں اور ہماری تحقیق میں ان کی طہارت پر فتوٰی ہے جب پانی میں اتنی خفیف ملیں کہ رنگنے کے قابل نہ ہوجائے اگرچہ رنگت بدل جائے۔

(۱۲۴) یونہی روشنائی جبکہ اس کے ملنے سے پانی لکھنے کے لائق نہ ہوجائے **اقول** یعنی اُس سے حرف کا نقش نہ بنے جو بعد خشکی پڑھنے میں آئے اگرچہ پھیکا ہو۔

صنف دوم بہتی چیزیں۔

(۱۲۵ و ۱۲۶) جس پانی میں زعفران حل کیا ہُوا پانی یا شہاب اتنا کم پڑے کہ ان پانیوں کی رنگت اُس سادہ پانی پر غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

قال الامام ملك العلماء فی البدائع الماء المطلق اذا خالطه شیئ من المائعات الطاهرة کاللبن والخل ونقیع الزبیب ونحو ذلك ینظر ان کان یخالف لونه لون الماء کاللبن

ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا "مطلق پانی میں جب کوئی سیال پاک چیز مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقی کا عرق وغیرہ تو یہ دیکھا جائیگا کہ اس کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہے یا نہیں، مثلاً دودھ،

(بقیہ حاشیہ ص گزشتہ)

وبدله الفاضل الناقل بالمخالط فعم الزعفران والله المستعان ثم العجب فوق کل العجب ان الفاضل نفسه زاد بعد قول الغرر ان بقی رقته لفظة واسمه ایضا اھ فقد کان یعلم ان الرقة لاتنفع اذا زال الاسم فکیف یجعل القول الثالث مبنیا علی الروایة المنفیة ۱۲ منه غفرله (م)

کلام تو پتوں سے متعلق تھا اور فاضل ناقل نے اسے مخالط سے بدل دیا ہے تو اس نے زعفران کو شامل کرلیا ہے واللہ المستعان۔ پھر بڑا تعجب ہے کہ خود فاضل نے غرر کے قول "وان بقی رقته" کے بعد ایک لفظ "واسمه ایضا اھ" کا اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ پانی کے نام کے زوال کے بعد رقت کا کوئی فائدہ نہیں تو قولِ ثالث کو روایت منفیہ پر مبنی کس طرح کیا جائے گا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وماء العصفر والزعفران تعتبر الغلبة فی اللون اھ[1] وفی الحلیۃ نقل فخر الدین الزیلعی عن الاسبیجابی ونجم الدین الزاھدی عن زاد الفقہاء، قالوا ان کان المخالط شیئا لونہ یخالف لون الماء، مثل اللبن والخل وماء الزعفران ان کانت الغلبۃ للون الماء یجوز التوضی بہ وان کان مغلوبا لایجوز اھ[2]

عصفر یا زعفران کا پانی، اگر ایسا ہے تو پانی میں رنگ کے غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ اور حلیہ میں ہے فخر الدین زیلعی نے اسبیجابی سے اور نجم الدین زاہدی نے زاد الفقہاء سے نقل کیا، ان حضرات نے فرمایا کہ اگر ملنے والی اشیاء کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہو جیسے دودھ، سرکہ اور زعفران کا پانی، اور ایسی صورت میں غلبہ پانی کے رنگ کو ہو تو وضو جائز ہے اور اگر پانی کا رنگ مغلوب ہو تو وضو جائز نہیں۔ (ت)

اقول ولا شک ان ھذا الماء یخالف الماء المطلق فی الاوصاف الثلثۃ فعلی ضابطۃ الامام الزیلعی یعتبر تغیر وصفین فکان یحتمل ان تقتضی الضابطۃ خلاف ھذا الحکم المنقول فیما اذا غلب علی المطلق طعمہ وریحہ دون لونہ لکنہ غیر معقول لان اللون اقوی اوصافہ واسرع اثرا فان تغیر شیئ من اوصاف الماء، تغیر لونہ قبلہ وان لم یتغیر شیئ فلم یحصل فی جانب الجواز خلاف۔

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ یہ پانی مطلق پانی سے تینوں اوصاف میں مختلف ہوگا تو امام زیلعی کے ضابطہ کے مطابق اس میں دو وصفوں کے تغیر کا اعتبار ہوگا، اس میں یہ احتمال تھا کہ اس ضابطہ کی رُو سے مذکور حکم کے برخلاف حکم اس صورت میں ہوتا جبکہ مطلق پانی پر مزہ اور بُو کا غلبہ ہوا ہو نہ کہ رنگ کا۔ مگر یہ بات معقول نہیں ہے کیونکہ رنگ پانی کے اوصاف میں قوی تر اور زُود اثر ہے تو اگر پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف بدلتا تو سب سے پہلے تو رنگ ہی بدلتا، اور رنگ نہیں بدلا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی وصف نہیں بدلا، تو جواز کی صورت میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ (ت)

(۱۲۷) یُوں ہی پُڑیا حل کیا ہوا پانی پانی میں ملنے سے اس کی رنگت غالب نہ آئے تو وضو روا ہے۔

اقول لانہ ان کان ذا ریح کماء الزعفران والعصفر اولا فذو وصفین

میں کہتا ہوں اس لیے اگر وہ چیز خوشبودار ہو تو جیسے زعفران اور عصفر کا پانی ہے یا نہ ہو تو دو وصف

عہ بالرفع عطفا علی فخر الدین ۱۲ منہ غفرلہ (م)

رفع کے ساتھ کیونکہ اس کا فخر الدین پر عطف ہے (ت)

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المطلق سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] حلیۃ

ولایتغیر الطعم مالم یتغیر اللون فلا یحصل الخلاف۔

والی ہوگی، اور مزہ اس وقت تک نہ بدلے گا جب تک رنگ نہ بدلے تو اختلاف نہ ہوا۔ (ت)

(۱۲۸) آبِ تربوز جسے تربوز کا شربت کہتے ہیں جس میٹھے پانی میں اتنا ملے کہ اس کا مزہ پانی پر غالب ہوجائے اس سے بالاتفاق وضو ہوسکتا ہے۔ تبیین الحقائق و فتح القدیر و حلیہ و غنیہ و درر و بحر وغیرہا میں ہے:

ماء البطیخ تعتبر الغلبة فیه بالطعم[1] اھ اقول ویظھر لی تقییدہ بالماء العذب کما فعلت فان الماء الملح ربما تبلغ ملوحتہ بحیث لوخلط بہ ماء الحبحب اکثر من نصفہ لم یغلب علی طعمہ بل کانت حلاوۃ ھذا ھی المغلوبة فاعتبار الطعم ھھنا تضییق یؤدی الی توسیع خارج عن القوانین بمرۃ فلیتنبہ۔

آبِ خربوزہ میں مزہ کے غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ اقول اور اس کو میٹھے پانی سے مقید کرنا ضروری ہے جیسا کہ میں نے کہا ہے کیونکہ کھارے پانی کی نمکینی بعض اوقات اس درجہ زیادہ ہوتی ہے کہ اگر اس میں تربوز کا پانی آدھے سے بھی زیادہ ملا دیا جائے تو اس کا مزہ نہیں بدلتا ہے، بلکہ اس کی مٹھاس مغلوب ہوجاتی ہے، تو یہاں مزہ کا اعتبار کرنا بڑی تنگی ہے، اس سے معاملہ بہت پھیل جائے گا جو شرعی قوانین کے بالکل مخالف ہے فلیتنبہ۔ (ت)

اقول وھو وان کان ذا الاوصاف الثلثة کما سیأتی لکن طعمہ اقوی فاذا لم یتغیر لم یتغیر شیئ فلا یحصل الخلاف فی جانب الجواز واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں وہ پانی اگرچہ تین اوصاف والا ہو (جیسا کہ آئے گا) لیکن اس کا مزہ قوی تر ہے، تو جب مزہ نہ بدلا تو کوئی وصف نہیں بدلے گا تو جواز کی جانب میں کوئی خلاف نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۲۹) یوں ہی سپید انگور کا شیرہ اگر شیریں پانی میں ملے مزہ کا اعتبار ہے اگر اُس کا مزہ غالب نہ ہوا قابلِ وضو ہے، بدائع میں ہے:

انکان لایخالف الماء فی اللون ویخالفہ فی الطعم کعصیر العنب الابیض و خلہ تعتبر الغلبة فی الطعم[2] اھ اقول وقیدتہ بالعذب لما علمت وحصول الوفاق لما سمعت۔

اگر وہ پانی کے رنگ میں مخالف نہ ہو مگر مزہ میں مخالف ہو جیسے شیرۂ انگور سفید اور سفید انگور کا سرکہ تو مزہ میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ میں کہتا ہوں میں نے میٹھے کی قید اس لیے لگائی کہ آپ جان چکے ہیں اور اتفاق کا حاصل ہوجانا بھی آپ کو معلوم ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

(۱۳۰) سپید انگور کا سرکہ اگر اُس کا مزہ اور بُو پانی پر کچھ غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے،

اقول لانہ ذو وصفین وریحہ اقوی فان تغیر ریح الماء دون طعمہ لم یجز علی قضیۃ الضابطۃ خلافا للحکم المنقول المار انفا عن البدائع فلم یحصل الوفاق فی جانب الجواز الا اذا لم یتغیر شیئ۔

میں کہتا ہوں اس لیے کہ اس میں دو وصف ہیں، اور اس کی بُو قوی تر ہے تو اگر پانی کی بُو بدل گئی مزہ نہ بدلا تو ضابطہ کی رُو سے وضو جائز نہ ہوگا لیکن بدائع کے حوالے سے جو حکم ابھی گزرا ہے یہ اُس کے برخلاف ہے تو جواز کی جانب میں اتفاق حاصل نہ ہوا، یہ صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ کوئی وصف نہ بدلے۔ (ت)

(۱۳۱) اور سرکے کہ رنگت بھی رکھتے ہیں اگر پانی میں اتنے ملیں کہ اُن کا کوئی وصف پانی پر غالب نہ آئے یا صرف بُو غالب آئے اُس سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔

اقول وذلك لانہا ذوات الثلاث ومعلوم ان ریح الخل اقوی شیئ فلا یقع ان یتغیر طعم الماء وحدہ اولونہ فقط اوھما معا لا ریحہ بل اما لا یتغیر شیئ او یتغیر الکل او الریح وحدہ او مع اللون او مع الطعم والعبرۃ فی الضابطۃ للغلبۃ بوصفین والمنقول الغلبۃ باللون وحدہ کما مر عن حلیۃ عن الزیلعی عن الاسبیجابی وعن النجم الزاھدی عن زاد الفقھاء وتقدم عن الامام ملك العلماء فیتفق المنقول والضابطۃ فی الصورۃ الاولی والثالثۃ علی الجواز وفی الثانیۃ والرابعۃ علی المنع وفی الخامسۃ تنفرد الضابطۃ بالمنع۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین وصف والے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ سرکہ کی بُو قوی ترشَی ہے تو یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ صرف پانی کا مزہ بدلے یا رنگ بدلے یا دونوں بدل جائیں اور بُو نہ بدلے، بلکہ یا تو کچھ نہیں بدلے گا یا سب کچھ بدل جائے گا یا صرف بُو بدلے گی یا رنگ کے ساتھ یا مزہ کے ساتھ اور ضابطہ میں اعتبار غلبہ کو ہے دو وصفوں کے ساتھ، اور جو منقول ہے وہ صرف رنگ کا غلبہ ہے جیسا کہ حلیہ سے زیلعی سے اسبیجابی سے اور نجم زاہدی سے زاد الفقہا سے گزرا، اور امام ملک العلماء سے بھی یہی منقول ہوا ہے اس لیے نقل اور ضابطہ میں اتفاق ہوگیا، پہلی صورت اور تیسری میں اتفاق جواز پر ہے اور دوسری اور تیسری میں عدم جواز پر اور پانچویں صورت میں ضابطہ کی رُو سے عدم جواز ہے۔ (ت)

(۱۳۲) اقول اگر کوئی ذی لون سرکہ ایسا ہو کہ اُس کا مزہ اس کے سب اوصاف سے اقوی ہو کر اس کا قلیل سب سے پہلے پانی کے مزے کو بدلے اُس سے زاید ملے تو بُو یا رنگ میں تغیر آئے اس صورت میں

اگر پانی کا کوئی وصف نہ بدلے یا صرف مزہ متغیر ہو تو اس سے وضو بالاتفاق جائز ہے لعدم غلبۃ اللون فی المنقول ولا تغیر وصفین فی الضابطۃ (کیونکہ رنگ کا غلبہ نہیں ہے منقول میں اور دو وصفوں کا تغیر نہیں ہے ضابطہ میں۔ ت)

(۱۳۳) **اقول** اور اگر بالفرض اس کی رنگت سب سے قوی تر اور پہلے اثر کرنے والی ہو تو اس کے ملنے سے وضو بالاتفاق اُسی وقت جائز ہوگا کہ اس کے کسی وصف میں تغیر نہ آئے لان ای وصف منہ تغیر تغیر لونہ وبہ العبرۃ فی المنقول (کیونکہ اس کا جو وصف بھی بدلے گا اس کا رنگ بھی بدل جائے گا اور منقول میں اسی کا اعتبار ہے۔ ت)

(۱۳۴) دُودھ سے اگر پانی کا رنگ نہ بدلا دُودھ کا رنگ اس پر غالب نہ ہوگیا اس سے وضو بالاتفاق روا ہے۔

اقول یہ ہے وہ حکم متفق علیہ کہ فقیر نے کلمات کثیرہ مختلفہ سے حاصل کیا وذلک لان الاقوال جاءت ھھنا علی خمسۃ وجوہ (یہاں پانچ اقوال ہیں)

(ا) یجوز مطلقا، **اقول** ای مالم یغلب علی الماء اجزاء فانہ معلوم الاستثناء اجماعا۔

(ب) یجوز ان غیر احد اوصافہ وستعرف ان العلماء اختلفوا فی اخذ احد ھذا فی مرتبۃ لابشرط شیئ فیشمل مااذا غیر غیر واحد ولو الکل وحینئذ یرجع الی القول الاول او فی مرتبۃ بشرط لاشیئ فیتقید بما اذا اقتصر التغیر علی وصف واحد ولو لونا۔

(ج) یجوز ان لم یغیر اللون۔

(د) ان لم یغیر اللون ولا الطعم۔

(ھ) ان لم یغیرھما معا ففی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للامام

(ا) مطلق جائز ہے،

میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک پانی پر اس کے اجزاء کا غلبہ نہ ہو، کیونکہ یہ اجماعی طور پر معلوم الاستثناء ہے۔

(ب) جائز ہے اگر اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدلا ہو، اور یہ عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ علماء نے اس کو لا بشرط شیئ کے مرتبہ میں قبول کرنے سے اختلاف کیا ہے تو یہ اس صورت پر بھی صادق آئے گا جب پانی کا ایک سے زائد وصف بدل گیا ہو خواہ سب اوصاف ہی بدل گئے ہوں اور اس وقت پہلے قول کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا یہ بشرط لا شیئ کے مرتبہ میں ہو تو یہ صرف اسی صورت میں منحصر رہیگا جبکہ تغیر ایک ہی وصف میں ہو خواہ رنگ ہی بدلا ہو۔

(ج) جائز ہے اگر رنگ کو نہ بدلا ہو۔

البدر محمود الوضوء بماء خالطه لبن یجوز عندنا خلافا للشافعی[1] اھ وفی متن الھدایۃ تجوز الطھارۃ بماء خالطہ شئ طاھر فغیر احد اوصافہ کالماء الذی اختلط بہ اللبن[2] اھ واقرہ فی العنایۃ وغیرھا وسمعت نصوص الحلیۃ عمن ذکروا البدائع ان العبرۃ باللون وقال فی التبیین المخالط ان کان مخالفا للماء فی وصف واحد او وصفین تعتبر الغلبۃ من ذلک الوجہ کاللبن مثلا یخالفہ فی اللون والطعم فان کان لون اللبن اوطعمہ ھو الغالب فیہ لم یجز الوضوء بہ والا جاز[3] اھ

(۴) اگر نہ رنگ بدلا ہو اور نہ مزہ۔

(ھ) اگر رنگ اور مزہ دونوں کو اکٹھا نہ بدلا ہو، امام بدر محمود کی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے کہ ہمارے نزدیک اُس پانی سے وضو جائز ہے جس میں دودھ مل گیا ہو اس میں شافعی کا اختلاف ہے اھ اور متن ہدایہ میں ہے اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اُس نے پانی کے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے وُہ پانی جس میں دودھ مل گیا ہو اھ اور اس کو عنایہ وغیرہ میں برقرار رکھا، حلیہ اور بدائع کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ اعتبار رنگ کا ہے، اور تبیین میں ہے کہ ملنے والی چیز اگر پانی سے ایک یا دو اوصاف میں مختلف ہو تو اسی وجہ سے غلبہ کا اعتبار ہوگا، مثلاً دُودھ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف ہے تو اگر دودھ کا رنگ یا مزہ اس میں غالب ہو تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا اھ (ت)

وھکذا اعبر بہ تبعالہ فی الحلیۃ و البحر وغیرھما بلفظۃ او للتردید واتی بہ فی الغنیۃ قاطعا لوھم خطاء الکتابۃ فقال وان خالف الماء فی وصفین کاللبن یخالفہ فی اللون والطعم فالمعتبر ظھور غلبۃ احد الوصفین[4] بل افصح بہ کذلک الزیلعی

اور اسی طرح انہوں نے اس کی تعبیر کی ان کی اتباع کرتے ہوئے حلیہ اور بحر وغیرہ میں او کے کلمہ کے ساتھ جو تردید کے لیے ہوتا ہے اور غنیہ میں اس کو اس انداز سے ذکر کیا کہ کتابت کی غلطی کا وہم نہ رہے چنانچہ فرمایا اور اگر وُہ چیز پانی سے دو وصفوں میں مخالف ہو جیسے دودھ کہ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف

---

[1] عمدۃ القاری باب لایجوز الوضوء بالنبیذ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۳/۱۷۹

[2] ہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

نوٹ: اللبن کی جگہ پر کتاب مذکور میں الزعفران ہے۔

[3] تبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ مصر ۱/۲۰

[4] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

فی اٰخر الکلام لکن المحقق[۵] فی الفتح مع نقله عن التبیین عبر بالواو فقال اوفی بعضها فبغلبة مابه الخلاف کاللبن یخالف فی الطعم واللون فان غلب لونه و طعمه منع والا جاز[۱] وکذلك فی الدرر واعترضه الشرنبلالی فقال یجب ان یقال لونه او طعمه باو لابالواو کما قال الزیلعی المقتحم لهذا الضابط[۲] اھ واجاب العلامة عبد الحلیم بانه فی اللبن صفتان یغایر بهما الماء المطلق احدهما اقوی من الاخری لما ان تغیر اللون یحصل فیه بالقلیل فکان الغلبة ان توجد الاخری وذاکالبدیهی ومن ذلك لم یقل اوطعمه باو کما فی عبارة الزیلعی رداعلیه[۳] اھ

ہوتا ہے تو اعتبار ایک وصف کے غلبہ کے ظہور کا ہوگا، بلکہ اسی طرح اس کی وضاحت زیلعی نے کلام کے آخر میں کردی، لیکن محقق نے فتح القدیر میں تبیین سے نقل کرتے ہوئے واو سے تعبیر کیا اور کہا یا بعض میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اس چیز کے غلبے کا اعتبار ہوگا جس کی وجہ سے اختلاف ہے جیسے دودھ کہ پانی سے مزہ اور رنگ میں مخالف ہوتا ہے تو اگر اس کا رنگ اور مزہ غالب ہوجائے تو اس سے طہارت نہیں ہوسکتی ہے ورنہ جائز ہے، اسی طرح درر میں ہے، اس پر شرنبلالی نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ لونہ اوطعمہ کہنا چاہیے اَو کے ساتھ، واؤ کا استعمال نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ زیلعی نے کہا جو اس ضابطہ کے تکلف میں پڑنے والے ہیں، علامہ عبدالحلیم نے جواب دیا کہ دودھ میں دو صفات ہیں جن کی وجہ سے وہ مطلق پانی سے ممتاز ہوتا ہے، ایک صفت دوسری سے قوی تر ہے، کیونکہ اس میں رنگ کا تغیر تھوڑی سی مقدار سے ہی حاصل ہوجاتا ہے تو غلبہ یہ ہوگا کہ دوسری صفت پائی جائے اور یہ بدیہی کی طرح ہے اور اس لئے "اوطعمہ" نہ کہا "اَو" کے ساتھ، جیسے کہ زیلعی میں ہے تاکہ اس پر رَد ہوجائے اھ۔ (ت)

اقول اولا[۱] ان اراد القلیل بالنسبة الی الماء فنعم ولکن لانظر ھھنا الی الاجزاء باجماع اھل الضابطة التی صاحب الدرر ھھنا بصدد بیانها وانما العبرة بها[۲] فیما یوافق الماء فی الاوصاف وقد مشی

میں کہتا ہوں اول اگر تو وہ اسکو بہ نسبت پانی کی قلیل کہتے ہیں، تو درست ہے، لیکن اہلِ ضابطہ کے اجماع سے یہاں اجزاء پر نظر نہیں کی جاتی ہے، اس ضابطے سے مراد وہ ضابطہ ہے جس کو صاحبِ درر یہاں بیان کررہے ہیں ان اجزاء کا اعتبار اُن اوصاف میں ہے جو پانی

---

[۱] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

[۲] حاشیۃ علی الدرر للشرنبلالی ابحاث الماء المطبعۃ الکاملیہ بیروت ۱/۲۳

[۳] حاشیۃ علی الدرر للمولی عبدالحلیم بحث الماء ۱/۱۸

علیہ الدرر ھھنا فجعلہ حکم مالایخالف الماء فی صفۃ وجعل اللبن قسیمہ لاسھیمہ وان اراد القلیل فی نفسہ فھو ھھنا المغلوب المستھلک الذی لایظھر لہ اثر بین و اللبن اذا احال الماء الی لونہ کیف یعد قلیلا۔

کے موافق ہوں اوصاف میں، اور درر نے یہاں ان کو بیان کیا ہے، تو انہوں نے اس کو اس چیز کا حکم قرار دیا جو پانی کے مخالف نہ ہو کسی صفت میں اور دودھ کو اس کا قسیم قرار دیا نہ کہ اس کا سہیم، اور اگر فی نفسہ کم کا ارادہ کیا تو وہ یہاں نہ ہونے کے برابر ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے، اور جب پانی دودھ کا رنگ اختیار کرے تو دودھ کو کس طرح کم کہا جاسکتا ہے؟ (ت)

وثانیا ھذا ھو قضیۃ القیاس فی الضابط لان ماخالف الماء فی الاوصاف الثلثۃ اعتبر فیہ الغلبۃ بوصفین لان للاکثر حکم الکل وماخالف فی وصف واحد اعتبر فیہ الغلبۃ بہ بقی ماخالف فی وصفین فان غلب بھما معا فلا کلام وان غلب باحدھما کانت الغلبۃ بالنصف والنصف احق ان یلحق بالکل من ان یطرح بالکلیۃ ھذا ولکن الحق عندی فی اللبن علی الضابط المذکور ان تعتبر فیہ الغلبۃ بوصفین اثنین لا بوصف واحد لان اللبن ممایخالف الماء فی الاوصاف الثلثۃ جمیعا و لخفاء رائحتہ غالبا ولو اغلی لظھرت ذھب الوھم الی انہ لایخالف الا فی وصفین وقد قال العلامۃ الرملی فی حاشیۃ البحر ثم الشامی فی المنحۃ ورد المحتار المشاھد فی اللبن مخالفتہ للماء فی الرائحۃ ایضا[1] اھ۔

اور دوم یہ ہے کہ ضابطہ میں قیاس کا تقاضا ہے، کیونکہ جو چیز پانی کے اوصافِ ثلثہ میں پانی سے مختلف ہے اس میں معتبر دو وصفوں کا غلبہ ہے، کیونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہے اور جو چیز پانی سے ایک وصف میں مختلف ہو اس میں ایک وصف کا غلبہ معتبر ہوگا، اب صرف وہ چیز رہ گئی جو دو وصفوں میں پانی کے مخالف ہو اگر دونوں وصفوں میں اکٹھا غلبہ ہو جائے تب تو بات واضح ہے اور ایک میں غلبہ ہو تو غلبہ آدھے سے ہوگا اور نصف اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو کل سے ملایا جائے نہ یہ کہ اس کو بالکلیہ ساقط کیا جائے، اس کو یاد رکھئے۔ لیکن میرے نزدیک حق، اس ضابطہ کے مطابق یہ ہے کہ اس میں دو وصفوں کے غلبہ کا اعتبار کیا جائے نہ کہ ایک وصف کا، کیونکہ دُودھ پانی سے تینوں وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، چونکہ اس کی بُو بہت ہلکی ہوتی ہے ابالنے پر ظاہر ہوتی ہے اس لیے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ صرف دو وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، علامہ رملی نے بحر کے حاشیہ میں فرمایا، شامی

[1] منحۃ الخالق علی البحر کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

نے منحہ میں اور ردالمحتار میں فرمایا کہ دُودھ پانی سے بُو میں بھی مخالف ہے اھ (ت)

اقول غیران اقوی اوصاف اللبن لونہ ثم طعمہ ثم ریحہ ولا یتغیر بہ فی الماء وصف لاحق الا وقد سبقہ سابقہ فاذا تغیر شیئ منھا فقد تغیر اللون واذا لم یتغیر اللون لم یتغیر شیئ منھا فاتفقت الاقوال علی جواز الوضوء بماء خالطہ لبن لم یتغیر لونہ وبہ ظھر ان تردید الامام الزیلعی مستغنی عنہ فان تغیر الطعم مستلزم تغیر اللون فکان ینبغی الاقتصار علی اللون کما فعل المتقدمون وقد نقلہ الزیلعی عن الاسبیجابی کما علمت واللہ تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہُوں دراصل دُودھ کے اوصاف میں قوی تر اس کا رنگ ہے پھر مزہ اور پھر بُو ہے اور اس سے پانی کا جو وصفِ لاحق بھی متغیر ہوتا ہے اس سے قبل کوئی سابقہ ضرور ہوتا ہے، تو جب ان اوصاف میں کوئی تغیر ہوتا ہے تو رنگ ضرور بدلتا ہے اور جب رنگ نہ بدلے تو کوئی وصف نہیں بدلتا ہے، تو تمام اقوال اس پر متفق ہیں کہ اس پانی سے وضوء جائز ہے جس میں دودھ ملا ہو اور اس کا رنگ نہ بدلا ہو، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام زیلعی کا "او" کہنا ضرور کا نہیں، کیونکہ مزہ کا بدل جانا رنگ کے بدل جانے کو مستلزم ہے تو رنگ پر اکتفاء کرنا چاہیے تھا جیسا کہ متقدمین نے کیا ہے۔ اس کو زیلعی نے اسبیجابی سے نقل کیا، جیسا کہ آپ نے جان لیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تذییل اقول (۱۳۵) انڈے جس پانی میں نیم برشت کیے قابلِ وضو ہے اگر انڈے پاک تھے۔

(۱۳۶) آہن تاب، سیم تاب، زرتاب یعنی جس پانی میں لوہا یا چاندی یا سونا تپا کر بجھایا لبقاء الاسم والطبع **اقول** اگرچہ اس سے پانی کی بعض رطوبات کم ہوں گی اس میں ان فلزات کی قوت آئے گی من وجہ ایک دوا و علاج ہوگا مگر وہ کوئی شے غیر نہ ہوجائیگا پانی ہی تھا اور پانی ہی رہے گا یہ عمل پانی ہی کی اصلاح کو ہے نہ کہ اُس سے کوئی اور چیز بنانے کو۔

(۱۳۷) باوضو شخص یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو اعضاء ٹھنڈے یا میل دُور کرنے کو جس پانی سے وضو یا غسل بے نیت قربت کیا۔

(۱۳۸) معلوم تھا کہ عضو تین بار دھو چکا ہے اور پانی ہنوز خشک بھی نہ ہوا تھا چوتھی بار بلا وجہ ڈالا یہ پانی قابلِ وضو رہے گا یہاں تک کہ یہ پانی کسی برتن میں لے لیا تو اس سے وضو میں کوئی عضو دھو سکتے ہیں یا اگر چوتھی بار ہاتھ پر اس طرح ڈالا کہ پاؤں پر گر کر بہہ گیا اُتنا پاؤں پاک ہوگیا۔

(۱۳۹) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوا مثلاً پیٹھ یا ران دھوئی اگرچہ اپنے زعم میں قربت کی نیت کی۔

(۱۴۰) باوضو یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو کھانا کھانے کو یا کھانے کے بعد ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ کی۔

(۱۴۱) باوضو یا نابالغ نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا۔

(۱۴۲) مسواک کرنے کے بعد اُسے دھو کر رکھنا سنّت ہے کما بیناہ فی بارق النور (جیسا کہ "بارق النور" میں بیان کیا گیا۔ت) یہ پانی اگرچہ اس سے ادائے سنّت ہوگا قابلِ وضو رہے گا کما حققناہ فی الطرس المعدل[1] ان الشرط استعماله فی بدن الانسان (جیسا کہ ہم نے "الطرس المعدل" میں ثابت کیا ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کے لیے پانی کا بدنِ انسان پر استعمال ہونا شرط ہے۔ت) مگر مکروہ ہوگا کہ لعابِ دہن کو دھوئے گا کما تقدم عن الخانیة۔

(۱۴۳) مسواک کرنے سے پہلے بھی اسے دھونا سنّت ہے یہ پانی مکروہ بھی نہ ہوگا اگر مسواک نئی ہے یا پہلے دُھل چکی ہے۔

(۱۴۴) آدابِ وضو سے ہے کہ آفتابہ اگر دستہ دار ہے غسلِ اعضاء کے وقت دستہ پر ہاتھ رکھے اس کے سر پر نہیں اور دستہ کو تین پانیوں سے دھولے۔ فتح القدیر پھر ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

منھا ای من اداب الوضوء ان یغسل عروة الابریق ثلثا ووضع یدہ حالة الغسل علی عروته لاعلی رأسه[1] اھ و مثله فی الحلیة بغیر ثلثا۔

ان سے یعنی آدابِ وضو سے یہ ہے کہ لوٹے کے دستے کو تین مرتبہ دھویا جائے اور غسل کے وقت ہاتھ دستے پر ہی رکھا جائے نہ کہ سر پر اور ایسا ہی حلیہ میں ہے، مگر ثلثا کا لفظ نہیں ہے۔(ت)

(۱۴۵) کوئی پاک کپڑا دھویا اگرچہ ثواب کے لیے جیسے ماں باپ کے میلے کپڑے۔

(۱۴۶) کھانے کے برتن جن میں کھانا پکایا یا اتارا تھا دھوئے اگرچہ ان میں سالن وغیرہ کے لگاؤ سے پانی کے اوصاف بدل گئے جب تک رقت باقی رہے اگرچہ اس دھونے سے سنت تنظیف کی نیت ہو۔

(۱۴۷) یونہی جس پانی سے سِل یا پتھر دھویا اگرچہ مسالے کے اثر سے اوصاف میں تغیر آیا اور پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۴۸) برادہ صاف کرنے کو برف دھویا اور برادہ نے پانی کی رقت پر اثر نہ کیا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۹۲

(۱۴۹) چیک صاف کرنے کو آم یا کسی قسم کے پھل دھوئے۔

(۱۵۰) تختی دھوئی اور سیاہی سے پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۵۱) پکا فرش گرد وغبار سے پاک کرنے کو دھویا اگرچہ مسجد کا بہ نیت قربت۔

(۱۵۲) ناسمجھ بچے نے وضو کیا۔

(۱۵۳) نابالغ کو نہلایا۔

(۱۵۴) گھوڑے وغیرہ کسی جانور کو نہلایا اگرچہ ان دو نوں سے نیت ثواب کی ہو جبکہ ان تینوں کے بدن پر کوئی نجاست نہ ہو یہ سب پانی قابلِ وضو ہیں۔

(۱۵۵) دفع نظر کے لیے نظر لگانے والے کے بعض اعضاء دھو کر چشم زدہ کے سر پر ڈالنے کا حکم ہے جس کا مفصل بیان ہماری کتاب منتہی الآمال فی الاوفاق والاعمال میں ہے وہ اگر باوضو تھا یہ پانی قابلِ وضو رہنا چاہیے اگرچہ اس نے بہ امتثال امر واذا استغسلتم فاغسلوا (اگر تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو دھو ڈالو۔ت) نیت قربت کی ہو تأمل وراجع ماقررنا من شرائط الاستعمال فی رسالتنا الطرس المعدل (غور کرو اور ہم نے اپنے رسالہ الطرس المعدل میں پانی کے مستعمل ہونے کی جو شرائط بیان کی ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ت)

(۱۵۶) دُلھن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے یہ پانی بھی قابلِ وضو رہنا چاہیے اگر دُلھن باوضو یا نابالغہ تھی کہ یہ اور اس کا سابق از قبیلِ اعمال ہیں نہ از نوع عبادات اگرچہ نیت اتباع انہیں قربت کرے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۵۷) حائض ونفسا نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے۔

(۱۵۸) مرد کے وضو وغسل سے جو پانی بچا قابلِ طہارت بلاکراہت ہے اگرچہ عورت اس پانی سے طہارت کرے بخلاف عکس کہ مکروہ ہے کما تقدم۔

(۱۵۹) بعض دوائیں مغسول استعمال کی جاتی ہیں جیسے یاقوت وشادنج وحجر ارمنی وگلِ ارمنی و لک و توتیا و شنجرف و مرداسنج وغیرہا کہ خوب باریک پیس کر پانی میں ملاتے ہیں جو غبار سا ہو کر پانی میں مل گیا ایک ظرف میں کر لیا تہ نشین کو پھر پیس کر دوسرے پانی میں ملایا یہاں تک کہ سب غبار ہو کر پانی میں مل جائے یا جس میں سنگریزہ رہے پھینک دیا جائے اب یہ آبِ غبار آمیز ڈھانک کر رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ وہ غبار تہ نشین ہو کر پانی سے جُدا ہو جائے اُس وقت پانی نتھار کر دوا استعمال میں لائیں یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے اگر بے وضو ہاتھ نہ لگا ہو۔

(۱۶۰) حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا مُوئے مبارک یا جُبّہ مقدسہ یا نعل شریف یا

کاسۂ مطہرہ تبرک کے لیے جس پانی میں دھویا قابلِ وضو ہے اگرچہ اس میں قصدِ قربت بھی ہوا۔ ہاں پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلافِ ادب ہے اگر منہ پر جاری کیا منہ کا وضو ہوگیا اُن کا تو نام پاک لینے سے دل کا وضو ہوجاتا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ وبارک وسلم وعلٰی ابنہ الکریم الغوث الاعظم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ الحمدللہ ان پاک کرنے والے پانیوں کی ابتدا زمزم شریف بلکہ اُس آبِ اقدس سے ہُوئی جو انگشتانِ مبارک حضور پُرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم سے بکمالِ رحمت جوش زن ہوا اور انتہا اس پانی پر ہُوئی جو حضور کے آثارِ شریفہ کو دھو کر برکاتِ عالیہ کا منبع ومخزن ہُوا والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین اٰمین۔

قسم دوم جن سے وضو صحیح نہیں۔

(۱۶۱) آبِ نجس

(۱۶۲) مستعمل کہ ہمارے رسالہ الطرس المعدل میں جس کا بیانِ مفصل۔

(۱۶۳ تا ۱۶۵) گلاب کیوڑا بیدمشک، ہدایہ وخانیہ میں ہے:

لا بماء الورد اھ[1] ومثلہ فی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین وعد فی السعدیۃ مع ماء الورد ماء الھند باو ماء الخلاف واشباھہا[2]۔	گلاب کے پانی سے نہیں اھ اور اسی کی مثل خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے اور سعدیہ میں گلاب کے پانی کے ساتھ عرق ہندبا عرق خلاف وغیرہ کو بھی شمار کیا۔ (ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(لایجوز) الطہارۃ الحکمیۃ (بماء الورد) وسائر الازھار[3]۔	طہارت حکمیہ گلاب اور دوسرے پھولوں کے پانی سے جائز نہیں ہے۔ (ت)

(۱۶۶) عرق گاؤزبان وعرق بادیان وعرق عنب الثعلب وغیرہا جتنے عرق کشید کیے جاتے ہیں کسی سے وضو جائز نہیں وتقدمت فی ۱۱۱ عبارۃ البحر فی الماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ — فصل فیما لایجوز بہ التوضؤ — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۲۱

[2] السعدیۃ

[3] غنیۃ المستملی — فصل فی بیان احکام المیاہ — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۸۹

الشور[1] ولفظ الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر[2] (بحر کی عبارت اس پانی کی بابت جو عمل تقطیر سے گاؤ زبان سے نکالا جائے اور درر میں ہے کہ جڑی بُوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے ۱۱۱ میں گزر چکی ہے۔ ت)

(۱۶۷ و ۱۶۸) آب کاسنی آب مکوہ اگرچہ مروق ہوں کہ اجزائے کثیفہ جدا ہوکر زیادہ رقیق و لطیف ہوجاتے ہیں وہ مرکلام سعدی افندی۔

(۱۶۹) وہ پانی کہ زعفران سے نکالا جائے وتقدم کلام الغنیۃ فی ۱۲۵ (اور غنیہ کا کلام ۱۲۵ میں گزرا۔ ت)

(۱۷۰ تا ۱۷۹) خربوزہ، تربوز، ککڑی، کھیرے، سیب، بہی، انار، کدو وغیرہا میووں پھلوں کا عرق کہ اُن سے نکلتا یا نچوڑ کر نکالا جاتا ہے، یُوں ہی گنّے کا رس اور بالخصوص وُہ پانی کہ کچے ناریل کے اندر ہوتا ہے جو نکھل کر پانی نہ ہوا بلکہ ابتداءً پانی ہی تھا۔

(۱۸۰) اُس سے بھی زیادہ قابلِ تنبیہ وُہ پانی ہے کہ سُنا گیا خطِ استواء کے قریب بعض وسیع ریگستانوں میں جہاں دُور دُور تک پانی نہیں ملتا ریتے کے نیچے سے ایک تربوز نکلتا ہے جس میں اتنا پانی ہوتا ہے کہ سوار اور اس کے گھوڑے کو سیراب کرے رحمت نے بے آب جنگل میں حیاتِ انسان کا یہ سامان فرمایا ہو تو کیا دُور ہے مگر وُہ پانی اگرچہ نتھرے خالص پانی کی طرح ہو اور اس تربوز میں اس کے سوا کچھ نہ ہو جب بھی قابلِ وضو نہیں کہ ثمر کا پانی ہے مائے مطلق کے تحت میں نہیں آسکتا۔ رہا وضو اس کے لیے بحمد اللہ تعالٰی وہ رحمتِ عامہ موجود ہے جو صدیقہ بنت الصدیق محبوبۂ محبوبِ رب العٰلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہما وسلم کے صدقہ میں ہر مسلمان کے لیے ہر جگہ موجود ہے کہ

تیمموا صعیدا طیبا جعلت لی الارض مسجدا وطھورا[3] اقول وذٰلك یظھر ان الاعتصار لامفھوم له وان احتج به بعض الکبراء علی جواز الوضوء بقاطر الکرم کما سیأتی واللہ تعالٰی اعلم۔

پاک مٹی سے تیمم کرو میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتصار کا کوئی مفہوم مخالف نہیں اگرچہ بعض اکابر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور سے ٹپکنے والے پانی سے وضو جائز ہے، کما سیأتی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹

[2] الدرر الحکام للمولٰی خسرو بحث الماء الکاملیہ بیروت ۱/ ۲۳

[3] جامع للبخاری کتاب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸

خانیہ وہندیہ میں ہے :

لایجوز التوضؤ بماء البطیخ والقثاء و القند[1] اھ وفی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین مکان القثد و ماء الخیار[2]۔

وضو جائز نہیں ہے خربوز، ککڑی اور کھیرے کے پانی سے اھ اور خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے قند (کھیرے) کے بجائے ماء الخیار (ککڑی کا پانی) ہے۔ (ت)

غنیہ وغنیہ میں ہے :

(لاتجوز بماء الثمار) مثل التفاح وشبھہ[3] وذکر فی الجوھرۃ ماء الدباء[4] ویاتی۔

طہارت پھلوں کے پانی سے جائز نہیں، جیسے سیب اور اس کے مشابہ اھ اور جوہرہ میں ذکر کیا ہے کدو کا پانی، اور یہ آئیگا۔ (ت)

خانیہ میں ہے :

لایجوز التوضؤ بماء الفواکہ[5]۔

پھلوں کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

(۱۸۱) یونہی وہ پانی کہ کسی درخت کی شاخیں یا پتے کوٹ کر نکالا جائے۔ خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے :

لایجوز الوضوء بماء القضبان[6]۔

قضبان (کٹی ہوئی شاخوں) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

(۱۸۲) شراب ریباس

(۱۸۳ تا ۱۸۵) شربتِ انار شیریں، شربتِ انار ترش، شربتِ انگور وغیرہا جتنے شربت قوام میں بنائے جاتے ہیں ہدایہ میں ہے، لایجوز بالاشربۃ[7] (شربتوں سے وضو جائز نہیں۔ ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ	فصل فیما لایجوز بہ التوضؤ	نورانی کتب خانہ کراچی	۲۱/۱
[2] فتاوٰی قاضی خان	" " "	نولکشور لکھنؤ	۹/۱
[3] غنیۃ المستملی	احکام المیاہ	سہیل اکیڈمی لاہور	ص ۸۸
[4] جوہرۃ نیرۃ	ابحاث الماء	امدادیہ ملتان	۱۴/۱
[5] فتاوٰی قاضی خان	فیما لایجوز بہ التوضؤ	نولکشور لکھنؤ	۹/۱
[6] خزانۃ المفتین			
[7] ہدایۃ	الماء الذی یجوز بہ الوضوء	عربیہ کراچی	۱۸/۱

عنایہ میں ہے: کشرب الرمان والحماض[1] (جیسے انار اور حماض (ایک قسم کی گھاس) کا پانی۔ ت)
شلبیہ علی التبیین میں مستصفٰی سے ہے:

الاشربة المتخذة من الشجر کشراب الریباس ومن الثمر کالرمان والعنب[2] اھ ووقع فی الدرر بعد ماقال لابما اعتصر من شجر او ثمر ولا بماء زال طبعه بالطبخ کشراب الریباس مانصه وهذه العبارة احسن مما قیل کالاشربة فانه علی عمومه مشکل[3] اھ۔

درختوں سے حاصل کیے ہوئے عرق جیسے ریباس (چقندر کی طرح ایک سبزی) کا عرق، اور پھلوں کا رس جیسے کہ انگور اور انار کا رس۔ اور درر میں لابما اعتصر من شجر او ثمر الخ کے بعد ہے کہ نہ اس پانی سے جس کی طبیعت پکانے کی وجہ سے بدل گئی ہو جیسے ریباس کا عرق، ان کی عبارت یہ ہے اور یہ عبارت اس قول سے بہتر ہے کہ کالاشربة، کیونکہ اس کو عموم پر رکھنا مشکل ہے اھ (ت)

اقول هو کما تری نص الهدایة و اقره الشراح ومثله فی مختصر القدوری والوافی والوقایة والاصلاح والملتقی والبدائع والخانیة والخلاصة وشرح مجمع البحرین وخزانة المفتین والغنیة والهندیة وغیرها مما لایکاد یحصی سبحٰن الله مالی اعد الکتب وهو نص صاحب المذهب فی الجامع الصغیر محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنهم لایتوضوء بشیئ من الاشربة غیر نبیذ التمر[4] اھ ولا ادری

میں کہتا ہوں وہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ہدایہ کا نص ہے اور شراح نے اس کو برقرار رکھا ہے اور اس کی مثل مختصر القدوری میں ہے نیز وافی، وقایہ، اصلاح، ملتقی، بدائع، خانیہ، خلاصہ، شرح مجمع البحرین، خزانة المفتین، غنیہ اور ہندیہ وغیرہ لاتعداد کتابوں میں ہے سبحان اللہ! میں کتابیں کیوں گنواؤں؟ یہ تو صاحب مذہب کی تصریح ہے، چنانچہ جامع صغیر میں روایت ہے، محمد روایت کرتے ہیں یعقوب سے ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سوائے نبیذ تمر کے کسی عرق سے وضو نہ کیا جائے اھ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس کے عموم میں کیا اشکال ہے، اور اس کے

---

[1] عنایة مع الفتح — الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ — عربیہ کراچی ۱/۱۸
[2] شلبیة مع التبیین — کتاب الطہارت — الامیریہ مصر ۱/۱۹
[3] درر الحکام — " — دار السعادة مصر ۱/۲۳
[4] جامع الصغیر — فیما لایجوز بہ التوضوء — یوسفی لکھنؤ ص ۸

ای اشکال فی عمومه ولم یتکلم علیه ناظروه الشرنبلالی وعبد الحلیم والحسن العجیمی و اتی الخادمی[1] بما لایغنی واللہ تعالٰی اعلم۔

دیکھنے والوں نے اس پر کلام نہیں کیا جن میں شرنبلالی، عبدالحلیم اور حسن عجیمی شامل ہیں اور خادمی نے بہت سی باتیں کی ہیں جو بے نیاز نہیں کرتیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] اذ قال انه علی عمومه مشکل اذ الاشربة فی الاصل اسم لکل مایشرب فشامل لنحو ماء التمر وغیرہ والمقصود ھھنا الاختصاص بشراب الریاس کما فھم من الایضاح فافھم اھ

انہوں نے فرمایا یہ اپنے عموم پر مشکل ہے کیونکہ "اشربۃ" ہر اس چیز کا نام ہے جو پی جاتی ہے تو یہ کھجور وغیرہ کے پانی کو شامل ہوگا اور یہاں مقصود ریباس کے عرق کی تخصیص ہے جیسا کہ ایضاح سے مفہوم ہے۔ فافھم اھ۔

اقول ترکھم التکلم[2] احسن من ھذا والمقصود اعطاء حکم عام وتمثیله بجزئی لاتخصیص الکلام بالجزئی والاشربة فی العرف ھی ھذه المتخذة من الثمار والاشجار والا فالماء ایضا شراب ھذا مغتسل بارد وشراب ولاشك ان الحکم یعمھا **فان قلت** ھو رحمه اللہ تعالٰی یمیل الی جواز التوضی بنبیذ التمر لقوله فی سؤر الحمار (یتوضؤ به ویتیمم ان عدم غیرہ بخلاف نبیذ التمر) حیث یتوضؤ به عند ابیحنیفة وان قال ابویوسف بالتیمم فقط ومحمد جمع بینھما اھ

میں کہتا ہوں ان کا کلام نہ کرنا اس سے بہتر ہے، اور مقصود عام حکم لگانا ہے اور مثال اس کی ایک جزئی سے دی گئی ہے کلام کو جزئی سے خاص کرنا مقصود نہیں، اور اشربہ عرف میں پھلوں اور درختوں سے حاصل شدہ عرقیات ہی کو کہتے ہیں، ورنہ تو پانی بھی شراب ہے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ھذا مغتسل بارد وشراب، اور کوئی شک نہیں کہ حکم ان سب کو عام ہے، اگر تم کہو کہ وہ رحمہ اللہ نبیذ تمر سے وضو کے جواز کی طرف مائل ہیں کیونکہ انہوں نے گدھے کے جھوٹے کے بیان میں فرمایا (اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی اگر اور پانی نہ ہو، بخلاف نبیذ تمر کے) کیونکہ اس سے ابوحنیفہ کے نزدیک وضو کیا جا سکتا ہے اگرچہ ابویوسف صرف تیمم کے قائل ہیں، اور امام محمد وضوء اور تیمم دونوں کا قول کرتے ہیں اھ (ت)

اقول انما یستشکل ما لایظھر وجه صحته ولیس لمن یختار جانبا من قولین متساویین ان یستشکل علی الاٰخر فضلا

میں کہتا ہوں اشکال صرف اس وقت ہوگا جس کی وجہ صحت ظاہر نہ ہو اور جو دو برابر اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے دوسرے

(باقی برصفحہ آیندہ)

(۱۸۶ و ۱۸۷) ہر قسم کا سرکہ اور مقطر

(۱۸۸) آب کامہ جسے عربی میں کامخ بفتح میم و مری بتشدید راء و یائے نسبت کہتے ہیں شوربے کی طرح ایک رقیق نانخورش ہے کہ دہی اور سرکے وغیرہ اجزاء سے بنتی ہے اصفہان میں اُس کا زیادہ رواج ہے ۔ خانیہ و خزانۃ المفتین و شرح مجمع البحرین میں ہے :

لایجوز الوضوء بالخل والمری[1] اھ وقد ذکر الخل فی الکثیر۔

سرکہ اور نانخورش (شوربا) سے وضو جائز نہیں اھ سرکہ کا ذکر بہت سی کتابوں میں ہے ۔ (ت)

(۱۸۹) نمک کا پانی کہ نمک پر رہتا ہے اس پر اجماع ہے ۔

(۱۹۰) نمک کا پانی کہ نمک بن جاتا ہے اس میں اختلاف ہے اور اکثر کا رجحان عدم جواز کی طرف ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عمن یختار قیلا ضعیفا مھجور الجمھور واللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ ثم رأیت السید ابا السعود نقل عن العلامۃ نوح افندی وجہ الاشکال ما قد اشرت الیہ بقولی الماء ایضا شراب ولم یعجبنی ان اجعل مثلہ تفسیرا لکلام الدرر فقال وجہ الاشکال شمول الاشربۃ لغیر المتخذۃ من الشجر والثمر اذ المطلق من الماء شراب قال وانما قال احسن لامکان توجیہ العبارۃ بان یقال المراد الاشربۃ المتخذۃ منھما اھ وانت تعلم ان مثل ھذا[1] لایستاھل الذکر فضلا عن حمل کلام مثل مولٰی خسرو علیہ ثم تعبیر التوجیہ بالامکان[2] واللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پر کوئی اشکال نہیں، چہ جائیکہ وُہ شخص جو ضعیف مخالف جمہور کو لیتا ہے واللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ ابوالسعود نے نوح آفندی سے وجہ اشکال وہی نقل کی جس کی طرف میں نے اپنے قول سے اشارہ کیا ہے کہ پانی کو بھی شراب کہتے ہیں اور مجھے اچھا معلوم ہوا کہ میں اسی کی مثل درر کا کلام کروں وہ فرماتے ہیں وجہ اشکال یہ ہے کہ "اشربہ" کا لفظ درخت اور پھلوں کے عرقیات کے علاوہ کو بھی شامل ہے کیونکہ مطلق پانی بھی شراب ہے، جو انہوں نے کہا ہے وہ زیادہ اچھا ہے کیونکہ عبارت کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ "اشربہ" سے وہ مراد ہیں جو ان دونوں سے بنائے جائیں اھ اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی تاویل قابلِ ذکر بھی نہیں چہ جائیکہ مولٰی خسرو کے کلام کو اس پر محمول کیا جائے، پھر توجیہ کو امکان سے تعبیر کرنا، واللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فیما یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

کہ وہ طبیعت آب کے خلاف ہے پانی سردی سے جمتا ہے اور وہ گرمی میں جمتا جاڑے میں پگھلتا ہے۔ تبیین الحقائق و بحر الرائق و بزازیہ میں ہے:

لا یجوز بماء الملح وھو یجمد فی الصیف ویذوب فی الشتاء عکس الماء۔

نمک کے پانی سے وضوء جائز نہیں، نمک گرمی میں جم جاتا ہے اور سردی میں پگھلتا ہے پانی کے برعکس۔

غرر وتنویر و درر و در میں ہے:

والنظم للدرر (یجوز ان) ای الوضوء والغسل (بماء ینعقد بہ الملح) کذا فی عیون المذاھب (لا بماء الملح) الحاصل بذوبان الملح کذا فی الخلاصۃ ولعل الفرق ان الاول باق علی طبیعتہ الاصلیۃ والثانی انقلب عہ الی طبیعۃ

عبارت درر کی ہے وضو اور غسل جائز ہے (اس پانی سے جس سے نمک بنتا ہے) یہی عیون المذاہب میں ہے، (نہ کہ نمک کے پانی سے) جو نمک سے پگھل کر حاصل ہوتا ہے، خلاصہ میں یہی ہے اور غالباً فرق یہ ہے کہ اول اپنی اصل طبیعت پر واقع ہے اور دوسرا دوسری

عہ قال الخادمی اورد الجمد والبخار اھ اقول توھم الانقلاب فی الجمد نظیر ما یتأتی فی ممن یزعم ان السمن فی الشتاء لا یبقی سمنا بل ینقلب ماھیۃ اخری قال واجیب المراد الطبیعۃ غیر الملائمۃ للمائیۃ اھ اقول ومراد الایراد ان الماء یجمد ویصیر بخارا فلا یتوضوء بہ ثم اذا ذاب ذلك وتقاطر ھذا جاز لعودھما الی المائیۃ کما کانا علیھا فلو ان الماء الذی سینعقد ملحا کان باقیا علی طبیعتہ الاصلیۃ کما قلتم انما لا یجوز الوضوء بہ حین یصیر ملحا فاذا ذاب فقد عاد الی الطبیعۃ الاولی فما وجہ الفرق بین

خادمی نے کہا کہ جمد اور بخار سے اعتراض کیا گیا ہے اھ میں کہتا ہوں جمد میں انقلاب کا وہم ویسا ہی کہہ سکتا ہے جس کو یہ گمان ہو کر گھی سردیوں میں گھی نہیں رہتا ہے بلکہ اس کی ماہیت بدل جاتی ہے فرمایا 'جواب دیا گیا ہے کہ مراد وہ طبیعت ہے جو پانی کے مناسب نہ ہو اھ میں کہتا ہوں کہ اعتراض یہ ہے کہ پانی جم کر بخار بنتا ہے تو اس سے وضو نہیں کیا جاتا ہے، پھر جب یہ پگھلتا ہے اور ٹپکتا ہے تو وضو جائز ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں پانی بن جاتے ہیں، تو جو پانی جم کر نمک ہو جاتا ہے اگر بقول آپ کے اپنی اصلی طبیعت پر باقی ہو تو اس سے نمک ہونے کی حالت میں وضو جائز نہ ہوگا، اور جب وہ پگھلے گا تو اپنی پہلی طبیعت کی طرف واپس آجائے گا تو جو

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۹

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ماسینعقد وماکان انعقد فان ضر تخلل الانقلاب الی طبیعۃ اخری فلیضر فی الجمد الذی اثب والسحاب الصائب وحاصل الجواب ان المضر تخلل طبیعۃ لاتناسب طبیعۃ الماء وذلك فی الملح بخلاف الجمد والبخار اھ **اقول** ویکدرہ ان لیس بین ماء ملح سینعقد ملحا وبین الملح الا السیلان والجمود وبھذا القدر لایحصل تباین الطبیعتین وعدم التناسب بینھما کیف وھو حین ھو علی شرف الانعقاد فیہ کل ما فی الملح غیرانہ لم یجمد وسیجمد کالسمن والعسل فی الصیف والشتاء فکیف یقال ان الطبیعۃ الملحیۃ لاتناسب طبیعۃ ذالك الماء **فان قلت** المراد بطبیعۃ الماء ھی الرقۃ ولاشك ان الجمود یباینھا **اقول** فیعود الایراد بالجمد فان التباین بین الرقۃ والجمود لذاتیھما لالما یعرضانہ من ماء او ملح فعلیك بالتثبت واللہ تعالٰی اعلم ثم رأیت الجواب المذکور فی الخادمی للدانی افندی قال بعدہ وھی طبیعۃ الملحیۃ فیکون ماؤہ

منعقد ہوگا اور جو منعقد ہوچکا ہے اس میں فرق کیا وجہ ہے تو اگر پانی کا دوسری طبیعت کی طرف انقلاب خلل پیدا کرتا ہے تو یہ چیز اُس جمد میں بھی مضر ہونی چاہئے جو پگھل گیا ہے اور اسی طرح بہنے والے بادل میں اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضر ایسی طبیعت کا خلل انداز ہونا ہے جو پانی کی طبیعت سے مناسب نہ ہو اور یہ چیز نمک میں ہے بخلاف جمد اور بخار کے۔ میں کہتا ہوں اس کو یہ چیز مکدر کرتی ہے کہ جو نمکین پانی نمک بننے والا ہے اور جو بالفعل نمک ہے اس میں سوائے سیلان اور جمد کے کیا فرق ہے اور دونوں میں عدم مناسبت بھی نہ ہوگی، پھر جب وہ جمنے کے قریب ہوتا ہے تو اس میں وہ تمام خصوصیات ہوتی ہیں جو نمک میں ہوتی ہیں صرف اتنا ہے کہ وہ ابھی جما نہیں ہے اب جم جائیگا جیسے گھی اور شہد گرمی اور جاڑے میں، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ نمک کی طبیعت اس پانی کے مناسب نہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پانی کی طبیعت سے مراد رقّت ہے اور کچھ شک نہیں کہ جمود اسکے مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں پھر وہی اعتراض ہوگا کہ جمد میں تباین رقّت اور جمود کا ذاتی ہے عارضی نہیں کہ پانی یا نمک کی وجہ سے ہو، تو غور کرنا لازم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ پھر میں نے مذکور جواب دانی آفندی کی خادمی

(باقی برصفحہ آئندہ)

لہ درر غرر　　کتاب الطہارۃ　　دار السعادۃ مصر　　۱/۲۱

نوح آفندی کما فی ش بان عبارۃ الخلاصۃ ولو توضأ بماء الملح لایجوز ثم نقل عن البزازیۃ والزیلعی ماقدمنا قال واقرہ صاحب البحر والعلامۃ المقدسی ومقتضاہ انہ لایجوز بماء الملح مطلقا ای سواء انعقد ملحا ثم ذاب اولا وھو الصواب عندی[1] اھ ملخصا۔

علامہ نوح آفندی نے اعتراض کیا ہے، جیسا کہ "ش" میں ہے کہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے کہ اگر کسی نے نمک کے پانی سے وضو کیا تو جائز نہیں۔ پھر بزازیہ اور زیلعی سے انہوں نے وہی نقل کیا جو ہم نے بیان کیا اور فرمایا اس کو صاحب بحر اور علامہ مقدسی نے برقرار رکھا اس کا مفہوم وہی ہے کہ نمک کے پانی سے مطلقاً وضو جائز نہیں ہے خواہ نمک بن کر پھر پگھلا ہو یا نہ اور میرے نزدیک یہی صواب ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

اقول نمک اقسام ہے ایک وہ رطوبت کہ پہاڑ یا غار سے جوش کرکے نکلتی اور جم جاتی ہے جیسے نمک لاہوری و اندرانی اور سانبھریہ ابتداءً جب تک بستہ نہ ہوتی تھی یقیناً اُسی کی مانند ہے جب بستہ ہو کر پگھل جائے کہ وہ پانی کی نوع ہی سے نہیں، دوم دریائے نمک کا منجمد حصہ یعنی تیز و تند و حار و حاد چشموں کا پانی ہے کہ جب حرارتِ آفتاب اس میں عمل کرتی ہے کناروں کناروں سے جم جاتا ہے بیچ میں بہتا پانی رہتا ہے اس میں جو چیز پڑے ایک مدت کے بعد نمک ہوجاتی ہے اختلاف اسی پانی میں ہے۔

والذی یظھرلی انہ ان کان ماء حقیقۃ

میرے نزدیک اگر وہ حقیقۃً پانی ہی تھا جیسا کہ ظاہر ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعد الذوبان کماء الذھب والفضۃ بخلاف الجمد اذا انقلب ماء فانہ ملائم لطبع الماء اھ نقلہ السید الازھری **اقول** والرد علی ھذا اظھر فانہ لاینقلب بعد الذوبان الا الی ماکان علیہ وقد کان عندکم علی طبیعتہ الاصلیۃ فکذلک بعد الذوبان ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میں دیکھا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ وہ نمک کی طبیعت ہے تو اس کا پانی پگھلنے کے بعد سونے چاندی کے پانی کی طرح ہوگا بخلاف جمد کے جب وہ پانی ہوجائے کیونکہ یہ پانی کی طبیعت کے مناسب ہے اھ اس کو سید ازہری نے نقل کیا۔ میں کہتا ہوں اس پر رد اظہر ہے کیونکہ وہ پگھلنے کے بعد پہلی ہی حالت کی طرف لوٹے گا اور تمہارے نزدیک وہ اصل طبیعت پر تھا تو اسی طرح پگھلنے کے بعد ہوگا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۲

كما هو الظاهر فلا ينبغي الريب في جواز الوضوء به لان الماء ماء سواء كان عذبا فراتا او ملحا اجاجا وقد قال في الخانية لو توضأ بماء السيل يجوز وان خالطه التراب اذا كان الماء غالبا رقيقا فراتا كان او اجاجا[1] اھ وكونه يجمد صيفا ويذوب شتاء لا يجعله نوعا أخر غير الماء فليس من اركان ماهية الماء ولا من شرائطها الجمود شتاء والذوبان صيفا وانما هذه اوصاف تختلف باختلاف الاصناف هذا عذب فرات وهذا ملح اجاج هذا ينبت ويروي وهذا لا يفعل شيأ منه وقد يمكن عقد الملح بماء البحر بالطبخ ولا يخرجه هذا عن المائية فكذا لو اجتزأ بعض المياه لشدة حدته عن الطبخ بحرارة الشمس لم يكن فيه اختلاف الماهية فهذا امر بما يقضي لما في الدرر والغرر بالترجيح، لكن لما اختلفوا ولم يتبين الامر قدمت الحاظر على المبيح، ولكن العجب من العلامة الشرنبلالي علل في المراقي المنع من ذائب الملح بما مر انه يذوب شتاء ويجمد صيفا ثم قال وقبل انعقاده ملحا طهور[2] اھ والله تعالٰى اعلم۔

تو اس سے وضو کے جواز میں کوئی شک نہ ہونا چاہیے کیونکہ پانی تو پانی ہی ہے خواہ سخت میٹھا ہو یا سخت کڑوا ہو، خانیہ میں ہے اگر سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے خواہ اس میں مٹی ملی ہوئی ہو جبکہ پانی غالب رقیق ہو، میٹھا ہو یا نمکین ہو اھ اور یہ بات کہ وہ گرمیوں میں جم جاتا ہے اور سردیوں میں پگھل جاتا ہے اس کو پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں بنا دیتا ہے کیونکہ جاڑوں میں جمنا گرمیوں میں پگھلنا نہ تو پانی کی ماہیت کے ارکان سے ہے اور نہ شرائط سے ہے یہ اوصاف ہیں جو قسموں کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں، کوئی سخت میٹھا، کوئی سخت نمکین، کوئی اُگانے والا اور سیراب کرنے والا ہوتا ہے اور کوئی بے فائدہ ہوتا ہے اور کبھی سمندری پانی کو اُبال کر نمک بنایا جاتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پانی نہیں تھا، اسی طرح اگر کوئی پانی آفتاب کی گرمی سے گرم ہونے کی وجہ سے متجزی ہوگیا تو یہ اس کی ماہیت کو تبدیل نہیں کرتا، اس سے اس چیز کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے جو دُرر اور غُرر میں ہے لیکن فقہاء کے اختلاف کی وجہ سے میں نے منع کرنے والی دلیل کو مباح کرنے والی دلیل پر ترجیح دی ہے، مگر علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انہوں نے مراقی الفلاح میں منع کی علت پگھلے ہوئے نمک میں یہ بتائی کہ وہ سردی میں پگھلتا اور گرمیوں میں جمتا ہے اور نمک بننے سے قبل وہ پاک ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خانیہ المعروف قاضی خان فصل فیما لایجوز التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[2] مراقی الفلاح مع الطحطاوی کتاب الطہارت نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

(۱۹۱) نوشادر کا پانی کہ اس کے بھپنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱۹۲) آبِ کافور کہ اس کے پگھلنے سے حاصل ہو یا جی کافور جسے یہاں بھیم سینی کہتے ہیں دھوپ کی گرمی سے پگھل جاتا ہے۔

(۱۹۳) آبِ کافور کہ درخت کافور کاٹتے وقت اس سے ٹپکتا ہے۔

(۱۹۴) آبِ نفط بالکسر ایک روغنی رطوبت تیز رائحہ ہے کہ بعض زمینوں سے ابلتی ہے۔

(۱۹۵) مٹی کا تیل مثل آبِ نفط ہے۔ بزازیہ میں ہے، ماء الملح لایجوز الوضوء بہ وکذا ماء النفط[1] (نمک کے پانی سے وضو جائز نہیں اور ایسے ہی ماء النفط (ایک معدنی تیل) سے۔ ت)

(۱۹۶) زفت بالکسر درخت صنوبر نر کا مد جو پھل نہیں دیتا۔

(۱۹۷) راتیانج درخت صنوبر مادہ کا مد جس میں پھل آتا ہے۔

(۱۹۸) قطران ایک قسم کا درخت سرو کا مد۔

(۱۹۹) قیر ایک سیاہ رطوبت کہ بعض زمینوں یا گرم چشموں سے ابلتی ہے۔

(۲۰۰) قفر الیہود ایک بودار رطوبت بنفشی رنگ کرشل قیر بعض دریاؤں سے نکلتی ہے۔

(۲۰۱) عنبر کہ یہ بھی ایک قول میں ایک معدنی رطوبت ہے بعد کو حرارت آفتاب وغیرہ سے منجمد ہوجاتی ہے۔

(۲۰۲) مومیائی

(۲۰۳) سلاجیت یہ دونوں پتھر کے مد ہیں اور ابتدا میں سیال ہوتے ہیں وکل ذلک فی معنی ماء النفط (یہ سب ماء النفط (ایک معدنی تیل) کے معنی میں ہیں۔ ت)

(۲۰۴) نیم وغیرہ درختوں کا مد

(۲۰۵) موسم بہار میں انگور کی بیل سے خود بخود پانی ٹپکتا ہے اس میں اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں۔

فی الھدایۃ لایجوز بما اعتصر من الشجر والثمر لانہ لیس بماء مطلق والحکم عند فقدہ منقول الی التیمم اما الماء الذی

ہدایہ میں ہے (وضو اس پانی سے جائز نہیں جو درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہو) کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں رہا، اور جب مطلق پانی نہ ہو تو پھر حکم تیمم کی طرف منتقل ہوجاتا ہے،

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ مع العالمگیری نوع فی المستعمل والمطلق والمقید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰

یقطر من الکرم فیجوز التوضی به لانه ماء یخرج من غیر علاج ذکرہ فی جوامع ابی یوسف رحمه الله تعالٰی وفی الکتاب اشارۃ الیه حیث شرط الاعتصار[1] اھ واقرہ فی العنایة والفتح وغیرهما وتبعه صاحب المجمع فی شرحه وفی التبیین انکان یخرج من غیر علاج لو یکمل امتزاجه فجاز الوضوء به کالماء الذی یقطر من الکرم[2] اھ وتبعه المحقق فی الفتح وقال صدر الشریعة وتبعه ابن کمال باشا فی ایضاحه اما مایقطر من شجر فیجوز به الوضوء[3] اھ وهو اختیار الامام الاسبیجابی کما یاتی فی سادس ضوابط الفصل الثالث وادخله العلامة التمرتاشی فی متنه فقال لابعصیر نبات بخلاف مایقطر من الکرم بنفسه[4] اھ

بہرحال وہ پانی جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے کہ وہ بغیر عمل کے نکلا ہے اس کو جوامع ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی میں ذکر کیا اور کتاب میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں نچوڑنے کی شرط ہے اھ اور اس کو عنایہ اور فتح وغیرہ میں برقرار رکھا اور صاحب المجمع نے اس کی شرح میں اس کی متابعت کی اور تبیین میں ہے کہ بغیر عمل کے اگر عرق نکل آئے تو اس کا امتزاج پورا نہ ہوگا اور اس سے وضو جائز ہے جیسے انگور کی بیل سے ٹپکنے والا پانی اھ محقق نے فتح میں اس کی پیروی کی اور صدر الشریعۃ نے فرمایا ابن کمال پاشا نے اپنی ایضاح میں اس کی پیروی کی فرمایا جو پانی درخت سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے اھ اور وہ امام اسبیجابی کا مختار ہے جیسا کہ تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں آئیگا اور علامہ تمرتاشی نے اس کو متن میں نقل کیا اور فرمایا گھاس کے عرق سے جائز نہیں بخلاف اس پانی کے جو انگور کی بیل سے خود بخود ٹپکتا ہے اھ (ت)

واغرب المدقق العلائی فی شرحه فزاد بعد قوله من الکرم او الفواکه ولم اره لغیره والجمهور علی المنع ونصوا عه

اور مدقق علائی نے اپنی شرح میں بڑی عجیب بات کہی یعنی یہ کہ من الکرم کے بعد انھوں نے "او الفواکہ" کا اضافہ کیا، میں نے ان کے علاوہ کسی اور کے کلام میں

عه وقد مر تأییدہ فی ۱۸۰ فتذکر ۱۲ منه غفرله (م)

اس کی تائید گزر چکی ہے ملاحظہ ہو ۱۸۰ - ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ہدایہ باب الماء الذی یجوز بہ وما لا یجوز مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۶

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

[3] شرح الوقایۃ مالا یجوز بہ الوضوء المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی ۱/۸۴

[4] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

انه الاوجه الاظهر الاحوط ففی الکافی[1]
ثم ابن الشلبی[2] علی الزیلعی والانقروی[3] وبه
لایتوضوء بماء یسیل من الکرم لکمال
الامتزاج ذکره فی المحیط[4] وقیل یجوز لانه
خرج من غیر علاج[5] اھ وفی الخانیة[6] لا بالماء
الذی یسیل من الکرم فی الربیع وکذا ذکره
شمس الائمة الحلوانی[7] اھ وفی الحلیة[8] والظاهر
انه اوجه اھ ثم اعاد فقال الظاهر انه
الاوجه[3] اھ وفی الغنیة[4] هو الاحوط اھ وفی
غنیة[5] ذوی الاحکام هو الاظهر کما فی البرهان[10]
وفی نور الایضاح[11] لایجوز بماء شجر وثمر
ولو خرج بنفسه من غیر عصر فی الاظهر[6] اھ
وفی مراقی الفلاح[12] احترز به عما قیل انه
یجوز بما یقطر بنفسه لانه لیس لخروجه
بلا عصر تاثیر فی نفی القید وصحة نفی
الاسم عنه[7] اھ وفی الدر[13] هو الاظهر کما
فی الشرنبلالیة عن البرهان واعتمد القهستانی[14]
فقال والاعتصار یعم الحقیقی والحکمی

یہ نہ دیکھا‘ اور جمہور کے نزدیک ممنوع ہے اور صراحت
کی ہے کہ یہی اوجہ، اظہر اور احوط ہے، کافی، ابن شلبی
علی الزیلعی اور انقرویہ میں ہے کہ اس پانی سے وضوء
نہ کرے جو انگور کی بیل سے بہتا ہے کیونکہ اس میں کمال
امتزاج پایا جاتا ہے، اس کو محیط میں ذکر کیا ہے اور
ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ بغیر عمل کے نکلا ہے
خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے جائز نہیں جو موسم ربیع
میں انگور کی بیل سے نکلتا ہے، اسی طرح اس کو ذکر
کیا ہے شمس الائمہ حلوانی نے اھ اور حلیہ میں ہے اور
ظاہر یہ ہے کہ یہی اوجہ ہے اھ پھر اعادہ کیا اور فرمایا
ظاہر یہی ہے کہ یہ اوجہ ہے اھ اور غنیہ میں ہے کہ یہ احوط
ہے اھ اور غنیہ ذوی الاحکام میں ہے یہی اظہر ہے جیسا
کہ برہان میں ہے اور نور الایضاح میں ہے وضو جائز
نہیں درخت یا پھل کے پانی سے خواہ بلا نچوڑے
از خود نکل آئے، اظہر یہی ہے اور مراقی الفلاح میں ہے
اس سے اس قول سے احتراز کیا کہ وضو اس پانی سے
جائز ہے جو بلا نچوڑے خود نکل آئے، کیونکہ اس کے بلا نچوڑے
نکلنے میں نفی قید میں کوئی تاثیر نہیں ہے اسی طرح اس سے

۱؎ حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۲۰
۲؎ قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹
۳؎ حلیہ ۴؎ غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۲
۵؎ غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر کتاب الطہارت مطبعۃ الکاملیۃ بیروت ۱/۲۳
۶؎ نور الایضاح کتاب الطہارۃ علمیہ لاہور ص ۳
۷؎ مراقی الفلاح 〃 〃 〃 الامیریہ بولاق مصر ص ۱۴

3 کماء الکرم وکذا ماء الدابوغة[علہ۱] والبطیخ بلا استخراج اھ[۱] واقرہ ط[۱۵] وفی الھندیۃ ولا بماء یسیل من الکرم کذا فی الکافی والمحیط وفتاوی قاضی خان وھو الاوجہ ھکذا فی البحر[۱۱] وھو الاحوط کذا فی شرح منیۃ المصلی لابرھیم الحلبی اھ[۲] وفی البحر الرائق والنھر[۱۱] الفائق المصرح بہ فی کثیر من الکتب انہ لایجوز الوضوء بہ واقتصر علیہ قاضی خان فی الفتاوی وصاحب المحیط وصدر بہ فی الکافی وذکر الجواز بصیغۃ قیل وفی شرح منیۃ المصلی الاوجہ عدم الجواز فکان ھو الاولی لما انہ کمل امتزاجہ کما صرح بہ فی الکافی فما وقع

اس نام کے سلب کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے اھ اور دُر میں اسی کو اظہر کہا جیسا کہ شرنبلالیہ میں برہان سے ہے[۱] اور اسی پر قہستانی نے اعتماد کیا اھ اور کہا نچوڑنا حقیقی اور حکمی دونوں کو عام ہے جیسے انگور کا پانی اسی طرح تربوز کا پانی[علہ] اور خربوزے کا پانی بلا نکالے ہوئے اھ اور اس کو "ط" نے برقرار رکھا اور ہندیہ میں ہے نہ اس پانی سے جو انگور کی بیل سے نکلتا ہے اسی طرح کافی، محیط میں ہے اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے یہی اوجہ ہے یہی بحر میں ہے اور یہی احوط ہے اسی طرح شرح منیۃ المصلی میں ہے جو ابراہیم حلبی کی ہے اھ اور بحر اور نہر میں ہے، کہ بہت سی کتب میں صراحت ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں اور اسی پر قاضیخان نے فتاوی میں اکتفاء

علہ الدابوغۃ والدابوقۃ والجیجب ھو البطیخ الاخضر کما فی ش عن بعض المحشین عن کتب الطب وذکر فی التحفۃ و المخزن دابوقۃ بالقاف وزعما انہ من اسمائہ بالعربی وذکرا منھا اللاخ والبطیخ الھندی والبطیخ الشامی والبطیخ الفلسطینی وبالفارسیۃ ھندوانہ وبالھندیۃ تربوز ولم یذکرا دابوغہ بالغین ۱۲ منہ۔ (م)

دابوغہ، دابوقہ اور جیجب تربوز کو کہتے ہیں جیسا کہ شامی میں ہے کہ بعض حاشیہ نگاروں نے کتبِ طب سے اس کی یہی تشریح نقل کی ہے اور تحفہ اور مخزن میں دابوقہ "ق" سے ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ اس کا عربی نام ہے ان دونوں کتب میں لاخ اور بطیخ ہندی، بطیخ شامی اور بطیخ فلسطینی کا ذکر ہے فارسی میں ہندوانہ اور ہندی میں تربوز کہتے ہیں ان دونوں کتابوں میں دابوغہ "غ" کے ساتھ کا ذکر نہیں ۱۲ منہ (ت)

لے درمختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۳۴

لے ہندیۃ فیما لایجوز بہ التوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱

فی شرح الزیلعی انہ لم یکمل امتزاجہ ففیہ نظر[1] اھ وفی ش عن الرملی علی المنح من ماجع کتب المذہب وجد اکثرھا علی عدم الجواز فیکون المعمول علیہ فما فی ھذا المتن (یرید التنویر) مرجوح بالنسبۃ الیہ اھ[2]۔

کیا، اسی طرح صاحبِ محیط نے اس پر اکتفا کیا اور اس کو ابتداً میں ذکر کیا کافی میں اور جواز کا ذکر بصیغہ قیل کیا اور شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ اوجہ عدمِ جواز ہے تو یہی اولٰی ہے کیونکہ اس کا امتزاج مکمل ہوگیا ہے جیسا کہ کافی میں مصرح ہے تو شرح زیلعی میں اس کے امتزاج کو مکمل نہ بتانا قابلِ اعتراض ہے اھ اور ش، میں رملی علی المنح سے منقول ہے کہ جس نے کُتبِ مذہب کو دیکھا ہے اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر میں عدمِ جواز ہے تو اسی پر اعتماد ہوگا، تو جو اس متن (تنویر) میں ہے وہ اس کی نسبت مرجوح ہے اھ۔ (ت)

(۲۰۶) تاڑی

(۲۰۷) سیندھی

اقول حتی علی قول من یجوز بقاطر الکرم فانہ[عہ] ما کان تشویہ فاذا رقوی س دہ

میں کہتا ہوں یہاں تک کہ جو حضرات انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی سے وضو کے جواز کے قائل ہیں تو وہ یہی

[عہ] ھذا ھو صریح مفاد کلام الزیلعی ومن تبعہ لکن فی الارکان الاربعۃ لبحر العلوم مانصہ اختلفوا فی ماء سال من الکرم ونحوہ بنفسہ ففی الھدایۃ یجوز بہ التوضی وفی الکافی وفتاوی قاضی خان لا یجوز لانہ لیس ماء انما ھو شبیہ بالماء ویطلق علیہ الماء مجازا اھ

اقول لیس التعلیل فی الکافی ولا فی الخانیۃ بل لم ارہ لاحد قبلہ بل نزعم

یہ صریح مفہوم ہے زیلعی کے کلام کا اور اس کے متبعین کے کلام کا، لیکن بحر العلوم کی ارکانِ اربعہ میں ہے اُس پانی میں اختلاف ہے جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے، ہدایہ میں ہے اس سے وضو جائز ہے، کافی اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ وضو جائز نہیں کیونکہ وہ پانی نہیں ہے پانی کے مشابہ ہے اور اس پر پانی کا اطلاق مجاز ہے اھ

میں کہتا ہوں کہ تعلیل نہ کافی میں ہے اور نہ خانیہ میں ہے بلکہ میں نے اُن سے پہلے کسی کے کلام

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[2] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

کما یدل علیہ قول الزیلعی کمال الامتزاج بتشرب النبات الماء بحیث لا یخرج منہ الابعلاج ثم ذکر قاطر الکرم بما مر بخلاف الرطوبات السائلۃ من ھذہ الاشجار فانھا کالقطرات النابعۃ من الاحجار واللہ تعالٰی اعلم۔

کہتے ہیں کہ در اصل یہ پانی تھا جب بیل میں جذب ہونے سے بچا تو بہنے لگا جیسا کہ قول زیلعی سے معلوم ہوتا ہے، امتزاج کا کمال یہ ہے کہ گھاس پانی کو اچھی طرح پی لے کر بلا نکالے پانی نہ نکلے، پھر انہوں نے انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی کا ذکر کیا بخلاف ان رطوبتوں کے جو اِن درختوں سے بہتی ہیں کیونکہ یہ ان روغنیات کی طرح ہیں جو پتھروں سے نکلتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۰۸) ماء الجبن کہ دودھ پھاڑ کر اس کی مائیت نکالتے ہیں۔

(۲۰۹) دہی کا پانی کہ کپڑے میں باندھ کر ٹپکائیں یا اس کے کونڈے میں اس سے چھٹے۔

(۲۱۰) مٹھا جسے چھاچھ بھی کہتے ہیں دہی سے مکھن جُدا ہونے کے بعد جو پانی رہ جائے۔

(۲۱۱) چاولوں کی پیچ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامۃ ابن کمال الوزیر فی الایضاح عند قول متنہ لابما اعتصر من شجر او ثمر الروایۃ بالقصر کانھم ابوا عن اطلاق اسم الماء علیہ ایماء الی قصورہ عن حد الماء المطلق ولذلك لایجوز التوضی بہ اھ فھذا یوھم بل کمصرح ان کل عصارۃ ثمر او شجر ماء حقیقۃ غیر انہ مقید لامطلق وھو باطل قطعا والذی یقبلہ القلب فی ماء الکرم القاطر ایضا ماقالہ بحر العلوم واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

میں یہ نہیں دیکھا، بلکہ علامہ ابن کمال وزیر نے ایضاح کے متن کے پاس فرمایا نہ اس پانی سے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو روایت قصر سے ہے، گویا وہ اس پر پانی کے نام کا اطلاق نہیں کرنا چاہتے ہیں، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ وہ ماء مطلق میں شامل نہیں، اور اس لیے اس سے وضو جائز نہیں ہے اھ اس سے وہم ہوتا ہے بلکہ صراحت ہی کہنی چاہیے کہ درختوں اور پھلوں کا پانی حقیقۃً پانی ہے، البتہ وہ مقید ہے مطلق نہیں ہے، حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے اور انگور کی بیل کے پانی کی بابت دل لگتی بات بحر العلوم ہی کی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۲۱۲) گوشت کا پانی کہ سربند برتن میں بے پانی رکھ کر اوپر پانی بھر کر آنچ دینے سے خود گوشت سے مثل عرق نکلتا ہے۔

(۲۱۳) ماء اللحم کہ عرقیات کی طرح گوشت و اجزائے مناسبہ سے ٹپکا کر لیتے ہیں۔

المخالطات

(۲۱۴) یخنی کہ پانی میں گوشت کا آبجوش نکالتے ہیں۔

(۲۱۵) ہر قسم کا شوربا۔ ہدایہ میں ہے:

لا یجوز بالمرق فانہ لا یسمی ماء مطلقا[1]۔ شوربا سے وضوء جائز نہیں کہ اس کو مطلق پانی نہیں کہتے ہیں۔ (ت)

(۲۱۶ و ۲۱۷) جس پانی میں چنے یا باقلا پکایا اگر پانی میں ان کے اتنے اجزاء مل گئے کہ ٹھنڈا ہو کر پانی گاڑھا ہو جائے گا تو اس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

اقول وذلک ان العبارات الواضحۃ[عہ] جاءت ھھنا علی ثلثۃ وجوہ۔ میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں واضح عبارات تین قسم کی ہیں:

الاول لا یجوز مطلقا لان بالطبخ یحصل کمال الامتزاج فیفید التقیید وھذا ما یأتی فی ضابطۃ الامام الزیلعی واتباعہ رحمھم اللہ تعالٰی۔ اول، مطلقاً جائز نہیں کیونکہ پکانے سے مکمل امتزاج حاصل ہوتا ہے لہذا مقید کرنا مفید ہوگا۔ امام زیلعی اور ان کے متبعین کے ضابطہ میں اس کا بیان آئیگا، رحمہم اللہ تعالٰی۔

الثانی لا یجوز اذا وجد منہ ریح المطبوخ۔ دوم، وضو جائز نہیں جبکہ اس میں سے پکی ہوئی چیز کی بُو آتی ہو۔

الثالث یجوز مالم یثخن وعلیہ الاکثر وھو الاشھر والمنصوص سوم، جب تک گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے، اکثر اسی پر ہیں اور یہی مشہور تر ہے، اور عام متون میں

عہ ستأتی عبارۃ اخری مجملۃ وھی التغیر بالطبخ ویأتی الکلام علیھا ۱۲ منہ (م) عنقریب ایک مجمل عبارت آئے گی اور وہ پکانے سے تبدیل ہونا ہے اور اس پر کلام بھی آئیگا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] ہدایہ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء و مالا یجوز بہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

علیہ فی عامۃ المتون[1] وفی الخانیۃ لوطبخ فیہ الحمص اوالباقلاء وریح الباقلاء یوجد منہ لایجوزبہ التوضؤ وذکر الناطفی اذا لم تذھب رقتہ ولم یسلب منہ اسم الماء جاز[1] اھ وفی الجامع[2] الکبیر ثم المنیۃ والینابیع ثم الزیلعی والفتح وتجنیس الامام صاحب الھدایۃ ثم البحر وتجنیس الملتقط ثم الحلیۃ والفتاوی الظھیریۃ ثم البرجندی واللفظ للفتح فی الینابیع لونقع الحمص والباقلاء وتغیر لونہ وطعمہ وریحہ یجوز التوضی بہ فان طبخ فان کان اذا برد ثخن لایجوز الوضوء بہ اولم یثخن ورقۃ الماء باقیۃ جاز[2] اھ وھذا کما تری اوسع الاقوال فاذا حصل شرطہ فی المنع حصل المنع بالاجماع۔

یہی ہے، اور خانیہ میں ہے اگر پانی میں چنے یا باقلا پکایا گیا اور باقلا کی بُو اس میں آگئی تو اس سے وضو جائز نہیں اور ناطفی نے فرمایا اگر اس کا پتلا پن ختم نہیں ہوا ہے اور اس پر پانی کا اطلاق ہوتا ہے تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں، جامع کبیر، منیہ، ینابیع، زیلعی، فتح، تجنیس (صاحب ہدایہ کی کتاب) پھر بحر، ملتقط کی تجنیس، حلیہ، فتاوٰی ظہیریہ اور برجندی میں ہے، عبارت فتح کی بحوالہ ینابیع ہے اگر چنے اور باقلاء پانی میں نچوڑ لیے گئے اور اس کا رنگ مزہ اور بُو بدل گئے تو اُس سے وضو جائز ہے، تو اگر پکایا گیا اور ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہوگیا تو وضو جائز نہیں، اور اگر گاڑھا نہ ہوا اور پانی کی رقت ہنوز باقی ہے تو جائز ہے اھ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اس قول میں سب سے زیادہ گنجائش ہے، توجب اس کی شرط منع میں حاصل ہو تو بالاجماع منع ثابت ہوگا۔ (ت)

ثم اقول وباللہ التوفیق بل لاخلاف اما القولان الاولان فالتوفیق بینھما واضح

پھر میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق، بلکہ کوئی خلاف ہی نہیں، اور دو پہلے اقوال میں تطبیق واضح ہے

---

[1] کالوقایۃ والملتقی والغرر والتنویر ونور الایضاح حیث اعتبروا زوال الطبع بالطبخ ویأتی نصوصھا فی الفصل الثالث ۱۲ منہ غفرلہ۔

جیسے وقایہ، ملتقی، غرر، تنویر اور نورالایضاح، ان حضرات نے پکانے سے طبیعت کے زوال کا اعتبار کیا ہے تیسری فصل میں ان کتب کی عبارات آئیں گی ۱۲ منہ غفرلہ

[2] ھکذا فی الحلیۃ وفی نسختی المنیۃ والجامع الصغیر وعلیھا شرح فی الغنیۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اسی طرح حلیہ میں ہے اور میرے پاس موجود منیہ اور جامع صغیر کے نسخوں پر اس کی شرح غنیہ میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

فانه اذا نضج الباقلی فی الماء وادرك وجد ریحه من الماء لا محالة وهذا هو معنی الطبخ کما تقدم فی ۱۰۸۔ نعم علی هذا یضیع الشرط ولا امکان لحمل الطبخ علی الالقاء بقصدہ لیکون احترازا عما اذا اُخرج قبل ان یؤثر فی الماء فانه ح یشمل ما اذا اُخرج بعد ما غیر ریح الماء قبل ان ینطبخ فان تغیر الریح لا یتوقف علی النضج فعلی هذا یکون مجرد تغیر الریح بدون الطبخ موجبا للتقیید وهو خلاف النصوص المذکورة فی ۸۹ فان عند عدم الطبخ لا وجه للفرق بینه وبین النقیع تأمل واما القول الثالث فافاد فی الغنیة ما یعطی وفاقه حیث قال التقیید یحصل للماء بکمال الامتزاج بالطبخ بان یطبخ فی الماء شیئ حتی ینضج فحینئذ یخرج الماء عن طبعه وهو سرعة السیلان ولا شك انه اذ ذاك اذا برد یثخن غالبا فکانت القاعدة فی المخالطة بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء وفی المخالطة بدونه ان تزول رقته[۱] اھ وتبعه فی مراقی الفلاح فقال لا بماء زال طبعه بالطبخ لانه اذا برد ثخن[۲]۔

کہ جب باقلا پانی میں اچھی طرح پک جائے تو لا محالہ اس کی بُو پانی میں آئے گی اور پکنے کے یہی معنی ہیں جیسا کہ ۱۰۸ میں گزرا۔ ہاں اس تقدیر پر شرط لگانا بے سود ہوگا اور یہ امکان نہیں ہے کہ طبخ کو اس پر محمول کیا جائے کہ پکانے کے ارادہ سے ڈالنا، تاکہ اس صورت سے احتراز کیا جائے جب کہ اُس کو پانی میں اثر انداز ہونے سے قبل نکال لیا جائے، کیونکہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جس کو نکالا جائے اس وقت جبکہ اس سے پانی کی بُو تبدیل ہو جائے اور وُہ پکنے نہ پائے، کیونکہ بُو کا بدلنا پکنے پر موقوف نہیں اس بناء پر صرف بُو کا بدلنا بلا پکائے موجبِ تقیید ہوگا اور یہ نصوص مذکورہ کے خلاف ہوگا، نصوص ۸۹ میں مذکور ہیں، کیونکہ نہ پکنے کی صورت میں اُس میں اور نقیع (نچوڑا ہوا) میں کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ مقامِ غور ہے، تیسرا قول 'غنیہ' کے مطابق وہ ہے جس سے اتفاق معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں تقیید پانی میں اس وقت ہوتی ہے جب پکنے سے مکمل امتزاج حاصل ہو جائے، مثلاً یہ کہ پانی میں کوئی چیز پکائی جائے حتّٰی کہ مکمل طور پر پک جائے، تو اس وقت وُہ پانی اپنی طبیعت سے خارج ہو جائیگا اور یہ اس کا تیزی سے بہنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہو جائیگا تو پکانے والی چیز میں 'مخالطۃ' کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ چیز پانی میں پک جائے، اور پکائے بغیر مخالطۃ میں یہ ہے کہ

---

[۱] غنیۃ المستملی فصل احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

[۲] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریۃ مصر ص ۱۵

اس کی رقت ختم ہوجائے اھ اور یہی بات مراقی الفلاح میں کہی گئی ہے، فرمایا نہ اس پانی سے جس کی طبیعت پکائے جانے کی وجہ سے ختم ہوگئی کیونکہ جب وہ ٹھنڈا ہوگا گاڑھا ہوجائے گا۔ (ت)

اقول لاطبخ الابالنضج کما علمت فکان الطبخ نفسه القاعدة من دون شریطة زائدة وھذا یوافق اھل الضابطة ثم اذا کان الطبخ یورث الثخونة مطلقا حصل توافق الاقوال ومجال المقال فیه من وجوہ۔

میں کہتا ہوں طبخ بلا نضج نہیں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے جانا، تو طبخ بجائے خود قاعدہ ہے اس میں کسی زائد شرط کی حاجت نہیں اور یہ ضابطہ والوں کے موافق ہے، پھر جب طبخ سے مطلقاً گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے تو اقوال میں توافق پیدا ہوگا، اور اس میں کئی وجوہ سے کلام ہوسکتا ہے:

الاول ما اقول انه علی ھذا لم یبق الفرق بین النیئ والمطبوخ اذصار المدار فیھما جمیعا الثخونة وکلام الشیخ یؤذن بالتفرقة۔

اوّل یہ جو میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر کچے اور پکے ہُوئے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان دونوں میں دارومدار گاڑھا ہونا ہے اور شیخ کے کلام سے دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

والثانی ما اقول ایضا تقسیم الطبخ فی الینابیع الی صورة الثخونة وبقاء الرقة یؤذن بان الطبخ لایوجب الثخانة ولاینفع قوله غالبا لانه اذا برد فلم یثخن وجب جواز الوضوء به لاحاطة العلم بعدم المانع۔

دوم میں کہتا ہوں ینابیع میں طبخ کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ اس میں گاڑھا پن ہو اور رقت باقی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبخ سے گاڑھا پن لازمی نہیں ہوتا ہے، اور ان کے قول غالب کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ مانع کے نہ ہونے کا علم ہے۔

والثالث قال المحقق البحر فی البحر لایتوضؤ بماء تغیر بالطبخ بما لایقصد به التنظیف کماء المرق والباقلاء لانه ح لیس بماء مطلق لعدم تبادرہ عند اطلاق اسم الماء اما لوکانت النظافة تقصد به کالسدر والصابون والاشنان یطبخ به فانه یتوضؤ به الا اذا اخرج الماء عن طبعه من الرقة والسیلان وبما تقرر علم

سوم محقق نے بحر میں فرمایا کہ اس متغیر پانی سے وضو نہ کیا جائے جس کو کسی ایسی چیز کے ساتھ پکایا گیا ہو جو تنظیف کے لیے نہیں ہوتی ہے جیسے شوربہ اور باقلا کا پانی، کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے اس لیے کہ جب پانی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہ پانی متبادر نہیں ہوتا ہے اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس سے نظافت مقصود ہو جیسے جھڑبیری، صابون اور اشنان کو پانی کے ساتھ پکایا جائے تو اس پانی سے وضو کیا جائیگا، ہاں اگر

ان ماذکرہ فی التجنیس والینابیع (فاشرما مر انفا) لیس ھو امختار بل ھو قول الناطفی من مشایختا رحمھم اللہ تعالٰی یدل علیہ ماذکرہ قاضی خان (فنقل ما تقدم الاٰن) قال وبما قررناہ علم ان الماء المطبوخ بشیئ لایقصد بہ المبالغۃ فی التنظیف یصیر مقیدا سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولم یتغیر فحینئذ لاینبغی عطفہ فی المختصر علی بکثرۃ الاوراق الا ان یقال انہ لما صار مقیدا افقد تغیر بالطبخ اھ[1] وتبعہ ش فقال فی المرق والباقلاء انہ یصیر مقیدا سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولا وسواء بقیت فیہ رقۃ الماء اولا فی المختار کما فی البحر[2]۔

پانی اپنی طبیعت سے نکل جائے یعنی رقت اور سیلان ختم ہوجائے تو وضو جائز نہ ہوگا، اور گزشتہ تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کچھ تجنیس اور ینابیع میں ہے (وہ نقل کیا جو ابھی گزرا) وہ مختار نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے مشائخ میں سے ناطفی کا قول ہے، قاضی خان کا قول اس پر دلالت کرتا ہے (جو ابھی گزرا وہ نقل کیا) فرمایا ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ پانی کو اگر کسی ایسی چیز سے جوش دیا جائے جس سے زیادہ تنظیف مقصود نہ ہو تو وہ مقید ہوجائیگا خواہ اس کے اوصاف میں تغیر ہو یا نہ ہو اس صورت میں اس کا عطف مختصر میں "بکثرۃ الاوراق" پر مناسب نہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب وہ مقید ہوگیا تو پکنے سے متغیر ہوگیا اھ "ش" نے بھی یہی لکھا اور شوربا اور باقلا میں لکھا کہ وہ مقید ہوجائے گا خواہ اس کے اوصاف میں تبدیلی ہو یا نہ ہو، علاوہ ازیں کہ اس میں پانی کی رقت رہے یا نہ رہے، مختار یہی ہے جیسا کہ بحر میں ہے اھ (ت)

والرابع قال العلامۃ البرجندی تحت قول النقایۃ وان تغیر بالمکث اواختلط بہ طاھر الا اذا اخرجہ عن طبع الماء او غیرہ طبخا[3] مانصہ واطلاق التغیر وجعلہ قسیما للاخراج من طبع الماء یتبادر منہ ان مطلق التغیر بالطبخ مانع سواء اخرجہ عن

چہارم علامہ برجندی نے نقایہ کے قول و ان تغیر بالمکث الخ کے تحت فرمایا، تغیر کو مطلق رکھنا اور اس کو اخراج من طبع الماء کا قسیم بنانا، اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ مطلق تغیر پکانے کی وجہ سے مانع ہے، خواہ وہ اس کو پانی کی طبیعت سے نکالے یا نہ نکالے، ہدایہ سے یہی مفہوم ہے، اس کی تائید

---

[1] بحرالرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

[3] شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

طبخ الماء اولا وهذا هو المفهوم من الهداية ويؤيده ما في الخزانة وفتاوى قاضي خان انه اذا طبخ فيه الباقلی وريح الباقلی يوجد منه لا يجوز به التوضی وقد ذكر في الفتاوى الظهيرية انه اذا طبخ الحمص او الباقلّٰی الى اٰخر ما تقدم عن الفتح۔

خزانہ اور فتاوٰی قاضی خان سے ہوتی ہے کہ اگر اس میں باقلی پکایا گیا اور اس کی بو پانی میں آگئی تو اس سے وضو جائز نہیں، اور فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ اذا طبخ الحمص او الباقلی الخ جو فتح سے نقل ہوا۔ (ت)

وانا **اقول** وباللہ التوفيق وبه الوصول[؎] الى ذرى التحقيق فعل النار والعياذ باللہ تعالٰی منها تفريق الاتصالات فاذا طبخ شیئ تزيل النار صلابته وتفتح منافذه فيدخله الماء وتخرج اجزاؤه اللطاف في الماء فتورثه ثخونة اذا كان الماء على ما هو المعتاد في طبخ الاشياء وان لم تظهر اذا اكثر الماء جدا فان الكلام في الطبخ المعهود ولا يجعل فيه من الماء الا قدر معلوم موافق لحصول الامتزاج وهذا ما افاد الزيلعي واتباعه ان بالطبخ يحصل كمال الامتزاج نعم الحرارة توجب اللطافة فما دام حارا لا يظهر ذلك التغير على ما هو عليه وبه ظهر سر ما قالوا اذا صار بحيث اذا برد ثخن وهذا هو الفارق بين النئ والمطبوخ فان النئ ليس فيه ما يمنع ظهور الثخانة فاحيل فيه على نفس ذهاب الرقة بخلاف

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق آگ کا کام متصل کو منفصل کرنا ہے جب کوئی چیز آگ پر پکائی جاتی ہے تو آگ اس کی سختی کو زائل کردیتی ہے اور اُس کے سوراخوں کو کھول دیتی ہے جس کی وجہ سے اس میں پانی داخل ہوجاتا ہے اور اس کے لطیف اجزاء پانی میں آجاتے ہیں، اس طرح پانی گاڑھا ہوجاتا ہے جبکہ پانی عادت کے مطابق پکایا جائے اور جب پانی بہت زیادہ ہوتا ہے تو یہ گاڑھا پن ظاہر نہیں ہوتا ہے کیونکہ گفتگو متعارف پکانے میں ہے اور اس میں ایک معین مقدار کے پانی کی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ امتزاج حاصل ہوجائے، زیلعی وغیرہ میں یہی ہے کہ پکانے سے کمال امتزاج حاصل ہوتا ہے، ہاں حرارت لطافت کا موجب ہوتی ہے تو جب تک وہ گرم رہتا ہے تو یہ تغیر ظاہر نہیں ہونے پاتا ہے، اسی سے یہ راز سربستہ بھی منکشف ہوگیا کہ فقہاء فرماتے ہیں جب پانی ٹھنڈا ہوکر گاڑھا ہوجائے، اور یہی چیز مابہ الامتیاز ہے کچے اور پختہ میں، کیونکہ کچے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے

؎ شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

المطبوخ مالم یبرد فیحال فیه علی النظر فان ظهر انه یثخن اذا برد لم یجز الوضوء به و الاجاز والمرجع فی هذا هو حصول النضج والادراك فان عند ذلك یحصل كمال الامتزاج وهو یوجب فی المعتاد ثخونة الماء فبهذا التقریر ولله الحمد انحلت الاشكالات عن اٰخرها۔

فالاول قد ظهر الفرق بین النیٔ والمطبوخ۔

والثانی الطبخ فی كلام الینابیع الاغلاء فی الماء علی النار وان لم ینضج علی سبیل عموم المجاز لا بل بیان لحكم یعم المعتاد وغیره كمن وضع كفا من حمص فی قدر قربة من الماء فانه لا یثخن حین یبرد وان نضج الحمص وادرك وهذا هو منشؤ التقیید بغالبا فی كلام الغنیة ونظر الشرنبلالی الی المعتاد المعهود فاطلق القول انه اذا برد ثخن وبالله التوفیق۔

والثالث فیه اشیاء۔

فاقول اولا تبین ان فرض عدم التغیر اصلا مع حصول الطبخ فرض مالا وقوع له۔

وثانیا قد علمت انما فی الخانیة

جو گاڑھے پن کو ظاہر ہونے سے روکتی ہو تو اس میں دارو مدار صرف رقت کے ختم ہونے پر ہے بر خلاف پکے ہوئے کے جو ٹھنڈا نہ ہوا ہو تو اس کا دارو مدار اس پر ہے کہ دیکھا جائے اگر یہ ظاہر ہو کہ ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہو جائیگا تو اس سے وضو جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا، اور دارومدار اس میں پکنا ہے کیونکہ اسی وقت کمال امتزاج پایا جاتا ہے اور یہی چیز عام طور پر پانی کے گاڑھا ہونے کا موجب ہوتی ہے اس تقریر سے تمام اشکالات رفع ہوگئے۔

اول: کچے اور پکے کا فرق ظاہر ہوا۔

دوم: ینابیع کی عبارت میں طبخ سے مراد شَی کو جوش دینا ہے پانی میں آگ پر خواہ پکا ہوا نہ ہو یہ بطور عموم مجاز کے ہے، نہیں بلکہ یہ ایسے حکم کا بیان ہے جو معتاد وغیر معتاد دونوں کو عام ہے، مثلاً کسی نے ایک مٹھی چنے ایک ہانڈی بھر پانی میں ڈال دئے تو یہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہوگا خواہ چنے کتنے ہی پک جائیں، اور غنیہ کی عبارت میں غالبًا کی قید کا یہی مفاد ہے اور شرنبلالی کی نظر معہود پر گئی تو انہوں نے مطلق قول رکھا کہ جب ٹھنڈا ہوگا تو گاڑھا ہو جائے گا وباللہ التوفیق۔

سوم اس میں چند اور قابلِ ذکر باتیں ہیں:

میں کہتا ہوں اول: پکنے کے باوجود یہ مفروضہ قائم کرنا کہ تغیر نہیں ہوا ہے باوجود حصول طبخ کے ایک ایسی چیز کا فرض کرنا ہے جو واقع نہیں ہوتی ہے۔

دوم: خانیہ میں جو ناطفی سے منقول ہے یہ

عن الناطفي لايخالف ما قدمه لاجرم ان
عزا العلامة القوام الكاكي شارح الهداية ثم
ابن الشلبي محشي الزيلعي ما عن الناطفي الى
قاضي خان ايضا فقالا اذا طبخ ولم يثخن بعد
ورقة الماء فيه باقية جاز الوضوء به ذكره
الناطفي وفي فتاوى قاضي خان اه[1] واليه يشير
كلام الحلية اذ جعل كلام الناطفي مفاد ما
في قاضي خان حيث قال تحت قول الماتن
لا تجوز بماء الباقلاء ما نصه سيذكر عن
الجامع الكبير تقييد عدم الجواز بماء
الباقلاء بما اذا كان مطبوخا وهو بحال
اذا برد ثخن وزالت عنه رقة الماء فيحمل
هذا الاطلاق وان وقع مثله لغير المصنف
على ذلك دفعا للتناقض ومن ثم لما ذكر
القدوري في عداد ما لايجوز الطهارة به
ماء الباقلاء قال في الهداية المراد ما تغير
بالطبخ واحسن منه حمله على ما اذا
كان مسلوبا منه اسم الماء مطبوخا اولا
كما يفيده ما في الخانية فذكر كلامه المار في
النيئ والمطبوخ تماما[2] وفيه حديث الريح
فلو حسبه مخالفا لقول الناطفي لكان قوله
مرجوحا لانه انما يقدم الاظهر الاشهر
فلم يكن يحسن نسبة ما نزيفه اليه ومن

گزشتہ قول کے منافی نہیں، اسی لیے علامہ کاکی شارح
ہدایہ اور ابن شلبی محشی زیلعی نے ناطفی کے قول کو
قاضی خان کی طرف بھی منسوب کیا ہے، ان دونوں
حضرات نے فرمایا جب پکایا گیا اور گاڑھا نہ ہوا اور پانی
کی رقّت اس میں باقی رہی تو اس سے وضو جائز ہے'
اس کو ناطفی نے ذکر کیا ہے، اور یہ فتاوٰی قاضی خان
میں ہے اھ اس طرف حلیہ میں اشارہ ہے کیونکہ انہوں
نے ناطفی کے کلام کو قاضی خان کی گفتگو کا ماحصل
قرار دیا ہے، وہ ماتن کے قول لا تجوز بماء الباقلی
کے تحت فرماتے ہیں کہ عنقریب جامع کبیر سے باقلی کے
پانی کے ساتھ عدم جواز کے مقید کرنے کی وجہ بیان
کریں گے کہ وہ ایسا پکا ہوا ہو کہ جب ٹھنڈا ہو تو گاڑھا
ہو جائے اور اس کی رقت زائل ہو جائے تو یہ اطلاق
(اگرچہ مصنف کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی ایسا
ہی کیا ہے) اس پر محمول کیا جائیگا کہ تناقض مرتفع
ہو جائے، اس لیے جب قدوری نے اُن اشیاء کا ذکر
کیا جن سے وضو جائز نہیں ہے تو باقلی کے پانی کو ذکر کیا'
ہدایہ میں فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو پکائے جانے
سے بدل گیا ہو اور اس کا حمل اس پر زیادہ اچھا ہوگا
جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہو گیا ہو خواہ وہ پکا ہوا ہو
یا نہ ہو، جیسا کہ خانیہ سے پتا چلتا ہے، پھر انہوں نے
اپنا گزشتہ کلام ذکر کیا جو کچے اور پختہ سے متعلق ہے، اسی
میں بُو کا بھی تذکرہ ہے تو اگر وہ اس کو ناطفی کے قول کے

---

[1] حاشیۃ الشلبی علی التبیین بحث الماء بولاق مصر ۱/۱۹
[2] حلیہ

الدلیل علیہ ان الامام قاضی خان نفسہ صرح بھذا الذی قالہ الامام الناطفی وجزم بہ فی عامۃ المعتمدات فی شرحہ للجامع الصغیر کما عزاہ لہ فی الغنیۃ۔

مخالف سمجھے تو ان کا قول مرجوح ہوتا، کیونکہ وہ اظہر و اشہر کو مقدم کرتے ہیں، تو جس قول کو انہوں نے ناپسندیدہ قرار دیا اسی کی نسبت ان کی طرف اچھی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود قاضی خان نے اس چیز کی تصریح کی ہے جو امام ناطفی نے ذکر کیا ہے اور اسی پر انہوں نے اپنی عام معتمدات میں جامع صغیر کی شرح میں جزم کیا ہے اور غنیہ میں اس کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

وثالثا العجب انہ رحمہ اللہ تعالٰی یحتج بعبارۃ الخانیۃ وقد شرط وجود الرائحۃ ثم یقول سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولا۔[1]

سوم: تعجب اس پر ہے کہ وہ خانیہ کی عبارت سے استدلال کر رہے ہیں اور انہوں نے بُو کی شرط لگائی ہے پھر فرمایا عام ازیں کہ اس کے اوصاف میں کچھ بدلا ہوا ہو یا نہ بدلا ہوا ہو۔

ورابعا انکر العطف علی بکثرۃ الاوراق ولیس ثمہ ما یصلح لعطفہ الا ھو فان عبارۃ المختصر یتوضوء بماء السماء والعین والبحر وان غیر طاھر احد اوصافہ اوانتن بالمکث لا بما تغیر بکثرۃ الاوراق او بالطبخ[2] فان لم یعطف علی بکثرۃ یعطف علی بما تغیر ای لا یتوضوء بالطبخ وھو کلام مغسول

چہارم: بکثرۃ الاوراق پر عطف کا انکار کیا ہے حالانکہ وہاں صرف اسی پر عطف ممکن ہے کیونکہ مختصر کی عبارت یہ ہے یتوضوء بماء السماء الخ تو اگر بکثرۃ پر عطف نہ کیا جائے تو بما تغیر پر کرنا ہوگا، اور یہ غلط ہے۔

وخامسا تاویلہ بان المراد تغیر طبعہ او وصفہ بل اطلاقہ لا یتمشی فی عبارۃ النقایۃ والاصلاح تغیر بالطبخ معہ وھو مما لا یقصد بہ النظافۃ اذ یفید علی ھذا جواز الوضوء بما تغیر من الاطلاق بالطبخ مع المنظف ولیس مرادا قطعا فانما الامر انہ لما تغیر بالطبخ صار مقید التغیر بالطبخ۔

پنجم: اس کی یہ تاویل کرنا کہ مراد اسکی طبیعت یا وصف کا بدلنا نہیں ہے، بلکہ ان کی عبارت کا اطلاق اصلاح و نقایہ کی عبارت میں نہیں چل سکتا ہے کہ تغیر بالطبخ معہ ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس سے نظافت مقصود نہ ہو، اس لیے کہ اس بناء پر اُس چیز سے جس سے تغیر واقع ہو وضو جائز ہوگا، یعنی جب کہ نظافت والی چیز کے ساتھ پکانے کو مطلق رکھا جائے،

---

[1] بحرالرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] کنزالدقائق " ایجوکیشنل پریس کراچی ۱/۱۱

حالانکہ یہ قطعاً مراد نہیں ہے، کیونکہ جب پکانے سے متغیر ہوگیا تو مقید ہوگیا یہ نہیں کہ جب مقید ہوگیا تو پکانے سے متغیر ہوگیا۔ (ت)

اقول ووقع فی تعبیر ش تغییر لمفاد البحرفان قولہ فی المختار کما فی البحر یوقع من لایراجع البحرفی توھم انہ تصحیح منقول فی البحرعن اھلہ فانہ رحمہ اللہ تعالٰی لم یکن من اصحابہ کما اعترف بہ ش فی عقود رسم المفتی وبیناہ فی رسالتنا ھبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر ولیس کذلک وانما قال لخلافہ من قبل نفسہ لیس ھو المختار۔

میں کہتا ہوں "ش" کی عبارت میں تبدیلی بحر کے مفاد کے لیے ہے کیونکہ ان کا قول فی المختار کما فی البحر ایک ایسے شخص کو جس نے بحر نہ دیکھی ہو اس وہم میں مبتلا کرسکتا ہے کہ یہ بحر کے منقول کی تصحیح ہے جو انہوں نے کسی سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے اصحاب سے نہیں جیسا کہ اس کا اعتراف "ش" نے عقود رسم المفتی میں کیا ہے اور ہم نے اس کو "ھبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر" میں ذکر کیا ہے جبکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے، یہ بات انھوں نے اس لیے کہی ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے مخالف ہیں، وہ مختار نہیں سمجھتے۔ (ت)

والرابع لماکان زوال الطبع بالطبخ ربما لایظھر الا اذا برد صح التقسیم فیحال فی النیئ علی عین الثخونۃ وفی المطبوخ علی دلیلھا وکانہ الی ھذا یشیر البرجندی بتعقیبہ بکلام الظھیریۃ فاستقر ان شاء اللہ تعالٰی ولہ الحمد عرش التحقیق بحسن التوفیق علی التطبیق والتوفیق وباللہ سبحنہ وتعالی التوفیق۔

چہارم : پکنے کی وجہ سے طبیعت کا زائل ہونا کبھی ظاہر نہیں ہوتا ہے، ہاں جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو تقسیم صحیح ہے، تو کچے کا دارومدار گاڑھے پن پر ہوگا اور پکے ہوئے میں اس کی دلیل پر ہوگا اور غالباً برجندی اسی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ وہ اس کے بعد ظہیریہ کے کلام کو لائے ہیں، یہ اس کی مکمل تحقیق ہے۔ (ت)

(۲۱۸) پانی میں میوے جوش دے کر اُن کا عرق نچوڑا یہ عرق اگرچہ پانی سے مخلوط ہوگا کہ حرارت نار کے سبب میوے پانی کا تشرب کریں گے خصوصاً جبکہ کُوٹ کر ڈالے اس سے وضو جائز نہیں۔ فتاوی امام قاضی خان میں ہے :

لایجوز التوضوء بماء الفواکہ وتفسیرہ ان یدق التفاح اوالسفرجل دقاناعماثم

پھلوں کے پانی سے وضو جائز نہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ سیب یا امرود کو باریک باریک کُوٹ لیا جائے اور

یعصرہ فیستخرج منہ الماء وقال بعضھم تفسیرہ ان یدق التفاح او السفرجل ویطبخ بالماء ثم یعصر فیستخرج منہ الماء وفی الوجھین لا یجوز بہ التوضو لانہ لیس بماء مطلق[1]

پھر ان کو نچوڑ کر اُن سے پانی نکالا جائے، بعض نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ سیب یا امرود کو باریک کرکے پانی کے ساتھ پکایا جائے پھر نچوڑا جائے اور پانی نکالا جائے اور دونوں صورتوں میں اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے۔ (ت)

(۲۱۹) یہ پانی جس میں میوے جوش دیے اس کا حکم ذکر نہ فرمایا۔

واقول وبہ استعین اگر میوے خفیف جوش دیے جس میں قدرے نرم ہو کر نچوڑنے میں اچھی طرح آئیں اور نکال لیے کہ پانی میں اُن کے اجزائے لطیفہ قدر تغیر نہ ملنے پائے تو اُس پانی سے وضو جائز ہونا چاہئے اور اب یہ پانی نمبر ۱۰۸ و ۱۰۹ میں داخل ہوگا اور اگر میوے اس میں پک گئے کہ اُسے متغیر کردیا تو اُن کے نکال لینے کے بعد بھی اس پانی سے وضو ناجائز ہے یہ ۲۱۹ نمبر ہوگا۔

(۲۲۰) سر پر مہندی یا کوئی خضاب یا ضماد لگا ہوا ہے اور مسح کرتے میں ہاتھ اس پر گزرتا ہوا پہنچا یوں کہ یا تو وُہ ضماد و خضاب رقیق بے جرم مثل روغن ہے تو اُسی کی جگہ مسح کیا وہ جرم دار ہے تو اس کے باہر چہارم سر کی قدر مسح کیا مگر ہاتھ اس پر ہوتا گزرا اگر اس گزرنے میں ہاتھ کی تری میں اُس خضاب وضماد کے اجزاء ایسے مل گئے کہ اب وہ تری پانی نہ کہلائے گی تو مسح جائز نہ ہوگا ورنہ جائز۔

یہ نمبر (۲۲۱) ہوا جس کا جائزات میں اضافہ ہونا چاہیے، وجیز امام کردری فصل مسح میں ہے:

مسحت علی الخضاب ان اختلطت البلۃ بالخضاب حتی خرجت عن کونھا ماء مطلقا لم یجزہ[2] اقول ولا بد من تقیید مفہومہ بما ذکرت فاعرف۔

خضاب پر مسح کیا اگر تری خضاب سے مل گئی یہاں تک کہ ماء مطلق ہونے سے خارج ہوگئی تو اُس سے مسح جائز نہیں اھ میں کہتا ہوں اس کے مفہوم کو مقید کرنا ضروری ہے اس قید کے ساتھ جو میں نے ذکر کی ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ (ت)

(۲۲۲) پانی میں ستّو گھلے ہوں کہ وہ رقیق نہ رہے اُس سے وضو ناجائز ہے، ہدایہ و کافی میں ہے:

الا ان یغلب علی الماء فیصیر کالسویق

مگر یہ کہ وُہ پانی پر غالب ہو کہ پانی مثل ستوؤں کے ہوجائے،

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع العالمگیری الرابع فی المسح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۵

لزوال اسم الماء عنہ[1] | کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ختم ہوگیا ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

وان صار ثخینا مثل السویق لا[2]۔ | اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھا ہوجائے تو جائز نہیں۔ (ت)

المقابلاتعہ

(۲۲۳) ابلے میں اگر اس قدر مٹی کوڑے وغیرہ کا خلط ہے کہ پانی کیچڑ کی طرح گاڑھا ہوگیا تو اس سے وضو جائز نہیں، خانیہ میں ہے:

توضأ بماء السیل یجوز وان کان ثخینا کالطین لا[3]۔ | اگر کسی نے سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے اور اگر کیچڑ کی طرح گاڑھا ہو تو جائز نہیں۔ (ت)

اجناس امام ناطفی پھر منیہ میں ہے:

التوضی بماء السیل ان لم تکن رقۃ الماء غالبۃ لایجوز[4]۔ | اگر پانی کی رقت غالب نہ ہو تو سیلاب کے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔ (ت)

اقول علمائے کرام پر اللہ عزوجل کی رحمتیں احتیاط کے لیے ایسی نادر صورتیں بھی ذکر فرماتے ہیں ورنہ سیلاب کا ایسا ہونا بہت بعید ہے وہ اس سے تنبیہ فرماتے ہیں کہ جب اس قدر آبِ کثیر وعزیر اتنے اختلاط تراب سے ناقابلِ وضو ہوگیا تو برساتی ندیوں یا گھڑے لوٹے کے پانی کا کیا ذکر؟

(۲۲۴ تا ۲۵۱) کاہی آٹا چنے پھل بیلیں شنجرف یا کسم کی زردیاں کچ چونا ریشم کے کیڑے مینڈک وغیرہ غیر دموی جانور کے اجزا چنے باقلا وغیرہ ناج کے ریزے کوٹنا روئی کے ذرّے صابون اُشنان ریحان بابونہ خطمی برگ کنار کچھ خواہ یہ چھ نظافت کے لیے پانی میں پکائے ہوئے غرض کوئی چیز حتی کہ برف جو اصل پانی ہے اگر پانی میں مل کر اُس کی رقت زائل کردے اُس سے وضو ناجائز ہوگا۔

عہ یعنی وُہ پانی جن کی صورت جواز جائزات میں گزری یہ صورتیں ان کے مقابل ہیں ۱۲ (م)

---

[1] ہدایۃ | باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ | مطبع عربیہ کراچی | ۱/۱۸

[2] قاضی خان | فیمالایجوز بہ التوضی | نولکشور لکھنؤ | ۱/۹

[3] قاضی خان | " | " | "

[4] متن غنیۃ المستملی | احکام المیاہ | سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۹۰

اقول وھذا ھو محمل ما فی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین لایجوز الوضوء بماء الباقلی وماء الصابون وماء الاشنان[1] اھ کما ان الاول محمل اطلاق القدوری وغیرہ الجواز فی الصابون والاشنان غیر انہ حمل قریب لان المعھود ھو خلطھما قلیلا بحیث لایذھب الرقۃ وانما البعد فی ما فی شرح المجمع۔

میں کہتا ہوں خزانۃ المفتین میں جو شرح مجمع البحرین سے ہے اس کا محل یہی ہے، اس کی عبارت یہ ہے کہ باقلی اور صابون اور اُشنان کے پانی سے وضو جائز نہیں ہے اھ جیسا کہ اوّل قدوری وغیرہ کے اطلاق کا محل ہے ان کے اطلاق سے اشنان اور صابون کے پانی سے جواز معلوم ہوتا ہے، یہ حمل قریب ہے کیونکہ عام طور پر یہ دونوں چیزیں کم مقدار میں ملائی جاتی ہیں کہ اس سے پانی کی رقت ختم نہیں ہوتی ہے' اور شرح مجمع میں جو ہے وہ بعید ہے۔ (ت)

ان پر اکثر نصوص ان کے مقابلات میں اپنے اپنے محل پر مذکور ہوئے اور خانیہ میں فرمایا،

لووقع الثلج فی الماء وصار ثخینا غلیظا لایجوز بہ التوضؤ لانہ بمنزلۃ الجمد وان لم یصر ثخینا جاز[2]۔

اگر برف پانی میں گرگئی اور پانی گاڑھا ہوگیا تو اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ یہ بمنزلہ جمد کے ہے اور اگر گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے۔ (ت)

یہ برف کا نص ہے کہ اگر پانی کو گاڑھا کرے اس سے وضو ناجائز ہوگا جب تک پگھل کر پانی کی رقت عود نہ کرے اور گاڑھا نہ کرے تو جائز یہ نمبر (۲۵۲) ہُوا کہ جائزات میں اضافہ ہوگا۔

(۲۵۳ و ۲۵۴) جس پانی میں کوئی دوا یا غذا پکا کر تیار کی متون میں ہے لابما تغیر بالطبخ (نہ اس پانی سے جو پکانے سے متغیر ہوجائے۔ ت)

(۲۵۵ و ۲۵۶) یوں ہی چائے یا کافی جن کے پکانے سے پانی کی رقت میں فرق آئے اگرچہ ان سے سیلان نہیں جاتا رقت وسیلان کا فرق ضوابط میں مذکور ہوگا ان شاء اللہ قہوہ میں گاڑھا پن ضرور مشہود ہوا ہے اور اگر اُسے بھی پانی میں اثر کرنے سے پہلے نکال لیا تو جواز رہے گا لعدم الطبخ وبقاء الطبع کما فی ۱۱۰ یہ (۲۵۷) بھی جائزات میں زائد کیا جائے۔

(۲۵۸ تا ۲۶۲) عرق گاؤزبان گلاب کیوڑا بید مشک خوشبو ہوں یا اترے ہوئے یوں ہی

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

40

ہر عرق اوصاف میں پانی کے خلاف ہو یا موافق غرض جو بھی چیز پانی کی نوع سے نہیں جب پانی کی مقدار سے زیادہ اُس میں مل جائے بالاجماع اُس سے وضو نہ ہوسکے گا۔

اور اگر پانی کے برابر ملے جب بھی احتیاطاً عدمِ جواز ہی کا حکم ہے۔ بدائع میں فرمایا:

فان استویا فی الاجزاء لم یذکر ھذا فی ظاھر الروایۃ وقالوا حکمہ حکم الماء المغلوب احتیاطا[1] وقال فی الغنیۃ وکذا ان کانت مساویۃ احتیاطا حتی یضم الیہ التیمم عند المساواۃ[2]۔

اگر دونوں اجزاء میں برابر ہوں تو یہ چیز ظاہر روایت میں نہیں ہے، فقہائے فرمایا اس کا حکم احتیاطاً مغلوب پانی کا سا ہے۔ غنیہ میں کہا اور اسی طرح ہے جب وہ مساوی ہوں احتیاطاً حتی کہ جب دونوں برابر ہوں تو وضو کے ساتھ تیمم بھی کرلیا جائے اھ (ت)

اقول لم یسندہ لاحد ولم ارہ لغیرہ وفیہ نبوء عن القواعد فما اجتمع حاظر ومبیح الا غلب الحاظر ولا حکم للمغلوب وایضا اذا استویا فقد تعارضا واذا تعارضا تساقطا وایضا لیس تسمیتہ ماء باولی من تسمیۃ غیرہ فکیف ینطلق علیہ اسم الماء المطلق ومالیس بماء مطلق لایصح الوضوء بہ اصلا والاشتغال بما لایصح یکرہ تحریما کما فی الدر عن القنیۃ بل ھو اضاعۃ المال فیحرم تأمل وراجع وکانہ فہم من قولھم احتیاطا ان لھم شکا فی کونہ ماء فاحترزوا عنہ للاحتیاط فان لم یکن ماء لم یجز الوضوء بہ وان کان ماء لم یجز التیمم مع وجودہ

میں کہتا ہوں اس کو انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور ان کے علاوہ کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا، اور یہ قواعد سے دُوری ہے، جس چیز میں بھی حرام کرنیوالی اور مباح کرنیوالی دلیل جمع ہوجائے تو حرام کرنے والی غالب رہے گی اور مغلوب کا کوئی حکم نہ ہوگا اور جب دونوں برابر ہوں تو تعارض ہوگا اور تساقط ہوجائیگا، پھر اس کا پانی کہا جانا کسی دوسرے نام سے اولٰی نہیں ہے تو اس پر مطلق پانی کا نام کیسے بولا جائیگا اور جو مطلق پانی نہ ہو اس سے وضوء بالکل جائز نہیں اور جو چیز صحیح نہ ہو اس میں مشغولیت مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ دُر میں قنیہ سے ہے، بلکہ یہ تو مال کا ضائع کرنا ہے لہذا حرام ہوگا، اس پر غور کیجئے اور مراجعت کیجئے، اور شاید انہوں نے ان کے قول احتیاطاً سے یہ سمجھا کہ ان کو اس کے پانی ہونے میں شک ہے

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[2] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

عہ

فیجمع بینھما خروجا عن العھدۃ بیقین فانہ ان کان ماء فقد توضأ وان لم یکن فقد تیمم کما فی سؤر الحمار للشک فی طھوریتہ ولیس کذلک بل الاحتیاط ھھنا بمعنی العمل باقوی الدلیلین لایستقیم لاحد ان یسمیہ ماء مطلق فھو خارج عنہ بالیقین من دون شک ولا تخمین واللہ تعالٰی اعلم۔

تو احتیاطاً اس سے انھوں نے پرہیز کیا ہے، اب اگر وہ پانی نہیں تو اس سے وضو جائز نہیں اور اگر پانی ہے تو اس سے تیمم جائز نہیں، تو تیمم اور وضو دونوں کو جمع کیا جائیگا تاکہ یقین سے فریضہ ادا ہو جائے، کیونکہ اگر درحقیقت پانی ہو تو وضو ہو گیا اور اگر پانی نہیں تو تیمم ہو گیا، جیسا کہ گدھے کے جھوٹے کا حکم ہے، کیونکہ اس کے طہور ہونے میں شک ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں احتیاط ہے کہ اقوی الدلیلین پر عمل ہو جائے، کوئی اس کو مطلق پانی نہیں کہتا یہ اس سے یقیناً خارج ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۶۳ تا ۲۶۶) **اقول** ایسی بے لون چیزیں اگر مزہ پانی کے خلاف رکھتی ہوں کہ نصف سے کم مل کر بدل دیں تو باتفاق منقول وضابطہ اُس سے وضو کا عدمِ جواز چاہیے۔

اما المنقول فلان العبرۃ بالطعم حیث لالون واما الضابطۃ فلانھا ذوات وصف او وصفین وعلی کل یکفی تغیر وصف واحد فما مر عن البحر من العبرۃ بالاجزاء فی ماء لسان الثور وماء الورد المنقطع الرائحۃ ومثلہ فی الغنیۃ غیر مسلم فلیتنبہ۔

رہی نقل دلیل تو اعتبار مزے کا ہے جہاں رنگ نہ ہو اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ دو وصفوں والی چیز ہے یا ایک وصف والی چیز ہے اور بہرصورت ایک وصف کا بدلنا کافی ہے اور بحر میں جو ہے کہ زبان ثور اور گلاب کے پانی میں جس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو اجزاء کا اعتبار ہے، مسلم نہیں، فلیتنبہ۔ (ت)

نوع آخر مقابلات نوع آخر قسم اول

صنفِ اول جامدات

(۲۶۷ تا ۲۷۵) نبیذ میں چھوہارے یا کشمش خواہ کوئی میوہ شربت میں شکر بتاسے مصری خواہ کوئی خشک شیرینی خیسانده میں دوا رنگ میں کسم کیسر پڑیا روشنائی میں کسیس مازو خواہ اور اجزاء جب اتنے

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

ڈالیں کہ پانی اپنی رقت پر نہ رہے اس سے بالاجماع وضو ناجائز ہے۔ قدوری و ہدایہ و نقایہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

لابماء غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء۔[1]

نہ اس پانی سے جس پر غیر کا غلبہ ہو تو اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دے۔ (ت)

صنفِ دوم ــ مائعات

(۲۷۶ تا ۲۷۸) زعفران حل کیا ہُوا پانی یا شہاب اگر پانی میں مل کر اُس کی رنگت کے ساتھ مزہ یا بُو بھی بدل دے تو اُس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

لتغیر اللون علی الحکم المنقول واکثر من وصف علی الضابطۃ۔

اس لیے کہ رنگ متغیر ہوگیا، اس حکم پر جو منقول ہوا، اور ایک وصف سے زائد ہے ضابطہ پر۔ (ت)

یُوں ہی پُڑیا حل کیا ہُوا پانی جب رنگ اور ایک وصف اور بدل دے۔

لانہ ان کان ذا الثلاثۃ کفی تغیر وصفین للوفاق فکیف اذا کان ذا وصفین۔

اس لیے کہ اگر وہ تین اوصاف والا ہو تو اس میں دو وصفوں کا تغیر کافی ہے اس پر اتفاق ہے تو پھر دو وصفوں کا کیا حال ہوگا؟ (ت)

(۲۷۹) تربوز کا شیریں پانی جبکہ پانی میں پڑ کر رنگ کے ساتھ اس کا ایک وصف اور بدل دے یہاں رنگ نہ رکھتا ہو تو مزے کا اعتبار رہے۔

وھو محمل قول الزیلعی والا فھو ذو الثلاثۃ کما ھو معلوم مشاھد وقال فی المنحۃ قال الرملی المشاھد فی البطیخ مخالفتہ للماء فی الرائحۃ وایضا فی البطیخ ما لونہ احمر وفیہ ما لونہ اصفر[2] اھ

اور یہی زیلعی کے قول کا مطلب ہے، قول یہ ہے ورنہ وُہ تین وصفوں والا ہے جیسا کہ مشاہد و معلوم ہے، اور منحہ میں فرمایا رملی نے کہا تربوز میں مشاہدہ یہ ہے کہ وُہ بُو میں پانی کے مخالف ہوتا ہے اور بطیخ میں کچھ سرخ رنگ کے اور کچھ پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول ای لون مائہ اذ فیہ الکلام

میں کہتا ہوں اس سے مراد اس کے پانی کا رنگ ہے

---

[1] ہدایۃ | الماء الذی یجوز بہ الوضوء | العربیہ کراچی | ۱/۱۸

[2] منحۃ الخالق مع البحرالرائق | کتاب الطہارۃ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۷۰

لالون عینه۔

کیونکہ کلام اسی میں ہے اس سے مراد خود بطیخ کی ذات کا رنگ نہیں۔ (ت)

(۲۸۰) سپید انگور کا شیرہ جب پانی کے مزے پر اس کا مزہ غالب آجائے۔

لتغیر الطعم علی المنقول وھو ذو وصفین فیکفی تغیر واحد علی الضابطۃ فھذا مما لایتأتی فیہ الخلاف فی شیئ من جانبی الجواز وعدمہ۔

کیونکہ مزہ کا تغیر ہے منقول کے مطابق، اور وہ دو وصفوں والا ہے تو ایک میں تغیر کافی ہے ضابطہ کے مطابق، یہ وہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں جواز و عدمِ جواز کے جانبین میں۔ (ت)

فان قلت بلی فان الحکم لایقتصر عند اھل الضابطۃ علی الطعم بل کذلک لو غلب الریح۔

اگر یہ کہا جائے کہ حکم اہل ضابطہ کے نزدیک مزہ پر موقوف نہیں بلکہ بُو کے غلبہ کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

اقول طعمہ اسرع عملا فلا یتغیر الریح مالم یتغیر۔

تو میں کہتا ہوں اس کے مزے کا عمل تیز تر ہوتا ہے تو جب تک مزہ نہ بدلے بُو نہیں بدل سکتی ہے۔ (ت)

(۲۸۱) سپید انگور کا سرکہ ملنے سے اگر پانی کا مزہ بدل گیا سرکہ کا مزہ اس پر غالب ہوگیا۔

لما مرویأتی فیہ الخلاف کما یأتی (اس کا حکم گزرا اور اس میں اختلاف آتا ہے۔ ت)

(۲۸۲) رنگت دار سرکہ جب پانی میں مل کر رنگ اور بُو (اس لیے کہ عام سرکوں کی بُو قوی تر ہوتی ہے ۱۲ منہ) دونوں بدل دے۔

لحصول اللون علی المنقول ووصفین علی الضابطۃ۔

منقول کے مطابق رنگ والا ہے اور ضابطہ کے مطابق دو وصفوں والا ہے۔ (ت)

(۲۸۳) ایسے سرکہ کا مزہ اقوی ہو تو جب اُس سے مزہ کے ساتھ رنگت بھی بدل جائے۔

(۲۸۴) جس سرکہ کا رنگ قوی تر ہو جب رنگ کے ساتھ ایک وصف اور بدل دے والوجہ قد علم (اس کی وجہ معلوم ہے۔ ت)

(۲۸۵) دودھ جب اس کا رنگ اور مزہ دونوں پانی پر غالب آجائیں۔

لان العبرۃ فی المنقول باللون وعند الزیلعی وکثیر من اتباعہ باحد وصفین اللون

اس لیے کہ اعتبار منقول میں رنگ ہی کا ہے اور زیلعی کے نزدیک (نیز ان کے اکثر متبعین کے نزدیک)

والطعم وعند المحقق علی الاطلاق و صاحب الدرر بهما معاً فاذا تغیرا حصل الوفاق علی سلب الاطلاق۔

دو اوصاف میں سے ایک کا اعتبار ہے (یعنی رنگ یا مزہ)، اور محقق علی الاطلاق اور صاحبِ درر کے نزدیک دونوں کا ایک ساتھ اعتبار ہے، اب جبکہ دونوں وصف ہی بدل جائیں تو پانی کا اطلاق نہ ہونے پر اتفاق ہوجائے گا۔ (ت)

یہ ایک سو بائیس[عہ۱] (۱۲۲) وہ ہیں جن سے وضو بالاتفاق[عہ۲] ناجائز ہے یعنی نہ ہوسکتا ہے نہ اُس سے نماز جائز ہو واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

قسم سوم جن سے صحتِ وضو میں حکم منقول ومقتضائے ضابطۂ امام زیلعی کا خلاف ہے صنف اول خشک اشیا

(۲۸۶ و ۲۸۷) چھوہارے کے سوا کشمش انجیر وغیرہ کوئی میوہ بالاجماع الاماعن الامام الاوزاعی ان ثبت عنہ (مگر وہ جو امام اوزاعی سے مروی ہے اگر ان سے ثابت ہو۔ ت) اور مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ مرجوع الیہ میں چھوہارے بھی جبکہ تادیر تر کرنے سے پانی میں اُس میوہ کی کیفیت اس قدر آجائے کہ اب اُسے پانی نہ کہیں نبیذ کہیں اُس سے وضو نہیں ہوسکتا اگرچہ رقیق ہو، بدائع امام ملک العلماء میں ہے،

قیاس ماذکرنا انہ لایجوز الوضوء بنبیذ التمر لتغیرطعم الماء وصیرورتہ مغلوبا بطعم التمر وبالقیاس اخذ ابو یوسف وقال لایجوز التوضوء بہ الا ان ابا حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ترک القیاس بالنص فجوز التوضوء بہ وروی نوح فی الجامع المروزی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ رجع عن ذلک وقال لایتوضأ بہ

جن چیزوں سے ہم نے وضو کے جائز نہ ہونے کا قول کیا ہے وہ نبیذ تمر پر قیاس کی گئی ہیں، کیونکہ پانی کا مزہ بدل گیا ہے اور وہ کھجور کے مزہ سے مغلوب ہوگیا ہے، قیاس پر ابو یوسف نے عمل کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اُس سے وضو جائز نہیں، اور امام ابو حنیفہ نے نص کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا اور اُس سے وضو کو جائز قرار دیا، اور نوح نے جامع مروزی میں ابو حنیفہ سے روایت کی کہ آپ نے اس سے رجوع

عہ۱: ۱۶۰ کے بعد ۱۲۵ ہوئے مگر ان میں تین نمبر ۲۲۱ و ۲۵۲، ۲۵۷ جائزات کے تھے لہذا ایک سو بائیس[۱۲۲] رہے ۱۲ (م)

عہ۲: یعنی ضابطۂ زیلعی اور اُن احکام کے اتفاق سے جو قول امام محمد پر مبنی ہیں جیسا کہ تنبیہ ضروری میں گزرا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

وهو الذی استقر علیه قوله کذا قال نوح وبه اخذ ابو یوسف[1]

کرلیا اور فرمایا کہ اس سے وضو نہ کیا جائے اور ان کے اس قول پر اتفاق ہوا، یہی نوح کا قول ہے اور یہی ابو یوسف نے لیا ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

وجب تصحیح الروایۃ الموافقۃ لقول ابی یوسف لان اٰیۃ التیمم ناسخۃ له لتاخرها اذ ھی مدنیۃ وعلی ھذا مشی جماعۃ من المتأخرین[2]

اس روایت کی تصحیح جو ابو یوسف کے قول سے مطابقت رکھتی ہے لازم ہے، کیونکہ آیۂ تیمم اس کو منسوخ کرنے والی ہے وہ مدنی ہونیکی وجہ سے متاخر ہے، اور متاخرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

ذکر نوح الجامع والحسن بن زیاد ان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنه رجع الی انه یتیمم ولا یتوضوء کما ھو مختار ابی یوسف وقول اکثر العلماء منھم مالك والشافعی واحمد قال قاضی خان وھو الصحیح اھ[3]

نوح اور حسن بن زیاد نے ذکر کیا کہ ابو حنیفہ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا بجائے وضو کے تیمم کرنا چاہئے، یہی ابو یوسف کا مختار ہے اور اکثر علماء مثلاً شافعی، مالک اور احمد کا قول ہے اور قاضی خان نے کہا یہی صحیح ہے اھ (ت)

غنیہ میں شرح جامع صغیر قاضی خان سے ہے:

روی اسد بن عمرو ونوح بن ابی مریم والحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنه انه رجع الی قول ابی یوسف والصحیح قول ابی حنیفۃ الاٰخر[4] اھ **اقول** فھذان متابعان قویان لنوح الجامع فزال ماکان

روایت کیا اسد بن عمرو اور نوح بن ابی مریم اور حسن نے ابو حنیفہ سے کہ انہوں نے ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور صحیح ابو حنیفہ کا دوسرا قول ہے اھ میں کہتا ہوں یہ دو مضبوط تائیدیں نوح کے حق میں ہیں، اس سے ملک العلماء کی برأت کا خطرہ زائل ہوگیا ملک العلماء

---

[1] بدائع الصنائع فصل الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالا یجوز به نوریہ رضویہ سکھر
[3] حلیہ
[4] شرح جامع الصغیر لقاضی خان

یخشی من تبری ملک العلماء اذقال کذا قال نوح۔

نے فرمایا کذا قال نوح۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

لایتوضوء بہ ھی الروایۃ المرجوع الیھا عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعلیھا الفتوی لان الحدیث وان صح لکن اٰیۃ التیمم ناسخۃ لہ اذ مفھومھا نقل الحکم عند عدم الماء المطلق الی التیمم ونبیذ التمر لیس ماء مطلقا[1]

اس سے وضو نہ کیا جائے، یہ ابوحنیفہ کی وہ روایت ہے جس کی طرف رجوع کیا ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن تیمم کی آیت اس کی ناسخ ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مطلق پانی نہ ہو تو حکم کو تیمم کی طرف منتقل کر دیا جائے اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

لایتوضوء بہ وھو قولہ الاٰخر قد رجع الیہ وھو الصحیح واختارہ الطحاوی وبالجملۃ فالمذھب الصحیح المختار المعتمد عندنا عدم الجواز[2]

نبیذ سے وضو نہ کیا جائے، یہی امام ابوحنیفہ کا آخری قول ہے، انہوں نے اس کی طرف رجوع کر لیا تھا، یہی صحیح ہے اور اسی کو طحاوی نے اختیار کیا، خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک تصحیح شدہ، مختار، معتمد مذہب وضو کے عدم جواز کا ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

ھو قول ابی حنیفۃ الاٰخر[3]

یہی ابوحنیفہ کا آخری قول ہے۔ (ت)

ہندیہ میں عینی شرح کنز سے ہے:

الفتوی علی قول ابی یوسف[4]

فتوٰی ابو یوسف کے قول پر ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یقدم التیمم علی نبیذ التمر

تصحیح شدہ قول کے مطابق نبیذ تمر پر

---

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۷

[2] بحرالرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۳۷

[3] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[4] ہندیہ " " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۳

علی المذھب المصحح المفتی بہ لان المجتھد اذا رجع عن قول لایجوز الاخذ بہ اھ[1] وقولہ یقدم ای یرجح ویختار ویؤثر فیفعلہ لا الوضوء بہ۔

تیمم کو مقدم کیا جائیگا، یہی صحیح مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، کیونکہ جب کوئی مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل جائز نہیں، اور ان کا قول "مقدم کیا جائیگا" سے مراد یہ ہے کہ اسکو ترجیح دی جائیگی اور اختیار کیا جائیگا اور نبیذ سے وضو نہ کیا جائیگا۔ (ت)

بدائع میں ہے:

امانبیذ الزبیب وسائر الانبذۃ فلا یجوز التوضؤ بہا لان القیاس یأبی الجواز الا بالماء المطلق وھذا لیس بماء مطلق بدلیل انہ لایجوز التوضؤ بہ مع القدرۃ علی الماء المطلق الا انا عرفنا الجواز بالنص والنص ورد فی نبیذ التمر خاصۃ فیبقی ماعداہ علی اصل القیاس[2]۔

نبیذ منقّٰی اور دوسرے نبیذوں سے وضو جائز نہیں کیونکہ قیاس کی رُو سے وضوء صرف مطلق پانی سے ہوسکتا ہے اور یہ مطلق پانی نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مطلق پانی کے موجود ہونے کی صورت میں اس سے وضوء جائز نہیں مگر ہمیں اس کا جواز نص سے معلوم ہوا ہے اور نص خاص نبیذ تمر کی بابت وارد ہوا ہے تو باقی نبیذوں پر قیاس کے مطابق ہی عمل ہوگا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لایجوز التوضی بما سواہ من الانبذۃ جریا علی قضیۃ القیاس[3]۔

دوسرے نبیذوں سے وضوء قیاس کے مطابق جائز نہ ہوگا۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

لایجوز نبیذ الزبیب والتین وغیر ذلک[4]۔

منقّٰی، انجیر وغیرہ کے نبیذ سے وضوء جائز نہیں۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

سائر الاشربۃ سوی نبیذ التمر لیس فی

نبیذ تمر کے علاوہ باقی نبیذوں سے وضو کے عدم جواز

---

[1] درمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۱
[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷
[3] ہدایہ الماء الذی یجوز بہ الوضوء عربیہ کراچی ۱/۳۲
[4] عنایہ مع فتح القدیر " " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

عدم جواز التوضی بہ خلاف[1]۔

میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ (ت)

اسی طرح عامۂ کتب میں ہے۔

فان قلت من این فولك انکان رقیقا۔

قلت لاطلاقھم ویقطع الوھم انھم صرحوا ان نبیذ التمر المختلف فی جواز الوضوء بہ ماکان رقیقا اما الغلیظ فلا ثم قالوا ولایجوز بما سواہ من الانبذۃ لان نبیذ التمر خص بالاثر فوضح قطعا ان المراد نفی التوضی بالرقیق منھا اما الغلیظ فمعلوم الانتفاء ولا تخالف فیہ بین نبیذ التمر وسائر الانبذۃ۔

اگر یہ سوال ہو کہ وانکان رقیقا تم نے کہاں سے لیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فقہاء کے اطلاق سے مفہوم ہے، اور وہم اس طرح دُور ہوجاتا ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وہ نبیذ جس سے وضو کے ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے رقیق ہے اور گاڑھے میں کوئی اختلاف نہیں، پھر فرمایا اس نبیذ کے علاوہ باقی نبیذ ول سے جائز نہیں کیونکہ نبیذ تمر نص سے مخصوص ہے، اس سے قطعی طور پر واضح ہوا کہ رقیق نبیذ سے وضو کی نفی مراد ہے کیونکہ گاڑھے میں تو اختلاف پہلے ہی نہیں تھا تو گاڑھے نبیذ میں نبیذ تمر اور باقی نبیذیں برابر ہیں۔ (ت)

بالجملہ نبیذ تمر سے مطلقاً وضو صحیح نہ ہونا مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ ہے اور باقی نبیذوں سے نہ ہونے پر تو اجماع ہے مگر ضابطہ زیلعیہ کا اقتضاء یہ ہے کہ جب تک رقت باقی ہے صحیح ہو لیکن یہ ہرگز صحیح نہیں کہ اسے نبیذ کہیں گے نہ کہ پانی تو نام آب باقی نہ رہنے کے سبب آب مطلق نہ رہا اور وضو آبِ مطلق ہی سے جائز ہے وبس۔

وبیان ذلك انھا من الجامدات وضابطۃ التقیید عندہ فی الجامد زوال الرقۃ فحسب قال رحمہ اللہ تعالٰی المخالط انکان جامدا فمادام یجری علی الاعضاء فالماء ھو الغالب[2] اھ وتبعہ فی الحلیۃ والدرر فاقتصرا علی ذکر الجریان۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ جامدات سے ہے اور ان کے نزدیک جامد میں تقیید کا ضابطہ یہ ہے کہ رقت زائل ہوجائے، انہوں نے فرمایا اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو جب تک وُہ اعضاء پر بہہ سکے تو پانی ہی غالب ہوگا اھ اور حلیہ اور درر میں اس کی متابعت کی اور دونوں نے جاری ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ (ت)

اقول وکان البعد فیہ اکثر لان الجریان علی الاعضاء ھو السیلان والرقۃ اخص منہ کما سیأتی فکان یقتضی جواز الوضوء

میں کہتا ہوں اس میں بُعد زائد تھا کہ جاری ہونا اعضاء پر سیلان ہے اور رقت سیلان سے اخص ہے کما سیأتی تو اس کا مفہوم یہ نکلا کہ اگرچہ

---

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۲
[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

وان زالت الرقۃ مع بقاء السیلان لکن الامام الزیلعی وبالنقل عنہ الحلبی تدارکاہ بقولھما بعدہ فیحمل قول من قال ان کان رقیقا یجوز الوضوء بہ والا فلا علی ما اذا کان المخالط لہ جامدا اھ[1] ویقرب منہ قول المحقق فی الفتح والبحر فی البحر وغیرھما فان کان جامدا فبانتفاء رقۃ الماء وجریانہ علی الاعضاء اھ[2] فجمعوا بینھما فابتنی الحکم علی انتفائھما معا وعاد المحذور الا ان یقال ان الواو بمعنی او وحینئذ یکون ذکر الجریان والسیلان بعد الرقۃ مستدرکا غیر انہ قد شاع وذاع والخطب سھل فالاحسن عبارۃ الغنیۃ المعتبر فی صیرورۃ الماء مقیدا بمخالطۃ الجامد زوال رقۃ اھ[3] والبحر من بعد اذ قال فان کان المخالط جامدا فغلبۃ الاجزاء فیہ بثخونتہ اھ[4]

رقّت زائل ہوجائے اور سیلان باقی رہے تو وضوء جائز ہے، مگر امام زیلعی اور ان کی متابعت میں حلبی نے اس شبہ کا تدارک کرتے ہوئے فرمایا، تو جن حضرات نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز ہے اگر رقیق ہو ورنہ نہیں اسکو اس صورت پر محمول کیا جائیگا کہ جب اس میں ملنے والی چیز جامد ہو اھ اور اسی کے قریب قریب محقق کا قول فتح میں اور صاحب بحر کا بحر وغیرہا میں ہے کہ اگر وہ شئ جامد ہے تو وضو اس وقت جائز نہ ہوگا جب پانی کی رقت ختم ہو جائے اور وہ اعضاء پر جاری نہ ہوسکے اھ تو فقہاء نے دونوں باتوں کو جمع کردیا اور حکم دونوں کے معاً انتفاء پر ہوا، اور جو محذور تھا وہ لوٹ آیا، ہاں ایک صورت یہ ہے کہ واو بمعنی اَو ہو اور اس صورت میں جریان اور سیلان کا ذکر رقّت کے بعد اضافی ہوگا، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے تو غنیہ کی عبارت بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی جامد چیز کے ملنے سے پانی کے مقید ہونے میں معتبر اس کی رقت کا زائل ہونا ہے اھ اور بحر نے اس کے بعد فرمایا کہ اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو اس میں اجزاء کے غلبے کا پتا اس کے گاڑھا پڑجانے سے ہوگا اھ (ت)

وانت تعلم ان المدار الباب علی زوال الاسم کما اعترف بہ الامام الضابط بقولہ زوال اسم الماء عنہ ھو المعتبر فی الباب اھ ویخلط الجامد ربما یزول

آپ کو معلوم ہے کہ اس سلسلہ میں مدار نام کے زائل ہونے پر ہے جیسا کہ امام نے اعتراف کیا ہے انھوں نے ضابطہ یہ بیان کیا کہ اس بات میں نام کا زائل ہونا ہی بہتر ہے اھ اور جب کوئی جامد شئ پانی میں ملتی ہے

---

[1] تبیین الحقائق | کتاب الطہارۃ | مطبعۃ الامیریہ مصر | ۱/۲۰
[2] بحرالرائق | کتاب الطہارت | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۶۹
[3] غنیۃ المستملی | فصل فی احکام المیاہ | سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۹۱
[4] بحرالرائق | کتاب الطہارۃ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۶۹

الاسم قبل زوال الرقة کماء الزعفران الصالح للصبغ والنبیذ وقد صرحوا ان الاختلاف انما کان فی نبیذ التمر الرقیق قال فی الھدایۃ النبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء[1] اھ زاد فی الکافی فان کان غلیظا کالدبس لم یجز الوضوء بہ[2] اھ وفی البدائع وان کان غلیظا کالرب لایجوز التوضؤ بہ بلاخلاف وکذا ان کان رقیقا لکنہ غلا واشتد وقذف بالزبد لانہ صار مسکرا والمسکر حرام فلا یجوز التوضؤ بہ ولان النبیذ الذی توضأ بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان رقیقا حلوا فلا یلحق بہ الغلیظ المر[3] وھکذا فی الحلیۃ والغنیۃ والبحر والدر وعامۃ الکتب بل فی العنایۃ النبیذ

تو رقت کے زائل ہونے سے قبل ہی نام زائل ہوجاتا ہے، جیسے زعفران کا پانی جس سے کوئی چیز رنگی جاسکتی ہو، اور نبیذ، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اختلاف رقیق نبیذ میں ہے۔ ہدایہ میں ہے اختلاف اس میں ہے کہ نبیذ میٹھا اور پتلا ہو اور اعضاء پر پانی کی طرح بہتا ہو اھ کافی میں یہ اضافہ کیا کہ اگر وہ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں اھ اور بدائع میں ہے کہ اگر نبیذ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو بلا اختلاف اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اسی طرح اگر رقیق ہے مگر اس میں اتنا جوش آگیا ہو کہ جھاگ دے گیا ہو کیونکہ اب یہ مُسکر ہوگیا اور مسکر حرام ہے لہٰذا اس سے وضوء جائز نہیں، نیز یہ کہ جس نبیذ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا وہ رقیق اور میٹھا تھا لہٰذا کڑوا اور گاڑھا نبیذ اس کے حکم میں نہیں

ع: فی مسکین علی الکنز النبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء اھ قال السید ابوالسعود ای والغلبۃ للماء لیوافق ما تقدم عن خزانۃ الاکمل فان لم یحل فلاخلاف فی جواز الوضوء بہ نھر اھ اقول سبحٰن اللہ اذا کان الغلبۃ للماء

مسکین علی الکنز میں ہے کہ وُہ نبیذ جس میں اختلاف ہے رقیق اور میٹھا ہے جو پانی کی طرح اعضاء پر بہتا ہو اھ ابوالسعود نے فرمایا یعنی غلبہ پانی کا ہو تاکہ خزانۃ الاکمل سے جو منقول ہوا اس کے موافق ہوجائے، کیونکہ اگر میٹھا نہ ہو تو اس سے وضوء کے جواز میں کوئی خلاف نہیں، نہر اھ میں کہتا ہوں سبحان اللہ جب پانی کا غلبہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۳۲

[2] کافی

[3] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

المختلف فیه ذکر محمد فی النوادر هوان تلقی تمیرات فی ماء حتی صار الماء حلوا رقیقا[1] وزوال اسم الماء عنه مقطوع به مجمع علیه ولاجله صار المذھب المختار المعتمد عدم جواز الوضوء به الا تری ان فی قول الامام الاول المرجوع عنه انما یجوز الوضوء به اذا لم یجد الماء ولا یجوز الامنویا واذا وجد ماء مطلقا ینتقض فھو فی کل ذلک کالتیمم ذکرہ فی العنایة والفتح والحلیة عن شرح الامام القدوری

ہوسکتا ہے، یہی حلیہ، غنیہ، بحر، در اور عام کتب میں ہے، بلکہ عنایہ میں ہے کہ مختلف فیہ نبیذ کے بارے میں محمد نے نوادر میں لکھا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں حتی کہ وہ میٹھا پتلا ہوجائے اھ اور پانی کا نام اس سے قطعی طور پر ختم ہوجاتا ہے اس پر اجماع ہے، لہٰذا مذہب مختار معتمد یہ ہے کہ اس سے وضوء جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کا پہلا قول جس سے انہوں نے رجوع کرلیا اس سے وضوء اُسی صورت میں جائز ہے جبکہ پانی نہ پائے، اور صرف نیت کے ساتھ ہی جائز ہوگا، اور جب مطلق پانی مل جائے تو یہ وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جاز الوضوء به بالاجماع کما مر فی ۱۱۶ وای حاجة الی النقل مع اجماع الشرع والعرف والعقل علی ان العبرة للغالب فکیف یکون مختلف فیه وانما حقه ان یقول ای الغلبة للتمر فانه الذی کان الامام یعدل به عن سنن القیاس لورود الحدیث ثم نصب الخلاف لایوافق قط ما فی خزانة الاکمل لانه ارجع الاجوبة کلها الی الاحکام الاجماعیة وقوله ان لم یحل اقول وکذا ان حلا والماء غالب بعد ما تقدم فی ۱۱۶ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

ہوگا تو بالاجماع وضوء جائز ہوگا کما مر فی ۱۱۶ پھر اجماع کے ہوتے ہوئے کسی اور نقل کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اجماع شرعی اور عرفی اور عقلی تینوں سے ثابت ہے کہ اعتبار غالب کا ہے، تو پھر یہ مختلف فیہ کیسے ہوگا؟ اسے یوں کہنا چاہیے کہ "یعنی غلبہ کھجوروں کا ہو کیونکہ اس میں امام نے قیاس سے عدول کیا ہے کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے، پھر خلاف کا ذکر ما فی خزانۃ الاکمل سے بالکل موافقت نہیں رکھتا ہے، کیونکہ انہوں نے تمام جواب احکامِ اجماعیہ کی طرف راجع کردئے ہیں اور ان کا قول "ان لم یحل" میں کہتا ہوں اگر میٹھا بھی ہو تو اس کا حکم یہی ہے بشرطیکہ پانی غالب ہو جیسا کہ پانی کی قسم ۱۱۶ میں گزرا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] عنایۃ مع الفتح مطلب الماء المقید نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

لمختصر الامام الکرخی عن اصحابنا رضی
اللّٰہ تعالٰی عنھم وقال فی الحلیۃ وجہ
قول ابی یوسف ان اللّٰہ تعالٰی اوجب التیمم
عند عدم الماء المطلق ونبیذ التمر
لیس بماء مطلق والالجاز الوضوء بہ مع
وجود غیرہ من المیاہ المطلقۃ اھ[1] وتقدم
مثلہ عن البدائع اقول وبہ ظھر الجواب
عما تجشمہ الامام الزیلعی اذ قال اما قولھم
لیس بماء مطلق قلنا ھو ماء شرعا الا تری
الی قولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ماء
طھور ای شرعا فیکون معنی قولہ تعالٰی
فلم تجدوا ماء ای حقیقۃ او شرعا اھ[2]
فیاسبحٰن اللّٰہ اذا کان ھذا معنی الاٰیۃ
فلم لم یجز الوضوء بہ مع وجود ماء
اٰخر ومن اوجب الترتیب بین المائین
بتقدیم اللغوی علی الشرعی اما احتجاجہ[ع]

ٹوٹ جائیگا تو یہ تمام احکام میں مثل تیمم ہے، یہ عنایۃ،
فتح اور حلیہ میں شرح قدوری سے منقول ہے جو امام
کرخی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے اور حلیہ میں
فرمایا ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی
نے تیمم اس وقت واجب کیا ہے جب مطلق پانی
نہ ہو اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے ورنہ دوسرے
مطلق پانیوں کے ہوتے ہوئے بھی اس سے وضو
جائز ہوجاتا ہے اھ یہی بدائع سے گزرچکا ہے۔
میں کہتا ہوں اس سے امام زیلعی کی اس گفتگو
کا جواب بھی نکل آتا ہے کہ ان کا قول "یہ مطلق پانی نہیں
ہے" ہم کہتے ہیں یہ شرعاً پانی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "پاک پانی" یعنی شرعاً تو اللہ کے
قول "تم پانی نہ پاؤ" کا معنی ہوگا یعنی حقیقۃً اور شرعاً پانی
نہ پاؤ، تو اگر آیت کے یہی معنی ہیں تو دوسرے پانی کے
ہوتے ہوئے اس سے وضو کیوں جائز نہیں؟ اور جن
حضرات نے دونوں پانیوں میں ترتیب کو لازم قرار دیا ہے

[ع] تبعہ فیہ المولی بحر العلوم فی الارکان
الاربعۃ فقال قولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ
واٰلہ وسلم تمرۃ طیبۃ وماء طھور یفید ان
النبیذ لم یخرج عن کونہ ماء بوقوع التمر
فواجد النبیذ لا یصدق علیہ انہ

بحر العلوم نے ارکان اربعہ میں ان کی پیروی کرتے ہوئے
فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "تمرۃ
طیبۃ وماء طھور" سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیذ
پانی ہونے سے خارج نہیں ہوا ہے کھجور کے وقوع
سے، تو جس شخص کے پاس نبیذ ہو تو اس پر صادق
(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] حلیہ
[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۵

بقوله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماء طہور

فاقول الحدیث من اولہ تمرۃ طیبۃ وماء طہور فانما ھو لبیان اجزائہ التی ترکب منہا لا الاخبار عنہ بانہ ماء والا لکان اخبارا ایضا بانہا تمرۃ وھو باطل لغۃ وعرفا وشرعا وفی صدر الحدیث قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ھل معک ماء اتوضؤ بہ قال لا الا نبیذ تمر لایقال انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انما نفی الماء اللغوی لان السؤال کان عن الماء الشرعی لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتوضوء بہ الا ان یقال لم یکن عبد اللہ اذ ذاک یعلم انہ ماء شرعا وقد اعترف الامام الزیلعی نفسہ انہ نفی عنہ ابن مسعود اسم الماء[1] اھ اذا ثبت ھذا علم ان قصر الحکم فی الجامد علی زوال الرقۃ غیر صحیح وقد تنبہ لھذا البحر فقال بعد ایراد الضابطۃ وھھنا تنبیہات مہمۃ۔

کہ لغوی کو شرعی پر مقدم کیا ہے اور ان کا استدلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "ماءٌ طہورٌ" سے تو اس کی بابت میں کہتا ہوں در اصل حدیث کی ابتدار اس طرح ہے "تمرۃ طیبۃ وماء طہور" تو یہ اس کے اجزاء ترکیبیہ کے بیان کے لیے ہے صرف اتنا بتانا مقصود نہیں کہ یہ پانی ہے ورنہ یہ بھی خبر ہوتی کہ یہ کھجور ہے اور یہ عرفاً لغۃً اور شرعاً ہر طرح باطل ہے اور حدیث کی ابتداء میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا "کیا تمہارے پاس پانی ہے تاکہ میں اُس سے وضو کروں؟ انہوں نے کہا نہیں سوائے نبیذ تمر کے" یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضرت عبد اللہ نے صرف لغوی پانی کی نفی کی تھی اس لیے کہ سوال شرعی پانی کی بابت تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، تاکہ میں اس سے وضو کروں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبد اللہ کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شرعاً پانی ہے، اور خود امام زیلعی نے اعتراف کیا ہے کہ ابن مسعود نے اس سے پانی کی نفی کی ہے اھ جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ جامد میں حکم کا زوالِ رقت پر منحصر کر دینا صحیح نہیں ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لم یجد ماء فلا تعارضہ اٰیۃ التیمم حتی یکون ناسخا ھذا ما عندی اھ وکانہ لم یطلع علی کلام الامام الزیلعی رحمہما اللہ تعالٰی قدس سرہ۔

نہیں آتا کہ وہ پانی کا پانے والا نہیں ہے تو آیۂ تیمم اس کے معارض نہیں، تاکہ اس کو ناسخ قرار دیا جائے "ھذا ما عندی" اھ اور غالباً وہ امام زیلعی کے کلام پر مطلع نہ ہوئے۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۵

الاول مقتضی ما قالوہ ھنا جواز التوضؤ بنبیذ التمر والزبیب ولو غیر الاوصاف الثلثۃ وقد صرحوا قبل باب التیمم ان الصحیح خلافہ وان تلک روایۃ مرجوع عنھا وقد یقال ان ذٰلک مشروط بما اذا لم یزل عنہ اسم الماء وفی مسألۃ نبیذ التمر زال عنہ اسم الماء فلا مخالفۃ کما لایخفی۔

صاحب بحر کو بحر میں اس پر تنبیہ ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ضابطہ کے بعد فرمایا، یہاں چند اہم تنبیہات ہیں،

تنبیہ اول: جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس کا مقتضی نبیذ تمر اور نبیذ منقی سے وضوء کا جواز ہے خواہ اوصاف ثلثہ ہی کیوں نہ بدل گئے ہوں، اور تیمم کے باب سے پہلے انہوں نے تصریح کی ہے کہ صحیح اس کے برخلاف ہے اور اس روایت سے رجوع کرلیا ہے، اور یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس پر سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، اور نبیذ تمر کے مسئلہ میں اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے تو کوئی مخالفت نہیں، کما لایخفی۔

الثانی انہ یقتضی ان الزعفران اذا اختلط بالماء یجوز الوضوء بہ ما دام رقیقا سیالا ولو غیر الاوصاف کلھا لانہ من الجامدات والمصرح بہ فی معراج الدرایۃ معزیا الی القنیۃ ان الزعفران اذا وقع فی الماء ان امکن الصبغ فیہ فلیس بماء مطلق من غیر نظر الی الثخونۃ ویجاب عنہ بما تقدم من انہ زال عنہ اسم الماء[1] اھ

تنبیہ ثانی: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زعفران جب پانی میں مل جائے تو اس سے اس وقت تک وضو جائز ہو جب تک وہ سیال و رقیق ہو خواہ اس کے تمام اوصاف بدل گئے ہوں، کیونکہ وہ جامدات سے ہے، اور معراج الدرایہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ اگر زعفران پانی میں ڈال دی جائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے، اس میں گاڑھے پن کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے اھ (ت)

وردہ اخوہ وتلمیذہ المحقق فی النھر کما فی ط بان الزیلعی لم یذکر ذٰلک و ان ھذا التقیید لایجدی نفعا[2] اھ واجاب عنہ السید العلامۃ ابو السعود الازھری

اس کو ان کے بھائی اور شاگرد محقق نے نہر میں رد کیا ہے جیسا کہ ط میں ہے کہ زیلعی نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس تقیید سے کچھ نفع نہ ہوگا اھ اس کا جواب علامہ ابو السعود نے فتح اللہ المعین میں دیا ہے،

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰
[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۳

فی فتح اللّٰہ المعین وتبعہ ط بان الکلام فیما اذا لم یزل عنہ اسم الماء کما ذکرہ الزیلعی فتنظیر النھر ساقط وما ذکر فی البحر من الجواب ماخوذ من صریح کلام الزیلعی[1]۔

اور اس کی پیروی ط نے کی ہے کہ گفتگو اس میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو جیسا کہ زیلعی نے ذکر کیا ہے، تو نہر کا نظیر دینا ساقط ہے درست نہیں، اور جو جواب بحر میں ہے وہ زیلعی کے صریح کلام سے ماخوذ ہے۔ (ت)

فھؤلاء ثلثۃ اجلاء اختلف انظارھم فی کلام الامام الزیلعی اما الاخوان العلامتان فاتفقا علی ان الزیلعی لم یذکر فی الجامد قید بقاء الاسم غیران البحر یقول انہ مطوی منوی فالمعنی انکان جامدا فما دام باقیا علی رقتہ فالماء ھو الغالب بشرط ان لایزول عنہ اسم الماء والنھر یقول انہ لم یذکرہ کما تری ولم یردہ لانہ لایجدی نفعا واما السید فزعم انہ مذکور فی صریح کلام الزیلعی وان کلامہ انما ھو فیہ وان البحر انما اخذہ منہ۔

تو یہ تین جلیل القدر علماء ہیں جن کی آراء زیلعی کے کلام کی بابت مختلف ہیں، دونوں برادران اس پر متفق ہیں کہ زیلعی نے جامد میں نام کے بقا کی قید ذکر نہیں کی ہے، البتہ بحر کہتے ہیں یہ نیت میں مضمر ہے، تو معنی یہ ہے کہ اگر وہ جامد ہے تو جب تک وہ رقیق ہے تو پانی ہی غالب ہے بشرطیکہ اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو، اور نہر کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کو انہوں نے ارادہ نہیں کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، اور سید کا گمان ہے کہ یہ زیلعی کے کلام میں صریحاً مذکور ہے اور ان کا کلام اسی میں ہے اور بحر نے اُسی سے اخذ کیا ہے۔ (ت)

ھکذا اختلفوا وانا انقل لك کل کلام الزیلعی لیتجلی لك جلیۃ الحال قال رحمہ اللّٰہ تعالٰی بعد ما نقل اقوالا متخالفۃ ھکذا جاء الاختلاف فلابد من ضابط وتوفیق فنقول ان الماء اذا بقی علی اصل خلقتہ ولم یزل عنہ اسم الماء جاز الوضوء بہ وان زال وصار مقیدا لم یجز والتقیید اما بکمال الامتزاج او بغلبۃ الممتزج فکمال الامتزاج بالطبخ بطاھر لایقصد بہ التنظیف او بتشرب النبات وغلبۃ الممتزج

اسی طرح انہوں نے اختلاف کیا ہے، اور اب میں زیلعی کا کلام نقل کرتا ہوں تاکہ بات پُوری طرح واضح ہوجائے، انہوں نے پہلے تو مخالف اقوال ذکر کئے، پھر فرمایا "اسی طرح اختلاف ہوا ہے، تو کوئی ضابطہ اور توفیق ضروری ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ پانی جب اپنی اصل خلقت پر ہو اور اس سے پانی کا نام سلب ہوا ہو تو اس سے وضوء جائز ہے اور اگر نام زائل ہوجائے

---

[1] فتح اللّٰہ المعین ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴

بالاختلاط من غیر طبخ ولا تشرب نبات
ثم المخالط ان جامدا فما دام یجری علی
الاعضاء فالماء الغالب وان مائعا فان لم
یکن مخالفا فی شیئ کالماء المستعمل تعتبر
بالاجزاء وان مخالفا فیها فان غیر اکثرھا
لایجوز الوضوء بہ والاجاز وان خالف فی
وصف اووصفین تعتبر الغلبۃ من ذلك
الوجہ کاللبن یخالفہ فی اللون والطعم
فان کان لون اللبن اوطعمہ ھو الغالب لم
یجز والاجاز وماء البطیخ یخالفہ فی الطعم
فتعتبر الغلبۃ فیہ بالطعم فعلی ھذا یحمل
ماجاء منھم علی مایلیق بہ فقول من قال
ان کان رقیقا یجوز والا لا علی ما اذا کان
المخالط جامدا ومن قال ان غیر احد اوصافہ
جاز علی ما خالفہ فی الثلثۃ ومن قال اذا
غیر احد اوصافہ لایجوز علی ما خالفہ فی
وصف اووصفین ومن اعتبر بالاجزاء علی
ما یخالفہ فی شیئ فاذا نظرت وتأملت وجدت
ما قالہ الاصحاب لایخرج عن ھذا اووجدت
بعضھا مصرحا بہ وبعضھا مشارا الیہ اھ[1]
ھذا کل کلامہ قد لخصتہ ولم اخرم
منہ حرفا غیر ما ذکر فی التشرب من الفرق
بین الخروج والاستخراج فانہ غیر صحیح

اور مقید ہوجائے تو جائز نہیں، اور تقیید یا تو کمالِ امتزاج
کے ساتھ یا ملی ہوئی چیز کے غلبہ کے ساتھ ہوگی تو کمالِ امتزاج
یہ ہے کہ پانی میں ایسی پاک چیز ڈال کر پکائے جس سے
تنظیف مقصود نہ ہو یا گھاس میں پانی جذب ہوجائے
اور ملی ہوئی چیز کا غلبہ یہ ہے کہ پانی کا اختلاط بلا پکائے ہو
اور گھاس میں پانی جذب کیے بغیر ہو پھر ملنے والی چیز اگر
جامد ہو تو جب تک وہ اعضاء پر بہے تو پانی غالب ہوگا،
اور اگر ملنے والی چیز بہنے والی ہے تو وہ اگر کسی چیز میں
پانی کے مخالف نہیں ہے، جیسے مستعمل پانی تو غلبہ کا
اعتبار اجزاء سے ہوگا، اور اگر وہ پانی کے مخالف ہو تو اگر
اکثر اوصاف کو بدل دے تو اس سے وضوء جائز
نہیں ورنہ جائز ہے، اور اگر ایک یا دو وصفوں میں مخالف
ہے تو اسی وجہ سے غلبہ معتبر ہوگا، جیسے دودھ کہ پانی کے
مخالف ہے رنگ اور مزے میں، تو اگر دودھ کا رنگ
یا مزہ غالب ہو تو وضوء جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا۔ اور
خربوزہ کا پانی، پانی سے صرف مزہ میں مختلف ہے تو
اس میں غلبہ باعتبار مزہ ہوگا، لہٰذا فقہاء کی نصوص
کو انہی مفاہیم پر محمول کرنا چاہئے جو اس کے لائق ہوں،
اب جو یہ کہتا ہے کہ اگر وہ رقیق ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں،
تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ملنے والی اگر جامد ہے تو یہ
حکم ہے۔ اور جو کہتا ہے کہ اگر اس کے اوصاف میں سے
کسی وصف کو بدل دیا تو جائز ہے، یہ اس صورت میں
ہے جبکہ وہ چیز پانی کے ساتھ تینوں وصفوں میں مخالف ہے،

---

[1] تبیین الحقائق بحث الماء بولاق مصر ۱/۲۰

ولایتعلق به الغرض ھھنا۔

اور جو کہتا ہے کہ جب اس کے اوصاف میں سے ایک صفت کو بدل دے تو جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پانی سے ایک یا دو وصفوں میں مخالف ہے، اور جس نے غلبہ باعتبار اجزاء لیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ چیز پانی کے ساتھ کسی چیز میں مخالف نہ ہو، تو جب آپ غور کریں گے تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جو کچھ اصحاب نے فرمایا ہے وہ اس بیان سے خارج نہیں، ان میں سے بعض امور تو کتب میں بصراحت مذکور ہیں اور بعض کا ذکر اشارۃً ہے اھ یہ ان کا مکمل کلام ہے جو بلاکم وکاست میں نے نقل کر دیا ہے، صرف تشرنبلالی میں جو فرق خروج واستخراج میں ہے، وہ صحیح نہیں، اور نہ ہی اس سے کوئی غرض یہاں متعلق ہے (ت)

اقول فقد بان لك من کلامه ثلثة امور الاول لم یذکر فی کلامه تقیید حکم الجامد ببقاء الاسم حتی بالاشارۃ فضلا عن التصریح انما قال مادام یجری علی الاعضاء فالماء غالب ای مطلق غیر مقید فھذا کما تری مطلق غیر مقید ثم اذا اتی علی تطبیق الضابطة علی الروایات المختلفة حمل علی الجامد قول من قال ان کان رقیقا یجوز والا لا والقول فی الاصل مرسل وفی الحمل مرسل ارسالا فمتی جنح الی التقیید وکذلك تلونا علیك کلام الاخذین عنه اصحاب الفتح والحلیة والغنیة والدرر ونور الایضاح حتی البحر الذی ابدی ھذا التقیید لم یلم احد منھم فی تلخیص الضابطة الیه لاجرم ان صرح الشامی بانه من زیادات البحر الثانی ذکر رحمه الله تعالٰی اولا اصلا مجمعا علیه ان الوضوء انما یجوز بالماء المطلق وھو الذی لم یزل عنه طبعه

میں کہتا ہوں اُن کی گفتگو سے آپ کو تین باتیں معلوم ہوئیں:

اول: ان کے کلام میں جامد کے حکم کو نام کی بقاء سے مقید کرنے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے صراحت تو الگ رہی اشارہ تک نہیں، انہوں نے صرف یہ فرمایا ہے کہ جب تک وہ اعضاء پر جاری رہے تو پانی غالب ہے یعنی مطلق ہے مقید نہیں، تو جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں یہ مطلق ہے مقید نہیں، پھر جب وہ ضابطہ کو مختلف روایات پر منطبق کرنے لگے، تو جن لوگوں نے کہا ہے کہ اگر رقیق ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں انکے اس قول کو جامد پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ قول مطلق ہے اور حمل میں بھی مرسل ہے تو قید لگانے کی طرف کب مائل ہوئے ؟ اسی طرح ہم نے اُن حضرات کا کلام بھی نقل کر دیا جنہوں نے اس سے لیا ہے یعنی فتح، حلیہ، غنیہ، درر اور نور الایضاح کے مصنفین، یہاں تک کہ صاحب بحر جنہوں نے یہ قید لگائی، ان میں سے کسی نے ضابطہ کا خلاصہ یہ نہیں کیا، اس لیے شامی نے تصریح کر دی کہ یہ زیادات بحر سے ہے۔

دوم: پہلے تو انہوں نے ایک متفق علیہ اصل

ولا اسمہ دون المقید الزائل عنہ اسمہ۔

ذکر کی اور وہ یہ کہ وضو مطلق پانی سے جائز ہوتا ہے، اور مطلق پانی وہ ہے جس کی طبیعت اور نام زائل نہ ہوا ہو نہ کہ مقید پانی سے جس کا نام زائل ہوگیا ہو۔ (ت)

اقول ولم یذکر الطبع لان زوال الطبع یوجب زوال الاسم فذکرہ اولا ایضاحا وحذفہ اخرا اجتزاء فھذا القدر مما لاخلاف فیہ لاحد انما الشان فی معرفۃ المطلق والمقید ای معرفۃ انہ متی یزول الاسم فیحصل التقیید فتشمر لاعطاء ضابطۃ فی ذلك تتمیز بھا مواضع زوال الاسم عن محال بقائہ فقال التقیید باحد امرین کمال الامتزاج او غلبۃ الممتزج الخ فلا شك ان کلامہ فیما لم یزل عنہ اسم الماء کما ذکرہ السید لانہ مسوق لبیان ما یحصل بہ التقیید والتقیید انما یکون للمطلق فان تقیید المقید تحصیل الحاصل وما المطلق الا ما لم یزل عنہ اسم الماء ففیہ الکلام وما کان انکرہ احد لکنہ لایدفع الایراد بل انما منہ منشؤہ فانہ افاد ان الماء المطلق لایتقید فی خلط الجامد الا بالثخونۃ والحکم خلافہ فانہ ربما یتقید قبل ان یثخن کما فی الزعفران والنبیذ وثبوت الحصر **اولا** بالقصر کما علمت **واقول ثانیا** محال ان یزول اسم الماء عنہ مع بقاء رقتہ الا بتغیر وصف لانہ اذا بقی طبعہ واوصافہ

میں کہتا ہوں انہوں نے طبیعت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ طبیعت کے زائل ہونے سے نام بھی زائل ہوجاتا ہے تو پہلے بطور وضاحت ذکر کیا ہے، اور بعد میں اختصاراً حذف کیا ہے، اور اس میں کسی کا خلاف نہیں، مسئلہ در اصل مطلق و مقید کی پہچان کا ہے، یعنی یہ جاننے کا ہے کہ کب نام زائل ہوگا اور تقیید حاصل ہوگی، تو انہوں نے ایک ضابطہ بیان کیا جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ کب زائل ہوگا اور کب باقی رہے گا، تو فرمایا تقیید دو امر میں سے کسی ایک سے ہوگی، یا تو کمال امتزاج یا ملنے والی چیز کے غلبہ سے الخ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کا کلام اس پانی میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہیں ہوا ہے جیسا کہ سیّد نے ذکر کیا اس لیے کہ یہ کلام اُس چیز کے بیان کے لیے ہے جس سے تقیید پیدا ہوتی ہے اور تقیید تو مطلق کی ہوتی ہے کیونکہ مقید کی تقیید تو تحصیل حاصل ہے، اور مطلق تو وہی ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، تو گفتگو اسی میں ہے اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا، مگر اس سے اعتراض مرتفع نہیں ہوتا ہے، بلکہ اسی سے تو پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ مطلق پانی جامد کے ملنے سے تب ہی مقید ہوگا جبکہ گاڑھا ہوجائے حالانکہ حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ بسا اوقات وہ گاڑھا ہونے سے پہلے ہی مقید ہوجاتا ہے جیسا کہ زعفران اور نبیذ۔ اور حصر کا ثبوت اولاً تو یہ ہے کہ اس میں قصر ہے

فزوال اسمه عنه یکون بغیر موجب وهو باطل اما ما امتزج به غیره مما لا یخالف وصفاله مساویا له فی الاجزاء او اکثر فانما یزول فیه اسم الماء عن الکل المرکب من الماء وغیره المساوی له او الغالب علیه لا عن الماء الذی فیه حتی لو امکن افراز الماء عن ذلک المخالط لکان ماء جائزا به الوضوء وهو رحمه اللّٰه تعالٰی لم یذکر فی الجامد غیر الثخونة ولم یعتبر فیه الاوصاف انما اعتبرها فی مقابلة المائع والمقابلة تنافی الخلط فقد افاد قطعا ان لاغلبة فی الجامد بالاوصاف وقد افصح به الشرنبلالی فی تلخیص ضابطته اذ قال ولا یضر تغیر اوصاف کلها[1] اھ وما کان زوال الاسم الا لاحد امرین زوال الرقة

جیسا کہ آپ نے جانا، اور میں ثانیاً کہتا ہوں، یہ امر محال ہے کہ رقت کے باقی رہتے ہوئے اس سے پانی کا نام زائل ہو، اِلّا یہ کہ اس کا کوئی وصف متغیر ہوجائے اس لیے کہ جب اس کی طبیعت باقی ہو اور اس کے اوصاف باقی ہوں تو اس سے اس کے نام کا زائل ہونا بغیر موجب کے ہوگا اور یہ باطل ہے، اور جو غیر اس کے ساتھ مل جائے اور یہ غیر اُن چیزوں میں سے ہو جو کسی وصف میں اس پانی کے مخالف نہ ہو، اور وُہ غیر اس کے اجزاء میں مساوی ہو یا زیادہ ہو تو اس میں پانی کا نام کل مرکب سے زائل ہوجائیگا جو پانی اور اس کے غیر سے مرکب ہو اور اس کے مساوی ہو یا اس پر غالب ہو نہ کہ اُس پانی سے جو اس میں ہے، یہاں تک کہ اگر اس آمیزش سے پانی کا جدا کرنا ممکن ہوتا تو اس پانی سے وضوء جائز ہوتا، اور انہوں نے (رحمہ اللہ) جامد میں صرف گاڑھے پن کا ذکر کیا ہے، اور اس میں اوصاف کا اعتبار نہیں کیا ہے،

ع: اقول ای ان وجد اما ما مثلوا به من ماء لسان الثور وماء الورد المنقطع الرائحة فلیس منه للاختلاف فی الطعم وما مثلوا به من الماء المستعمل فهو بنفسه علی تحقیقنا من الماء المطلق فکیف یجعل امتزاجه بالمطلق المطلق مقیدا ۱۲ منه غفرله۔ (م)

میں کہتا ہوں یعنی اگر پایا جائے، اور لسان ثور، اور گلاب کا پانی جس میں خوشبو نہ رہی ہو، کی مثالیں جو انہوں نے دی ہیں وہ اس سے نہیں ہے، کیونکہ مزہ کی تبدیلی میں اختلاف ہے، اور مستعمل پانی کی مثال جو دی ہے تو وہ خود ہماری تحقیق کے مطابق مطلق پانی ہے تو مطلق کو مطلق سے ملا کر مقید کیونکر کیا جا سکتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] نور الایضاح کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۳

او تغیر الوصف وقد نفی ھذا فی خلط الجامد فلم یبق الا الاول وظھر انه یقول لا یزول الاسم فیه بوجه من الوجوہ مادامت الرقة باقیة وھذا ھو محل الایراد فاین المحیص نعم ذکر فی صدر الکلام لفظ زوال الاسم وھو انما ھو تمہید ضابطته خارج عنھا بیانا للمحوج الیھا کما علمت فضلا عن ان یکون قیدا فی حکم الجامد۔

ان اوصاف کا اعتبار اس کے مقابل مائع میں کیا ہے اور مقابلہ ملاوٹ کے خلاف ہے، تو انہوں نے قطعاً یہ بات بتائی ہے کہ جامد میں اوصاف سے غلبہ نہیں ہوتا ہے، اور یہی بات شرنبلالی نے اپنے ضابطے کے خلاف کہی ہے، انہوں نے کہا کہ اس کو تمام اوصاف کا متغیر ہوجانا مضر نہیں اھ اور نام کا زائل ہونا دو چیزوں میں سے ایک کی وجہ سے ہے، یا تو رقّت کا ختم ہونا یا وصف کا تبدیل ہونا اور یہ چیز جامد کے ملنے کی صورت میں نہیں، تو صرف پہلی صورت میں باقی رہے اور یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ کہتے ہیں جب تک رقت باقی رہے گی نام کسی طرح زائل نہ ہوگا، یہ اعتراض کی صورت ہے، تو چھٹکارے کی کیا سبیل ہوگی؟ ہاں ابتدائے کلام میں نام کے زائل ہونے کا ذکر کیا تھا، یہ ان کے ضابطہ کی تمہید ہے اس میں داخل نہیں، اس چیز کا بیان ہے کہ ضابطہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جیسا کہ آپ نے جان لیا، یہ جامد کے حکم میں قید نہیں۔ (ت)

فان قلت الیس قد قال قبل ھذا تحت قول المختصر او بالطبخ ان زوال الاسم ھو المعتبر فی الباب کما تقدم فکان صریح منطوقه الادارة علیه حیث کان **اقول** بلی وھو جملة القول فی الباب وما الضابطة الا لتفصیله وبیان انه متی یحصل وقد صرح فیھا انه لا یحصل فی خلط الجامد الا بالثخونة فانی تنفع الادارة۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے اس سے قبل مختصر کے قول "او بالطبخ" کے تحت فرمایا تھا کہ اس باب میں نام کا زائل ہونا ہی معتبر ہے جیسا کہ گزرا، تو انہوں نے اسی چیز کو صریحاً مدار بنایا جہاں بھی یہ پایا جائے۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے اور اس باب کا خلاصہ یہی ہے، اور ضابطہ تو اس کے بیان اور تفصیل کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے ہے کہ یہ صورت کب پیدا ہوتی ہے، اور انہوں نے اس میں تصریح کی ہے کہ یہ جامد کے مل جانے میں صرف گاڑھا ہونے سے حاصل ہوتی ہے، تو اس پر مدار رکھنا مفید نہیں۔

الثالث ھو بصدد اعطاء ضابط یمیز بین المقید والمطلق وما الضابط الا ما یحیط بالصور فیجب ان یستوعب کلامه بیان کل ما یحصل به التقیید ای کل ما یزول به الاسم اذ لا تقیید الا به

سوم، وہ ایک ضابطہ بیان کرنا چاہتے ہیں جو مقید اور مطلق کے درمیان تمیز پیدا کردے اور ضابطہ وہی ہوتا ہے جو تمام صورتوں کا احاطہ کرے تو لازم ہے

فتقييد شیئ [1] من احکامه بان لایزول الاسم افساد لمقصوده واخراج للضابط عن ان یکون ضابطا وارجاع للتمییز الی التجهیل، و للتفصیل الی التعطیل، فانه یؤل الی ان فی خلط الجامد بدون الثخونة لایزول الاسم بشرط ان لایزول الاسم وھو کلام مغسول، لایرجع الی طائل ومحصول، ھذا معنی قول النھر انه لایجدی نفعا فتبین انه لامذکور ولامطوی ولامنوی وان الحق فیه بید النھر، وان ھذا شیئ سقط عن الفخر، فلقطه البحر، وذکره فی تنبیه علی حدة فجاء الدر فنظمه فی سلك الضابطة اذ قال فلو جامدا فبثخانة مالم یزل الاسم کنبیذ تمر اھ‍ ونعما فعل لانه صح الحکم وان انحلت عری الضابطة، واحتاج مطلعھا الی ضابط اٰخر یلقط له ساقطه، ھکذا ینبغی التحقیق، واللہ تعالٰی ولی التوفیق، وکان الحری بنا ان نؤخر ھذا البحث الی الفصل الرابع حیث نتکلم ان شاء اللہ تعالٰی علی الضابطة ولکن الحاجة مست الیه ھھنا کیلا یعتری احدا شك فیما نبدی من المخالفات بین الاحکام المنقولة وقضیة الضابطة وباللہ تعالٰی التوفیق۔

کہ ان کا کلام اُن تمام صورتوں کا احاطہ کرے جن سے تقیید پیدا ہوتی ہے یعنی وہ تمام صورتیں جن میں نام زائل ہوجاتا ہے کہ تقیید تو اسی سے حاصل ہوگی، تو اس کے احکام میں سے کسی کو اس سے مقید کرنا کہ نام زائل نہیں ہوا اس کے مقصود کو فاسد کرنا اور ضابطہ کو ضابطہ ہونے سے خارج کرنا ہے، اور بجائے اس کے کہ امتیاز پیدا ہو ابہام پیدا کرنا ہے، اور تفصیل کو ختم کرنا ہے، اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ جامد کی آمیزش میں گاڑھا ہونے کی صورت میں نام زائل نہ ہو بشرطیکہ نام زائل نہ ہو، اور یہ کلام لغو بےفائدہ ہے، نہر کے قول کہ "یہ مفید نہیں" کا یہی مطلب ہے، یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ نہ تو کچھ مذکور ہے اور نہ منوی ہے اور اس بارے میں حق نہر کے ساتھ ہے اور یہ وہ چیز ہے جو فخر نے رد کی تھی اور بحر نے اس کو لیا تھا اور اس پر الگ تنبیہ کی تھی اور صاحبِ در نے اس کو ضابطہ کی شکل میں پیش کردیا، وہ فرماتے ہیں "اگر آمیزش جامد کی ہو تو دارومدار گاڑھا ہونے پر ہے جب تک نام زائل نہ ہو جیسے نبیذ تمر اھ اور انہوں نے یہ اچھا کام کیا ہے کہ حکم صحیح ہوگیا ہے اگرچہ اس سے ضابطہ ڈھیلا پڑگیا اور اس صورت میں ایک مزید ضابطہ کی حاجت ہوگئی، تحقیق کا یہ طریقہ ہونا چاہیے، ہمیں یہ بحث چوتھی فصل تک مؤخر کرنی چاہیے تھی جہاں ہم ضابطہ پر گفتگو کریں گے، مگر یہاں ضرورۃً بحث کرنا پڑی ہے تاکہ احکام منقولہ اور ضابطہ میں کسی کو شک وشبہ لاحق نہ ہوجائے وباللہ التوفیق۔ (ت)

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

(۲۸۸) یوں ہی شربت سے وضو ناجائز ہے شکر، بتاشے، مصری، شہد کسی چیز کا ہو نمبر ۱۸۵ میں ہدایہ وغیرہا کتابوں سے گزرا:

لا یجوز بالاشربة[1] (شربتوں سے وضو جائز نہیں۔ ت)

اس پر عنایہ و بنایہ و کفایہ و غایہ میں فرمایا:

ان اراد بالاشربة الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد المخلوط به کانت نظیر الماء الذی غلب علیه غیرہ[2]۔

اگر ان کی مراد "اشربہ" سے میٹھے شربت ہیں جیسے شیرہ اور شہد جو پانی میں ملے ہوں تو اس پانی کی نظیر ہے جس پر کوئی دوسری چیز غالب ہوگئی ہو۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

قال صاحب الفرائد المراد من الاشربة الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد[3]۔

صاحب الفرائد نے فرمایا اشربہ سے مراد میٹھا شربت ہے جو پانی میں شامل ہوگیا ہو جیسے شیرہ اور شہد۔ (ت)

مگر اصحاب ضابطہ غیر بحرو دُرر پر لازم کہ اُس سے وضو جائز مانیں جب تک پانی کی رقت نہ زائل ہو اور یہ شربت میں عادۃً نہیں ہوتا شکر، بتاشے، مصری تو ظاہر ہیں اور یوں ہی شہد جبکہ جما ہوا ہو مگر یہ اُسی وجہ سے صحیح نہیں کہ شربت کو پانی نہیں کہتے نام بدل گیا تو اب مطلق نہ رہا۔

(۲۸۹) یوں ہی دوا کا خیساندہ قابلِ وضو نہیں اگرچہ گاڑھا نہ ہوگیا ہو کہ وہ دوا کہلائیگی نہ پانی مگر اہلِ ضابطہ پر جواز لازم۔

(۲۹۰ تا ۲۹۵) یونہی کسم، کیسر، رنگت کی پڑیاں جب پانی میں اس قدر ملیں کہ رنگنے کے قابل ہو جائے کسیس، مازو، روشنائی مل کر حرف کا نقش بننے کے لائق ہو جائے بحکم تجنیس و فتح القدیر و حلیہ و معراج الدرایہ و بحر الرائق و دُرمختار و قنیہ و ہندیہ و فتح اللہ المعین و امام جرجانی جس کی عبارات نمبر ۱۲۴ میں گزریں اُس سے وضو جائز نہیں کہ وہ رنگ یا سیاہی یا روشنائی کہلائے گا نہ پانی مگر بحکم ضابطہ جواز ہے خصوصاً پڑیا کا پانی کہ بہت کم مقدار میں ملائی جاتی ہے جس کا پانی کی رقت پر اثر نہیں ہو سکتا۔

اقول وھو وان کان ظاھر عامة الکتب

میں کہتا ہوں اگرچہ ظاہر عام کتب کا وہی ہے

---

[1] الہدایة باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸
[2] الکفایة مع فتح القدیر " " مطبع نوریہ رضویہ
[3] ایضاً

کما مرثمه لکن هذا هو قضیة الاصل المجمع علیه الغیر المنخرم ان زوال الاسم یسلب الاطلاق واللّٰه تعالٰی اعلم۔

جو گزرا لیکن اسی اصل کا یہی تقاضا ہے جس پر قطعی اجماع ہے کہ نام کے زائل ہونے سے اطلاق کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔ (ت)

ہاں روشنائی وغیرہ کا گاڑھا پانی بڑے ضابطہ بھی قابلِ وضو نہیں۔

صنف دوم سیال اشیاء

(۲۹۶ تا ۲۹۸) **اقول** گلاب کیوڑا بید مشک بلاشبہ مزۂ آب کے خلاف مزہ رکھتے ہیں اور ان کی بُو قوی تر ہے گھڑے بھر پانی میں تولہ بھر اُسے خوشبو دار کردیتا ہے اور مزہ نہیں بدلتا تو بحسبِ حکم منقول اُس سے وضو جائز رہے گا جب تک اس قدر کثرت سے نہ ملے کہ پانی پر اُس کا مزہ غالب آجائے مگر اہلِ ضابطہ کے نزدیک اُس سے وضو ناجائز ہونا لازم لانه ذو وصفین وقد تغیر واحد (کیونکہ یہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ ت) مگر یہ سخت بعید بلکہ بداہۃً باطل ہے عرفاً لغۃً شرعاً اُس گھڑے بھر پانی کو جس میں چند قطرے گلاب کے پڑے ہیں پانی ہی کہا جائے گا تو وہ یقیناً آبِ مطلق ہے اور اس سے بلاشبہ وضو جائز۔

(۲۹۹ و ۳۰۰) زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اگر اتنا ملے کہ پانی کا صرف رنگ بدلے تو حکم مذکور نمبر ۱۲۶ سے وہ پانی قابلِ وضو نہ رہے گا اور اہلِ ضابطہ جائز کہیں گے۔

لانهما من ذوات الثلثة فلا یکفی تغیر وصف واحد ولونهما اقوی اوصافهما فیعمل قبل ان یعمل الباقیان۔

کیونکہ یہ تین اوصاف والا ہے تو اس میں ایک کا تغیر کافی نہ ہوگا اور اس کے اوصاف میں سے رنگ قوی تر ہے تو باقی دو کے مؤثر ہونے سے قبل ہی یہ مؤثر ہوجائیگا۔ (ت)

(۳۰۱) یُوں ہی پڑیا حل کیا ہوا پانی پانی میں پڑ کر صرف رنگت بدل دے تو کتب مذکورہ کے حکم سے قابلِ وضو نہیں اور اہلِ ضابطہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے اگر پڑیا کسی قسم کی بُو نہ رکھتی ہو ورنہ جائز کہیں گے۔

(۳۰۲) آب تربوز سے جب پانی کا صرف مزہ بدلے خود اہلِ ضابطہ نے عدمِ جوازِ وضو کی تصریح کی کما مر فی ۲۸۱ مگر اُن کا ضابطہ جواز چاہتا ہے۔

لانه ذو الثلثة فلا یکتفی بوصف وطعمه اغلب اوصافه فلا یستلزم غلبته غلبة احد الباقیین۔

کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے، تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائے گا، اور اس کا مزہ اس کے اوصاف میں قوی تر ہے تو اس کے غلبہ سے دو

باقیماندہ وصفوں میں سے کسی ایک کا غلبہ لازم نہیں آئے گا۔ (ت)

(۳۰۳) سپید انگور کے سرکہ کی جب صرف بُو پانی میں آجائے غالب نہ ہو بحکم بدائع منقول نمبر ۱۲ قابلِ وضو ہے مگر رُوئے ضابطہ جائز نہ چاہئے لانہ ذو وصفین وقد تغیر احدھما (کیونکہ یہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ ت)

(۳۰۴) سرکہ کہ رنگ بھی رکھتا ہے اور اُس کی بُو سب اوصاف سے اقوٰی ہے اگر پانی میں اُس کا مزہ اور بُو آجائے اور رنگ نہ بدلے بحکم منقول مصرح امام ملک العلماء و امام اسبیجابی و امام فخر الدین زیلعی و نجم الدین زاہدی وزاد الفقہاء و امام ابن امیر الحاج حلبی مذکور نمبر ۱۲ قابلِ وضو ہے مگر اتباعِ ضابطہ نے عدمِ جواز کی تصریح کی، غنیہ میں ہے:

انکان یخالفہ فی الاوصاف کلہا کالخل فالمعتبر غلبۃ اکثرھا[1]۔

اگر وُہ پانی کے تمام اوصاف میں اس کے مخالف ہے جیسے سرکہ تو معتبر ان میں سے اکثر کا غالب ہونا ہوگا۔ (ت)

نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے:

الغلبۃ توجد بظہور وصفین من خل لہ لون وطعم وریح ای وصفین منہا ظہرا منع صحۃ الوضوء ولو واحد لایضر لقلتہ[2]۔

سرکہ کے وصفوں میں سے دو کے ظہور سے غلبہ پایا جائیگا کیونکہ اس کے تین اوصاف ہیں مزہ، رنگ اور بُو، کوئی سے دو وصف ان میں سے غالب ہوجائیں تو اس سے وضو نہیں ہوسکتا ہے اور اگر ایک وصف متغیر ہوا ہے تو کم ہونے کی وجہ سے مضر نہیں۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

فالغلبۃ بتغیر اکثرھا وھو الوصفان فلا یضر ظہور وصف واحد فی الماء من اوصاف الخل[3] اھ

تو اعتبار اکثریت کے تغیر کا ہے اور یہ دو وصف ہیں تو سرکہ کے صرف ایک وصف کا پانی میں ظاہر ہونا کچھ مضر نہ ہوگا۔ (ت)

اقول وقد کان ملک العلماء قدس سرہ احال الامر اولا علی زوال الاسم

میں کہتا ہوں ملک العلماء نے پہلے تو مدار نام کے زائل ہونے پر رکھا تھا، اور یہی صحیح بھی تھا وہ فرماتے ہیں

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱
[2] مراقی الفلاح کتاب الطہارت الامیریۃ ببولاق مصر ص ۱۶
[3] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۴

وھی الجادۃ الواضحۃ حیث قال الماء المطلق اذا خالطہ شیئ من المائعات الطاھرۃ کاللبن والخل ونقیع الزبیب ونحوذلک علی وجہ تزال عنہ اسم الماء بان صار مغلوبا بہ فھو بمعنی الماء المقید[۱] اھ لکن ثم عاد[۱] الٰی اعتبار اللون فی مثلہ فقال متصلا بہ ثم ینظر ان کان یخالف لونہ لون الماء یعتبر الغلبۃ فی اللون[۲]۔

مطلق پانی میں جب کوئی سیال شے مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقی کا پانی وغیرہ، اور اس سے پانی کا نام زائل ہوجائے کہ پانی مغلوب ہو تو اب یہ پانی مقید ہے اھ لیکن پھر وہ اس جیسی صورت میں رنگ کے اعتبار کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اسی کے متصل فرماتے ہیں، پھر یہ دیکھا جائیگا کہ اگر اس کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہے تو رنگ میں غلبہ معتبر ہوگا۔

(۳۰۵) جس سرکہ کا مزہ رنگ و بُو سے اقوی ہو جب اس کے مزہ و بُو پانی پر غالب آئیں اور رنگ نہ بدلے بحکم مذکور ائمہ قابلِ وضو ہے اور ضابطہ مخالف۔

(۳۰۶) جس سرکہ کا رنگ غالب تر ہو جب اُس سے صرف رنگ بدلے تو اس کا عکس ہے یعنی بحکم ائمہ اُس سے وضو ناجائز اور ضابطہ مقتضی جواز۔

(۳۰۷) دُودھ سے جب پانی کا صرف رنگ بدلے بحکم ائمہ مذکورین قابلِ وضو نہیں اور عجب کہ امام زیلعی نے بھی اُن کی موافقت کی حالانکہ اُن کا ضابطہ مقتضی جواز ہے لانہ ذو الثلثۃ ولونہ اقوی فلا یکفی وصف واحد (کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے اور اس کے اوصاف میں رنگ قوی تر ہے تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائیگا۔ ت) ہاں امام ابن الھمام و دُرر و قدوری و ہدایہ و عنایہ و عمدۃ القاری جانب جواز ہیں کما تقدم کل ذلک ۱۳۴ واللہ تعالٰی اعلم (اس کی پُوری بحث ۱۳۴ میں گزر چکی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

تکمیل جزئیات نامحصور ہیں جتنی ہوئی چیز کہ پانی سے کسی وصف میں مخالف ہے اس کے بارہ میں اس اختلاف و اتفاق کا ضابطہ ملاحظہ چند امور سے واضح:

(۱) اگر کوئی وصف نہ بدلے پانی بالاجماع قابلِ وضو ہے۔

---

[۱] سیأتی بحمد اللہ تعالٰی تحقیق السر فی ذلک فی سادس ضوابط الفصل الثالث ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس کی حکمت تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں آئے گی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[۱] بدائع الصنائع　الماء المقید　سعید کمپنی کراچی　۱/۱۵

[۲] ایضاً

(۲) مخالفت اگر صرف رنگ یا مزہ میں ہے اور وہ بدل جائے بالاتفاق قابلِ وضو نہیں۔

تنبیہ: بدلنے سے کیا مراد ہے اس کی تحقیق ان شاء اللہ العزیز فصل سوم میں آئے گی۔

(۳) اگر دو وصف میں مخالفت ہے اور دونوں بدل جائیں بالاتفاق عدمِ جواز ہے۔

(۴) اگر صرف رنگ و مزہ یا رنگ و بُو میں تخالف ہے اور رنگ بدلے تو بالاتفاق ناقابل ہے اور دوسرا بدلے تو بحکم منقول جواز اور بربنائے ضابطہ ناجائز۔

(۵) اگر صرف مزہ و بُو میں اختلاف ہے اور مزہ بدلے تو بالاتفاق اور بُو بدلے تو صرف بربنائے ضابطہ عدمِ جواز ہے منقول جواز۔

(۶) اگر تینوں وصف مختلف ہیں اور سب بدل جائیں بالاتفاق ناجائز۔

(۷) اگر اس صورت میں صرف مزہ یا بُو بدلے بالاتفاق جواز ہے اور فقط رنگ بدلے تو بحکم منقول ناجائز اور بحکم ضابطہ جواز۔

(۸) اسی صورت میں اگر رنگ و مزہ یا رنگ و بُو بدلیں بالاتفاق ناجائز اور مزہ و بُو بدلیں تو ضابطہ پر ناجائز اور منقول جواز۔

(۹) تخالف و تبدل دونوں کی جمیع صور کا احاطہ تو ان آٹھ میں ہو گیا رہا یہ کہ تبدل کی کون سی صورت کہاں ممکن ہے اُس کا بیان یہ کہ جو ایک ہی وصف میں مخالف ہے ظاہر ہے کہ وہ تو اُسی کو بدل سکتا ہے اور اگر دو میں تخالف ہے تو تین صورتیں ہیں اوّل اقوی ہوگا یا دوم یا دونوں مساوی، یعنی بدلیں تو دونوں ایک ہی ساتھ بدلیں اُن میں آگا پیچھا نہیں اگر ایک اقوی ہے تو ایک کے تغیر میں اُسی کا تغیر ہوگا صرف دوسرے کو متغیر فرض نہیں کر سکتے ہاں دونوں کا بدلنا تینوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔

(۱۰) اگر تینوں وصف مختلف ہیں تو اس میں سات احتمال ہیں، اوّل اقوی ہو یا دوم یا سوم یا اول و دوم یا اول و سوم یا دوم و سوم یا سب مساوی جن میں ایک اقوی ہو تنہا ایک کے تبدل میں وہی مفروض ہو سکتا ہے اور دو کے تبدل میں ایک وہ ہونا ضرور۔ اُس کے بغیر باقی دونوں کا تنہا یا معاً تغیر فرض نہیں کر سکتے اور دو اقوے ہیں تو اُس میں نہ ایک کا تبدل ہو سکتا ہے نہ ایسے دو کا جن میں ایک وہ تیسرا ہو، ہاں تینوں بدل سکتے ہیں اور جہاں تینوں مساوی ہیں وہاں یہی صورت فرض ہو سکتی ہے کہ سب بدل جائیں یا کوئی نہ بدلے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولٰنا محمد الکریم الاکرم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم آمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

فصل ثانی مطلق و مقید کی تعریف میں۔

یہاں عبارات علما مختلف آئیں،

اما لفظا او معنی ایضا فمنہا صحیح وخلافہ والصحیح منہا حسن واحسن فنذکرھا ومالہا وعلیہا لیتبین المنتجب من المجتنب، فیراعی معیارا فی کل مطلب، واللّٰہ الموفق ما غیرہ رب۔

یا تو لفظاً یا معنیً بھی، ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ اس کے برخلاف صحیح میں کچھ حسن اور کچھ احسن ہیں، تو اب ہم انہیں اور ان پر جو ابحاث ہیں انہیں ذکر کرتے ہیں تاکہ صحیح اور غلط ظاہر ہو تاکہ ہر بحث میں معیار کی رعایت کی جاسکے (ت)

اوّل مطلق وہ کہ شے کی نفس ذات پر دلالت کرے کسی صفت سے غرض نہ رکھے نہ نفیاً نہ اثباتاً قالہ فی الکفایۃ (یہ تعریف کفایہ میں ہے۔ ت) اور مقید وہ کہ ذات کے ساتھ کسی صفت پر بھی دال ہو، عنایہ میں ہے:

ان اللّٰہ تعالٰی ذکر الماء فی الاٰیۃ مطلقا والمطلق مایتعرض للذات دون الصفات ومطلق الاسم ینطلق علی ھذہ المیاہ[1] اھ ای ماء السماء والاودیۃ والعیون والاٰبار ذکرہ مستدلا علی جواز التوضی بہا بقولہ تعالٰی وانزلنا من السماء ماء طھورا۔

اللہ تعالٰی نے آیہ مبارکہ میں پانی کو مطلق ذکر کیا ہے، اور مطلق وہ ہے جس میں صرف ذات کا ذکر ہو صفات کا نہ ہو، اور پانی کا مطلق نام انہی پانیوں پر بولا جاتا ہے اھ یعنی آسمان، وادیوں، چشموں اور کنوؤں کے پانیوں پر، اس کا ذکر وضو کے جواز کے سلسلہ میں کیا ہے فرمانِ الٰہی ہے وانزلنا من السماء ماءً طھوراً۔ (ت)

اقول ھذا ھو المطلق الاصولی ولیس مرادا ھٰہنا قطعا فانہ مقسم المقیدات وھذا قسیمہا وھو ینطلق علی جمیع المقیدات فیلزم جواز التوضی بہا بل المطلق ھٰہنا مقید بقید الاطلاق فی مرتبۃ بشرط لاشیئ ای مالم یعرض لہ ما یسلب عنہ اسم الماء

میں کہتا ہوں یہ اصولی مطلق ہے اور وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کیونکہ وہ مقیدات کا مقسم ہے اور یہ ان کا قسیم ہے اور یہ تمام مقیدات پر جاری ہے تو ان تمام سے وضو کا جواز لازم آتا ہے بلکہ مطلق یہاں بقید اطلاق مقید ہے اور بشرط لاشیئ کے مرتبہ میں ہے، یعنی اس کو جب تک ایسی چیز لاحق نہ ہو جو اس سے

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۰

الرسل ولاشك ان هذا متعرض لوصف زائد على نفس الذات فالمطلق هھنا قسم من المقید وقسیم لسائر المقیدات وقد تنبہ لھذا السید العلامۃ الشامی فنبہ علیہ بقولہ واعلم ان الماء المطلق اخص من مطلق ماء لاخذ الاطلاق فیہ قیدا ولذا صح اخراج المقید بہ واما مطلق ماء فمعناہ ای ماء کان فیدخل فیہ المقید المذکور ولایصح ارادتہ ھھنا اھ[1] ووقع فی البحر بعد ماعرف المطلق بمایأتی والمطلق فی الاصول ھو المتعرض للذات دون الصفات لا بالنفی ولا بالاثبات کماء السماء والعین والبحر[2] اھ فقد کان یفہم بالمقابلۃ انہ لیس مرادا ھھنا لکن فی جعل المیاہ المطلقۃ مثالا لہ صرف الکلام الی الایہام فالاحسن ما فی الکافی والبنایۃ

مطلق پانی کا نام سلب کرلے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ نفس ذات پر ایک زائد وصف کی طرف اشارہ ہے، تو مطلق یہاں مقید کی قسم ہے اور باقی مقیدات کا قسیم ہے علامہ شامی نے اس کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا "جاننا چاہیے کہ ماءِ مطلق، مطلق ماء سے اخص ہے کیونکہ اس میں اطلاق کی قید ہے، اس لیے مقید کا اس سے خارج کرنا درست ہے، اور مطلق ماء کے معنی ہیں کوئی بھی پانی ہو تو اس میں مذکور مقید بھی داخل ہوگا، اور یہاں اس کا ارادہ صحیح نہیں ہے اھ بحر میں مطلق کی تعریف کے بعد ہے "مطلق اصول میں متعرض ذات کو بیان کرتا ہے نہ کہ صفات کو، نہ نفی سے نہ اثبات سے"، جیسے آسمان، چشمہ اور دریا کا پانی اھ مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہے لیکن مطلق پانیوں کی اس کی مثال بنانا کلام میں ایہام پیدا کرنا ہے تو احسن وہی ہے جو کافی، بنایہ اور مجمع الانہر میں ہے، ان

عہ وفی غایۃ البیان المراد ھنا ما یفہم بمجرد اطلاق اسم الماء والا فالمیاہ المذکورۃ لیست بمطلقۃ لتقییدھا بصفۃ وفی اصطلاح اھل الاصول ھو المتعرض للذات دون الصفۃ اھ اقول لا وجود للمطلق فی الاعیان الا فی ضمن المقید فلا تخصیص للمیاہ المذکورۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اور غایۃ البیان میں ہے کہ مراد یہاں پر وہ ہے جو محض ماء کے نام کے اطلاق سے سمجھا جاتا ہے ورنہ مذکورہ پانی مطلق پانی نہیں کیونکہ یہ پانی کسی صفت سے مقید ہیں، اور اصولیین کے نزدیک مطلق وہ ہے جو صرف ذات کو بتائے نہ کہ صفت کو اھ میں کہتا ہوں مطلق کا وجود اعیان میں نہیں مقید کے ضمن ہی میں ہوتا ہے، تو مذکورہ پانیوں میں تخصیص نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] رد المحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۲
[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

ومجمع الانهر اذ ذکروا المطلق الاصولی ثم قالوا وانما یرید ھھنا مایسبق الی الافھام[1] الخ

سب نے اصولی مطلق کا ذکر کیا ہے، پھر فرمایا ہے، یہاں وہی مراد جو ذہنوں کی طرف سبقت کرتا ہے الخ (ت)

دوم مطلق وہ کہ اپنی تعریف ذات میں دوسری شے کا محتاج نہ ہو اور مقید وہ کہ جس کی ذات بے ذکر قید نہ پہچانی جائے،

ذکرہ فی مجمع الانھر علی جھۃ التمریض فقال ویقال المطلق مالایحتاج فی تعریف ذاتہ الی شیئ اٰخر والمقید مالایتعرف ذاتہ الابالقید[2] اھ

اس کو مجمع الانہر میں ناپسندیدہ قول کے طور پر بیان کیا ہے فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ مطلق وہ ہے جو اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور مقید وہ ہے جس کی ذات قید کے بغیر نہیں جانی جاتی ہے اھ (ت)

اقول وھو بظاھرہ افسد من الاول فان شیئا ماقط لایحتاج فی تعریف ذاتہ الی شیئ اٰخر ولکن المقصود انہ الباقی علی طبیعۃ الماء وصرافۃ المائیۃ لم یداخلہ مایخرجہ عن طبعہ اویجعلہ فی العرف مرکبا مع غیرہ فیصیر ذاتا اخری غیر ذات الماء لایطلق علیہ محض اسم الماء ولاتعرف ذاتہ باطلاقہ واوضح منہ قول الغنیۃ ھو مایسمی فی العرف ماء من غیر احتیاج الی تقیید فی تعریف ذاتہ[3] اھ وھو ماخوذ عن الامام حافظ الدین فی المستصفی کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی۔

میں کہتا ہوں، یہ بظاہر پہلے سے بھی زیادہ غلط ہے کیونکہ کوئی چیز بھی اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہوتی ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ وہی پانی کی طبیعت پر باقی ہے، اور پانی کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز داخل نہیں ہوئی جو اس کو اس کی طبیعت سے خارج کرے یا عرف میں اس کے غیر کے ساتھ مرکب کردے تو وہ پانی کے علاوہ دوسری چیز بن جائے جس پر محض پانی کے نام کا اطلاق نہ ہو، اور اس کے اطلاق سے اس کی ذات نہ پہچانی جائے اور اس سے زیادہ واضح غنیہ کی عبارت ہے کہ وہ، وہ ہے جو عرف میں پانی کہلاتا ہے، اس کی ذات کی تعریف میں کسی تقیید کی حاجت نہ ہو اھ یہ تعریف امام حافظ الدین نے مستصفی میں کی ہے، جیسا آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

---

[1] مجمع الانہر   تجوز الطہارۃ بالماء المطلق   مطبعہ عامرہ مصر   ۱/۲۷

[2] ؎ ؎

[3] غنیۃ المستملی   احکام المیاہ   سہیل اکیڈمی لاہور   ص ۸۸

سوم مطلق وُہ کہ اپنی پیدائشی اوصاف پر باقی ہو، خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے :

هو الباقی علی اوصاف خلقته[1] اقول ان اریدبالاوصاف الاوصاف الثلثة خاصة اومع الرقة والسیلان انتقض بنقیع الحمص والباقلاوما خلط بصابون واشنان ولو طبخ بهما اویسدر مادام باقیا علی رقة وکذا ما القی فیه تمیرات فحلا ولم یصر نبیذ التغیر اوصافها کلا اوبعضا مع جواز الوضوء بها اتفاقا وکذا بما خلط بمائع موافق فی الاوصاف اکثر منه اومساویا مع امتناع الوضوء به وفاقا فانتقض طرداوعکسا وان ارید الاعم اتسع الخرق فانتقض بنحو الحمیم ایضا۔

یہ وہ ہے جو اپنے پیدائشی اوصاف پر باقی ہے، میں کہتا ہوں اگر اوصاف سے محض اوصاف ثلثہ مراد ہیں، یا مع رقت و سیلان کے، تو اس پر چنوں اور باقلیٰ کے پانی سے اعتراض ہے، اور اس پانی سے اعتراض ہے جس میں صابون اور اُشنان ملایا گیا ہو، اگرچہ ان دونوں کے ساتھ پکایا گیا ہو، یا جھربیری کے ساتھ پکایا گیا ہو جب تک اس میں رقت باقی ہو، اور اسی طرح وہ پانی جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں اور میٹھا ہو گیا ہو اور نبیذ نہ بنا ہو کیونکہ اسکے اوصاف میں کلی یا جزوی تغیر پیدا ہو گیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ وضو اتفاقاً جائز ہے اور اسی طرح وُہ پانی جو کسی مائع (سیّال) سے مل گیا ہو جو پانی کے اکثر اوصاف میں اس کے مشابہ ہو یا مساوی ہو حالانکہ اس سے وضو اتفاقاً ناجائز ہے یہ طرداً وعکساً منتقض ہو گیا، اور اگر عام کا ارادہ کیا ہو تو نقض وسیع ہو جائیگا تو گرم پانی کی مثل سے بھی نقض وارد ہوگا۔ (ت)

چہارم مطلق وُہ کہ اپنی رقت و سیلان پر باقی ہو شلبیہ علی الزیلعی میں ہے :

الماء المطلق ما بقی علی اصل خلقته من الرقة والسیلان فلو اختلط به طاهر اوجب غلظه صار مقیدا[2] اھ یحیٰی اھ

مطلق پانی جب تک ہے کہ اپنی اصل خلقت پر ہو، یعنی اس میں رقت اور سیلان باقی ہو اور جب اس میں کوئی پاک چیز مل کر اس میں گاڑھا پن پیدا کرے تو وہ مقید ہو جائیگا اھ یحیٰی اھ (ت)

اقول ھذا افسد وقد تضمن ما سبقه الرد علیه ویزید ھذا انتقاضا بما خلط بکل مائع لایسلبه رقة وان

میں کہتا ہوں یہ اور بھی زائد فاسد ہے، اور گزشتہ بحث میں اس پر رد ہو چکا ہے اور اس پر یُوں بھی اعتراض وارد ہوتا ہے اُس کے ساتھ کہ

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۲

[2] شلبی علی التبیین کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۹

غیراوصافه کاللبن والخل والعصیر و نحو ذلك۔

اس میں کوئی ایسی مائع شے شامل ہوجائے جو اس کی رقت کو ختم نہ کرے خواہ اُس کے دوسرے اوصاف میں تغیر پیدا کرے، جیسے دودھ، سرکہ، عرق وغیرہ۔ (ت)

پنجم مطلق وہ جس کے لیے کوئی نیا نام نہ پیدا ہوا، ہدایہ میں فرمایا:

قال الشافعی رحمه الله تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباهه مما لیس من جنس الارض لانه ماء مقید الاتری انه یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلو عنها عادة ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الاتری انه لم یتجدد له اسم علی حدة واضافته الی الزعفران کاضافته الی البئر والعین اھ۔

امام شافعی نے فرمایا وہ اشیاء، جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں جیسے زعفران کا پانی وغیرہ اُن سے وضو جائز نہیں، کیونکہ وہ مقید پانی ہے، اس لیے اس کو زعفران کا پانی کہتے ہیں، بخلاف زمینی اجزاء کے، کیونکہ عام طور پر کوئی پانی زمینی اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے اور اس کا کوئی نیا نام وضع نہیں ہوا ہے اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں یا چشمے کی طرف ہوتی ہے اھ (ت)

اقول ظاهره منتقض بالحمیم فقد حدث له اسم لم یکن **فان قلت** اسم الماء باق علیه فالمراد ما تجدد له اسم مع انتفاء اسم الماء الاتری الی قوله ان اسم الماء باق علی الاطلاق **اقول اولا** قوله قدس سره لم یتجدد له مفصول عما قبله الاتری الی قوله الاتری فقد جعله دلیلا علی بقاء الاسم لا ان بقاء الاسم ماخوذ فیه **وثانیا** بقاء الاسم علی الاطلاق کاف علی الاطلاق لایحتاج بعده الی عدم حدوث ولا یضر معه الف حدوث فضمه الیه یجعله لغوا۔ هذا اورده الفاضل عصام فی حاشیته بانه منقوض

میں کہتا ہوں بظاہر اس پر گرم پانی کا اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اس پر ایک ایسا نام بولا جارہا ہے جو پہلے نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں بھی پانی کا نام باقی ہے تو مراد یہ ہے کہ جس کا نیا نام پڑگیا ہو اور پانی کا نام ختم ہوگیا ہو، چنانچہ انہوں نے فرمایا "پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے" میں کہتا ہوں اوّل تو ان کا قول "لم یتجدد له" ماقبل سے منفصل اور الگ ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے "الاتری" تو اس کو انہوں نے نام کے باقی رہنے پر دلیل بنایا ہے یہ نہیں کہ نام کا باقی رہنا اس میں ماخوذ ہے، ثانیاً نام کا علی الاطلاق باقی رہنا اطلاق کے لیے کافی ہے اس کے بعد وہ عدمِ حدوث کا محتاج نہیں اور اس کے ہوتے ہوئے ہزار حدوث بھی مضر نہیں، تو

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

4

بماء الباقلاء حيث لم يتجدد له اسم ولم يبق ماء مطلقا ثم قال والجواب ان المراد هو الاستلزام الاكثری فان الغالب فی المقيد تجدد الاسم كالخبز[1] والمرقة والصبغ ونحو ذلك بخلاف المطلق وهذا القدر كاف فی غرضنا اذ الاولی فی الفرد[2] الذی يشتبه حاله ان يلحق بالاكثر الاغلب اھ[1] وتعقبه العلامة سعدی افندی بقوله لك ان تمنع الاكثرية الا تری الی ماء الورد وماء الهندباء وماء الخلاف واشباهها اھ[2]

اس کا اُس کے ساتھ ملادینا اس کو لغو قرار دے گا۔ یہ عصام نے اپنے حاشیہ میں لکھا کہ اس پر باقلاء کے پانی سے اعتراض وارد ہوگا اس لیے کہ اس کا کوئی نام نیا نہیں پیدا ہوا اور مطلق پانی بھی نہ رہا، پھر فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ مراد استلزام اکثری ہے، کیونکہ مقید میں عام طور پر نام نیا ہوجاتا ہے، جیسے روٹی، شوربہ اور رنگ وغیرہ بخلاف مطلق کے، اتنی مقدار ہماری غرض میں کافی ہے، کیونکہ اولی اُس فرد میں جس کا حال مشتبہ ہو یہ ہے کہ اس کو اکثر واغلب سے لاحق کیا جائے اھ اس پر علامہ سعدی آفندی نے تعاقب کیا، اور فرمایا اس میں اکثریت کے وجود کا انکار کیا جاسکتا ہے، جیسے گلاب کا پانی، کاسنی کا پانی، اور بید کا پانی اور اسی طرح دوسری اشیاء کا پانی اھ (ت)

اقول السؤال والجواب والتعقب كل ذلك نداء من وراء حجاب اما التعقب فلان كثرة ما يقال له ماء كذا لا تنفی اكثرية ما تجددت له الاسماء وهی معلومة قطعا بلا امتراء واما الجواب فاولا ف حاصل الجدل ان لامام الشافعی رضی الله

میں کہتا ہوں سوال وجواب اور تعقب، یہ سب پردے کے پیچھے پکارنا ہے، تعقب تو اس لیے کہ جن اشیاء کو کہا جاتا ہے کہ "فلاں چیز کا پانی" ان کی کثرت، اُن اشیاء کے اکثر ہونے کے منافی نہیں جن کے نام نئے پڑ گئے ہوں اور یہ بلاشبہ معلوم ہیں، اور جواب کی بابت اول تو یہ ہے کہ جھگڑے کا حاصل یہ ہے

[1] اقول من العجب عد الخبز من المياه المقيدة۔ (م)

میں کہتا ہوں بڑے تعجب کی بات ہے کہ روٹی کو مقید پانیوں میں شمار کیا ہے۔ (ت)

[2] ای فيلحق ماء الزعفران بالماء المطلق وماء الباقلاء لتبين حالہ بالمقيد وان لم يتجدد له ايضا اسم اذ لا تدعی ان كل لا متجدد مطلق ۱۲ منہ غفرلہ۔

یعنی زعفران کے پانی کو مطلق پانی اور باقلی کے پانی سے ملحق کیا جائیگا تاکہ اس کا حال مقید سے جدا ہوجائے، اگرچہ اس کا بھی کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے کیونکہ ہمارا یہ دعوٰی نہیں ہے کہ ہر وُہ پانی جس کا نیا نام نہ ہو وہ مطلق ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] حاشیہ سعدی چلپی مع الفتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳
[2] ایضاً ۱/۶۴

تعالٰی عنہ استدل علی کونہ ماء مقیدا بانہ
یقال لہ ماء الزعفران فاحتاج الی التقیید
وکل ما احتاج الی التقیید مقید واجاب
عنہ الشیخ قدس سرہ بمنع ومعارضۃ
اما المنع فقولہ واضافتہ الی الزعفران
الخ ای لانسلم ان کل اضافۃ للاحتیاج بل
ربما یکون لتعریف شیئ وراء الذات کماء
البئر والعین واما المعارضۃ فقولہ ان اسم
الماء باق الخ فاستدل علی الاطلاق ببقاء اسم الماء
المطلق وعلی بقائہ بانہ لم یتجدد لہ اسم فلا بد من ضم
الکلیۃ القائلۃ ان کل ما لم یتجدد لہ اسم
فاسم المطلق باق علیہ فنقض المعترض
الکلیۃ بماء الباقلاء ونحوہ ولایمسہ الجواب
بالاکثریۃ لانتفاء التعدیۃ وثانیا اللازم
من قولہ الغالب فی المقید تجدد الاسم
اکثریۃ الاستلزام للتجدد من جھۃ التقیید
ای اکثر المقیدات متجددات والنافع لہ عہ
اکثریۃ الاستلزام للاطلاق من جھۃ عدم
التجدد ای اکثر ما لم یتجدد لہ اسم فھو
مطلق لیلحق ھذا الذی لم یتجدد لہ اسم
بالاکثر الاغلب لکن لایلزم ھذا من ذلک
بل یمکن ان یکون اکثر ما تقید تجدد

کہ امام شافعی نے اس کے مقید پانی ہونے پر اس طرح
استدلال کیا ہے کہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے تو
اس میں قید کی ضرورت ہوئی اور ہر وہ چیز جس میں قید کی
ضرورت ہو مقید ہوتی ہے تو اس کا جواب شیخ قدس سرہ
نے منع اور معارضہ کے ساتھ دیا ہے۔ منع تو اس
اعتبار سے، پس ان کا قول واضافتہ الی الزعفران الخ
یعنی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہر اضافت احتیاج کے لیے
ہے، بلکہ اضافت کبھی کسی شے کی تعریف کے لیے
ہوتی ہے، ذات کے علاوہ جیسے کنویں کا پانی چشمے کا
پانی، باقی رہا معارضہ تو ان کا قول ان اسم الماء باق
الخ تو انھوں نے اطلاق پر مطلق پانی کے نام کے باقی
ہونے سے استدلال کیا ہے اور اس کے باقی رہنے پر
اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس کا کوئی نیا نام نہیں
پڑا ہے، تو اس میں یہ قاعدہ کلیہ ملانے کی ضرورت ہے
کہ ہر وہ پانی جس کا نیا نام نہ پڑا ہو تو مطلق کا نام اس
پر باقی ہے تو معترض نے اس کلیہ پر نقض وارد کیا ہے باقلی
وغیرہ کے پانی سے، اور اکثریت والے جواب کا اس سے
تعلق نہیں ہے کیونکہ اس میں "تعدیہ" نہیں پایا جاتا ہے،
اور ثانیا، لازم ان کے قول "مقید میں غالب نام کا تجدد
ہے" سے تجدد من جھۃ التقیید کے استلزام
کی اکثریت ہے، یعنی اکثر مقیدات، متجدد ہیں حالانکہ
ان کے حق میں نفع بخش اطلاق من جھۃ عدم التجدد کے

عہ: ای فی توجیہ کلام الامام المصنف قدس سرہ لجعل ماء الزعفران من المیاہ المطلقۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

یعنی مصنف کے کلام کی توجیہ میں، زعفران کے پانی کو مطلق پانیوں میں شمار کرنے کے لیے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ولا یکون اکثر مالم یتجدد لم یتقید فان القضیۃ الاکثریۃ لایجب ان تنعکس بعکس النقیض کنفسہا لجواز ان تکون افراد مالم یتجدد لہ اسم اقل بکثیر من افراد المقید ویکون اکثرھا داخلا فی المقید فیکون اکثر افراد المقید متجددا او اکثر افراد اللامتجدد مقیدا مثلا یکون المقید من المیاہ الفا قد تجدد الاسم لثمانمائۃ منہا دون مائتین ومالم یتجدد لہ الاسم من المیاہ سواء کان مطلقا او مقیدا ثلثمائۃ مائۃ منہا من الماء المطلق والباقی من المقید فیصدق ان اکثر المقید متجدد ولا یصدق ان اکثر اللامتجدد لامقید بل اکثرہ مقید کما علمت۔

استلزام کی اکثریت ہے، یعنی اکثر وہ کہ جن کا کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے تو وہ مطلق ہے تاکہ یہ جس کا نام نیا نہیں ہے اس کو اکثر و اغلب سے لاحق کیا جاسکے، لیکن یہ اُس سے لازم نہیں آتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ جو چیزیں مقید ہیں ان میں سے اکثر کا نیا نام ہوگیا ہو اور اکثر وہ چیزیں جن کا نیا نام نہ ہو مقید نہ ہوئی ہوں، کیونکہ جو قضیہ اکثریہ ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اس کا عکس نقیض اس کے مساوی ہو، اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ جن کا نام نیا نہیں ہے ان کے افراد مقید کے افراد سے بہت ہی کم ہوں اور ان کے اکثر مقید میں داخل ہوں تو مقید کے اکثر افراد نئے نام والے ہوجائیں گے اور لامتجدد کے اکثر افراد مقید ہوجائیں گے، مثلاً وہ مقید پانی جس کے لیے ہزار نام ہو، ان میں سے آٹھ سو افراد کا نام بدل گیا ہو، دو سو کا نہ بدلا ہو، اور جن پانیوں کا نام نہ بدلا ہو خواہ وہ مطلق ہوں یا مقید تین سو ہوں، سو ان میں سے مطلق پانی کے اور باقی دو سو مقید پانی کے ہوں تو اب یہ قضیہ تو صادق ہے کہ اکثر مقید متجدد ہے اور یہ صادق نہیں کہ اکثر لامتجدد لامقید ہے، بلکہ اس کا اکثر مقید ہے، جیسا کہ آپ نے جانا۔ (ت)

فان قلت بل نقررہ ھکذا لوکان ھذا المقید التجدد لہ اسم بالنظر الی الغالب لکن لم یتجدد لہ اسم فلیس بمقید ظنا والظن یکفی لانہ مشتبہ الحال فیحال علی الغالب والغالب فی المقید التجدد فانتفاء اللازم الاکثری یدل علی انتفاء الملزوم ظنا کما ان انتفاء اللازم الکلی یدل علی انتفاء الملزوم قطعا وحاصلہ

اگر کہا جائے کہ ہم اس کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ اگر یہ مقید ہوتا تو اس کا کوئی نیا نام ہوتا، غالباً ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس کا نیا نام نہیں ہوا اس لیے وہ ظنی اعتبار سے مقید نہیں اور اس میں ظن کافی ہے کیونکہ اس کا حال مشتبہ ہے تو اس کا دارومدار غالب پر رکھا جائے گا اور غالب مقید میں تجدد ہے، تو لازم اکثری کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر ظنی طور پر

التمسك بغلبة التجدد فی المقید من دون حاجۃ الی غلبۃ الاطلاق فی اللامتجدد۔

دلالت کرتا ہے، جیسا کہ لازم کلی کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر قطعاً دلالت کرتا ہے، اور اس کا حاصل مقید میں غلبہ تجدد سے استدلال ہے، اور لامتجدد میں غلبۂ اطلاق کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

اقول انما یظن ما ھو اکثر والاکثریۃ فی استلزام وجود ا لوجود ب لاتستلزم اکثریۃ استلزام انتفاء ب لانتفاء ا ففی مثلہ انما یظن بوجود اللازم عند تحقق الملزوم لا بانتفاء الملزوم عند انتفاء اللازم۔

میں کہتا ہوں جو اکثر ہو اسی کا ظن ہوتا ہے ا کے وجود کی اکثریت کا ب کے وجود کی اکثریت کو مستلزم ہونا ا کے انتفاء کی وجہ سے ب کے انتفاء کے استلزام کی اکثریت کو مستلزم نہیں تو اس جیسی صورت میں ملزوم کے وجود کے تحقق کے وقت لازم کے وجود کا ظن ہوتا ہے نہ کہ انتفاء ملزوم بوقت انتفاء لازم کے۔ (ت)

وثالثا ما الفارق بین ماء الباقلاء وماء الزعفران حتی کان ھذا مشتبھا فالحق بالغالب وذاک متعینا فلم یلحق واما السؤال[ع] فلان ماء الباقلاء اسم جدید

ثالثاً، کیا فرق ہے باقلی کے پانی اور زعفران کے پانی میں، کہ اس کو مشتبہ قرار دیا جائے، اور غالب سے لاحق کیا جائے اور وہ متعین ہے تو لاحق نہ کیا جائے گا باقی رہا سوال تو باقلاء کا پانی نیا نام ہے، پانی کے نام

ع ثم رأیت اجاب عنہ فی البنایۃ بان المضاف ھھنا خارج من المضاف الیہ بالعلاج فلا یجوز وان لم یتجدد لہ اسم اھ

اقول تسلیمہ عدم تجدد الاسم قد عرفت ما فیہ وما قالہ مبنی علی ما ذکرہ فی تعریف اضافۃ التقیید وسیأتی ما فیہ بعونہ تعالی وعلی کل فقد سلم ان التعریف بتجدد الاسم غیر جامع ثم قال وقال تاج الشریعۃ الدلیل یقتضی الجواز ولکن الطبخ والخلط یثبتان نقصانا فی کونہ

پھر میں نے دیکھا انہوں نے بنایہ میں اس کا جواب دیا کہ یہاں مضاف، مضاف الیہ سے خارج ہے علاج کی وجہ سے تو جائز نہیں اگرچہ اس کا نیا نام نہ ہو اھ

میں کہتا ہوں نام کے نیا نہ ہونے کا تسلیم کرنا، اس پر جو اعتراض ہے وہ آپ نے جان لیا، اور جو انہوں نے کہا ہے وہ اس چیز پر مبنی ہے جس کو انہوں نے اضافت تقیید کی تعریف میں ذکر کیا ہے، اور یہ عنقریب آئے گا اور بہرحال یہ تعریف کہ نام نیا ہو جائے جامع نہیں اس کو انہوں نے تسلیم کیا ہے پھر کہا کہ تاج الشریعۃ نے فرمایا دلیل جواز کا تقاضا کرتی ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

غیر اسم الماء وکون اسم الماء جزءً منہ لاینافی الجدۃ الا تری انہ لایصلح ان یقال لہ ماء لکونہ ثخینا والماء رقیق بخلاف ماء الزعفران فان المراد بہ مالم یثخن وھذا بالوفاق بل مالم یصلح للصبغ وھذا عند التحقیق کما تقدم فی ۱۲۰ ھذا ما ظھر لی ثم رأیت المحقق ابن امیر الحاج اشار الیہ فی الحلیۃ اذ قال ذات ماء الورد مثلا لاتعرف من مجرد قول القائل ماء حتی یضیفہ الی الورد ولھذا کانت الاضافۃ لازمۃ لکونہا اضافۃ الی مالابد منہ وبواسطۃ ھذا اللزوم حدث لہ اسم آخر علٰحدۃ فلا تسوغ تسمیتہ ماء علی الاطلاق الا علی سبیل المجاز اھ واللہ الموفق لارب سواہ۔

کا غیر ہے اور پانی کا اس کے نام کا جزء ہونا جدت کے منافی نہیں، اس لیے اس کو پانی نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ وُہ گاڑھا ہے اور پانی پتلا ہوتا ہے بخلاف زعفران کے پانی کے، کیونکہ اس سے مراد وہ ہے جو گاڑھا نہ ہوا ہو، اور یہ اتفاقی ہے، بلکہ جب تک رنگنے کے لائق نہ ہو، اور یہ تحقیق کی بنا پر ہے جیسا کہ پانی کی تقسیم ۱۲۰ میں گزرا یہ مجھ پر ظاہر ہوا پھر میں نے محقق ابن امیر الحاج کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی طرف حلیہ میں اشارہ فرمایا، وہ فرماتے ہیں گلاب کے پانی کی ذات مثلاً کسی قائل کے صرف اس قول سے معلوم نہیں ہوتی ہے کہ "پانی" جب تک کہ وُہ اسے گلاب کی طرف مضاف نہ کرے، اس لیے اضافت لازم ہوتی کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت ہے جس کی طرف اضافت ضروری ہے اور اس لزوم کے واسطہ سے اس کا الگ نام پڑ گیا، تو اس کو مطلقاً پانی کہنا درست نہ ہوگا ہاں مجازاً کہا جاسکتا ہے اھ واللہ الموفق (ت)

ثم اقول ان تحقق ان من المیاہ[علہ]

پھر میں کہتا ہوں اگر یہ ثابت ہوجائے کہ بعض مقید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مانعا اھ۔

اقول ھذا یوافق ما ذکر الحقیر حیث اشار الی ان المنع لاجل الثخن ۱۲ منہ غفرلہ (م)

لیکن پکانا اور رل جانا پانی کے مانع ہونے میں خلل پیدا کرتے ہیں اھ

میں کہتا ہوں یہ اس کے مطابق ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ منع گاڑھے ہونے کی وجہ سے ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[علہ] قالہ لانہ یتصور علی قول محمد اما علی قول ابی یوسف الصحیح علی ما یأتی

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی ہے کہ یہ محمد کے قول پر متصور ہے لیکن ابو یوسف کے قول پر جیسا کہ ہم

(باقی برصفحہ آئندہ)

المقيدة ما لايتجدد له اسم فی العرف لعدم
تعلق الغرض به مثلا انما یزول عنه اسم الماء
المطلق کان ذلك نقضا علی المنع کما کان
الحمیم نقضا علی الجمع ویکون هذا اظهر
ورودا علی الفتح اذ قال فیه فی بیان التقیید
هو بان یحدث له اسم علیحدة ولزوم التقیید
یندرج فیه وانما یکون ذلك اذا کان الماء
مغلوبا اذ فی اطلاقه علی المجموع حینئذ
اعتبار الغالب عدما وهو عکس الثابت لغة
وعرفا وشرعا اھ۔

اقول انما الثابت به انه کلما تجدد
الاسم کان الماء مغلوبا اما فی جهت العکس
فانما ثبت انه کلما کان الماء مغلوبا لم یصح
اطلاق الماء المطلق علیه لا انه یحدث له
اسم برأسه ولابد فحصر التقیید فی حدوث
الاسم محل نظر واللہ تعالٰی اعلم۔

پانی ایسے ہیں جن کے لیے کوئی نیا نام عرف میں مقرر نہیں
ہوا ہے، کیونکہ اس سے کوئی غرض متعلق نہیں، مثال
کے طور پر، اس سے مطلق پانی کا نام زائل ہوگا تو یہ نقض
ہوگا منع پر، جیسا کہ حمیم نقض ہوگا جمع پر، اور یہ فتح پر ورود
زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ انہوں نے بیانِ تقیید میں فرمایا،
تقیید یہ ہے کہ اس کا نیا نام پڑ جائے، اور لزوم تقیید اسی
میں شامل ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ پانی مغلوب
ہو کیونکہ اس کے مجموعہ پر اطلاق ہونے میں اس وقت
غالب کا اعتبار ہوگا عدمی طور پر اور یہ لغت سے ثابت شدہ
کا اور عرف وشرع سے ثابت شدہ کا برعکس ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے
کہ جب بھی اس کا نیا نام ہوگا تو پانی مغلوب ہوگا اور اس
کے عکس میں یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ جب بھی پانی مغلوب
ہوگا تو اس پر مطلق پانی کا اطلاق صحیح نہ ہوگا یہ نہیں کہ
اُس کے لیے کوئی نیا نام وضع کرلیا جائے گا، اور یہ
ضروری ہے، تو تقیید کو نئے نام پڑ جانے میں منحصر کردینا
محلِ نظر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من العبد الضعیف تحقیقه ان شاء اللہ تعالٰی
بعد تمام سرد التعریفات فلا ینتقید الا اذا
صلح المقصود اٰخر فحم یسمی باسم مایقصد
به ذلك المقصود تامل ۱۲ منه غفرله۔ (م)

تحقیق سے پیش کریں گے، تو یہ مقید نہ ہوگا مگر جبکہ مقصود
آخر کے لیے صالح ہو، تو اس وقت اس کا نام وہی
ہوگا جو اُس کا مقصود ہے، غور کرو ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ع فان حصر التقیید فی حدوث الاسم فی
الفتح منطوق وعن الهدایة مفهوم ۱۲
منه غفرله۔ (م)

فتح میں تقیید کا نام کے نئے ہونے میں منحصر ہونا منطوق
ہے، اور ہدایہ سے مفہوم ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ششم مطلق وہ[عـہ] ہے جسے دیکھنے والا دیکھ کر پانی کہے خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے:

المطلق ما اذا نظر الناظر الیہ سماہ ماء علی الاطلاق[۱] اھ اقول رب ماء لایدرک البصر تقییدہ ولا اطلاقہ کالمخلوط بمائع موافق فی اللون یتوقف الامر فیہ علی غلبۃ الطعم او الاجزاء وما القی فیہ تمر اوزبیب یتوقف علی صیرورتہ نبیذا او لا یضر مجرد اللون وما خلط بعصفر اوزعفران یتوقف علی صلوحہ للصبغ وشیئ من ذلک لایدرک بالبصر فلا یصح جمعا ولا منعا۔

مطلق وُہ ہے کہ جب دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس کو مطلق پانی کا نام دے اھ میں کہتا ہوں بہت سے پانی ایسے ہیں کہ نگاہ سے نہ توان کا مقید ہونا معلوم ہوتا ہے اور نہ مطلق ہونا جیسے وُہ پانی جو کسی سیال میں مخلوط ہو اور دونوں ہم رنگ ہوں، اس میں دار و مدار مزے اور اجزاء کے غلبہ پر ہوگا، اور جس میں کھجور اور منقیٰ ڈالا جائے اس میں دارومدار اس کے نبیذ ہونے پر ہوگا محض رنگ مضر نہیں، اور جو عصفر اور زعفران میں ملایا جائے تو اس میں یہ دیکھا جائیگا کہ آیا اس سے کوئی دوسری چیز رنگی جاسکتی ہے یا نہیں، اور ان میں سے کوئی چیز آنکھ سے معلوم نہیں ہوسکتی، تو یہ جمع و منع کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ (ت)

ہفتم مطلق وہ ہے جسے بے کسی قید کے بڑھائے پانی کہہ سکیں فتح القدیر میں ہے:

الخلاف فی ماء خالطہ زعفران ونحوہ مبنی علی انہ تقیید بذلک اولا فقال الشافعی وغیرہ تقیید لانہ یقال ماء الزعفران ونحن لاننکر انہ یقال ذلک ولکن لایمتنع مع ذلک مادام المخالط مغلوبا ان یقول القائل فیہ ھذا ماء من غیر زیادۃ[۲] اھ۔

جس پانی میں زعفران یا اسی کے مثل کوئی چیز مل جائے اس میں اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ وہ اس کے ساتھ مقید ہوا یا نہیں، امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں مقید ہوگیا، کیونکہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے اور ہم اس کے منکر نہیں کہ اس کو ماء زعفران کہا جاتا ہے، لیکن جب تک مخلوط پانی ہونے والی چیز پانی سے مغلوب ہو یہی کہا جائیگا کہ یہ پانی ہے، اس میں کچھ اضافہ نہیں اھ (ت)

عـہ ویشیر الیہ قول البنایۃ فی ماتغیر بالطبخ لان الناظر لو نظر الیہ لایسمیہ ماء مطلقا اھ ۱۲ منہ غفر لہ (م)

بنایہ کا قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے بارہ میں جو پکانے سے متغیر ہوجائے کیونکہ اگر دیکھنے والا اس کی طرف دیکھے تو اسے مطلق پانی نہیں کہے گا اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[۱] خزانۃ المفتین

[۲] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۳

اقول لاشك ان الماء المقيد قسم من الماء وحمل المقسم على القسم لايمتنع ابدا واين عدم التقييد من التقييد بعدم التقييد والكلام فی هذا لا ذاك **والجواب** انه ماء لغة لاعرفا لصحة النفی تقول ليس ماء بل صبغ والكلام فی العرف۔

میں کہتا ہوں مقید پانی، پانی ہی کی ایک قسم ہے اور مقسم کو قسم پر حمل کرنا ہرگز ممنوع نہیں اور عدم تقیید کو تقیید بعدم التقیید سے کیا نسبت ؟ اور گفتگو اس میں ہے نہ کہ اُس میں۔ اور جواب یہ ہے کہ وہ لغۃً پانی ہے نہ کہ عرفاً، کیونکہ نفی صحیح ہے، آپ کہہ سکتے ہیں یہ پانی نہیں ہے بلکہ رنگ ہے اور کلام کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے۔ (ت)

ہشتم مطلق وُہ ہے جس سے پانی کی نفی نہ ہو سکے یعنی نہ کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں۔

اقول وهذا معنی سابقه غیران صحة الاطلاق وامتناع النفی قد یتفارقان فیما کان ذا جهتین یصح فیه الحمل من وجه والسلب من وجه اٰخر

میں کہتا ہوں یہ گزشتہ معنی ہیں، البتہ صحتِ اطلاق اور امتناعِ نفی، جب دو جہت والے ہوں تو کبھی ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں من وجہ حمل اور من وجہ سلب صحیح ہوتا ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے :

اضافة الی الزعفران للتعریف بخلاف ماء البطیخ ولهذا ینفی اسم الماء عنه ولا یجوز نفیه عن الاول[1] اھ

پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کے لیے ہے بخلاف "ماء البطیخ" کے، اس لیے اس سے پانی کے نام کی نفی کی جاتی ہے اور پہلے سے اس کی نفی جائز نہیں ہے[1]۔ (ت)

اقول ان ارید نفی الماء المطلق دار ومطلق الماء فلا یجوز نفی المقسم عن القسم قط والماء الذی یخرج من البطیخ لیس من جنس الماء فالحق انه لیس ماء مقیدا بل خارج من مطلقه کالادهان والجواب الجواب۔

میں کہتا ہوں اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا یا مطلقِ ماء کی نفی کی جائے تو مقسم کی نفی قسم سے قطعاً جائز نہیں اور وہ پانی جو بطیخ سے نکلتا ہے جنس ماء سے نہیں ہے تو حق یہ ہے کہ وہ مقید پانی نہیں ہے بلکہ مطلق ماء سے خارج ہے جیسے تیل والجواب الجواب۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

ف ہم مطلق وہ جس سے پانی کا نام زائل نہ ہو،

وھو معنی سابقہ واشیر الیہ فی کثیر من الکتب ففی التبیین زوال اسم الماء عنہ ھو المعتبر فی الباب[1] اھ وفی الھدایۃ والکافی الا ان یغلب ذلک علی الماء فیصیر کالسویق لزوال اسم الماء عنہ[2] اھ وفی المنیۃ عن شرح القدوری للاقطع اذا اختلط الطاھر بالماء ولم یزل اسم الماء عنہ فھو طاھر وطھور[3] اھ۔

یہ اس کے سابقہ معنے ہیں، اس کی طرف بہت سی کتب میں اشارہ کیا گیا ہے، تبیین میں ہے اس سے پانی کے نام کا زائل ہونا ہی معتبر ہے اھ اور ہدایہ اور کافی میں ہے مگر یہ کہ وہ پانی پر غالب ہو تو ستو کی طرح ہوجائے، کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا اھ اور منیہ میں ابو نصر اقطع کی شرح قدوری سے ہے کہ جب پاک چیز پانی میں مل جائے اور اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو تو وہ طاہر بھی ہے طہور بھی ہے اھ (ت)

اقول ھذا حق فی نفسہ لکن لا یصلح تعریفا اذلو ارید بالماء الماء المطلق دار والافلا زوال عن المقید ایضا اصلا کما علمت مع جوابہ فسرہ فی الغنیۃ مرۃ بالسادس اذقال تحت قول الماتن اذا لم یزل عنہ اسم الماء مانصہ بحیث لو رأہ الرائی یطلق علیہ اسم الماء[4] اھ

میں کہتا ہوں یہ فی نفسہ حق ہے لیکن یہ تعریف نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اگر پانی سے مطلق پانی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا ورنہ مقید سے بھی زوال نہ ہوگا جیسا کہ آپ نے مع جواب کے جانا، اور اس کی تفسیر غنیہ میں ایک جگہ "چھٹے" سے کی کیونکہ انہوں نے ماتن کے قول کہ جب اس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا کے تحت فرمایا کہ اگر دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس پر پانی کا نام بولے اھ (ت)

اقول وقد علمت فسادہ ومرۃ زاد فیہ الخامس اذقال تحت قول الاقطع ولم یتجدد لہ اسم اٰخر بان سمی شرابا

میں کہتا ہوں اس کا فساد آپ کو معلوم ہوچکا ہے اور کبھی اس میں پانچویں کو زیادہ کیا کیونکہ انہوں نے اقطع کے قول کے تحت فرمایا اس کا کوئی نیا نام نہیں

---

[1] تبیین الحقائق | کتاب الطہارت | مطبعۃ الامیریہ مصر | ۱/۱۹
[2] ہدایۃ | الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ | مطبعہ عربیہ کراچی | ۱/۱۸
[3] منیۃ المصلی | فی المیاہ | مطبع یوسفی لکھنؤ | ص ۶۴
[4] غنیۃ المستملی | " | سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۹۰

او نبیذ او نحو ذلك اھ[1] اقول ان عطفه تفسیر افموقوف علی ثبوت ان کل ما ازال عنه اسم الماء وجب ان یوضع بازائه اسم اٰخر او ان اراد الزیادة کان المعنی ان الاطلاق یتوقف علی اجتماع العدمین فان وجد احدھما کأن ازال عنه اسم الماء ولم یتجدد اسم اٰخر او تجدد اسم اٰخر ولم یزل اسم الماء کان مقیدا وھذا الثانی باطل کما فی الحمیم۔

پڑا مثلاً یہ کہ شربت یا نبیذ وغیرہ کہا جائے اھ میں کہتا ہُوں اسکا عطف تفسیری ہے اور اس امر پر موقوف ہے کہ ہر وُہ چیز جس سے پانی کا نام زائل ہوا ہو لازم ہے کہ اُس کے بالمقابل کوئی اور نام وضع کیا جائے اور اگر زیادتی کا ارادہ کیا تو معنی یہ ہوں گے کہ اطلاق موقوف ہے دو عدموں کے اجتماع پر تو اگر ان میں سے کوئی ایک پایا جائے مثلاً یہ کہ اس سے پانی کا نام زائل ہوجائے اور اس کا کوئی نیا نام نہ پڑے یا نیا نام پڑ جائے مگر پانی کا نام زائل نہ ہو تو مقید ہوجائیگا اور یہ دوسری شق باطل ہے جیسا کہ گرم پانی میں۔ (ت)

دهم مطلق وُہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن سبقت کرے بشرطیکہ اُس کا کوئی اور نام نہ پیدا ہوا ہو اور جس کی طرف لفظ آب سے ذہن سبقت نہ کرے یا اس کا کوئی نیا نام ہو وُہ مقید ہے حلیہ میں ہے:

الماء المطلق فیه عبارات من احسنها ما یتبادر افهام الناس الیه عند اطلاق الماء ما لم یحدث له اسم علی حدة والماء المقید ما لا تتسارع الیه افهام الناس من اطلاق لفظ الماء او ما حدث له اسم علیحدة اھ[2]

اقول اولا ھذا اصلح من سابقه فی العکس فانه لا ینتقض منعا وان وجد مقید لم یحدث له اسم واقبل ایرادا منه فی الطرد فانه صرح بان تسارع الافهام

مطلق پانی کے متعلق کئی عبارتیں ہیں، سب سے عمدہ یہ ہے کہ مطلق پانی وُہ ہے کہ جب صرف پانی کہا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوجائیں، جب تک کہ اس کا کوئی نیا نام نہ پڑے اور مقید پانی وہ ہے کہ جب صرف پانی کا لفظ بولا جائے تو ذہن اس کی طرف نہ جائے یا وہ کہ جس کا کوئی نیا نام ہوا ھ (ت)

میں کہتا ہُوں اوّلاً مانعیت کے اعتبار سے یہ تعریف پہلی سے بہتر ہے کیونکہ اس پر ایسے مقید پانی کا اعتراض نہ ہوگا جس کو ابھی نیا نام نہیں دیا گیا اور جامعیت کے اعتبار سے یہ پہلی سے زیادہ قابلِ اعتراض ہے اگر اسکا نیا نام پڑ جائے تو ذہنوں کا اسکی طرف سبقت رکھنا کچھ مفید نہ ہوگا، اور ثانیاً اس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ شرط فضول اور بے محل ہے کیونکہ اس نام کا

---

[1] غنیة المستملی فی المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰
[2] حلیة

الیه لایجدی عند حدوث اسم اٰخر وثانیا[1] مع قطع النظر عنه لاشك ان هذا الشرط ضائع لامحل له اصلا فان حدوث الاسم الذی یکون فی المقید لاامکان لاجتماعه مع تسارع الافہام الیه عند الاطلاق۔

پیدا ہونا جو مقید میں ہے اُس کا، اُس کے ساتھ مجتمع ہونے کا کوئی امکان نہیں، حالانکہ اذہان اُس کی طرف عندالاطلاق سبقت کرتے ہیں۔ (ت)

یازدھم مطلق وُہ ہے جس کی طرف نام آب سے ذہن سبقت کرے اور اس میں نہ کوئی نجاست ہو اور نہ اور کوئی بات مانع جواز نماز یہ قیدیں بحر میں اضافہ کیں تاکہ آبِ نجس ومستعمل کو خارج کردیں۔

اقول ولواکتفی بالاٰخر لکفی ونصه المطلق مایسبق الی الافہام بمطلق قولنا ماء ولم یقم به خبث ولامعنی یمنع جواز الصلاۃ قال فخرج الماء المقید والمتنجس والمستعمل[1] اھ

میں کہتا ہوں اگر وُہ آخر پر اکتفاء کرتے تو کافی ہوتا اور اُس کی عبارت یہ ہے کہ مطلق وہ ہے جس کی طرف اذہان مطلق ماء کے بولنے سے منتقل ہوجاتے ہیں، اور وہ پانی ہے جس میں کوئی ناپاکی نہ ہو اور نہ ایسا کوئی وصف ہو جو جوازِ صلوٰۃ کے منافی ہو تو اس قید سے مقید، متنجس اور مستعمل پانی خارج ہوگیا اھ (ت)

اقول ھل[1] المستعمل واخوہ داخلان فیما یسبق الیه الذھن باطلاق الماء ام لاعلی الثانی ضاع القیدان وسقط تفریع خروجھما علی زیادۃ القیدین وعلی الاول لاشك[2] انھما من الماء المطلق اذ لانعنی بالمطلق الا ھذا وعلیه اقتصر الائمة قبله بل[3] ھو نفسه فیما بعد ذلك بورقة اذ قال لانعنی بالمطلق الا مایتبادر عند اطلاق اسم الماء[2] اھ وھذہ

میں کہتا ہوں کیا مستعمل اور اس کا مثل پانی اُس پانی میں داخل ہیں جن کی طرف لفظِ ماء بولتے ہی ذہن فوری طور پر منتقل ہوجاتا ہے یا نہیں، دوسری صورت میں دونوں قیدیں ضائع ہوجائیں گی، اور دو قیدوں کی زیادتی پر ان دونوں کے خروج کی تفریع ساقط ہوجائے گی، اور بر تقدیر اول اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں مطلق پانی سے ہیں کیونکہ مطلق سے یہی مراد ہے اور اُن سے قبل ائمہ نے اسی پر اکتفاء کیا

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

[2] ″ ″ ″ ۱/۶۸

مناقضۃ[ف۱] بل فی نفس الکلام ایضا شوب منہا اذیقول فخرج المقید والمتنجس المستعمل ولذا قال ش ظاہرہ ان المتنجس والمستعمل غیر مقید مع انہ[ع۱] منہ لکن عند العالم بالنجاسۃ اوالاستعمال ولذا قید بعض العلماء التبادر بقولہ بالنسبۃ للعالم بحالہ اھ[۱]

بلکہ انہوں نے خود ہی ایک ورق بعد فرمایا ہماری مراد مطلق سے وُہ پانی ہے کہ جب پانی کا لفظ بولا جائے تو اسی کی طرف ذہن متبادر ہو اھ اور یہ مناقضہ ہے بلکہ نفس کلام میں اس کی ملاوٹ ہے، وہ فرماتے ہیں تو مقید، متنجس اور مستعمل اس سے نکل گئے اور اس لیے "ش" نے فرمایا کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ متنجس اور مستعمل غیر مقید ہے حالانکہ یہ مقید سے ہے، مگر اس کے نزدیک جس کو نجاست یا استعمال کا علم ہو، اس لیے بعض علمائے تبادر میں بالنسبۃ للعالم بحالہ کی قید بڑھائی ہے۔ (ت)

اقول[ف۲] رحمک اللہ اذا کان ہذا عارضا خفیا لایظہر لمن لم یعلم بحالہ الا بالاخبار من خارج ظہر ان الماء فیہما باق علی صرافۃ مائیتہ لم یعرضہ مایخرجہ عنہا والا لظہر لمن نظر ومیز فان الانسان فی معرفۃ الماء من غیرہ لایحتاج الی تعلیم من خارج فکیف یکون مقیدا وبالجملۃ ہذا شیئ تفرد بہ البحر لم ارہ[ع۲] لغیرہ وتبعہ[ع۳] علیہ ش وکذا محشی الدر عبدالحلیم

میں کہتا ہُوں جب یہ چیز ایسی مخفی ہے کہ صرف واقف حال ہی جان سکتا ہے یا خارج سے اطلاع پر معلوم ہوسکتی ہے تو یہ ظاہر ہوا کہ پانی اُن دونوں میں اپنے اطلاق پر باقی ہے اس کو کوئی ایسی چیز عارض نہ ہوئی جو اس کو پانی ہونے سے خارج کردے ورنہ ہر صاحب نظر کو ظاہر ہوجاتا، کیونکہ پانی کے بارے میں جاننے کے لیے انسان کو باہر سے جاننے کی ضرورت نہیں، تو یہ کیسے مقید ہوگا، خلاصہ یہ کہ یہ ایسی چیز ہے جس میں بحر منفرد ہیں میں نے اور کسی کے کلام میں اس کو

ع۱: ای المذکور او کل منہما ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

یعنی مذکور یا ان دونوں میں سے ہر ایک۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ع۲: ثم رأیت السید الشریف العلامۃ رحمہ اللہ تعالٰی سبقہ الیہ فی التعریفات کما سیأتی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پھر میں نے دیکھا کہ سید شریف نے التعریفات میں بھی یہی لکھا ہے، جیسا کہ آئے گا، ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ع۳: وکذا تلمیذہ شیخ الاسلام الغزی فی المنح واقرہ علیہ ط فصارو اسبعۃ

اور اسی طرح اُن کے شاگرد شیخ الاسلام غزی نے منح میں ذکر کیا اور اس کو ط نے برقرار رکھا تو سات

(باقی برصفحہ آیندہ)

---

[۱] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

والخادمی وذلك حین قول الدرر زوال اطلاقه اما بکمال الامتزاج او بغلبة الممتزج

نہیں دیکھا اور انکی متابعت ش نے کی اسی طرح درر کے محشی عبدالحلیم اور خادمی نے کی، صاحبِ درر فرماتے ہیں اس کے اطلاق کا زوال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

السید و البحر والغزی وعبد الحلیم والخادمی وط و ش رحمه الله تعالٰی علیهم وعلینا اجمعین قال العلامة ط علی قول الدرر هو ما یتبادر عند الاطلاق ای یبدر للذهن فهمه بمجرد سماعه مطلقا وهو بمعنی قول المنح هو الباقی علی اوصاف خلقته ولم یخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ اھ ولفظ السید فی التعریفات هو الماء الذی بقی علی اصل خلقته ولم تخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ طاهر اھ۔

اقول وهو احسن مما فی المنح بوجهین احدهما انه قید الشیئ بالطاهر فلم یصر قوله لم تخالطه نجاسة مستدرکا بخلاف عبارة المنح فان ما خالطه نجاسة فقد غلبه شیئ والاٰخر انه اتی بالاصل مکان الاوصاف فلا یرد علیه الجمد بخلاف المنح فان الماء بانجماده لا یتغیر اللون ولا طعم ولا رائحة وهی المتبادرة من ذکر الاوصاف والمعتبر فی التعریف هو التبادر وظاهر انه لم یخالطه نجس ولا

ہوگئے، سید، بحر، غزی، عبدالحلیم، خادمی، ط اور ش رحمہم اللہ تعالٰی علیہم وعلینا اجمعین، علامہ "ط" نے درر کے قول پر فرمایا، وہ عندالاطلاق متبادر ہوتا ہے، یعنی ذہن کی طرف فہم سبقت کرتا ہے محض سننے سے مطلقاً اور یہ منح کے قول "وہی باقی ہے اپنے خلقی اوصاف پر اور اس میں کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی شئے غالب نہیں ہوئی ہے اھ کے مطابق ہے" اور سید کے لفظ التعریفات میں یہ ہیں یہ وہی پانی ہے جو اپنی اصل خلقت پر باقی ہے اور اس کو کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی پاک شئے غالب نہیں ہوئی ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ منح کی عبارت سے دو طرح اچھا ہے ایک تو یہ کہ انہوں نے شئ کو طاہر سے مقید کیا تو ان کا قول "نہیں ملی اس سے نجاست" زائد نہ ہوگا بخلاف عبارتِ منح کے، کیونکہ جس میں نجاست ملی تو بلاشبہ اس پر کوئی چیز غالب ہوگئی، اور دوسرے یہ کہ وہ اصل کو لائے بجائے اوصاف کے تو ان پر جمد کے ذریعہ اعتراض وارد نہ ہوگا بخلاف منح کے کہ پانی منجمد ہونے کے باعث نہ تو رنگ کو بدلتا ہے اور نہ مزے اور بو کو اور اوصاف کے ذکر سے متبادر یہی ہے اور تعریف میں متبادر ہی معتبر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی نجس

(باقی اگلے صفحہ پر)

قالا علیہ اورد علی الحصر الماء المستعمل واجاب الاول بان کلام المصنف فی زوالہ باختلاط المحسوس[1] اھ۔

یا تو کمالِ امتزاج سے ہوگا یا ممتزج کے غلبہ سے ہوگا، اس پر ان دونوں نے اعتراض کیا ہے کہ حصر پر اعتراض مستعمل پانی سے کیا گیا ہے، اور پہلے نے جواب دیا کہ مصنف کا کلام اُس کے زوال میں ہے کسی محسوس چیز کے اختلاط کی وجہ سے اھ (ت)

اقول[1] کیف وقد ذکر المستقطر من النبات والثانی بان المقسم الماء الطاھر والمستعمل کالنجس فلا غبار[2] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ کیسے، حالانکہ انہوں نے گھاس سے ٹپکائے جانے والے کا ذکر کیا ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ مقسم پاک پانی ہے اور مستعمل نجس کی طرح ہے تو اس پر کوئی غبار نہیں اھ (ت)

اقول[2] قد علمت ان کلام الائمۃ یؤذن بدخول المتنجس فی المطلق فضلا عن المستعمل وکذلک کلام اھل الضابطۃ قبل البحر حیث لم یزیلوا الاطلاق الا بامرین ثم رأیت فی کلام ملک العلماء ما یدل علیہ صریحا اذ قال قدس سرہ اما شرائط ارکان الوضوء فمنھا ان یکون الوضوء بالماء ومنھا ان یکون بالماء المطلق ومنھا ان یکون الماء

میں کہتا ہوں کہ ائمہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناپاک مطلق میں داخل ہے چہ جائیکہ مستعمل، اور اسی طرح اہلِ ضابطہ کا کلام بحر سے پہلے، کیونکہ ان کے نزدیک اطلاق زوال صرف دو امروں سے ہے پھر میں نے ملک العلماء کے کلام میں اس کی صراحت پائی، وہ فرماتے ہیں بہرحال ارکانِ شرائطِ وضو، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وضو پانی سے ہو اور یہ کہ ماءِ مطلق سے ہو اور پانی پاک ہو تو نجس پانی سے جائز نہیں، ایک یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غلبہ شیئ الا ان یعمم الاوصاف الرقۃ والسیلان ولوان السید اسقط قولہ لم تخالطہ نجاسۃ لم یخالطہ نکارۃ وکان من احسن التعریفات الا ما فی معنی الغلبۃ من الخفاء کما لا یخفی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

اس سے ملا نہیں اور کوئی شیئ اس پر غالب نہ ہوئی، ہاں اگر اوصاف کو عام کرلیا جائے اور رقّت وسیلان کو اس میں شامل کرلیا جائے، اور اگر سید اپنا قول لم تخالطہ نجاسۃ ساقط کردیتے تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، اور یہ بہترین تعریف ہوتی، ہاں صرف غلبہ کے معنی میں کچھ پوشیدگی ہے، کما لا یخفی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] حاشیۃ الدرر علی الغرر لعبد الحلیم بحث الماء مکتبہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۸

[2] الحاشیۃ علی الدرر شرح الغرر لابی سعید الخادمی بحث الماء مکتبہ عثمانیہ بیروت ص ۲۱

طاھرا فلا یجوز بالماء النجس ومنھا ان یکون طھورا فلا یجوز بالماء المستعمل[1] اھ ملتقطا فھو صریح فی ان اشتراط اطلاق الماء لم یخرجھما حتی احتیج الی شرطین اٰخرین وکذلك کلام المنیة اذ یقول تجوز الطھارۃ بماء مطلق طاھر[2] اھ فافاد عموم المطلق للطاھر وغیرہ واستدرك علیه فی الحلیة بقوله کان الاولی ان یقول طھور مکان طاھر لان الطھارۃ لاتجوز بماء طاھر فقط[3] اھ فافاد عمومه المستعمل وقد صرح به فی الغنیة فقال لیسمی المتنجس ماء مطلقا فاحتاج الی الاحتراز عنه بقوله طاھر ولوکانت المجاورۃ تکسبه تقیید الماء احتیج بعد ذکر الاطلاق الی ذکر الطاھر[4] اھ والیه اشار فی البنایة اذ قال التوضی به جائز مادامت صفة الاطلاق باقیة ولم تخالطه نجاسة[5] اھ

کہ طہور ہو تو مستعمل پانی سے جائز نہیں اھ ملتقطاً، تو یہ اس میں صراحت ہے کہ مطلق پانی کی شرط نے ان دونوں کو خارج نہیں کیا، تاکہ دو دوسری شرطوں کی حاجت پڑے، اور یہی گفتگو منیہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ماءِ مطلق طاہر کے ساتھ طہارت جائز ہے اھ تو عموم مطلق نے طاہر اور غیر طاہر کا افادہ کیا اور حلیہ میں اس پر یہ استدراک کیا ہے، فرمایا بہتر یہ تھا کہ طہور کہتے بجائے طاہر کے، کیونکہ طہارت صرف طاہر پانی سے نہیں ہوتی ہے اھ تو انہوں نے اس کے مستعمل کو عام ہونے کا افادہ کیا اور غنیہ میں اس کی تصریح کی فرمایا ناپاک پانی کو مطلق پانی کہا جاتا ہے پھر ان کو اس سے احتراز کی حاجت ہوئی تو فرمایا طاہر ہو اور اگر مجاورۃ سے اس میں تقیید ہو جاتی تو اطلاق کے بعد طاہر کے ذکر کی ضرورت نہ ہوتی اھ اور بنایہ میں اسی طرف اشارہ کیا، فرمایا اس سے وضو جائز ہے جب تک اس میں صفت اطلاق باقی ہو اور اس میں نجاست نہ ملی ہو اھ۔ (ت)

اقول ولعل الحامل للبحر علیه

میں کہتا ہوں غالباً بحر کو یہ کہنے کی ضرورت اس لیے

---

[1] بدائع الصنائع — ارکان الوضو — سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۵
[2] منیۃ المصلی — فصل فی المیاہ — مطبع یوسفی لکھنؤ — ص ۶۱
[3] حلیہ
[4] غنیۃ المستملی — فصل فی بیان احکام المیاہ — سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۸۸
[5] بنایہ شرح ہدایہ — الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ — ملک سنز فیصل آباد — ۱/۱۸۷

قول بعضهم تجوز الطهارة بالماء المطلق ارسله ارسالا فلو شملهما اوهم جواز الطهارة بهما وليس بشیئ فان امثال القیود تطوی عادة للعلم بها فی محله الا تری ان الاکثرین لم یقیدوا بالاطلاق ایضا انما قالوا تجوز بماء السماء والاودیة الخ

پڑی کہ بعض فقہائے فرمایا مطلق پانی سے طہارۃ جائز ہے، اس کو انہوں نے مطلق رکھا، تو اگر یہ ان دونوں کو شامل ہوتا تو ان دونوں سے طہارت کے جواز کا وہم ہوتا، اور یہ کچھ نہیں، کیونکہ قیود کی مثالیں عام طور پر ذکر نہیں کی جاتی ہیں کہ ان کا علم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہائے اس کو اطلاق کی قید سے بھی مقید نہیں کیا ہے پس فرمایا ہے طہارت جائز ہے آسمان کے پانی سے وادیوں کے پانی سے الخ۔ (ت)

دوازدھم حلیہ و بحر کی قیدوں سے آزاد مطلق صرف وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن جاتا ہے ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

الماء المطلق هو الذی تتسارع افهام الناس الیه عند اطلاق اسم الماء کماء الانهار[1] والعیون والآبار والسماء والغدران والحیاض والبحار۔

مطلق پانی وہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہو جائیں، جیسے نہروں، چشموں، کنوؤں، بادلوں، تالابوں، حوضوں اور دریاؤں کا پانی۔ (ت)

پھر فرمایا:

واما المقید فهو ما لا تتسارع الیه الافهام عند اطلاق اسم الماء وهو الماء الذی یستخرج من الاشیاء بالعلاج کماء الاشجار والثمار وماء الورد ونحو ذلك[1] اھ

بہرحال مقید پانی وہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف سبقت نہ کرے، اور یہ وہ پانی ہے جو کسی عمل کے ذریعہ چیزوں سے نکالا جائے جیسے درختوں، پھلوں اور گلاب وغیرہ کا پانی اھ۔ (ت)

اقول والحصر المستفاد من قوله هو الماء الذی یستخرج غیر مراد قطعا و انما المعنی کالماء الذی فلیتنبه۔

میں کہتا ہوں وہ حصر جو ان کے کلام "یہ وہ پانی ہے جو نکالا جائے" میں ہے، مراد نہیں ہے قطعاً، اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ مثل اُس پانی کے، تو متنبہ رہنا چاہیے۔ (ت)

درمختار میں ہے: (یرفع الحدث بماء مطلق) هو ما یتبادر عند الاطلاق[2] (حدث کو رفع

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

کیا جائے مطلق پانی ہے، یہ وہ ہے جو اطلاق کے وقت متبادر ہو۔ت) بحر سے گزرا : لا نعنی بالمطلق الاما یتبادر عند اطلاق اسم الماء[1] (ہم مطلق سے وہی مراد لیتے ہیں جو ماء کا اطلاق کرتے وقت متبادر ہوتا ہے۔ت) کافی و بنایہ و مجمع الانہر میں ہے : المراد بہ ھھنا ما یسبق الی الافہام بمطلق قولنا الماء[2] (اس سے مراد یہاں وہ ہے جو ہمارے قول پانی کے اطلاق سے فوری سمجھا جائے۔ت) عنایہ و بنایہ میں ہے :

لا یجوز بماء اعتصر لانہ لیس بماء مطلق لانہ عند اطلاق الماء لاینطلق علیہ و تحقیق ذلک انا لو فرضنا فی بیت انسان ماء بئر او بحر او عین وماء اعتصر من شجر او ثمر فقیل لہ ھات ماء لایسبق الی ذھن المخاطب الا الاول ولا نعنی بالمطلق والمقید الا ھذا[3]۔

جو پانی نچوڑا جائے اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں کیونکہ جب ماء کا اطلاق کیا جائے تو اس کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا ہے اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ کسی شخص کے گھر میں پانی کا کنواں ہے یا دریا یا چشمہ ہے اور وہ پانی بھی ہے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہے، پھر ہم اس سے پانی مانگیں تو مخاطب کا ذہن پہلے پانی ہی طرف منتقل ہوگا اور مطلق و مقید سے یہی مراد ہے۔(ت)

اقول یہی اصح و احسن تعریفات ہے کما قال فی الحلیۃ لولا ما زاد (جیسا کہ حلیہ میں کہا ہے اگر وہ نہ ہوتا تو زیادتی نہ ہوتی۔ت) مگر محتاج توضیح و تنقیح ہے

واقول وباللہ التوفیق العوارض لاھی تفہم عند الاطلاق ولاھی مطلقا تسلب الاطلاق فان الذات ھی المفھومۃ من الاطلاق کما اذا قلت انسان لاینساغ الفھم منہ الی الرومی والزنجی او العالم والجاھل او الطویل والقصیر او الحسین

اقول وباللہ التوفیق عوارض نہ تو عند الاطلاق مفہوم ہوتے ہیں اور نہ مطلقاً سلب ہوتے ہیں، کیونکہ عند الاطلاق ذات ہی مفہوم ہوتی ہے، جیسے آپ انسان کا لفظ بولتے ہیں تو ذہن رومی، حبشی، عالم، جاہل، لمبے، چھوٹے، حسین، بدشکل وغیرہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، مگر اس سے یہ بھی

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مکتبہ عامرہ مصر ۱/۲۷

[3] العنایۃ مع الفتح الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۱

والدميم وامثال ذلك من العوارض ولا يلزم منه خروج هؤلاء عن الانسان المطلق فان ذاتهم ليست الا ما فهم من لفظ الانسان ولم يعرضهم ما يقعدهم عن الدخول فيما تتسارع اليه الافهام بسماع لفظ الانسان ولو ان العوارض مطلقا تمنع الدخول لعدم انفهامها من المطلق لما دخل تحت شیٔ من افراده لان لكل فرد تشخصا لا يسبق اليه الذهن عند ذكر اسم المطلق فكان هذا يقتضي التسوية بين مطلق الماء والماء المطلق لكن ثمه عوارض تمنع ذويها عن الدخول تحت الشیٔ المطلق ويقال فيها ان اسم المطلق لم يتناولها لكونها مما لا تتسارع اليه الافهام كمقطوع اليدين والرجلين في الرقبة فان المفهوم الذات الكاملة و نبيذ التمر وماء العصفر الصالح الصبغ فان اسم الماء المطلق لا يطلق عليهما ولا يسبق الافهام عند اطلاقه اليهما مع ان اصحاب تلك العوارض ايضا ليست ذاتها الا ما فهم من الاطلاق وعدم انفهام العوارض مشترك في كل عارض فلا بد من الفرق ولم ار من حام حول هذا۔

لازم نہیں آتا کہ یہ لوگ مطلق انسان کے زمرے سے خارج ہیں، کیونکہ ان کی ذات وہی ہے جو لفظ انسان سے مفہوم ہے اور ان کو کوئی ایسا مانع درپیش نہیں کہ یہ لوگ اس مفہوم میں داخل نہ ہوں جو لفظ انسان سنتے ہی ذہن میں آجاتا ہے، اور اگر عوارض مطلقاً دخول سے مانع ہوتے، کیونکہ یہ مطلق سے سمجھے نہیں جاتے ہیں تو مطلق کے تحت اس کے افراد میں سے کوئی شیئ داخل نہ ہوتی کیونکہ ہر ایک فرد کے لیے تشخص ہے جس کی طرف مطلق نام کے ذکر کرنے سے ذہن منتقل نہیں ہوتا ہے تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ مطلق ماء اور ماءِ مطلق کے درمیان مساوات ہے لیکن وہاں ایسے عوارض موجود ہیں جو ان کے ذوات کو مطلق شی کے تحت داخل ہونے سے مانع ہیں، اور ان میں کہا جاتا ہے کہ مطلق اسم اُن کو شامل نہیں ہے کیونکہ ذہن ان کی طرف تیزی سے منتقل نہیں ہوتا ہے جیسے کہ رقبہ میں مقطوع الیدین والرجلین، کیونکہ مفہوم ذات کاملہ ہے اور نبیذ تمر اور عصفر کا پانی جو رنگائی کے لائق ہو کیونکہ ماءِ مطلق ان دونوں پر نہیں بولا جاتا ہے اور اطلاق کے وقت ذہن ان دونوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے باوجود اس کے کہ ان عوارض والے ان کی ذات نہیں ہیں، مگر وہ جو اطلاق کے وقت مفہوم ہو اور عوارض کا مفہوم نہ ہونا ہر عارض میں مشترک ہے، تو فرق ہونا ضروری ہے، مگر میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ فرق بتایا ہو۔ (ت)

فاقول علی ما بی من قلۃ البضاعۃ:

پھر میں علمی بے بضاعتی کے باوجود کہتا ہوں

وقصور الصناعة مستعینا بربی ثم بصاحب
الشفاعة صلی الله تعالٰی علیه واله وسلم
توضع الاسماء بازاء الحقائق وتمایز
الحقائق بتفاوت المقاصد ولذا کان بعض
الاوصاف تجری مجری الاجزاء کالاطراف
فی الحیوان والاغصان فی الاشجار لان
بفواتها فوات منافع الذات والشیئ اذا
خلا عن مقصوده بطل فیتطرق به التغیر
الی الذوات المدلول علیها عرفا بالاسماء
ومعلوم ان المرکب من الشیئ وغیره غیره
غیران العرف بل والشرع واللغة جمیعا
تلاحظ الغلبة فاذا کان الممازج اکثر
قدرا من الشیئ کان المرکب احق باسم
الممازج من اسم الشیئ وان تساویا تساقطا
فلم یکن المرکب مفهوما من اطلاق اسم
شیئ منهما لان وضع الاسمین بازاء کل
بحیاله لا بازاء الکل مجموعا نعم ان
کان اقل لم یعتبر الا ان تحدث بامتزاجه
حقیقة عرفیة مرکبة ممتازة مقصودة
لمقاصد متمایزة فیصیر المرکب ذاتا اخری
عرفا لاختلاف المقاصد فلا یبقی داخلا تحت
المفهوم عرفا من الاطلاق فثبت ان التفاهم عـه

اسمار کی وضع حقائق کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور حقائق
میں امتیاز مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس لئے
بعض اوصاف اجزاء کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے
حیوانات کے اعضاء اور درختوں کی ٹہنیاں کیونکہ ان چیزوں
کے خاتمہ سے ذات کی منفعتیں بھی ختم ہوجاتی ہیں، اور
جب کسی چیز کا مقصود ہی فوت ہوجائے تو وہ چیز
باطل ہوجاتی ہے اور اس طرح ذات بھی متغیر ہوجاتی ہے
جس پر اسمار کے ذریعہ عرفاً دلالت کی جاتی ہے اور یہ
معلوم ہے کہ جو چیز کسی چیز اور اُس کے غیر سے مرکب
ہوتی ہے وہ اُس کا غیر ہوتی ہے، لیکن عرف، شریعت
اور لغت سب ہی میں غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے تو جب ملنے
والی چیز اصلی شئے سے مقدار میں زیادہ ہو تو مرکب پر
وہ نام پڑنا چاہیے جو اس ملنے والی اکثر شئے کا ہے نہ کہ اصل
شے کا اور اگر دونوں میں برابری ہو تو تساقط ہوگا تو
ان میں سے جب کسی شئے کا اطلاق ہوگا تو مرکب
مفہوم نہ ہوگا کیونکہ نام تو ہر ایک کے مقابل مستقلاً ہے،
مجموعہ کے مقابل نہیں، ہاں اگر وہ کم ہو تو معتبر نہ ہوگا
ہاں اگر اس کے ملنے سے ایک نئی حقیقت عرفیہ وجود
میں آجائے جو مرکب اور ممتاز ہو، اور خاص مقاصد
کے لیے ہو تو مرکب عرفاً ایک نئی ذات ہوگا، اس لیے
کہ مقاصد مختلف ہوگئے، تو وہ اطلاق سے عرفاً مفہوم
کے تحت داخل نہ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ لفظ کے اطلاق

عـه اقول وبهذا ولله الحمد ظهر

میں کہتا ہوں اس سے فقہاء کے اس قول کے معنی

(باقی برصفحہ آئندہ)

من اطلاق اللفظ هي الذات الموضوع لها
من دون نقص ولا زيادة يغيرانها فكل
عارض لا يعتري بها المعروض تغير في ذاته
وان كان هناك نقص او زيادة في امر خارج
فهو لا يمنع المعروض من الدخول تحت
الشئ المطلق والا منع وبه علمان بطلان

سے وہی ذات مراد ہوتی ہے جس کے لیے لفظ وضع
کیا گیا ہو، اس میں نہ تو کوئی کمی ہو نہ زیادتی، جس کی وجہ
سے ذات میں کوئی تغیر آتا ہو، تو ہر وہ عارض جس کی وجہ
سے ذات میں کوئی تغیر نہ ہو خواہ کسی خارجی امر میں
کمی بیشی ہو تو یہ چیز معروض کے مطلق شئ کے تحت آنے
میں مخل نہ ہوگی ورنہ مانع ہوگی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معنى قولهم المطلق ينصرف الى الفرد الكامل
وقولهم المطلق ينصرف الى الادنى وتبين
انه لاخلاف بينهما فالمطلق ينصرف في الطلب
الى ادنى ما يطلق عليه سواء كان مطلوب
الفعل اذ يكفي لبراءة الذمة او الترك او
الممنوع جنسه فلا يجوز شئ منه لكن
ينصرف الى فرد كامل في الذات لم يعرضه
ما يجعله ناقصا في ذاته بالمعنى المذكور
لعدم انفهامه من المطلق فالمنصرف
اليه ادنى ما كمل فيه الذات هذا هو التحقيق
الانيق اما ما قال الشامي ان انصراف المطلق
الى الفرد الكامل يذكر في مقام الاعتذار
فمحله اذا حمل المطلق على كامل في
وصف اخر وراء الكمال في الذات اتقنه
فانه علم نفيس وبالله التوفيق ۱۲ منه
غفرله حفظه ربه تعالٰی۔ (م)

واضح ہو گئے کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے، نیز
یہ کہ مطلق کو ادنٰی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور یہ کہ دونوں
باتوں میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ طلب میں مطلق سے
ادنٰی مراد ہوتا ہے، عام ازیں کہ مطلوب فعل ہو کہ وہ
برأت ذمہ کے لیے کافی ہوتا ہے یا ترک ہو کہ ممنوع اس
کی جنس ہوتی ہے تو اس میں سے کچھ بھی جائز نہیں ہوتا ہے
لیکن فرد کامل فی الذات مراد ہوتا ہے، اس میں کوئی
چیز ایسی نہ ہونی چاہئے جو اس کی ذات میں مذکور معنی
کے اعتبار سے موجب نقص ہو کیونکہ اس صورت میں وہ
مطلق سے مفہوم نہ ہوگا، تو جس کی طرف پھیرا جاتا ہے
وہ ادنٰی ہے اس چیز کا جس میں ذات مکمل ہوئی ہو
یہ تحقیق انیق ہے، اور شامی نے جو کہا ہے کہ مطلق کا
فرد کامل کی طرف پھرنا مقام اعتذار میں ذکر کیا جائیگا
تو اس کا محل یہ ہے کہ مطلق جب کسی ایسے امر پر
محمول ہو جو کسی دوسرے وصف میں کامل ہو ذات کے
علاوہ۔ اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ نفیس
علم ہے ۱۲ منہ غفرلہ حفظہ ربہ تعالٰی۔ (ت)

الحقیقة فی المرکب مع المساوی والغالب
لغة وعرفا وشرعا مطلقا ومع القلیل
المذکور عرفا مع بقاء الحقیقة اللغویة
ولذا کان المقید قسما من مطلق الماء و
فی جهة النقص قد تبطل مطلقا اذا کان
ذلک الوصف جاریا مجری الرکن فی
الوضع اللغوی ایضا کالسیلان للماء وقد
تبقی لغة وتبطل عرفا اعنی عن المتفاهم
العرفی عند اطلاق الاسم وذلک اذا تبدلت
المقاصد العرفیة کالرقبة علی الاقطع فانها
حقیقة فیه لغة ولایفهم منها عرفا اذا علمت
هذا فالنقص فی الماء بزوال سیلانه او رقته
فالثخین لایسمی ماء فضلا عن الجمد و
الزیادة باختلاطه باکثر منه قدرا او مساو
اوبما یصیر به مرکبا ممتازا امتیازا بالغرض
کالمنقوع فیه التمر اذا صار نبیذا والمطبوخ
فیه اللحم اذا صار مرقا والمحلول فیه
الزعفران اذا صار صبغا والمخلوط فیه
اللبن اذا صار ضیاحا فعن هذا تتشعب
الفروع جمیعا علی مذهب قاضی الشرق و
الغرب الصحیح المصحح کما تقدم عن
الهدایة والخانیة ولاشک ان فی هذه الوجوه
الاربعة تبدل الذات حقیقة او عرفا و
مستزاد خامسا وهو ما اشبه المائع
الممازج له بحیث یکاد یحسبه الذی

کہ حقیقت کا مرکب میں باطل ہونا مساوی اور غالب کے
ساتھ ہے لغۃً، عرفاً اور شرعاً، مطلقاً، اور قلیل مذکور
کے ساتھ عرفاً مع حقیقتِ لغویہ کے باقی رہنے کے اس لئے
مقید، مطلق ماء کی قسم ہوتا ہے، اور نقص کی جہت میں
کبھی حقیقۃً مطلقاً باطل ہوجاتی ہے جبکہ وصف وضع لغوی
اعتبار سے بھی رکن کے قائم مقام ہو جیسے پانی کے لیے
سیلان، اور کبھی حقیقۃً لغۃً تو باقی رہتی ہے اور عرفاً
باطل ہوجاتی ہے، یعنی نام کو بولے جانے کے وقت عرف
کے فہم میں نہیں آتی، اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب
مقاصد عرفیہ بدل جائیں جیسے "رقبۃ" اقطع پر کیونکہ
یہ اس میں حقیقۃً ہے لغۃً لیکن عرفاً اس سے نہیں
سمجھا جاتا ہے۔ جب آپ نے یہ جان لیا تو پانی میں
نقص کی صورت یہ ہوگی کہ اس کا سیلان یا اس کی رقت
ختم ہوجائے تو گاڑھے کو پانی نہیں کہیں گے چہ جائیکہ
جمد کو، اور اس میں زیادتی کی صورت یہ ہوگی کہ وہ کسی
ایسی چیز میں مخلوط ہوجائے جو مقدار میں اُس سے زیادہ
یا اس کے برابر ہو یا اُس چیز سے جس سے مرکب ہوکر
وہ ممتاز ہوجائے اور مقصد کے اعتبار سے بالکل مختلف
ہوجائے، جیسے وہ پانی جس میں کھجوریں بھگوئی جائیں تو
وہ نبیذ بن جائے، اور جس میں گوشت پکایا جائے اور
وہ شوربہ ہوجائے، اور جس میں زعفران ملایا جائے
اور وہ رنگ بن جائے اور جس کو دودھ میں ملایا جائے
یہاں تک کہ وہ لسّی ہوجائے، اسی اصل پر قاضی
شرق وغرب کے مذہب پر تمام فروع متفرع ہوتی ہیں،
جیسا کہ ہدایہ اور خانیہ سے گزرا، اور اس میں شک

لا یعلم اٰله ذلك الّا ثم ویظن انه لیس بماء فمثل هذا لا یدخل عنده فی المتفاهم من مطلق الماء فمناط المنع عند ابی یوسف صیرورته غیر الماء و لو عرفا و عند محمد صیرورته بحیث یحسبه المستعمل مائعا اٰخر غیر الماء و لو ظنا وبالجملة یرتاب فی کونه ماء و علیه بناء ضابطة الامامین الاسبیجابی و ملك العلماء رحمهما الله تعالٰی وھی التی قابلناھا بالضابطة الزیلعیة وبینا فی القسمین الاولین ما اتفقتا فیه علی الجواز او المنع وفی الثالث ما اختلفتا فیه وسیأتی بیان کل ذلك ان شاء الله الکریم الوهاب۔

نہیں کہ ان چاروں صورتوں میں ذات حقیقۃً یا عرفاً تبدیل ہوجاتی ہے، اور امام محمد نے ایک پانچویں صورت کا اضافہ فرمایا ہے اور وہ، وہ پانی ہے جو اس سیال شَے سے مشابہ ہو جو اس میں ملائی گئی ہے، اور وہ ایسا ہوجائے کہ ناواقف حال اس کو وہی شَے سمجھے پانی نہ سمجھے، اس قسم کی چیز ان کے نزدیک مطلق ماء کے مفہوم میں داخل نہیں، تو ابو یوسف کے نزدیک منع کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ پانی کا غیر ہوجائے خواہ عرفاً ہی۔ اور امام محمد کے نزدیک اس پر ہے کہ اس کو استعمال کرنے والا پانی کے علاوہ کوئی اور مائع سمجھنے لگے خواہ صرف گمان ہی ہو۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس کے پانی ہونے میں شک کرے، اور اسی پر ضابطہ مبنی ہے، یہ ضابطہ امام اسبیجابی اور ملک العلماء نے بیان کیا ہے، یہی وہی ضابطہ ہے جس کا مقابلہ ہم نے ضابطہ زیلعیہ سے کیا ہے اور پہلی دو قسموں میں بیان کیا ہے کہ ان کا اتفاق جواز اور منع میں ہے اور تیسرے میں وہ جس میں ان کا اختلاف ہے اس کا بیان ان شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔ (ت)

فان قلت علی ما قررت یلزم خروج الماء المتنجس والمستعمل من اسماء المطلق فان من اعظم مقاصد الماء حصول التطهیر به قال الله تعالٰی ویُنزّل علیکم من السماء ماء لیطهرکم به وقد سقط هذا منهما فیزاد فی جانب النقص علی زوال السیلان والرقة زوال صفة الطهوریة **اقول** الحقائق الشرعیة للمقاصد الشرعیة فبفواتها تفوت کالصوم والصلاة اما الماء

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بنا پر ناپاک اور مستعمل پانی کا ماءِ مطلق سے خارج ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ پانی کا سب سے بڑا مقصد پاکی کا حصول ہے، فرمانِ الٰہی ہے "وہ تم پر آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاک کرے" اور یہ وصف اُن دونوں پانیوں سے ختم ہوگیا، تو جانب نقص میں زوالِ سیلان ورقت پر صفتِ طہوریۃ کے زوال کا اضافہ کیا جائیگا۔ میں کہتا ہوں حقائق شرعیہ مقاصد شرعیہ کے لیے ہوتے ہیں، تو جب مقاصد شرعیہ فوت ہوجائیں

فحقیقة عینیة والمعتبر فی بقائھا المقاصد العرفیة الاتری ان اعظم المقصود من الانسان العبادة قال تعالٰی وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون وقد فاتت الکافر اذ لیس اھلا لھا ومع ذٰلک لم یخرج من المتفاھم باطلاق الانسان قال تعالٰی ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وقال تعالٰی قتل الانسان ما اکفرہ۔

تو حقائق بھی فوت ہوجاتے ہیں، جیسا روزہ اور نماز، اور پانی حقیقۃً عینیہ ہے اور اسی کی بقاء میں مقاصد عرفیہ ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ انسان کا بڑا مقصود عبادت ہے فرمانِ الٰہی ہے "اور میں نے انس وجن کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے" اور یہ چیزیں کافر میں نہیں پائی جاتی ہیں کیونکہ وہ عبادت کا اہل نہیں، اس کے باوجود جب لفظ انسان کا اطلاق کیا جاتا ہے تو مفہوم انسان سے خارج نہیں ہوتا ہے فرمانِ الٰہی ہے "بلاشبہ انسان خسارے میں ہے سوائے ایمان والوں کے"۔ فرمانِ الٰہی ہے "لعنت ہو انسان پر کتنا ناشکرا ہے۔" (ت)

بالجملہ تحقیقِ فقیر غفرلہ میں مائے مطلق کی تعریف[عہ] یہ ہے کہ وہ پانی کہ اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط و ممتزج نہیں جو اُس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہے نہ ایسی جو اُس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جُدا مقصد کے لیے کہلائے ان تمام مباحث بلکہ تفہیم کے لیے جملہ فروع مذکورہ وغیر مذکورہ کو ان دو بیت میں منضبط کریں ؎

مطلق آبے ست کہ بر رقتِ طبعی خود ست | نہ درو مزج دگر چیز مساوی یا بیش
نہ مخلوطے کہ بترکیب کُند چیز دگر | کہ بود زآب جُدا در لقب و مقصد خویش

عہ منح و سید کی تعریفیں کہ حاشیہ پر گزریں ۱۳ و ۱۴ تھیں اور یہ تعریف رضوی بحمدہ تعالٰی پانزدھم

ثم وجدت عن المجتبی تعریفا اٰخر ذکرہ عنہ فی انجاس البحر ان الماء المقید ما استخرج بعلاج کماء الصابون والحرض والزعفران والاشجار والاثمار والباقلاء اھ فالمطلق خلافہ اقول لیس بشیئ[۲] ویوافقہ اول الاقوال الاٰتیۃ فی الاضافات وسیاتی ردہ ثمہ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پھر میں نے مجتبٰی سے ایک اور تعریف بحر کے انجاس میں دیکھی کہ مقید پانی وہ ہے جو کسی عمل کے ذریعہ نکالا جائے، جیسے صابون کا پانی اور حرض، زعفران، درختوں، پھلوں اور باقلی کا پانی اھ اور مطلق اس کے خلاف ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ بھی نہیں، اس کی موافقت اضافات میں وارد شدہ پہلے قول سے ہوتی ہے، اس کی تردید وہاں ہوگی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

و باللہ التوفیق ؁ ولہ الحمد علی اراءۃ الطریق ؁ وافضل الصلاۃ واکمل السلام علی الحبیب الرفیق ؁ وآلہ وصحبہ اولی التحقیق وسائر من دانہ بالایمان والتصدیق ؁ اٰمین ؁ والحمد للہ رب العٰلمین۔

اضافات بہت چیزوں پر پانی کا نام کسی شے کی طرف مضاف کرکے بولا جاتا ہے اُن میں بعض تو جنسِ آب سے خارج ہیں اور اطلاق آب محض بطور تشبیہ جیسے آبِ زر آبِ کافور اور جو حقیقۃً پانی ہیں ان میں کچھ مائے مطلق ہیں جیسے آبِ باراں آبِ دریا اور کچھ مائے مقید جیسے ماء العسل ماء الشعیر اول کو اضافت تعریف کہتے ہیں اور دوم کو اضافتِ تقیید۔ علماء نے ان میں چند طرح فرق فرمایا:

اوّل جو پانی کسی شے سے بذریعہ تدبیر نکالا جائے اُس کی طرف پانی کی اضافت اضافتِ تقیید ہوگی ورنہ اضافتِ تعریف، عنایہ و بنایہ میں ہے:

اضافتہ الی الزعفران للتعریف لا للتقیید والفرق بینھما ان المضاف ان لم یکن خارجا عن المضاف الیہ بالعلاج فالاضافۃ للتعریف وان کان خارجا منہ فللتقیید کماء الورد[1] اھ **اقول** ان کان المراد حدوثہ بالتدبیر کما ھو فی ماء الورد وسائر المستقطرات ورد ماء النارجیل وماء البطیخ وماء النخل الھندی المسمی تار فانھا موجودۃ وانما التدبیر لاخراجھا کالفصد لاخراج الدم وان ارید ظھورہ بہ فان لم یرد ماء البئر لان ظھورہ من الارض بالتدبیر بحفر البئر لا من المضاف الیہ ورد ماء العسل فان الماء

پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مضاف، مضاف الیہ سے عمل کے ذریعہ نہ نکالا گیا ہو تو اضافت تعریف کے لیے ہے اور اگر تدبیر سے خارج ہو تو تقیید کے لیے ہے جیسے گلاب کا پانی اھ میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد اس کا حدوث ہے تدبیر سے جیسے گلاب کے پانی میں یا دوسرے اُن پانیوں میں ہیں جو نچوڑ کر نکالے جاتے ہیں، تو ناریل کا پانی، تربوز کا پانی، تاڑی کا پانی، اس کے علاوہ ہیں کہ یہ پانی سے ہی موجود ہوتے ہیں تدبیر صرف ان کے نکالنے کے لیے کی جاتی ہے جیسے خون نکالنے کے لیے فصد کھلوائی جاتی ہے، اور اگر یہ مراد ہو کہ اس کا اس کے ذریعہ ظہور ہو، پس اگر کنوئیں کے پانی سے اعتراض نہ ہو کہ اس کا ظہور بھی زمین کے کھودنے

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

فان الماء ظاهر بنفسه انما التدبیر فی امتزاجه طبخا بالعسل فان ارید ماء العسل من حیث هو ماء العسل فحدوثه بالتدبیر لا مجرد ظهورہ۔

سے ہوتا ہے مضاف الیہ سے نہیں ہوتا تو شہد کے پانی کے ذریعہ اعتراض وارد ہوگا، کیونکہ پانی بنفسہٖ ظاہر ہے تدبیر تو اس کو شہد میں ملا کر پکانے سے ہوتی ہے اور اگر شہد کا پانی من حیث ھو مراد ہو تو اس کا حدوث تدبیر سے ہوگا نہ کہ محض ظہور سے۔ (ت)

دوم جہاں ماہیت مضاف کامل ہو اضافت تعریف کے لیے ہے جیسے نماز فجر اور قاصر ہو تو تقیید کے لیے جیسے نماز جنازہ کہ رکوع وسجود و قراءت وقعود نہیں رکھتی، کفایہ و مجمع الانہر میں ہے:

علامۃ اضافۃ التقیید قصور الماھیۃ فی المضاف کأن قصورھا قیدہ کیلا یدخل تحت المطلق مثالہ حلف لایصلی فصلی الظھر یحنث لانھا صلاۃ مطلقۃ و اضافتھا الی الظھر للتعریف ولا یحنث بصلاۃ الجنازۃ لانھا لیست بصلاۃ مطلقۃ واضافتھا الیھا للتقیید[1]۔

تقیید کی اضافت کی علامت مضاف میں ماہیت کا ناقص ہونا ہے، گویا اس کا ناقص ہونا اس کی قید ہے تاکہ مطلق کے تحت داخل نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے حلف اٹھایا کہ وہ نماز نہ پڑھے گا پھر اس نے ظہر کی نماز پڑھی تو حانث ہوجائیگا کہ وہ مطلق نماز ہے اور اس کی اضافت ظہر کی طرف تعریف کے لیے ہے اور نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ مطلق نماز نہیں ہے اور اس کی اضافت جنازہ کی طرف تقیید کے لیے ہے۔ (ت)

اسی طرح شلبیہ علی الزیلعی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے نیز اُسی میں مشکلات امام خواہرزادہ

عــہ ھذا ھو مفاد کلام الامام العینی اذجعل ماء الباقلی خارجا بالتدبیر والا فالماء لاحدث بہ ولا ظھر بل کان موجودا ظاھرا من قبل انما حدث الممزوج من حیث ھو ممزوج فتعین فی کلامہ الشق الاول ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

یہ عینی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، انہوں نے باقلی کے پانی کو تدبیر سے خارج ہونے والا پانی قرار دیا ہے ورنہ تو پانی میں کوئی حدوث ہے اور نہ ظہور، بلکہ وہ موجود و ظاہر پہلے تھا البتہ ممزوج من حیث الممزوج بعد میں پیدا ہُوا، تو ان کے کلام میں شق اول متعین ہوگئی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] شلبیہ علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ ببولاق مصر ۱/۲۱

سے ہے :

کل ماکانت الماھیۃ فیہ کاملۃ فالاضافۃ فیہ للتعریف وما کانت ناقصۃ فالاضافۃ للتقیید نظیر الاول ماء السماء و ماء البحر وصلاۃ الکسوف ونظیر الثانی ماء الباقلاء وصلاۃ الجنازۃ[1] اھ۔ **اقول** قصو[ف۱] الماھیۃ انما ھو فی ماء الباقلاء ونحوہ مما ثخن وزالت رقتہ اما فی المتغیر بالزیادۃ کالانبذۃ والمذق فتبدلت لانقصت الا ان یراد بالقصو والنقص[ف۲] ما یعم الانتفاء مجازا تقول العرب قل ای عدم کما فی نسیم الریاض۔

ہر وہ چیز جس میں ماہیت کامل ہو تو اس میں اضافت تعریف کے لیے ہے اور جس میں ماہیت ناقص ہو تو اس میں اضافت تقیید کے لیے ہے پہلے کی نظیر ماء السماء اور ماء البحر اور صلوٰۃ الکسوف ہے اور دوسری کی مثال ماء الباقلی اور صلاۃ الجنازہ ہے اھ میں کہتا ہوں ماہیت کا ناقص ہونا ماء الباقلا میں ہے یا اس قسم کے اور پانیوں میں جو گاڑھے پڑگئے ہوں اور اُن میں سے رقت ختم ہوگئی ہو لیکن وُہ پانی جو کسی زیادتی کے باعث متغیر ہوگئے ہوں جیسے نبیذ و مذق تو یہ تبدیل ہوئے ہیں کم نہیں ہوئے۔ ہاں اگر قصور و نقص سے مراد وہ ہو جو انتفاء کو عام ہو مجازاً، عرب کے لوگ کہتے ہیں قَلَّ یعنی معدوم ہوگیا، نسیم الریاض میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

سوم جسے بے حاجت ذکر قید پانی کہہ سکیں وہاں اضافت تعریف کی ہے اور جہاں پانی کہنے میں ذکر قید ضروری ہو تقیید کی، مراقی الفلاح میں ہے :

الفرق بین الاضافتین صحۃ اطلاق الماء علی الاول دون الثانی اذ لایصح ان یقال لماء الورد ھذا ماء من غیر قید بالورد بخلاف ماء البئر لصحۃ اطلاقہ فیہ[2]۔

دونوں اضافتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی پر پانی کا اطلاق صحیح ہے دوسری پر نہیں ہے کیونکہ گلاب کے پانی کو ھذا ماءٌ کہنا صحیح نہیں، اس میں ورد کی قید لگانا ضروری ہے، ہاں کنویں کے پانی کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں۔ (ت)

بحر میں ہے :

ماء البحر الاضافۃ فیہ للتعریف بخلاف الماء المقید فان القید لازم لہ لایجوز

ماء البحر اس میں اضافت تعریف کے لیے ہے بخلاف مقید پانی کے، کیونکہ قید اس کو لازم ہے

---

[1] شلبیۃ علی التبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۲۱

[2] مراقی الفلاح " " " " ص ۱۳

اطلاق الماء علیہ بدون القید کماء الورد[1] اھ

اس پر پانی کا اطلاق بلاذکر قید جائز نہیں جیسے گلاب کا پانی اھ۔ (ت)

اقول ھذا ھو السابع فی تعریفات المطلق والکلام الکلام فیقال ماء الورد لیس ماء حقیقۃ فعلی التحقیق لیس من المقید اما المقید کماء الزعفران الصالح للصبغ فماء قطعا ویصح ان یقال ھذا ماء لان صحۃ حمل المقسم علی القسم من الضروریات نعم لا یفھم من اطلاق قولنا الماء وھذا شیئ غیر الحمل ولا یصح ارادۃ حمل الماء المطلق فیرجع الی ان المقید یحمل علیہ الماء المطلق مع ذکر القید وھذا جمع بین النقیضین والجواب ما مر۔

میں کہتا ہوں یہ مطلق کی ساتویں تعریف ہے اور اس پر وہی گفتگو ہے جو گزری، کہا جاتا ہے گلاب کا پانی، حالانکہ درحقیقت یہ پانی نہیں ہے تو تحقیقی طور پر یہ مقید نہیں مقید جیسے ماء الزعفران جو رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ قطعاً پانی ہے اور اس کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں کیونکہ مقسم کا قسم پر محمول ہونا بدیہیات میں سے ہے، ہاں جب ہم الماء اور ھذا کہتے ہیں تو اس سے سوائے حمل کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور ماءِ مطلق کے حمل کا ارادہ صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقید پر الماء المطلق محمول ہوگا اور قید بھی ذکر کی جائے گی اور یہ جمع بین النقیضین ہے اور جواب وُہ ہے جو گزرا۔ (ت)

چہارم جس سے پانی کی نفی کرسکیں یعنی کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں وہاں اضافت تقیید کی ہے ورنہ تعریف کی، تبیین میں ہے:

اضافتہ الی الزعفران ونحوہ للتعریف کاضافتہ الی البئر بخلاف ماء البطیخ ونحوہ حیث تکون اضافتہ للتقیید ولھذا ینفی اسم الماء عنہ ولا یجوز نفیہ عن الاول[2] اھ

اس کی اضافت زعفران وغیرہ کی طرف تعریف کےلئے ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں کی طرف، بخلاف ماء البطیخ وغیرہ کے، وہاں اضافت تقیید کےلیے ہے اس لیے پانی کا نام اُس سے منفی کیا جاتا ہے اور اس کی نفی اول سے جائز نہیں اھ (ت)

اقول ھذا ھو ثامن تعریفات المطلق

میں کہتا ہوں یہ مطلق کی آٹھویں تعریف ہے

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

[2] تبیین الحقائق " الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

والبحث البحث فیقال ان القسم لایصح نفی المقسم عنہ حقیقۃ ابدا وان ارید نفی الماء المطلق مع بعدہ عن ظاھر العبارۃ یرجع الی ان اضافۃ التقیید فی الماء المقید وھذا لایجدی شبہ الحمل الاولی والجواب مامر۔

اور اس میں جو بحث ہے وہ بحث ہے اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قسم سے مقسم کی نفی صحیح نہیں حقیقۃً، اور اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے، حالانکہ بظاہر عبارۃ سے یہ بعید ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اضافتِ تقیید ماءِ مقید میں ہے، اور یہ پہلے حمل کی طرح غیر مفید ہے اور جواب وہ ہے جو گزرا۔ (ت)

پنجم جہاں امر خارج عن الذات مثل محل یا صفت یا مجاور کی طرف اضافت ہو تعریفِ ذات اُس کی محتاج نہ ہو وہ اضافت تعریف ہے غنیہ میں ہے :

مایسمی فی العرف ماء من غیر احتیاج الی التقیید فی تعریف ذاتہ فاضافتہ الی محلہ کماء البئر او صفتہ کماء المد او مجاورہ کماء الزعفران لیست بقید[1]۔

وہ جس کو عرف میں پانی کہا جاتا ہے جس کی ذات کی تعریف میں تقیید کی ضرورت نہیں، تو اس کی اضافت اس کے محل کی طرف ہے جیسے ماء البئر یا اس کی صفت کی طرف ہے جیسے ماء المد یا اس کے مجاور کی طرف ہے، جیسے ماء الزعفران یہ قید نہیں ہے۔ (ت)

ششم جہاں ماہیت بے قید نہ پہچانی جائے اضافت تقیید ہے ولہذا اُس پر بلا قید لفظ آب کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جہاں بے ذکرِ قید اطلاق لفظ صحیح ہو اضافت تعریف ہے، حلیہ میں ہے :

المقید لاتعرف ذاتہ الا بالقید ولھذا کانت الاضافۃ لازمۃ فلایسوغ تسمیتہ ماء علی الاطلاق بخلاف اضافۃ الماء المطلق الی نحو البئر والعین فانھا اضافۃ الی ما منہ بد فھی عارضۃ لافادۃ عارض من عوارضہ وھو بیان محلہ الکائن فیہ او الخارج منہ الذی یمکن الاستغناء عن ذکرہ فی صحۃ اطلاق لفظ الماء علیہ و

مقید کی ذات کی معرفت بلا قید نہیں ہوتی ہے اس لیے اضافت لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو مطلق پانی کہنا جائز نہیں بخلاف ماءِ مطلق کی اضافت کے کنویں اور چشمے کی طرف، کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت ہے جو ضروری نہیں، تو یہ عارضی ہے، کیونکہ یہ اُس کے عوارض میں سے کسی ایک عرض کا فائدہ دے رہی ہے، اور یہ اس کے محل کا بیان ہے جس میں کہ وہ ہے یا جس سے وہ خارج ہو کہ اس کے ذکر سے استغنا ممکن

[1] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸

لهذا ساغ ان يطلق القائل عليه ماء اطلاقا حقيقيا من غير تقييد بالبئر و نحوها وقد ظهر من هذا التقييد انه لم يمنع اندراج المقيد به تحت الماء المطلق بخلاف الاول[1] اھ۔

ہو اور اس پر صرف ماء کا اطلاق صحیح ہو، اس لیے اس پر ماء کا اطلاق حقیقی بئر وغیرہ کی قید کے بغیر بھی جائز ہے، اس تقیید سے ظاہر ہُوا کہ جو اس قید کے ساتھ مقید ہو اس کا ماءِ مطلق میں داخل ہونا ممنوع نہیں بخلاف اول کے اھ (ت)

اقول اقتصر الغنية على الثاني من تعريفات المطلق وجمع الحلية بينه و وبين السابع فمشى على الثاني فى تحديد اضافة التقييد وعلى السابع فى تعريف اضافة التعريف ولاغزو فالامر قريب۔

میں کہتا ہوں غنیہ نے مطلق کی دوسری تعریف پر اکتفا کیا ہے اور حلیہ نے اس کو اور ساتویں کو جمع کیا ہے، اور اضافتِ تقیید کی تعریف میں انہوں نے دوسری کو ملحوظ رکھا ہے اور اضافتِ تعریف میں ساتویں کو، مگر یہ قریب قریب درست ہے۔ (ت)

ہفتم[عــہ] جس کی ماہیت بے اضافت پہچانی جائے اور مطلق نام آب لینے سے مفہوم ہو وہاں اضافت تعریف کی ہے ورنہ تقیید کی۔ شلبیہ علی الزیلعی میں امام حافظ الدین کی مستصفٰی سے ہے:

فان قيل مثل هذه الاضافة يعنى ماء الباقلاء واشباهه موجود فيما ذكرت من المياه المطلقة لانه يقال ماء الوادي وماء العين قلنا اضافته الى الوادي والعين اضافة تعريف لا تقييد لانه تتعرف ماهيته

اگر کہا جائے کہ اس جیسی اضافت یعنی ماء الباقلی وغیرہ کی مذکورہ مطلق پانیوں میں بھی موجود ہے، اس لیے کہ ماء الوادی اور ماء العین کہا جاتا ہے، ہم کہتے ہیں پانی کی اضافہ وادی اور عین کی طرف تعریف کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے، کیونکہ ان کی ماہیت کو

[عــہ] **اقول** هذه سبع عبارات الثلث الأخرى منها متقاربة المعنى بل متحدة المآل مختلفة المبنى والثالثة والرابعة تعريفان بما يستلزم هذا المعنى والنقص والقصور فى الاولين والله تعالٰى اعلم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

میں کہتا ہُوں یہ سات عبارتیں ہیں ان میں سے آخری تین معنوی اعتبار سے قریب ہیں بلکہ انجام کے اعتبار سے متحد ہیں، عبارت میں مختلف ہیں، تیسری اور چوتھی تعریفیں اُس چیز کے ساتھ ہیں جو اس معنی کو مستلزم ہیں، اور نقص و قصور پہلی دو تعریفوں میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] حلیہ

بدون هذه الاضافة وتفهم بمطلق قولنا الماء بخلاف ماء الباقلاء واشباهه فانه لاتعرف ماهيته بدون ذلك القيد ولاينصرف الوهم اليه عند الاطلاق ولهذا صح نفی اسم الماء عنه فیقال فلان لم یشرب الماء وان کان شرب الباقلاء او المرق ولوکان ماء حقیقة لما صح نفیه لان الحقیقة لا تسقط عن المسمی ابدا ویکذب نافیها وهذا کما یقال صلاۃ الجمعة ولحم الابل وصلاۃ الجنازۃ ولحم السمك[1] اھ وقد ذکر نحوه فی کافیه وجلال الدین فی کفایته والبدر محمود فی بنایته[ع] **اقول** جمع بین الثانی والثانی عشر بل والثامن ایضا لالتقاربها ولو اکتفی بالوسط لکفی وصفا عن

اس قید کے بغیر بھی سمجھا جاسکتا ہے اور مطلق لفظ ماء سے سمجھ میں آجاتے ہیں بخلاف باقلی وغیرہ کے پانیوں کے، کیونکہ ان کی ماہیت اس قید کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی ہے اور جب مطلق لفظ ماء بولا جاتا ہے تو ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، اس لیے پانی کے لفظ کی نفی ان پانیوں سے درست ہے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ فلاں نے پانی نہیں پیا، اگرچہ اس نے شوربہ یا باقلی کا پانی پیا ہو، اور اگر یہ حقیقۃً پانی ہوتے تو یہ نفی صحیح نہ ہوتی کیونکہ حقیقت کبھی اپنے مسمّی سے ساقط نہیں ہوتی ہے اور جو شخص اس کی نفی کرے اس کی تکذیب کی جاتی ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ صلٰوۃ الجمعۃ، لحم الابل، صلاۃ الجنازۃ اور لحم السمك کہا جاتا ہے اھ اسی قسم کی چیز انہوں نے اپنی کافی میں ذکر کی اور جلال الدین نے کفایہ

ع ثم رأیت الامام العینی کذلك فعل فی البنایة اذ قال الاضافة نوعان اضافة تعریف کغلام زید وانه لایغیر المسمی واضافة تقیید کماء العنب وانه یغیره وانه لایفهم من مطلق اسم الماء اھ **اقول** استدلال انی والمراد بماء العنب ما نقع فیه العنب لانه الماء المقید لاما یخرج بعصرہ فانه لیس من الماء اصلا کما قدمنا فی حاشیته ۲۰۷ خلافا

اقول پھر امام عینی نے بنایہ میں ایسا ہی کیا ہے، فرمایا اضافت کی دو قسمیں ہیں ایک اضافت تعریف کے لیے ہے جیسے غلام زید، یہ مسمّی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتی ہے اور دوسری اضافت برائے تقیید، جیسے ماء العنب، یہ مسمّٰی کو متغیر کردیتی ہے اور مطلق ماء کے نام سے مفہوم نہیں ہوتا ہے اھ میں کہتا ہوں یہ استدلال "اِنّی" ہے اور ماء العنب سے مراد وہ پانی ہے جس میں انگور پڑے ہوئے ہوں کیونکہ یہی ماءِ مقید ہے وہ نہیں جو (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شلبیہ مع تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

مجال کل جدال ۔ میں اور بدر محمود نے بنایہ میں ۔ میں کہتا ہوں انہوں نے دوسرے اور بارہ کو یکجا کر دیا ہے بلکہ آٹھ کو بھی، تاکہ ان کے قریب قریب ہونے کا پتا چل جائے، اور اگر درمیانی پر اکتفا کرلیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا ۔ (ت)

بالجملہ اصح و احسن وہی تعریف اخیر مائے مطلق پر یہاں بھی حوالہ ہے کہ جس کی طرف مطلق آب کہنے سے افہام سبقت کریں اُس کی اضافت اضافتِ تعریف ہے ورنہ اضافتِ تقیید اقول یعنی جبکہ جنس آب حقیقی لغوی سے خارج نہ ہو ورنہ اضافتِ تقیید بھی نہیں محض مجاز ہے جیسے آب زر واللہ تعالٰی اعلم ۔

فصل ثالث ضوابط جزئیہ متون وغیرہا ۔

اقول وباللہ التوفیق اول چند مسائل اجماعیہ ذکر کریں کہ کوئی ضابطہ اُن کے خلاف نہیں ہوسکتا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لما اوھم العلامۃ ابن کمال ثم رأیت فی نص الکفایۃ التصریح بما ذھبت الیہ اذ قال لایجوز بما اعتصر لانہ لیس بماء حقیقۃ ثم اقول احال الامام العینی امر التعریف و التقیید علی التغیر وعدمہ وعللہ بالا نفہام من المطلق وعدمہ وھذا اجلی من التغیر المبھم فکان الاولی الارادۃ علیہ کما فعل قبلہ فی غایۃ البیان اذ قال و اضافتہ الی البئر للتعریف لا للتقیید اذ یفھم بمطلق قولنا الماء اھ والعجب ان العینی مشی ھھنا علی ھذا الصحیح ثم بعد ورقتین عاد الی الاول الجریح ۱۲ منہ غفرلہ ۔ (م)

نچوڑنے سے نکلے، کیونکہ وہ تو پانی ہے ہی نہیں، جیسا کہ ہم نے ۲۰۰ کے حاشیہ میں ذکر کیا، یہ علامہ ابن کمال کے وہم کے برخلاف ہے پھر مجھے کفایہ میں یہی تصریح مل گئی، وہ فرماتے ہیں اس پانی سے وضو جائز نہیں جو نچوڑا گیا ہو کیونکہ وہ درحقیقت پانی نہیں ہے ۔ پھر میں کہتا ہوں امام عینی نے تعریف و تقیید کا دارومدار تغیر و عدمِ تغیر پر رکھا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی کہ وہ مطلق سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں، اور یہ تغیر مبہم سے زیادہ واضح ہے تو اولٰی یہ ہے کہ اسی پر دارومدار کیا جائے جیسا کہ اس سے قبل غایۃ البیان میں کیا ہے فرمایا اس کی اضافت کنویں کی طرف تعریف کیلئے ہے نہ کہ تقیید کے لیے کیونکہ وہ مطلق المائ سے مفہوم ہوجاتا ہے اھ اور تعجب ہے کہ عینی نے اس صحیح قول کو اختیار کیا، پھر دو ورق بعد وہ پہلے مجروح قول کی طرف آگئے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۱) اجماعِ اُمّت ہے کہ پانی کے سوا کسی مائع سے وضو و غسل یعنی ازالۂ نجاست حکمیہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) اجماع ہے کہ وُہ پانی مائے مطلق ہونا چاہیے مائے مقید سے وضو نہیں ہوسکتا سوائے نبیذ تمر کے کہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداءً نظر بحدیث اُس سے جواز کے قائل تھے پھر رجوع فرمائی اور اُس سے بھی عدمِ جواز پر اجماع منعقد ہوگیا الا مایذکر من امام الشام الاوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی من التجویز بکل نبیذ ان ثبت عنہ واللہ تعالٰی اعلم (مگر وہ جو امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہر نبیذ سے وضو جائز ہے بشرطیکہ یہ روایت ان کی طرف درست منسوب ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

(۳) اجماع ہے کہ غسل بالفتح یعنی کسی عضو کے دھونے میں اُس پر پانی کا بہنا ضرور ہے صرف تر ہوجانا کافی نہیں کہ وہ مسح ہے اور حضرت عزت عزجلالہ نے غسل و مسح دو وظیفے جُدا رکھے ہیں الا ما حکی عن الامام الثانی رحمہ اللہ وھو مؤول کما تقدم (مگر وہ جو امام یوسف سے منقول ہے وہ مؤول ہے جیسا گزر چکا۔ ت) تو پانی کا اپنے سیلان پر باقی رہنا قطعاً لازم۔

عـہ وقال فی البنایۃ شذ الحسن بن صالح وجوز الوضوء بالخل وما جری مجراہ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

بنایہ میں ہے کہ حسن بن صالح نے شذوذ کرتے ہوئے سرکہ اور اس قسم کی دوسری اشیاء سے وضو کو جائز قرار دیا ۱۲ منہ غفرلہٗ۔ (ت)

عـہ۲ وقال فی البنایۃ التوضی بالثلج یجوز ان کان ذائبا یتقاطر والا فلا ثم قال وفی مسألۃ الثلج اذا قطر قطرتان فصاعدا جاز اتفاقا والا فعلی قولھما لا یجوز وعلی قول ابی یوسف یجوز اھ

بنایہ میں ہے کہ برف سے وضو جائز ہے بشرطیکہ پگھل کر ٹپک رہا ہو ورنہ نہیں، پھر برف کے مسئلہ میں فرمایا جب اُس سے دو یا زائد قطرے ٹپکیں تو وضو جائز ہے اتفاقاً ورنہ طرفین کے قول پر جائز نہیں ہے اور ابو یوسف کے قول پر جائز ہے اھ

اقول ماکان ینبغی ان یقال قولہ الموھم خلاف الواقع فانما ھی حکایۃ نادرۃ عنہ وقد قال قبلہ فی البنایۃ السیلان شرط فی ظاھر الروایۃ فلا یجوز الوضوء مالم یتقاطر الماء وعن ابی یوسف انہ لیس بشرط اھ ثم الروایۃ مؤولۃ کما علمت

میں کہتا ہوں یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ ان کا وہم پیدا کرنے والا قول خلاف واقع ہے کیونکہ یہ تو ان سے ایک نادر حکایت ہے اور اس سے قبل وہ بنایہ میں فرماچکے ہیں کہ سیلان ظاہر روایت میں شرط ہے تو جب تک پانی کے قطرے نہ ٹپکیں وضو جائز نہیں، اور ابو یوسف سے ہے کہ سیلان

(باقی برصفحہ آئندہ)

4

(۴) اجماع لغت وعرف وشرع ہے کہ دو چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کے لیے ہے وقد قدمناہ عن المحقق علی الاطلاق فی التعریف الخامس للماء المطلق (اور ہم نے محقق علی الاطلاق سے مطلق پانی کی پانچویں تعریف میں اسکو پہلے ذکر کردیا ہے۔ ت) تو پانی میں جب اُس کا غیر اُس سے زائد مقدار میں مل جائے بحکمِ اجماع اوّل قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۵) اجماع عقل ونقل ہے کہ تعارض موجب تساقط ہے اور اجماع حاضر وبیع میں حاضر غالب تو اگر دوسری چیز مساوی القدر بھی ملے گی قابلِ وضو نہ رکھے گی وقد تقدم علہ فی ۲۶۲ (جیسا کہ ۲۶۲ میں گزرچکا۔ ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم فلا ینبغی ذکرھا الابتاویلھا کیلا یتجرأ جاھل علی مخالفۃ امر اللہ تعالٰی متشبثا بھا ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

شرط نہیں اھ یہ روایت مؤول ہے جیسا آپ نے جانا تو اس کو بلا تاویل ذکر کرنا درست نہیں تاکہ کوئی اس کو دیکھ کر اللہ تعالٰی کے حکم کی مخالفت کی جرأت نہ کر بیٹھے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

علہ تقدم ھناک قول الغنیۃ یضم الیہ التیمم عند المساواۃ اھ وما تعقبتھا بہ والاٰن رأیت فی البنایۃ حین ارسل الی نقل ھذا الباب منھا بعض اصحابی ما نصہ حکی عن ابی طاھر الدباس انہ قال انما اختلف اجوبۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاختلاف الاسئلۃ فانہ سئل عن التوضوء اذا کانت الغلبۃ للحلاوۃ قال یتیمم ولایتوضوء وسئل عنہ ایضا کان الماء والحلاوۃ سواء ولم یغلب احدھما علی الاٰخر قال یجمع بینھما وقال السغناقی وعلی ھذہ الطریقۃ لایختلف الحکم بین نبیذ التمر وسائر

یہاں غنیہ کا قول گزرچکا ہے کہ اس کے ساتھ مساوات کے وقت تیمم کو بھی شامل کرلینا چاہئے اھ اور اس پر جو اعتراضات میں نے کئے ہیں وہ بنایہ میں بھی ہیں، میرے ایک دوست نے بنایہ کا یہ حصہ مجھے نقل کرکے بھیجا ہے اس میں ہے ابو طاہر الدباس سے منقول ہے کہ اس سلسلہ میں ابو حنیفہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے اُن سے دریافت کیا گیا کہ مٹھاس کا غلبہ ہو تو کیا کریں تو فرمایا تیمم کرے وضو نہ کرے ان سے دریافت کیا گیا کہ جب پانی اور مٹھاس برابر ہو تو کیا کریں؟ فرمایا وضو اور تیمم دونوں کریں، سغناقی نے فرمایا اس انداز میں نبیذ تمر اور دوسرے نبیذوں کا حکم مختلف نہ ہوگا، یہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

(۶) اجماع ائمہ حنفیہ ہے کہ قلیل مستہلک کا خلط مزیل اطلاق نہیں اگرچہ وہ قلیل جنس ارض سے نہ ہو، ہدایہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الانبذۃ وسئل عنہ ایضا اذا کانت الغلبۃ للماء فقال یتوضوء بہ ولا یتیمم اھ۔

اقول الحلاوۃ ان لم تبلغ مبلغا تجعلہ نبیذا کانت مغلوبۃ وان بلغت فقد غلبت ولا واسطۃ بینہما وایضا لامعنی التساوی الماء والحلاوۃ فان التساوی والتفاضل فی کمین متجانسین فوجب ان المراد المساواۃ فی الاحتمال ای لا یغلب علی الظن احد طرفی صیرورتہ نبیذا او بقائہ ماء بل یحتملان علی السواء فالحاصل حصول الشک والتردد وبہ عبر غیرہ ففی التبیین والفتح عن خزانۃ الاکمل وفی الحلیۃ عنہا وعن غیرھا قال مشایخنا انما اختلفت اجوبتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاختلاف المسائل سئل مرۃ ان کان الماء غالبا قال یتوضؤ وسئل مرۃ ان کانت الحلاوۃ غالبۃ قال یتیمم ولا یتوضؤ و سئل مرۃ اذا لم یدر ایہما الغالب قال یجمع بینہما اھ ھذا لفظ الفتح وقال بعدہ وعلی ھذا یجب التفصیل فی الغسل ان کان النبیذ غالب الحلاوۃ قریبا من سلب الاسم لا یغتسل بہ او ضدہ فیغتسل الحاقا بطریق الدلالۃ

سوال کیا گیا کہ جب پانی کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے؟ فرمایا وضو کرے اور تیمم نہ کرے۔

میں کہتا ہوں کہ مٹھاس اگر اس درجہ نہ ہو کہ پانی کو نبیذ بنا دے تو مٹھاس مغلوب سمجھی جائے گی، اور اگر اس درجہ ہو تو غالب ہوگی اور ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں، نیز پانی اور مٹھاس کی مساوات کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ تساوی اور تفاضل دو ہم جنس کمیتوں میں ہوتے ہیں، تو ضروری ہوا کہ یہ مساواۃ احتمال ہے یعنی اس کا نبیذ ہونا یا پانی رہنا، غالب گمان میں نہیں ہے بلکہ دونوں چیزوں میں برابر کا احتمال ہے، تو حاصل شک و تردد کا حصول ہے، اور ان کے غیر نے اس کی یہی تعبیر کی ہے۔ تبیین اور فتح میں خزانۃ الاکمل سے اور حلیہ میں خزانہ وغیرہا سے ہے کہ ہمارے مشایخ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے۔ جب آپ سے یہ پوچھا گیا کہ اگر پانی غالب ہو، تو آپ نے فرمایا وضو کرے اور جب یہ پوچھا کہ اگر مٹھاس غالب ہو تو جواب میں فرمایا کہ وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرے اھ، یہ فتح کے الفاظ ہیں اور اس پر پھر یہ کہا اس بنا پر غسل میں بھی ضرور تفصیل ہوگی کہ اگر نبیذ میں مٹھاس اتنی غالب ہو جائے کہ پانی کا نام اس پر نہ بولا جائے تو اس سے

میں ہے :

الخلط القلیل لامعتبر بہ لعدم امکان — پانی میں معمولی ملاوٹ کا اعتبار نہیں کیونکہ مٹی کے اجزاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اومتردد افیہ یجمع بین الغسل والتیمم اھ. — غسل نہ کیا جائے اور اگر اس کے خلاف ہو کر مٹھاس مغلوب ہو اور اس کو پانی کہا جائے تو غسل کرے کیونکہ دلالت کے طور پر غسل کا حکم وضو سے ملحق قرار پائے گا اور اگر نبیذ میں غلبہ کے بارے میں تردد ہو تو غسل اور تیمم کو جمع کرے اھ (ت)

اقول لاحاجۃ الی الالحاق مع بقاء الاطلاق اما الذین اختلفوا فی جواز الغسل بہ فصحح فی المبسوط الجواز وصحح فی المفید عدمہ لان الجنابۃ اغلظ کما ذکرہ فی الفتح بعدہ۔

میں کہتا ہوں کہ اطلاق کی موجودگی میں الحاق کی ضرورت نہیں، نبیذ سے غسل کے جواز کے بارے میں اختلاف کرنے والوں نے جیسا کہ مبسوط میں جواز کی صحت کی ہے اور مفید میں عدمِ جواز کو صحیح کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جنابت زیادہ غلیظ ہے جیسا کہ بعد میں اسے فتح میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

فاقول کلامھم فی ما صار نبیذا وھو غیر ھذا التوفیق الانیق وعلیہ یضطر القائل بجواز الاغتسال بہ الی الحاقہ بالوضوء دلالۃ لاقیاسا لان الجواز فی نبیذ التمر معدول بہ عن سنن القیاس وما کان کذا یجوز الالحاق بہ دلالۃ لاقیاسا اما علی ھذا التوفیق فلا شك ان الوضوء والغسل سیان فی جوازھما بالماء المطلق فلا یجعل احدھما اصلا والاٰخر ملحقا بہ ھذا ومثلہ لفظ التبیین والحلیۃ اذا لم یدرایھما الغالب فھذا فی المشکوك دون المخالط المساوی

پس میں کہتا ہوں کہ ان کا کلام اس صورت میں ہے جب نبیذ بن جائے تو اس میں مذکورہ توفیق جاری نہ ہوگی لہذا غسل کے جواز کے قائل وضو کے ساتھ الحاق کرنے میں دلالت کے قول پر مجبور ہیں اور وہ قیاس کو یہاں استعمال نہیں کرسکتے کیونکہ نبیذ تمر سے وضو کا جواز قیاس کے قاعدہ پر نہیں ہے، جو قیاس کے خلاف ہو تو اس سے الحاق بطور دلالت ہوسکتا ہے اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا پس اس طرح وضو اور غسل دونوں مطلق پانی سے جواز میں مساوی ہیں ایک کو اصل اور دوسرے کو ملحق نہیں قرار دیا جاسکتا، ہذا، تبیین اور حلیہ کے الفاظ بھی اسی طرح ہیں، توجب

(باقی اگلے صفحہ پر)

الاحتراز عنه کما فی اجزاء الارض[1] کی طرح ایسی ملاوٹ سے پانی کا محفوظ ہونا مشکل ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

قد رأیناہ یقال فی ماء المد والنیل حال غلبة لون الطین علیه وتقع الاوراق فی الحیاض زمن الخریف فیمر الرفیقان و یقول احدھما للاٰخر ھنا ماء تعال نشرب نتوضأ فیطلقه مع تغیر اوصافه بانتقاعھا فظھر لنا من اللسان ان المخلوط المغلوب لایسلب الاطلاق فوجب ترتیب حکم المطلق علی الماء الذی ھو کذٰلك وقد اغتسل صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یوم الفتح من قصعة فیھا اثر العجین رواہ النسائی والماء بذٰلك

مد اور نیل کے پانی میں مٹی کا رنگ غالب ہوتا ہے اور حوضوں میں موسم خزاں کے پتّے گرتے ہیں اس کے باوجود ہم نے دیکھا کہ دو ساتھی وہاں سے گزرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہتے ہیں یہ پانی ہے آؤ پئیں اور وضو کریں اسی کو مطلق پانی قرار دیتے ہیں حالانکہ ان چیزوں کے ملنے کی وجہ سے پانی کے اوصاف متغیر ہوچکے ہوتے ہیں تو معلوم ہُوا کہ ملنے والی مغلوب چیز پانی کو اپنے اطلاق سے خارج نہیں کرتی لہذا ایسے پانی پر مطلق پانی کا حکم مرتب ہوگا نیز فتح مکّہ کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسے پیالے سے وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قدرا فلیس فیه ما یمیل الی ما فی الغنیة فتثبت وللّٰه الحمد۔

دونوں میں سے کسی کا غلبہ معلوم نہ ہو، تو یہ مشکوک کی بات ہوتی مقدار کے اعتبار سے مساوی مخلوط کی بات نہیں ہے یہاں غنیہ والی بات کی طرف میلان ثابت نہیں ہے۔

اقول ونظیر ھذا الاختلاف عن الامام ما فی الحدیث انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم سئل عن تقبیل الصائم عرسه فاجاز فسئل اخری فنھی فاذا الذی اباہ له شیخ والذی نھاہ عنه شاب ۱۲ منه غفر له۔(م)

میں کہتا ہوں کہ اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک بار یہ سوال ہوا کہ اگر روزے والا اپنی بیوی کا بوسہ لے تو کیا حکم ہے، تو جواب میں اجازت فرمائی۔ اور دوسری بار یہی سوال کیا گیا تو آپ نے منع فرمایا۔ تو اس ایک سوال کے مختلف جوابات کی وجہ یہ ہے اگر وہ روزے والا بوڑھا ہو تو جائز فرمایا اور اگر وہ جوان ہے تو منع فرمایا، اسی طرح امام ابو حنیفہ نے نبیذ کے بارے مختلف قول فرمائے کیونکہ ہر جواب علیحدہ نقطے سے متعلق ہے۔(ت)

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

یتغیر و لم یعتبر المغلوبیۃ[1] ۔ فرمایا جس میں آٹا لگا ہوا تھا۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور پانی اس آٹے کی وجہ سے متغیر ہوتا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ (ت)

(۷) اجماع عرف و شرع ہے کہ زوال اسم موجب زوال اطلاق ہے وقد تقدم فی تعاریف المطلق لاسیما التاسع (مطلق کی تعریفوں خصوصاً نویں تعریف میں گزر چکا ہے۔ ت) و لہذا نبیذ تمر سے وضو ناجائز ہونے پر اجماع ہوا اگرچہ پانی اپنی رقت پر رہے وقد تقدم فی ۲۸۶ (۲۸۶ میں گزر چکا۔ ت)

(۸) اجماع ائمہ حنفیہ ہے کہ پانی کے اوصاف میں قلیل تغیر مانع اطلاق نہیں وقد تقدم فی ۱۱۶ (۱۱۶ میں گزر چکا ہے۔ ت)

یہ آٹھ اجماع واجب الاتباع ناقابل نزاع غیر صالح الاندفاع ہیں اور یہی بحمد اللہ تعالیٰ وہ معیار کامل ہے جو ماء مطلق کی تعریف رضوی میں گزرا وللہ الحمد یہ احکام منقحہ ہاتھ میں رکھ کر ضوابط کی طرف چلئے۔

ضابطہ ۱: کسی پھل یا پیڑ یا بیل یا پتوں یا گھاس کے عرق یا عصارے سے وضو جائز نہیں۔ قدوری ہدایہ وقایہ نقایہ کنز اصلاح غرر نور الایضاح متون وغیرہا عامہ کتب میں ہے لایجوز بما اعتصر من شجر او ثمر[2] (درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو جائز نہیں۔ ت) اور صحیح یہ کہ یہ حکم قاطر و مستقطر و معتصر سب کو عام ہے کما تقدم فی ۲۰۵ (جیسا کہ بحث ۲۰۵ میں گزر چکا ہے۔ ت)

اقول ھو عندی من فروع الاجماع الاول حتی فی قاطر الکرم وقد تقدم فی حاشیۃ ۲۰۷۔

میں کہتا ہوں کہ یہ میرے نزدیک پہلے اجماع کے فروعات میں سے ہے حتی کہ انگور کے درخت سے نکلنے والے قطروں کو شامل ہے اور یہ بات بحث ۲۰۷ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔ (ت)

ضابطہ ۲ تا ۴: مطہر پانی کے ناقابل وضو ہو جانے کے لیے متون معتمدہ میں تین سبب ارشاد ہوئے:

(۱) زوال طبع آب

(۲) غلبۂ غیر

(۳) طبخ با غیر

اگرچہ بعض نے ایک سبب بیان کیا بعض نے دو بعض نے اجمالاً سب، اور ان سے تعبیر میں بھی عبارات

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۶۴

[2] نور الایضاح کتاب الطہارۃ مطبع علمیہ لاہور ص ۳

مختلف آئیں مگر عند التحقیق بتوفیق اللہ تعالٰی سب اُسی معیار کے دائرے میں ہیں عبارات یہ ہیں:

(۱) **قدوری** لایجوز بما غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء کماء الباقلی والمرق وماء الزردج[1] (وضو جائز نہیں ہے اُس پانی سے جس پر کسی دوسری شے کا غلبہ ہوگیا ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور زردج کا پانی۔ ت)

(۲) **ہدایہ** مثلہ وانما اخذ عنہ وان زاد بعض الامثلۃ[2] (ہدایہ میں اسی کی مثل ہے انہوں نے قدوری سے لیا ہے اگرچہ بعض مثالوں کا اضافہ کیا ہے۔ ت)

(۳) **وقایہ** ولا بماء زال طبعہ بغلبۃ غیرہ اجزاء اوبالطبخ کماء الباقلی والمرق[3] (وقایہ میں ہے اور نہ اس پانی سے جس پر غیر کا بصورت اجزاء یا پکانے کی وجہ سے غلبہ ہوگیا ہو جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ۔ ت)

(۴) **نقایہ** یتوضؤ بماء السماء والارض وان اختلط بہ طاھر الا اذا اخرجہ عن طبع الماء او غیرہ طبخا وھو مما لایقصد بہ النظافۃ[4] (نقایہ میں ہے آسمان اور زمین کے پانی سے وضو کرے اگرچہ اس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو، الّا یہ کہ اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو یا پکنے کی وجہ سے اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو اور وہ غیر چیز ایسی نہ ہو جس سے نظافت مطلوب ہوتی ہے۔ ت)

(۵ و ۶) **کنز و وافی** لا بما تغیر بکثرۃ الاوراق اوبالطبخ او غلب علیہ غیرہ اجزاء[5] (کنز و وافی میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو پتّوں کی کثرت یا پکنے یا غلبہ اجزاء کی وجہ سے بدل گیا ہو۔ ت)

(۷) **اصلاح** لا بماء زال طبعہ بغلبۃ غیرہ اجزاء او تغیر بالطبخ معہ وھو مما لایقصد بہ النظافۃ[6] (اصلاح میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو اپنی طبیعت کھو بیٹھا ہو دوسرے کے اجزاء کے غلبہ سے یا پکنے کی وجہ سے اور وہ چیز ایسی ہو جس سے نظافت کا ارادہ نہ کیا جاتا ہو۔ ت)

---

[1] قدوری کتاب الطہارت مطبع مجتبائی کانپور ص ۶
[2] ہدایۃ المبتدی
[3] شرح الوقایۃ کتاب الطہارت مطبع رشیدیہ دہلی ۱/۸۵
[4] جامع الرموز " مطبع الاسلامیہ گنبد ایران ۱/۴۵
[5] کنز الدقائق میاہ الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱
[6] اصلاح

(۸) **ملتقی**[1] لا بماء خرج عن طبعه بکثرۃ الاوراق او بغلبۃ غیرہ او بالطبخ کماء الباقلاء والمرق (ملتقی میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو پتوں کی کثرت یا غیر کے غلبہ یا پکانے کے سبب اپنی طبیعت کھو بیٹھا ہو جیسے باقلاء کا پانی اور شوربہ۔ت)

(۹) **غرر** لا بماء زال طبعہ بالطبخ کالمرق او بغلبۃ غیرہ علیہ[2] (غرر میں ہے جس پانی کی طبیعت زائل ہو چکی ہو اس سے وضو جائز نہیں خواہ پکنے کی وجہ سے یا غیر کے غلبہ کی وجہ سے۔ت)

(۱۰) **تنویر** لا بماء مغلوب بطاھر ولا بماء زال طبعہ بطبخ کمرق[3] (تنویر میں ہے جو پانی کسی پاک چیز کے ملنے سے مغلوب ہو چکا ہو یا پکنے سے طبیعت کھو چکا ہو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ت)

(۱۱) **نور الایضاح** لا بماء زال طبعہ بالطبخ او بغلبۃ غیرہ علیہ[4] اھ (نور الایضاح میں ہے جس پانی کی طبیعت پکنے یا غیر کے غلبہ کی بنا پر زائل ہو چکی ہو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ت)

اقول وترکنا ماذکر بعدہ من تلخیص الضابطۃ الزیلعیۃ فان وضع المتون لنقل المذہب دون الابحاث الحادثۃ۔

میں کہتا ہوں انھوں نے اس کے بعد جو ضابطہ زیلعیہ کی تلخیص ذکر کی ہے ہم نے اسے ترک کردیا ہے کیونکہ متون کو مذہب نقل کرنے کے لیے وضع کیا ہے نئی ابحاث کے لیے نہیں۔(ت)

---

[1] ملتقی الابحر | تجوز الطہارت بالماء المطلق | عامرہ مصر | ۲۸/۱
[2] غرر | فرض الغسل | دار السعادۃ مصر | ۲۳/۱
[3] تنویر الابصار | باب المیاہ | مجتبائی دہلی | ۳۴/۱
[4] نور الایضاح | کتاب الطہارۃ | علمیہ لاہور | ص ۳

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
ا		
۱- الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲- الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳- الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴- الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵- ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶- ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷- الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸- الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹- اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰- اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱- الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲- آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳- انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴- امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵- انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶- الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷- امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۸- الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹- القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

کتاب	مصنف	سن وفات
٢٠ - بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	٥٨٧
٢١ - البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	٥٩٣
٢٢ - البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم با بن نجیم	٩٧٠
٢٣ - البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی	٩٢٢
٢٤ - بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	٣٧٢
٢٥ - البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	٥٠٥
٢٦ - البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	٨٥٥

ت

کتاب	مصنف	سن وفات
٢٧ - تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی	١٢٠٥
٢٨ - تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی با بن عساکر	٥٧١
٢٩ - تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	٢٥٦
٣٠ - التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	٥٩٣
٣١ - تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	٨٦١
٣٢ - تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	٥٤٠
٣٣ - تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	٧٣٠
٣٤ - الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلو بغا الحنفی	٨٧٩
٣٥ - التعریفات لسید شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	٨١٦
٣٦ - تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	٣١٠
٣٧ - تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	٦٩١
٣٨ - تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی و جلال الدین السیوطی سم	٩١١ـ٨
٣٩ - تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	١٢٠٤
٤٠ - تفسیر القرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	٦٧١
٤١ - التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	٦٠٦

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
۴۲	التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۷۲۸
۴۳	تقریب القریب	ابو زکریا یحیٰی بن شرف النواوی	۹۱۱
۴۴	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸	تنویر المقباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۴۹	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰	تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
۵۳	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۵۸	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴	الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۶۵	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

ح

کتاب	مصنف	سن وفات
۶۷ - حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸ - حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹ - حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰ - حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۷۱ - حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علامہ سفطی	۰
۷۲ - الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳ - الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴ - الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵ - حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶ - حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۷۷ - حلیۃ المجلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

کتاب	مصنف	سن وفات
۷۸ - خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹ - خزانۃ الفتاوی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰ - خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱ - خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲ - خلاصۃ الفتاوی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳ - خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

کتاب	مصنف	سن وفات
۸۴ - الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵ - الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۸۶ - الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷ - الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸ - ذخیرة العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹ - ذخیرة الفتاویٰ	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰ - ذم الغیبة	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱ - الرحمانیة		
۹۲ - رد المحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳ - رحمة الامة فی اختلاف الائمة	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴ - رغائب القرآن	ابو مروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵ - رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶ - رد علی الجهمیة	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷ - زاد الفقهاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۹۸ - زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹ - زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۰۰ - زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱ - السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۱۰۲ - السنن لابن ماجة	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجة	۲۷۳
۱۰۳ - السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴ - السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵ - السنن للنسائی	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶ - السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۱۰۷	السنن للدارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸	السنن للدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۱۰۹	الشافی	شمس الائمہ عبد اللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲	شرح الاربعین للنووی	علامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبد الغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبد الحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابو نصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰	شرح الغریبین		
۱۲۱	شرح المسلم للنووی	شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲	شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبد البر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶	شرح مواہب اللدنیۃ	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸	شرح المہذب للنووی	شیخ ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹	شرح النقایۃ	مولانا عبد العلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱ - شرح الہدایة	محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲ - شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳ - شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴ - شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵ - شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶ - صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷ - صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸ - صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۱۳۹ - الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰ - الطحطاوی علی الدر	سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱ - الطحطاوی علی المراقی	سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲ - الطریقة المحمدیة	محمد بن پیر علی المعروف ببرکلی	۹۸۱
۱۴۳ - طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴ - عمدة القاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵ - العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶ - عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷ - عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸ - عقود الدریة	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۴۹ - عدة	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۲۰
۱۵۰ -		

غ

۱۵۱ - غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲ - غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۵۳ - غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴ - غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸
۱۵۵ - غنیۃ ذو الاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶ - غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷ - فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸ - فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بابن الہمام	۸۶۱
۱۵۹ - فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰ - فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱ - فتاوی حجہ		
۱۶۲ - فتاوی خیریہ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳ - فتاوی سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴ - فتاوی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵ - فتاوی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶ - فتاوی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷ - فتاوی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸ - فتاوی ظہیریہ	ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹ - فتاوی ولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰ - فتاوی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۱۷۱ - فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲ - فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

4

۱۷۳ - فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴ - الفتوحات المکیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵ - فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶ - الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷ - فوائد المخصصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸ - فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹ - فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰ - القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱ - قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲ - القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳ - القرآن		

ک

۱۸۴ - الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵ - الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶ - الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷ - کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸ - کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹ - کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰ - کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۱۹۱ - کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲ - کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳ - کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴ - کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵ - کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

١٩٦ - کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	٧٣٠
١٩٧ - کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
١٩٨ - کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	٧٦٨
١٩٩ - کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	٩٧٥
٢٠٠ - الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	٨٠٠
٢٠١ - کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	٩٧٣
٢٠٢ - کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	٧١٠
٢٠٣ - الکنی للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	٤٠٥
٢٠٤ - الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	٧٨٦
٢٠٥ - کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	٣٥٤
٢٠٦ - کتاب المغازی	یحیی بن سعید القطان	١٩٨
٢٠٧ - کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	٢٨١
٢٠٨ - کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	١٨٠
٢٠٩ - الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	٥٣٨

ل

٢١٠ - لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	١٠٥٢
٢١١ - لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن محمد السیوطی	٩١١

م

٢١٢ - مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	٨٠١
٢١٣ - مبسوط خواہر زادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	٤٨٣
٢١٤ - مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	٤٨٣
٢١٥ - مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی تقریباً	٩٩٥
٢١٦ - مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	٩٨١
٢١٧ - مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسی	٥٥٠
٢٠٨ - مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	١٠٧٨ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۲۱۹	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبد القادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد	۶۴۳
۲۲۴	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبد اللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰	المستدرک للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱	المستصفی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴	مسند ابی یعلٰی	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵	مسند اسحٰق ابن راہویہ	حافظ اسحٰق ابن راہویہ	۲۳۸
۲۳۶	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸	مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱	المصفٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲	مصنف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳	مصنف عبد الرزاق	ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴	مصباح الدجی	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵ ۔ معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶ ۔ المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷ ۔ المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸ ۔ المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹ ۔ معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰ ۔ مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱ ۔ المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲ ۔ المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳ ۔ مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴ ۔ مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۴۱
۲۵۵ ۔ المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶ ۔ المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷ ۔ الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸ ۔ مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۵۹ ۔ مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰ ۔ المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱ ۔ المنتقٰی فی فروع الحنیفۃ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲ ۔ منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳ ۔ منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴ ۔ ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵ ۔ منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النواوی	۶۷۶
۲۶۶ ۔ مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷ ۔ المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸ ۔ المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹ ۔ مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۲۷۰	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳	موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۳۲
۲۷۵	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶	میزان الشریعۃ الکبریٰ	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹	مکارم الاخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

نمبر	کتاب	مصنف	سن
۲۸۰	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱	نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۲۱
۲۸۴	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵